تذکرہ خلیفۂ راشد امیر المومنین

سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

مع

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ

مؤلف: پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی
ایم۔اے



ادبیات

سیدنا
امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

کتاب کا نام	سیرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مع سیدنا امیر معاویہ پر اعتراضات کا علمی جائزہ
مصنف	قاضی محمد طاہر علی الہاشمی
ناشر	حکیم عروہ وحید سلیمانی
مطبع	آر۔آر۔ پرنٹرز
طبع اول	اپریل ۲۰۱۰ء
تعداد	۵۰۰
قیمت	۷۵۰/- روپے

ملنے کا پتہ



ادارہ مطبوعات سلیمانی

رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور۔ فون: 7232788

E-mail: idarasulemani@yahoo.com

تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین

سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

مع

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ

مؤلف: پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی
ایم۔اے



ادبیات

ہیڈ آفس
رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
: 042-37232788, 042-38414546
E-mail: idarasulemani@yahoo.com

راولپنڈی : دکان نمبر 12، اقبال مارکیٹ، کمیٹی چوک
اقبال روڈ، راولپنڈی 051-5551742:

چوبرجی برانچ : ۳۔ بی نیاز ویو سکیم عقب خان بابا ریسٹورنٹ
چوک چوبرجی لاہور۔
: 042-37312648,38401105


بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست مضامین

انتساب

میں اس کتاب کو ابنائے امیر شریعت خصوصاً سید ابو معاویہ ابوذر بخاری اور سید عطاء المحسن بخاری، جنھوں نے رجب ۱۳۸۱ھ بمطابق ستمبر ۱۹۶۱ء میں اس دھرتی پر سب سے پہلے ''یوم معاویہ'' منانے کی داغ بیل ڈالی۔

نتیجتاً پابندیاں عائد ہوئیں، جیل گئے، طعن و تشنیع کے تیر برسے، اپنوں اور بیگانوں سے گالیاں کھائیں، قاتلانہ حملے ہوئے، گھروں پر گولیاں برسائی گئیں، آگ لگائی گئی، ہم مسلک حلقوں نے مکمل سماجی بائیکاٹ کیا، چوریاں ہوئیں مگران کے پائے استقلال میں کوئی لرزش واقع نہ ہوئی اور انھوں نے دفاع صحابہ کی یہ جدوجہد جاری رکھی۔

اپنے محترم و مشفق والد ماجد جناب قاضی چن پیر الہاشمی (متوفی ۳ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ) جن کی تعلیم و تربیت سے احقر اس ادنیٰ خدمت کے قابل ہوا۔

جملہ متلاشیان حق اور جذبہ دفاع صحابہ سے سرشار مسلمانوں کے نام منسوب کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

ماہنامہ ''نصرۃ العلوم'' گوجرانوالہ (اگست ۱۹۹۶ء)

مبصر: مولانا حافظ عزیز الرحمٰن صاحب ایم اے۔ ایل ایل بی

نام کتاب تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

مؤلف پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی ایم اے

صفحات ۴۸۸

قیمت ۱۵۰ روپے

ملنے کا پتہ قاضی چن پیر الہاشمی اکیڈمی، مرکزی جامع مسجد حویلیاں ضلع ایبٹ آباد

زیر نظر کتاب، امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سوانح حیات پر مشتمل ہے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وہ آخری صحابی ہیں جنھوں نے امت مسلمہ کے جنگ ہائے صفین و جمل سے چور چور جسم کو نہ صرف صحت بخشی بلکہ اس کو اس قدر طاقت و توانائی مہیا کی کہ وہ دوبارہ دنیا کی عظیم ترین قوم بن کر بحر و بر پر چھا گئی اور اسلامی سلطنت کو وہ وسعت ملی جواب شاید کبھی نہ مل سکے۔ بحر ظلمات سے دیوار چین تک اور بحر ہند کے جزائر سے بحر منجمد شمالی کے دامن تک اسلام کا جھنڈا لہرانے کا سہرا آپ ہی کے سر پر سجا ہے۔ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے بعد منافقین کی سازشوں کو ناکام بنانا، سبائیوں اور رافضیوں کی ریشہ دوانیوں کا قلع قمع کرنا آپ ہی کے ہاتھوں ممکن ہوا اور امت دَور فاروقی کے بعد ایک دفعہ پھر یک جان ہو کر دشمنان اسلام کے سینوں کو چیرتی ہوئی آباد دنیا کی آخری سرحدوں کو چھونے لگی۔ لیکن اس امت نے ہمیشہ اپنے مسیحا پر طعن و تشنیع کی بوچھاڑ کی۔ غیروں پر تو کیا گلہ، نام نہاد اہل سنت والجماعت بھی آپ کا نام لینے اور آپ کے سنہری کارناموں کا تذکرہ کرنے سے گھبراتے ہیں۔ روافض نے انھیں اس قدر مصلحت کوش بنا دیا ہے کہ حقائق کو چھپانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ ہر قسم کی مصلحت سے بے نیاز ہو کر پروفیسر طاہر الہاشمی نے ایک نئے انداز سے آپ کی سیرت کے چند پہلو اجاگر کیے ہیں جو اسی کتاب کا حصہ ہیں۔ آپ کی اس تصنیف کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ نے اہل سنت کے بزعم خویش رہنما اور ترجمان ہونے کے مدعی تاریخ سے بے خبر لوگوں کی خوب نشاندہی کی ہے اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی خدمات جلیلہ کو امت کے سامنے واضح اور بین دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے اور ان پر کی جانے والی بے جان اور متعصبانہ تنقید کے مسکت جوابات دیے ہیں۔ علماء و طلبہ کو اس کتاب سے مکمل استفادہ کرنا چاہیے۔

ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' ملتان (جنوری ۱۹۹۶ء)

مبصر: پروفیسر سید محمد ذوالکفل بخاری رحمہ اللہ

نام کتاب: تذکرہ خلیفہ راشد، امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ
مؤلف: پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی
ناشر: قاضی چن پیر الہاشمی اکیڈمی، مرکزی جامع مسجد حویلیاں (ہزارہ)
ضخامت: ۴۸۸ صفحات
قیمت: ۱۵۰ روپے

ائمہ اہل اسلام...... خصوصاً حضرت امام مالک اور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے سورۂ فتح کی آخری آیت کے کلمات لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (تا کہ ان سے کافروں کے دل جلیں) سے استدلال فرمایا ہے کہ اصحاب رسول کی شان وشوکت دیکھ کر غیظ وغضب کا اظہار کرنے والے لوگ کفار ہیں۔ اب اگر سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور یقیناً وہ صحابی ہیں، بلکہ جلیل القدر صحابی ہیں، تو ان کی رفعت شان، علو مرتبت اور جلالت مآبی پر چیں بجبیں ہونے والوں اور ان پر سب وشتم کرنے والوں کے ''اسلام'' کا حال معلوم! بقول اقبال

ع ترا دل حرم، گرو عجم، ترا دیں خریدہ کافری

حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ کی تصریح کے مطابق ''حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: ''میرے صحابہ پر سب نہ کرو'' میں ''سب'' سے مراد ہر وہ کلام ہے جس سے کسی صحابی کی تنقیص ہوتی ہو۔

اسی طرح سورۂ حشر میں قرآن کریم کے کلمات وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا (اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں بیر ایمان والوں کا) کے ذریعے سے ایمان والوں پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لازم ٹھہرا دیا گیا کہ وہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اپنے دلوں کو ہر قسم کے کینہ، کدورت اور کھوٹ سے نہ صرف پاک رکھیں بلکہ اللہ رب العزت سے برابر اس کی توفیق طلب کرتے رہیں۔ حیف، صد حیف کہ آج بڑے بڑے مدعیان اسلام پر ''بے توفیقی'' غالب آ رہی ہے۔ ''سب'' کا ارتکاب ہو رہا ہے۔ ''غل'' کا اظہار ہو رہا ہے اور کوئی پوچھنے والا نہیں...... ع مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟ ایسے ماحول میں...... فاضل اجل، محترم قاضی محمد طاہر علی الہاشمی کی یہ تازہ تالیف غیرت ایمانی کا اظہار ہے، جس میں دانش نورانی اور دانش برہانی بکمال و تمام موجود ہیں۔ ایسی کتاب کی تحسین کا حق چند سطروں بلکہ چند صفحوں میں ادا نہیں ہو سکتا۔ اتنا ضرور کہا جا سکتا

ہے کہ قاضی صاحب زید مجدہم یقیناً صاحب توفیق بزرگ ہیں۔ ان کے توفق میں اور ان کے موفق ہونے میں کوئی خارجی، ناصبی اور سبائی ہی کلام کر سکتا ہے اور اسے ایسا کرنا بھی چاہیے کیونکہ اسے تو امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ میں رکنیت غیر راشدہ اور ان کے تفقہ و اجتہاد میں خطائے اجتہادی (یا خطائے عنادی) نظر آتی ہے......کبھی صورتاً اور کبھی حقیقتاً!

کتاب علمی اور تحقیقی ہے۔ ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ نے نہایت اصولی مقدمہ لکھ کر اس کی اہمیت میں اضافہ کر دیا ہے۔ زبان شستہ ورفتہ ہے، ضخامت اچھی ہے، قیمت مناسب ہے، کتابت گوارا ہے۔ ناشرین کے علاوہ یہ کتاب بخاری اکیڈمی، دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان اور معاویہ دارالاشاعت حاجی پورہ باغبان پورہ لاہور کے یہاں سے بھی مل سکتی ہے۔

ماہنامہ "تعلیم القرآن" (اکتوبر ۱۹۹۵ء)

تبصرہ از: مولانا محمد عطاء اللہ بندیالوی

نام کتاب: تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ
مصنف: مولانا پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی ایم۔اے
کتابت و کاغذ: گورا، مضبوط اور خوبصورت جلد
صفحات: ۴۸۸
سائز: ۳۶×۱۸/۸
قیمت: ۱۵۰ روپے
ملنے کے پتے: ① قاضی چمن پیر الہاشمی اکیڈمی جامع مسجد حویلیاں ہزارہ ② بخاری اکیڈمی دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ③ معاویہ دارالاشاعت حاجی پورہ باغبانپورہ لاہور

اصحاب رسول کی قدوسی جماعت میں امیر المومنین، خال المسلمین حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مظلوم ترین شخصیت ہیں کہ ایک طرف اہل تشیع ان کو باغی، گمراہ، کافر اور مرتد تک قرار دیتے ہیں، اہل تشیع کی دریدہ دہنی باعث تعجب نہیں، اس لیے کہ وہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تک کو معاف نہیں کرتے، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کس گنتی میں...... تعجب اور حیرت تو ایسے افراد پر ہے جو اہل سنت کا لبادہ اوڑھ کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی عبقری شخصیت پر تھوکنے کو اپنے لیے باعث فخر سمجھتے ہیں۔ فاضل مصنف محقق وقت مولانا قاضی محمد طاہر الہاشمی صاحب نے زیر تبصرہ کتاب میں اسی دوسرے طبقہ کی خوب خبر لی ہے۔ ان کے اپنے علاقہ سے تعلق رکھنے والے ایک نام نہاد سنی پیر محمود شاہ محدث ہزاروی نے تقریراً و تحریراً سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف وہ زہر اگلا کہ اہل تشیع بھی شرم کے مارے پانی بھرنے لگے۔ اور یہی نام نہاد سنی اس امر کا باعث بنا کہ محترم قاضی صاحب نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت و کردار کو اجاگر کرنے کے لیے سیکڑوں کتب کی ورق گردانی کر کے تاریخ کے عمیق سمندر سے دلوں کو تسکین بخشنے والے لؤلؤ و مرجان نکال کر عوام کے حوالے کیے۔ فاضل مصنف نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر بحث کرنے سے پہلے ان کے والد محترم حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی والدۂ محترمہ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کی ذات اور شخصیت کو موضوع بحث بنا کر عجمی منافقین کے الزامات اور ان کے بچھائے گئے جال کو تار تار کر دیا ہے...... خلافت راشدہ کی تعریف بیان کر کے انھوں نے ثابت کیا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ راشد تھے...... فاضل مصنف نے ابتدائے کتاب میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی

حالات، قبول اسلام، کتابت وحی، عہد صدیقی میں ان کی خدمات، عہد فاروقی وعثمانی میں ان کی اسلام کے لیے انتھک محنت کا تذکرہ کیا ہے۔ پھر عہد مرتضوی اور عہد حسنی میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بے داغ کردار کو بیان کیا ہے..... ان کے اپنے دورِ خلافت میں اسلام کے لیے ان کی بے مثال خدمات اور فتوحات کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے.....سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ آخر میں بعض مدعیان اہلسنّت کا ذکر ہوا ہے جو اپنے سینے میں معاویہؓ کے لیے کینہ رکھتے ہیں.....غرضیکہ کتاب ہر لحاظ سے لاجواب اور بے مثال ہے۔ فاضل مصنف محترم قاضی صاحب نے بڑی محبت سے یہ جواہر پارے جمع کیے ہیں جو یقیناً اہل علم کے لیے نادر تحفہ، اہل دانش کے لیے علمی ذخیرہ اور عوام الناس کے عقائد کی اصلاح کا سامان لیے ہوئے ہے..... کتاب کا مقدمہ ابن امیر شریعت مولانا سید عطاء المحسن شاہ صاحب بخاری کے قلم سے ہے جس نے کتاب کو چار چاند لگا دیے ہیں۔

ہم علماء وطلبہ اور عوام الناس سے اپیل کریں گے کہ وہ پہلی فرصت میں کتاب منگوائیں اور اسے اپنے کتب خانہ کی زینت بنائیں۔ یہ کتاب یقیناً آپ کے علم میں اضافہ کا باعث ہوگی۔

عرض مؤلف

آج سے تقریباً بارہ سال پہلے ۱۹۸۳ء میں جب راقم الحروف کی پہلی کتاب ''تعارف سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ'' شائع ہوئی تو دشمنان معاویہ بالخصوص پیر سید محمود شاہ محدث ہزاروی میں شدید بے چینی اور اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ جس کے جواب میں انھوں نے اپنی تبلیغی سرگرمیاں تیز کرتے ہوئے کھلم کھلا اپنی محافل و مجالس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جلیل القدر صحابی پر سب و شتم کے ساتھ ساتھ انھیں باغی، طاغی، ظالم، منافق، کافر اور شر الملوک ثابت کرنا شروع کر دیا۔

راقم نے مقامی انتظامیہ کی توجہ اس شدید ظلم کی طرف مبذول کرانے کے علاوہ ہزارہ ڈویژن کے ممتاز علماء کی خدمت میں حاضر ہو کر انھیں اصل صورت حال سے آگاہ کیا۔

چنانچہ علمائے کرام کی مساعی کے نتیجے میں پیر صاحب کے خلاف ۲۹۸۔اے کے تحت بتاریخ یکم جولائی ۱۹۸۵ء تھانہ حویلیاں میں ایک مقدمہ قائم ہو گیا۔ جو تقریباً آٹھ سال تک ایبٹ آباد کی مختلف عدالتوں میں زیر سماعت رہا اور بالآخر ملزم کی موت کے بعد داخل دفتر ہو گیا۔

دوران سماعت میں ملزم کی طرف سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر جو اعتراضات اور الزامات عائد کیے گئے ابتداءً خیال تھا کہ ان کے جوابات کتابی صورت میں شائع کر دیے جائیں۔ مگر آں محترم کی سیرت و کردار پر مشتمل حصہ بنام ''تذکرۂ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ'' کی ضخامت ہی اس قدر بڑھ گئی کہ جوابات کے اس اہم حصے کو مزید مؤخر کرنا پڑ گیا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو جلد ہی ایک مستقل کتاب بنام ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ'' قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر دی جائے گی۔ ☆

مذکورہ مقدمے کی طویل پیروی کے دوران میں ملزم کی طرف سے راقم کے خلاف ترہیب و تخویف کا ہر حربہ استعمال کیا گیا اور ایبٹ آباد اور کوہاٹ کی عدالتوں میں بہت سے جھوٹے اور بے بنیاد مقدمات بھی قائم کیے گئے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور ثابت قدمی کی عظیم نعمت سے نوازتے ہوئے ہر میدان میں تحریراً اور تقریراً حتیٰ کہ عدالت کے کٹہرے میں بھی آٹھ برس تک اس جلیل القدر اور مظلوم صحابی کے دفاع کی توفیق

☆ الحمد للہ اب دونوں کتابوں کو یکجا شائع کیا جا رہا ہے۔ (ناشر)

عنایت فرمائی۔ فالحمد لله علی ذلك حمدا کثیرًا۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ دنیائے اسلام کی ان چند مقتدر، باعظمت اور بلند پایہ شخصیتوں میں سے ایک ہیں جن کے احسانات سے ملت اسلامیہ کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتی...... اظہار اسلام کے بعد کتابت وحی جہاد فی سبیل اللہ میں بھرپور حصہ، لسان نبوت سے خوشنودیِ الٰہی اور حصول جنت کی عظیم تر بشارات، خلفائے راشدین کے عہد خلافت میں اپنی قائدانہ و مدبرانہ صلاحیت سے اشاعت اسلام اور تسخیر وفتوحات میں نمایاں کردار، ختم نبوت کے اولین باغی مسیلمہ کذاب کا قتل، تاریخ اسلام میں سب سے پہلے بحری بیڑے کی تیاری، اسلامی مملکت کی نظریاتی وجغرافیائی سرحدوں کی حفاظت اور تقریباً بیس برس حجاز مقدس سے افریقہ اور بحر روم سے بحر اوقیانوس تک پھیلی ہوئی اسلامی ریاست کے متفق علیہ اور ہر دل عزیز خلیفہ راشد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بے شمار شرف اور خصوصیات حاصل ہیں۔

اس تمام تر شرف وفضل کے ساتھ ساتھ آں محترم دنیائے اسلام کی وہ مظلوم ہستی بھی ہیں کہ جن کی تمام خوبیوں، ذاتی محاسن وکمالات اور عظیم کارناموں کو فراموش کر دیا گیا۔ جن کے قابل احترام رشتوں کا کوئی لحاظ نہیں کیا گیا۔ جن کے فضائل ومناقب زبان پر لانے کو بھی گناہ عظیم تصور کیا گیا۔ جن کے ایمان کو نفاق، سخاوت کو خیانت، خشیت الٰہی کو ریاکاری، تدبیر وسیاست کو مکر وخدع اور عدل وانصاف کو ظلم کا نام دیا گیا۔ حتیٰ کہ جن پر تبرا اور لعن طعن کو عبادت قرار دیا گیا۔

بڑے شقی، بد بخت، روسیاہ اور ملعون ہیں وہ لوگ جنھوں نے اللہ کے معاف کرنے کے باوجود انھیں معاف نہ کیا اور "رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ" کی قرآنی سند کی موجودگی میں بھی ان سے بغض کیا...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو ان کے لیے بخشش کی دعائیں مانگیں، انھیں عزت کی نگاہ سے دیکھیں اور اعزاز عطا فرمائیں مگر آپ کے نام نہاد محبان انھیں نفرت وحقارت کی نگاہ سے دیکھیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ جن کے بارے میں یہ فرمائیں کہ وہ ہمارے بھائی ہیں ہمارا رب ایک ہے نبی ایک ہے۔ ہماری دعوت اسلامی ایک ہے۔ ہم اللہ ورسول پر ایمان ویقین میں ان سے زیادہ نہیں ہیں اور وہ ہم سے زیادہ نہیں ہیں...... حضرات حسنین رضی اللہ عنہما جن کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ ان کے دور مسعود میں اپنی ساری زندگی اطمینان وسکون کے ساتھ گزاریں اور ان سے ہدایا وتحائف وصول کریں مگر آپ کے نام نہاد عقیدت مند لغو، بے سند، موضوع روایات اور دشمنان اسلام کے اقوال کا سہارا لے کر آں محترم پر تبرا کریں۔

زیر نظر کتاب میں کاتب وحی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر نسبتی، خال المومنین، مدبر اسلام، نشان فتح وظفر، فاتح عرب وعجم، امیر المومنین ابو عبدالرحمٰن سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی سیرت وکردار اور ان کے فضائل ومناقب کے علاوہ قرآن وحدیث کی روشنی میں انھیں خلیفہ راشد اور ان کے زریں عہد حکومت کو دور "خلافت

راشدہ'' ثابت کیا گیا ہے۔

کتاب کے آخر میں بعض مدعیان اہل سنت کی وہ عبارات جن سے اس عظیم اور مظلوم صحابی کی اہانت کا پہلو نکلتا ہے بلاتبصرہ محض جذبہ دفاع صحابہ اور حضور نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کے تحت نقل کی گئی ہیں کہ:

((اذا ظهرت الفتن او قال البدع وسُبَّ اصحابی فلیظهر العالم علمه فمن لم یفعل ذلك فعلیه لعنة الله والملئكة و الناس اجمعین ولا یقبل الله منه صرفا ولا عدلا)) (الصواعق المحرقة ص۳، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج۱۱ص۳۷۳ مطبوعہ ملتان)

''جب فتنے اور بدعتیں ظاہر ہو جائیں اور میرے اصحاب کو گالیاں دی جائیں تو عالم کو چاہیے کہ اپنے علم کو ظاہر کرے۔ پس جس نے ایسا نہ کیا اس پر اللہ اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اللہ تعالیٰ اس کا کوئی فرض و نفل قبول نہ کرے گا۔''

اس عنوان کی روشنی میں بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کس طرح یہودی، سبائی اور رفض زدہ ذہنیت ''سنی ماحول'' پر اثر انداز ہوئی۔ (جواب کے لیے کتاب کے دوسرے حصے کی طرف مراجعت فرمائیں) ایسے حضرات کے لیے ادارہ خدام الدین کا طرز عمل جو قابل تحسین ہی نہیں بلکہ قابل تقلید بھی ہے پیش کیا جاتا ہے۔

مدیر خدام الدین اپنے ایک اداریے میں زیر عنوان ''صحابہ سب کے فیصل آباد کے روزنامے کا افسوس ناک سہو اور اعتذار'' لکھتے ہیں کہ:

''محرم الحرام کے آغاز پر فیصل آباد کے ''عوام'' نے اسلام کے درد اور حب اہل بیت کی آڑ میں صحابی رسول، کاتب وحی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اپنے ادارتی کالم میں انتہائی توہین آمیز الفاظ استعمال کیے۔ ایڈیٹر خدام الدین نے ایک جلسہ میں علمائے کرام اور متعلقہ حکام کو متوجہ کرتے ہوئے مذکورہ روزنامے کے اداریے کو اشتعال انگیز اور اسلامی تعلیمات کے منافی قرار دیا...... چنانچہ چند روز قبل فیصل آباد کے اس اخبار نے صفحہ اول پر ان الفاظ میں اعتذار پیش کیا:

''روزنامہ ''عوام'' کی یکم محرم کی اشاعت میں ایک اداریہ بعنوان ''حق و باطل کی جنگ'' شائع ہوا ہے۔ جس میں سہواً ایسے کلمات شائع ہو گئے ہیں جس سے مسلمانوں کے ایک فرقہ کی دل آزاری ہوئی ہے۔ ادارہ ''عوام'' اس سہو پر معذرت خواہ ہے۔ ادارے نے یہ بات ہمیشہ پیش نظر رکھی ہے کہ متنازعہ اور حساس معاملات پر تحریریں شائع نہ کی جائیں جس سے کسی شخص یا فرقہ کی دل آزاری ہو۔ لہٰذا ہم اس اداریے میں قابل اعتراض مواد کی اشاعت پر اظہار افسوس کرتے ہیں۔''

اور ہم روزنامہ ''عوام'' کے اس انداز معذرت پر اظہار افسوس کرتے ہیں کہ اس نے صحابی رسول کی عظمت و ناموس کا دفاع کرنے والوں کو ایک فرقہ سمجھا ہے۔ اس لیے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ملت اسلامیہ کے کسی ایک

فرقہ یا جماعت کے نہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم سب مسلمانوں کے ہیں۔ جس نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا آخری نبی اور ان کے قلب اطہر پر نازل ہونے والے کلام الٰہی کو اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب مانا ہے وہ ''وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ'' کی ابدی و آفاقی صداقت پر بھی ایمان رکھتا ہے۔ جان نثاران نبی کی عزت و ناموس کے دفاع و احترام کا فریضہ کسی ایک فرقہ ایک فرد و جماعت پر نہیں۔ پوری امت مسلمہ پر عائد ہوتا ہے۔ روزنامہ عوام کے اس اداریہ نویس سے جیسے سہو ہوا ایسے ہی اعتذار کی عبارت لکھنے والے سے بھی غلطی ہوئی ہے۔

ہمیں توقع ہے کہ روزنامہ عوام دینی موضوعات پر لکھنے اور مذہبی مضامین کی اشاعت سے قبل بغور مطالعہ کر لینے کی ذمہ داریاں کسی ایسے صاحب علم کے سپرد کرے گا جو دینی علوم اور مسلمانوں کے دینی جذبات سے اس قدر بے خبر نہ ہو کہ پھر کوئی ایسا ناخوشگوار سہو سرزد ہو۔ ہم ملک کے دینی عناصر سے بھی اس موقع پر اپیل کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات کی دینی راہنمائی اور سہو ولغزشوں کی نشاندہی کا فریضہ باقاعدگی سے ادا کریں۔ اس لیے کہ دین دشمن طاقتیں ذرائع ابلاغ پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لیے پوری طرح سرگرم عمل ہو چکی ہیں۔ ان کی کوشش ہے کہ نئی نسل کو اکابرین اسلام سے متنفر کر کے ان کے اذہان میں زندقہ والحاد کے بیج بو دیے جائیں اور دینی قوتوں کے دائرۂ عمل کو محدود سے محدود تر بنا دیا جائے۔''

(ہفت روزہ خدام الدین لاہور۔ ۱۸ محرم الحرام ۱۴۰۶ھ۔ ۴ اکتوبر ۱۹۸۵ء)

لیکن تعجب بالائے تعجب یہ کہ دوسروں کو اس طرح کی نصیحتیں کرنے والے حضرات نے خود عظیم غفلت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے ہی ادارے کے رسالہ ہفت روزہ خدام الدین بابت ۲۲ رجب المرجب ۸ فروری ۱۹۹۱ء کے شمارے میں صفحہ ۲۷ پر کسی عبدالغنی دابی کا مضمون بعنوان ''حق گوئی...... علامت ایمان'' شائع کر دیا۔ جس میں مضمون نگار نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر خوب تبرا کرتے ہوئے اور عملاً اپنے زعم میں ''حق گوئی'' کا اظہار کر کے اپنی ''علامت ایمان'' بوساطت خدام الدین ثابت کر دی...... مگر جوں ہی اس دل آزار مضمون پر گرفت ہوئی تو فوری طور پر مدیر خدام الدین نے ۲۰ شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ ۸ مارچ ۱۹۹۱ء کے شمارہ میں باب ''مصلحت و تاویل'' کھولے بغیر اور ''اتباع حق'' کا مظاہرہ کرتے ہوئے صفحہ ۲۳ پر بایں الفاظ معذرت شائع کر دی کہ:

''قارئین کرام! ۸ فروری کے شمارہ میں شائع شدہ مضمون بعنوان ''حق گوئی...... علامت ایمان'' شائع ہوا۔ جس میں چند انتہائی ہلکے الفاظ شائع ہو گئے جو ادارہ خدام الدین کے مسلک اور مزاج کے بالکل خلاف ہیں۔ ادارہ خدام الدین حضرت مولانا عبدالمعبود صاحب خطیب جامع مسجد پھولوں والی راولپنڈی کا ممنون ہے کہ انھوں نے بروقت نشاندہی کر کے ہمیں دنیا و آخرت کی مسئولیت سے بچا لیا۔ ادارہ خدام الدین حق

تعالیٰ شانہ کے حضور اس بے ادبی (جو سہواً ہوئی) کی معافی کی درخواست کے بعد قارئین کرام سے بھی بصد احترام معذرت خواہ ہے۔''

ادارہ خدام الدین کا یہ ''اعتذار'' یقیناً ''رجوع الی الحق'' ہے اور اس طرز عمل میں سلامتی اور نجات دارین ہے۔

راقم الحروف قاطع سبائیت و قادیانیت، فاتح ربوہ، فخر السادات ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن شاہ صاحب بخاری زید مجدہٗ کا بطور خاص شکریہ ادا کرنا اپنا خوشگوار اخلاقی فرض سمجھتا ہے جنھوں نے گوناگوں مصروفیات کے باوجود راقم کی درخواست کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے گراں قدر مقدمہ تحریر کر کے حوصلہ افزائی فرمائی۔

راقم محترم جناب محمد عرفان الحسن خالد، محترم جناب عروہ وحید سلیمانی (ناشر)، زاہد محمود (کمپوزر) اور جملہ معاونین کا بے حد ممنون ہے جن کے مخلصانہ تعاون سے یہ کتاب دوسری مرتبہ زیور طباعت سے آراستہ ہوئی۔ طباعت جدید میں ''تذکرہ خلیفہ راشد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ'' اور ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ'' دونوں کتابیں یکجا، ایک ہی جلد میں شائع ہو رہی ہیں۔ سابقہ کتابت کے بجائے خوبصورت کمپیوٹر کمپوزنگ کرائی گئی ہے، نیز اغلاط کی درستی کے علاوہ جا بجا مفید اضافے بھی کیے گئے ہیں۔ قارئین کرام دونوں ایڈیشنوں میں واضح فرق محسوس کریں گے۔

چونکہ دونوں کتابوں کو یکجا کر دیا گیا ہے اس لیے قارئین بعض مقامات پر کچھ تکرار محسوس کریں گے لیکن جہاں تکرار محسوس ہوگا تو وہاں اس کے ساتھ ساتھ نیا مواد اور نیا استدلال بھی ملے گا۔ امید ہے کہ ''دفاع صحابہ'' کے نقطہ نظر سے یہ معمولی تکرار ''برداشت'' کر لیا جائے گا۔

آخر میں باری تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ غلطیوں اور لغزشوں کو معاف کرے اور اس حقیر کاوش کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے اسے امت مسلمہ کی اصلاح کا ذریعہ بنائے۔ آمین

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی
خطیب مرکزی جامع مسجد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ چوک حویلیاں (ہزارہ)

مقدمہ

از قاطع سبائیت وقادیانیت، فاتح ربوہ، فخر السادات، ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن حسنی قادری بخاری دامت برکاتہم

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اللہ کی وہ پسندیدہ مخلوق ہیں جن پر ساری کائنات انسانیت میں سے چنے ہوئے انسان کامل سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تئیس برس محنت فرمائی۔ آپ کی اس محنت اور عمل تزکیہ وتطہیر کی وجہ سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم تمام قرآنی القاب المومنون، المتّقون، التائبون، العابدون، الحامدون، السائحون، الراکعون، الساجدون، الاٰمرون بالمعروف الناھون عن المنکر، الحافظون لحدود اللہ، الفائزون اور الراشدون کے مکمل مصداق ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مستقبل کے تمام انسانوں کے لیے راہنما، رہبر، مقتداء اور پیشوا کا درجہ دیا ہے۔ اور یہ مقام محض سوکھے اور جھوٹے تقدس کی وجہ سے نہیں دیا گیا بلکہ انھیں عمل، جدوجہد، سعی پیہم اور زندگی کے تمام پر خطر مراحل اور گھاٹیوں سے گزار کر عطا کیا گیا۔ کوئی شخص کہ جب تک اس کے دل کی اتھاہ گہرائی میں کسی نظریے، کسی عقیدے، کسی شخص اور کسی ذات کے ساتھ کامل محبت موجود نہ ہو وہ کسی کے لیے جان و مال کی قربانی تو درکنار محض لفظوں اور لمحوں کی قربانی دینے کے لیے بھی تیار نہیں ہوسکتا۔ جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے لمحے، گھنٹے، دن، ماہ وسال، پل پل، پوری زندگی، جان مال، عزت و آبرو اور زندگی کی تمام رعنائیاں وتوانائیاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صدائے حق پر نثار وقربان کر دیں۔ قرآن نے بھی اس کی گواہی دی ہے کہ وہ اپنی جان پر دکھ جھیل کر دوسروں کے لیے ایثار کا نمونہ پیش کرنے والے ہیں۔ وہ مال کے مسئلے میں ہو، وفا کے مسئلے میں ہو، اپنے آقا کے تحفظ کے مسئلے میں ہو، دین کی اقدار عالیہ کی حفاظت، ان کی بقا، ان کے استحکام یا ان کے فروغ کا موقع ہو۔ کوئی موقع ایسا نہیں کہ جہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں، غلاموں، فرماں برداروں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتگان نے کبھی قدم پیچھے ہٹایا ہو۔ ایسا ہرگز ثابت نہیں ہے۔

آبروئے رسالت صحابہ رضی اللہ عنہم سے قائم ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نہیں تو نبی کی آبرو کی بحالی کی کوئی صورت نہیں۔ صحابہ عزت رسول ہیں، صحابہ عظمت رسول اور نبوت و رسالت کے گواہ ہیں۔ صحابہ تربیت رسول کی شہادتیں ہیں۔ صحابہ نبی کی علمی وعملی سیرت کا جلوہ ہیں۔ صحابہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پالے ہوئے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لاڈلے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تئیس برس کی کمائی، دین اور دین مصطفیٰ کی عزت و آبرو ہیں۔

قرآن مجید اور احادیث رسول کا گراں قدر سرمایہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کے توسط سے ہم تک پہنچا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ شخصیات عظیمہ ہیں جنھیں قرآنی بشارتیں اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دنیا و آخرت کی دائمی فوز و فلاح کی اسناد حاصل ہیں۔ ان کا مقام و مرتبہ قرآن و حدیث پر نظر کرنے والوں پر بخوبی عیاں ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ ان مقدس ہستیوں کو آج کے عاقبت نا اندیش بے رحم ناقدین تاریخ کے حوالوں سے داغدار کرنے کی مذموم کوشش کرتے ہیں۔ جبکہ تاریخ انسانوں نے اپنی عقل، سوجھ بوجھ اور پسند و ناپسند کے معیاروں پر مرتب کی ہے۔ جس میں ان کی اپنی مرضی و منشاء اور حسب دلخواہ تحریف و تبدل کو عمل دخل حاصل ہے جبکہ اس کے برعکس قرآن مجید کو خود اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا ہے جس میں قیامت کی صبح تک تبدیلی و ترمیم ناممکن ہے۔

قرآن حکیم، حدیث مبارکہ اور تاریخ ان تینوں کو ہم اگر ایک لائن میں کھڑا کر دیں تو یوں سمجھیے کہ قرآن مجید آفتاب، حدیث مبارکہ ماہتاب اور تاریخ ایک دم دار ستارہ۔ اگر میں بقائم ہوش و حواس تاریخ پر اعتبار کروں تو پھر تاریخ کی رو سے نہ قرآن صحیح ہے اور نہ حدیث، نہ اللہ کی وحدانیت صحیح اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت صحیح، اور رسول کی تیئس برس کی محنت ایک لاکھ چالیس ہزار صحابہ پر جو حیوانیت سے نکال کر انسانیت کا معیار قرار دیے گئے۔ وہ سارے کے سارے ختم ہو جائیں گے (معاذ اللہ!) تاریخ کو قبول کرنے کے لیے مجھے رجوع کرنا پڑے گا قرآن و حدیث کی طرف۔ تاریخ کی جو باتیں قرآن و حدیث کے مطابق ہوں گی میں انھیں بڑی محبت سے قبول کروں گا۔ اور جو روایتیں، حکایتیں، رذالتیں، قباحتیں قرآن و حدیث سے ٹکرائیں گی میں انھیں نہ صرف رد کروں گا بلکہ اپنے پاؤں سے مسلوں گا۔ اس بری طرح سے مسلوں گا جیسے دیمک کو مسلا جاتا ہے کیونکہ وہ تاریخ نہیں جھوٹ ہے، تہمت ہے، بہتان اور دشنام ہے، اور انسانیت سے گری ہوئی باتیں ہیں۔ تاریخ کے حوالے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تبرا کرنے والوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس سے تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی بھی محفوظ نہیں ہے۔ کیا اس سے یہ بہتر نہیں ہے کہ تاریخ کی اندھی عینک سے اصحاب مصطفیٰ کی عیب چینیوں کے بجائے قرآن مجید سے ان کی فضیلتوں اور قدر و منزلت پر نگاہ کی جائے۔ ایسے نام نہاد تاریخ دان قرآن و سنت کے مقابلے میں ہمارے نزدیک ''تھوک دان'' کے برابر بھی اہمیت نہیں رکھتے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقدس طبقے اور پاکباز جماعت میں آسمان رشد و ہدایت کے ایک چمکتے اور روشن ستارے سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔ زیر نظر کتاب میں محترم جناب پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی صاحب نے وقت کی ایک اشد ضرورت اور عصری تقاضوں کے عین مطابق سیرت نگاری کے لیے ان ہی کی شخصیت کا انتخاب کیا ہے۔ کیونکہ کچھ لوگ اپنے آپ کو ''خادم اہل سنت'' کہلا کر بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اعوان و انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر العیاذ باللہ گنہگار، قرآن ناشناس، قرآن و سنت کے نافرمان، باغی،

طاغی، خاطی، فاسق، ظالم اور ضال و مضل (یعنی خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والے) ایسے سوقیانہ، احمقانہ، جاہلانہ اور گستاخانہ الفاظ سے تبرا بازی کرتے ہیں)۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کونین میں ہدایت و معرفت اور رشد و حلم اور بزرگی کی زینت جہاں تاب سے مرصع و مزین ہیں اور یہ فخر انھیں سید الکونین والثقلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان خدا ترجمان سے حاصل ہوا۔ جو ان کے بعد آنے والے یا ''بننے'' والے عربی عجمی بزرگوں کو قطعاً نصیب نہیں ہوا۔ اور جن ''عجمی بزرگوں'' کو ''مریدان می پرانند'' کا تھوتھا کمال حاصل ہے وہ اس نعمت کی ہوائے دل نواز سے نہ صرف یہ کہ محروم ہیں بلکہ بزرگی کے اس خود ساختہ گلوب میں مجرموں کی صف اول میں ''چمکتا'' روئے سیاہ لیے نظر آتے ہیں۔ اور اپنے اس روز سیاہ پر شام و پسگاہ عجمی تصوف کی وارداتیں سنا سنا کر اپنے نفس مدسوس اور مدقوق ماحول پر ردائے پاکیزگی پھیلاتے دکھائی دیتے ہیں۔ اور ان کے اس سحر زدہ ماحول کا سارا دار و مدار مرزائیوں کی طرح خوابوں پر ہوتا ہے۔ یہ اپنے نفس خناسی میں ان خوابوں کو "جزء من النبوۃ" گردانتے، مانتے اور ہندوازم کے مریضوں و مریدوں کو منواتے اور باور کراتے ہیں معاذ اللہ ثم معاذ اللہ!

امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اسلام کی ایک جلیل القدر شخصیت اور بتقاضائے نص قرآنی چھٹے موعودہ خلیفہ راشد ہیں۔ جن کے دور امامت و خلافت پناہ میں اسلام کی روشن کرنوں نے دنیا کے آخری سروں کو اپنی ضیاء پاشیوں سے منور کیا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی فضیلت ان کا صحابی رسول ہونا ہے۔ بعد کے زمانوں کا کوئی قطب، ابدال، ولی اور غوث حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نعلین مبارک سے لگی خاک کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قدم قدم پر ان کی تربیت و راہنمائی فرمائی اب ان پر حرف زنی اور انگشت نمائی کرنا اپنے ہی ایمان کی بربادی اور فکری گمراہی کی علامت ہے۔ ان آفتاب بداماں ہستیوں کی طرف منہ کر کے تھوکنے والے بدبخت اپنا ہی منہ گندا کرتے ہیں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ حلیم و جواد کی سیرت نگاری اور آپ کی شخصیت پر قلم کاری ہر چند کہ عجم کی فسوں کاری نے مشکل بنا دی ہے۔ مگر ان بیس برسوں میں آپ کی سیرت و کردار پر اتنا لٹریچر آ گیا ہے کہ مطاعن کے بادل ''هَبَآءً مَّنْثُوْرًا'' ہو گئے۔ لیکن کچھ عجمی اور خصوصاً ہندی و پاکی ''بزرگوں'' کی ''قلمی زبان درازیاں'' پھر بھی جواب دہی کے قابل تھیں۔ اللہ تعالیٰ قاضی صاحب محترم کو جزائے خیر عطا فرمائے اور بحر تاریخ سے اعماق جاں کو مہکانے والے موتی تلاش کر لانے کی بیش از بیش توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

آپ نے اپنے قلم کا اسی سمت رخ موڑا ہے اور ان بزرگوں کی ہندی بزرگی اور پاکستانی شخصیت پرستی کی خوب خبر لی ہے اگر کسی بزرگ عالم یا پیر کی رائے کو غلط قرار دیا جائے تو آدمی دین کے دائرے سے خارج

نہیں ہو جاتا۔ دفاع صحابہ میں کسی کی مشیخت مجروح ہو جائے اور صحابی کی ذات اوران کا کردار نکھر کر سامنے آ جائے تو یہ سودا سستا ہے اور اسی میں ایمان کی سلامتی اور نجات دارین ہے۔

قاضی صاحب کا لب ولہجہ علمی ہے اور انداز تخاطب عالمانہ۔ الزامات اور مطاعن کے رد کے لیے اگرچہ وہ ایک مستقل کتاب بعنوان ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ'' ترتیب دے رہے ہیں۔☆ تاہم زیر نظر کتاب میں بھی انھوں نے آں محترم کی شخصیت و کردار کو اس خوبی کے ساتھ اجاگر کیا ہے کہ الزامات، اشکالات اور اعتراضات خود بخود رفع ہو جاتے ہیں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد ماجد اور والدہ ماجدہ جن کے کفر و شرک اور دیگر اعمال فاسدہ کو اسلام کے صلے میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف فرما دیا۔ مگر عجم جو ہنوز رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام سے نا آشنا ہے اس نے سیدہ ہند اور سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہما کو ابھی تک معاف نہیں کیا۔

قاضی صاحب نے اس موضوع کو بھی اپنے قلم کی زد میں لا کر پٹخنی دی ہے۔ خلافت کی اصطلاحی تعریف، خلافت اسلامیہ کی اہمیت، خلافت کی مروجہ تقسیم، خلافت راشدہ کی تعریف، خلافت راشدہ کا اطلاق، اصطلاح خلافت راشدہ کا ماخذ، آیت استخلاف حدیث، سفینہ، مرویات معاویہ، اسم معاویہ اور حدیث قسطنطنیہ کے مباحث خاصی دلچسپی کے حامل ہیں۔ یہ موضوعات میرے ''جیسوں'' کے لیے بھی تشنگی رکھتے تھے۔ اللہ ان تشنہ لبوں کی تشنگی دور فرمائے اور قاضی صاحب مکرم کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا قرب نصیب فرمائے۔ انھوں نے ان مباحث کو زیر بحث لا کر بہت سے مولویانہ فتنوں کا کھلا دروازہ بند کیا ہے تاکہ نہ کوئی اس دروازہ سے داخل ہو اور نہ سقیفہ بنی ساعدہ تک پہنچے۔

قاضی صاحب کی اس محنت کو اللہ پاک شرف قبولیت سے نوازے اور اس کتاب باصواب کے حرف حرف پر اجر و ثواب عطا فرمائے۔ دریا میں پانی کے بہاؤ کے ساتھ بہنا بہت آسان ہے اور بہاؤ کے خلاف بہنا تیراکی کہلاتا ہے۔ قاضی صاحب نے اپنے عہد کی روش بد کے خلاف قلمی جہاد کیا ہے۔ اذہان و افکار کی تبدیلی اور دلوں کی دنیا آباد کرنا تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ مگر قلمی صداقتیں ابھارنا تو انسانی بس میں ہے۔ قاضی صاحب نے اپنا اختیار پورا کیا ہے اور کشتی بحر مشیت میں ڈال دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کتاب پڑھنے والوں کے افکار و اذہان کو مثبت تبدیلی سے نوازے اور دلوں کو گرما دے۔ آمین!

گدائے کوئے معاویہؓ

ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن حسنی قادری بخاری

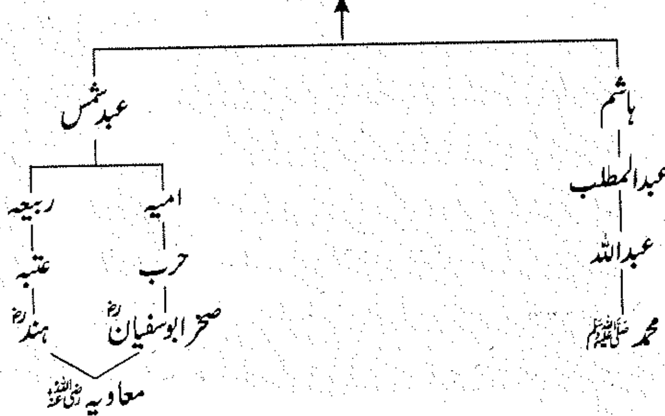
دار بنی ہاشم مہربانی کالونی، ملتان

۲۶ شوال ۱۴۱۵ھ، ۲۸ مارچ ۱۹۹۵ء

☆ الحمد للہ دونوں کتابیں یکجا شائع کی جارہی ہیں۔ (ناشر)

خاندان معاویہ رضی اللہ عنہ

شجرۂ نسب



① اس نقشے کی رو سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ چوتھی پشت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں مل جاتے ہیں۔

② حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا بھی چوتھی ہی پشت میں آپ کے نسب میں شامل ہو جاتی ہیں۔

③ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پانچویں پشت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں شامل ہو جاتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق قریش کی شاخ بنو ہاشم سے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعلق قریش کی شاخ بنو امیہ سے ہے۔ اس طرح دونوں کا تعلق ایک ہی قبیلے عبد مناف کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے۔

مندرجہ بالا نقشے سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ امیہ ہاشم کے حقیقی بھتیجے تھے۔ لیکن بدقسمتی سے مفاد پرست مورخین نے انھیں دو متحارب قبائل کے طور پر پیش کیا۔ حالانکہ یہ دونوں خاندان ایک ہی قبیلے عبد مناف کی دو معزز شاخیں تھیں اور ان کے درمیان زمانہ قبل اسلام سے لے کر بنو امیہ کے عہد عروج تک آپس میں خونی رشتے اور ہر قسم کے گہرے تعلقات قائم رہے۔ چند رشتے داریاں ملاحظہ ہوں:

1. ام جمیل بنت حرب: حضرت ابوسفیان کی ہمشیرہ ام جمیل کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابولہب کے ساتھ ہوا۔
2. حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خالہ فاطمہ بنت عتبہ حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں۔
3. ام سعید بنت ابی العاص اموی (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پھوپھی) حضرت عتبہ بن ابی لہب ہاشمی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔
4. فاطمہ بنت شیبہ امویہ رضی اللہ عنہا بھی حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔

۵ ہند بنت ابی سفیان امویہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حارث بن نوفل ہاشمی سے ہوا۔

۶ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن ام المومنین سیدہ رملہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں تھیں۔

۷ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی صفیہ بنت عبدالمطلب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے چچا حارث بن حرب بن امیہ کے نکاح میں تھیں۔

۸ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ام حکیم بیضاء بنت عبدالمطلب، کریز بن ربیعہ کے نکاح میں تھیں۔

۹ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا حضرت ابوالعاص بن ربیع اموی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔

۱۰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان اموی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صاحبزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد حضرت عثمان اموی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔

۱۱ سیدہ امامہ بنت ابی العاص امویہ رضی اللہ عنہا (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی) حضرت علی ہاشمی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔

۱۲ عائشہ بنت عثمان امویہ رحمہا اللہ حضرت حسن بن علی ہاشمی رضی اللہ عنہما کے نکاح میں تھیں۔

۱۳ لیلیٰ بنت میمونہ بنت ابی سفیان رحمہا اللہ حضرت حسین بن علی ہاشمی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔

۱۴ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھتیجی لبابہ بنت عبیداللہ بن عباس رحمہا اللہ کی شادی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کے ساتھ ہوئی۔

۱۵ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی پوتی رملہ بنت محمد بن جعفر رحمہا اللہ کی شادی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھتیجے کے لڑکے ابوالقاسم ولید بن عتبہ بن ابی سفیان رحمہ اللہ کے ساتھ ہوئی۔

۱۶ ام محمد بنت عبداللہ بن جعفر رحمہا اللہ کی شادی یزید بن معاویہ کے ساتھ ہوئی۔

۱۷ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نواسے زید بن عمرو بن عثمان رحمہ اللہ کی شادی سیدہ سکینہ بنت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہوئی۔

۱۸ نفیسہ بنت عبیداللہ بن عباس بن علی بن ابی طالب رحمہا اللہ کی شادی عبداللہ بن خالد بن یزید بن معاویہ بن ابی سفیان کے ساتھ ہوئی۔

۱۹ سیدہ فاطمہ بنت حسین بن علی رحمہا اللہ کی شادی عبداللہ بن عمرو بن عثمان رحمہ اللہ کے ساتھ ہوئی۔

۲۰ ام القاسم بنت حسن بن حسن بن علی رحمہا اللہ کی شادی مروان بن ابان بن عثمان رحمہ اللہ کے ساتھ ہوئی۔

۲۱ عائشہ بنت عمر بن عاصم بن عثمان رحمہا اللہ کی شادی اسحٰق بن عبداللہ الارقط بن علی بن حسین کے ساتھ ہوئی۔

۲۲ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زلف بھی تھے۔ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بہن قریبۃ الصغریٰ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔

۲۳ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی حقیقی بھانجی ام کلثوم بنت عبداللہ بن جعفر رحمہا اللہ کی شادی ابان بن عثمان کے ساتھ ہوئی۔

۲۴ سیدہ رملہ بنت علی رحمہا اللہ کی شادی معاویہ بن مروان بن حکم رحمہ اللہ کے ساتھ ہوئی۔

۲۵ سیدہ زینب بنت حسن مثنیٰ بن حسن رحمہا اللہ کی شادی ولید بن عبدالملک بن مروان رحمہ اللہ کے ساتھ ہوئی۔

۲۶ سیدہ نفیسہ بنت زید بن حسین رحمہا اللہ کی شادی عبدالملک کے بیٹے اسماعیل بن عبدالملک بن مروان کے ساتھ ہوئی۔

۲۷ سیدہ خدیجہ بنت حسین بن حسن رحمہا اللہ کی شادی اسماعیل بن عبدالملک بن حارث بن الحکم اموی کے ساتھ ہوئی۔

۲۸ سیدہ خدیجہ رحمہا اللہ کے بعد حمادہ بنت حسن بن حسن رحمہا اللہ کی شادی اسماعیل بن عبدالملک بن حارث بن حکم اموی کے ساتھ ہوئی۔

۲۹ رملہ بنت محمد بن جعفر رحمہا اللہ کی شادی سلیمان بن ہشام بن عبدالملک بن مروان کے ساتھ ہوئی۔

۳۰ سیدہ سکینہ بنت حسین رحمہا اللہ کا نکاح بعد میں الاصبغ بن عبدالعزیز بن مروان کے ساتھ ہوا۔

۳۱ ربیحہ بنت سکینہ بنت حسین رحمہا اللہ کی شادی عباس بن ولید بن عبدالملک بن مروان کے ساتھ ہوئی۔

۳۲ ام ابیہا بنت عبداللہ بن جعفر رحمہا اللہ کی شادی عبدالملک بن مروان کے ساتھ ہوئی۔

(بحوالہ کتاب المعارف ابن قتیبہ، رحماء بینھم مولفہ مولانا محمد نافع صاحب، صحابہ کرام اور اہل بیت نبوت کے تعلقات اور رشتہ داریاں مولفہ حکیم محمود احمد ظفر صاحب)

بنو امیہ اور بنو ہاشم کے درمیان یہ سلسلہ مناکحت دونوں خاندانوں کی باہمی محبت اور یگانگت کی واضح دلیل ہے۔

اس کے علاوہ دونوں خاندانوں کے درمیان ''تعلقات مصاحبت'' بھی قائم رہے۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے والد حرب بن امیہ جن کے پاس جملہ قبائل قریش کی سپہ سالاری کا عہدہ تھا۔ جناب عبدالمطلب کے دوست ہم دم اور ہم نشین تھے۔ ان دونوں کی باہمی دوستی بعد میں ان کی اولاد میں بھی قائم رہی۔

دور جاہلیت میں ابو طالب کے مراسم مسافر بن ابی عمرو بن امیہ کے ساتھ تھے ان دونوں کو باہم ندیم و ہم نشین کہا جاتا تھا۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ہم نشین و دوست تھے۔ ان دونوں کا تاجرانہ کاروبار مشترک تھا اور مل کر تجارت کیا کرتے تھے۔

بنو ہاشم اور بنو امیہ کے درمیان مذکورہ تعلقات سے دونوں خاندانوں کا قرب بخوبی واضح ہوتا ہے۔ پھر اسلام قبول کرنے کے بعد وحدت دینی کی وجہ سے ان تعلقات میں مزید اضافہ ہوگیا۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بنو امیہ کے ایک ممتاز فرد تھے۔ ان کا نام صخر بن حرب اور کنیت ابوسفیان تھی۔ یہ عام الفیل سے دس سال قبل مکہ میں پیدا ہوئے۔ بعد میں قریش کے قومی نظام میں ''عقاب'' یعنی علمبر داری کے عہدے پر فائز رہے۔

آغاز اسلام میں بنو امیہ بنو ہاشم کی نسبت تین گناہ زیادہ مشرف باسلام ہوئے۔ جنھیں ''السابقون الاولون'' میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان میں حضرت عثمان بن عفان، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حقیقی ماموں ابوحذیفہ بن عتبہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن سیدہ ام حبیبہ، فارعہ بنت ابی سفیان، حضرت خالد بن سعید، حضرت ابان بن سعید اور دیگر حضرات شامل ہیں رضی اللہ عنہم۔ کتب سیرت میں السابقون الاولون اور شرکائے ہجرت حبشہ کے اسمائے گرامی ملاحظہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں بنو امیہ بنو ہاشم کے مقابلے میں زیادہ تعداد میں مسلمان ہوئے تھے۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے سے قبل سپہ سالار قریش ہونے کی حیثیت سے اسلام کے مخالف تھے۔ لیکن ان کی مخالفت اتنی شدید نہ تھی جتنی کہ ابوجہل کی۔ اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ذاتی و خاندانی محبت رکھنے کے علاوہ مشرکین مکہ کی طرف سے آپ کے ساتھ بدسلوکی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ میں مسلمانوں کی ایذا دہی میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کا نام شامل نہیں ہے۔ بلکہ اس کے برعکس ابن سعد کی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی ہمدردی ثابت ہوتی ہے چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے وقت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر کو دار الامن قرار دیا تھا کیونکہ وہ گھر مکی دور میں آپ کے لیے بھی امن گاہ تھا۔'' (الاصابہ ج ۲ ص ۱۷۹ تحت صخر بن حرب)

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب رحمہ اللہ علامہ مقریزی رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''جب کبھی آوارہ لڑکے مکہ کی گلیوں میں آپ کو ایذا پہنچاتے تو اس وقت آپ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں پناہ لے لیتے تھے۔ اور وہ آپ کو عزت و احترام کے ساتھ بٹھا دیا کرتے تھے اور ان اشرار کو ڈانٹ کر بھگا

دیا کرتے تھے۔ اکثر اوقات ''دار ابی سفیان'' آپ کے لیے دار الامان ثابت ہوا۔''

(خطبات بہاولپور ص ۳۰۴ زیر اہتمام اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور ۱۴۰۱ھ)

بعثت کے ابتدائی دور میں ایک دن ابوجہل نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو اس وقت کم سن بچی تھیں ایک تھپڑ مارا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا روتی ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور ابوجہل کی شکایت کی۔ آپ کو اس واقعہ سے سخت صدمہ پہنچا اور فرمایا کہ یہ واقعہ ابوسفیان کو بتلاؤ۔ چنانچہ سیدہ رضی اللہ عنہا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچیں اور اپنی مظلومیت کی کہانی بیان کی۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ سیدہ کے آنسو دیکھ کر پریشان ہو گئے فوراً اٹھے سیدہ کو دلاسہ دیا۔ ان کی انگلی پکڑی اور ابوجہل کے ہاں پہنچے۔ سیدہ سے کہا کہ اسے بھی پوری قوت کے ساتھ تھپڑ رسید کرو۔ تو سیدہ نے اسے زوردار تھپڑ مارا۔ ابوجہل ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو غصے میں دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے واپس کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا واقعہ سنایا تو آپ بہت خوش ہوئے اور اپنے مبارک ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

((اللهم لا تنساها لابی سفیان))

''اے اللہ! ابوسفیان کے اس نیک سلوک کو بھول نہ جانا۔''

سید احمد زینی دحلان لکھتے ہیں کہ ابوسفیان کا اسلام اور ایمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی دعا کا نتیجہ ہے۔

(سیرت نبویہ از سید احمد زینی، نقوش رسول نمبر جلد دوم مضمون ڈاکٹر حمید اللہ)

بعثت کے دسویں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اہل طائف انتہائی بدسلوکی کے ساتھ پیش آئے۔ واپسی پر آپ نے عبداللہ بن اریقط کے ذریعے سے بنو نوفل بن عبد مناف کے رئیس مطعم بن عدی کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنی حمایت میں مکہ لے آئیں۔ تو اس نے مشرک ہونے کے باوجود کچھ نوجوان آپ کی حفاظت کے لیے بھیج دیے۔ سرداران قریش نے مطعم کی اس کارروائی کی مخالفت کی۔ لیکن حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے مطعم کی حمایت کرتے ہوئے کہا جسے مطعم نے پناہ دی اسے ہم نے پناہ دی۔ کوئی بھی اس پناہ کو نہیں توڑ سکتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے بعد اپنے داماد ابوالعاص سے فرمایا کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو مدینے بھیج دو۔ اس حکم کی تعمیل میں جب سیدہ کو روانہ کیا گیا تو چند اشرار حائل ہو گئے اور ہبار ☆ نے تو سیدہ کو نیزے سے زخمی بھی کر دیا۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو فوراً موقع پر پہنچ کر سیدہ کو واپس لائے اور جب وہ قدرے صحت مند ہو گئیں تو خاموشی کے ساتھ انھیں مدینہ روانہ کر دیا۔

غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ ایک تجارتی قافلے کی قیادت کرتے ہوئے واپس مکہ تشریف لا رہے تھے کہ راستے میں انھیں مسلمانوں کی طرف سے ممکنہ حملے کے پیش نظر مدد طلب کرنی پڑی۔

☆ ہبار بن اسود بعد میں مشرف باسلام ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ (محمد عرفان الحسن خالد)

جس پر ابوجہل کی سپہ سالاری میں ایک ہزار افراد پر مشتمل لشکر روانہ ہوا۔ لیکن ابوسفیان رضی اللہ عنہ قافلے کو محفوظ راستے سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور اس کی اطلاع بھی ابوجہل کو بھجوا دی گئی مگر ابوجہل مسلمانوں کے ساتھ لڑنے پر مصر رہا لہٰذا وہ اہل مکہ پر جنگ بدر کی تباہی لانے کا سبب بنا۔

جنگ بدر کا بدلہ لینے کے لیے اہل مکہ نے جو تیاریاں کیں ان کے نگران ابوسفیان رضی اللہ عنہ ہی تھے اور ان ہی کی قیادت میں تین ہزار کا لشکر کوہ احد کے دامن میں اترا۔ کیونکہ موروثی طور پر ''سپہ سالاری'' ان ہی کا حق تھا اس جنگ میں مسلمانوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ اس موقع پر مدینہ منورہ پر حملہ کرنا بھی ان کے لیے آسان تھا۔ لیکن انھوں نے عمداً مکہ کا رخ اختیار کیا۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اس بڑے وفاق ''الاحزاب'' کی تنظیم بھی کی تھی جس نے ۵ ھ میں مدینے کا محاصرہ کیا تھا۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار لکھتے ہیں کہ

''اس مہم کی ناکامی سے شاید ابوسفیان کی ہمت ٹوٹ گئی۔ کم از کم مکے میں آپ ﷺ کی مخالفت کی آیندہ قیادت مقابل جتھے کے راہنماؤں صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابی جہل کے ہاتھوں میں منتقل ہو گئی۔'' (اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ا ص ۸۲۶، دانش گاہ پنجاب لاہور)

مقالہ نگار کے یہ الفاظ قابل غور ہیں: ''اس مہم کی ناکامی سے شاید ابوسفیان کی ہمت ٹوٹ گئی'' اور ''آیندہ قیادت دیگر سرداران قریش کے ہاتھوں میں منتقل ہو گئی'' پہلے جملے میں ''شاید'' کا لفظ یہ ظاہر کرتا ہے کہ مضمون نگار کو خود اس تصور پر یقین نہیں۔ اور دوسرے جملے میں ''قیادت کی تبدیلی'' کا ذکر ہمارے موقف کی تائید میں ایک دلیل ہے۔

غزوۂ احزاب کے بعد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے قلبی رجحان میں نمایاں تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ اس واقعے کے بعد ان کا رجحان آنحضرت ﷺ کی طرف ہو چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد آپ کے خلاف ان کا کوئی کردار نہیں ہے۔

غزوۂ احزاب کے بعد مکہ میں قحط پڑا اور ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ نے مکہ میں غلہ کی ترسیل بند کر دی تو ابوسفیان رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ ثمامہ کو پابندی اٹھانے کا حکم دیا جائے تو آپ کے ارشاد سے پابندی اٹھالی گئی۔ علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ کی بہترین کھجور ''عجوہ'' بطور تحفہ ارسال کی۔ انھوں نے جواباً آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک نہایت حسین اور نفیس چرمی تحفہ بھیجا جسے آپ نے بڑی ہی مسرت کے ساتھ قبول فرمایا اور بے حد پسند کیا۔ (الاصابہ ج ۲ ص ۱۷۹)

اسی قحط سالی کے دوران میں آپ نے اہل مکہ کے لیے کئی دینار حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجے

جنھیں آپ کی طرف سے مستحقین میں تقسیم کر دیا گیا۔

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''نیز مختلف سامان ضرورت (کھجور وغیرہ) ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو ہدیہ بھیج کر معاوضے میں جانوروں کی کھالیں طلب کی تھیں (مبسوط سرخسی ج ۱۰ ص ۹۲) غرض باوجود حالت جنگ قائم رہنے کے یہ خاموش دلدہی کے کام جاری تھے۔'' (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی ص ۸۶)

صلح حدیبیہ سے قبل حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا (جو حبشہ میں غریب الوطنی کے مصائب برداشت کر رہی تھیں) کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمالیا۔ اس کی اطلاع جب حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو ان کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میری بیٹی کے لیے بہتر ہیں۔''

صلح حدیبیہ میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا کوئی ذکر نہیں ملتا جس سے بعض حضرات نے یہ رائے قائم کی کہ انھوں نے سکوت سے کام لیا اور ان کی خاموشی معنی خیز تھی۔ لیکن ڈاکٹر حمید اللہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''(صلح حدیبیہ کے موقع پر) مکے میں عجیب بدنظمی تھی اور کوئی مرکزیت نہیں پائی جاتی تھی۔ ان کا سب سے بااثر سردار ابوسفیان بھی کسی نامعلوم راستے سے چھپ چھپا کر اور بچ بچا کر ان دنوں شام گیا ہوا تھا۔ اسی لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نظر بند ہو گئے اور ان کی واپسی میں دیر ہوئی۔'' (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی ص ۸۸)

صلح حدیبیہ کے بعد مسلمانوں اور قریش کا میل جول بڑھا۔ ہرقل کے دربار میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے مخالفت کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ عمدہ الفاظ کے ساتھ کیا۔

پھر جب قریش مکہ نے قبیلہ بنوخزاعہ (جو مسلمانوں کا حلیف تھا) پر حملہ کر کے صلح حدیبیہ کا عہد توڑ دیا تو انھوں نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو تجدید عہد کے لیے مدینہ منورہ خدمت نبوی میں بھیجا۔ وہ اپنی صاحبزادی ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ٹھہرے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قلبی کیفیت بدل چکی تھی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تجدید عہد نامہ کی تجویز کی حوصلہ افزائی نہ کی تو مکہ لوٹ آئے لیکن چھ ماہ تک اہل مکہ کو حالات سے آگاہ نہ کیا۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر چڑھائی کی تو کوئی لشکر آپ کے مقابلے کے لیے نہ آیا جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ دل سے اسلام کی صداقت قبول کر چکے تھے۔ ورنہ عہد نامہ کی تجدید نہ ہونے کے بعد ابوسفیان جیسے مدبر کی خاموشی ناقابل فہم ہے۔ اگر ان کی قلبی کیفیت نہ بدل چکی ہوتی تو ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے لیے ایک عظیم لشکر کا جمع کرنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔

یہاں یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے قیام مدینہ کے دوران میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی سمجھوتہ ہو چکا تھا۔ بلکہ سید احمد زینی دحلان اپنی کتاب ''السیرۃ النبویہ'' میں لکھتے ہیں کہ جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ مدینے آئے تو

((وطالت غيبته وكانت قريش اتهمته حين ابطأ اشد التهمة وقالوا والله انا نراه قد صبا واتبع محمدا سرًا وكتم اسلامه))

''وہاں کافی دن ٹھہرے رہے اور جب مکہ واپس گئے تو قریش نے ان پر سخت تہمت لگا رکھی تھی کہ ابوسفیان بے دین ہوگیا ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین خفیہ قبول کرلیا ہے اور اپنے اسلام کو چھپا رکھا ہے۔''

قریش مکہ نے تو ان پر الزام عائد کیا جبکہ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے اس کردار نے فتح مکہ میں اہم کردار ادا کیا۔ اور اس اہم کردار کے پیش نظر وہ بجا طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دیے گئے اس اعزاز ''مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِیْ سُفْیَانَ فَھُوَ اٰمِنٌ'' کے مستحق تھے۔ لیکن افسوس ان نام نہاد مدعیان اسلام پر ہے جنھوں نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے اس عظیم کردار کو نشانہ مذاق بنایا۔ ان میں دیگر حضرات کے علاوہ ایک نام مودودی ثانی جناب نعیم صدیقی کا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں کہ:

''آخر مکہ کا سب سے بڑا جاہلی لیڈر پریشان ہو کر مدینہ روانہ ہوا کہ تجدید عہد کرائے وہاں وہ ایسی حوصلہ شکن فضا سے دوچار ہوا کہ جس کا وہ شاید تصور بھی نہ رکھتا ہوگا...... کوئی صورت نہ پا کر بدحواسی میں اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورے کے مطابق مسلمانوں کے مجمع میں اپنی طرف سے یکطرفہ جوار کا اعلان کر دیا اور بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جوابی قبولیت حاصل کیے مکہ واپس چلا گیا۔ مکہ والوں نے روداد پوچھی۔ اور اس کے یکطرفہ اعلان جوار کا حال معلوم ہوا تو سب نے کہا کہ یہ تو علی (رضی اللہ عنہ) نے تمھارے ساتھ مذاق کیا ہے۔ دیکھیے کہ انحطاط پذیر منفی طاقتوں کی بصیرت بھی کس طرح ماری جاتی ہے۔'' (محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم ص ۴۲۷)

نعیم صدیقی صاحب نے شاید مدینہ منورہ کو منصورہ ہی سمجھ رکھا ہو جہاں خود اسلام ہی حوصلہ شکن فضا سے دوچار ہو رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آخری جملہ لکھتے ہوئے موصوف کی اپنی بصیرت و بصارت دونوں ہی ماری گئیں۔ مکہ کے تمام افراد نے بھی اسے مذاق سمجھ لیا لیکن وہ عظیم مدبر اس معمولی سی بات کو نہ سمجھ سکا۔ جبکہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی فہم و فراست و بصیرت کا اس واقعے سے بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے بشرطیکہ اس کی عروق میں سبائیت کے جرثومے گردش نہ کر رہے ہوں:

غزوہ بدر کے موقع پر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ ایک تجارتی قافلے کے ساتھ واپس آ رہے تھے کہ راستے میں انھیں شبہ ہوا کہ کہیں اہل اسلام اس تجارتی قافلے پر حملہ آور نہ ہوں۔ مدینے سے کچھ فاصلے پر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے پوچھ گچھ شروع کر دی کہ ادھر سراغ لینے کے لیے مسلمانوں کی کوئی جماعت تو نہیں آئی تھی کسی نے انھیں بتلایا کہ دو نامعلوم عرب ادھر آئے تھے۔ جن کے اونٹ سامنے کے ٹیلے کے پاس رکے تھے۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ اس ٹیلے کے پاس گئے وہاں اونٹ کی مینگنیاں پڑی تھیں انھوں نے چند مینگنیوں کو توڑا تو ان میں کھجور کی گٹھلیوں کے ٹکڑے نظر آئے۔ انھوں نے فوراً کہا کہ واللہ! یہاں اصحاب محمد ہمارا سراغ لگانے کے

لیے آ چکے ہیں۔ کیونکہ گٹھلیوں کے چارے کا رواج اہل مدینہ میں ہے۔بس انھوں نے فوراً اپنے قافلے کا رخ عام راستے سے ہٹا کر ہمندر کے کنارے کی طرف موڑ دیا اور قافلہ صحیح سلامت مکہ پہنچ گیا۔

بہرحال اگر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی قلبی حالت تبدیل نہ ہو چکی ہوتی تو وہ عہدنامہ کی تجدید نہ ہونے کی صورت میں ضرور حفاظتی تدابیر اختیار کرتے ہوئے ایک بڑا لشکر تیار رکھتے۔

جب بنوبکر نے قریش کی حمایت کے ساتھ بنوخزاعہ پر حملہ کر کے ان کے بہت سے آدمی قتل کر دیے تو بنو خزاعہ نے حلیف کی حیثیت سے معاہدے کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد کی درخواست کی آپ نے یہ دیکھ کر کہ قریش صلح نامے کے تحت اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کر رہے ہیں، دس ہزار نفوس پر مشتمل لشکر تیار کیا اور تیزی کے ساتھ منزلیں طے کرتے ہوئے مکہ کے قریب مرالظہران پر پڑاؤ ڈال دیا۔

جناب ضیاء الدین کرمانی لکھتے ہیں کہ:

''اب جبکہ بعض سربرآوردہ لوگوں نے ان (قریش) کا ساتھ چھوڑ دیا تھا ان کی حالت پہلے ہی کمزور ہو گئی تھی مثلاً خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جیسے سپہ سالار اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ جیسے سفارت کار نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کے ایک پختہ کار لیڈر ابوسفیان نے بھی ان کی جارحانہ سرگرمیوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ کیونکہ انھیں سرداران مکہ کی جنگجویانہ پالیسیوں سے شدید اختلاف تھا...... آپ نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے غیر جانبدارانہ رویے کے پیش نظر ان کی خاص طور پر عزت افزائی کی۔'' (ابدی پیغام کے آخری پیامبر صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۸۹)

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ سے قبل مکہ سے باہر جا کر مرالظہران سے آگے جموم کے مقام پر اسلام قبول کر لیا۔ بعد میں اس جگہ پر مسجد فتح کے نام سے ایک مسجد تعمیر کر دی گئی۔ جموم وہ مقام ہے جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ رات بسر کی تھی اور یہاں قبیلہ بنوسلیم آباد تھا۔ یہ جگہ مکہ مکرمہ کے شمال کی طرف مدینہ منورہ روڈ یعنی ''طریق ہجرۃ'' پر پچیس کلومیٹر اور تنعیم مسجد عائشہ رضی اللہ عنہا سے آگے اٹھارہ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار لکھتے ہیں کہ

''ابوسفیان اور حکیم بن حزام (رضی اللہ عنہما) نے شہر سے باہر آ کر علی الاعلان مسلمان ہو کر اطاعت قبول کر لی۔'' (جلد اول ص ۸۲۷)

اس طرح "الاسلام یهدم ما کان قبله" کے تحت حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی دور کفر کی مخالفت و عداوت کی بنا پر طعن و تشنیع کا باب ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی قریش اور اہل اسلام کے مابین عداوت کو مودت و محبت میں تبدیل کرنے کا اعلان فرما دیا:

﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ۭ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

(الممتحنة: ۷)

''عجب نہیں کہ اللہ تم میں اور ان لوگوں میں جن سے تم دشمنی رکھتے ہو دوستی پیدا کر دے اور اللہ قادر ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اس آیت کی تفسیر میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

''اس آیت کا شان نزول حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے عداوت کا خاتمہ اور مودت کا آغاز تھا۔''

گویا وحی الٰہی نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی مستقبل قریب میں بدلنے والی روش کا اشارہ کر دیا مگر بعض متعصب حضرات نے اللہ اور اس کے رسول کے معاف فرمانے کے باوجود ان کے ایمان و اسلام میں کیڑے نکالے اور ان پر طنز وتبرا کیا اور ان کے برضا و رغبت قبولیت اسلام کو اضطراری اور ان کی مجبوری قرار دیا۔

چنانچہ جناب نعیم صدیقی صاحب رقمطراز ہیں کہ:

''بہرحال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا نے اس کی کمزور نفسیات کو سمجھتے ہوئے ترغیباً کہا کہ چھوڑو بھی، اب سیدھی طرح اسلام قبول کرلو۔ اور صبح تک مکہ کا سب سے بڑا لیڈر حالات سے مجبور ہو کر اسلام کے دائرے میں داخل ہو چکا تھا۔'' (محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم ص۴۳۹)

حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام آپ کے مشن کی غیبی تائید تھی۔ آپ نے جوں ہی ان کی زبان سے اظہار اسلام کا کلمہ سنا تو فرط مسرت سے آپ کا چہرہ اقدس چمکنے لگا۔ اور پھر نہ صرف آپ ان کے ساتھ گرم جوشی کے ساتھ پیش آئے بلکہ ساتھ ہی اس اعزاز کا اعلان بھی کر دیا کہ "من دخل دار ابی سفیان فھو امن" جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گا اس کے لیے بھی امن ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الجہاد باب فتح مکہ)

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ:

''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کو فتح کرتے ہیں تو فوج کے ہراول دستے مقدمۃ الجیش میں ایک شخص منادی کرنے والا تھا جو گلیوں سے گزرتے وقت بآواز بلند چلا چلا کر کہتا تھا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے وہ امن میں رہے گا۔ جو خانۂ کعبہ میں چلا جائے گا وہ امن میں رہے گا جو شخص اپنے گھر کے اندر بند رہے باہر نہ نکلے امن سے رہے گا۔ اور آخری چیز جس کی طرف اس وقت توجہ دلانا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص ابوسفیان کے مکان میں جائے گا وہ بھی امن میں رہے گا۔ مقریزی کہتے ہیں کہ یہ امتیاز اور خصوصیت اس واقعہ کی بنا پر تھی کہ زمانہ قبل ہجرت جب کبھی مکے کے شریر بچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دیتے اور آپ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر جاتے تو ابوسفیان رضی اللہ عنہ آپ کو پناہ دیتے تھے لہٰذا اس کے بدلے میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے مکان کو بھی پناہ گاہ قرار دے دیا گیا۔'' (خطبات بہاولپور ص۳۰۴ زیر اہتمام اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور ۱۴۰۱ھ)

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے کے فوراً بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی پہلے مکہ پہنچے اور قریش مکہ

کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ:

''اے قریش مکہ! میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ ہمارے جھوٹے دین نے جو کچھ ہمیں نقصان پہنچایا وہ تمھیں بخوبی معلوم ہے۔ اس وقت جان کی سلامتی اور عاقبت کی بہتری اسی میں ہے کہ تم بت پرستی چھوڑ دو اور ایک اللہ کی پر کرو۔ اسلام کو اللہ نے بڑی شان و شوکت بخشی ہے۔ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ تمھیں یہی مشہورہ دیتا ہوں کہ سلامتی اسلام قبول کرنے میں ہے۔''

علامہ سید جمال حسینی صاحب روضۃ الاحباب لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا جاؤ! اب مکہ میں قوم کی فکر کرو۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ دوڑ کر مکہ آئے اور لشکر اسلام نے ذی طویٰ میں توقف کیا۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے دریافت کیا کیا خبر ہے؟ اور یہ پیچھے گرد وغبار کیسا ہے؟ بولے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹڈی دَل لشکر ہے اور لوہے میں غرق ہے۔ آج جو بھی میرے گھر میں داخل ہو جائے گا اسے امن ہے۔ جو اپنا دروازہ بند کرے گا اسے امن ہے۔ جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے گا اسے امن ہے۔''

(رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم حصہ دوم ص ۶۸ مترجمہ مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مطبوعہ شہزاد پبلشرز، جان محمد روڈ لاہور)

مولانا عبدالمعبود صاحب لکھتے ہیں کہ:

سیدنا ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا مکان: یہ مکان سالار قریش اور خسر رسول سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا تھا یہ حرم شریف کے شمال مشرق اور مروہ کی جانب دارِ خدیجہؓ کے متصل شارع مدعیٰ پر واقع تھا۔ بعد میں اس کا ایک دروازہ دارِ خدیجہؓ (جسے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسجد میں تبدیل کر دیا تھا) کی طرف کھلوا دیا تھا۔ یہ ملحوظ رہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مکان عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے خرید مسجد میں تبدیل کیا تھا۔ فتح مکہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی عزت افزائی کی خاطر ارشاد فرمایا تھا ''من دخل دار ابی سفیان فھو اٰمن'' ۱۲۶۶ھ میں محمد شریف پاشا نے اس جگہ ہسپتال بنا دیا۔ ۱۲۸۲ھ میں سلطان عبدالحمید خان کی والدہ محترمہ نے اس میں توسیع کی۔ ۱۳۶۴ھ میں وزارت صحت کا دفتر بنا دیا گیا۔ پھر ۱۳۸۵ھ میں سعودی عرب نے ہسپتال گرا کر اس جگہ پبلک لائبریری بنا دی۔ علامہ کردی فرماتے ہیں کہ ۲۸ رجب ۱۳۷۶ھ کو میں نے یہ مکان اندر سے دیکھا اس میں ایک پتھر کی تختی پر خط ثلث میں یہ حدیث لکھی ہوئی تھی ''من دخل دار ابی سفیان فھو اٰمن'' کتبہ محمد عارف مصطفیٰ شکری ۱۳۱۳ھ۔

(بحوالہ تاریخ القویم ج ۲ ص ۸۵، تاریخ مکہ مکرمہ ج ۱ ص ۳۵۸)

مولانا محمد رابع حسنی ندوی لکھتے ہیں کہ:

''دار ابی سفیان: اس کا محل وقوع شارع مدعیٰ پر بتایا جاتا ہے جو مروہ کے جنوب میں ایک کھلی جگہ

ہے۔ اس کی خصوصیت یہ تھی کہ فتح مکہ کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مامن قرار دیا تھا...... یہ حرم شریف کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ دار ابی سفیان کے متصلاً مشرقی جانب محلہ ہی میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مکان ہے۔'' (حج ومقامات حج ص۸۴)

پروفیسر سید علی احمد عباسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''یہی وجہ ہے کہ فتح مکہ کے دن سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دار الامان قرار دیا تھا۔ یہ گھر حرم شریف سے ملحق تھا توسیع حرم کے سلسلے میں اسے مسجد حرام میں شامل کر دیا گیا۔ علامہ محبّ الدین خطیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حرم شریف کا وہ حصہ دیکھا ہے جو پہلے دار ابی سفیان تھا۔ وہاں ایک پتھر نصب تھا جس پر نہایت حسین خط میں کندہ تھا ''من دخل دار ابی سفیان فھو امن'' جو بھی ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں چلا جائے گا اسے امان ہے۔ اب تو وہ گھر ویسے ہی حرم ہو گیا ہے جس کے متعلق اعلان عام ہے ''مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا'' جو وہاں چلا جائے اسے امان ہے۔''

(المنتقی ص۲۵۳، تعلیقہ نمبر۲ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاسی زندگی ص۴۴)

مذکورہ توضیح زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ زبان وحی ترجمان سے صادر شدہ جملہ ''من دخل دار ابی سفیان فھو امن'' ارشاد ربانی ''مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا'' کے ساتھ کامل مطابقت رکھتا ہے۔ دارِ ابی سفیان رضی اللہ عنہ اب مسجد حرام کا حصہ بن گیا ہے۔ حج کے دوران میں ہزاروں لوگ یہاں امام حرم کی اقتداء میں نماز ادا کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فتح مکہ کے موقع پر اس کے دار الامان ہونے کا اعلان فرمایا تھا۔ اس وقت کس کے تصور میں یہ بات آ سکتی تھی کہ کعبہ معظمہ سے کچھ فاصلہ پر واقع یہ مکان ایک دن باقاعدہ مسجد حرام کا حصہ ہو کر اس فرمان الٰہی مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا کی عملی تفسیر بن جائے گا۔

اب سعودی حکومت نے صفا اور مروہ کے درمیان مسعیٰ (جہاں سعی کی جاتی ہے) میں نشان کے طور پر ''باب المدعیٰ'' (جس کا ترتیب میں تیسواں نمبر ہے) بنا دیا ہے۔ بنو امیہ کے مکانات اسی کے اطراف میں واقع تھے۔ ''باب المدعیٰ'' کے ساتھ ''باب المروہ'' ۳۱ نمبر پر جبکہ ''باب عثمان'' ۳۲ نمبر پر واقع ہے۔ یہی نہیں بلکہ مدینہ منورہ میں بھی حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا خوبصورت اور بلند ترین مکان ''دارِ مروان'' سے مغربی جانب ''باب السلام'' کے سامنے مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے صحن میں شامل ہے اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مکان جو مطیع بن اسود اور حکیم بن حزام رضی اللہ عنہما کے مکانات کے سامنے مغربی جانب واقع تھا آج کل مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا حصہ ہے۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی ام المومنین کو ایک حجرہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا تھا اس کے علاوہ ان کا شمالی جانب ایک مملوکہ مکان بھی تھا۔ اب یہ دونوں مکانات باقاعدہ مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا حصہ ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ سعادت بھی حاصل ہوئی کہ انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کا مکان (جہاں

گنبد خضریٰ ہے) ایک لاکھ اسی ہزار درہم کے عوض خرید کر انھیں تاحیات اس میں رہنے کی پیش کش فرمائی۔ صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا نے اسی مجلس میں بڑی فیاضی کے ساتھ سارا مال تقسیم کر دیا۔ خاندان ابوسفیانؓ کی یقیناً یہ بہت بڑی سعادت ہے۔ (بیوت الصحابہ حول المسجد النبوی الشریف، مولفہ ڈاکٹر محمد الیاس عبدالغنی مدینہ منورہ)

بعض حضرات کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو عطا کردہ یہ اعزاز ناقابل برداشت تھا۔ تو انھوں نے ایک روایت گھڑ کر اپنے دل کو تسکین دے لی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعزاز حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی سفارش پر دیا تھا۔ جناب حکیم عبدالرحمٰن خلیق لکھتے ہیں کہ:

''اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر کو دار الامان قرار دینے اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی یوں عزت افزائی کے بہت سے محرکات تھے۔ اور من جملہ ان کے ایک یہ وجہ بھی بڑی ہی واضح ہے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہو جانے سے مکہ کا محاذ بالکل ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا تھا اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بعد اب وہاں کوئی نہیں رہ گیا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مزاحمت کرتا، مقابلہ ومجادلہ کی تدابیر سوچتا اور ان کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرتا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس سے زیادہ خوشی کا مقام اور کیا ہو سکتا تھا کہ مکہ کی حرمت بدستور ہی قائم رہے اور اس کی گلیاں اور بازار انسانی خون سے رنگین نہ ہوں۔ اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خوشی کا سامان ہو گیا تھا۔ ایسے ہی آپ کا یہ فرمان آپ کی دلی مسرت کا ہی مظہر تھا اور یقیناً یہ مسرت کا ہی مقام تھا۔

یہ بات بالکل ہی ظاہر ہے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ اگر مکہ میں ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کی ضرور مزاحمت کرتے۔ یہ بات بھی اپنی جگہ درست ہے کہ اہل مکہ بالآخر ضرور مغلوب ہوتے، ضرور شکست کھاتے، کچھ بھاگ جاتے، کچھ قتل ہوتے اور کچھ گرفتار ہوتے۔ مگر یہ فتح اس فتح کے مقابلے میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی جو حضور علیہ السلام کو ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کی خوشی میں حاصل ہوئی تھی۔

یہاں قریش کے قتل وشکست کے باوجود آئندہ تصادم کا خطرہ ہمیشہ موجود رہتا...... مگر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہو جانے سے یہ سارے خطرات اور خدشات ختم ہو گئے تھے۔ اور اس مرحلہ پر اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پر جوش خوشی کا اظہار کیا تو یہ اس کا موقع ہی تھا...... اب جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے تو کفر کی پوری عمارت مسمار ہو گئی۔ قریش یہ خبر سن کر پریشان ہو گئے۔ ان میں کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ میں داخلے سے قبل ہی بھاگ گئے اور کچھ جو ایمان لانے کے لیے کسی ساعت سعید کے منتظر تھے ان کا راستہ صاف ہو گیا۔ اب نہ کسی مزاحمت کا خطرہ تھا اور نہ کسی مخالفت کا خوف۔ پھر اس سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خوشی کا موقع اور کیا ہو سکتا تھا۔'' (امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ ص ۱۷۴، ۱۷۵)

فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کی تیاری فرمائی اس غزوہ میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور

ان کے دونوں لڑکے سیدنا یزید اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما بھی شامل و شریک تھے۔ بعد ازاں غزوہ طائف پیش آیا۔ اس غزوے میں بھی حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر قیادت شریک تھے۔ دورانِ جنگ میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی ایک آنکھ پر تیر لگا جس سے آنکھ اپنے مقام سے باہر آ گئی۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ آنکھ اٹھائے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری آنکھ کی یہ حالت ہوگئی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ آپ چاہیں تو میں اللہ سے دعا کرتا ہوں ان شاء اللہ آنکھ ٹھیک ہو جائے گی اور اگر آپ چاہیں تو جنت ملے گی۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ مجھے جنت چاہیے۔ "ان شئت دعوت فردت اليك وان شئت فالجنة قال الجنة يعنى اختار الجنة" (الاصابہ تحت صخر بن حرب ج ۲ ص ۱۷۹)

یہ واقعہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی استقامت اور ایمانی پختگی کی واضح دلیل ہے۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار لکھتے ہیں کہ:

''ازاں بعد ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے غزوۂ حنین اور پھر محاصرہ طائف میں شرکت کی جس میں ان کی ایک آنکھ جاتی رہی۔ معلوم ہوتا ہے کہ دیگر اہل مکہ کی طرح وہ بھی اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ ہوازن اور ثقیف کے قبائل ہی کو قریش کے بعد عرب کی سیادت کا دعویٰ ہے...... جب اہل طائف نے ہتھیار ڈالے تو ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے جن کے اس شہر سے خاندانی اور کاروباری تعلقات رہے تھے ''لات'' کا بت توڑنے میں مدد دی۔'' (جلد اول ص ۸۲۷ مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''قبیلہ بنوثقیف جب اسلام لایا تو ان میں ایک بت تھا۔ یہ لوگ چاہتے تھے کہ اس کو نہ گرایا جائے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں۔ اس کام کے لیے حضرت ابوسفیان اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما کو حکم دیا انھوں نے تعمیل حکم میں اس بت کو پاش پاش کر دیا۔''

(البدایہ والنہایہ ص ۵ ص ۳۲)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو قدید کے مقام پر ''منات بت'' گرانے کے لیے بھیجا تھا۔ انھوں نے جا کر اس بت کو گرا دیا۔'' (الاصابہ مع الاستیعاب ج ۲ ص ۱۷۹)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ پر بہت اعتماد تھا۔ اور وہ ہمیشہ آپ کے اعتماد پر پورا اترے۔ اہل نجران کے ساتھ جو معاہدہ طے ہوا ان میں اہل اسلام کی طرف سے جن کی شہادت درج کی گئی ان میں غیلان بن عمرو، مالک بن عوف، اقرع بن حابس، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۵۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں مختلف لوگوں کو مختلف عہدوں پر فائز فرمایا ان میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بھی ہیں جنھیں اہل نجران کے صدقات پر والی وامیر بنایا۔

(عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص ۲۵۴ از ڈاکٹر حمید اللہ)

مولانا محمد نافع صاحب لکھتے ہیں کہ:

''سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے تحت یمن کے بعض حلقوں کے لیے جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہ عامل و حاکم بن کر تشریف لے گئے۔ اس دوران میں جناب رسالت مآب کا وصال ہو گیا۔ یمن میں وصال نبوی کی اطلاع پہنچی۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اس علاقے سے واپس آئے دوران سفر میں ایک شخص ذو الخمار سے ملاقات ہوئی یہ شخص اپنی بدبختی کی وجہ سے اسلام سے منحرف ہو کر مرتد ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ جناب ابو سفیان رضی اللہ عنہ کا مقابلہ و مقاتلہ پیش آیا۔ یہ شخص ضد کی وجہ سے اپنے ارتداد پر قائم رہا اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا۔ اس مقام پر علماء نے ایک عجیب بات تحریر کی ہے وہ یہ کہ ''حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے دین سے پھر جانے والوں کے خلاف جہاد کیا ہے۔'' یہی چیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے جو علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ابن مردویہ کے حوالے سے باسند نقل کی ہے۔ وہ بھی فرماتے ہیں کہ اقامت دین کی خاطر اہل ردہ کے ساتھ پہلے قتال کرنے والے ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ ہیں۔''

(تفسیر ابن کثیر تحت الآیۃ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ ...... بحوالہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ ص ۳۱)

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عہد فاروقی میں جنگ یرموک میں اپنے پورے کنبے کے ساتھ شرکت کی، جس میں ان کی دوسری آنکھ بھی ایک تیر کے لگنے سے شہید ہو گئی۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا انتقال بعہد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ۳۱ھ میں بعمر اٹھاسی برس مدینہ منورہ میں ہوا۔ بعض مورخین نے ۳۲ھ اور ۳۴ھ کے اقوال بھی نقل کیے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ رضی اللہ عنہ

گزشتہ صفحات میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی زندگی کا مختصر خاکہ پیش کیا گیا جس سے ان کا اصلی کردار واضح ہوا۔ لیکن آج صدیوں کے شیعی اثرات اور پراپیگنڈے کی بنا پر کچھ مدعیان اہل سنت بھی آں محترم کا نام نہ صرف عزت و احترام کے ساتھ لینے سے گریز کرتے ہیں بلکہ ان پر تبرا، طعن و تشنیع، تضحیک و تحقیر اور الزامات و خرافات بکنے سے ہی اپنی غذا ہضم کرتے ہیں۔ ان ہی میں ایک شخصیت وفاقی شرعی عدالت کے جج پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری کی بھی ہے انھوں نے اپنی کتاب مقالات جلد دوم ص ۲۷۹ زیر عنوان ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور خلفائے راشدین'' کے علاوہ اپنی نئی شاہکار تصنیف ''ضیاء النبی'' میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا ذکر حقارت آمیز طریقے سے کیا ہے۔ موصوف نے ان مقامات پر ساٹھ سے زائد مرتبہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ (اسلام قبول کرنے سے پہلے اور بعد دونوں حالتوں) کا ذکر کیا ہے لیکن صد آفرین ''ضیاء الامت'' کو کہ کہیں بھی انھوں

نے بھول کر بھی ان کی عزت و احترام کو ملحوظ نہیں رکھا اور ان کے اسم گرامی کے ساتھ صحابیت کی علامت ''رضی اللہ عنہ'' بھی لگانی مناسب نہیں سمجھی۔ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں کہ:

''ان خود ساختہ روایات کہ (سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مجبوراً بیعت کی) کے لیے یہ واقعہ کافی ہے کہ جب تمام لوگ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت پر متفق ہو گئے تو ابوسفیان بن حرب کو یارائے صبر نہ رہا اور اس نے حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کو طعن و تشنیع سے بھڑکانا چاہا، کہنے لگا:

ابوبکر کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ تمھارا سربراہ اور امیر بنے وہ دونوں کمزور کہاں ہیں؟ (یعنی علی اور عباس رضی اللہ عنہما) کیا وجہ ہے کہ قریش میں جو سب سے چھوٹا قبیلہ ہے اس کا ایک فرد تمھارا حاکم بن جائے۔ پھر وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مکان پر آیا۔ اور آکر کہنے لگا ہاتھ آگے بڑھایئے میں آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ واللہ! اگر آپ حکم دیں تو میں ابوبکر سے مقابلہ کرنے کے لیے اس میدان کو شہسواروں اور پا پیادہ سپاہیوں سے بھر دوں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ باتیں سن کر اسے جھڑکتے ہوئے کہا اے ابوسفیان! تو بغیر غرض کے حرکت نہیں کرتا۔ تیرا مقصد صرف اسلام کو ضرر پہنچانا ہے۔ میں تیری باتوں سے ہرگز مغرور نہیں ہوں گا۔ اور تو مجھے اپنے دام فریب میں پھنسا نہیں سکتا۔

آپ کا ابوسفیان کی اس پیش کش کو مسترد کر دینا اس امر کا کھلا ثبوت ہے کہ آپ نے صدق دل سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت فرمائی تھی۔'' (مقالات جلد اول ص ۳۰۷، ۳۰۸)

پیر صاحب حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ پر برسے بغیر کہہ سکتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صدق دل سے بیعت کی تھی۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خسر پر تبرا کیے بغیر ان کی روٹی کیسے ہضم ہوتی۔ موصوف نے مقالات جلد دوم ص ۲۷۹، ۲۸۰ پر بھی اسی روایت کے حوالے سے آں محترم کی توہین و تضحیک کی ہے۔ جبکہ پیر صاحب نے اپنی ان ہی کتب میں اپنے ''پیران عظام'' کا ذکر نہایت ادب و احترام اور ''رضی اللہ عنہ'' کے لاحقے کے ساتھ کیا ہے۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک؟

حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کی مظلومیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اشتراک اسمی کی بنا پر حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی قبولیت اسلام سے پہلے کی عداوت اور ایذا رسانی کے واقعات بھی ''یار لوگوں'' نے حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کے سر تھوپ دیے۔

حالانکہ ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی ہونے کے علاوہ آپ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ آپ کو ان سے بہت محبت اور الفت تھی لیکن انھوں نے اعلان نبوت کے بعد بیس سال مسلسل آپ کی مخالفت و ہجو میں گزارے۔ امام ابوعبداللہ حاکم صاحب مستدرک نے تشیع کے باوجود ان کے بارے میں لکھا ہے کہ:

((ابوسفيان بن الحارث بن عبدالمطلب بن هاشم و كان اخا رسول الله ﷺ من الرضاعة وابن عمه ارضعته حليمة ايامًا فكان يألف رسول الله ﷺ فلما بعث رسول الله عاداه وهجاه وهجىٰ اصحابه فمكث عشرين سنة مغاضبا لرسول الله ﷺ))

(مستدرک حاکم ج۳ص۲۵۴)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((ابی سفيان بن حارث بن عبدالمطلب بن عم رسول الله ﷺ كان من اشد الناس بغضا للنبی وهجا له قبل الاسلام)) (منہاج السنۃ جز ثانی ص۲۱۵)

حتیٰ کہ ان ہی ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے بارے میں نعیم صدیقی صاحب یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ:

''پھر مقام ابواء میں پہنچے تو ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب (یہ دوسرے ابوسفیان ہیں جو آنحضرت ﷺ کے چچا زاد بھائی بھی تھے اور حلیمہ سعدیہ کے واسطے سے رضاعی بھائی بھی ہیں)...... انھوں نے قریبی عزیز ہو کر اسلام کی مخالفت میں جو شدید اذیتیں حضور ﷺ کو دی تھیں ان کی بنا پر آپ نے ملنے سے انکار کر دیا ابوسفیان نے عالم یاس میں کہا کہ اگر معافی نہ ملی تو میں بال بچوں کو عرب کے آتشیں ریگستان میں لے جاؤں گا اور ہم سب بھوکے پیاسے رہ کر مر جائیں گے۔'' (محسن انسانیت ﷺ ص۴۳۷)

ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو ایسی کوئی روایت نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اعراض فرمایا ہو اور ملنے سے انکار کیا ہو۔ پھر بھی آج تک انھیں معاف نہیں کیا گیا۔

اہل تشیع تو ان کے بارے میں تمام حدود پھلانگ گئے ہیں۔ حتیٰ کہ انھوں نے ابولہب کو ابوسفیان قرار دے دیا۔ چنانچہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کاندھلوی اہل تشیع کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''قرآن میں بہت سے منافقین کے نام تھے جو سب حذف کر دیے گئے اور نبی کریم ﷺ کو بدنام کرنے کے لیے ابولہب کا نام باقی رکھا گیا۔ لیکن اس سلسلے میں اب نیا فارمولہ یہ ہے کہ ابولہب نہایت پکے جدی مومن اور ولی تھے۔ اصل میں ابولہب ابوسفیان کو بھی کہا جاتا تھا۔ قرآن میں ابولہب سے مراد ابوسفیان ہے۔ اور اس سلسلے میں ابولہب نامی ایک کتابچہ بھی تحریر کیا گیا ہے جو امامیہ کتب خانوں میں عام دستیاب ہوتا ہے۔'' (کیا ہمارا قرآن ایک ہے؟ ۶۳)

پروفیسر محمد اسلم صاحب شعبہ تاریخ پنجاب یونیورسٹی لاہور لکھتے ہیں کہ:

''عجمی مورخوں کی تدلیس اور دسیسہ کاریوں نے اس جلیل القدر صحابی اور صہر رسول کی سیرت و کردار کو داغدار کرنے میں کوئی کسر باقی اٹھا نہیں رکھی۔ سرکار زینی نے حال ہی میں ایک کتاب بعنوان ''ابولہب'' تحریر کی

ہے۔ اس نے سارا زور اس بات پر لگایا ہے کہ ابولہب معاذ اللہ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی ہی کنیت تھی۔ اسی طرح کے ایک تفضیلی سید نے ایک بار مجھے بتایا کہ وہ کسی گاؤں میں تعزیت کی غرض سے گئے۔ انھوں نے مغرب کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کی۔ اتفاق سے امام صاحب نے ایک رکعت میں سورت "تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَهَبٍ" پڑھی۔ انھیں یہ بات اچھی نہ لگی لیکن خاموش رہے۔ امام موصوف نے عشاء کی نماز میں دوبارہ یہی سورت پڑھی تو نماز سے فارغ ہوکر شاہ صاحب نے امام صاحب کو جا دبوچا اور اس سے کہا کہ وہ نماز میں ایسی سورت کیوں پڑھتا ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی توہین ہوتی ہے۔ میں ایک ایسے سید سے بھی واقف ہوں جو برملا یہ کہتے پھرتے ہیں کہ اب یہ سورت منسوخ التلاوت ہے۔"

(سیرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ ص ۲۸ زیر عنوان "گزارش احوال واقعی" مؤلفہ سید الطاف حسین گیلانی مطبوعہ پروگریسو بکس اردو بازار لاہور)

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی تعظیم وتکریم ایک اِم المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد بزرگوار، ایک صحابی رسول اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خسر نامدار ہونے کی وجہ سے ہر مسلمان پر واجب ہے۔ آپ نے ان کے بارے میں فرمایا "من دخل دار ابی سفیان فھو اٰمن" جو حضرت ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگیا اسے امن ہے۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غزوات میں شرکت کی۔ غزوۂ طائف میں ایک آنکھ قربان ہوگئی تو آپ نے اس پر جنت کی بشارت دی۔ جبکہ جنگ یرموک میں ان کی دوسری آنکھ بھی شہید ہوگئی۔ اس کے بعد بھی جس قلم سے یا جس منہ سے صرف ابوسفیان کا لفظ بغیر احترام کے نکلے تو اس پر اللہ کی پھٹکار ہو!

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا

ان کا نام ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف ہے۔ چوتھی پشت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں شامل ہو جاتی ہیں۔ حضرت ہند رضی اللہ عنہا قریش کی سردار عورتوں میں سے تھیں۔ صاحب رائے، زیرک و ہوشمند، خوددار، نہایت فصیح اور بڑی عقل مند عورت تھیں۔ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے بھائی ابو حذیفہ بن عتبہ اور بیٹی سیدہ رملہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا شمار سابقین اولین میں ہوتا ہے۔ ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں اپنے والد عتبہ کے خلاف لڑے تو سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ کی سخت ہجو کی۔

سیدہ زینب بنت رسول رضی اللہ عنہا سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کی بھاوج لگتی تھیں۔ غزوۂ بدر کے بعد سیدہ زینب رضی اللہ عنہا جب مدینہ جانے لگیں تو سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے باوجود اسلام سے عداوت رکھنے کے رواداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے پاس جا کر کہا کہ اگر کچھ زادِ راہ وغیرہ کی ضرورت ہو تو بے تکلف کہہ دو میں مہیا کر دوں گی۔

فتح مکہ کے دن سیدہ ہند رضی اللہ عنہا جب اسلام قبول کرنے کی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ میں ایک ایسی عورت ہوں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئی ہوں اور اس کے رسول کو سچا مانتی ہوں۔ پھر ہند رضی اللہ عنہا نے اپنے چہرے سے نقاب الٹ دی اور بولیں میں ہوں ہند بنت عتبہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں "مَرحبًا بكِ" خوش آمدید کہا۔ (طبقات ابن سعد اردو ج ۸ ص ۳۱۹ تحت ذکر ہند بنت عتبہ)

امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح بخاری میں کتاب المناقب باب ذکر ہند بنت عتبہ میں یہ روایت لائے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہند بنت عتبہ آئیں اور کہا یا رسول اللہ! آج سے پہلے زمین پر کوئی ایسا گھرانہ نہیں تھا جو میرے نزدیک آپ کے گھر سے زیادہ ذلیل اور ناپسند ہو۔ مگر آج صفحۂ ہستی پر کوئی ایسا گھرانہ نہیں جو میرے نزدیک آپ کے گھرانے سے زیادہ محبوب اور معزز ہو۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا "وایضا والذی نفسی بِیَدِہ" بعض مترجمین کو سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کی یہ فضیلت گوارہ نہیں ہے۔ اس لیے اس جملہ کا ایسا معنی کرتے ہیں جس سے فضیلت نہ ظاہر ہوتی ہو۔ محمد سعید اینڈ سنز کراچی نے بخاری کا ترجمہ شائع کرایا ہے۔ اس کے مترجمین میں مولانا امجد علی، مولانا ابو الفتح صاحب، مولانا سبحان محمود صاحب اور مولانا قاری احمد صاحب کے نام درج ہیں۔ اس کی جلد دوم ص ۴۳۸ پر مذکورہ جملہ کو کمال استغناء کے ساتھ راوی کی

طرف منسوب کر دیا ہے۔ یعنی راوی نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اس نے یہ بھی کہا یا رسول اللہ! ابوسفیان ایک بخیل آدمی ہیں...... اس ترجمے سے سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کی فضیلت کو ہی ختم کر دیا گیا مگر امام بخاری رحمہ اللہ یہی حدیث کتاب الایمان والنذور باب کیف کانت یمین النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت بھی لائے ہیں۔ اس میں یہ الفاظ ہیں "والذی نفس محمد بیدہ" اس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے اس میں ابھی اور ترقی ہوگی۔

اس کا عام اور معروف معنی تو یہی ہے کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے میرا بھی یہی حال ہے یا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے یہی کیفیت اپنی بھی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ ہند رضی اللہ عنہا اور ان کے خاندان کے لیے بھی اپنی محبت کا اعلان کیا۔ اور ان ہی جذبات کا اظہار فرمایا جن کا سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے اظہار کیا تھا۔ لیکن عام طور پر ایسا معنی کیا جاتا ہے جس سے زیادہ فضیلت ظاہر نہ ہو کہ اس میں ابھی اور ترقی ہوگی۔ اس معنی سے بھی تو فضیلت ہی ثابت ہوتی ہے کیونکہ یہ جملہ بھی تو لسان نبوت سے ہی نکلا ہوا ہے۔ اور پھر اسے قسم کے ساتھ مؤکد بھی کر دیا گیا ہے کہ تیرے دل میں ایمان و یقین مزید راسخ ہوگا اور تیری محبت اللہ اور اس کے رسول کے حق میں اور بڑھے گی۔

کیا پیغمبر کا حلف کے ساتھ یہ اعلان غلط تھا؟ کون مسلمان اس کا جواب اثبات میں دے سکتا ہے؟ پھر ہمارے مورخین اور واعظین سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے بارے میں تاریخ کی جھوٹی اور من گھڑت روایات کی بنا پر جو توہین آمیز طرز عمل جاری رکھتے ہیں وہ کیا تکذیب رسول کے مترادف نہیں ہے؟

کاش! ہمارے مشائخ و علماء، واعظین اور سیرت نگار سیدہ ہند رضی اللہ عنہا پر بولتے اور لکھتے وقت کم از کم صحیح بخاری ہی کو اپنے پیش نظر رکھتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدہ ہند رضی اللہ عنہا اور ان کے خاندان سے کوئی سرسری محبت نہیں جو کسی عام انسان سے ہوسکتی ہے۔ بلکہ اتنی شدید محبت ہے کہ آپؐ اس کا ذکر بھی قسم کھا کر کر رہے ہیں۔ آپؐ کے اسی اعلان محبت سے حضرت ہند رضی اللہ عنہا کا مقام بھی متعین ہو جاتا ہے۔ اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس واقعہ پر باب ذکر ہند بنت عتبہ کی سرخی قائم کی ہے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے گھر آ کر کلھاڑے کے ساتھ گھر میں رکھے ہوئے بت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور فرمایا "کنا منك فی غرور" کہ تیری وجہ سے ہم دھوکے میں اور فریب میں مبتلا تھے۔ بنوثقیف جیسے جنگجو اور بہادر اپنے بت کو پاش پاش نہ کر سکے۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے جا کر اس بت کے ٹکڑے کیے۔ یہاں ایک خاتون ہیں جو ٹکڑے کرتے وقت اسے جھاڑ بھی پلا رہی تھیں۔ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کا یہ واقعہ ان کے حسن اسلام اور ایمان کی پختگی کی واضح دلیل ہے۔

ایک دفعہ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بکری کا بچہ ہدیتاً بھیجا اور عذر کیا کہ ہمارے پاس بکریاں کم ہیں اوران کے بچے کم ہوتے ہیں۔ آپؐ نے ان کے لیے برکت کی دعا کی۔ اس کے بعد سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے پاس بہت بکریاں ہوگئیں تو ہند رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت ہے۔ (رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم حصہ دوم ص۸۲، مترجمہ مفتی عزیز الرحمٰن صاحب)

جنگ یرموک میں سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کا پورا گھرانہ شریک تھا۔ شوہر حضرت ابوسفیان، صاحبزادے حضرت یزید اور معاویہ، صاحبزادی جویریہ اور داماد رضی اللہ عنہم سبھی دشمنان اسلام کے خلاف برسر پیکار تھے۔ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا رومیوں کے خلاف مسلمانوں کو جنگ پر ابھارتی تھیں اور جوش دلاتے ہوئے فرماتی تھیں "عضدوا الغلفان بسیوفکم" اپنی تلواروں سے ان نامردوں کے ٹکڑے ٹکڑے کردو۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ ہند رضی اللہ عنہا سے حدیث روایت کی ہے۔ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے بعہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ۱۴ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ اسی دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد گرامی حضرت ابوقحافہ عثمان بن عامر رضی اللہ عنہ کی وفات بھی ہوئی۔

سیدہ ہند رضی اللہ عنہا اسلام قبول کرنے سے قبل دیگر مشرکین کی طرح اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ بغض و عداوت اور نفرت رکھتی تھیں لیکن اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے کچھ ناکردہ گناہ بھی ان کے سر تھوپ دیے گئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہونے کے ناتے ان کا نام سننا اور لینا بھی ناقابل برداشت ہوگیا ہے۔ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو امارت و خلافت نہ ملتی اور وہ نصرانیت، یہودیت، مجوسیت اور سبائیت کا کچومر نہ نکالتے تو یقیناً اس خاندان کے بارے میں بھی یہ بے سروپا کہانیاں مشہور نہ ہوتیں۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے حوالے سے سیدہ ہند رضی اللہ عنہا پر خوب تبرا کیا جاتا ہے۔ پیر کرم شاہ صاحب الازہری ''شہر بانو'' دختر شاہ ایران کے لیے صحابیت کی علامت ''رضی اللہ عنہا'' نہایت فراخ دلی کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ (مقالات ج ا ص ۳۳۶) لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساس، جلیل القدر صحابیہ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے لیے ''کینہ توز ہند، کینہ توزی، سنگدلی اور کمینگی کی انتہا اور نوجوانوں کو اپنی ہیجان انگیز اداؤں سے فریفتہ کرنے والی'' جیسے القابات اور اعزازات مخصوص کرتے ہیں چنانچہ پیر صاحب لکھتے ہیں کہ:

''کینہ توز ہند دور کی کوڑی لائی (کہ سیدہ آمنہ والدۂ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کھود کر ان کی نعش پر قبضہ کرلو اور اگر جنگ میں ہمارے آدمی گرفتار ہوگئے تو آمنہ کے اعضاء بطور فدیہ دے کر انھیں آزاد کرالیں گے)۔

(ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج ۳ ص ۴۶۳)

''اس وقت مکہ کی شریف زادیاں شرم و حیا کی چادر پرے پھینک کر دفیں بجا رہی تھیں، رقص کر رہی تھیں اور شعر گا گا کر اپنے بہادروں کے جوش انتقام کی آگ تیز تر کر رہی تھیں۔ پیش پیش ان کے سپہ سالار

اعظم ابوسفیان کی بیوی ہند تھی...... ان کی ہیجان انگیز ادائیں شعلہ نوائیاں نوجوانوں کو دیوانہ بنا رہی تھیں۔ وہ بھوکے چیتوں کی طرح لپک لپک کر حملے کر رہے تھے۔'' (ایضاً ص ۴۸۱)

پیر صاحب نے آگے چل کر سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے بارے میں ایک عنوان قائم کیا ہے ''کینہ توزی، سنگدلی اور کمینگی کی انتہا'' (ایضاً ص ۵۲۸) اس عنوان کے تحت کلیجہ چبانے کی من گھڑت داستان بیان کی گئی۔ کوئی غیر مسلم جج بھی ایسے ''ریمارکس'' نہیں دے سکتا چہ جائیکہ وفاقی شرعی عدالت کا ایک ''مفسر، سیرت نگار اور عالم دین جج۔''

جناب نعیم صدیقی صاحب ''تبرائی شعبے'' کے ''سپر سٹار'' ہیں کیونکہ جناب مودودی صاحب نے بطور خاص ان کی تربیت فرمائی۔ چنانچہ موصوف سیدنا وحشی رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''یہ شخص اسلام لا کر بھی فسق و فجور خصوصاً شراب نوشی سے نجات نہ پا سکا۔'' (محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم ص ۴۴۵)

موصوف سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''عورتوں میں سب سے بڑی مجرمہ ہند بنت عتبہ تھی۔ جس نے سرگرمی سے مخالفتیں کی تھیں اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مثلہ کیا تھا بلکہ ان کا کلیجہ چبا گئی تھی۔ چہرہ چھپانے کے لیے نقاب پہن کر حاضر خدمت ہوئی۔ حالات سے مجبور ہو کر یہ اسلام قبول کرنے آئی۔ لیکن اس لمحے بھی ڈھٹائی سے عجیب عجیب ٹیڑھی باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیں۔ مکالمہ یوں ہوا:

ہند: آپ ہم سے کن باتوں کا اقرار لیتے ہیں؟

رسول: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔

ہند: یہ اقرار آپ نے مردوں سے تو نہیں لیا؟ مگر خیر ہمیں یہ بھی منظور ہے۔

رسول: چوری نہ کرو۔

ہند: میں اپنے شوہر کے مال سے کچھ نکال لیتی ہوں معلوم نہیں یہ بھی جائز ہے یا ناجائز؟

رسول: اولاد کو قتل نہ کرو۔

ہند: ہم نے بچپن میں ان کو پالا۔ بڑے ہوئے آپ نے انھیں قتل کر ڈالا۔ اب آپ جانیں اور وہ۔

جیسا کچھ قبول اسلام یہ تھا ظاہر ہے۔ پھر یہ گستاخانہ انداز کلام، کوئی بھی دوسرا ہوتا اسے گوارہ نہ کرتا۔ حضور کا بے پایاں حلم تھا جس سے ناجائز فائدہ اٹھایا جا رہا تھا'' (محسن انسانیت ص ۴۴۵، ۴۴۶)

نعیم صدیقی صاحب تک جس حوالے سے یہ گستاخانہ کلام پہنچا ہے وہ کوئی یقینی نہیں ہے لیکن وہ اسے یقینی سمجھتے ہوئے یقیناً اپنی عاقبت و آخرت تباہ کر بیٹھے ہیں۔

اس مفروضے کو کون تسلیم کر سکتا ہے؟ مکہ فتح ہو گیا ہے، قریش مغلوب ہو گئے ہیں، شوہر، بیٹے، بیٹیاں،

اسلام قبول کر چکی ہیں اور دس ہزار ننگی تلواروں کی موجودگی میں تنہا ایک عورت اس قدر دیدہ دلیری کے ساتھ گستاخی کا ارتکاب کر رہی ہے۔

پیغمبر ان کے اسلام کو تسلیم کرتے ہوئے اظہار مسرت کے طور پر مرحبا بك (خوش آمدید) کے الفاظ سے استقبال کر رہے ہیں۔ حضرات صحابہ ان کے مداح ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ ان کی فضیلت و منقبت میں باب قائم کر رہے ہیں۔ اور یہ بصارت و بصیرت سے تہی دامن شخص مذاق اڑا رہا ہے ''جیسا کچھ قبول اسلام یہ تھا ظاہر ہے۔ پھر یہ گستاخانہ انداز کلام'' صاحبِ معاملہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو بے پایاں حلم کی بنا پر اسے گوارہ کر رہے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ہر مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اسے ''گوارا'' کرتا اور کوئی حرف شکوہ بھی قلم اور زبان پر نہ لاتا۔ مگر افسوس کہ نعیم ''باطلی'' جیسے لوگ اسوۂ نبوی سے ہٹ کر اسے آج تک گوارہ نہ کر سکے۔

جناب مودودی صاحب اس کتاب کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ:

''ان سطور سے میرا مقصد نعیم صدیقی صاحب کی کتاب پر کوئی تقریظ یا تنقید لکھنا نہیں ہے۔ وہ جتنی اور جیسی داد کی مستحق ہے ان شاء اللہ ناظرین خود دیں گے...... میرے پیش نظر صرف یہ ہے کہ نعیم صاحب نے ایک طویل مدت اور محنت شاقہ برداشت کر کے سیرت پاک کے چشمہ صافی سے خلق خدا کو جو سیراب کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس میں کچھ تھوڑا سا حصہ لے کر میں بھی کسی حد تک سعادت کا مستحق بن سکوں...... مجھے امید ہے کہ نعیم صاحب کی محنت سے لوگ زیادہ بہتر طریقے سے مستفید ہوں گے۔'' (محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۶)

جناب مودودی صاحب نے کسر نفسی سے کام لیتے ہوئے یہ بات تحریر کی ہے کہ ''تھوڑا سا حصہ'' جبکہ راقم الحروف کے نزدیک خلافت و ملوکیت اور اس کی اتباع میں تحریر کی جانے والی کتب موصوف کے لیے مستقل ''صدقہ جاریہ'' ہیں۔ باری تعالیٰ ان کتب کے مضر اور زہریلے اثرات سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے۔

عصر حاضر میں جناب طالب ہاشمی صاحب نے سیرت اصحاب رسول پر بہت کام کیا ہے۔ لیکن انھوں نے تحقیق کے بجائے روایات کے جمع کرنے پر ہی زیادہ زور صرف کیا ہے اور بعض مسائل میں نظر انصاف سے کام نہ لے سکے۔ چنانچہ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا پر لکھتے ہوئے انھوں نے بھی سبائی ٹکسالی روایات سے بھرپور استفادہ کیا ہے:

''ہند نے جوش انتقام میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا پیٹ چاک کر کے جگر نکالا اور چبا گئیں لیکن گلے سے نہ اتر سکا اس لیے اگلنا پڑا...... ہند نے اگرچہ آپ کے محبوب چچا کا کلیجہ چبایا تھا اور پھر اس موقع پر بھی ایسی بے باکانہ بلکہ گستاخانہ گفتگو کی تھی۔'' (تذکار صحابیات ص ۳۶۱)

مولانا سعید انصاری صاحب نے یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ:

''خاتونانِ قریش نے انتقام بدر کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا تھا۔ ان کے ناک کاٹ لیے۔ ہند نے ان پھولوں کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر گئیں اور ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبا گئیں۔ لیکن گلے سے اتر نہ سکا اس لیے اگل دینا پڑا۔''

(سیر الصحابہ ج ٦ حصہ دہم ص ١٨١ مطبوعہ ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور)

خطیب پاکستان ترجمان اہل سنت اور چیئرمین سپریم کونسل سپاہِ صحابہ پاکستان مولانا ضیاء القاسمی اپنی بے نظیر اور محققانہ کتاب ''خطبات قاسمی'' (جس نے ''علماء'' اور ''خطباء'' کے لیے جمعہ پڑھانا آسان کر دیا ہے) میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعے پر ''خطیبانہ'' جوہر دکھاتے ہوئے زیرِ عنوان ''ہندہ کا وعدہ'' فرماتے ہیں:

''وحشی کہتا ہے کہ ہند نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تو حمزہ کو جو میرے باپ عتبہ کا قاتل ہے قتل کر دے گا تو میں تجھے منہ مانگا انعام دوں گی اور وہ مجھے ہر وقت اس بات پر اکساتی رہتی تھی کہ اگر تو نے آزادی حاصل کرنی ہے اور انعام حاصل کر کے دنیا میں عیش و عشرت و آرام کی زندگی بسر کرنی ہے تو حمزہ کو قتل کر کے اس کا کلیجہ (یعنی جگر) نکال کر مجھے لا دینا۔ میں اس کا جگر چباؤں گی۔ میں نے اس سے بھی وعدہ کر رکھا تھا اس لیے حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے اس کا جگر ہندہ کو لا کر دیا۔ اس نے اسے چبانے کی کوشش کی مگر اسے نگل نہ سکی۔ اس طرح میں نے حمزہ کو شہید کر کے آزادی حاصل کی اور مجھے ہندہ نے بہت سے کپڑے اور اپنے زیورات اتار کر انعام میں دیے۔''

یہ ملحوظ رہے کہ موصوف نے یہاں تلبیس سے بھی کام لیا ہے۔ اس اقتباس سے پہلے انھوں نے صحیح بخاری کے حوالے سے شہادت حمزہ کا واقعہ اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اسی ایک حربے سے شہید ہو گئے اس کے بعد مذکورہ اقتباس پیش کیا گیا۔ جس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کی یہ ساری باتیں امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان کی ہیں جبکہ صحیح بخاری میں اس کا کوئی اشارہ تک نہیں پایا جاتا وسری بات یہ ہے کہ موصوف نے پوری تقریر میں سات مرتبہ ''ہندہ'' نام استعمال کیا۔ حالانکہ یہ پنجابی کا لفظ میں ہے بلکہ عربی کا ہے اور عربی میں اس کا تلفظ ''ہندہ'' نہیں ''ہند'' ہے۔

خطیب پاکستان مزید برستے ہیں کہ:

''وحشی نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے بعد ان کا جگر نکال کر ہندہ کو دیا۔

شہادت حمزہ شاعر کی زبان میں:

گڑھے کے اندر اترا، اب نہ کی قطع نظر اس نے
شکم چیرا، نکالا مرد مومن کا جگر اس نے

اب اس کرتوت کا انعام لینے کو چلا ناداں
متاع بے بہا کا دام لینے کو چلا ناداں!!!
قریب ہند آیا کارنامہ اپنا بتلایا
جگر حمزہ کا دکھلایا پھر اپنا حق بھی جتلایا
قسم کھائی تھی حمزہ کا جگر کچا چبانے کی
لہو کی پیاس تھی اور بھوک اس کو گوشت کھانے کی
اہا اہا ہنستی جاتی، منہ بناتی جا رہی تھی یہ!!!
جگر حمزہ کا دانتوں سے چباتی جا رہی تھی یہ
جگر تھا اس کے منہ میں، خون باچھوں سے ٹپکتا تھا
کھڑا تھا پاس وحشی اور منہ حیرت سے تکتا تھا
نہ اترا حلق کے اندر گلے میں یہ جگر اٹکا
بالآخر اس نے اگلا اور زمیں پر اس کو دے ٹپکا

(خطبات قاسمی ج ۱ ص ۴۹)

خطیب کا غصہ ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا کیونکہ عبداللہ بن سبا کی روح ابھی تک پوری خوش نہیں ہوئی کاش کوئی خطیب کے ''گوڈے پھڑ لیتا۔'' لہٰذا خطیب جلال کے نقطہ عروج پر دکھائی دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

خطیب کہتا ہے (تبرا کرتے ہوئے برستا ہے):

ہندہ! یہ ہار گلے میں نہ ڈال
گلا حق کے سامنے ہار کھا جائے گا
یہ ہار گردن میں نہ ڈال
یہ گردن حق کے سامنے جھک جائے گی
یہ پھولوں کا ہار نہیں
یہ سونے کا ہار نہیں
یہ چاندی کا ہار نہیں
یہ حمزہ کی کٹی ہوئی زبان کا ہار ہے
یہ حمزہ کی کٹی ہوئی بوٹیوں کا ہار ہے
یہ حمزہ کی کٹی ہوئی انگلیوں کا ہار ہے

یہ حمزہ کے کٹے ہوئے جسم کا ہار ہے
یہ حمزہ کے جگر پاروں کا ہار ہے
یہ ہار تیری اکڑی ہوئی گردن کو خدا کے حضور جھکا دے گا
یہ ہار تیری انگشت شہادت کو کلمہ توحید کے لیے اٹھا دے گا
یہ ہار تیری زبان پر توحید ورسالت کی صداقت جاری کرا دے گا
یہ ہار تیرے مغرور جسم کو ''رُکَّعًا سُجَّدًا'' کی تصویر بنا دے گا
یہ ہار تیری ہار اور حمزہ کی فتح
خدا کی نصرت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح کا اعلان ثابت ہوگا۔

اس خطبے کو بار بار پڑھیے۔ یقین نہیں آتا کہ یہ تقریر ''ضیاء القاسمی'' صاحب نے جھاڑی ہوگی۔ الفاظ کی بناوٹ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اہل تشیع کا کوئی ''ضیاء القاسمی'' نامی ذاکر مرکزی امام بارگاہ میں مجلس شریف پڑھ رہا تھا تو مکتبہ قاسمیہ والوں کو اس کی تقریر پسند آ گئی تو انھوں نے اس خطبے کو اہل تشیع سے بھاری قیمت وصول کر کے ''خطبات قاسمی جلد اول'' کا حصہ بنا دیا پھر اسی کتاب کے آخری صفحہ پر یہ اشتہار بھی دے دیا کہ:

''خطباء اور علماء کے لیے جمعہ پڑھانا آسان ہوگیا۔''

اس خطبے سے جتنے خطباء اور عوام مستفید ہوئے اس کا ''ثواب'' یقیناً خطیب اول کے اعمال نامے میں ہی جمع ہوگا۔

بعض متعصب حضرات نے لکھا ہے کہ ''سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کا اسلام بعد میں اچھا ہوگیا تھا'' جس طرح کا کلمہ پڑھا کر خطیب پاکستان نے انھیں دائرہ اسلام میں داخل کیا ہے اگر یہ طریقہ اور انداز ان کے علم میں ہوتا تو وہ کبھی ان کے ایمان و اسلام پر اظہار شک نہ کرتے۔ خطیب صاحب علمائے اہل سنت پر احسان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''مجھے اس بات کا ہمیشہ احساس رہتا تھا کہ ایک خطیب حق کے لیے ہر جمعہ پر کوئی ایسا علمی ذخیرہ ہونا چاہیے جو علمی جواہرات کے ساتھ ساتھ خطابت کے شکر پارے بھی رکھتا ہو...... الحمد للہ میں پچیّس سال سے خطابت کے فرائض سر انجام دے رہا ہوں۔ میرا کوئی خطبہ مطالعہ اور تیاری کے بغیر نہیں ہوتا اس میں کوئی تساہل اور کوتاہی کبھی واقع نہیں ہوئی۔ چار چار گھنٹے مسلسل مطالعہ اور تیاری کے بعد جمعہ کا خطبہ دیتا ہوں۔ اور اب تک اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہی معمول چلا آ رہا ہے...... میری اس پچیّس سالہ محنت کے دوران میں میرے سامنے جو علم و خطابت کا سرمایہ جمع ہوا، میں نے طے کیا کہ اپنے دور کے علماء، طلبہ، خطباء، مقررین اور واعظین کے لیے اسے جمع کر کے ہر خطیب کے سوال کا جواب کہ ''آج کیا بیان کیا جائے'' خطبات قاسمی کے

نام سے شائع کر دیا جائے۔'' (خطبات قاسمی ص ۱۳، زیر عنوان ابتدائیہ)

جناب ضیاء القاسمی صاحب نے خطبائے اہل سنت پر یقیناً احسان کیا ہوگا۔ مگر زیر بحث خطبہ میں موصوف نے غلام حسین نجفی کا بھی ریکارڈ توڑ دیا ہے۔ چودہ سو سال کے بعد ایک صحابیہ، ایک مجاہدہ، آنحضرت ﷺ کی ساس (جو ماں کا درجہ رکھتی ہے) کا ذکر اس بھونڈے اور حقارت آمیز انداز کے ساتھ ''اہا اہا، ہنستی جاتی منہ بناتی جا رہی تھی یہ۔ جگر حمزہ کا دانتوں سے چباتی جا رہی تھی یہ۔ جگر تھا اس کا منہ میں، خون باچھوں سے ٹپکتا تھا۔ نہ اترا۔ حلق کے اندر، گلے میں یہ جگر اٹکا۔ بالآخر اس نے اگلا اور زمین پر اس کو دے ٹپکا۔'' اس کے بعد کس قدر گستاخانہ انداز کے ساتھ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا پر علمی جواہرات اور خطابت کے شکر پارے (بلکہ غلاظت ونجاست کی پوتھیاں) بکھیرتا ہے کہ ایک مسلمان کا سر ندامت وشرمندگی سے جھک جاتا ہے۔ ایک ماں کے حضور، پیغمبر کی ماں (ساس)، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ کے حضور کیا نذرانہ.....؟ تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو! یہ الفاظ کسی عام خطیب کے نہیں ہیں بلکہ سپاہِ صحابہ پاکستان کی سپریم کونسل کے چیئرمین کے ہیں۔ جو ساری زندگی بدعت و رفض کا مقابلہ کرتے کرتے بالآخر غیر شعوری طور پر ان ہی کے اسیر ہو گئے۔ اور یہ بات قطعاً باعث تعجب نہیں ہے۔ ہمارے اکثر علماء وہی ''شیعی انداز فکر'' اپنائے ہوئے ہیں۔ محرم میں شادی وغیرہ، پنج تن پاک، امام اور علیہ السلام کے علاوہ دمادم مست قلندر وغیرہ اس کی واضح مثالیں ہیں۔

مؤخر الذکر اصطلاح تو جرنیل سپاہِ صحابہ مولانا محمد اعظم طارق صاحب نے بھی استعمال کر دی۔ جب نواز شریف اور قومی اسمبلی کو اسحاق خان کی طرف سے برطرف کیا گیا تھا تو کسی صحافی نے جناب اعظم طارق صاحب صاحب سے پوچھا کہ اگر عدالت نے اسمبلی بحال کر دی تو کیا ہوگا۔ موصوف وجد میں آ گئے اور فرمایا کہ ''امن ہو یا جنگ، ہم ہیں صدر کے سنگ'' اور ''اب دمادم مست قلندر ہوگا'' یہ خالص شیعی انداز فکر اور سبائی نعرہ ہے کیونکہ اس کا دوسرا حصہ ''علی دا پہلا نمبر'' ہے۔

شیعیت کے اثرات کہاں کہاں پہنچے ہوئے ہیں۔ لاشعوری طور پر بعض علماء بھی وہی اصطلاحات استعمال کر دیتے ہیں۔ تعجب تو مولانا اعظم طارق صاحب پر ہوتا ہے جنھوں نے اپنی زندگی ''دفاع صحابہ'' کے لیے وقف کر رکھی ہے اور دشمن ہر وقت ان کی جان کے پیچھے پڑا ہوا ہے مگر لاشعوری طور پر توہین صحابہ کا ارتکاب ان سے بھی ہو جاتا ہے۔

عدالت عظمیٰ سے اسمبلی اور حکومت کی بحالی کے بعد ۲۹ جون ۱۹۹۳ء کو پارلیمنٹ کا مشترکہ اجلاس ہوا۔ جس پر اس وقت کی اپوزیشن نے یہ اعتراض کیا کہ محرم (۸ تاریخ) کی وجہ سے اجلاس ملتوی ہونا چاہیے۔ اس سے شیعوں کی دل آزاری ہوگی۔ اگلی کہانی سپاہِ صحابہ کے ترجمان رسالہ ماہنامہ خلافت راشدہ کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

''حضرت مولانا اعظم طارق صاحب نے جب یہ محسوس کیا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کو حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی شہادتوں سے زیادہ ترجیح دی جا رہی ہے تو انھوں نے مندرجہ ذیل لاجواب اور مدلل تقریر فرمائی جس سے پی ڈی اے کے ارکان کا طرز استدلال ختم ہو گیا۔ مسلم لیگ کے وزراء نے ڈیسک بجا بجا کر مولانا محمد اعظم طارق کی تقریر کی داد دی۔ مولانا کی تقریر پر بی بی سی، روزنامہ جنگ، نوائے وقت نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ مولانا محمد اعظم طارق کی تقریر سے ہاؤس میں سناٹا چھا گیا ہاؤس میں خاموشی طاری ہو گئی......

......آیئے میں قرارداد پیش کرتا ہوں کہ اس ملک میں ہم قرآن وسنت، اسلام، پیغمبر کی وراثت جس کے لیے امام حسین رضی اللہ عنہ نے جان دی تھی۔ ہم اس کے خلاف کوئی آواز نہیں سنیں گے۔ ہم اس کے خلاف کوئی قانون برداشت نہیں کریں گے۔ ہم اس کے خلاف کوئی نظام نہیں چلنے دیں گے۔ ہم اس کے خلاف کسی کو کوشش کرنے کی جرأت نہیں کرنے دیں گے۔ یہ حسینیت ہے۔ اور اگر نام حسین کا لیا جائے رشوت عام ہو۔ نام حسین کا لیا جائے شراب کے دور چلیں۔ نام حسین کا لیا جائے بے حیائی عام ہو۔ نام حسین کا لیا جائے رات کو شراب و شباب کی محفلیں جمیں۔ یہ حسینی نہیں ہیں یہ یزیدی ہیں۔ ان کا حسین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حسین سے تعلق اسی کا ہے جو حسین کے کردار کو اپناتا ہے۔ شکریہ! جناب سپیکر

(ماہنامہ خلافت راشدہ بابت ماہ جولائی اگست ۱۹۹۳ء)

ایسی تقریر سے تو لازماً سناٹا چھانا تھا۔ جو بات شیعہ بھی ایسی محفل میں نہیں کہہ سکتا تھا وہ ایک ذمہ دار اور ممتاز و جید عالم دین سنی نے کہہ دی۔

آج تک ہم یہی سمجھتے تھے کہ یزید کو صرف ''قتل حسین'' کی بنا پر مطعون کیا جاتا ہے۔ اس نے قتل کیا ہے یا نہیں یہ ہماری بحث سے خارج ہے اور پیش بندی کے طور پر ہم کہتے ہیں کہ ''قاتلان حسین اور قاتلان عثمان پر ہزار ہا لعنتیں ہوں۔'' یہ ملحوظ رہے کہ جس شخص کے کفر پر مرنے کا یقین نہ ہو اس وقت اس پر لعنت کرنا جائز نہیں البتہ عمومی طور پر لعنت کی جا سکتی ہے جیسے قاتلوں پر، کافروں پر، جھوٹوں پر اور ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو۔

لیکن مولانا محمد اعظم طارق صاحب نے جو فرد جرم مرتب کی ہے اس کی زد میں صرف یزید نہیں آتا بلکہ سیکڑوں صحابہ اور لاکھوں تابعین کرام آتے ہیں۔ اس قرارداد میں سیکڑوں صحابہ اور لاکھوں تابعین کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے لاتعلق ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں شیعی انداز فکر کے تحت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ ''امام'' کا سابقہ بھی لگایا گیا ہے۔

علاوہ ازیں اس قرارداد میں ''خیر القرون'' کی جو تصویر کشی کی گئی ہے اس سے یقیناً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا

دامن داغ دار ہو جاتا ہے۔ قرار داد کے الفاظ سے یزید کا ذاتی کردار مترشح نہیں ہو رہا بلکہ اجتماعی کردار کی عکاسی ہو رہی ہے۔

''نام حسین کا ہو رشوت عام ہو، شراب کے دور چلیں، فحاشی عام ہو، بے حیائی عام ہو، رات کو شراب و کباب کی محفلیں جمیں۔ یہ حسینی نہیں ہیں یہ یزیدی ہیں۔''

اب سوال یہ ہے کہ یزیدی کون ہوئے؟ اصلی اور حقیقی یزیدی تو وہی ہیں جو یزید کے دور میں موجود تھے۔ جنھوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ جنھوں نے اس کے دور میں عہدے قبول کیے تھے۔ جنھوں نے اس کی حکومت کو استحکام بخشا تھا اور جو اس کے اعوان و انصار رہے۔ تو یہ ہیں اصلی اور حقیقی یزیدی۔

کیا اس کا انکار کیا جا سکتا ہے کہ وہ صحابہ اور تابعین کے علاوہ کوئی اور تھے؟ پھر اگر وہ صحابہ اور تابعین ہی کا دور تھا تو کیا اس دور میں رشوت عام تھی؟ اور رات کو شراب و کباب کی محفلیں جمتی تھیں؟ اگر یہ سب برائیاں اس دور میں موجود تھیں تو کیا اس پر ''خیر القرون'' کا اطلاق ہو سکتا ہے؟ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ان جرائم کا ارتکاب کن کن حضرات سے ہوا تھا؟

اہل سنت میں سے بھی جن حضرات نے یزید کے دور حکومت کے ساتھ جو اظہار ناپسندیدگی کیا ہے وہ قتل حسین، واقعہ حرہ، حرم شریف کی بے حرمتی اور یزید کے ذاتی کردار کی بنا پر ہے۔ لیکن مذکورہ قرار داد میں اس دور کی جو اجتماعی نقشہ کشی کی گئی ہے وہ صرف اہل تشیع کے ہاں پائی جاتی ہے تو اس قرار داد پر کس'' کافر'' کو اعتراض ہو سکتا تھا؟ لہٰذا ایم آئی صدیقی صاحب کا یہ فرمانا کہ ''اس مدلل اور لاجواب تقریر سے پی ڈی اے کے ارکان کا طرز استدلال ختم ہو گیا'' صحیح نہیں ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ ان کا طرز استدلال انھوں نے اختیار کر لیا ہے۔ بہتر یہ تھا کہ ان برائیوں کو ''یزیدیت'' کے ساتھ نسبت نہ دی جاتی تو صحابہ رضی اللہ عنہم کا دامن تو بچ جاتا۔ [1]

سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے حوالے سے مولانا ضیاء القاسمی صاحب کی ''مدلل تقریر'' بھی یقیناً سیدہ کی توہین پر مبنی ہے۔ چودہ سو سال بعد کسی صحابی یا صحابیہ کا اس طرح ذکر کرنے کا کسی کو کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ پھر جس واقعے کی بنا پر ان کی توہین و تذلیل کی گئی وہ سراسر جھوٹ اور افتراء پر مبنی ہے۔

حیرت ہے کہ ضیاء القاسمی صاحب نے اسے کس طرح یقینی اور متواتر خیال کر لیا ہے۔ بالفرض محال اگر

[1] بعد میں حافظ محمد ندیم قاسمی اور حافظ بابر اقبال پسروری نے علامہ علی شیر حیدری، مولانا محمد اعظم طارق اور علامہ محمد احمد لدھیانوی کی تقاریظ سے مزین کتاب ''مولانا محمد اعظم طارق کی قومی اسمبلی کی تقریریں'' شائع کی تو اس میں زیر بحث تقریر میں سے قابل اعتراض الفاظ ''یہ حسینی نہیں ہیں، یہ یزیدی ہیں'' (ص ۱۳، ناشر اشاعت المعارف ریلوے روڈ فیصل آباد) حذف کر دیے۔ یہاں موصوف کو اپنی غلطی کا اعتراف کر کے واضح طور پر رجوع کرنا چاہیے تھا کیونکہ یہ الفاظ قومی اسمبلی کے ریکارڈ اور دیگر جرائد و اخبارات سے حذف نہیں ہوئے تاہم اس قدر غنیمت ہے کہ جن حضرات کی نظر سے یہ کتاب گزرے گی وہ کسی تشویش میں مبتلا نہیں ہوں گے۔

وہ واقعہ صحیح بھی ہوتا تو جب صاحب معاملہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری زندگی سکوت سے کام لیا ہو اور صحابہ کرام و تابعین عظام نے کوئی اشارہ تک نہ کیا ہو تو کیا آپ کے لیے "ما انا علیه واصحابی" کا اعلان ناکافی ہے۔

سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے قبول اسلام کا واقعہ صحیح بخاری کے حوالے سے پیچھے گزر چکا ہے۔ اور امام محمد بن سعد رحمہ اللہ نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "مرحبا بك" کے الفاظ و اعزاز سے ان کا استقبال فرمایا۔ اس کے بعد من گھڑت اور غلط روایات کا سہارا لے کر ان کی کردارکشی کا کوئی مسلمان تصور بھی نہیں کر سکتا۔

سید ابو معاویہ ابوذر عطاء المنعم شاہ صاحب ابن امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''(سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ) لیکن آج آپ کے اثر کی وجہ سے میں کہتی ہوں کہ خدا اتنا آپ کو معزز کر دے آپ کی آل اولاد کو کہ دنیا اس کو دیکھے اور اس کے تصور میں نہ آئے۔ اتنی آپ کی اور آپ کی آل اولاد کی عزت ہو۔ تو پتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے کیا فرمایا؟ لوگ سمجھتے نہیں کہ ہم کیوں چیخ رہے ہیں؟ فرمایا "نعم ایضًا لکم" ہاں خدا کی قسم! تمھارے متعلق بھی میرا یہی نظریہ ہے کہ تم بھی پھر دنیا میں اتنے معزز ہو جاؤ کہ دنیا دیکھتی رہ جائے۔ تمھاری عزت کو پھر کوئی مٹا نہ سکے۔ بات سمجھے؟ تو فرمایا "نعم ایضا بانفسکم" تمھارے وجود کے متعلق اور تمھارے خاندان کے متعلق میرا بھی یہی نظریہ ہے۔ اللہ کے رسول جن کی عزت چاہتے ہیں ہم چند لپاٹیے، کن میلیے، ذاکر پھاکر، گپوڑ باز، بکواسی یہ کہہ دیں کہ ان کی عزت نہ کریں، ایسی کی تیسی ایسا بکواس کرنے والوں کی، دنیا الٹ جائے ہم ان کا نام عزت سے لینے پر مجبور ہیں۔ پیغمبر جن کے متعلق یہ تمنا کر کے جائیں کہ ان کی عزت ہو، دنیا میں کوئی ان کو ذلیل کر سکتا ہے؟ دیکھ لو ان کو جتنی گالیاں مل رہی ہیں۔ اللہ کے فضل سے ہر دور میں ان کا نام لینے والے ہمارے جیسے گنہگار پیدا ہوتے رہیں گے...... بس یہاں اسلام قبول کرنے کے بعد یہی بی بی ہند جو تھیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ماں ہیں۔ اور اب ہماری بھی ماں ہیں۔'' (سیرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ص ۳۶، ۴۲ ناشر مکتبہ معاویہ، دار معاویہ ملتان)

کلیجہ چبانے کے الزام کی حقیقت

جنگ بدر نے قریش اور مشرکین مکہ کی عزت خاک میں ملا دی تھی۔ لہٰذا انھوں نے اپنا وقار بحال کرنے اور انتقام لینے کے لیے بھر پور تیاری کے ساتھ مدینہ منورہ پر چڑھائی کر دی۔ جسے غزوہ احد کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جنگ بدر میں ستر رؤسائے قریش (ابو جہل، عتبہ، شیبہ اور ولید بھی) مارے گئے تھے۔ اس لیے ہر فرد نے اس جنگ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ دوسری طرف اہل اسلام کا مقصد اسلام کی اشاعت اور مرکز اسلام مدینہ منورہ کی حفاظت تھا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے ایک بار تلوار ہلائی تو اس کی نوک ٹوٹ گئی۔ اس کی تعبیر یہی تھی کہ مسلمان احد کے دن شہید ہوئے۔ پھر دوسری مرتبہ ہلائی تو ٹھیک ہوگئی۔ اس کی تعبیر یہ تھی کہ اللہ نے مسلمانوں کو آخر میں فتح دے دی اور ان میں اتحاد پیدا کر دیا۔ اور میں نے خواب میں گائیں دیکھیں (جو ذبح ہو رہی تھیں) اور اللہ کے سب کام بہتر ہیں۔ اس کی تعبیر یہی تھی کہ مسلمان احد کے دن شہید ہوئے۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی باب من قتل من المسلمین یوم احد)

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی یہ قطعاً غلط ہے۔ جانی نقصان بے شک زیادہ ہوا لیکن جنگ میں نقصانات کی کمی و زیادتی کو نہیں دیکھا جاتا۔ یہاں مقصدی فتح مسلمانوں کو ہوئی اور مذکورہ حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

اس جنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے۔ خود کی کڑیاں آپ کے رخسار مبارک میں گھس گئیں۔ تو آپ نے کفار کی بدسلوکی کا شکوہ فرمایا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

((اشتد غضب الله علی قوم فعلوا بنبیه یشیر الی رباعیته))

''اللہ کا سخت غضب ہے اس قوم پر جس نے اپنے پیغمبر کے ساتھ یہ کیا۔ اپنے دانتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے۔'' (صحیح بخاری کتاب المغازی باب ما اصاب النبی من الجراح یوم احد)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

((کیف یفلح قوم شجوا نبیهم فنزلت لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ))

''وہ قوم کیوں کر فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنے پیغمبر کو زخمی کر دیا۔ تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ کو اس کام میں کوئی اختیار نہیں، چاہے تو اللہ ان پر مہربانی فرما دے چاہے سزا دے دے۔ ظالم تو وہ ہیں ہی۔''
(صحیح بخاری کتاب المغازی)

حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''کتنے پیارے الفاظ و کلمات ہیں جو حکمت و مصلحت کے موتیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ ہم اردو میں محاورے کے مطابق اس کا یوں مطلب بیان کر سکتے ہیں کہ آپ دخل نہ دیں چپ رہیں، جو کچھ ہو رہا ہے ہم دیکھ رہے ہیں۔ ہمارے سامنے ہو رہا ہے۔ ہمارے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ ہم چاہیں تو ان کو ہدایت دے کر مسلمان کر دیں اور ان ہی سے اسلام کی خدمت لیں۔ اور چاہیں تو ان کو سزا دے دیں۔ ظالم تو وہ ہیں ہی۔ سبحان اللہ العظیم کتنی بروقت ہدایت ہے۔ اگر اللہ یہ نہ فرما دیتے تو سارے قریش کی تباہی کا خطرہ تھا۔ آخر اللہ کو اپنے رسول کے الفاظ کی لاج رکھنی تھی۔ وہ سب کے سب نامراد ہو کر مر جاتے۔ مگر اللہ کی رحمت و حکمت کا تقاضا اور تھا۔ جہاں ایک طرف اس واقعہ سے اس نے اپنے رسول کے جوہر ظاہر فرمائے کہ اس جنگ میں مسلمانوں کی بچت صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال استقامت اور قوت یقین سے ہوئی۔ پھر آپ کی عبدیت و عبودیت کا جلوہ اہل عالم کو بتلایا۔ دوسری طرف اس نے اس قوم قریش کو عذاب سے بچا کر مسلمان کرنا تھا۔ اسی خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) کے ذریعے سے عراق و شام فتح کرانے تھے۔ انھی عمرو بن عاص (رضی اللہ عنہ) کے ذریعے سے مصر فتح کرانا تھا۔ اور یہ دکھانا تھا کہ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ (رضی اللہ عنہ) نے نازک حالات دیکھ کر اپنے چار سو بہادر ساتھیوں سمیت جام شہادت نوش کر کے یرموک میں نقشہ جنگ بدل ڈالا اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا۔ اور ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) کو اتنا پکا مومن بنانا تھا کہ ان کی ایک آنکھ محاصرۂ طائف میں شہید ہوئی دوسری آنکھ جنگ یرموک میں۔ جس سے یہ بتانا تھا کہ عمر بھر کا مخالف جب کلمہ پڑھتا ہے تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نگاہ کرم سے اللہ تعالیٰ اس کے دل کی دنیا بدل دیتے ہیں اور وہ جنگوں میں ہر طرح کی قربانی کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ یہ تمام صورت حال آپ کے پیغمبرانہ اعجاز کا نتیجہ تھی۔

اس طرح قریش مکہ کو اتنا پختہ مومن بنانا تھا کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں جب کہ ہر طرف فتنے کھڑے ہوئے تھے۔ قریش مکہ نے اہل مدینہ اور اہل طائف کی طرح ثابت قدم رہ کر خلیفہ وقت کا ساتھ دیا اور سارے عرب میں نئے سرے سے اسلام کا بول بالا کیا۔ سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب سے سبقت کرتی ہے۔'' (مسلمہ اصول جنگ ص ۱۵۲)

غزوۂ احد میں ستر صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔ ابن ہشام کی روایت کے مطابق ان شہداء میں مہاجرین میں سے چار اور انصار کی تعداد پینسٹھ تھی۔ جبکہ کفار کے مقتولین کی تعداد بائیس تھی۔

(سیرت ابن ہشام اردو ص ۴۴۹، ۴۵۳)

ان چار مہاجر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان تمام شہداء میں سے صرف حمزہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں سبائی مورخین کی دسیسہ کاریوں کی وجہ سے یہ مشہور کر دیا گیا کہ انھیں سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے شہید کرا کر اپنے والد، چچا اور بھائی کا انتقام لیا۔ نیز ان کا مثلہ کرکے، پیٹ چاک کر کے جگر نکال کر اسے کچا چبایا (مولانا ضیاء القاسمی صاحب کو تو ان کی باچھوں میں خون بھی نظر آ گیا۔ شاید بین الاقوامی نشریاتی ادارے نے موصوف کی خدمات بحیثیت رواں مبصر کے حاصل کر لی تھیں اور مکتبہ قاسمیہ نے اسے ''روحانی مصنوعی سیارے'' کے ذریعے سے براہِ راست قوم کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی) اور قاسمی صاحب کے منع کرنے کے باوجود انھوں نے ان اعضاء کا ہار بنا کر گلے میں ڈال دیا۔

مورخین اور سیرت نگاروں کے اقوال کی روشنی میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے متعلق حسب ذیل آراء سامنے آتی ہیں:

① ان کے قاتل وحشی بن حرب (رضی اللہ عنہ) ہیں۔

② حضرت وحشی رضی اللہ عنہ جبیر بن مطعم (رضی اللہ عنہ) کے غلام تھے۔

③ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل پر ان کی آزادی موقوف تھی۔

④ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل پر بقول بعض مورخین وحشی (رضی اللہ عنہ) کو جبیر بن مطعم (رضی اللہ عنہ) نے اور بقول قاسمی صاحب اور ان کے ہم نوا مورخین سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے آمادہ کیا تھا۔

⑤ بقول قاسمی صاحب سیدہ ہند (رضی اللہ عنہا) نے وحشی (رضی اللہ عنہ) سے وعدہ کر رکھا تھا کہ اگر تو حمزہ کو قتل کر دے گا تو میں تجھے آزاد کر دوں گی۔ جبکہ وہ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے غلام ہی نہ تھے بلکہ جبیر بن مطعم (رضی اللہ عنہ) کے غلام تھے۔ اور جبیر (رضی اللہ عنہ) کے ہوتے ہوئے سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کو انھیں آزاد کرنے کا اختیار ہی حاصل نہ تھا۔

⑥ اس کے علاوہ یہ بات بھی غور طلب ہے کہ کیا سیدہ ہند رضی اللہ عنہا ہی نے خواتین میں سے قریش مکہ کی طرف سے شرکت کی تھی؟ تاریخ میں حسب ذیل خواتین کے نام ملتے ہیں جنھوں نے کفار کی طرف سے شرکت کی تھی۔

◈ ہند بنت عتبہ	◈ ام حکیم بنت حارث
◈ فاطمہ بنت ولید	◈ برہ بنت مسعود
◈ ریطہ	◈ سلافہ بنت سعد
◈ خناس بنت مالک	◈ عمرہ بنت علقمہ

یہ آٹھ خواتین تو وہ ہیں جو سرداران مکہ کے ساتھ آئی تھیں اور جو دیگر افراد کے ساتھ تھیں وہ ان کے علاوہ ہیں۔

مسلمانوں کی طرف سے بھی مندرجہ ذیل خواتین شریک تھیں:

① سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا
② سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا
③ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا
④ سیدہ ام سلیط رضی اللہ عنہا
⑤ سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا
⑥ سیدہ ہند بنت اثاثہ رضی اللہ عنہا
⑦ سیدہ ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا

⑦ بقول مورخین مردوں اور عورتوں نے مل کر نہ صرف حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کا بلکہ دیگر شہداء کی لاشوں کا بھی مثلہ کیا تھا۔ لیکن قاسمی صاحب سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی دوسری خاتون کا ذکر نہیں کرتے۔ آخر انھیں پورے لشکر میں سیدہ ہند رضی اللہ عنہا اکیلی ہی کیوں نظر آتی ہیں۔ جبکہ دیگر خواتین بھی قریش کی مقتدر عورتیں تھیں۔

⑧ اس جنگ میں بنومخزوم کے متعدد مشہور جنگجو شریک تھے۔ مثلاً عکرمہ بن ابی جہل، خالد بن ولید اور حارث بن ہشام اور ان کی بیویاں بھی ساتھ تھیں۔ یہ سب افراد ابوجہل کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن ان میں سے کسی فرد کے بارے میں جناب قاسمی صاحب نے یہ تفصیلات پیش نہیں کیں۔

⑨ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کو جگر خوارہ کا لقب عطا کیا گیا۔ جبکہ جگر خوارہ فارسی زبان کا لفظ ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ لقب کسی ایرانی مجوسی کا عطا کردہ ہے۔

⑩ تمام مورخین حتیٰ کہ امام بخاری رحمہ اللہ بھی اس بات پر متفق ہیں کہ جب وحشی رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ کیا تو اپنا چہرہ مجھ سے نہیں چھپا سکتا؟ جس کے بعد وحشی رضی اللہ عنہ آپ کے سامنے کبھی نہیں گئے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ وحشی (رضی اللہ عنہ) نے میرے چچا کو قتل کیا ہے۔

سیدہ ہند رضی اللہ عنہا جنھوں نے وحشی رضی اللہ عنہ کی بہ نسبت بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا تھا، وحشی رضی اللہ عنہ کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل پر آمادہ کیا، ان کا مثلہ کیا، ان کا جگر چبایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ وحشی رضی اللہ عنہ والا سلوک نہیں کیا بلکہ انھیں "مرحبا بك" کہا۔ ان کا استقبال کیا۔ ان کے تحائف و ہدایا قبول کیے۔ ان کے ہاں آمد و رفت جاری رکھی۔ ان کے خاوند کو عامل مقرر کیا۔ ان کے بیٹے کو کاتب وحی بنایا۔ ان کے لیے ہادی اور مہدی ہونے کی دعا کی۔ انھیں جنت کی بشارت دی۔ اور حافظاً اس سارے خاندان کے ساتھ محبت ہونے اور ان کے معزز ہونے کی دعا فرمائی۔

⑪ وحشی رضی اللہ عنہ کا جرم تو معمولی تھا کیونکہ جب دو فوجیں لڑنے کے لیے میدان میں اترتی ہیں تو دونوں کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ کسی نہ طرح اپنے مدمقابل پر غلبہ حاصل کریں اور انھیں قتل کریں لیکن بدترین جرم تو یہ ہے کہ قتل کے بعد لاش کی بے حرمتی کی جائے، اس کا مثلہ کیا جائے، اس کے اعضاء کاٹے جائیں اس کا جگر نکال کر چبایا جائے اور ان بوٹیوں کا ہار بنا کر گلے میں لٹکایا جائے۔ کم از کم ایسا مجرم قابل معافی نہیں ہوسکتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کم تر مجرم کو اپنے سامنے آنے سے منع کیا اور بدترین مجرم کے ساتھ اعزاز واکرام کے ساتھ پیش آئے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

⑫ جبیر بن مطعم (رضی اللہ عنہ) جو وحشی (رضی اللہ عنہ) کے مالک تھے۔ جنھوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل پر آمادہ کیا اور پھر اس قتل کی خوشی میں انھیں آزاد بھی کر دیا ان جبیر بن مطعم (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ بھی آپ نے وحشی (رضی اللہ عنہ) والا سلوک نہیں کیا بلکہ انھیں معاف کر دیا اور ان کے اسلام پر مہر تصدیق ثبت کی۔

⑬ تاریخ و حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ مشرکین مکہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر صحابہ کی نعشوں کا بھی مثلہ کیا تھا۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مثلہ کرنے والوں اور دیگر قاتلوں کے ساتھ بھی وحشی (رضی اللہ عنہ) والا سلوک کیا تھا؟

صحیح بخاری سے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتنی بات ثابت ہے کہ انھوں نے جنگ کے آخر میں یہ اعلان کیا تھا "تجدون مثلةً لم امربها ولم تسؤنی" کہ آپ کو میدان میں مثلہ شدہ نعشیں ملیں گی یہ حکم میں نے نہیں دیا تھا اور نہ مجھے اس کا افسوس ہے۔

(کلیجہ چبانے والی) یہ روایت بھی ابن اسحاق سے مروی ہے۔ یہ ذات شریف متعدد ائمہ حدیث کے نزدیک کذاب، منکر تقدیر الٰہی، مدلس اور مجوسی شیعہ تھا۔ اس کے باوجود حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے قول میں کوئی وضاحت نہیں ہے کہ مثلہ کرنے والے کون تھے؟ کیا سب مرد تھے؟ کیا سب عورتیں تھیں؟ کیا عورتیں اور مرد دونوں تھے؟ اور کیا ایک ہی عورت سیدہ ہند رضی اللہ عنہا اس کام میں شریک تھیں؟

سب سبائی و مجوس مل کر بھی یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ یہ کام سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کا ہے۔ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۔

ابن ہشام نے یہ کہانی اس طرح بیان کی ہے کہ:

''ہند بنت عتبہ چند عورتوں کو ساتھ لے کر صحابہ کرام کی لاشوں کے پاس آئی اور ان کے ناک کان انھوں نے کاٹنے شروع کیے۔ یہاں تک کہ ہند نے کانوں اور ناکوں کے ہار بنا کر اپنے گلے میں پہنے اور اپنا سارا زیور اتار کر وحشی جبیر بن مطعم کے غلام کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے شہید کرنے کے انعام میں دیا۔ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے جگر مبارک کو نکال کر اس نے اپنے منہ میں لے کر چبایا مگر اس کو نگل نہ سکی تب اس کو اگل دیا۔''

(سیرت ابن ہشام اردو ص ۴۳۸، مقبول اکیڈمی لاہور)

دراصل سیرت ابن ہشام ابو محمد عبدالملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ھ کی اپنی تصنیف نہیں ہے۔ بلکہ وہ سیرت ابن اسحاق کی نئی ترتیب ہے۔ جب یہ کتاب سامنے آئی تو اس کتاب کے بعض واقعات پر اہل علم نے اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی اور ان اعتراضات کی وجہ سے سیرت النبیؐ پر یہ کتاب اپنے زمانے میں مقبولیت

حاصل نہ کرسکی۔ جسے بعد میں ابن ہشام نے قابل اعتراضات واقعات خارج کر کے اور بعض واقعات کا اضافہ کر کے نئے سرے سے مرتب کیا لیکن اس کوشش کے باوجود بعض قابل اعتراض واقعات کتاب میں شامل کردیے گئے۔

یہی کہانی رافضی مورخ ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں محمد بن اسحاق سے نقل کی ہے۔ ابن اسحاق سے اسے روایت کرنے والا سلمہ الابرش اور پھر اس سے نقل کرنے والا محمد بن حمید ہے۔ یہ دونوں افراد قطعاً ناقابل اعتبار ہیں۔ ابن اسحاق نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس نے یہ روایت صالح بن کیسان سے سنی لیکن یہ ۷۰ھ کے بعد پیدا ہوئے اور ۱۴۰ھ میں انتقال کیا۔ یہ محمد بن اسحاق سے کچھ بڑے ہیں۔ مگر انھوں نے اوپر کی کوئی سند بیان نہیں کیا۔ حالانکہ جنگ احد صالح بن کیسان کی پیدائش سے ستر سال قبل واقع ہوئی تھی۔ ان کا قول اس سلسلے میں کیا حیثیت رکھتا ہے۔ وہ خود چشم دید گواہ نہیں بلکہ ممکن ہے کہ ابن اسحاق نے یہ کہانی وضع کر کے ان کی جانب منسوب کی ہو۔ اگر واقعتاً انھوں نے یہ کہانی بیان بھی کی ہو تب بھی روایت منقطع ہوئی اور منقطع روایت قابل قبول نہیں ہوتی۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس روایت کے دیگر راوی صالح کے علاوہ سب ایرانی ہیں اور تمام محدثین کے نزدیک ناقابل اعتبار ہیں تو اس کہانی کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟ جسے بنیاد بنا کر قاسمی صاحب نے ایک صحابیہ کو نشانہ مذاق وستم بنایا۔

اس لحاظ سے بھی اگر اس کہانی پر غور کیا جائے کہ صالح کے علاوہ اسے کوئی بیان نہیں کرتا۔ پھر صالح سے ابن اسحاق کے علاوہ کوئی نقل نہیں کرتا۔ ابن اسحاق سے سلمہ الابرش کے علاوہ اسے کوئی نقل نہیں کرتا۔ سلمہ سے محمد بن حمید رازی کے علاوہ اسے کوئی نقل نہیں کرتا۔ اور محمد بن حمید سے ابن جریر کے علاوہ کوئی نقل کرنے والا نہیں۔ اور ابن جریر کا انتقال ۳۱۰ھ میں ہوا۔ گویا ۷۰ھ کے بعد اس کہانی کی ابتدا ہوئی اور ۳۱۰ھ تک ہر زمانے میں صرف ایک فرد واحد کے سینے میں محفوظ رہی اور اس فرد واحد کے علاوہ کوئی اس کہانی کو جانتا تک نہ تھا۔ حالانکہ اگر یہ واقعہ پیش آتا تو اول تو اس کے متعدد چشم دید گواہ ہوتے۔ پھر امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ لوگوں کی زبان پر یہ واقعہ عام ہو جاتا۔ یہ اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ یہ خالص مجوسی کہانی تھی جسے شروع کے دور کے لوگوں نے قبول نہیں کیا تھا۔ اسے قبولیت تو اس وقت حاصل ہوئی جب قاسمی صاحب جیسے لوگ آنکھیں بند کر کے ابن اسحاق اور طبری کی روایت پر ایمان لے آئے۔ اور پھر بعد کے لوگوں نے مکھی پر مکھی مارنی شروع کردی۔ ورنہ ۷۰ھ سے قبل تو اس جھوٹی کہانی سے کوئی واقف ہی نہ تھا۔ پھر ۳۱۰ھ تک یہ داستان علم باطن کی طرح ایک راز رہی جسے ایک مجوسی دوسرے مجوسی سے بیان کرتا رہا۔

مزید برآں وہ صحابہ جو جنگ احد میں شریک تھے۔ ان میں سے کوئی ایک فرد بھی اس واقعہ کی جانب اشارہ تک نہیں کرتا۔ اور قریش مکہ فریق مخالف میں سے بھی متعدد افراد نے بعد میں اسلام قبول کرلیا تھا۔ جن

میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں۔ مثلاً حضرت ہند، حضرت ام حکیم بنت حارث بن ہشام اور فاطمہ بنت ولید اور حضرت ابوسفیان، حضرت عکرمہ بن ابی جہل، حضرت حارث بن ہشام، حضرت خالد بن ولید، حضرت عمرو بن عاص، حضرت صفوان بن امیہ اور وحشی بن حرب رضی اللہ عنہم۔ یہ سب وہ حضرات ہیں جو جنگ احد میں مسلمانوں کے مقابلے میں آئے اور بعد میں مشرف باسلام ہوئے۔ یہ جنگ احد کے چشم دید گواہ ہیں لیکن ان میں سے کوئی شخص بھی حضرت ہند رضی اللہ عنہا کی یہ کہانی بیان نہیں کرتا۔ تعجب ہے کہ اس تفصیل کے باوجود اس کہانی کو ''جزو ایمان'' بنالیا گیا ہے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا تفصیلی واقعہ خود قاتل وحشی بن حرب (رضی اللہ عنہ) نے بیان کیا ہے۔ جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں نقل کیا ہے۔ وہ کچھ اس طرح ہے کہ:

''امام بخاری رحمہ اللہ نے جعفر بن عمرو ابن امیہ ضمری سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں عبیداللہ بن عدی بن خیار کے ساتھ سفر کے لیے نکلا تو جب ہم لوگ حمص پہنچے تو عبیداللہ بن عدی نے کہا کہ چلو وحشی بن حرب کے پاس چل کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا حال پوچھیں۔ میں نے کہا ہاں ضرور!

ان دنوں وحشی رضی اللہ عنہ نے حمص میں سکونت اختیار کر رکھی تھی۔ ہم نے ایک شخص سے وحشی رضی اللہ عنہ کے مکان کے بارے میں دریافت کیا۔ ہمیں بتایا گیا کہ وہ سامنے اپنے مکان کے سائے میں مشک کی طرح پھولے ہوئے بیٹھے ہیں۔ جعفر کہتے ہیں کہ ہم وحشی رضی اللہ عنہ کے قریب گئے اور سلام کیا۔ انھوں نے سلام کا جواب دیا۔ اس وقت عبیداللہ بن عدی اپنا عمامہ سر پر اس طرح لپیٹے ہوئے تھے کہ صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ وحشی رضی اللہ عنہ کو اس سے زیادہ کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ تو عبیداللہ نے پوچھا وحشی مجھے پہچانتے ہو؟ وحشی رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف دیکھ کر کہا واللہ! میں اتنا جانتا ہوں کہ عدی بن خیار نے ایک عورت ام قتال بنت ابی العیص سے شادی کی تھی۔ ام قتال کے مکہ میں جب ایک بچہ پیدا ہوا تو میں اس بچے کے لیے دائی کو تلاش کر رہا تھا اور اس کی والدہ کے ساتھ اس بچے کو لے کر جا کر اس دایہ کے سپرد کر دیا۔ میں تیرے قدموں کی جانب دیکھ رہا ہوں اور میرا اندازہ ہے کہ تو وہی بچہ ہے۔ عبیداللہ نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹا لیا اور وحشی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا آپ ہمیں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بتائیں گے؟ وحشی رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں ضرور۔

بات یہ تھی کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بدر میں طعیمہ بن عدی بن خیار کو قتل کر دیا تھا۔ میرے آقا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تو حمزہ کو میرے چچا طعیمہ بن عدی کے بدلے میں مار ڈالے تو تم آزاد ہو۔ پس جب لوگ عنین کے سال جنگ کے لیے نکلے۔ اور عنین احد کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے۔ اس کے سامنے احد کی وادی ہے۔ میں بھی لوگوں کے ساتھ جنگ کے لیے نکلا۔ جب لڑنے والوں نے اپنی اپنی صفیں درست کر لیں تو سباع بن عبدالعزیٰ صف سے باہر نکلا اور اس نے کہا ہے کوئی مقابلہ کرنے والا؟ تو حمزہ بن

عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے اس کے بالمقابل پہنچ کر کہا اے ام انمار کے بیٹے (جو بچوں کا ختنہ کیا کرتی تھی) کیا تو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرتا ہے؟ پھر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس پر حملہ کیا تو وہ ایسا ہو گیا جیسے گزری ہوئی کل۔ وحشی رضی اللہ عنہ نے کہا میں ایک چٹان کے نیچے حمزہ رضی اللہ عنہ کی گھات میں چھپا ہوا تھا۔ جب وہ میرے قریب سے گزرے تو میں نے اپنا حربہ ان پر پھینکا وہ حربہ ان کی ناف میں لگ کر پشت سے باہر نکل گیا۔ وحشی رضی اللہ عنہ نے کہا یہ ان کا آخری وقت تھا۔

جب لوگ میدان سے واپس آئے تو میں بھی ان کے ساتھ واپس آ گیا اور مکہ میں ٹھہر گیا یہاں تک کہ مکہ میں اسلام پھیل گیا تو میں طائف کی طرف نکل گیا۔ جب طائف والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قاصد روانہ کیے تو مجھ سے کہا گیا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قاصدوں سے تعرض نہیں فرماتے۔ لہٰذا میں بھی ان قاصدوں کے ساتھ مل کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا کیا تم وحشی ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے پوچھا کیا حمزہ کو تم نے ہی قتل کیا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ جو خبر آپ تک پہنچی ہے وہ درست ہے۔ آپ نے فرمایا "فھل تستطیع ان تغیب وجھك عنی" کیا تم اپنا چہرہ مجھ سے چھپا سکتے ہو؟ میں یہ بات سن کر باہر آ گیا۔

پھر بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسیلمہ نے نبوت کا دعویٰ کیا تو میں نے سوچا کہ اب میں مسیلمہ کے مقابلے کے لیے ضرور نکلوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ میں اسے قتل کروں اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا کفارہ ہو جائے۔ میں مسلمانوں کے ساتھ مسیلمہ کے مقابلے پر نکلا۔ اچانک میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ ایک دیوار کی آڑ میں کھڑا ہے گویا کہ وہ ایک سیاہی مائل اونٹ ہے۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ میں نے اسے اپنا حربہ مارا۔ حتیٰ کہ وہ حربہ اس کے دونوں شانوں کے درمیان سے پار نکل گیا۔ اتنے میں ایک انصاری کود کر اس کی طرف گیا۔ اور میں نے اس کی کھوپڑی پر تلوار بھی ماری۔

عبداللہ بن فضل اس حدیث کے راوی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے سلیمان بن یسار نے، ان کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ جب مسیلمہ مارا گیا تو ایک لڑکی مکان کی چھت پر چڑھ کر کہنے لگی "ہائے امیر المومنین (مسیلمہ) کو ایک کالے غلام نے مار ڈالا" (صحیح بخاری، کتاب المغازی باب قتل حمزہ رضی اللہ عنہ)

یہ ہے وہ اصل واقعہ جو قاتل خود اپنی زبان سے بیان کر رہا ہے۔ جسے اقبال جرم کہا جائے تو بجا ہے اور بیان بھی اس شخص سے کر رہا ہے جس کے بھائی کے قصاص میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت عمل میں آئی۔ اس واقعہ سے جن امور کی نشاندہی ہوتی ہے وہ حسب ذیل ہیں:

① وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ جبیر بن مطعم (رضی اللہ عنہ) کے غلام تھے۔ انھوں نے انھیں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل پر آمادہ کیا تھا اور اس انعام کا وعدہ کیا تھا کہ انھیں قتل کرنے کی صورت میں تم آزاد کر دیے جاؤ گے۔ اس سے یہ

بات واضح ہوگئی کہ اس قتل سے حضرت ہند رضی اللہ عنہا کا کوئی تعلق نہیں نہ انھوں نے حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کو قتل پر آمادہ کیا اور نہ وحشی رضی اللہ عنہ کی آزادی سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے ہاتھ میں تھی۔ وحشی کا یہ اقبال جرم اور اس کی وجہ واضح طور پر اس بات کی تردید کررہی ہے کہ ہند رضی اللہ عنہا نے انھیں قتل پر آمادہ کیا تھا۔

۲ اگر آزادی کے علاوہ انھیں کوئی اور انعام دیا جاتا تو وحشی رضی اللہ عنہ اسے ضرور بیان کرتے۔ اس سے اس بات کا بھی رد ہوگیا کہ حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے اپنے گلے کا ہار اتار کر انھیں بطور انعام دیا تھا۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو وحشی رضی اللہ عنہ کو اسے چھپانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

۳ وحشی رضی اللہ عنہ ابتداء سے آخر تک جنگ کے دوران میں کفار کے ساتھ رہے اور ان ہی کے ساتھ مکہ واپس آ گئے لیکن وہ ناک کان کے ہار بنانے اور کلیجہ چبانے کی کوئی کہانی بیان نہیں کرتے۔

۴ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحشی رضی اللہ عنہ کا اپنے سامنے آنا پسند نہیں فرمایا۔

۵ قتل حمزہ میں بقول مورخین تین افراد برابر کے شریک ہیں: ایک وحشی (رضی اللہ عنہ) جو قاتل ہیں۔ دوسرے جبیر بن مطعم (رضی اللہ عنہ) جنھوں نے قتل پر آزادی کا وعدہ کیا۔ تیسری ہند بنت عتبہ (رضی اللہ عنہا) جنھوں نے ناک کان کاٹے اور کلیجہ چبایا۔

۶ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحشی رضی اللہ عنہ کا سامنے آنا گوارہ نہیں کیا۔ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کا جرم وحشی رضی اللہ عنہ کی بہ نسبت کم تر تھا لہٰذا فتح کے دن نہ ان سے تعرض کیا گیا اور نہ اس قسم کی کوئی پابندی ہی عائد کی گئی۔ لیکن جناب قاسمی صاحب نے حضرت ہند رضی اللہ عنہا پر جو فرد جرم عائد کی ہے۔ وہ تو قتل سے بھی سنگین ہے کیونکہ دوران جنگ میں آدمی قتل ہوتے ہی رہتے ہیں۔ اس جرم کی موجودگی میں ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے اور امن کا اعلان کیا تو اس صورت میں چند افراد کے قتل کا بھی اعلان ہوا۔ لیکن بجائے اس کے کہ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے قتل کا اعلان یا اظہار بیزاری کیا جاتا الٹا ان کے گھر کو دارالامن بنا دیا گیا۔ یہ اعلان خود اس بات کی شہادت ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل سے حضرت ہند رضی اللہ عنہا کا کوئی تعلق نہیں۔

مزید برآں جب سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت لیتے وقت یہ فرمایا کہ اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گی تو سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ ہم نے انھیں بچپن میں پالا تھا۔ اور جب بڑے ہوئے تو آپ نے انھیں قتل کردیا۔ اس جواب پر بھی آپ نے انھیں قتل حمزہ یا مثلہ یا کلیجہ چبانے کے بارے میں کوئی یاددہانی نہیں کرائی۔ حالانکہ یہ اس بات کا بہترین موقع تھا۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کا یہ جواب سن کر مسکرا گئے۔ یہ بات اس کی واضح دلیل ہے کہ جگر چبانے کی کہانی بہت بعد کی وضع کردہ ہے۔

دراصل سبائیت و مجوسیت کا پروپیگنڈہ معاشرے میں اس قدر سرایت کرچکا ہے کہ آج اکثر واعظین، نام نہاد گدی نشینان، کالجوں، یونیورسٹیوں کے فضلاء اور عوام کی اکثریت حضرت معاویہ ان کے والد ابوسفیان

اوران کی والدہ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کا نام عزت واحترام کے ساتھ لینے کے لیے تیار نہیں۔

اسلام کا عام اور بنیادی اصول تو یہ ہے کہ "ان الاسلام یھدم ما کان قبلہ"اسلام پہلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے لیکن ستم بالائے ستم یہ کہ خاندان بنوامیہ کو اس اسلامی قانون سے بھی مستثنیٰ سمجھا گیا اور زبردست پراپیگنڈے کے ذریعے سے یہ بات ذہنوں میں بٹھا دی گئی کہ ان کے زمانہ کفر کی برائیاں بھی جوں کی توں آج تک قائم ہیں۔ ان کا ایمان نفاق پر قائم تھا۔ انھوں نے مجبور ہو کر اسلام قبول کیا۔ انھوں نے قبولیت اسلام کے موقع پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گستاخانہ رویہ جاری رکھا۔ بعد میں بھی یہ لوگ اسلام کے خلاف سازشیں کرتے رہے۔ ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے خلاف اکسایا وغیرہ۔

الغرض پیغمبر اسلام کے نام نہاد نام لیواؤں نے ان صحابہ کے خلاف الزامات واتہامات کی طویل فہرست تیار کر دی۔ حالانکہ یہ حضرات آپ کے ہم دم، ہم نشین، رفقاء، اصحاب، قرابت دار اور رشتہ دار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے من حیث الطبقہ انھیں اپنی خوشنودی اور رضوان سے نوازا ہے۔ انھیں سچا مومن کہا ہے۔ ان کی سابقہ خطائیں معاف کر دی ہیں۔ ان کی سابقہ باہمی عداوت کو محبت ومودت میں تبدیل کر دیا ہے۔ ان کے درجات بلند کر دیے ہیں۔ ان کے دلوں میں ایمان مزین کر دیا ہے۔ انھیں کفر، فسق اور عصیان سے نفرت دلا دی ہے۔ ان کے ایمان کو معیار قرار دیا ہے۔ ان کی اتباع کو لازمی کر دیا ہے۔ اور ان سے غیظ رکھنے والوں کو کفار سے تشبیہ دی ہے۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کی تعظیم وتکریم کا حکم دیا ہے۔ انھیں جنت کی بشارتوں سے نوازا ہے۔ انھیں نجوم ہدایت کہا ہے۔ انھیں اللہ کا انتخاب قرار دیا ہے۔ ان کے مابین اختلافات وتنازعات کو چھیڑنے سے منع کیا ہے۔ انھیں برا بھلا کہنے کی ممانعت کی ہے۔ ان کے بارے میں بار بار اللہ کا خوف دلایا ہے۔ ان سے محبت اپنے ساتھ محبت، ان سے بغض اپنے ساتھ بغض، ان کی ایذا اپنی ایذا اور اپنی ایذا کو اللہ کی اذیت قرار دیا ہے۔ ان کی تنقیص کرنے والوں کے ساتھ مجالست، مشاربت اور مناکحت سے منع فرمایا ہے۔ اور ایسے دور میں اپنا علم ظاہر نہ کرنے والے علماء پر اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت بھیجی ہے۔

امام قاضی عیاض رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر اور احترام میں سے یہ بات ہے کہ آپ کے اصحاب کی توقیر ملحوظ رکھی جائے۔ ان کی اچھائی اور ان کے حقوق کی معرفت کو پیش نظر رکھا جائے۔ ان کی اقتداء کی جائے۔ ان کے حق میں ثنائے خیر بیان کی جائے اور ان کے لیے ہمیشہ استغفار کیا جائے۔ ان میں جو اختلاف ونزاع ہوا ہے اس سے زبان کو روکا جائے اور جو لوگ ان سے دشمنی رکھتے ہیں ان سے دشمنی رکھی جائے اور مورخین کے اقوال و

اخبار سے اعراض اور روگردانی کی جائے۔ جاہل راویوں اور حکایات کے ناقلین سے منہ موڑا جائے۔ جو بھٹک جانے والے شیعہ اور بدعتی ہیں جبکہ کسی ایک صحابی کے حق میں بھی قدح کرنے والے ہوں۔"

(الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ج ۲ ص ۴۹)

امام طحاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"اور ہم جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب صحابہ سے محبت کرتے ہیں اور کسی ایک کی محبت میں غلو اور زیادتی نہیں کرتے اور نہ ان میں سے کسی سے بیزاری اور تبرا کرتے ہیں۔ اور ہم ان لوگوں سے بغض رکھتے ہیں جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض رکھتے ہیں، اور ان کا برائی کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ اور ہم حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سوائے نیکی کے ذکر نہیں کرتے۔ حضرات صحابہ سے محبت دین، ایمان اور احسان ہے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض کفر نفاق اور سرکشی ہے۔" (عقیدۃ الطحاوی ص ۶۶ مترجمہ مولانا عبدالحمید سواتی صاحب)

امام نسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "ویکف عن ذکر الصحابة الا بخیر" اور صحابہ کے ذکر سے زبان بند رکھنی چاہیے۔ سوائے کلمہ خیر کے کچھ نہ کہنا چاہیے۔ یعنی سوائے خیر وخوبی کے صحابہ کا ذکر ہرگز نہ کرنا چاہیے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی لکھتے ہیں کہ "وجوب الکف عن الطعن فیهم" اور ان پر طعن کرنے سے زبان بند رکھنا واجب ہے۔ (شرح عقائد ص ۱۱۶)

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"اور جان لیں کہ یہی لوگ ہیں اکابر دین اور کبرائے اسلام جنھوں نے اسلام کے کلمہ کی بلندی اور سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد میں اپنی طاقت صرف کی۔ اور مالوں کو کلمہ اسلام کی بلندی میں خرچ کیا۔ اور دین متین کی تائید میں دن میں اور رات میں، پوشیدگی میں اور ظاہر میں مال لٹایا اور اپنے قرابت داروں اور قبیلوں کو اور اولاد کو اور بیویوں کو اور اپنے وطنوں اور گھروں کو اور اپنے چشموں اور کھیتوں کو اور اپنے درختوں اور نہروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے سبب سے چھوڑ دیا اور اپنے نفسوں کی محبت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ترجیح دی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اپنی محبت اور اپنی اولاد اور مالوں کی محبت پر ترجیح دی۔ اور یہی لوگ ہیں وحی اور فرشتوں کا مشاہدہ کرنے والے اور معجزات اور خوارق دیکھنے والے یہاں تک کہ ان کا غیب شہادت ہو گیا ہے اور ان کا علم عین ہو چکا ہے۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تعریف فرمائی ہے "رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ" اللہ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش۔ یقیناً تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان بزرگیوں میں شریک ہیں......

اے کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ ان اکابر دین پر سب وشتم اور اسلام کے کبراء پر طعن زنی پر ان لوگوں کو

کس چیز نے آمادہ کیا ہے اور کسی کافر اور فاسق پر بھی طعنہ زنی اور گالی گلوچ شریعت میں نجات کا وسیلہ اور فضیلت اور بزرگی اور عبادت میں شمار نہیں کیا جاتا۔ پھر ان ہادیان دین پر سب وشتم کرنا اور ان حامیان اسلام پر طعن زنی کرنا کیسے عبادت ہوسکتا ہے۔ اور شریعت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں پر بھی مثلاً ابوجہل اور ابولہب پر بھی گالی گلوچ کرنا اور طعنہ زنی کرنا وارد نہیں ہوا ہے اور نہ یہ کرامت اور عبادت میں شمار کیا گیا ہے۔" (مکتوبات امام ربانی جلد سوم حصہ ہفتم دفتر دوم ص ۱۲۷، ۱۳۴)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"اور تمام صحابہ کے بارے میں ہم اپنی زبانوں کو روکتے ہیں اور سوائے بھلائی اور خیر کے ان کا ذکر نہیں کرتے۔ یعنی ان پر کسی قسم کی تنقید و جرح نہیں کرتے وہ دین میں ہمارے مقتدا و پیشوا ہیں۔ صحابہ کو گالی دینی حرام ہے اور ان کی تعظیم واجب ہے۔" (العقیدۃ الحسنہ مع عقیدۃ الطحاوی ص ۹۷)

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"علماء نے فرمایا ہے کہ جن احادیث میں بظاہر کسی صحابی پر حرف آتا ہو ان کی تاویل ضروری ہے۔ نیز فرمایا کہ ثقہ اور معتبر راویوں کی روایات میں کوئی ایسی بات نہیں کہ جس کی تاویل نہ ہو سکے۔"

(نووی شرح صحیح مسلم، فضائل علیؓ)

موصوف ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:

"لیکن ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں (باوجود معصوم نہ ہونے کے) حسن ظن رکھنے اور ان سے ہر رذیل بات کی نفی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جب کسی روایت کی تاویل و توجیہ کے تمام راستے بند ہوں تو ہم اس کے راویوں کی طرف کذب و غلط بیانی کی نسبت کریں گے (یعنی کسی صحابی کی طرف رذیل چیز کی نسبت ہرگز صحیح نہیں ہوسکتی)۔" (نووی شرح صحیح مسلم، حکم الفی)

صحابیؓ کی تعریف

لفظ صحابی باتفاق اہل لغت صحبت سے مشتق ہے۔ صَحِبَہٗ صُحْبَۃً وَصَحَابَۃً وَصِحَابَۃً وَصَاحَبَہٗ مُصَاحَبَۃً۔ یعنی ساتھی ہونا، دوستی کرنا اور ساتھ زندگی گزارنا۔ صَحِبَ کا اسم فاعل اَلصَّاحِبُ ہے یعنی ساتھی، ساتھ زندگی گزارنے والا۔ اس کی جمع صَحْبٌ وَاَصْحَابٌ وَصُحْبَۃٌ وَصِحَابٌ وَصُحْبَانٌ وَصِحَابَۃٌ وَصَحَابَۃٌ ہے۔

اَلصَّحَابِیُّ: صحابہ کا اسم نسبت ہے صحابہ کی طرف منسوب ایک صحابی۔ یعنی وہ ایک شخص جس نے صحبت حاصل کی۔ مگر صحبت کی کسی مخصوص مقدار سے مشتق نہیں۔ بلکہ اس کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوسکتا ہے جس نے کم یا زیادہ کسی کی صحبت اٹھائی ہو۔ لہٰذا صحبت کی تھوڑی یا زیادہ مقدار دونوں حالتوں پر صحبت کا اطلاق ہوسکتا ہے۔

اصطلاح شریعت میں صحابی اس شخص کو کہا جاتا ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت ایمان میں پایا ہو اور اسی حالت میں وفات بھی ہوئی ہو۔

صحابیت کی تین شرائط ہیں:

① آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان

② اسی ایمان کی حالت میں آپ سے ملاقات

③ اسلام کی حالت میں ہی وفات۔

پہلی شرط سے وہ لوگ خارج ہو گئے جنھوں نے آپ سے ملاقات تو کی مگر ایمان نہ لائے۔ دوسری شرط یعنی ملاقات سے ایسے افراد بھی اس زمرے میں شامل ہو گئے جو آپ سے ملے مگر حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی طرح نابینا تھے۔ تیسری شرط میں ایسے لوگ شامل ہیں جو حالت ایمان میں آپ سے ملے مگر پھر ارتداد اختیار کر لیا۔ پھر ایک وقت آیا کہ دوبارہ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور حالت ایمان میں وفات پائی۔ جیسے حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ وغیرہ۔

① امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

((من صَحِبَ النبی او راہ من المسلمین فھو من اصحابہ))

''جس نے آنحضرت ﷺ کی صحبت پالی یا آپ کو بحالت ایمان دیکھ لیا تو وہ آپ کے صحابہ میں سے ہے۔'' (صحیح بخاری، باب فضائل اصحاب النبی)

② علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((من صحب النبی ولو ساعۃ من الایمان ومات مومنا))

''جس نے آنحضرت ﷺ کی ایمان کی حالت میں صحبت پائی اگرچہ ایک ساعت کے لیے اور ایمان ہی کی حالت میں اس کی وفات ہوئی ہو وہ صحابی ہے۔'' (النبراس شرح لشرح العقائد ص۵۴۶)

③ حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ کے نزدیک صحابی صرف وہ ہے جس نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ سال دو سال قیام کیا ہو۔ یا ایک دو غزوات میں شرکت کی ہو۔

④ بعض حضرات کے نزدیک صحابی ہونے کے لیے طویل صحبت کافی نہیں ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اس نے آپ کی صحبت بغرض حصول علم وعمل اختیار کی ہے۔ چنانچہ علامہ سخاوی رحمۃ اللہ فتح المغیث میں لکھتے ہیں کہ:

''ابوالحسین نے معتمد میں کہا ہے کہ صحابی وہ ہے جس نے بطریق اتباع آپ کی طویل صحبت اٹھائی ہو اور آپ سے علم حاصل کیا ہو۔ جن لوگوں نے اس کے بغیر طویل صحبت اٹھائی یا اس مقصد کو تو پیش نظر رکھا ہو لیکن صحبت نہیں اٹھائی۔ مثلاً وفود میں آنے والے لوگ تو وہ صحابی نہیں۔''

⑤ بعض لوگ ہر اس مسلمان کو صحابی کہتے ہیں جس نے حالت بلوغ اور حالت صحت عقل میں آپ کو دیکھا ہو۔

⑥ امام احمد رحمۃ اللہ کا قول ہے کہ ہر وہ شخص جس نے ایک مہینہ یا ایک دن یا ایک منٹ تک آپ کی صحبت اٹھائی یا آپ کو صرف دیکھا وہ صحابی ہے۔

ان تمام اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ آپ کے عہد مبارک میں پیدا ہو کر سن بلوغ کو نہیں پہنچے وہ صحابی نہیں ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''صحابہ میں ان بچوں کا ذکر بالکل الحاقی ہے کیونکہ ظن غالب یہی ہے کہ آپؐ نے ان کو دیکھا ہوگا لیکن بعض لوگوں کے نزدیک یہ لوگ بھی صحابہ کے گروہ میں داخل ہیں۔''

چنانچہ مولانا عبدالحی صاحب ظفر الامانی میں لکھتے ہیں کہ مرجح یہ ہے کہ یہ لوگ بھی صحابہ میں داخل ہیں۔ البتہ ان کی حدیث مرسل ہے لیکن وہ مرسل مقبول ہے۔ لیکن فتح الباری میں ابن حجر رحمۃ اللہ نے بھی بلوغت کی شرط کو رد کر دیا ہے "ومنھم من اشترط فی ذلك ان یکون حین اجتماعہ بالغًا وھو مردود۔" (فتح الباری ج۷ ص۳ بحوالہ شہید کربلا و یزید ص۲۶ مؤلفہ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ)

ان میں سے بعض نے شرط لگائی ہے کہ آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمع ہونے کے وقت بالغ ہو (تب صحابی ہوگا) اور یہ قول مردود ہے۔

⑦ اسی طرح جن لوگوں نے آپ کو بعد وفات دیکھا تھا وہ بھی صحابہ کی جماعت میں داخل نہیں۔ علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((اختلف فیمن راہ بعد الموت قبل الدفن کابی ذویب الشاعر فقیل صحابی لان حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم صحیحۃ وقیل لا فان ھذہ الحیٰوۃ لا یتعلق بھا الاحکام الدنیویۃ کالشھید))

(النبراس ص۵۴۶)

''اس شخص کی صحابیت کے بارے میں اختلاف ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو موت کے بعد اور تدفین سے پہلے دیکھا جیسے ابوذویب شاعر ہیں پس کہا گیا ہے کہ وہ بھی صحابی ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات صحیح ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ صحابی نہیں ہیں۔ کیونکہ اس قسم کی زندگی کے ساتھ دنیوی احکام کا تعلق نہیں ہے شہید کی طرح۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مقدمہ اصابہ میں لکھتے ہیں ''والرجح عدم الدخول'' قول راجح یہ ہے کہ یہ لوگ صحابی نہیں ہیں۔ مشہور شاعر ابوذویب ہذلی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تدفین سے پہلے دیکھا تھا مگر شرف صحابیت سے محروم رہ گئے۔

⑧ جو مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھے لیکن انھیں آپ کی زیارت حاصل نہ ہوئی وہ بھی صحابی نہیں ہیں۔

⑨ جن لوگوں نے اسلام قبول کرنے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد انھیں آپ کی زیارت نصیب نہیں ہوئی وہ بھی صحابی نہیں ہیں۔

⑩ جنھوں نے بعثت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا جیسے زید بن عمرو بن نفیل۔ ان کی صحابیت کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ وہ صحابی نہیں ہیں۔

⑪ اور اسی طرح وہ بھی صحابی نہیں ہیں جنھوں نے اس بات کی تصدیق کی تھی کہ آپ عنقریب مبعوث ہوں گے۔ جیسے بحیرا راہب۔ (النبراس ص۵۴۶)

مذکورہ بالا تعریفات کی روشنی میں حسب ذیل افراد پر ''صحابی'' کا اطلاق ہوسکتا ہے:

1 جنھوں نے ایک عرصہ، کم از کم ایک سال تک آپ کی صحبت کا شرف حاصل کیا ہے۔

2 یا کم از کم ایک غزوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت کی ہے۔

3 یا آپؐ سے احادیث کی روایت کی ہے۔

۴ یا آپؐ کی صحبت حصول علم و عمل کے لیے اختیار کی ہے۔
۵ یا مسلمان ہونے کے ساتھ حالت بلوغ و حالت ثبات عقل میں آپؐ سے ملاقات کی ہے۔
۶ یا حالت اسلام میں محض آپؐ کو دیکھا ہے یا ملاقات کی ہے۔

ان اقوال میں آخری قول جمہور کے نزدیک سب سے زیادہ صحیح اور عام مسلمانوں میں مقبول ہے کیونکہ اس میں وہ تمام صحابہ شامل ہیں جن سے احادیث کی روایت کی جا سکتی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب الاصابہ میں صحابی کی جس تعریف کو سب سے زیادہ جامع اور صحیح قرار دیا ہے۔ وہ یہی ہے کہ وہ شخص جس نے ایمان کی حالت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور اسلام ہی پر اس کی موت واقع ہوئی۔ پس اس میں ہر وہ مسلمان داخل ہے جس نے آپؐ سے ملاقات کی۔ قطع نظر اس سے کہ اسے آپ کی ہم نشینی کا شرف زیادہ حاصل رہا یا کم۔ آپؐ سے روایت کی یا نہیں۔ آپؐ کے ساتھ غزوے میں شریک ہوا یا نہیں۔ اور جس نے آپ کو صرف ایک نظر ہی دیکھا ہو اور آپ کی مجالست و ہم نشینی کا موقع اسے نہ ملا ہو اور جو کسی خاص سبب کی بنا پر آپ کی رؤیت کا شرف حاصل نہ کر سکا ہو جیسے نابینا۔

اس کے بعد اصولیین کا پہلا قول قابل اعتبار ہے۔ کیونکہ اس سے اگرچہ بہت سے وہ صحابی جنھوں نے صرف آپ کو دیکھا تھا لیکن آپ کی فیض صحبت سے کافی عرصہ تک متمتع نہیں ہوئے تھے صحابہ کی جماعت سے خارج ہو جاتے ہیں۔ تاہم اس کے ذریعے سے صحابیت کا ایک بلند معیار قائم ہوتا ہے اور تمام اکابر صحابہ اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور تمام اقوال درجہ اعتبار سے ساقط ہیں۔

اصولیین نے صحابہ کی جماعت پر اخذ مسائل اور روایت حدیث کے لحاظ سے نظر ڈالی ہے۔ لیکن جمہور کے نزدیک صحابیت کا معیار صرف زہد و تقویٰ ہے۔ اس لیے وہ ہر اس شخص کو صحابی کہتے ہیں جس نے حالت اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے یا آپ سے ملاقات کی ہے۔

پیچھے امام بخاری رحمہ اللہ کا قول گزر چکا ہے کہ جس نے آپ کی صحبت حاصل کی یا آپ کو بحالت ایمان دیکھ لیا تو وہ صحابی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((والذی جزم به البخاری قول احمد بن حنبل والجمهور من المحدثین)).

(فتح الباری ج ۷ ص ۳)

"امام بخاری رحمہ اللہ نے جس قول پر اعتماد کیا ہے وہ امام احمد رحمہ اللہ اور جمہور محدثین کا ہے۔"

آج پورے عالم اسلام میں یہی قول شائع و مشہور ہے اور اسی پر عمل جاری ہے لیکن خاندان معاویہ، حضرت ابوسفیان، حضرت ہند، حضرت یزید، حضرت معاویہ، حضرت ام حبیبہ اور حضرت فارعہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہم کی یہ عظیم فضیلت و منقبت ہے کہ وہ مفسرین، محدثین، اصولیین اور جمہور کی بیان کردہ ہر تعریف کے اعتبار

سے شرف صحابیت سے مشرف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مودودی صاحب بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ صحابی کی تعریف میں اگرچہ سلف میں اختلاف ہے۔ مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہر تعریف کے لحاظ سے شرف صحابیت حاصل ہے۔ **والفضل ما شهدت به الاعداء۔**

(بحوالہ سیرت اصحاب رسول ص ۱۵۳)

صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد

امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد ایک لاکھ چودہ ہزار تھی۔''

(النبراس ص ۵۴۶)

ابن فتحون نے ذیل استیعاب میں یہ قول نقل کر کے لکھا ہے کہ ابوزرعہ رحمہ اللہ نے یہ تعداد صرف ان لوگوں کی بتائی ہے جو رواۃ حدیث میں تھے۔ لیکن ان کے علاوہ جو صحابہ کی تعداد ہوگی وہ اس سے کہیں زیادہ ہو گی۔

بہر حال یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تمام اعلیٰ وادنیٰ صحابہ کا فرق مراتب کے باوجود بحیثیت صحابی ہونے کے یکساں عزت واحترام کے ساتھ یاد کیا جانا اسلام کا مطلوب ومقصود ہے۔ پس کسی بھی صحابی کے حق میں زبان طعن وتشنیع دراز کرنا اور ''تحقیق'' کے عنوان کے تحت ان پر نکتہ چینی کرنا ہلاکت وتباہی کے خطرہ کو دعوت دینا ہے۔ قرآن وحدیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جو فضیلت ومنقبت بیان ہوئی ہے اس میں علی الاطلاق تمام صحابہ شامل ہیں مگر حضرت ابوسفیان، سیدہ ہند اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم وہ سعادت مند انسان ہیں کہ جن کی فضیلت قرآن وحدیث دونوں میں بیان ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری، امام مسلم اور امام ترمذی رحمہم اللہ نے ان کے مناقب پر باقاعدہ باب قائم کیے ہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((وفيهم انزل الله تعالىٰ "عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ۭ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ "فان الله جعل بين النبى وبين الذين عادوه كابى سفيان و هند وغيرهما مودة والله قدير على تبديل العداوة بالمودة وهو غفور لهم بتوبتهم من الشرك رحيم بالمومنين وقد صاروا من المؤمنين))

(منہاج السنۃ ج ۱ جز ثانی ص ۲۱۵)

''اور ان ہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: عجب نہیں کہ اللہ تم میں اور ان لوگوں میں جن سے تم دشمنی رکھتے ہو دوستی پیدا کر دے اور اللہ قادر ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان لوگوں کے درمیان جن سے دشمنی رہی تھی جیسے ابوسفیان، ہند اور ان کے علاوہ دیگر حضرات (رضی اللہ عنہم) محبت اور دوستی پیدا کر دی اور اللہ اس عداوت کو محبت و دوستی میں تبدیل کرنے پر قادر ہے۔ اور وہ انھیں بخشنے والے ہیں۔ ان کی شرک سے توبہ کی بنا پر اللہ مومنوں کے ساتھ نہایت رحم والے ہیں۔ اور تحقیق وہ (حضرت ابوسفیان، سیدہ ہند وغیرہما رضی اللہ عنہما) مومنین میں سے ہو گئے۔''

ان تصریحات کے باوجود پھر بھی جس زبان یا قلم سے ان کے متعلق توہین آمیز کلمات نکلتے ہیں یا جن کے قلوب ان حضرات کے احترام سے خالی ہیں تو وہ مرنے سے پہلے اپنے ایمان کی تجدید کر لیں۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولادت اور نام

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر نسبتی، مدبر اسلام، نشان فتح وظفر، فاتح عرب و عجم، کاتب وحی، خال المسلمین، خلیفہ سادس راشد، عادل و برحق، امیر المومنین ابی عبدالرحمٰن سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی ولادت بعثت نبوی سے پانچ سال قبل ۶۰۵ء میں قبیلہ قریش کی ایک معزز شاخ بنوامیہ کی ایک ممتاز شخصیت، سالار قریش سیدنا ابوسفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ کے گھر میں بمقام مکہ مکرمہ ہوئی۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جائے ولادت کے بارے میں شیخ کمال الدین الدمیری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((ومولده رضی اللہ عنہ بالخَیف من مِنٰی اسلم قبل ابیه ابی سفیان وصحب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وکتب له)) (حیوۃ الحیوان ج ا ص ۵۸)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جائے ولادت منیٰ میں مقام خیف ہے۔ یہ اپنے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے پہلے اسلام لائے۔ انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کتابت کی خدمت بھی سرانجام دی۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سن ولادت کے بارے میں مختلف اقوال ہیں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((معاویة بن ابی سفیان بن حرب بن امیه بن عبدشمس بن عبدمناف القرشی الاموی امیر المومنین ولد قبل البعثة بخمس سنین وقیل سبع وقیل بثلاث عشرة والاول اشهر)) (الاصابہ تحت معاویہ بن صخر ج ۳ ص ۴۳۳)

''امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بعثت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئے اور بعض نے کہا سات سال قبل اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تیرہ سال قبل پیدا ہوئے۔ اور پہلا قول زیادہ مشہور ہے۔''

ڈاکٹر احمد عبدالرحمٰن عیسیٰ استاذ جامعہ امام محمد بن سعود لکھتے ہیں کہ:

((ولد معاویة قبل البعثة بخمسة اعوام))

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بعثت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئے۔'' (کُتّاب الوحی ص ۳۰۶)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((ومعاويه رضی اللہ عنہ كان حين بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم صغيرا كانت هند ترقصه))

(منہاج السنۃ الجزء الثانی ج ۱ص ۲۱۴)

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ چھوٹے تھے اور سیدہ ہند رضی اللہ عنہا انھیں جھلاتی تھیں۔''

مصری مورخ عمر ابوالنصر لکھتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہجرت سے سترہ سال پہلے حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کے گھر پیدا ہوئے۔''

(معاویہ بن ابی سفیان اردو ص ۳۴)

کون جانتا تھا کہ یہ بچہ بڑا ہو کر امیر المومنین بنے گا اور اس کے زیر نگین تقریباً پینسٹھ لاکھ مربع میل رقبہ کی وسیع سلطنت ہوگی۔ جو مغرب اقصیٰ سے چین تک پھیلی ہوئی ہوگی۔ لیکن سیدہ ہند رضی اللہ عنہا جیسی عاقلہ و دانشور خاتون نے اپنے بیٹے کے بچپن سے ہی اس بات کا اندازہ لگا لیا تھا۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے گھر کے صحن میں گھٹنوں کے بل چل رہے تھے تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے انھیں ایک نظر دیکھا پھر سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کو مخاطب کر کے کہا: میرا یہ بیٹا بڑے سر والا ہے یعنی اس بات کا اہل ہے کہ اپنی قوم کا سردار ہو۔ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ صرف اپنی قوم کا......؟ جی نہیں......اس کی ماں اس پر روئے اگر یہ سارے عرب کا سردار نہ ہوا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ص ۱۱۸)

نام

آپ کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے آپ کا نام معاویہ رکھا۔ عرب میں یہ نام کوئی انوکھا اجنبی اور نیا نہیں تھا۔ بلکہ دور جہالت اور عہد اسلام دونوں میں یہ نام کتب انساب میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ اور اہل زبان نے کبھی اس نام کو برا اور معیوب قرار نہیں دیا۔ بالفرض اگر عہد جاہلیت میں یہ نام معنی کے اعتبار سے برا بھی سمجھا جاتا تو ضروری تھا کہ عہد اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس نام کو تبدیل فرما دیتے کیونکہ آپ نے نام رکھنے کے بارے میں امت کو یہ ہدایت دی ہے کہ "تسموا باسمآء الانبياء واحب الاسماء الى الله تعالىٰ عبدالله وعبدالرحمن۔" (مشکوۃ باب الاسامی)

''تم انبیائے کرام کے نام کے ساتھ نام رکھا کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔''

ایک دوسری حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((انكم تدعون يوم القيامة باسمآءكم واسمآء اٰباءكم فاحسنوا اسمآءكم))

(سنن ابی داود، کتاب الادب، رقم الحدیث ۴۹۴۸- مسند احمد رقم الحدیث ۲۱۱۸۵)

''تم قیامت کے دن اپنے اور اپنے باپوں کے ناموں کے ساتھ پکارے جاؤ گے سو اپنے نام اچھے رکھا کرو۔''

اسی طرح وہ نام جس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور بندہ کی عبدیت کا اظہار ہو۔ ان کے علاوہ ایسے نام بھی رکھے جاسکتے ہیں جن سے شرک کی بو نہ آتی ہو۔ یا جن سے بری بات کا یا بری عادت کا اظہار نہ ہو۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ اس طرح کے نام رکھنے سے منع فرماتے تھے اور اگر کوئی برا نام ہوتا تو آپ اسے اچھے نام سے بدل دیتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

((اَنَّ النبی ﷺ کان یغیر الاسم القبیح)) (جامع ترمذی، کتاب الادب، رقم الحدیث ۲۸۳۹)

''نبی کریم ﷺ برے نام بدل دیا کرتے تھے۔''

کسی نے ''عاص'' نام رکھا یا ''اصرم'' تو آپ نے اسے فوراً بدل دیا۔ سعید بن مسیّب رحمہ اللہ اپنے دادا کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ ان کا نام ''حزن'' تھا۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جب وہ حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا کیا نام ہے؟ عرض کیا میرا نام ''حزن'' ہے آپ نے فرمایا بل انت سھل بلکہ تمھارا نام سہل ہے۔ (مشکوٰۃ)

جب آنحضرت ﷺ کو اپنے نواسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت کی اطلاع ہوئی تو آپ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ نومولود کو دیکھا۔ پوچھا کیا نام ہے؟ عرض کیا گیا ''حرب'' فرمایا نہیں اس کا نام ''حسن'' ہے۔ (سیر الصحابہ حصہ ششم ص ۱۳)

بعد میں جب دوسرے نواسے تولد ہوئے تو آپ نے بچے کو دیکھ کر پوچھا کیا نام رکھا گیا؟ بتایا گیا ''حرب'' لیکن آنحضرت ﷺ کو یہ نام پسند نہ آیا تو آپ نے بدل کر حسین رکھا۔ (سیر الصحابہ حصہ ششم ص ۱۴۷)

حرب کے معنی جنگ کے ہیں۔ لہٰذا آپ نے یہ نام ناپسند فرمایا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ پسندیدہ نام تھا۔ تبھی تو بار بار آپ نے یہی نام تجویز کیا۔ یہ ملحوظ رہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دادا کا نام بھی ''حرب'' تھا۔

نبی اکرم ﷺ نے اشخاص و افراد کے برے نام ہی تبدیل نہیں فرمائے بلکہ آپؐ نے زمینوں، وادیوں اور قبائل کے برے نام بھی تبدیل فرمائے ہیں۔ چنانچہ امام ابوداود رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ آپ نے ''عفرۃ'' (بنجر) زمین کا نام ''خضرۃ'' (سرسبز) زمین رکھا۔ ''شعب ضلالہ'' (گمراہی کی وادی) کا نام تبدیل فرما کر ''شعب ہدیٰ'' (ہدایت کی وادی) رکھا۔ اسی طرح ''بنوزنیہ'' اور ''بنومغویہ'' کو بدل کر ''بنورشدہ'' نام رکھا۔

(سنن ابی داود کتاب الادب رقم الحدیث ۴۹۵۶)

اس تفصیل سے یہ معلوم ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ برے نام کو بدل دیا کرتے تھے۔ لیکن ''معاویہ'' نام

کے بارے میں آپ جیسے افصح العرب سے کوئی ممانعت اشارتاً و کنایتاً بھی ثابت نہیں ہے۔ بلکہ عہد رسالت سے لے کر آج تک اہل اسلام میں یہ نام ایک جلیل القدر صحابی کی طرف منسوب کرتے ہوئے رکھے جا رہے ہیں۔

علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بار بار پیار و شفقت کے ساتھ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس نام سے پکارتے، بلاتے اور دعائیں دیتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو حکم دیتے ہیں کہ:

① ((اذهب فادع لی معاوية))

② ((ادعوا الی معاوية فدعٰی له...... احضروه امركم))

③ ((فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اكتب له يا معاوية))

④ ((يبعث الله معاوية يوم القيامة......))

⑤ ((يا معاوية ان وليت امرا......))

⑥ ((يا معاوية ان ملكت......))

⑦ ((ان معاوية لا يصارع......))

⑧ ((اللهم علم معاوية الكتاب......))

⑨ ((ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم استشار جبريل فی استكتابة معاوية......))

⑩ ((فقال النبی انظروا من هذا قالوا معاوية قال ائذنوا له...... فقال ما هذا القلم علی اذنك يا معاوية......))

⑪ ((الامناء ثلاثة جبرائيل وانا و معاوية))

⑫ ((عن عبدالرحمن...... قال سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول لمعاوية......))

⑬ ((اَنَّ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال لمعاوية......))

⑭ ((اتٰی جبرائيل الیٰ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقال يا محمد اقری معاوية السلام))

⑮ ((فقال عمير لا تذكروا معاوية الا بخير......))

⑯ ((عن مجاهد انه قال لو رأيتم معاوية لقلتم هذا المهدی))

⑰ ((عن ابن عمر قال ما رأيت احدا اسود من معاوية......))

⑱ ((قال عبدالله ابن عباس ما رأيت رجلا اخلق بالملك من معاوية......))

⑲ ((قال عبدالله ابن المبارك تراب فی انف فرس معاوية افضل من عمر بن عبدالعزيز الف مرّة))

﴿۴۰﴾ ((قال علی رضی اللہ عنہ ایها الناس لا تکرهوا امارة معاویة......))

اگر اس نام میں ذرا بھی برائی ہوتی تو اہل عرب کبھی اس نام کو پسند نہ کرتے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، جبرائیل علیہ السلام، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور صلحائے امت رحمہم اللہ اس نام سے محبت نہ رکھتے۔ اور سب سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اس نام کو تبدیل فرما دیتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے افصح العرب کا اس نام کو تبدیل نہ کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس کے وہ معنی نہیں جو دشمنانِ اسلام مراد لیتے ہیں۔

دشمنان معاویہ کے پاس اس نام کی مخالفت میں کوئی نقلی اور عقلی دلیل نہیں تھی۔ اس لیے انھوں نے لغت کا سہارا لیا ہے کہ لغوی اعتبار سے معاویہ کا معنی کتے کا بھونکنا اور کتیا اور لومڑی کا بچہ وغیرہ کے ہیں۔ (مصباح اللغات ص ۵۶۴) اس لیے وہ اس نام پر خوب تبرا کرتے ہیں۔

اس کے جواب میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بصریوں اور کوفیوں سے زیادہ لغت جانتے تھے اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن ہی یہی تھا کہ وہ برے ناموں کو تبدیل کر دیا کرتے تھے۔ اس کے باوجود انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ تو سوچ لیں کہ اعتراض کی زد میں کون کون حضرات آئیں گے؟

لفظ معاویہ ''عوی'' سے مشتق ہے۔ از روئے لغت اس کے حسب ذیل معانی ہیں:

کسی چیز کو موڑنا یا مروڑنا، عالم شباب میں مد مقابل کا پنجہ مروڑنا، کسی کا دفاع کرنا، جنگ یا حمایت کے لیے لوگوں کو جمع کرنا، آواز دے کر پکارنا، چاند کی ایک منزل، نشانِ راہ، مسافروں کی رہبری کے لیے نصب پتھر۔ (ملاحظہ ہو منتہی الادب جلد ۲ ص ۲۱۵۔ لسان العرب جلد ۸ ص ۱۰۹۔ تاج العروس جلد ۱۵ ص ۲۶۰۔ القاموس ص ۸۹۶۔ قاموس الوحید جلد ۲ ص ۱۱۴۵)

ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن شاہ صاحب بخاری فرماتے ہیں

''قاموس'' لغت کی ایک کتاب ہے۔ اس میں معنی لکھے ہوئے ہیں "الخطیب الاصدق" زور آور، مضبوط بیان کرنے والا خطیب۔'' (نقیب ختم نبوت جنوری ۱۹۹۴ء ص ۳۳)

مصباح اللغات کے مولف جناب ابوالفضل عبدالحفیظ بلیاوی ہیں جو ندوۃ العلماء اور دارالعلوم دیوبند میں ادب کے استاد رہے ہیں، لکھتے ہیں کہ:

''العَوّاء بہت بھونکنے والا کتا، المعاویة کتیا، لومڑی کا بچہ۔'' (مصباح اللغات ص ۵۶۴)

علامہ ابن منظور افریقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((العواء اسم نجم...... وقال ابن كناسة هى اربعة كواكب ثلاثة مثفاة متفرقة والرابع قريب منها......كانه من الناحية الشامين وبه سميت العواء كانه يعوى اليها من عواء الذئب)) (لسان العرب ج ۸ ص ۱۰۹)

''العواء ایک ستارے کا نام ہے اور ابن کناسہ نے کہا کہ وہ چار ستارے ہیں تین متفرق اور چوتھا ان کے قریب ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کا نام عواء رکھا گیا ہے گویا اس کی طرف منہ کر کے بھیڑیے آواز دیتے ہیں یعنی بھونکتے ہیں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "اصحابی کالنجوم" (صحابہ ستاروں کی طرح ہیں) کی رو سے تو ان ستاروں میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ایک تابناک ستارہ ہیں۔ تو جس طرح العواء ستارے کو بھونکنے والے بھونکتے ہیں۔ اسی طرح آسمان رشد و ہدایت کے اس اہم ستارے پر بھی دشمنان اسلام آوازیں کستے ہیں۔ پھر جس طرح بھیڑیے کے بھونکنے سے دیگر بھونکنے والے بھونکنا شروع کر دیتے ہیں، اسی طرح اہل تشیع کے بھونکنے سے وہ حضرات جن میں ''عویٰ یعویٰ'' کی عادت پائی جاتی ہے۔ وہ بھی اس اہم ستارے پر طعن و تشنیع کی بوچھاڑ شروع کر دیتے ہیں۔

علاوہ ازیں اہل لغت نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اگر لفظ ''معاویہ'' معرف باللام (المعاویہ) ہو تو اس کا معنی سگ مادہ وغیرہ ہوں گے اور اگر ''الف، لام'' کے بغیر ہو تو یہ معنی مراد نہیں ہوں گے۔

(قاموس الوحید جلد ۲ ص ۱۱۴۵)

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ ''معاویہ'' عَلَم ہے اور اعلام میں لفظی معنی مراد نہیں ہوتے۔ امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

((ولو كانت الاسماء انما هي اعلام للاشخاص لا تقصد بها حقيقة الصفة))

(فتح الباری جلد ۱۰ ص ۴۷۵)

بالخصوص جو اعلام منقول عنہ کے درجے میں ہوں مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک کی چھٹی پشت میں ''کلاب'' کا لفظی معنی مراد لینے کی جسارت کوئی نہیں کر سکتا۔

مزید برآں اگر لغت کے ذریعے سے ہی ناموں کے معانی متعین کیے جائیں تو بہت سے نامی گرامی اکابرین بھی نہیں بچ سکیں گے۔ یہاں فقط پانچ نام پیش کیے جاتے ہیں جن کی عظمت و فضیلت پر سنی و شیعہ دونوں کا اتفاق ہے۔

① الباقر: گایوں کا ریوڑ (مصباح اللغات ص ۴۴)

② الجعفر: لغت کے اعتبار سے اس کے معنی دریا، ندی اور بہت دودھ دینے والی اونٹنی ہے۔

(مصباح اللغات ص ۹۰)

③ اویس: بھیڑیا (مصباح اللغات ص ۲۰)

④ العباس کے معنی بہت ترش رو۔ (مصباح اللغات ص ۵۴۸)

⑤ فاطمہ: لغت میں اس کے معنی ہیں اونٹنی جس کا بچہ دودھ سے چھڑا دیا گیا ہو۔ (مصباح اللغات ص ۱۳۹)

غرض اس طرح کے بیسیوں نام ہیں۔ اگر ان کے لغوی معانی متعین کر دیے جائیں تو یقیناً ان کی اہانت کا پہلو نکلے گا اور جس کا قصد کوئی بھی نہیں کرتا۔ اور اگر بالفرض معاویہ نام میں کوئی قباحت موجود ہے تو اس نام کے حامل حسب ذیل صحابہ کرام اور تابعین عظام کے بارے میں کیا خیال ہے:

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے زیر عنوان "ذکر من اسم معاویہ" اکابرین امت کے حالات و واقعات بیان کیے ہیں۔ ملاحظہ ہو (الاصابہ مع الاستیعاب ص ۴۳۰-۴۳۸ ج ۳)

① معاویہ بن انس اسلمی
② معاویہ بن ثور بن عبادہ
③ معاویہ بن جاہمہ
④ معاویہ بن حارث بن مطلب بن عبد مناف
⑤ معاویہ بن خدیج
⑥ معاویہ بن حزن
⑦ معاویہ بن حکم اسلمی
⑧ معاویہ بن حیدہ بن معاویہ
⑨ معاویہ بن ابی ربیعہ
⑩ معاویہ بن سفیان بن عبد الاسد مخزومی
⑪ معاویہ بن ابی سفیان صخر بن حرب
⑫ معاویہ بن سوید
⑬ معاویہ بن صعصعہ
⑭ معاویہ بن عبادہ بن عقیل
⑮ معاویہ بن عبد اللہ
⑯ معاویہ بن عروہ
⑰ معاویہ بن عفیف مزنی
⑱ معاویہ بن عمرو احوذی
⑲ معاویہ بن عمرو الدئلی
⑳ معاویہ بن قرمل
(۲۱) معاویہ بن محصن
(۲۲) معاویہ بن مرداس بن ابی عامر
(۲۳) معاویہ بن معاویہ مزنی
(۲۴) معاویہ بن مغیرہ
(۲۵) معاویہ بن مقرن مزنی
(۲۶) معاویہ بن نفیع
(۲۷) معاویہ ثقفی من الاحلاف
(۲۸) معاویہ عذری
(۲۹) معاویہ لیثی
(۳۰) معاویہ ہذلی
(۳۱) معاویہ والد نوفل

دیگر کتب انساب سے معاویہ نام

(۳۲) معاویہ بن یزید بن معاویہ بن ابی سفیان
(۳۳) معاویہ بن عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب
(۳۴) معاویہ بن عباس بن علی ابن ابی طالب
(۳۵) معاویہ بن عبد اللہ افطح بن محمد باقر بن زین العابدین بن حسین بن علی

(۳۶) معاویہ نمیری (۳۷) معاویہ بن قرہ

(۳۸) معاویہ بن مسلم (مشکوٰۃ)

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ تاریخ اسلام میں معاویہ نام کی صرف ایک شخصیت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ہی نہیں بلکہ اس نام کی دیگر بیسیوں شخصیات ہیں۔ جن کے علمی و عملی کارناموں سے تاریخ کے صفحات بھرے ہوئے ہیں۔ ان میں سے کسی کے نام میں بھی کوئی نقص اور عیب نہیں لگایا گیا۔ کیونکہ ان میں سے کوئی نام بھی معرف باللام یعنی ''المعاویہ'' نہیں ہے نیز اس نام کے تمام حاملین کے ساتھ بطور عَلَم استعمال ہوا ہے اور اس میں ''ۃ'' وحدت کی ہے تانیث کی نہیں جس کا اعتبار کرتے ہوئے معنی یوں ہوگا: ''اکیلا موڑنے والا، دشمن کا تن تنہا مقابلہ کرنے والا، دلیر، نڈر، بہادر، بلند آہنگ، خطیب، تنہا رہبری کرنے والا۔'' بعض مدعیان اہل سنت پر تعجب ہے کہ انھوں نے بھی لاشعوری طور پر صرف معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے ساتھ زیادتی اور تجاوز کیا ہے۔ جسے دشمنان معاویہ بطور ہتھیار استعمال کرتے ہیں۔

علامہ سعد الدین تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ نے علم معانی کی کتاب تلخیص المفتاح کی شرح ''مختصر المعانی'' کے نام سے لکھی ہے۔ جو صدیوں سے دینی مدارس کے نصاب میں شامل ہے۔ اس کتاب میں موصوف ''مسند الیہ'' کی بحث میں لکھتے ہیں کہ:

''رکب علی وھرب معاویة'' علی سوار ہوئے اور معاویہ بھاگ گیا۔ لفظ علی میں علو (سربلندی) کا مفہوم پایا جاتا ہے لہٰذا ان کے لیے سوار ہونا ہی بہتر ہے۔ اور معاویہ کے لفظ میں ''عوایة الکلب'' کتے کی ایک مذموم علت یعنی بھونکنے کا مفہوم پایا جاتا ہے لہٰذا ان کے لیے فرار ہونا ہی مناسب ہے۔

علامہ تفتازانی یا تو اپنے آپ کو شیعی اثرات اور جراثیم سے محفوظ نہیں رکھ سکے۔ اور یا پھر ان میں تشیع پایا جاتا ہے جس کے ہاتھوں وہ کبھی کبھار مجبور ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی ایک دوسری کتاب ''شرح عقائد'' (جو عقائد نسفی کی شرح ہے) میں یزید بن معاویہ کے بارے میں اپنا یہ عقیدہ لکھ گئے ہیں کہ:

((لا نتوقف فی شانه بل فی ایمانه لعنة الله علیه وعلی انصاره واعوانه))

(شرح عقائد ص ۱۱۷)

''ہم اس کی شان میں بلکہ اس کے ایمان ہی کے بارے میں کوئی توقف نہیں کرتے۔ اللہ کی پھٹکار ہو یزید پر اس کے سارے یاروں اور مددگاروں پر۔''

یہی جملہ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ اپنی ایک کتاب ''ارشاد الساری شرح صحیح البخاری'' میں بھی لکھ آئے ہیں:

((لا نتوقف فی شانه بل فی ایمانه لعنة الله علیه وعلی انصاره واعوانه))

(بحوالہ مقالات ج ۲ ص ۳۳۵، از پیر کرم شاہ صاحب ازہری)

اس وقت لعنت یزید کا مسئلہ زیر بحث نہیں ہے۔ لیکن قسطلانی اور تفتازانی کے مذکورہ عقیدہ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ و تابعین پر واضح تبرا اور لعنت کی گئی ہے۔ اعوان و انصار کے عموم سے مذکورہ افراد کو کون مستثنیٰ کر سکتا ہے؟

علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ:

''جاریہ بن قدامہ سعدی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سے دریافت کیا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں جاریہ بن قدامہ سعدی ہوں۔ اس پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم اور کیا بننا چاہتے ہو۔ تم تو شہد کی مکھی کی طرح ہو۔ جاریہ نے کہا کہ اب زیادہ نہ فرمایئے آپ نے مجھے شہد کی مکھی بنا دیا جس کا ڈنک بڑا زہریلا ہوتا ہے لیکن اس کا تھوک بہت ہی میٹھا اور لذیذ ہوتا ہے اور واللہ! معاویہ کے معنی اس کتے کے ہیں جو دوسروں پر بھونکتا ہے...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بڑے تحمل اور صبر سے یہ بات سن لی...... امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا اے جاریہ! افسوس کہ تو اپنے گھر والوں پر اتنا بھاری تھا کہ انھوں نے تیرا نام جاریہ (لونڈی) رکھا۔ یہ سن کر جاریہ نے کہا کہ آپ بھی اپنے گھر والوں پر اتنے بھاری تھے کہ انھوں نے آپ کا نام معاویہ (بھونکنے والا) رکھا ہے۔'' (تاریخ الخلفاء اردو ص ۳۳۹، ۳۹۴ مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

عربی ادب کی مشہور درسی کتاب مفید الطالبین میں شیر، بھیڑیے اور ایک لومڑے کے اکٹھے شکار پر جانے کا واقعہ تحریر ہے۔ اور ان تین جانوروں کے شکار کرنے اور پھر ان کو تقسیم کرنے کا مشورہ بھی لکھا ہے کہ بھیڑیے نے غلط مشورہ دیا تو شیر نے پنجہ مار کر بھیڑیے کی آنکھ نکال دی۔ پھر شیر لومڑے کی طرف مخاطب ہوا اور لومڑے کو کہا کہ ھاتِ انت یا ابا معاویہ، اے ابو معاویہ (لومڑے کے باپ) تو تقسیم کر۔

(مفید الطالبین ص ۱۷)

اس رافضی داستان گو نے اس ایک جملے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تین تبرے بکے ہیں: اول، لومڑے کو معاویہ کا باپ کہا۔ دوم، معاویہ کو لومڑے کا بیٹا کہا۔ اور سوم، یہ تصور بھی پیش کیا ہے کہ معاویہ بھی لومڑے کی طرح چالاک ہے۔

علامہ ابن جوزی بغدادی اپنی کتاب ''کتاب الاذکیاء'' (جس کا اردو ترجمہ لطائف علمیہ کے نام سے دارالاشاعت کراچی سے شائع ہوا ہے) میں لکھتے ہیں کہ:

''معانی بن زکریا نے حکایت بیان کی کہ کہتے ہیں کہ ایک شیر اور بھیڑیا اور لومڑی ساتھی بن گئے اور شکار کے لیے نکلے تو انھوں نے گدھے، ہرن اور خرگوش کا شکار کیا تو شیر نے بھیڑیے سے کہا کہ شکار کی تقسیم تو کر دے تو اس نے کہا کہ یہ بات تو بالکل کھلی ہوئی ہے۔ گدھا تیرا ہے اور خرگوش ابو معاویہ یعنی لومڑی کا اور ہرن میرا......''۔ (لطائف علمیہ ص ۳٦۱)

الغرض اس طرح کی تمام حکایات موضوع، من گھڑت اور رافضیوں کی پھیلائی ہوئی ہیں۔ لہٰذا ان کی بنا پر کسی پر طعن نہیں کیا جاسکتا اور جو سنی ہو کر ایسا کرتا ہے تو اس کے لیے ارشاد باری ''وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ'' کافی ہے۔

صدیوں سے علمائے کرام تفتازانی کے سبائی تبرے کو مسلسل پڑھ اور پڑھا رہے ہیں لیکن اسے خارج کرنے کے لیے کوئی تگ و دو نہیں فرمائی۔ معلوم نہیں ہمارے مہتمم حضرات نے اس کے اخراج کے لیے کس ''حکومت'' سے منظوری حاصل کرنی ہے۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمہ اللہ اس تبرے پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں جو بے ادبی اور جرأت اس مکروہ مثال میں پائی جاتی ہے۔ وہ مخفی اور پوشیدہ نہیں۔ یہ بے ادبی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اور نامناسب ہے۔ بلکہ ہم اس کو ایک فرضی مثال پر محمول کرتے ہوئے علی و معاویہ نام والے دوسرے اشخاص مراد لیں تب بھی اس مثال میں ضرور بے ادبی ہے۔'' (حاشیہ مختصر المعانی)

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے اس ارشاد سے واضح ہو جاتا ہے کہ جن الفاظ سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ یا دوسرے کسی صحابی کی توہین و بے ادبی کا صرف وہم بھی ہوسکتا ہو ان کا لکھنا اور بولنا جائز اور درست نہیں۔ تو جن الفاظ سے صراحتاً توہین ہوتی ہو وہ کیسے صحیح ہوسکتی ہے؟

الغرض کتب تاریخ، انساب اور اسماء الرجال میں ''معاویہ'' نام کی بیسیوں شخصیات موجود ہیں۔ جن میں صحابہ، تابعین، دیگر بزرگان امت، بنو امیہ، بنو ہاشم اور دیگر قبائل شامل ہیں۔ کیا ان کے ناموں کو بھی کبھی ہدف طعن بنایا گیا ہے؟ کیا ان پر بھی کبھی تبرا کیا گیا ہے؟ یا پھر ساری دشمنی و عداوت، بغض و عناد صرف اور صرف سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیا دشمنان معاویہ میں سے کوئی جرأت کرسکتا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا معاویہ بن حارث بن عبدالمطلب بن عبد مناف جن کی وفات پر ابو طالب نے مرثیہ کہا تھا:

فابکی معاویة لا معاوی مثله
نعم الفتیٰ فی العرف لا فی المنکر

یا حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے بھتیجے معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب اور معاویہ بن عباس بن علی بن ابی طالب یا امام باقر رحمہ اللہ کے پوتے معاویہ بن عبداللہ افطح بن محمد الباقر کا معنی لغت کا سہارا لیتے ہوئے لومڑی کا بچہ، کتیا اور بھونکنا وغیرہ کرسکتا ہے؟ کیا یہاں پہنچ کر لغت تبدیل ہو جاتی ہے؟ اور طعن و تشنیع کا ہدف بننے کے لیے مظلوم صرف محسن اسلام اور ہادی و مہدی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ہی رہ جائیں گے؟

اگر مذکورہ بالا معاویہ نام کے حاملین کے لیے لغوی معنی مراد نہیں لیا جاتا تو للہ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے اسم مبارک کو بھی معاف کر دو۔ مگر ہاں انھیں معاف کیا جا سکتا تھا:

اگر وہ...... اپنے دور مسعود امارت و خلافت راشدہ میں یہودیت و نصرانیت اور سبائیت و مجوسیت کو لوہے کے چنے نہ چبواتے......

اگر وہ...... اسلامی سلطنت کا رقبہ پینسٹھ لاکھ مربع میل تک نہ بڑھاتے......

اگر وہ...... منصب امارت و خلافت قبول نہ کرتے......

اگر وہ...... اسلام کا تحفظ نہ کرتے......

اگر وہ...... اسلام کی نشر و اشاعت نہ کرتے......

اگر وہ...... مغرب اقصیٰ سے لے کر چین تک اسلامی پرچم نہ لہراتے......

اگر وہ...... عبداللہ بن سبا کو لاتیں مار کر شام سے ملک بدر نہ کرتے......

اور اگر وہ...... سبائیت و خارجیت کا قلع قمع نہ کرتے...... تو......

انھیں بھی معاف کیا جا سکتا تھا......

لیکن صد آفرین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو، نہ تو وہ باطل سے دبے، نہ باطل کے سامنے جھکے، نہ انھوں نے باطل کے ساتھ مفاہمت و سمجھوتہ کیا۔ اور نہ کبھی وہ باطل اور سبائیت کی توقعات پر پورے اترے کیونکہ ان کے نام ''معاویہ'' کے لغوی معنی یہ بھی ہیں کہ ''کسی چیز کو موڑنا اور مروڑنا'' (تاریخ العروس) اسی معنی کو عصر حاضر کے بدترین دشمن معاویہ مولوی سید مہر حسین شاہ بخاری آف کامرہ اٹک (جو مدعی اہل سنت ہیں) نے بھی اپنی رسوائے زمانہ کتاب ''سیاست معاویہ'' کے صفحہ ۸ پر تسلیم کیا ہے۔ اس لیے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسلام اور اپنے نام کی لاج رکھتے ہوئے یہودیت، مجوسیت، نصرانیت، سبائیت اور خارجیت کو اپنے آہنی شکنجے میں کستے ہوئے مروڑ مروڑ کر ان کے بل کس نکال دیے جس کی ٹیسیں آج تک ان کی ذریت محسوس کر رہی ہے اور تا قیام قیامت کرتی رہے گی۔

اللہ تعالیٰ کی بے شمار، ان گنت اور لاتعداد رحمتیں اور برکتیں ہوں سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما پر۔ آمین یا الٰہ العالمین۔ [1]

---

[1] ''معاویہ'' نام پر مزید بحث اسی کتاب کے دوسرے حصے ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی حالات

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نہ صرف اپنے قبیلے ''بنوامیہ'' کے سردار تھے بلکہ جملہ قبائل قریش کے سپہ سالار اور علمبردار بھی تھے۔ اس لیے انھوں نے اپنے لخت جگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی۔ جس کی بنا پر انھوں نے شہسواری، تیراندازی، شمشیرزنی، خطابت اور نسب دانی میں کمال حاصل کر لیا تھا۔

علاوہ ازیں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فن کتابت میں بھی مہارت حاصل کر لی تھی علامہ بلاذری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جب اسلام آیا تو قریش میں سترہ آدمی لکھنا جانتے تھے:

① عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ② عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ
③ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ④ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ
⑤ طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ ⑥ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
⑦ ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ (حضرت معاویہؓ کے ماموں) ⑧ حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ
⑨ ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ ⑩ ابان بن سعید رضی اللہ عنہ
⑪ خالد بن سعید رضی اللہ عنہ ⑫ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ
⑬ حویطب بن عبدالعزیٰ رضی اللہ عنہ ⑭ ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ
⑮ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ⑯ جہیم بن الصلت رضی اللہ عنہ
⑰ ابن مخرمہ بن مطلب اور حلفائے قریش میں سے ⑱ علاء بن حضرمی (فتوح البلدان اردو ص ۶۶۵)

اس فہرست سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فن کتابت جاننے والوں میں سے صرف سات افراد کا تعلق خاندان معاویہ (بنوامیہ) سے ہے اور باقی دس حضرات کا تعلق قریش کے دیگر قبائل کے ساتھ۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں بچپن ہی سے اولوالعزمی اور سیادت و قیادت کے آثار نمایاں تھے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ابن سعد کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور وہ اس وقت لڑکے تھے تو کہنے لگے کہ میرا یہ بیٹا بڑے سر والا ہے اور اپنی قوم کی قیادت کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے کہا ''قومہ

فقط ثكلته ان لم يسد العرب قاطبة" صرف اپنی قوم کی؟ میں اسے گم کر دوں اگر یہ سارے عرب کی قیادت نہ کرے۔" (الاصابہ مع الاستیعاب جلد ۳ ص ۴۳۳)

جیسا کہ قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے کہ دعوت اسلام کے آغاز ہی میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں اسلام کی آواز پہنچ چکی تھی اور اس آواز پر آپ کی بہنیں سیدہ ام حبیبہ، سیدہ فارعہ، ماموں حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ دیگر قریبی رشتہ دار لبیک کہہ چکے تھے۔ اس لیے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان حالات کا بغور جائزہ لیتے رہے۔ جبکہ ان کے باقی افراد خاندان دیگر مشرکین کے ساتھ اسلام کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ مگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ عظیم خصوصیت ہے کہ انھوں نے بظاہر اسلام قبول نہ کرنے کے باوجود کبھی کسی موقع پر کسی جنگ میں مسلمانوں کے خلاف حصہ نہیں لیا۔

غزوۂ بدر کے بعد مشرکین مکہ کی قیادت سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پاس آ گئی تھی۔ احد کی جنگ خالص ایک انتقامی جذبے کے تحت لڑی گئی۔ باپ قائد تھے۔ حتیٰ کہ خواتین نے بھی اس جنگ میں شرکت کی مگر پھر بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باوجود بہادری اور شجاعت کے اس میں شامل نہیں ہوئے۔ جبکہ غزوۂ بدر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس، آپ کے داماد ابو العاص، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی عقیل بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) ابوجہل کی قیادت میں شرکت کرتے ہیں۔ لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام کسی معرکے میں نہیں ملتا۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ وہ ابتداء ہی سے اسلام کی طرف مائل ہو چکے تھے۔

شاہ معین الدین ندوی لکھتے ہیں کہ:

"تاہم اس قدر یقینی ہے کہ ابوسفیان کی اسلام سے دشمنی کے باوجود امیر معاویہ کو مسلمانوں سے کوئی خاص عناد نہ تھا۔ چنانچہ ان کے اسلام لانے سے پہلے بدر و احد وغیرہ بڑے بڑے معرکے ہوئے لیکن ان میں سے کسی میں مشرکین کے ساتھ امیر معاویہ کی شرکت کا پتہ نہیں چلتا۔" (سیر الصحابہ حصہ ششم ص ۴۵)

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((ومعاوية لم يعرف له قبل الاسلام اذى للنبى صلى الله عليه وسلم لا بيد ولا بلسان))

(منہاج السنۃ الجزء الثانی ج ۱ ص ۲۱۴)

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے ان کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دہی کا کوئی واقعہ ثابت نہیں ہے۔ نہ ہاتھ سے اور نہ زبان سے۔"

موصوف مزید لکھتے ہیں کہ:

((ولا يعرف عنه ولا عن اخيه يزيد بن ابى سفيان انهما اذيا النبى كما كان يوذيه بعض المشركين)) (ایضاً ص ۲۱۷)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما دونوں کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانا ثابت نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض مشرکین انھیں ایذا پہنچایا کرتے تھے۔''

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے حالات کے تحت گزر چکا ہے کہ ان کا گھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دار الامن تھا۔ پھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے کریم شخص سے کسی ضرر کے پہنچنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

میاں محمد سعید صاحب لکھتے ہیں کہ:

''(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاشرتی مقاطعہ کے دوران میں) مخالفین کی طرف سے تجارت، لین دین، رشتے ناتے اور میل ملاپ سب بند ہو چکا تھا۔ اس لیے محصورین کو سخت دشواریوں کا سامنا تھا۔ ایسے کٹھن وقت میں آپ کے سعادت مند داماد ابو العاص رضی اللہ عنہ نے صلہ رحمی اور قرابت داری کا حق ادا کر دیا۔ ابو العاص (رضی اللہ عنہ) اناج اور کھجوروں وغیرہ سے شتر بار کر کے شعب کی گلی میں دھکیل دیتے اور اس طرح سے تمام محصورین کو خوراک بہم پہنچتی۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ اس کار خیر میں معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بھی ابو العاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ معاونت کرتے تھے۔ یہ سلسلہ محصوری کی پوری مدت دو تین سال تک جاری رہا۔'' (حیات النبی ص ۵۲)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

دشمنان معاویہ کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ انھیں زیادہ سے زیادہ بدنام کیا جائے اور ان کے نام کے ساتھ کسی فضیلت کو جمع نہ ہونے دیا جائے۔ وہ انھیں اسلام دشمن ثابت نہ کر سکے۔ انھیں کسی معرکے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مدمقابل نہ دکھا سکے۔ تو یہ مشہور کر دیا گیا کہ وہ مجبور ہو کر فتح مکہ کے موقع پر اپنے والد ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ اسلام لائے۔ اور وہ مولفہ القلوب اور طلقاء میں سے تھے۔ چنانچہ جناب مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''طلقاء سے مراد مکہ کے وہ خاندان ہیں جو آخر وقت تک نبی اور دعوت اسلامی کے مخالف رہے۔ فتح مکہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں معافی دی اور وہ اسلام میں داخل ہوئے۔ حضرت معاویہ، ولید بن عقبہ، مروان بن الحکم ان ہی معافی یافتہ خاندانوں کے افراد تھے۔'' (خلافت وملوکیت ص ۱۰۹)

شاہ معین الدین ندوی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر معاویہ صلح حدیبیہ کے زمانے میں دولت اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے لیکن باپ کے خوف سے اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔ لیکن یہ روایت مسلمہ روایات کے خلاف ہے۔ اس لیے نا قابل اعتبار ہے۔'' (سیر الصحابہ حصہ ششم ص ۴۵)

علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ غزوۂ حنین میں شرکت کی۔ اور وہ مولفۃ القلوب میں سے تھے۔ پھر ان کا اسلام اچھا ہو گیا۔''

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما قرشی اموی صلح حدیبیہ کے سال اسلام لائے اور ان کے والد فتح مکہ میں مسلمان ہوئے۔'' (ازالۃ الخفاج ا ص ۴۷۲)

امام محمد بن سعد لکھتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے کہ وہ حدیبیہ کے سال اسلام لائے اور انھوں نے

اپنے والد سے اپنے اسلام کو چھپائے رکھا۔"

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی ابن سعد کے حوالے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنا قول نقل کیا ہے:

((لقد اسلمت قبل عمرة القضية......))

"کہ میں نے عمرۃ القضا سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔" (الاصابہ ج ۳ ص ۴۳۳)

ابن اثیر جزری لکھتے ہیں کہ:

((وكان معاوية يقول انه اسلم عام القضية وانه لقى رسول الله ﷺ مسلما وكتم اسلامه من ابيه وامه))

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ عمرۃ القضاء کے موقع پر اسلام لائے اور انھوں نے آنحضرت ﷺ سے بحیثیت مسلمان ملاقات کی اور اپنے اسلام کو اپنے والدین سے مخفی رکھا۔"

امام ابن کثیر رحمہ اللہ بروایت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ:

((اسلمت يوم القضية ولكن كتمت اسلامى من ابى ثم علم فقال لى هذا اخوك يزيد وهو خير منك على دين قومه...... قال معاويه ولقد دخل رسول الله ﷺ مكة فى عمرة القضاء وانى لمصدق به)) (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۱۷)

"میں نے عمرۃ القضاء کے دن اسلام قبول کیا لیکن اپنے والد سے اسلام کو چھپایا پھر انھیں (میرے اسلام قبول کرنے کا) علم ہو گیا تو مجھ سے کہا کہ یہ تمھارا بھائی یزید ہے اور وہ تجھ سے بہتر ہے جو اپنی قوم کے دین پر قائم ہے...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب آنحضرت ﷺ عمرۃ القضاء کے موقع پر مکہ میں داخل ہوئے تو میں ان کی تصدیق کرنے والا تھا۔"

شیخ احمد بن حجر ہیثمی مکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"واقدی کی روایت کے مطابق (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا) حدیبیہ کے بعد کا ہے۔ اور ان کے علاوہ دیگر حضرات کا خیال ہے کہ وہ حدیبیہ کے دن اسلام لائے اور اپنے اسلام کو فتح مکہ تک اپنے والدین سے پوشیدہ رکھا۔" (تطہیر الجنان ص ۷ تحت فی اسلام معاویہ)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اسلام کی حقانیت حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے قتل کے دن واشگاف ہوئی جب انھیں "رجیع" کے واقعہ (۴ھ) میں قید کر کے مکہ لایا گیا۔ "رجیع" اس وقت مکہ مکرمہ کی شمالی جانب ۶۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے اور "وطیہ" کے نام سے متعارف ہے۔ ابن ہشام روایت کرتے ہیں:

"پھر لوگ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو لے کر مقام تنعیم میں آئے تا کہ ان کو قتل کریں۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے کہا اگر تم چاہو تو مجھ کو اتنی مہلت دو کہ میں دو رکعتیں پڑھ لوں۔ مشرکین نے قبول کیا اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ

نے اچھی طرح سے دو رکعتیں ادا کیں۔ ادائیگی کے بعد آپ نے کہا اگر تم لوگ یہ خیال نہ کرتے کہ میں قتل میں دیر ہونے کے لیے لمبی نماز پڑھتا ہوں تو میں بہت دیر تک نماز پڑھتا۔ پس حضرت خبیب رضی اللہ عنہ ہی نے اہل اسلام کے واسطے قتل کے وقت دو رکعتوں کے پڑھنے کا طریقہ نکالا ہے۔

اس کے بعد مشرکین نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو ایک لکڑی سے باندھا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے اس وقت کہا اے اللہ! ہم نے تیرے رسول ﷺ کی رسالت کی تبلیغ کر دی، تو بھی اپنے رسول کو ہماری اس حالت کی خبر پہنچا دے اور اے اللہ! ان سب مشرکین کو قتل کر، ایک کو بھی ان میں سے باقی نہ چھوڑ۔ اس کے بعد قریش نے ان کو شہید کر دیا۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کہتے ہیں میں اس وقت موجود تھا جب حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے قریش کو یہ بددعا دی ہے اور میں اس کو سنتے ہی زمین پر لیٹ گیا (دوسری روایت کے مطابق مجھے (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو) میرے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ زمین پر لٹا رہے تھے) کیونکہ میں نے لوگوں سے سنا تھا کہ اگر کوئی کسی پر بددعا کرے اور وہ لیٹ جائے تو اس پر بددعا کا اثر نہیں ہوتا۔''

(سیرت ابن ہشام مترجم ص ۴۵۷ مقبول اکیڈمی چوک انار کلی لاہور)

اس واقعہ نے انھیں نبی اکرم ﷺ کے موقف کو سمجھنے میں بڑی مدد دی۔ پھر غزوہ احزاب میں اس وقت کے ''عالمی اتحاد'' کی شکست و پسپائی اور صلح حدیبیہ کے واقعات نے ان کے لیے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ آسان کر دیا۔ اس طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ چوبیس سال کی عمر میں مشرف باسلام ہو گئے۔ اسی سے ان کے قبولیت اسلام کے سال کا بھی تعین ہو جاتا ہے۔ ۶۰ھ میں ۷۸ سال کی عمر میں ان کی وفات ہوئی، ہجرت کے وقت ان کی عمر اٹھارہ برس تھی، چوبیس سال یعنی ۶ھ میں انھوں نے اسلام قبول کیا اور ۷ھ میں انھوں نے عمرۃ القضاء کے موقع پر نبی اکرم ﷺ کے بال مبارک تراش کر اس کا عملاً اظہار بھی کر دیا۔

ابن سعد کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اپنے الفاظ یہ تھے:

((لقد اسلمت قبل عمرة القضية ولكنى كنت اخاف ان اخرج الى المدينة لان امى كانت تقول ان خرجت قطعنا عنك القوت)) (الاصابہ ج ۳ ص ۴۳۳، مطبع بیروت)

اس روایت سے بھی یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرۃ القضاء (۷ھ) سے پہلے اسلام قبول کیا اور اس کا علم ان کی والدہ کو بھی تھا لیکن انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہجرت کرنے سے باز رکھا۔

جناب مفتی احمد یار خان صاحب بدایونی بریلوی لکھتے ہیں کہ:

''صحیح یہ ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خاص صلح حدیبیہ کے دن اسلام لائے۔ مگر مکہ والوں کے خوف سے اپنا اسلام چھپائے رکھا۔ پھر فتح مکہ کے دن اپنا اسلام ظاہر فرمایا۔ جن لوگوں نے کہا ہے کہ وہ فتح مکہ کے دن

ایمان لائے وہ ظہور ایمان کے لحاظ سے کہا جیسے حضرت عباس رضی اللہ عنہ درپردہ جنگ بدر کے دن ہی ایمان لا چکے تھے مگر احتیاطاً اپنا ایمان چھپائے رہے اور فتح مکہ میں ظاہر فرمایا تو لوگوں نے انھیں بھی فتح مکہ کے مومنوں میں شمار کر دیا حالانکہ آپ قدیم الاسلام تھے...... امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حدیبیہ میں ایمان لانے کی دلیل وہ حدیث ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ کے احرام سے فارغ ہوتے وقت سرشریف کے بال کاٹے مروہ پہاڑ کے پاس۔ نیز وہ حدیث بھی دلیل ہے جو بخاری شریف نے بروایت طاؤس عبداللہ بن عباس سے روایت فرمائی کہ حضور ﷺ کی یہ حجامت کرنے والے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور ظاہر یہ ہے کہ یہ حجامت عمرۃ القضاء میں واقع ہوئی۔ جو صلح حدیبیہ سے ایک سال بعد ہوا۔ کیونکہ حجۃ الوداع میں نبی ﷺ نے قران کیا تھا۔ اور قارن مروہ پر حجامت نہیں کرواتے بلکہ منٰی میں دسویں ذی الحجہ کو کراتے ہیں۔ نیز حضور ﷺ نے حجۃ الوداع میں بال نہ کٹوائے تھے بلکہ سر منڈایا تھا۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے حجامت کی تھی۔ تو لامحالہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضور ﷺ کے سرشریف کے بال تراشنا عمرۂ قضاء میں فتح مکہ سے پہلے ہوا۔ معلوم ہوا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے پہلے ایمان لا چکے تھے۔ اور عذر و مجبوری اور ناواقفیت کی حالت میں ایمان ظاہر نہ کرنا جرم نہیں کیونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے تقریباً چھ برس اپنا ایمان ظاہر نہ کیا...... لہٰذا اس ایمان کے مخفی رکھنے میں نہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض ہوسکتا ہے نہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ پر۔ ہماری اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نہ فتح مکہ کے مومنین میں سے ہیں نہ مولفۃ القلوب میں سے۔" (امیر معاویہ ص ۳۸، ۴۰)

ڈاکٹر احمد عبدالرحمٰن عیسیٰ استاذ جامعہ امام محمد بن سعود لکھتے ہیں کہ:

((ویقول انه اسلم عام عمرة القضاء ۷ھ وانه لقی رسول الله ﷺ بمكة مسلمًا ولكن كتم اسلامه عن امه وابيه وليس هذا ببعيد)) (کتاب الوحی ص ۳۰۶)

"اور وہ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ انھوں نے عمرۃ القضاء کے سال ۷ھ میں اسلام قبول کیا۔ اور انھوں نے مکہ میں آنحضرت ﷺ سے بحیثیت مسلمان ملاقات کی۔ لیکن اپنے اسلام کو اپنے والدین سے پوشیدہ رکھا اور یہ کوئی بعید بات نہیں ہے۔"

حضرت مولانا سعید الرحمٰن علوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"اس سلسلے میں فیصلہ کن بات "حماۃ الاسلام" کے فاضل مولف مصطفیٰ نجیب کی ہے۔ وہ رقمطراز ہیں:

"جہاں تک سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا تعلق ہے ان کا معاملہ ویسا ہی ہے جیسا کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا...... رسول کریم ﷺ کے چچا جو جنگ بدر کے قریب مسلمان ہو گئے۔ لیکن اپنے اسلام کا اظہار فتح مکہ سے کچھ پہلے کیا۔ (جیسا کہ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ سے ایک دن پہلے اسلام قبول کر لیا) چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی صلح حدیبیہ سے متصل حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ لیکن اظہار فتح مکہ کے موقع پر کیا۔"

(حماۃ الاسلام ج ۱ ص ۱۶۳، بحوالہ خلفائے راشدین حسن کردار و عمل ص ۵۴۲)

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ مفتی اعظم پاکستان رقمطراز ہیں کہ:

''صحیح بخاری میں ہے کہ اگلے سال عمرہ قضاء میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک قینچی سے تراشے تھے۔ یہ واقعہ عمرہ قضا ہی کا ہے کیونکہ حجۃ الوداع میں تو آپ نے حلق فرمایا ہے۔''

(تفسیر معارف القرآن جلد ہشتم ص ۹۰ سورۃ الفتح پ ۲۶ تحت آیت ۲۷ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ)

ان تمام تصریحات سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوگئی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ سے پہلے عمرۃ القضاء کے موقع پر اسلام قبول کرلیا تھا عام مورخین کے اقوال کے مقابلے میں صاحب معاملہ کے قول کو بہر حال ترجیح دی جائے گی۔

ہمارے مورخین اور سبائیت زدہ علماء کا اس پر بس نہیں چل رہا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی پوزیشن کو کس طرح گرایا جائے۔ کبھی تو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ فتح مکہ کے بعد ایمان لائے۔ کبھی ایمان کا قبل از فتح مکہ اقرار کرنے کے ساتھ ساتھ کتمان ایمان کا الزام عائد کر دیا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرۃ القضاء میں بمقام مروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بال تراشے تو اخفائے ایمان کہاں باقی رہا؟ گویا ان کا ایمان بھی سانپ کے منہ میں چھچھوندر کی مثل ہوگیا ہے۔ نہ اگلتے بنتی ہے اور نہ نگلتے بنتی ہے۔ اسی لیے سمجھدار حضرات نے یہ کہہ کر جان چھڑالی کہ "اسلم قبل الفتح" کہ وہ فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے۔

علاوہ ازیں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا مدینہ منورہ میں مستقل قیام بھی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ انھوں نے فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کرلیا تھا کیونکہ فتح مکہ کے بعد آپ نے اعلان فرمادیا تھا "لا ھجرۃ بعد الفتح" کہ فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں۔ (اگرچہ بعض شارحین حدیث نے اس سے یہ بھی مراد لی ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت واجب نہیں رہی) تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں کس حیثیت سے آباد ہوئے۔ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کو ہجرت کی اجازت نہیں دی تھی ظاہر ہے کہ شیعہ مورخین نے انھیں ہجرت سے محروم رکھنے اور مولفۃ القلوب میں داخل کرنے کے لیے مختلف کہانیاں وضع کیں۔

مزید برآں اہل علم پر واضح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین وانصار کے درمیان باہم بھائی چارہ قائم فرمایا تھا۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب سیرت رحمۃ للعالمین کی جلد سوم ص ۳۶۸ پر مواخات مدینہ کی ایک فہرست پیش کی ہے۔ اس فہرست میں چوبیسویں نمبر پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے کہ ان کے بھائی انصار میں سے حتات بن بشر رضی اللہ عنہ ہیں۔

جناب قاضی مظہر حسین صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو غیر مہاجر ثابت کرنے کے لیے اپنی تمام توانائیاں صرف کردیں کیونکہ ان کا مہاجر ہونا ثابت ہوگیا تو پھر وہ آیت استخلاف کا مصداق بن جائیں گے۔

(اس پر آگے ایک مفصل بحث آ رہی ہے) اگر وہ آیت استخلاف کا مصداق بن گئے تو پھر وہ موعودہ خلفائے راشدین کے زمرے میں شامل ہو جائیں گے۔ لہٰذا انھیں کسی قیمت ''مہاجر'' نہیں بننے دیا جائے گا۔ چنانچہ قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری کا جو حوالہ رحمۃ للعالمین جلد ثالث سے پیش کیا گیا ہے کہ انھوں نے حضرت معاویہ ؓ کو مہاجرین کی فہرست میں پیش کیا ہے اور سلسلہ مواخات میں ان کے بھائی ایک انصاری صحابی حضرت حتات ؓ تھے تو یہ بھی ان کے لیے مفید نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین مواخات قائم کیا تھا۔'' (حضرت معاویہ ؓ کے نادان حامی غالی گروہ ص۴۳)

حضرت قاضی صاحب کو کون سمجھائے؟ بحث یہ چل رہی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاویہ اور حضرت حتات بن بشر رضی اللہ عنہما کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا۔ ان میں سے ایک مکی ہیں اور دوسرے مدنی۔ بالفاظ دیگر ایک مہاجر اور دوسرے انصاری ہیں۔ اس کا جواب دیا گیا کہ یہ حوالہ مفید نہیں ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے تو مکہ میں بھی سلسلہ مواخات قائم کیا تھا۔ اس جواب کی دعویٰ کے ساتھ کیا مطابقت ہے؟

موصوف امام حلبی ؒ کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں کہ:

''اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت جعفر بن ابی طالب اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کے درمیان مواخات کی حالانکہ ابھی تک وہ حبشہ میں تھے۔ تو اگر حضرت معاویہ ؓ کے مدینہ منورہ آنے سے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ نے ان کو حضرت حتات ؓ کا بھائی تجویز کر دیا تو اس سے حضرت معاویہ ؓ کا بالفعل مہاجر ہونا تو ثابت نہیں ہوتا۔'' (ایضاً ص۴۳)

شکر ہے کہ قاضی صاحب نے اتنی بات تو تسلیم کر لی کہ یہ مواخات ہوئی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے ارشاد اور تجویز پر ''قاضی'' اور ''حَکَم'' کون ہو سکتا ہے؟

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ نے حضرت وائل بن حجر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان گفتگو نقل کی کہ حضرت معاویہ ؓ نے ان سے شکوہ کیا کہ حضرت علی ؓ کے ساتھ اختلاف کے دوران میں آپ نے ہماری مدد نہیں کی تو حضرت وائل بن حجر ؓ نے فرمایا کہ ''ایک وجہ میرے شریک نہ ہونے کی یہ بھی ہے کہ مہاجرین سے میں لڑنا نہیں چاہتا۔ حضرت معاویہ ؓ نے کہا کہ کیا ہم لوگ مہاجر نہیں ہیں؟ میں نے جواب دیا اسی وجہ سے تو ہم آپ سے اور ان سے دونوں سے الگ رہے.....'' (ازالۃ الخفاء ص۲۱۸ ج۱)

اس پر شاہ صاحب کا اپنا تبصرہ اور اس کا جواب آگے زیر عنوان ''حضرت معاویہ ؓ بحیثیت خلیفہ راشد'' آ رہا ہے لیکن شاہ صاحب ؒ کے اس حوالے سے اتنی بات تو مزید ثابت ہو گئی ہے کہ حضرت معاویہ ؓ اپنے آپ کو مہاجرین میں سے سمجھتے تھے۔ اسی لیے جب انھوں نے صحابی رسول حضرت وائل بن حجر ؓ

کے سامنے اپنے مہاجر ہونے کا دعویٰ کیا تو حضرت وائل رضی اللہ عنہ نے اسے درست اور صحیح تسلیم کرتے ہوئے اپنے غیر جانبدار ہونے کی وجہ قرار دیا۔

شیعہ مورخین نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مولفۃ قلوب میں سے ثابت کرنے کے لیے یہ کہانی وضع کی کہ غزوہ حنین کے مال غنیمت میں سے انھیں سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطا کی گئی۔ غزوۂ حنین میں مال غنیمت کا حصول یہ بھی طبری اور مسعودی جیسے شیعہ مورخین کی کارستانی ہے۔ ورنہ صحیح مسلم میں حنین کے واقعے میں یہ صراحتاً ذکر ہے کہ آپ نے جب حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو سو اونٹ عنایت فرمائے تو انھوں نے اپنے بیٹے حضرت یزید رضی اللہ عنہ کے لیے بھی درخواست کی۔ آپ نے انھیں بھی سو اونٹ دیے۔ لیکن اس روایت میں کہیں یہ مذکور نہیں کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بھی مال طلب کیا ہو اور نہ ہی کسی حدیث میں انھیں مال دینے کا ذکر ہے۔

غنائم حنین میں سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو مال عطا کی جانے والی روایت کو اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس کا جواب یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مال عطا فرمانا تالیف قلب کے طور پر نہیں بلکہ ویسے ہی تھا جیسے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو دیا گیا تھا اور وہ اسے اٹھا بھی نہ سکے تھے۔

مذکورہ روایت کی تردید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو صحیح مسلم اور اکثر کتب احادیث میں موجود ہے کہ جب فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو ان کے خاوند نے طلاق دی اور ان کی عدت گزر گئی تو ان کے پاس تین اشخاص کے پیغام نکاح آئے جن میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا "ان معاویة كان صعلوكا" معاویہ تو محتاج ہے۔ ایسی صورت میں وہ مال غنیمت کہاں چلا گیا تھا۔ اور پھر جس وقت انھوں نے اسلام قبول کیا تھا تو انھیں کیا محتاجی تھی؟ وہ ایک رئیس کے صاحبزادے تھے۔ ان کی کمائی کہاں رہ گئی تھی؟

اگر وہ فتح مکہ کے بعد آکر مدینہ آباد ہوئے تو اس وقت وہ اپنا مال و متاع ساتھ لے جا سکتے تھے۔ ایسی صورت میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو واقعتاً امیر ہونا چاہیے تھا۔

یہ تمام صورت حال اس بات کی وضاحت کر رہی ہے کہ آپ فتح مکہ سے قبل جب اسلام لائے تھے تو سب کچھ مکہ چھوڑ کر ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے۔ جیسے حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما اور حنین کے مال غنیمت سے انصار و مہاجرین کو کوئی مال عطا نہیں کیا گیا تھا لہٰذا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا فقیر ہونا لازمی تھا۔

اس تمام تفصیل سے اتنی بات تو بہرحال ثابت ہو گئی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں سے ہوتا ہے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ عہد رسالت میں

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا تو آنحضرت ﷺ نے انھیں مبارک باددی اور مرحبا فرمایا "اظهرت اسلامی فمرحب بی." (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۱۷)

آنحضرت ﷺ چونکہ ان کے سابقہ حالات زندگی اور ان کی صلاحیت و قابلیت سے آگاہ تھے اس لیے انھیں اپنے خاص قرب سے نوازا (ان کے بارے میں آنحضرت ﷺ کے ارشادات آگے ایک مستقل عنوان کے تحت آرہے ہیں)

فتح مکہ کے بعد تمام غزوات، حنین، طائف اور تبوک میں نبی کریم ﷺ کی قیادت اور معیت میں بھرپور حصہ لیا۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((معاوية ونحوه قد شهدوا مع النبی ﷺ عدة غزواة كغزاة حنين والطائف وتبوك فله من الايمان بالله ورسوله والجهاد فی سبيله ما لا مثاله......))

(منہاج السنۃ ج ۱ ص ۳۱۴، الجزء الثانی)

"سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان ہی کی طرح دیگر حضرات نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ متعدد جنگوں میں شرکت کی۔ مثلاً حنین، طائف اور تبوک میں۔ جو ثواب دوسرے حضرات کے لیے جہاد فی سبیل اللہ کرنے سے اور اللہ اور رسول پر ایمان رکھنے سے مرتب ہوتا ہے وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بھی ثابت ہے۔"

حنین اور طائف کے غزوات سے فارغ ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ مکہ مکرمہ تشریف لائے اور عمرہ ادا کیا۔ اس کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کی معیت میں مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔ یہاں پہنچ کر آنحضرت ﷺ نے انھیں کاتب وحی، باہر سے آئے ہوئے وفود کی خاطر مدارات اور ان کے قیام و طعام کے اہتمام پر مامور فرمایا۔ (تاریخ اسلام از اکبر شاہ خان نجیب آبادی ج ۲ ص ۲۶)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی معیت میں حج بھی ادا فرمایا جو حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔ پیر کرم شاہ صاحب ازہری لکھتے ہیں کہ:

"ظہر سے پہلے سرکار دو عالم ﷺ مکہ مکرمہ کی طرف اپنی ناقہ پر سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ حضور ﷺ نے اپنے پیچھے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو بٹھایا ہوا تھا، اور جا کر طواف افاضہ کیا۔ اسی کو طواف زیارت کہتے ہیں۔" (ضیاء النبیؐ جلد چہارم ص ۶۸۷، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بحیثیت کاتب وحی

قرآن مجید کی حفاظت کے لیے جو اسباب وجود میں آئے۔ ان میں سے کتابت وحی ایک اہم سبب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب بھی کوئی وحی نازل ہوئی تو آپ اسے فوری طور پر اپنے کاتبین سے لکھوا لیتے۔ اسی لیے آپ نے ''کتابت وحی'' کا باقاعدہ ایک شعبہ قائم کر رکھا تھا۔ جس میں صاحب ایمان، نہایت دیانت دار، امانت دار حضرات کی ہی تقرری ہو سکتی تھی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم استکتبه وهو لا يستكتب الا عدلا امينا" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کاتب وحی بنایا تھا۔ اور آپ اسی کو کاتب وحی بناتے تھے جو ذی عدالت اور امانت دار ہوتا ہے۔

(ازالۃ الخفا اردو ج ۱ ص ۵۷۳)

پیچھے گزر چکا ہے کہ قریش کے وہ سترہ افراد جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ ان میں بشمول سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے گھرانے کے سات افراد بھی تھے بعض مورخین کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش مکہ نے کتابت حرب بن امیہ سے سیکھی تھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بعض روایات سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ ان سے جب یہ دریافت کیا گیا تو انھوں نے یہی بتایا اور جب پوچھا گیا کہ حرب بن امیہ نے کس سے سیکھا؟ فرمایا عبداللہ بن جدعان سے، اور عبداللہ بن جدعان نے اہل انبار سے، اور اہل انبار نے اہل یمن سے، اور اہل یمن نے بعض واسطوں کے ذریعے سے خلجان بن الموہم سے جو حضرت ہود علیہ السلام کے قاتل تھے۔

(مناہل العرفان ج ۱ ص ۳۵۵)

گویا کہ فن کتابت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا گھریلو شعبہ تھا۔ آپ نے اس فن میں مزید مہارت حاصل کی۔ چنانچہ مولانا عبدالقدوس ہاشمی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''عربوں میں زمانہ یادگار سے جو طریقہ تحریر رائج تھا اور جس کی بہت سی صورتیں ابن مقلہ الوزیر کے زمانے تک پیدا ہو چکی تھیں۔ ان کو سامنے رکھ کر ابن مقلہ الوزیر نے چھ قسم کے خط پیدا کیے۔ لیکن یہ سب اسی قدیم عربی رسم الخط کو لکھنے کی شکلیں ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی ایک جدید طرز کتابت پیدا کر لیا تھا جسے خط دیوان کہا جاتا ہے۔'' (چند مکاتیب ص ۶۷)

قرآن کریم کے الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس پر نازل ہوتے رہے اور انھیں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے وقت میں لکھتے رہے۔ وہ قرآن حکیم جو ہمارے ایمان کی بنیاد ہے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق نقل کرنے کی سعادت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اسی طرح حاصل ہے جس طرح آپ سے پہلے کاتبین وحی کو حاصل تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتماد کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ آپؐ نے انھیں کتابت وحی کی نازک، حساس اور اہم ترین خدمت پر مامور فرمایا اور وہ ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتماد پر پورے اترے۔ اور ظاہر ہے کہ آپ کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس اعتماد و اطمینان کا اظہار ان کے ایمان، صلاحیت، قابلیت اور دیانت کی عظیم شہادت ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت وحی کے لیے ایک جماعت منتخب اور مخصوص کی جو خاص اہتمام کے ساتھ وحی کی کتابت کرتی تھی۔ جسٹس محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں کہ کاتبین وحی کی تعداد چالیس تک شمار کی گئی ہے لیکن ان میں سے زیادہ مشہور یہ حضرات ہیں:

''حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی...... اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم''

(علوم القرآن ص۱۷۹)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ گو دیر سے اسلام لائے۔ تاہم وہ اپنی شبانہ روز محنت اور انتھک لگن سے ان سعادت مند حضرات میں بھی شامل ہو گئے جنھیں قرآن مجید از بر یاد تھا۔ جسٹس محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حفاظ قرآن کی اس جماعت میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی...... اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم...... جیسے حضرات شامل تھے۔''

(علوم القرآن ص۱۷۶ بحوالہ النشر فی القراءات العشر)

علامہ محمد خضری لکھتے ہیں کہ:

''ان کاتبین وحی میں جو لوگ زیادہ مشہور ہیں ان کے نام حسب ذیل ہیں...... زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، یہ دونوں بزرگ ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وحی وغیرہ کی کتابت کیا کرتے تھے۔ ان کے سوا ان کا کوئی کام نہ تھا۔'' (تاریخ التشریع الاسلامی اردو ص۱۰)

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے بھی یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین میں سب سے زیادہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر رہے اور اس کے بعد دوسرا درجہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تھا۔ یہ دونوں حضرات دن رات آپ کے ساتھ لگے رہتے اور اس کے سوا کوئی کام نہ کرتے تھے۔

(جوامع السیرۃ ص۲۷)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی کتاب میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعارف ہی ان الفاظ سے کراتے ہیں:

((وھو معاویة بن ابی سفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی الاموی ابوعبدالرحمن خال المومنین وکاتب وحی رسول رب العٰلمین...... وصحب معاویة رسول الله ﷺ وکتب الوحی بین یدیه مع الکُتّاب...... عن ابن عباس قال کنت العب مع الغلمان...... ثم قال اذهب فادع لی معاویة وکان یکتب الوحی)) (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۱۷، ۱۱۹)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مومنوں کے ماموں اور اللہ تعالیٰ کی وحی کے کاتب ہیں...... اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت نصیب ہوئی اور دیگر کتّاب (کاتبین) وحی کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے سامنے کتابت وحی کرتے رہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا...... آنحضرت ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ جاؤ معاویہ کو میرے پاس لاؤ۔ اور وہ وحی لکھا کرتے تھے۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما مزید لکھتے ہیں کہ:

((اتی جبریل الی رسول الله ﷺ فقال یا محمد اقری معاویة السلام واستوص به خیرا فانه امین الله علی کتابه ووحیه ونعم الامین......))

((ان رسول الله ﷺ استشار جبریل فی استکتابة معاویة فقال استکتبه فانه امین))

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۲۰)

''جبریل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اے محمد! معاویہ کو سلام کہیے اور انھیں بھلائی کی تلقین کریں۔ کیونکہ وہ اللہ کی کتاب اور اس کی وحی کے امین ہیں اور اچھے امین ہیں۔

ایک دوسری روایت (بحذف اسناد) میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو کاتب وحی بنانے کے لیے جبریل علیہ السلام سے مشورہ کیا تو انھوں نے کہا کہ آپ انھیں کاتب بنالیں کیونکہ وہ امین ہیں۔''

محدث ابن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((وقال المدائنی کان زید بن ثابت یکتب الوحی وکان معاویة یکتب للنبی ﷺ فیما بینه وبین العرب ای من وحی وغیره فھو امین رسول الله ﷺ علی وحی ربه...... معاویة صاحبه وصهره وکاتبه وامینه علی وحی الله)) (تطہیر الجنان ص ۱۰)

''مدائنی نے کہا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ صرف وحی لکھا کرتے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وحی کے ساتھ ساتھ آنحضرت ﷺ اور اہل عرب کے درمیان خطوط بھی لکھا کرتے تھے کیونکہ وہ اللہ کے رسول اور ان کے رب کی وحی کے امین ہیں...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کے صحابی، آپ کے سالے، آپ کے کاتب اور اللہ کی وحی کے امین ہیں۔''

مصری فاضل ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن لکھتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ...... ایمان واخلاص میں بڑھے ہوئے تھے۔ دعوت محمدیہ سے وابستگی اور اس کی طرف سے مدافعت میں بہتوں سے آگے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان پر بڑا اعتماد تھا۔ آپ نے انھیں بلا کر کتابت وحی کی خدمت سپرد فرمائی جسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اتنے خلوص سے سرانجام دیتے رہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی اے اللہ! انھیں کتاب اور حساب سکھا اور انھیں عذاب سے محفوظ فرما۔''

(اعلام الاسلام ص۳۶۵)

موصوف اپنی ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

''صدر اسلام میں حضرت عمر، حضرت علی، حضرت زید بن ثابت اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم ممتاز کاتب گزرے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ بزرگ قرآن اور ان خطوط کی کتابت پر مامور تھے جو آپ ملوک اور امراء کے نام لکھواتے تھے۔'' (النظم الاسلامیہ، مسلمانوں کا نظم مملکت ص۱۶۲)

علامہ عبدالعزیز صاحب فرہاروی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((انہ معاویۃ کاتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وذکر الامام مفتی الحرمین احمد بن عبداللہ بن محمد الطبری فی خلاصۃ السیران کُتّابہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثۃ عشر الخلفاء الاربعۃ...... ومعاویۃ بن ابی سفیان...... وکان معاویۃ و زید الزمہم لذلک واخصہم بہ وما قیل ان کتابۃ الوحی غیر ثابت فمردود بقول الامام احمد بن محمد القسطلانی فی شرح صحیح البخاری ولفظہ معاویۃ بن ابی سفیان صخر ولد حرب کاتب الوحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم))

(الناہیہ عن طعن امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ ص۱۶)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب (وحی) تھے...... امام مفتی حرمین احمد بن عبداللہ بن محمد طبری نے خلاصۃ السیر میں ذکر کیا ہے کہ آپ کے تیرہ کاتب تھے۔ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم...... اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما...... ان میں سے حضرت معاویہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کو اس بارے میں زیادہ خصوصیت تھی اور یہ دونوں اس کے زیادہ پابند تھے۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ ان کا کاتب وحی ہونا ثابت نہیں تو یہ امام احمد بن محمد قسطلانی کے اس قول سے جو انھوں نے اپنی کتاب شرح صحیح بخاری میں بیان کیا ہے مردود ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں: معاویہ بن ابی سفیان صخر بن حرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی۔''

شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

ان ہی کاتبانِ بارگاہِ رسالت میں سے ایک حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ہیں۔

(مدارج النبوۃ ج۲ ص۹۳۰)

حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی لکھتے ہیں کہ

''اسامی نویسندگان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم''

اس عنوان کے تحت پیر صاحب نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں میں لکھا ہے۔ (تحقیق الحق ص ۲۲۲ بحوالہ فضائل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مولفہ قاضی غلام محمود صاحب ص ۹۰)

علامہ سید محمود احمد رضوی اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''ایمان لانے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خدمت نبوی سے جدا نہ ہوئے ہمہ وقت پاس رہتے اور وحی الٰہی کی کتابت کرتے۔ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے دل میں جو احترام تھا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد بھی جاری رہا۔'' (شان صحابہؓ ص ۲۲)

ڈاکٹر احمد عبدالرحمٰن عیسیٰ نے کتاب الوحی کے نام سے ایک کتاب تالیف کی ہے جو دار اللواء، ریاض سعودی عرب سے شائع ہوئی۔ اس میں مولف نے کاتبین وحی کے دو گروہ ذکر کیے ہیں۔ ''الفریق الاول'' کے تحت لکھتے ہیں کہ:

وهم كُتّاب التنزيل وغيره وهم ستة:

① عثمان بن عفان۔ كتب فی التنزيل الحكيم

② علی بن ابی طالب كتب اكثر التنزيل و كتب فی عهود النبی صلی اللہ علیہ وسلم وصلحه

③ ابی بن كعب۔ كتب فی التنزيل الحكيم

④ زيد بن ثابت۔ كتب فی التنزيل الحكيم

⑤ معاويه بن ابی سفيان۔ كتب فی التنزيل الحكيم، وفيما بين النبی صلی اللہ علیہ وسلم و بين العرب

⑥ عبدالله بن سعد بن ابی سرح (کتاب الوحی ص ٦٦)

موصوف مزید لکھتے ہیں کہ:

((وكان هو (معاويه) و زيد بن ثابت ملازمين الكتابة بين يدی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فی الوحی وغيره لا عمل لهما غير ذلك))

''حضرت معاویہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہمیشہ پابندی کے ساتھ وحی وغیرہ کی کتابت کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کا کوئی کام نہ تھا۔''

بعض ستم ظریف اور متعصب حضرات ایک قول کا سہارا لے کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی نہ تھے۔ بلکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاتیب و فرامین لکھا کرتے تھے۔ اول تو اس قول کی مذکورہ بالا

اقوال کی روشنی میں کوئی حیثیت ہی نہیں۔ اور اگر علی سبیل التنزل یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ صرف آپ کے خطوط لکھا کرتے تھے تو کیا یہ معمولی اعزاز ہے؟ کیا آپ کے اقوال وارشادات وحی خفی نہیں ہیں؟ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں آپ کے مقدس خطوط کی کتابت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مستقل فضیلت و بزرگی اور سعادت و عظمت ہے۔

صاحب مشکوٰۃ نے اکمال فی اسماء الرجال میں لکھا ہے کہ:

((وهو احد الذين كتبوا لرسول الله ﷺ الوحی وقيل لم يكتب له من الوحی شيئا انما كتب له كتبة)) (مشکوٰۃ ص۶۱۷)

''اور وہ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) ان لوگوں میں سے ایک ہیں جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی کی کتابت کے فرائض انجام دیے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انھوں نے وحی سے کچھ بھی نہیں لکھا اور وہ صرف آپ کے خطوط لکھا کرتے تھے۔''

اس عبارت میں صاحب مشکوٰۃ نے اپنی تحقیق تو یہ پیش کی ہے کہ وہ کاتبین وحی میں سے تھے۔ اور اس کے مخالف قول کو انھوں نے ''قیل'' سے شروع کیا ہے۔ معلوم نہیں کہ اس ''قیل'' کے قائل سبائی ہیں یا سبائیت زدہ۔ البتہ اتنی بات تو مخالفین بھی تسلیم کر چکے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے۔ اور اہل سنت والجماعت کے معتقدات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال، اقوال وارشادات بھی وحی (خفی) ہیں۔

ان تصریحات سے واضح طور پر یہ ثابت ہوگیا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی ہیں۔ جب ان کے لیے یہ شرف حاصل ہوگیا تو ان کا مومن اور امین ہونا بھی خود بخود ثابت ہوگیا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بعید ہے کہ وہ یہ اہم ترین اور خالص دینی ذمہ داری کسی غیر مومن اور بددیانت شخص کو سپرد کرتے۔ کتابت وحی وہ شرف اور فضیلت ہے جس کے متعلق ارشاد باری ہے:

﴿فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ۝ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ۝﴾ (عبس: ۱۳۔۱۷)

''(قرآن مجید) ایسے صحیفوں میں (ثبت) ہے جو معزز ہیں، جو بلند مرتبہ پاکیزہ ہیں، ایسے کاتبوں کے ہاتھوں سے لکھے ہیں جو بڑے بزرگ اور نیکوکار ہیں۔ غارت ہو (منکر) انسان وہ کتنا احسان فراموش ہے۔''

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''ف۴: قرآن تو وہ ہے جس کی آیتیں آسمان کے اوپر نہایت معزز بلند مرتبہ اور صاف ستھرے ورقوں میں لکھی ہوئی ہیں۔ اور زمین پر مخلص ایمان دار بھی اس کے اوراق نہایت عزت واحترام اور تقدیس وتطہیر کے ساتھ اونچی جگہ رکھتے ہیں۔

ف۵: یعنی وہاں فرشتے اس کو لکھتے ہیں، اسی کے موافق وحی اترتی ہے اور یہاں بھی اوراق میں لکھنے اور جمع کرنے والے دنیا کے بزرگ ترین، پاکباز، نیکوکار اور فرشتہ خصلت بندے ہیں۔ جنھوں نے ہر قسم کی کمی بیشی اور تحریف وتبدل سے اس کو پاک رکھا ہے۔

ف۶: یعنی قرآن جیسی نعمت عظمیٰ (اور کاتبین وحی) کی کچھ قدر نہ کی اور اللہ کا حق کچھ نہ پہچانا۔''

(تفسیر عثمانی ص۷۸۸)

اہل تشیع نے بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا کاتب وحی ہونا تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ شیعہ مجتہد شیخ ابومنصور احمد بن علی طبرسی لکھتے ہیں:

((وروی ابوعبیدہ قال کتب معاویة الی امیر المومنین علیہ السلام ان لی فضائل کثیرة۔ کان ابی سیدًا وفی الجاهلية وصرت ملكا فی الاسلام وانا صهر رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وخال المومنين و كاتب الوحی))

''ابوعبیدہ نے روایت کیا کہ معاویہ نے امیر المومنین علیہ السلام کو خط لکھا کہ میرے لیے بہت سے فضائل ثابت ہیں۔ میرے والد زمانہ جاہلیت میں سردار تھے، اور میں زمانہ اسلام میں بادشاہ ہوں۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا برادر نسبتی، مومنوں کا ماموں اور کاتب وحی ہوں۔'' (احتجاج طبرسی ص۹۲)

ابوجعفر محمد بن علی شیخ صدوق نے تو اپنی کتاب معانی الاخبار میں ایک پورا باب اس عنوان سے قائم کیا ہے:

((استعانة النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمعاوية فی كتابة الوحی قال ابوحمزة الثمالی سمعت ابا جعفر علیہ السلام يقول قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم و معاوية يكتب بين يديه)) (معانی الآثار ص۳۴۶)

''ابوحمزہ ثمالی نے کہا کہ میں نے امام ابوجعفر کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اور معاویہ ان کے سامنے کتابت کررہے تھے......''

شیعہ محدث نعمت اللہ الجزائری لکھتے ہیں کہ:

''اسی طرح معاویہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے چھ ماہ قبل اسی مصلحت کی بنا پر اپنے کاتبین میں سے مقرر فرمایا اور اسی طرح حضرت عثمان اور ان کے مثل حضرات کو۔ یہ حضرات مسجد میں لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ حاضر ہوکر وہی قرآن لکھا کرتے تھے جو جبریل علیہ السلام لے کر آئے۔''

شیخ عبداللہ مامقانی لکھتے ہیں کہ:

((فهو معاوية بن ابی سفيان...... القرشی الاموی كاتب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم))

(تنقیح المقال فی علم الرجال ص۲۲۲)

''حضرت معاویہ بن ابی سفیان......قرشی اموی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب ہیں۔''

ابوحامد عبدالحمید شارح نہج البلاغہ لکھتے ہیں کہ

((کان معاویة احد کُتّاب رسول اللہ ﷺ)) (ابن ابی الحدید ج ا ص ۲۳۸)

''(حضرت) معاویہ آنحضرت ﷺ کے کاتبین میں سے ایک تھے۔''

شیعی مورخ فخری لکھتے ہیں کہ

''معاویہ ان کاتبین وحی میں سے تھے جو آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھ کر لکھا کرتے تھے۔''

شیعہ مجتہدین کے ان اقوال سے حسب ذیل چند امور کی وضاحت ہو گئی ہے کہ:

① آنحضرت ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو کاتب وحی مقرر فرمایا تھا۔

② سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے سامنے مسجد میں وحی کی کتابت کرتے رہے۔

③ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی امانت و دیانت میں کوئی شبہ نہیں۔ وہ وہی قرآن لکھتے رہے جو جبریل امین علیہ السلام لے کر آئے۔

بہر حال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کاتب وحی ہونا مفسرین، محدثین، مورخین، اہل سنت اور اہل تشیع کے نزدیک ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ تو اب سوال یہ ہے کہ کیا ایک بددیانت، فاسق، باغی، طاغی، منافق، مشرک، کافر اور غیر مومن کو ایسے اہم ترین، نازک ترین اور انتہائی حساس منصب پر فائز کیا جا سکتا ہے۔

اہل تشیع کے نزدیک مشرکین نجس العین ہیں۔ جیسے کتا اور خنزیر وغیرہ۔ اور قرآن مجید میں بھی مشرکین کو نجس قرار دیا گیا ہے:

﴿ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ﴾

''مشرکین نجس ہیں اس لیے وہ اس سال کے بعد مسجد الحرام کے قریب بھی نہ آئیں۔''

اسی طرح یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ قرآن کو صرف پاک افراد ہی ہاتھ لگائیں۔ ظاہر ہے کہ ظاہری نجاست وضو، غسل اور دھونے سے زائل ہو جاتی ہے۔ جبکہ باطنی نجاست کفر اور شرک، پانی سے دور نہیں ہو سکتی۔ جب اللہ تعالیٰ نے مشرک اور کافر کو مسجد حرام کے قریب آنے سے منع فرمایا اور بدوں طہارت ظاہری و باطنی قرآن کو چھونے سے بھی منع فرمایا تو کیا آنحضرت ﷺ کسی ایسے شخص سے جو ظالم، باغی، فاسق، فاجر، منافق، مشرک، کافر، غرض ظاہری ہی نہیں بلکہ باطنی نجاست سے بھی آلودہ ہو۔ باری تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرتے ہوئے قرآن مجید لکھوا سکتے ہیں؟

غیر مومن، بددیانت، اور خائن ہرگز کاتب الوحی نہیں ہو سکتا۔ آنحضرت ﷺ کا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس منصب جلیلہ پر فائز کرنا ہی ان کے کامل الایمان، اعلیٰ درجے کے امین، انتہائی قابل اعتماد صحابی و رفیق اور سب سے بڑھ کر اللہ کا انتخاب ہونے کا واضح ثبوت ہے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بحیثیت کاتب رسول

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین میں کچھ سعادت مند حضرات صرف وحی کی کتابت پر مامور تھے اور کچھ آپ کے خطوط و فرامین کی کتابت پر، مگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ وہ خوش نصیب شخصیت ہیں جو وحی اور خطوط دونوں کی کتابت کیا کرتے تھے۔

علامہ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((وکان معاویة یکتب للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما بینه وبین العرب ای من وحی وغیره)) (تطہیر الجنان ص۱۰)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل عرب کے درمیان وحی کے علاوہ خطوط بھی لکھا کرتے تھے۔''

علامہ ابن عبدالبر اندلسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((وهو احد الذین کتبوا لرسول الله صلی اللہ علیہ وسلم))

''اور وہ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) ان لوگوں میں سے ایک ہیں جنھوں نے آپ کے لیے کتابت کے فرائض انجام دیے۔'' (الاستیعاب مع الاصابہ ج۳ ص۳۹۵)

شیخ الاسلام علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ بروایت ابونعیم لکھتے ہیں کہ:

((کان من الکتبة الحسبة الفصحاء حلیمًا وقورًا وعن خالد بن معدان کان طویلا ابیض اجلح وصحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم و کتب له...... و فی مسند احمد واصله فی المسلم عن ابن عباس قال قال لی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ادع لی معاویة و کان کاتبه)) (الاصابہ ج۳ ص۴۳۳،۴۳۴)

''وہ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) آپ کے کاتبین میں سے نہایت خوش خط، بڑے فصیح و بلیغ، بردبار اور باوقار آدمی تھے.....اور خالد بن معدان سے روایت ہے کہ وہ طویل القامت، سفید رنگ، خوبصورت شخص، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور کاتب تھے۔ اور مسند احمد ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے، فرمایا کہ معاویہ کو میرے پاس بلا کر لاؤ اور وہ آپ کے کاتب تھے۔''

ڈاکٹر احمد بن عبدالرحمٰن عیسیٰ (استاذ جامعہ امام محمد بن سعود) نے اپنی کتاب ''کتاب الوحی'' میں حسب ذیل گیارہ خطوط کا ذکر کیا ہے جوانھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مختلف حضرات کو لکھے تھے۔ [1] (ملاحظہ ہو ص ۳۰۵، ۳۲۴)

① لبنی قره من بنی فهد ② نسختان لمكتوب النبی الی نجران
③ لوائل بن حجر الحضرمی ④ بربيعة بن ذی مرحب الحضرمی
⑤ لاهل جرش ⑥ صك عتقه صلى الله عليه وسلم مولاه ابا رافع اسلم
⑦ لبنی عبدالله النبهانيين ⑧ لعتبة بن فرقد
⑨ لبلال بن حارث ايضًا ⑩ لبلال بن الحارث ايضًا
⑪ للداريين بعد الهجرة

وقيل ان معاوية كتب كتابا لعيينة بن حصن وآخر للاقرع بن حابس ولكن لم يصلنا النص (کتاب الوحی ص ۳۹۵)

قبول اسلام کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ سفر و حضر میں ساتھ رہے۔ غزوۂ حنین، طائف، تبوک اور حجۃ الوداع کے سفر میں شریک رہے۔ بحیثیت کاتب وحی اور کاتب نبوی کام کرتے رہے۔ وفود اور مہمانوں کی خاطر مدارات اور طعام و قیام کا اہتمام کرتے رہے۔ غرض کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کی تعمیل کرتے رہے۔

حضرت وائل رضی اللہ عنہ جو حضرموت کے آخری تاجدار گزرے ہیں جب قبول اسلام کے بعد اپنے وطن واپس جانے لگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سرداران حضرموت پر ان کی سرداری کو بحال رکھا۔ حضرت وائل رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری بہت سی املاک میرے عزیزوں نے غاصبانہ قبضہ میں کر رکھی ہیں اور سرداران حضرموت اور سرداران حمیر اس کے شاہد ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو اس سے بھی زیادہ دوں گا۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ایک دوسرا خط لکھیں جس میں انھیں ایک قطعہ اراضی دینے کا حکم دیا گیا اور اس پر عمل درآمد کے لیے ان کے ساتھ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت وائل رضی اللہ عنہ اونٹنی پر سوار تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پیادہ پا چل رہے تھے۔ چلتے چلتے شدت حرارت سے جب زیادہ تکلیف ہونے لگی تو حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ مجھ کو اپنے پیچھے بٹھا لیجیے۔ حضرت وائل رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ تم شاہوں کے برابر بیٹھنے کے لائق نہیں ہو۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے

[1] طوالت کے خوف سے خطوط کا متن حذف کیا جاتا ہے۔

فرمایا کہ اچھا اپنی جوتیاں ہی مرحمت فرما دیجیے کہ زمین کی شدت حرارت سے تو محفوظ ہو جاؤں۔ حضرت وائل رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اونٹنی کے سائے میں چلتے رہو۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یہ فرما کر خاموش ہو گئے کہ اونٹنی کا سایہ اس حرارت کے لیے کافی نہیں ہے۔

حسن اتفاق کہ اسلام کے کچھ زمانہ بعد ہی حضرت وائل رضی اللہ عنہ حضرموت کو چھوڑ کر کوفہ میں آباد ہو گئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ حکومت تک زندہ رہے۔

ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں پہنچے تو وہ بہت احترام واکرام کے ساتھ پیش آئے اور حضرت وائل رضی اللہ عنہ کو اپنے برابر تخت پر بٹھایا۔ دوران گفتگو میں اس واقعہ کا بھی تذکرہ آ گیا جو ان کے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان حضرموت کی راہ میں پیش آیا تھا۔ حضرت وائل رضی اللہ عنہ اس واقعہ کو یاد کر کے بہت افسوس کرنے لگے کہ اس روز کیوں میں نے ان کو اپنے برابر اونٹ پر نہ بٹھا لیا تھا''۔

(البلاغ المبین یعنی مکاتیب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ص ۲۱۲)

اسی واقعہ کو شیخ الاسلام علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی مختصراً لکھا ہے:

((واقطعه ارضا وبعث معه معاوية فقال له اردفنى فقال لست من الارداف الملوك فلما استخلف معاوية قعده فتلقاه واكرمه قال وائل فرددت لو كنت حملته بين يدى))

(الاصابہ ج ۳ ص ۶۲۹، تحت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا تپتی ہوئی ریت پر ننگے پاؤں طویل سفر کرنا یقیناً ان کی عظمت، محبت اور اطاعت رسول کی واضح دلیل ہے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ عہد صدیقی میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے تو امت مسلمہ انتہائی نازک حالات اور سخت ابتلا و آزمائش کے دور سے گزر رہی تھی۔ ایک طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کا صدمہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ناقابل برداشت تھا تو دوسری طرف مدعیان نبوت کے ساتھ ساتھ مانعین زکوۃ بھی کھل کر میدان میں آ گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایسے کٹھن امتحان میں عزیمت و استقامت کا پہاڑ بن گئے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی دور صدیقی میں نمایاں کارنامے انجام دیے جنگ یمامہ میں منکرین ختم نبوت اور مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کے خلاف جہاد میں بھرپور حصہ لیا اور ایک روایت کے مطابق مسیلمہ کذاب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ چنانچہ علامہ بلاذری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''مسیلمہ کذاب کا قتل مختلف آدمیوں کی طرف منسوب ہے۔ خداش بن بشیر، عبداللہ بن زید بن ثعلبہ، ابودجانہ سماک بن خرشہ، عبداللہ بن زید بن عاصم، وحشی بن حرب (رضی اللہ عنہم)۔ بعض کہتے ہیں کہ اس قتل میں سب شریک تھے۔ اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کا دعویٰ تھا کہ مسیلمہ کو میں نے قتل کیا ہے۔ اور بنی امیہ مسیلمہ کا قاتل معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کو سمجھتے تھے۔ عبدالملک بن مروان نے بنی حنفیہ میں سے ایک شخص سے جو یمامہ کے دن شریک تھا قتل مسیلمہ کے بارے میں دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ مسیلمہ کو اس شخص نے قتل کیا جس میں یہ یہ صفتیں تھیں۔ عبدالملک یہ سن کر پکار اٹھا واللہ تو نے اس قتل کے متعلق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ کر دیا۔'' (فتوح البلدان اردو ص ۱۴۰)

شام کی فوج کشی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تمام مجاہدین کو چار لشکروں میں تقسیم کیا اور ان کی قیادت چار جلیل القدر صحابی کے سپرد فرمائی۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

① حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ انھیں حکم ہوا کہ تبوک کے راستے دمشق کا رخ کرنا۔
② حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ
③ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ
④ امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ

ساتھ ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہدایت کی کہ اگر یہ چاروں لشکر میدان کارزار میں یکجا ہو جائیں تو سب کے سپہ سالار اعظم حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ہوں گے۔ اگر وہ نہ ہوں تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی حضرت یزید رضی اللہ عنہ سپہ سالار اعظم ہوں گے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان خوش قسمت اصحاب رسول میں سے ہیں جن کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس اہم ترین محاذ کے لیے اس وقت منتخب فرمایا جب حضرت یزید رضی اللہ عنہ کی طرف مزید کمک بھیجنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((واجتمع الی ابی بکر اناس فامرّ علیهم معاویة وامره بالالحاق بیزید فخرج معاویة حتی الحق بیزید))) (البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۴)

''اور لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہوئے تو آپ نے اس جماعت پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کر کے لشکر یزید سے ملنے کا حکم دیا۔ پس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ روانہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ حضرت یزید رضی اللہ عنہ سے جا ملے۔''

علام الغیوب کے علاوہ کون جان سکتا تھا کہ جو معاویہ آج کمک لے کر جا رہا ہے یہ ناقابل شکست اور ناقابل تسخیر ثابت ہوگا۔ مجاہد اعظم اور فاتح عالم کہلائے گا۔ یہ نہ صرف شام کو فتح کرے گا بلکہ اس کو دار الخلافہ بنا کر پینسٹھ لاکھ مربع میل تک اسلام کا پھریرا لہرائے گا۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ آج جو معاویہ شام کی طرف روانہ ہوئے تو پھر وہ بڑھتے ہی چلے گئے۔ یہاں تک کہ بیس برس تک بحیثیت گورنر اور تقریباً اتنے ہی سال تک امور خلافت سرانجام دینے کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسی سرزمین میں آسودہ خاک ہو گئے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ عہد فاروقی میں

عہد فاروقی کی فتوحات میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بہت بڑا حصہ ہے شام پر فوج کشی کا آغاز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا اور جنگ یرموک کے دوران ہی میں وہ رحلت فرما گئے۔ دور فاروقی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس جنگ میں بڑی بہادری اور دلیری سے لڑتے رہے۔ اس جنگ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں حضرت ابوسفیان، سیدہ ہند، حضرت یزید، سیدہ جویریہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہم غرض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا سارا خاندان ہی شریک تھا۔ اسی جنگ میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی دوسری آنکھ بھی شہید ہو گئی۔ صیداء، عرقہ اور بیروت وغیرہ شام کے ساحلی علاقوں کی مہم میں یزید رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں مقدمۃ الجیش کی کمان حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی۔ عرقہ تمام تر آپ ہی کی کوششوں سے فتح ہوا اور اس کے علاوہ ساحلی علاقوں کے بہت سے قلعے فتح کیے۔ اردن کے مختلف شہروں کی فتح کے لیے جو دستے روانہ ہوئے ان میں سے فوج کا ایک دستہ آپ کی قیادت میں بھی تھا۔ پورا شام فتح ہو چکا تھا۔ صرف قیساریہ کا نہایت آباد اور پررونق شہر باقی رہ گیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ قیساریہ کی مہم پر روانہ ہو جائیں۔ انھوں نے حکم کی تعمیل کی اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اسی دوران میں سیدنا یزید رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنا کر دمشق واپس آ گئے اور یہیں وفات پائی۔ ان کی وفات کے بعد قیساریہ کی عظیم الشان مہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی گئی۔ آپ نے اسے زبردست جدوجہد کے بعد فتح کیا اور فتح شام پر مہر ثبت کر دی۔ قیساریہ کی اس سخت مہم میں اسّی ہزار رومی مارے گئے۔

مولانا عبدالقیوم ندوی لکھتے ہیں کہ

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بہت سے مضبوط قلعے اور کفر کی پناہ گاہوں کو اسلام کے قدموں میں لا ڈالا۔ قیساریہ کا عظیم الشان معرکہ جس میں اسّی ہزار رومی مارے گئے تھے، آپ ہی کی شجاعت، تدبر اور عظیم الشان جنگی وملکی قابلیتوں کا رہین منت ہے۔'' (تاریخ ملت حصہ سوم ص ۲۶)

شیعہ مورخ مرزا محمد تقی سپہر لکھتے ہیں کہ

''یزید بن ابی سفیان نے اپنے چھوٹے بھائی معاویہ کو چار ہزار کا لشکر دے کر قیساریہ کی طرف روانہ کیا

اور خود تمام لشکر کے ساتھ دمشق کی طرف روانہ ہو گیا۔ رومی فوج نے جب دور سے مسلمانوں کے لشکر کو دیکھا تو انھیں یہ لشکر بہت کم دکھائی دیا اور اپنے طور پر یہ سوچنے لگے کہ اس لشکر کو شکست دینا کوئی مشکل بات نہیں۔ اس لیے وہ جنگ کرنے کے لیے شہر سے باہر نکل آئے۔ معاویہ نے لشکر کو تیار کیا اور حملہ کر دیا۔ جنگ شروع ہوئی اور مسلمانوں کو فتح و کامیابی ہوئی۔'' (ناسخ التواریخ ج ۲ ص ۲۷۱)

یہی مورخ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ حضرت یزید بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہما) کے انتقال کے بعد حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) نے معاویہ کی طرف خط بھیجا:

''امابعد! جاننا چاہیے کہ اللہ نے اسلامی حکومت کو کامیابی اور وسعت عطا فرمائی ہے اور اپنے وعدے پورے کر دکھائے۔ اور اللہ کے رسول نے جو ہمیں ملک شام کے فتح کرنے اور اس کے خزانوں کو حاصل کرنے کی خبر دی تھی وہ بھی پوری ہوئی۔ نیز میں نے آپ سے یہ خبر بھی سن رکھی ہے کہ مسلمان مملکت شام کے بہت سے شہروں کو فتح کریں گے۔ اور فرمایا کہ جب مشرق و مغرب میں فتنہ اٹھ کھڑا ہو تو تم عسقلان میں پناہ لینا۔ ہر مملکت کا ایک کنارہ ہے اور مملکت شام کا کنارہ عسقلان ہے۔ اے معاویہ! جب آپ کو یہ خط ملے جس قدر جلد ممکن ہو عسقلان کا رخ کرنا اور اس کے ساتھ دوسرے شہروں کو فتح کرنے کی کوشش کرنا اور روزانہ کے حالات سے مجھے باخبر رکھنا۔''

جب حضرت عمر کا یہ خط حضرت معاویہ کے پاس پہنچا تو وہ بہت خوش ہوئے، فوراً لشکر تیار کیا اور لشکر کی سپہ سالاری اپنے پاس رکھی۔ عسقلان کی طرف روانہ ہوئے اور عسقلان کے کنارے پر جا پہنچے۔ ان لوگوں نے جنگ کرنے کی ٹھان لی۔ تین دن تک صف بندی کی بالآخر اس شہر کو لڑے بغیر فتح کر لیا اور بہت سا مال غنیمت بھی ہاتھ آیا۔'' (ناسخ التواریخ ج ۲ ص ۲۸۳)

۱۸ھ میں عمواس کے طاعون میں حضرت یزید رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سخت متاثر ہوئے اور ان کی جگہ ان کے بھائی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس علاقے کا گورنر مقرر کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اوصاف حمیدہ کی وجہ سے ان کی بڑی قدر فرماتے تھے اور ان کی تدبیر و سیاست، بلند حوصلہ، عالی ہمت اور ان کی فکری و عملی عظمت کے ہمیشہ معترف رہے۔

جغرافیائی اعتبار سے شام کا خطہ بڑا ہی نازک اور حساس تھا مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے دورِ فاروقی میں مسلسل چار سال تک بطریق احسن انتہائی کامیابی و کامرانی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جو اعتماد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر تھا۔ اس کا اندازہ اس بات سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو نہ صرف مسلسل اس اہم منصب پر قائم رکھا بلکہ وہاں سے ان کا تبادلہ تک نہ

کیا اوران کے علاقہ اختیار میں مزید اضافہ کرتے رہے حالانکہ ان کے ہاں ایسی کوئی روایت نہ تھی۔ انھوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جیسے جرنیل کو معزول کر دیا۔ کوفے کے گورنر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں) یکے از عشرہ مبشرہ کو معزول کر دیا۔ عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ گورنر مصر کو بالوں کا لباس پہنا کر بکریاں چرانے پر مجبور کر دیا۔ گورنروں کے لیے ہدایات جاری کیں کہ اعلیٰ گھوڑے پر سوار نہ ہوں۔ باریک لباس سے احتراز کریں۔ چھنا ہوا آٹا استعمال نہ کریں دربان نہ رکھیں اور اہل حاجت کے لیے دروازہ کھلا رکھیں۔ (طبری ج ۴ ص ۲۰۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھرے مجمع میں خطبہ دیا کہ:

''اے اللہ! تو گواہ رہنا یہ گورنر اس لیے ہیں کہ لوگوں کو قرآن سکھائیں، تیرے نبی کے طریقے کی تعلیم دیں، وظائف تقسیم کریں، انصاف کریں اور مشکل میں میری طرف رجوع کریں۔''

(محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ج ۲ ص ۹)

لوگوں سے فرمایا ''میں نے گورنر اس لیے نہیں بھیجے کہ وہ تمھیں ماریں پیٹیں، تم سے تمھارے مال چھینیں بلکہ میں نے انھیں اس لیے بھیجا ہے کہ تمھیں تمھارا دین سکھلائیں، تمھیں تمھارے نبی کی سنت کی تعلیم دیں، جس شخص کے ساتھ اس کے خلاف عمل کیا گیا ہو وہ مجھ سے شکایت کرے۔ رب کعبہ کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں اس گورنر سے ضرور بدلہ لوں گا۔'' (کتاب الخراج قاضی ابو یوسف ص ۹۶۰)

اس قسم کے منتظم، مدبر، محتسب اور سخت گیر خلیفہ کا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس قدر اعتماد، انھیں برابر ایک صوبے پر قائم رکھنا یہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے تدبر، حسن کارکردگی اور ان کے ماہر امور مملکت ہونے کی واضح دلیل ہے۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ صوبہ شام کے دورہ پر تشریف لے گئے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کسی قدر شان و شوکت اور جاہ وجلال کا انتظام بھی کر رکھا تھا۔ آپ نے اس کا سبب پوچھا تو انھوں نے عرض کیا:

''ہم ایسے علاقے میں رہتے ہیں جہاں دشمن کے جاسوس بہت ہیں یہاں کے حالات کا تقاضا یہ ہے کہ ہم دشمن کو مرعوب کرنے اور مسلمانوں کے وقار کو قائم رکھنے کے لیے ظاہری شان وشوکت سے رہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو اس عمل کو جاری رکھیں اور اگر آپ منع فرمائیں تو بند کر دیں۔''

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جو اس موقع پر موجود تھے فرمایا کہ دیکھیں معاویہ نے اپنے آپ کو کس قدر خوبصورتی اور حکمت کے ساتھ بچالیا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کی ان صلاحیتوں کی وجہ سے ہی ہم نے انھیں اتنی بڑی ذمہ داری سونپ رکھی ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۲۵، الاستیعاب مع الاصابہ ج ۳ ص ۳۹۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ عالی رائے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلاحیت وقابلیت کی بڑی سند ہے۔

بعد میں حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے حمص کی گورنری بھی انھیں سونپ دی گئی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کا علاقہ بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا گیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''جناب شرحبیل (رضی اللہ عنہ) کو کسی ناراضی کے سبب معزول نہیں کیا گیا البتہ ایک مضبوط سیاسی گورنر کی ضرورت کے تحت ایسا کیا گیا ہے۔'' (الفاروق محمد حسین ہیکل ج ۱ ص ۲۹۸)

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((وذم معاوية عند عمر يوما فقال دعونا من ذم فتى قريش من يضحك فى الغضب ولا ينال ما عنده الا على الرضاء ولا يؤخذ ما فوق راسه الا من تحت قدميه)) (الاستیعاب مع الاصابہ ج ۳ ص ۳۷۹)

''ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی برائی بیان کی گئی تو انھوں نے فرمایا قریش کے اس جوان کی برائی مت کرو جو غصے میں بھی ہنس دیتے ہیں اور جو کچھ ان کے پاس ہے وہ ان کی رضامندی کے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا اور ان کے سر پر کی چیز حاصل کرنے کے لیے ان کے قدموں پر جھکنا پڑتا ہے۔''

شیخ الاسلام علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((قال عمر اياكم والفرقة من بعدى فان فعلتم فاعلموا ان معاوية بالشام))

(الاصابہ مع الاستیعاب ج ۳ ص ۳۷۹)

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے لوگو! تم میرے بعد آپس میں فرقہ بندی سے بچو اگر تم نے ایسا کیا تو جان لو کہ معاویہ شام میں موجود ہیں۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دورِ فاروقی میں کتابت کے فرائض بھی انجام دیے اور بیت المقدس کا معاہدہ امن آپ نے ہی تحریر کیا تھا۔ اکبر شاہ خان نجیب آبادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

''اس عہد نامے پر حضرت خالد بن ولید، عمرو بن عاص، عبدالرحمٰن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم کے دستخط بطور گواہ ثبت ہوئے۔'' (تاریخ اسلام حصہ اول ص ۳۰۹)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ عہد عثمانی میں

فتوحات کی اس یلغار کو روکنے کے لیے اسلام کے خلاف پہلی اور بدترین سازش حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف ہوئی۔ اس سازش کے بانیوں میں ایک عیسائی، ایک یہودی اور دو ایرانی شامل تھے۔ (جفینہ، کعب الاحبار، ابولؤلؤ، ہرمزان) کیونکہ دور فاروقی میں دو چیزوں کو بہت ہی زیادہ نقصان پہنچا تھا ایک سرمایہ داری اور دوسرے نسلی برتری کے تصور کو۔ یہی دو بڑے اسباب ہیں جن کے گٹھ جوڑ نے ابولؤلؤ اور اس کے زہریلے خنجر کی شکل اختیار کی اور قاتل کا خنجر سینہ عمر میں ہی نہیں بلکہ قلب کائنات میں پیوست ہوگیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے تو انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کے معتمد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور انھیں پورے شام کا والی بنانے کے ساتھ ساتھ تمام جنگی اور فوجی اختیارات بھی سونپ دیے۔ اس سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو فطری جوہر دکھانے کا موقع ملا۔ آپ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پورے دورِ خلافت میں بارہ سال تک کا عرصہ اللہ کا کلمہ سربلند کرتے ہوئے جہاد میں گزارا۔

آپ نے اپنے اولوالعزم کارناموں اور مدبرانہ و دلیرانہ اقدامات سے تمام سرحدوں کو رومیوں کے قبضہ سے چھین کر اسلام کو بطور نذرانہ پیش کیا اور ہمیشہ کے لیے رومی خطرات سے ملک کو محفوظ و مامون کر دیا۔ چنانچہ آپ نے بہترین اور آزمودہ جرنیلوں کو فوج کی کمان سپرد کر کے مختلف مقامات پر فوج کشی کا حکم دیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود بھی ایک لشکر لے کر رومی علاقے پر چڑھائی کی۔ رومی لشکر خوف زدہ ہو کر انطاکیہ و طرطوس کے تمام درمیانی قلعے چھوڑ کر فرار ہوگیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان ہی قلعوں میں اپنی چھاؤنیاں قائم کر کے ان میں سے بعض قلعوں کو ویران و مسمار بھی کر دیا۔ طرابلس الشام، عموریہ، شمشاط، ملطیہ، انطاکیہ، طرطوس، ارواڈ، روڈس اور صقلیہ آپ ہی کے عہد میں حدودِ نصرانیت سے نکل کر اسلامی سلطنت میں داخل ہوئے۔

اب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل میں فتح قبرص کی تڑپ انگڑائیاں لے رہی تھی۔ کیونکہ ان کی فطرت عالمگیر تھی۔ ان کی ہمت عالی کا تقاضا یہ تھا کہ عرب سے نکل کر یورپ اور افریقہ وغیرہ کو اسلام کے زیرنگین

کر کے اشاعت اسلام کی راہیں پیدا کی جائیں یورپ اور افریقہ پر حملہ بحری بیڑے کے بغیر ممکن ہی نہ تھا۔

آپ کی دور اندیشی، فراست و بصیرت کا فیصلہ یہ تھا کہ اگر اسلام کو بحیثیت ایک نظام حیات کے دنیا میں غالب کرنا اور روم کی غیر اسلامی شوکت وسطوت پارینہ کو اپنے پاؤں تلے کچلنا ہے تو اس کے لیے اسلامی بحری بیڑے کو معرض وجود میں لانا پڑے گا۔ چنانچہ آپ نے عہد فاروقی میں ہی اس حقیقت کے احساس و ادراک کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بحری بیڑے کی تیاری اور بحری جنگ کی اجازت طلب کی مگر چونکہ آپ بڑی مہمات میں زیادہ مصروف تھے۔ اس لیے یہ نیا محاذ کھولنے کی اجازت نہ دی۔ اب عہد عثمانی میں دربار خلافت سے بحری جنگ کی اجازت حاصل کرنے کے بعد اس کی بھرپور تیاری شروع کر دی۔

بعض مورخین اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اکثر تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بحری مہم کی اجازت طلب کی تو انھوں نے سفر کی مشکلات کے پیش نظر اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ تاہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ گاہے گاہے اپنی تجویز پر اصرار کرتے رہے کہ قیصر کے مسئلے کا مستقل حل یہی ہے کہ اسے بحری شکست سے دوچار کیا جائے۔

اس موقع پر ایک یہ روایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس اصرار پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے والی مصر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ وہ بحری سفر کے بارے میں تفصیلات پیش کریں تو انھوں نے جواباً لکھا کہ:

''امیر المومنین! بحری سفر کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ ایک بڑی مخلوق (سمندر) پر ایک چھوٹی مخلوق (انسان) اس طرح سوار ہوتی ہے کہ آسمان اور پانی کے سوا تیسری چیز نظر نہیں آتی اور مسافروں کا حال یوں سمجھیے جیسے لکڑی پر کیڑا ہو۔ اگر لکڑی ذرا بھی الٹ گئی تو وہ ڈوب جائے اور اگر لکڑی ساحل سمندر پر لگ گئی تو بھی کیڑا سخت پریشانی کا شکار ہو۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو پہلے ہی بحری سفر کے بارے میں متامل تھے۔ اب جب انھوں نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طرف سے اتنی خطرناک تفصیل پڑھی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھ دیا کہ میں سب مسلمانوں کی جانوں کو اپنے ہاتھوں خطرے میں ڈالنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ اور پھر بات یہیں ختم ہو گئی۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس روایت کے آخر میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے اس معروضہ کو پڑھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا اللہ کی قسم! میں مسلمانوں کو ایسی سواری پر سوار کرا کے انھیں مصائب میں مبتلا نہیں کروں گا۔ (تاریخ الخلفاء اردو ص ۲۴۰)

اس روایت کے وضعی ہونے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود بحری سفر کی تفصیلات سے ناواقف تھے اور جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے انھیں بتایا تو وہ اتنے خوف زدہ ہو گئے کہ انھوں نے حلفاً

جہاد فی سبیل اللہ کا یہ شعبہ بند کر دیا۔ قرآن مجید میں بحری سفر کا ذکر ہے کہ مشرکین بھی بحری موجوں میں اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس داستان گو نے حضرت عمر ؓ کو بھی قرآن سے ناواقف قرار دیا کہ والی مصر نے جب انھیں بتایا کہ ایک بڑی مخلوق پر چھوٹی مخلوق لکڑی پر کیڑے کی طرح سفر کر رہی ہے تب انھیں اس سفر کی خطرناکی کا علم ہوا۔

علاوہ ازیں غور طلب بات یہ بھی ہے کہ حضرت عمر ؓ کو حضرت معاویہ ؓ سے تفصیل طلب کرنی چاہیے تھی مگر وہ والی مصر سے پوچھ رہے ہیں۔

مزید برآں حضرت عمر ؓ اس بحری جہاد کی فضیلت و عظمت اور شرکائے جنگ کے لیے لسان نبوت سے جنت و مغفرت کی بشارت سے کس طرح بے خبر رہ سکتے تھے؟

دراصل بات صرف اتنی ہے کہ حضرت عمر ؓ اس شرف کو حاصل کرنے کی ضرور کوشش کرتے لیکن وہ وسائل کی کمی اور دیگر کثیر بری مہمات میں مشغولیت کی وجہ سے اس بحری جہاد کی اجازت نہ دے سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اس فضیلت و سعادت کو حضرت معاویہ ؓ کے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔ قبرص جسے انگریزی میں سائپرس کہتے ہیں بحر روم میں بازنطینی (رومی) حکومت کا ایک بڑا بحری مرکز اور شام کے ساحل سے قریب ہونے کے باعث شام میں مسلمانوں کے مقبوضات کے لیے بہت ہی قریبی خطرہ تھا اور اسے فتح کیے بغیر شام و مصر کی حفاظت ممکن نہ تھی۔ علاوہ ازیں سرحدی رومی اکثر مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ بھی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عثمان ؓ کی طرف سے بحری جہاد کی اجازت ملنے کے بعد سیدنا معاویہ ؓ نے اپنی بحری مہم کا اعلان کر دیا۔ جس کے جواب میں ملک کے کونے کونے سے جذبہ جہاد سے سرشار مجاہدین اسلام شام کا رخ کرنے لگے حتیٰ کہ عمر رسیدہ اصحاب رسول بھی اس مہم میں شریک ہو گئے۔ ۲۸ھ میں نہایت اہتمام اور بھرپور تیاری کے ساتھ اسلامی تاریخ میں سب سے پہلی مرتبہ اسلامی بحری بیڑہ بحر روم میں اترا۔ آپ نے خود اس جنگ میں بحیثیت قائد شرکت کی مگر وہاں کے صلح پسند باشندوں نے سات ہزار دینار سالانہ پر صلح کر لی۔

اس کے بعد آپ بحری بیڑے کو ترقی دینے میں مصروف ہو گئے لیکن رومی آپ کی بحری سرگرمیاں برداشت نہ کر سکے اور مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ دوبارہ شروع کر دی اہل قبرص نے بھی معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے رومیوں کی مدد کی۔ آپ کو قبرص کے باشندوں کی اس بدعہدی پر سخت غصہ آیا اور پوری بحری طاقت اور عظیم الشان بحری بیڑے (جس میں پانچ سو جہاز تھے) کے ساتھ قبرص کو فتح کر کے اسلامی مملکت میں داخل کر لیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس لشکر کے بارے میں جنت کی بشارت دی تھی (جس کا ذکر آگے آ رہا ہے) اور اس لشکر کے قائد امیر معاویہ ؓ تھے۔

آپ کی زیر قیادت بڑے بڑے اجلہ اور اکابر صحابہ جن میں ابو ایوب انصاری، ابودرداء، ابوذر غفاری،

عبادہ بن صامت، فضالہ بن عبید، عمیر بن سعد، واثلہ بن اسقع، عبداللہ بن بشر، شداد بن اوس اور جبیر بن نفیر حضرمی رضی اللہ عنہم شریک تھے۔

یہ فتح محض اللہ کے فضل و کرم اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی لیاقت، قابلیت اور اسلامی حمیت کا کرشمہ تھی۔ ورنہ رومیوں کے جوش و خروش اور ساز و سامان کا کوئی اندازہ نہ تھا۔ وہ سمندروں کے کھیل صدیوں سے کھیل رہے تھے۔ انھیں اپنی بحری طاقت پر بڑا ناز تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ بحری جنگ میں مسلمان کبھی ہمارے حریف نہ بن سکیں گے۔ اس مرتبہ تمام بڑے بڑے اور جنگ آزمودہ رومی افسر فوجوں کو لڑا رہے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کا غرور خاک میں ملا دیا اور رومیوں کو سخت شکست سے دوچار ہونا پڑا۔

پروفیسر ہٹی لکھتے ہیں کہ قبرص کی فتح بحری جنگ میں مسلمانوں کی پہلی فتح تھی یہ پہلا جزیرہ تھا جو اسلامی حکومت میں شامل ہوا۔ نیز معاویہ بن ابی سفیان اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح دونوں تاریخ اسلامی میں پہلے امیر البحر ہیں جنھوں نے بحری بیڑے کی شاندار قیادت کر کے سمندری لڑائی میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔

(ہسٹری آف دی عربز ص ۱۶۷)

مگر ساتھ ہی پروفیسر ہٹی کو افسوس ہے کہ عربی مآخذ میں مسلمانوں کے بحری جنگی کارناموں کے متعلق جو کچھ مواد ملتا ہے وہ نہایت درجے کم ہے۔ پروفیسر ہٹی صاحب کے اس افسوس کا جواب یہی ہے کہ سبائی مورخین کے لیے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بحری جنگی کارنامے بالتفصیل بیان کرنا ناقابل برداشت تھا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحر روم کی بحری جنگوں میں رومیوں کا ناطقہ بند کر دیا اور ان پر مسلسل حملے شروع کر دیے۔ آپ کا ارادہ تھا کہ قسطنطنیہ کو فتح کر کے قیصر کی طاقت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے۔ لیکن مرکز خلافت مدینہ منورہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ایک عظیم شورش برپا ہو گئی۔ اس لیے آپ کی توجہ اس طرف سے ہٹ کر دوسری طرف مبذول ہو گئی۔ بالآخر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسی مجوسی، سبائی اور یہودی سازش و شورش کا شکار ہو گئے۔ آپ کی شہادت ایک غیر معمولی واقعہ تھی۔ ہر مسلمان دم بخود اور صحابہ مضطرب و بے قرار تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور اسلامی تاریخ میں فاتحانہ یلغار، وسعت اور پھیلاؤ کا دور تھا۔ اسی تابناک اور درخشندہ دور میں مسلمانوں کے بحری محاذ کا بھی آغاز ہوا۔ جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یقیناً ایک عظیم الشان، یادگار، شاہکار اور غیر فانی تاریخی کارنامہ ہی نہیں بلکہ امت مسلمہ پر ایک عظیم احسان بھی تھا۔ لیکن کس قدر حیرت و تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ مسلمانوں کی بحری فتوحات و خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے ہی نہیں، بحری کارناموں کے صلہ میں اعزازی تمغے اور نشانات دیتے ہوئے بھی ''بانی اسلامی بحریہ'' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یکسر فراموش کر دیا جاتا ہے اور اسی کو تاریخ کے اس اہم گوشے سے حرف غلط کی طرح کھرچ پھینکنے کی

کوششیں کی جاتی ہیں۔

جناب عبدالواحد سندھی لکھتے ہیں کہ:

''ہمیں ان (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کے اس عزم، ثابت قدمی اور مستقل مزاجی سے سبق حاصل کرنا چاہیے جو انھوں نے بحری بیڑے کے قیام میں دکھائی۔ ان کی بحری فوجوں نے رومیوں کی تجربہ کار سمندری فوجوں کو زبردست شکستیں دیں۔ ان کے زمانہ حکومت میں بحری بیڑے نے خاص ترقی کی۔ تھوڑے دنوں میں اسلامی بیڑہ اس زمانہ کے مشہور رومی بیڑے سے بھی بڑھ گیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نہ صرف جنگی بیڑے کے اسلامی تاریخ میں بانی ہیں بلکہ جہاز سازی کی ابتدا بھی ان ہی سے ہوتی ہے۔ انھوں نے اپنے زمانہ حکومت میں جہاز سازی کے کئی کارخانے قائم کیے انھوں نے شام، فلسطین اور مصر کے ساحلوں پر کارخانے قائم کیے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحری محکمہ کو الگ قائم کیا اور اسے خوب ترقی دی۔ جنگی بیڑے، بحری فوج، سامان جنگ اور اس کا پورا انتظام اسی محکمہ کے تحت تھا۔'' (اسلام کے مشہور امیر البحر ص141)

لسان نبوت سے بشارت عظمٰی

اس بحری جہاد کے لیے اللہ کے سچے نبی نے پیش گوئی فرما کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر مجاہدین اسلام کو جنت کی بشارت دی تھی۔ امام بخاری رحمہ اللہ یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ:

''ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا کے گھر آرام فرمار ہے تھے کہ آپ کو نیند آ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ جاگے تو مسکرا رہے تھے۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے پوچھا آپ کیوں مسکرا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میری امت کے کچھ لوگ اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہوئے میرے سامنے پیش کیے گئے وہ سمندر میں اس طرح چلے جا رہے تھے گویا وہ تخت نشین بادشاہ ہیں۔ (یعنی یہ منظر مجھے بہت اچھا معلوم ہوا اس لیے مسکرا رہا ہوں) حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں سے کر دے۔ آپ نے ان کے لیے دعا کی اور پھر دوبارہ سو گئے۔ کچھ دیر بعد پھر مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے مسکرانے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ میری امت کے کچھ لوگ اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہوئے (میرے سامنے) پیش کیے گئے گویا وہ تخت نشین بادشاہ ہیں۔ (یہ منظر مجھے بہت اچھا معلوم ہوا) حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! دعا کیجیے اللہ مجھے ان میں سے کر دے آپ نے فرمایا تم پہلے لشکر میں ہو (دوسرے میں نہیں)۔

اس واقعے کے کافی عرصے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ امارت میں سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے ہمراہ بحری جہاد کے لیے روانہ ہوئیں اور اس سفر میں واپسی کے وقت سواری سے گر کر وفات پا گئیں۔

(صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب فضل من يصرع فى سبيل الله فمات فهو منهم، حدیث ۲۷۹۹ جلد ۱ ص ۳۹۲)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اول جيش من امتى يغزون البحر فقد اوجبوا قالت ام حرام قلت يا رسول الله انا فيهم قال انتِ فيهم ثم قال النبى صلى الله عليه وسلم اول جيش من امتى يغزون مدينة قيصر مغفور لهم فقلت وانا فيهم يا رسول الله قال لا))

"میری امت کا سب سے پہلا لشکر جو سمندری جہاد کرے گا ان سب کے لیے جنت واجب ہو چکی ہے۔ ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کیا میں بھی اس لشکر میں شامل ہوں؟ تو آپ نے فرمایا تو بھی اس میں سے ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کا سب سے پہلا لشکر جو قیصر کے شہر میں جنگ کریں گے ان سب کے حق میں مغفرت ثابت ہو چکی ہے۔ تو میں (ام حرام رضی اللہ عنہا) نے عرض کیا کہ میں بھی اس میں شامل ہوں آپ نے فرمایا نہیں۔"

یہ حدیث کتب احادیث میں حسب ذیل مقامات پر ملاحظہ کی جا سکتی ہے:

① صحیح بخاری کتاب الجہاد باب ما قیل فی قتال الروم، جلد ا ص ۴۱۰
② صحیح بخاری کتاب الجہاد باب فضل من یصرع فی سبیل اللہ فمات، جلد ا ص ۳۹۲
③ صحیح بخاری کتاب الجہاد باب الدعاء بالجہاد والشہادۃ للرجال والنساء، جلد ا ص ۳۹۱
④ صحیح بخاری کتاب الجہاد باب رکوب البحر، جلد ا ص ۴۰۵
⑤ صحیح بخاری کتاب الجہاد باب غزوۃ المرأۃ فی البحر، جلد ا ص ۴۰۳
⑥ صحیح بخاری کتاب التعبیر باب رؤیا بالنہار، جلد ۲ ص ۱۰۳۶
⑦ صحیح بخاری کتاب الاستیذان باب من زار قوما فقال عندھم، جلد ۲ ص ۹۲۹
⑧ صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب فضل الغزو فی البحر، جلد ۲ ص ۱۴۲
⑨ موطا امام مالک کتاب الجہاد باب الترغیب فی الجہاد
⑩ جامع ترمذی کتاب الجہاد باب ما جاء فی غزو البحر، جلد ا ص ۱۹۸
⑪ سنن ابی داود کتاب الجہاد باب فی رکوب البحر فی الغزو
⑫ سنن ابن ماجہ ابواب الجہاد باب فضل غزو البحر ص ۲۰۴

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو پیشین گوئیاں دیں:

① میری امت کا سب سے پہلا لشکر جو بحری جہاد کرے گا اس کے لیے جنت واجب ہے۔
② میری امت کا وہ سب سے پہلا لشکر جو قسطنطنیہ پر حملہ کرے گا اس کی بخشش ہو چکی ہے۔

یہ دونوں پیشین گوئیاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پوری ہوئیں۔ اول الذکر آپ کے دور امارت میں اور موخر الذکر آپ کے دور خلافت میں (جس کا ذکر آگے زیر عنوان "سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں" آ رہا ہے) پوری ہوئی۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((قولہ یغزون مدینة قیصر یعنی القسطنطنیة قال المہلب فی ہذا الحدیث منقبة

لمعاوية لانه اول من غزا البحر ومنقبة لولده يزيد لانه اول غزا مدينة قيصر...... فانه كان امير ذلك الجيش بالاتفاق وقوله قد اوجبوا اى نعلوا فعلا وجبت لهم به الجنة)) (فتح الباری باب مانی قتال الروم ج۶ص۱۰۲)

''آنحضرت ﷺ کے ارشاد مدینہ قیصر سے مراد قسطنطنیہ ہے۔ مہلب نے کہا ہے کہ اس حدیث سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بڑی فضیلت ومنقبت ثابت ہوتی ہے کیونکہ آپ ہی نے سب سے پہلے بحری جہاد کیا تھا۔ نیز اس حدیث سے آپ کے بیٹے یزید کی بھی بڑی شان ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے مدینہ قیصر پر جہاد انھوں نے ہی کیا اور وہ بالاتفاق اس لشکر کے امیر تھے۔''

اور آنحضرت ﷺ کے ارشاد ''قد او جبوا'' سے مراد یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر نے ایسا کارنامہ سرانجام دیا کہ اس کی بنا پر ان کے لیے جنت واجب ہوگئی۔

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ شارح صحیح بخاری لکھتے ہیں کہ:

((قوله (اول جيش من امتى يغزون البحر) اراد به جيش معاوية وقال المهلب معاوية اول من غزا البحر...... قوله (قد اوجبوا) قال بعضهم اى وجبت لهم الجنة قلت هذا الكلام لا يقتضى هذا المعنى وانما معناه اوجبوا استحقاق الجنة)) (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج۱۴ص۱۹۸)

''آنحضرت ﷺ کا ارشاد ''میری امت میں سب سے پہلا لشکر جو سمندری جہاد کرے گا'' اس سے مراد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا لشکر ہے اور مہلب نے کہا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے سمندری جہاد کیا۔

اور آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد کہ ''ان کے لیے واجب ہوگئی'' بعض حضرات نے کہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے لیے جنت واجب ہوگئی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ کلام اس معنی کا تقاضا نہیں کرتا بلکہ معنی یہ ہے کہ وہ لوگ لازمی جنت کے حق دار ہوگئے۔''

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:

((اول جيش من امتى يغزون البحر (هو جيش معاوية) قد اوجبوا (لانفسهم المغفرة والرحمة باعمالهم الصالحة)) يغزون مدينة قيصر (ملك الروم يعنى القسطنطنية...... وكان اول من غزا مدينة قيصر يزيد بن معاوية و معه جماعة من سادات الصحابة كابن عمر و ابن عباس و ابن الزبير وابى ايوب انصارى)) (قسطلانی شرح بخاری کتاب الجہاد، باب ما قیل فی قتال الروم)

''آنحضرت ﷺ کے اس فرمان میں کہ ''میری امت کا پہلا لشکر جو بحری جہاد کرے گا'' وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا لشکر ہے۔ ''قد اوجبوا'' سے مراد یہ ہے کہ اس لشکر نے اپنے اعمال صالحہ کی وجہ سے اپنے

لیے مغفرت اور رحمت واجب کر لی۔

اور مدینہ قیصر سے مراد قسطنطنیہ ہے اور جس نے سب سے پہلے قسطنطنیہ پر جہاد کیا یزید بن معاویہ تھے اور ان کے ساتھ اجلہ صحابہ کی ایک جماعت تھی مثلاً حضرت ابن عمر، ابن عباس، ابن زبیر اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہم۔"

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((یعنی جیش معاویة حین غزا قبرص ففتحها...... وهذا من اعظم دلائل النبوة))

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۲۹)

"یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر نے جب قبرص پر حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا اور یہ (پیشین گوئی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بڑی عظیم دلیل ہے۔"

شارحین صحیح بخاری، دیگر محدثین اور مورخین کے نزدیک یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ روہ قبرص میں ایک عام سپاہی کی حیثیت سے نہیں بلکہ جنت کے بشارت یافتہ لشکر کے قائد کی حیثیت سے شریک ہوئے اور ان کے ساتھ ان کی اہلیہ اور بچے بھی تھے۔

اس حدیث سے حسب ذیل امور واضح ہوئے کہ:

① حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور کے بحری جہاد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد فی سبیل اللہ فرمایا۔

② حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ بحری جنگ خالص اللہ کے راستے میں اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے تھی۔

③ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت، خلافت راشدہ اور حقہ ہے اور آپ کے دور امارت و خلافت میں ہونے والی جنگیں جہاد فی سبیل اللہ ہیں۔

④ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر شرکاء کو جنت کی بشارت دی گئی۔

⑤ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کو اللہ نے بڑی عزت عطا کی اور انھیں بادشاہوں کی سی شان و شوکت دی۔ پھر ان کی اس شاہانہ شان و شوکت کو بطور خوشخبری کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔

⑥ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو دیکھ کر خوش ہوئے۔

یہ تمام امور اس بات کی وضاحت کر رہے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے خوش ہی نہیں بلکہ ان پر فخر بھی کرتے ہیں۔

اللہ اکبر! کیا شان وعظمت اور درجہ و مقام ہے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا جو حالت نیند و بیداری دونوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قلبی مسرت، فرحت اور راحت کا سبب بن رہے ہیں۔

اب وہ لوگ جو ایسی جلیل القدر شخصیت کے ساتھ بغض وعناد رکھتے ہیں یا ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں یا ان کی توہین و تنقیص کرتے ہیں وہ یقیناً اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور تکذیب کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ عہد مرتضوی میں

امام مظلوم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی دردناک اور المناک شہادت کا سانحہ فاجعہ جمعہ کے دن ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو پیش آیا۔ تاریخ اقوام عالم میں اس عظیم سانحہ سے زیادہ عبرتناک واقعہ کوئی اور نہیں گزرا جس میں ایک شریف النفس اور حلیم الطبع مظلوم نے اپنے دفاع میں ہر قسم کی قدرت رکھنے کے باوجود محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور امت کی خون ریزی سے اجتناب کی خاطر اپنا ہاتھ روک لیا۔

اس کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ بڑے نازک، پرآشوب اور ہنگامی دور میں مسند آرائے خلافت ہوئے اور سب سے پہلے انھیں قصاص کے مسئلے سے دوچار ہونا پڑا اور پورا دور اسی کی نذر ہو گیا۔ تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد آپ کو ایک دن کے لیے بھی داخلی انتشار سے فراغت نہ ملی۔ اس لیے بیرونی فتوحات کی جانب وہ توجہ ہی نہیں کر سکے۔ حتیٰ کہ انھیں پورے دور خلافت میں ایک مرتبہ بھی اتنی فرصت نہ ملی کہ وہ حج کے موقع پر ہی اہل ایمان کی قیادت کرتے۔

دیکھتے ہی دیکھتے پورے ملک میں قصاص عثمان کے مطالبے کی صدا گونجنے لگی۔ اس وقت کے ہزاروں مسلمان حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما سمیت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ جو جنگ جمل کے نام سے موسوم ہے اور اس میں دس ہزار مسلمان خون میں نہا گئے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ (جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ولی اور بھائی تھے) نے بھی یہ مطالبہ دہرایا تو یہودی اور سبائی سازش سے ان پر بھی میدان صفین میں جنگ مسلط کر دی گئی کیونکہ جنگ میں پہل ان کی طرف سے نہیں ہوئی بلکہ وہ تو اس بات کے زیادہ حریص تھے کہ خون ریزی نہ ہو۔ اس جنگ میں بھی بقول مورخین ہزاروں کی تعداد میں مسلمان خون کی بھینٹ چڑھ گئے۔

حضرت معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے درمیان نزاعی مسئلہ صرف یہی تھا کہ امت کے متفق علیہ خلیفہ کو جن لوگوں نے ظلماً اور بغیر کسی حجت کے شہید کیا ہے وہ سب لوگ احکام الٰہی کے مطابق واجب القتل ہیں۔ اور جب تک انھیں قصاص میں قتل نہیں کر دیا جاتا احکام شرعیہ کی بجا آوری کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ ہر صوبے سے بیک وقت یہ آواز بلند ہوئی کہ قاتلین کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ تاریخ میں ہزاروں صحابہ و تابعین کے

اسمائے گرامی ملتے ہیں جو اس مسئلے میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کے حامی تھے۔ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان کے اس موقف کے ساتھ متفق تھے اختلاف صرف تعجیل و تاخیر کا تھا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے شرف و فضل اور مجد و بزرگی کے قائل و معترف تھے اور انھیں سب سے زیادہ حقدار خلافت سمجھنے کے باوجود ان کی بیعت سے صرف اس لیے محترز رہے کہ جن قاتلین عثمان سے وہ قصاص کے خواہاں تھے۔ انھوں نے ہی نہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گرد گھیرا ڈال رکھا ہے بلکہ وہ ان کے لشکر میں اعلیٰ مناصب پر بھی فائز ہیں۔ ان ہی شکوک و شبہات کی وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرح مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ، کوفہ، بصرہ اور مصر کے ہزاروں افراد نے بھی بیعت سے انکار کر کے بلکہ بیعت توڑ کر قصاص عثمان کا مطالبہ کر دیا۔

شاہ معین الدین ندوی بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ:

''خلیفہ مظلوم کے بے دردی کے ساتھ شہید کیے جانے اور قاتلین کے کھلے بندوں پھرنے کا واقعہ ایسا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین کیا، بہت سے غیر جانبدار مسلمانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہو گئے چنانچہ مصر کے ایک مقام خربتا میں ایک جماعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ہو گئی اور جب قیس بن سعد (رضی اللہ عنہما) نے ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت لینے کی کوشش کی تو ان لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے تاثر کی وجہ سے بیعت نہیں کی اور ان کے قصاص کا مطالبہ کیا۔'' (سیر الصحابہ حصہ ششم ج ۴ ص ۵۴)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اس سے زیادہ کوئی مطالبہ نہیں تھا کہ قاتلین عثمان سے قصاص لیا جائے جس کے لینے کا خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں آپ کے دست مبارک پر اپنا ہاتھ رکھ کر مکہ سے باہر ایک درخت کے نیچے برموقع ''بیعت رضوان'' پیمان وفا باندھا تھا۔ یہ بیعت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قیمتی خون کا بدلہ لینے کے لیے لی جا رہی تھی کیا کسی دور میں کسی انسان کا خون اتنا قیمتی تصور کیا گیا ہے جس کا بدلہ لینے کے لیے سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ڈیڑھ ہزار مہاجرین و انصار کو داؤ پر لگا دیا ہو۔ جن سے بہتر گروہ نہ پہلے پیدا ہوا اور نہ بعد میں۔

یہ ادائے بیعت اللہ تعالیٰ کو ایسی پسند آئی کہ اس کا ذکر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سینہ قرآن میں محفوظ کر دیا گیا۔ یہ ایک واضح حکم تھا کہ عثمان کا خون اتنا ارزاں نہیں کہ جب وہ بہے تو لوگ خاموش بیٹھے رہیں کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل نہ صرف ایک مسلمان کا، نہ صرف ایک صحابی کا بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سربراہ اور خلیفہ راشد کا قتل ہے۔ بغیر کسی وجہ کے قتل ہے۔ مرکز اسلام مدینہ منورہ میں، روضۂ رسول کے سایے میں قتل ہے۔ اور قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے ایک روزہ دار کا قتل ہے۔

اس سانحہ فاجعہ سے نہ صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ذاتی بے حرمتی ہوئی بلکہ ایک امام کی بے حرمتی اور

منصب خلافت کی بے حرمتی ہوئی۔ جس کا سارا دبدبہ وجلال خاک میں ملا دیا گیا۔ ان وجوہات سے خون عثمان کے قصاص کی اہمیت کس قدر زیادہ ہو جاتی ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اسی خون عثمان کے قصاص کا مطالبہ تھا۔ جس کے لیے پندرہ سو قدسی صحابہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔ جس کی تائید رب کائنات نے فرمائی تھی۔ علاوہ ازیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا قصاص لینا آیت کریمہ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى کی نص صریح کے مطابق بھی فرض تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی طالبین قصاص کے اس موقف کو اصولی طور پر درست سمجھتے تھے۔ جب حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے ان سے قصاص کا مطالبہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

''بھائیو جو کچھ آپ جانتے ہیں اس سے میں بھی بے خبر نہیں ہوں مگر ان لوگوں کو کیسے پکڑوں جو اس وقت ہم پر قابو یافتہ ہیں نہ کہ ہم ان پر۔ اللہ کی قسم! میں بھی وہی خیال رکھتا ہوں جو آپ کا ہے۔ ذرا حالات سکون پر آ جانے دیجیے تا کہ لوگوں کے حواس برجا ہو جائیں، خیالات کی پراگندگی دور ہو اور حقوق حاصل کرنا ممکن ہو جائے۔'' (خلافت وملوکیت ص ۱۲۷، ۱۲۸)

جناب مودودی صاحب کی پیش کردہ اس روایت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ طالبین قصاص نے اولاً باقاعدہ طور پر مدینہ منورہ ہی میں عدالتی کارروائی کرنے کا مطالبہ پیش کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس مطالبے کی تصویب ہی کی۔ یہ نہیں فرمایا کہ اس کا حق تو مقتول کے شرعی وارثوں کو پہنچتا ہے نہ کہ آپ کو۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تو یہ اعتراض بھی نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ وہ ولی الدم تھے۔ اور خلیفہ کے قصاص کے مطالبہ کا حق تو رعایا کے ہر فرد کو حاصل ہے۔

بعض ناعاقبت اندیش حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قصاص نہ لے سکنے میں یہ لغو اور لچر دلیل پیش کرتے ہیں کہ قاتلین عثمان کی شناخت نہیں ہو سکتی تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ قاتلین جانے پہچانے تھے۔ بارہا شہادت عثمان سے پہلے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مل چکے تھے۔ مدینہ کی گلیوں میں دندناتے پھرتے تھے۔ پھر ایک عرصہ تک ایوان خلافت کا محاصرہ کیے رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معطل کر کے خود اقتدار سنبھال لیا۔ مسجد نبوی میں امامت وخطابت کے فرائض بھی سرانجام دیے۔ سیکڑوں حضرات ان کی نقل وحرکت کا مشاہدہ کرتے رہے۔ بارہا انھوں نے حضرت علی اور دیگر جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں اپنے جرم کا اعتراف کیا۔ ان کے اقبال جرم کے بارے میں خلیفہ وقت نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ تم اس سے سمجھ سکتے ہو کہ قاتلوں پر میرا کہاں تک اختیار ہے۔

یقیناً سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس اہم فرض سے غافل نہ تھے۔ لیکن ان کی تدابیر کو ان کے ساتھ سایے کی طرح رہنے والے سفاک قاتلوں نے ناکام بنا دیا تھا۔ جنگ جمل سے پہلے فریقین میں معاہدہ طے ہو گیا تھا اور اسی

معاہدے کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قاتلین کو اپنے لشکر سے الگ ہو جانے کا حکم بھی دیا تھا۔ لیکن اس کے جواب میں انھوں نے اپنا کردار پھر دہرایا اور جنگ کی آگ بھڑکا دی اور ملت اسلامیہ عظیم نقصان سے دوچار ہوئی۔ بعد میں ان ہی قاتلوں نے اتنا تقرب حاصل کیا کہ بڑے بڑے عہدوں سے نوازے گئے۔ حالانکہ یہ لوگ ہر ملکی، قومی اور شرعی قانون کے مطابق گردن زونی تھے۔ جناب مودودی صاحب بھی اس اعتراف پر مجبور ہیں کہ:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پورے فتنے کے زمانے میں جس طرح کام کیا وہ ٹھیک ٹھیک ایک خلیفہ راشد کے شایان شان تھا۔ البتہ ایک چیز صرف ایسی ہے جس کی مدافعت میں مشکل ہی سے کوئی بات کہی جاسکتی ہے وہ یہ کہ جنگ جمل کے بعد انھوں نے قاتلین عثمان کے بارے میں اپنا رویہ بدل دیا...... لیکن اس کے بعد بتدریج وہ لوگ ان کے دربار میں تقرب حاصل کرتے گئے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش برپا کرنے اور بالآخر انھیں شہید کرنے کے ذمہ دار تھے حتیٰ کہ انھوں نے مالک بن حارث الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کے عہدے تک دے دیے درآں حالے کہ قتل عثمان میں ان دونوں کا جو حصہ تھا وہ سب کو معلوم ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پورے زمانۂ خلافت میں ہم کو یہی کام ایسا نظر آتا ہے جس کو غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔''

(خلافت وملوکیت ص۱۴۶)

موصوف اسی کتاب میں آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

''مگر صرف ایک مالک الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کا عہدہ دینے کا فعل ایسا تھا جس کو کسی تاویل سے بھی حق بجانب قرار دینے کی گنجائش مجھے نہ مل سکی۔ اسی بنا پر میں نے اس کی مدافعت سے اپنی معذوری ظاہر کر دی۔'' (خلافت وملوکیت ص۳۴۸)

جناب مودودی صاحب نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ قاتلین عثمان نہ صرف لشکر علی میں شامل تھے بلکہ اعلیٰ عہدوں پر بھی فائز تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دفاع سے معذوری ظاہر کر دی لیکن مودودی صاحب کے ایک ہم خیال جناب شاہ معین الدین ندوی صاحب رقمطراز ہیں کہ:

''امیر معاویہ کی خوش قسمتی سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل یا کم از کم وہ لوگ جن پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شہید کرنے کا قوی شبہ تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی لاعلمی میں (کیونکہ اس وقت کوئی قاتل معین نہیں تھا) آپ کے ساتھ ہو گئے۔ اس وقت بحیثیت خلیفہ کے قاتلین عثمان کا پتہ چلانا اور ان سے قصاص لینا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرض تھا لیکن مسند خلافت پر قدم رکھتے ہی آپ ایسے جھگڑوں میں مبتلا ہو گئے کہ قاتلین عثمان کا پتہ چلانا کیا معنی، نظام خلافت کا سنبھالنا مشکل تھا۔ اور قاتلوں کی تلاش کے لیے سکون واطمینان کی ضرورت تھی۔ لیکن عوام اس مجبوری کو نہیں سمجھ سکتے تھے اور وہ صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا قصاص چاہتے تھے۔ اس لیے امیر

معاویہ کو ان کے خلاف پروپیگنڈے کا پورا موقع مل گیا۔'' (سیر الصحابہ حصہ ششم ج ۳ ص ۵۴)

یقیناً جناب مودودی صاحب نے شاہ صاحب کے ''علمی جواہر پارے'' پڑھے ہوں گے کیونکہ ان کی کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۲ء میں اور دوسرا ایڈیشن ۱۹۵۱ء میں شائع ہوا تھا۔ لیکن انھیں بھی بغض معاویہ کے مریض جناب شاہ معین الدین ندوی کے طرز استدلال سے ندامت و ملامت ہوئی ہوگی۔ قاتلین عثمان حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہیں اور خوش قسمتی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی......

عجیب استدلال ہے۔ اجی حضرت اس میں مظلوم معاویہ کا قصور کیا ہے؟ کیا انھوں نے ان قاتلین کو لشکر علی میں شامل کرایا تھا؟ وہ تو چاہتے ہی یہی تھے کہ ان قاتلین کو اپنی صفوں سے الگ کر کے کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔

اور شاہ صاحب کا یہ ارشاد کہ ''قاتلین عثمان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی لاعلمی میں ان کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے'' ان کی ضد اور تعصب پر واضح دلیل ہے۔ حیرت ہے کہ ایسی جاہلانہ، بچکانہ اور احمقانہ بات ایک ایسے شخص کے قلم سے نکلی ہے جو نہ صرف ایک مورخ ہے بلکہ ندوۃ العلماء کا ایک یگانہ روزگار محقق و سکالر اور عالم دین بھی ہے۔

بہر حال مودودی صاحب نے بھی اس استدلال کو درخور اعتنا نہیں سمجھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدافعت سے اپنی معذوری ظاہر کرتے ہوئے ''مظلوم معاویہ'' کو خوب تختۂ مشق بنایا۔ اب قابل غور یہ بات ہے کہ جب چودہ صدیوں کے بعد مودودی صاحب جیسے غالی بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس طرز عمل سے مطمئن نہیں ہیں تو طالبین قصاص جو اپنی آنکھوں سے قاتلین عثمان کو لشکر علی میں دیکھ رہے تھے، انھیں کھلم کھلا دندناتے ہوئے گھومتا پھرتا ملاحظہ کر رہے تھے، کیونکر مطمئن ہو سکتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان قاتلین عثمان سے قصاص لینا چاہتے تھے لیکن وہ اس مقصد کے حصول کے لیے موقع کے انتظار میں تھے۔ جب جمل اور صفین میں ان مفسدین کی طاقت کمزور ہوگئی اور واقعہ تحکیم کے بعد دونوں بھائیوں حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان صلح ہوگئی تو ان بزرگوں نے بیعت رضوان کی تکمیل میں قاتلین عثمان کو جہنم واصل کرنا شروع کر دیا۔

چنانچہ نہروان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انھیں ٹھکانے لگایا۔ امام المفسدین عبداللہ بن سبا کو زندہ آگ میں جلا دیا اور ابن سبا کے دست راست مالک اشتر کو بھی ٹھکانے لگا دیا گیا۔ محمد بن ابی بکر کو مصر میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے تہ تیغ کیا۔ حکیم بن جبلہ اور اس کے ساتھیوں کو حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما پہلے ہی بصرہ میں قتل کر چکے تھے۔

جب مفسدین نے دیکھا کہ کوفہ، بصرہ اور مصر میں ان کی بری طرح گوشمالی ہو رہی ہے تو انھوں نے پھر

ایک منظم سازش کے تحت تینوں بزرگوں (حضرت علی، حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم) کو قتل کرنے کا پروگرام بنایا۔ ان تینوں دشمنان اسلام نے ایک ہی دن ایک ہی تاریخ صبح کی نماز کے وقت ان تینوں بزرگوں پر حملہ کیا۔ جس کے نتیجے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ زخمی ہو گئے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی جگہ ان کے نائب شہید ہو گئے۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی جو نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھ رہے تھے شہید کر دیا گیا۔ اور اس طرح انھوں نے بیعت رضوان کے موقع پر بمقام حدیبیہ ۶ھ میں جو وعدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا اپنی جان قربان کر کے پورا کر دیا۔ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ

اگر سبائی مفسدین کا منصوبہ صرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا ہوتا تو سبائی مفسدین اور اندھی تقلید کے عادی ہمارے مورخین اسے بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سر تھوپ دیتے مگر ان مفسدین نے تو بیک وقت تینوں بزرگوں کو راستے سے ہٹانے کا منصوبہ بنایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو اللہ کو پیارے ہو گئے لیکن سیدنا معاویہ اور سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بچے کھچے قاتلین عثمان سے قصاص اور خلافت اسلامیہ کے استحکام کی خاطر بچ گئے۔

اس بحث سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ جمل اور صفین کے فریقین کے مابین نزاعی مسئلہ صرف قصاص عثمان کا تھا۔ چنانچہ یہی بات علامہ سعد الدین تفتازانی نے بھی لکھی ہے:

((وما وقع من المخالفات والمحاربات (بین علی و معاویة) لم یکن من نزاع فی خلافته بل عن خطاء فی الاجتهاد)) (شرح عقائد ص۱۰۹)

علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:

((وما وقع بینهم ای بین الصحابة من المحاربات حرب الجمل و حرب الصفین والمنازعات کمنازعة عباس و علی رضی اللہ عنہما فی ارض بنی نضیر فی خلافة عمر رضی اللہ عنہ فله محامل وتاویلات والمحمل انهم کانوا یطلبون الحق ولکن یصیب بعضهم فی الاجتهاد ویخطی بعضهم والمخطی فی الاجتهاد غیر ماخوذ بل ماجور هٰکذا جرّت عادة السلف الصالحین بحمل افعال الصحابة علی مقاصد صحیحة)) (النبراس شرح لشرح العقائد ص۵۴۹)

''اور جو لڑائیاں (جمل و صفین) اور جھگڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان ہوئے جیسے حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا جھگڑا جو خلافت عمر میں بنی نضیر کی زمین کے بارے میں ہوا تو ان کے لیے اچھی توجیہات و تاویلات ہیں اور وہ توجیہ یہ ہے کہ تحقیق وہ حضرات حق کے طلبگار تھے لیکن بعض ان میں سے اپنے اجتہاد میں مصیب ہوئے اور بعض مخطی اور اجتہادی خطا والے پر کوئی مواخذہ نہیں بلکہ وہ بھی اجر و ثواب کا مستحق ہے۔ سلف صالحین کی یہی عادت رہی ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے افعال کو نیک مقاصد پر محمول کرتے تھے۔''

ائمہ اہل سنت نے حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کو مجتہدین میں شمار کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کا ارشاد ہے:

((اذا حکم الحاکم فاجتهد ثم اصاب فله اجران واذا حکم واجتهد فاخطأ فله اجر))

(بخاری ومسلم بحوالہ مشارق الانوار، ص ۱۲۳)

''جب کسی مجتہد حاکم کا فیصلہ درست ہو تو اس کے لیے دہرا اجر ہے اور جب وہ اپنے اجتہاد میں خطا کر بیٹھے تو اس کے لیے اکہرا اجر ہے۔''

پھر یہ بھی کوئی ضروری اور لازمی نہیں ہے کہ جسے مجتہد مصیب کہا جائے وہ حقیقت میں بھی مصیب ہو اور جسے مجتہد مخطی قرار دیا جائے وہ حقیقت میں بھی مخطی ہو۔ کیونکہ مصیب قرار دیے جانے کے باوجود خطا کا احتمال باقی رہتا ہے اور مخطی کہنے کے باوجود صواب کا احتمال ہو سکتا ہے (یعنی صواب محتمل الخطا اور خطا محتمل الصواب) لہٰذا ایسی صورت میں کسی ایک فریق کو مجتہد مخطی کہنا کہلوانا اور دوسروں سے جبراً منوانا محض سینہ زوری اور ذہنی ورزش ہے۔

رئیس المورخین علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کی لڑائی میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف غلطی کو متعین کر دینا غلط ہے کیونکہ اجماع کا جو یہ فیصلہ ہے کہ اجتہاد میں صحیح وغلط دونوں کا احتمال ہوتا ہے غلطی کے تعین کی صورت میں باقی نہیں رہتا۔''

(مقدمہ ابن خلدون اردو ج ۲ ص ۳۷)

اللہ تعالیٰ یا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد کے لوگوں میں سے کسی کو بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حکم یا قاضی مقرر نہیں کیا کہ وہ ان میں سے کسی کو بھی مخطی قرار دیتے رہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد سے اس کی ممانعت ثابت ہوتی ہے:

((لا تنظروا فی ذنوب الناس کانکم ارباب وانظروا فی ذنوبکم کانکم عبید))

''کہ تم لوگوں کی غلطیوں پر اس طرح نظر نہ کرو کہ گویا تم آقا ہو اور اپنے گناہوں پر اس تصور سے غور کرو کہ گویا تم غلام ہو۔'' (جمع الفوائد ج ۲ ص ۲۷۸)

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''اور ان لڑائی جھگڑوں کو جو ان کے درمیان واقع ہوئے ہیں نیک محمل پر محمول کرنا چاہیے اور ہوا و تعصب سے دور سمجھنا چاہیے کیونکہ وہ مخالفتیں تاویل و اجتہاد پر مبنی تھیں نہ ہوس و ہواء پر۔ یہی اہل سنت کا مذہب ہے۔'' (مکتوبات جلد دوم ص ۵۷۷)

موصوف آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

''اے بھائی! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس معاملے میں تنہا نہیں ہیں۔ کم وبیش آدھے اصحاب کرام ان کے

ساتھ اس معاملے میں شریک ہیں۔ پس اگر حضرت امیر ؓ کے ساتھ لڑائی کرنے والے کافر یا فاسق ہوں تو نصف دین سے اعتماد اٹھ جاتا ہے جو ان کی تبلیغ کے ذریعے سے ہم تک پہنچا ہے۔ اس بات کو سوائے اس زندیق کے جس کا مقصود دین کی بربادی ہے کوئی پسند نہیں کر سکتا۔

اے برادر! اس فتنے کے برپا ہونے کا منشاء حضرت عثمان ؓ کا قتل اور ان کے قاتلوں سے ان کا قصاص طلب کرنا ہے۔ حضرات طلحہ اور زبیر ؓ جو اول مدینہ سے باہر نکلے تاخیر قصاص کے باعث نکلے اور حضرت صدیقہ ؓ نے بھی اس امر میں ان کے ساتھ موافقت کی۔ اور جنگ جمل جس میں تیرہ ہزار آدمی قتل ہوئے اور طلحہ و زبیر ؓ بھی جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں قتل ہوئے، حضرت عثمان ؓ کے قصاص کے باعث ہوئی ہے۔ اس کے بعد حضرت معاویہ ؓ نے شام سے آ کر ان کے ساتھ شریک ہو کر جنگ صفین کی۔ امام غزالی ؒ نے تصریح کی ہے کہ وہ جھگڑا امر خلافت پر نہیں ہوا بلکہ قصاص کے پورا کرنے کے لیے حضرت امیر ؓ کی خلافت کے ابتداء میں ہوا ہے۔ اور شیخ ابن حجر ؒ نے بھی اس بات کو اہل سنت کے معتقدات میں سے کہا ہے......

اے برادر! اس امر میں بہتر طریق یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ کے اصحاب کے لڑائی جھگڑوں سے خاموش رہیں اور ان کے ذکر اذکار سے منہ موڑیں۔ پیغمبر ﷺ نے فرمایا ہے:

"ایاکم وما شجر بین اصحابی" میرے اصحاب کے درمیان جو جھگڑے ہوئے ہیں ان سے اپنے آپ کو بچاؤ۔

اور حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

"اذا ذکر اصحابی فامسکوا" یعنی جب میرے صحابہ کا ذکر کیا جائے تو زبان کو روکو۔

نیز حضور ﷺ نے فرمایا ہے:

"الله الله فی اصحابی لا تتخذوھم غرضا" یعنی میرے صحابہ کے حق میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ان کو اپنے تیر کا نشانہ نہ بناؤ۔

امام شافعی ؒ نے فرمایا ہے اور نیز عمر بن عبدالعزیز ؒ سے بھی منقول ہے کہ: "تلك دماء طھر الله عنھا ایدینا فلنطھر عنھا السنتنا" یہ وہ خون ہیں جن سے ہمارے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ نے پاک رکھا تو ہم اپنی زبانوں کو ان سے پاک رکھتے ہیں۔ اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ ان کی خطا کو بھی زبان پر نہ لانا چاہیے اور ان کے ذکر خیر کے سوا اور کچھ نہ بیان کرنا چاہیے۔" (مکتوبات امام ربانی اردو ج ۲ ص ۵۸۰، ۵۸۲)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ بانی دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ:

"حضرت امیر معاویہ و حضرت امیر (ؓ) کا معاملہ حضرت ہارون و حضرت موسیٰ ؑ جیسا تھا۔

(حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو) فضیلت صحبت اور بزرگی صحابیت اور اخوۃ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی ان کو حاصل تھی۔ اور اس لیے سب کے نزدیک واجب التعظیم ہیں۔ جو برا کہے وہ اپنی عاقبت کھوتا ہے کیونکہ خداوند کریم تمام صحابہ کی نسبت فرماتا ہے:

﴿ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ﴾

''جس کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لانے والوں کو رسوا نہ کرے گا۔''

سو جو کوئی اس پر بھی ان کو رسوا کرنا چاہے وہ اللہ کا مقابل ہے۔ ہم کو تو اب یہی لازم ہے کہ ان کی عیب چینی نہ کریں اور یوں سمجھیں کہ حضرت امیر علیہ السلام امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ میں اگر باہم کچھ مناقشہ ہوا بھی تو وہ ایسا ہی تھا جیسا حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون اور حضرت یوسف اور ان کے بھائیوں اور حضرت موسیٰ و حضرت خضر علیہما السلام میں یہ جھگڑے اور قضیے ہوئے۔ یہ سب قصے کلام اللہ میں موجود ہیں۔ انکار کی گنجائش نہیں...... مناقشات صحابہ نہ تو کلام اللہ میں مذکور ہیں نہ حدیث میں ذکر ہے۔ تاریخوں میں ان افسانوں کا بیان ہے سو تاریخوں کا ایسا کیا اعتبار؟ اور وہ بھی شیعوں کی تاریخوں کا اعتبار؟'' (اجوبہ اربعین ص ۱۸۸)

علامہ سید محمود احمد رضوی بریلوی لکھتے ہیں کہ:

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جو آپس میں لڑائیاں ہوئی ہیں ایک مسلمان پر ان پر تنقید و تبصرہ کرنا بہت ہی غیر مناسب ہے۔ ان کے جھگڑوں میں ہمیں حکم و منصف بننے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ یوں بھی ان کی شان میں جو مناقب و فضائل بیان ہوئے ہیں اس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معاملے میں زبان کو بدگوئی وطعن سے بہرحال روکا جائے یہی اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے۔'' (شان صحابہ ص ۴۰)

مورخ اسلام مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے ان کے اور بعض دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اس بات پر اختلاف ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے بلا تامل قصاص لیا جائے یا اس معاملے کو تفتیش و ثبوت کی تمام شرائط پورے ہونے اور خلافت کے مستحکم ہونے تک ملتوی رکھا جائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاک باطنی، نیک نیتی اور رضا جوئی الٰہی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس گروہ میں شریک تھیں جو یہ کہتا تھا کہ قاتلان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو فوراً قتل کیا جائے۔ حالانکہ وہ اپنے بھائی محمد بن ابی بکر کو بھی قاتلان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں شامل سمجھتی تھیں۔ بہن کا بھائی کے قتل پر اصرار کرنا خالص رضائے الٰہی کے جذبہ کا تقاضا تھا...... جنگ جمل اور جنگ صفین دونوں لڑائیاں منافقوں کی شرارتوں اور چالاکیوں سے برپا ہوئی۔ حضرت امیر معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں میں کئی سال

تک حالت جنگ قائم رہی لیکن مذہبی معاملات میں جب کبھی ضرورت پیش آئی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس استفتاء بھیجتے اور ان کے فتویٰ پر عمل کرتے۔ یہ دلیل اس بات کی ہے کہ ان بزرگوں میں اگر مخالفت بھی تھی تو وہ اسی حد تک تھی اور انھی معاملات میں تھی جن میں ان کا اختلاف رائے تھا۔ ان میں ہر ایک اپنی اپنی رائے پر صداقت و ایمان داری کے ساتھ قائم تھا۔ ضد اور ہٹ کی بنا پر نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ جمل کے بعد جب بصرہ میں داخل ہوئے تو قیس (بن سعد) بن عبادہ رضی اللہ عنہما نے عرض کیا کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے وعدہ فرمایا تھا کہ میرے بعد تم خلیفہ بنائے جاؤ گے۔ کیا یہ درست ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ بات بالکل بے حقیقت اور غلط ہے۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہرگز جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اگر آپ مجھ سے یہ وعدہ فرماتے تو میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کو کیوں خلیفہ بننے دیتا اور کیوں ان کی بیعت کرتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان ملکی معاملات میں اسی طرح اختلافات رونما ہوئے جیسا کہ انسانوں کی ہر جماعت میں رونما ہو سکتے اور ہوتے رہتے ہیں لیکن عقائد اسلام، اعمال اسلام اور دینی احکام کے متعلق ان میں ہرگز ہرگز کوئی اختلاف رونما یا گروہ بندی نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہدایت نامہ قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا ہوا خالص اور سادہ اسلام سب کا قبلہ توجہ اور نصب العین تھا۔'' (تاریخ زوال ملت اسلامیہ ص۳۵۲، ۳۵۳)

موصوف اپنی دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

''امیر معاویہ، حضرت علی اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تمام اختلافات ان کے اجتہادات پر مبنی تھے۔ ان میں سے اگر کسی سے غلطی بھی ہوئی تو وہ اجتہادی غلطی تھی۔ نیت اور ارادے پر مبنی نہ تھی۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو دیدہ و دانستہ شریعت اسلام اور احکام خداوندی و ارشادات نبوی کی مخالفت پر آمادہ ہو سکتا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا اپنے نزدیک حق سمجھ کر کیا ہے۔ اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جو کچھ کرتے تھے اپنے آپ کو حق و راستی پر سمجھ کر کرتے تھے۔ یہی حالت دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تھی۔ جس نے جس کو حق پر سمجھا وہ اسی کا طرف دار و حامی بن گیا اور یہ سب کچھ منشائے الٰہی کے ماتحت ہوا۔''

(تاریخ اسلام جلد دوم ص۳۹)

مشاجرات صحابہ کے بارے میں یہ رویہ صرف محدثین و فقہاء ہی کا نہیں بلکہ محقق مورخین کی مورخانہ تحقیق بھی یہی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلافات شر سے خالی اور محض اجتہادی تھے۔ جس میں توجہ الی الدنیا یا توجہ الی النفس کے بجائے صرف توجہ الی اللہ راسخ تھی اور وہ محض للّٰہیت پر مبنی تھا۔ اس طرح مشاجرات صحابہ کے بارے میں یہ نقطہ نظر عقیدہ ہی نہیں بلکہ تاریخی نظریہ بھی بن گیا ہے۔

محقق اہل سنت حضرت مولانا ابو ریحان عبدالغفور صاحب سیالکوٹی لکھتے ہیں کہ:

''سو واضح ہو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق اہل سنت کا بنیادی عقیدہ تو "لا نذکرھم الا بالخیر" ہے یعنی کہ ہم (اہل سنت) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ بھلائی کے بغیر کسی اور طرح سے نہیں کرتے بلکہ صرف بھلائی سے ہی کرتے ہیں۔ آگے پھر ذکر بالخیر کی درجہ بدرجہ کئی قسمیں اور مختلف صورتیں ہیں۔ ان میں سے کوئی قسم بھی اگرچہ ذکر بالخیر کے منافی تو نہیں لیکن وہ سب قسمیں اور صورتیں آپس میں درجے اور مرتبے کے اعتبار سے برابر بھی نہیں اور آپس میں قسیم ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے متحد بھی نہیں بلکہ ایک دوسرے کے منافی ہیں۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ صحابہ کا ذکر بالخیر نصاً ہوگا یا کفاً۔ نصاً یہ کہ صراحتاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف و توصیف کی جائے، ان کے لیے اللہ کی رحمت اور رضا مانگی جائے اور استغفار کیا جائے وغیرہ۔ اور کفاً یہ کہ ان کے احترام اور شرعی مرتبہ و مقام کے پیش نظر اپنی زبانوں کو ان کی شان کے خلاف کچھ کہنے سے باز رکھا جائے۔

پھر کفاً ذکر بالخیر کی دو قسمیں ہیں: کف کامل اور کف ناقص۔ کف کامل یہ کہ صحابہ پر اجتہادی صواب و خطا جیسا بھی کوئی حکم نہ لگایا جائے۔ اور کف ناقص کہ جس کا عام عنوان ''تخطئہ و تصویب'' ہے یہ کہ صحابہ پر اجتہادی صواب و خطا سے زائد کوئی حکم نہ لگایا جائے......'' (سبائی فتنہ ج ۱ ص ۳۱۲)

علاوہ ازیں روزِ قیامت مسلمانوں سے ان کے عقائد و اعمال کے بارے میں سوال ہوگا جنگ جمل و صفین کے بارے میں نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معاملہ بال سے باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ اس لیے اس وادی پر خطر میں پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہوگا۔ اختلاف صحابہ کے بارے میں جس کسی نے بھی ''کف لسان وقلم'' سے کام لیا وہ یقیناً سلامتی اور عافیت میں رہا۔

ان تصریحات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ صحابہ کے باہمی اختلافات و تنازعات کسی عداوت، عناد، کینہ، بغض اور اختلاف عقائد کی بنا پر ہرگز نہ تھے نہ یہ معرکے حق و باطل اور کفر و اسلام ہی کے تھے۔ اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قاتلین عثمان سے کوئی دور کا بھی تعلق اور واسطہ تھا۔ بلکہ اہل سنت کا اجماعی موقف یہ ہے کہ اس تمام معاملے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا دامن بے داغ اور بے غبار ہے اور یہ سب کچھ ان ہی دشمنان اسلام (سبائیوں) کا غلط پراپیگنڈا اور ملی بھگت کا نتیجہ ہے۔ انھیں کیسے گوارا ہوسکتا تھا کہ شجر اسلام پھلے اور پھولے اور دین کے داعی و شاہد آپس میں الفت و محبت کا رشتہ قائم رکھیں۔ ان بزرگوں کے درمیان یہ اختلافات و تنازعات صرف قصاص عثمان کے مسئلے پر رونما ہوئے اس سلسلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول فیصل پیش کر کے بحث ختم کی جاتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ''نزاعی مسئلہ'' کو جنگ صفین کے بعد بصورت خط لکھوا کر تمام شہروں میں نشر کرایا

((والظاهر ان ربنا واحد و نبينا واحد ودعوتنا فى الاسلام واحدة لا نستزيدهم فى الايمان بالله والتصديق برسوله ولا يستزيدوننا الامر واحد الا ما اختلفنا فيه من دم عثمان و نحن منه براء)) (نہج البلاغہ ج۲ ص۱۱۴)

''(ہمارا اور اہل شام کا جو مقابلہ ہوا) ظاہر ہے کہ ہمارا رب ایک ہے ہمارے نبی ایک ہیں اور ہماری دعوت اسلام ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کے رسول کی تصدیق کرنے پر نہ ہم ان سے زیادہ ہیں اور نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں۔ ہماری اور ان کی دینی حالت ایک جیسی ہے۔ مگر خون عثمان کے بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے حالانکہ ہم اس سے بری ہیں۔''

اس سے بالکل واضح ہو گیا ہے کہ فریقین (سبائیوں اور خارجیوں کے علاوہ) کے دلوں میں کوئی بغض و عناد نہیں تھا۔ دونوں مسلمان تھے، دونوں اسلام کے داعی تھے، دونوں کو کفر سے نفرت تھی۔ اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ قیصر روم نے مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلامی سلطنت پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو فوراً اسے ایک خط بھیجا:

''مجھے اس بات کا علم ہوا ہے کہ تم سرحد پر لشکر کشی کرنا چاہتے ہو۔ یاد رکھو اگر تم نے ایسی غلطی کی تو میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صلح کر لوں گا اور ان کا جو لشکر روانہ ہو گا اس کے ہراول دستے میں شامل ہو کر قسطنطنیہ کو جلا ہوا کوئلہ بنا دوں گا۔''

جب یہ خط قیصر روم کے پاس پہنچا تو اس نے وہ اثر دکھایا کہ جو ایک بڑا لشکر بھی شاید نہ دکھا سکتا۔ قیصر مرعوب ہو گیا اور اپنے ارادے سے باز آ گیا۔ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق ص۳۴۳)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس واقعے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''جب قیصر روم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصروف جنگ دیکھا تو اس نے چاہا کہ مسلمانوں پر حملہ کروں تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے لکھا کہ:

((والله لئن لم تنته وترجع الى بلادك يالعين لَاُصْلِحَنَّ انا وابن عمى عليك ولاخرجنك من جميع بلادك ولاضيّقنَّ عليك الارض بما رحبت فعند ذلك خاف ملك الروم وانكف)) (البدایہ والنہایہ ج۸ ص۱۱۹)

''اے لعین! اگر تو اپنے ارادے سے باز نہ آیا اور اپنے شہروں کی طرف مراجعت نہ کی تو اللہ کی قسم! میں اور میرے چچا زاد بھائی علی تیرے خلاف صلح کر لیں گے اور تجھے تیرے ملک سے نکال باہر کریں گے اور زمین باوجود وسعت کے تم پر تنگ کر دیں گے۔ قیصر روم اس خط سے ڈر گیا اور اپنے ارادے سے باز آ گیا۔''

مورخ اسلام اکبر شاہ خان نجیب آبادی لکھتے ہیں کہ:

''ایک مرتبہ جب حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان مخالفت کی آگ مشتعل تھی۔ عیسائیوں کی ایک زبردست فوج نے ایران کے شمالی صوبوں پر جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حکومت میں شامل تھے حملہ کرنا اور مسلمانوں کی نااتفاقی سے خوب فائدہ اٹھانا چاہا حضرت علی رضی اللہ عنہ اس علاقے کو جس پر عیسائیوں کا حملہ ہونے والا تھا بچانے کی کوشش نہیں کر سکتے تھے۔ اگر عیسائیوں کا یہ حملہ ہوتا تو سلطنت اسلامیہ کا ایک وسیع ٹکڑا کٹ کر عیسائی حکومت میں شامل ہو جاتا۔ عیسائی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مشکلات سے واقف اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مطمئن تھے۔ کیونکہ حضرت امیر معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی مخالفت اور زور آزمائی بھی وہ دیکھ رہے تھے۔ ان کو توقع تھی کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہماری حملہ آوری سے خوش ہوں گے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف کی جائے گی لیکن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس خبر کے سنتے ہی عیسائی قیصر کی توقع کے خلاف ایک خط قیصر کے نام بھیجا جس میں لکھا تھا کہ ہماری آپس کی لڑائی تم کو دھوکے میں نہ ڈالے۔ اگر تم نے علی (رضی اللہ عنہ) کی طرف رخ کیا تو علی (رضی اللہ عنہ) کے جھنڈے کے نیچے سب سے پہلا سردار جو تمھاری گوشمالی کے لیے آگے بڑھے گا وہ معاویہ ہوگا۔ اس خط کا اثر اس سے بھی زیادہ ہوا جو ایک زبردست فوج کے بھیجنے سے ہوتا۔ اور عیسائیوں نے اپنا ارادہ فسخ کر دیا۔'' (تاریخ اسلام ج ۲ ص ۳۷)

اس واقعے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا وضاحتی خط کے باوجود جو شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کے ایمان اور ان کی حمیت دینی پر شبہ کرتا ہے یا جنگوں (جمل وصفین) کو حق و باطل اور کفر و اسلام کی جنگ سمجھتا ہے تو بلا شبہ اس کا اسلام سے کوئی دور کا بھی تعلق اور واسطہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں شاگردان رسول اور اصحاب پیغمبر کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ ''اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ......'' سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا قیصر روم کو یہ دھمکی آمیز خط اس وصف کی عملی تفسیر ہے۔ بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس مسلسل خانہ جنگی، بدامنی اور خون ریزی وقتل و غارت سے تنگ آ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے باقاعدہ مصالحت کر لی اور اس کی رو سے شام، مصر اور مغرب کا حصہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور عراق، حجاز اور مشرق کا حصہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زیر نگین رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ جنگ صفین کے بعد فریقین نے ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی اور بھائی چارے کی فضا قائم کی اور ایک دوسرے کے احترام کو ملحوظ خاطر رکھا۔

یہ صلح قاتلان عثمان کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ لہٰذا انھوں نے سازش کے ذریعے سے تینوں بزرگوں (حضرت علی، حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم) سے انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا۔ جس میں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حد تک کامیاب ہو گئے۔ جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شدید زخمی ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی تو خود شدید زخمی ہونے کے باوجود کلمہ استرجاع

پڑھنے کے ساتھ ساتھ بے اختیار رونے لگے ان کی اہلیہ کہنے لگیں کہ کل ان سے اختلاف کرتے رہے اور "الیوم تبکی علیه" آج ان پر روتے ہیں۔ "قال ویحك انما ابکی لما فقد الناس من عمله وعلمه وفضله" تو انھوں نے فرمایا افسوس ہے تجھ پر! میں اس لیے روتا ہوں کہ آج لوگ کتنے علم و فضل اور فضل و بزرگی سے محروم ہو گئے۔

ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ضرار صدائی سے باصرار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اوصاف بیان کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ جس پر انھوں نے غیر معمولی الفاظ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعریف و توصیف کی۔ "فبکیٰ معاویة وقال رحم الله ابا الحسن کان والله کذٰلك" تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بہت روئے اور کہا کہ اللہ ابوالحسن پر رحم کرے اللہ کی قسم وہ ایسے ہی تھے۔ (الاستیعاب مع الاصابہ تحت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ج ۳ ص ۴۴)

اس واقعہ کا انکار اہل تشیع بھی نہیں کر سکے۔ چنانچہ شیعہ مجتہد سید ہاشم حسین لکھتا ہے کہ:

((قال فزرفت دموع معاویة علیٰ لحیته فما یملکها وهو ینشفها بکمّه وقد احتنق القوم بالبکاء ثم قال معاویة رحم الله ابا الحسن کان والله کذلك)) (حلیۃ الابرار ج ۱ ص ۳۴۵)

"راوی نے کہا (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل سنے) تو بے اختیار ان کے آنسوان کی داڑھی پر گرنے لگے اور وہ انھیں اپنی آستین سے صاف کرنے لگے یہاں تک کہ اہل مجلس کے گلے روتے روتے بند ہو گئے۔ پھر حضرت معاویہ نے کہا اللہ ابوالحسن پر رحم کرے اللہ کی قسم وہ ایسے ہی تھے۔"

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ عہد حسنی میں

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے آپ بڑے ہوش مند، صاحب الرائے، عبادت گزار، رحم دل اور خون ریزی سے اجتناب کرنے والے بزرگ تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اٹھنے والے فتنے کے موقع پر اپنے والد بزرگوار کو یہ مفید مشورہ دیا کہ آپ محاصرہ اٹھنے تک مدینہ سے باہر چلے جائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت کے وقت بھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے نہایت دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے اپنے والد بزرگوار کو یہ مشورہ دیا کہ جب تک ممالک اسلامیہ کے لوگ آپ سے خلافت کی درخواست نہ کریں اس وقت تک آپ اسے قبول نہ فرمائیں۔ اسی طرح جنگ جمل کے موقع پر بھی عرض کیا کہ آپ مدینہ لوٹ چلیں اور جنگ سے احتراز فرمائیں۔ اور جنگ صفین کے موقع پر بھی یہ مشورہ دیا کہ جنگ سے ہاتھ روک لینا ہی بہتر ہے۔ اس سے مسلمانوں کی خون ریزی کے علاوہ اختلافات کی خلیج وسیع ہوگی۔

ان تمام واقعات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ ابتداء ہی سے صلح پسند اور مسلمانوں کے باہمی قتال سے سخت متنفر تھے۔ علاوہ ازیں ابھی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو صفین سے واپسی پر اپنے والد بزرگوار کا یہ اعلان بھی صاف سنائی دے رہا تھا کہ

((ایها الناس لا تکرهوا امارة معاویة فانکم لو فقدتموه رأیتم الرؤس تندر عن کواهلها کانها الحنظل)) (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۳۱)

''اے لوگو! امارت معاویہ کو ناپسند نہ کرنا۔ کیونکہ اگر تم نے انھیں کھو دیا تو تم سروں کو شانوں پر سے حنظل کی طرح گرتے ہوئے دیکھو گے۔''

نیز سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اس ارشاد رسول کے بھی راوی ہیں کہ:

((فانی سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا تذهب الایام واللیالی حتی یملك معاویة))

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۳۱)

''(لوگو! مجھے برا بھلا مت کہو) کیونکہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رات اور

دن کی گردش اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک معاویہ (رضی اللہ عنہ) مسلمانوں کے امور کے والی نہ ہوں۔''

مزید برآں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے بچپن ہی میں نگاہِ نبوت نے ان کی پیشانی میں آثار سیادت ملاحظہ کر لیے۔ سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

''میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد نبوی کے منبر پر اس حال میں دیکھا کہ آپ کے پہلو میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے۔ آپ کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی ان کی طرف، پھر فرمایا:

((ان ابنی هذا سید لعل الله ان یصلح به بین فئتین عظیمتین من المسلمین))

(صحیح بخاری کتاب الصلح باب قول النبی للحسن بن علی ابنی هذا سید......)

''یقیناً میرا یہ نواسہ سید ہے اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرا دے گا۔''

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت کی ذمہ داریاں بھی اسی مقصد عظیم کے حصول کے لیے سنبھالیں تا کہ ملت اسلامیہ کو ایک مرتبہ پھر ایک ہی مرکز اور ایک ہی خلیفہ کے ماتحت کر دیا جائے۔ جبکہ دوسری طرف سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی دل میں صلح کی شدید تڑپ لیے ہوئے تھے۔ اس کا اندازہ امام بخاری رحمہ اللہ کی اسی روایت (ابنی هذا سید......) سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے عمرو! اگر اس طرف کے لوگوں نے ان لوگوں کو اور اس طرف کے لوگوں نے ان لوگوں کو قتل کر دیا تو لوگوں کے معاملات کی دیکھ بھال کون کرے گا؟ چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے دو بزرگ صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ اور حضرت عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہما کو صلح کی پیشکش کے ساتھ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ بالآخر ان دو بزرگ صحابہ کی ضمانت پر صلح کا معاملہ بخیر و خوبی طے ہو گیا۔ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ:

((وکان معهما صحیفة بیضاء مختوم علی اسفلهما وکتب الیه وان اکتب الیّ فی هذه الصحیفة التی ختمت فی اسفلها بما شئت فهو لك))

''اور ان دونوں (عبدالرحمٰن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہما) کے ساتھ ایک سفید کاغذ تھا جس کے نیچے مہر لگی ہوئی تھی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا کہ اس سفید کاغذ پر جس کے نیچے میری مہر ثبت ہے، جو شرائط آپ چاہیں لکھ دیں وہ آپ کے لیے ہوں گی۔''

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی فراست و بصیرت اور سابقہ تجربے و مشاہدے سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ ان مفسدین (جو شہادت عثمان، جنگ جمل، صفین، نہروان اور تمام فسادات کا باعث بنے) سے صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت ہی نبرد آزما ہو سکتی ہے۔ تو کیوں نہ زمام خلافت انھیں سونپ کر قصاص عثمان رضی اللہ عنہ اور اپنے

شفیق نانا پیغمبر انسانیت کی پیشین گوئی کی تکمیل کا باعث بن جاؤں۔ مگر دوسری طرف فتنہ پرداز بھی تو بیکار بیٹھے ہوئے نہیں تھے۔ انھوں نے ایک اور صفین برپا کرنے کا منصوبہ بنایا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے انھیں بطور امتحان آگے بھیجا اور خود مدائن میں ٹھہر گئے کہ یکا یک سبائیوں میں ابتری پھیل گئی۔ مشہور کر دیا گیا کہ قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ امیر لشکر قتل ہو گئے۔ انھوں نے علانیہ خلیفہ وقت سے بغاوت کر دی اور ان پر حملہ کر دیا۔ چادر اتار لی، مصلیٰ کھینچ لیا۔ جراح بن قبیصہ نے ران مبارک کو زخمی کر دیا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اسی زخمی حالت میں قصر ابیض میں مقیم ہو گئے۔

مختار بن ابی عبید نے اپنے چچا سعد بن مسعود سے کہا جو مدائن کا گورنر تھا کیا تم کو دولت وعزت حاصل کرنے کا راستہ بتاؤں؟ کہا کیا مطلب؟ کہا حسن کو پکڑو اور قید کر کے معاویہ کے پاس بھیج دو۔ سعد بن مسعود نے کہا اللہ تجھے غارت کرے کیا میں نواسۂ رسول سے دھوکا بازی کروں؟ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۴)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنی فوج سے بیزار اور مایوس ہو گئے اور ان پر بالکل اعتماد نہ رہا، اور حق یہ ہے کہ یہ لوگ اعتماد کے قابل ہی نہ تھے۔ کیونکہ یہ لوگ زبان سے وفادار اور عمل سے بے وفا ثابت ہو چکے تھے۔ جلد ہی حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر ان کی سازش اور ان کے اصلی عقائد کھل گئے۔ لہٰذا اب انھوں نے اپنا تاریخی کردار ادا کرنے کا حتمی فیصلہ کر لیا اور معقول و مناسب شرائط طے کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں رضا کارانہ اور برضا و رغبت خلافت سے (ربیع الاول ۴۱ھ میں) دستبردار ہو کر ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

تاریخ اسلام میں صلح و جنگ کے بہت سے واقعات ہیں لیکن یہ صلح بڑی تاریخی یادگار اور بہت ہی اہم تھی جس کی پیشین گوئی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی سعادت اور خوش بختی کہ اس کی تکمیل کا شرف انھیں حاصل ہوا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا یہ کارنامہ یقیناً لائق صد آفرین و صد تحسین ہے۔ جنھوں نے بالکل صحیح سوچا کہ خلیفہ ہاشمی ہو یا اموی، عربی ہو یا عجمی، گورا ہو یا کالا، اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ اصل مقصد ملت اسلامیہ کا اتحاد، قیام امن، خلافت کا استحکام اور اشاعت و تحفظ اسلام ہے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے اس اقدام سے اب سارے مسلمان ایک خلیفہ اور ایک ہی مرکز کے تحت پھر اکٹھے ہو گئے۔ اس لیے اس سال کا نام ہی ''عام الجماعۃ'' رکھا گیا۔ یعنی وہ سال جس میں عالم اسلام کا تشتت و افتراق ختم ہوا۔ بچھڑے ہوئے گلے ملے۔ جہاد کا تلپٹ شدہ فریضہ از سر نو شروع ہوا۔

حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب علوی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''حسن...... تجھ پر تیرے رب کی بے حد و حساب رحمتیں۔ تو فردوس بریں کا آخرت میں باسی ہوگا۔

اپنے ناناؐ کا ہم نشین۔ تو نے اپنے کردار سے اور عمل سے امت کی عزت اور سربلندی کا سامان کیا۔ تو سید ہے سردار ہے، امت کی نگاہوں کا تارا ہے، اور انسانیت کی متاع عظیم۔ تجھ پر کروڑ کروڑ رحمتیں...... فضل و کمال کے لحاظ سے مثالی انسان، فضائل اخلاق کا پتلا، استغناء، حلم، بردباری کی صفات کا عظیم حامل، قرب الٰہی کے حصول کے لیے عبادت و ریاضت کا رسیا، فیاضی و سیر چشمی جس کی عادت تھی، اور جو اصلاح عقائد کی مہم میں ہر وقت لگا رہتا۔ وہی حسن، رسول محترم ﷺ کا نواسہ، سیدنا علی و سیدہ فاطمہ ؓ کا نور نظر، امت کے جوڑ کا باعث، اسلام اور مسلمانوں کا محسن، صدیوں سے مدینہ منورہ کے عظیم قبرستان کی ایک قبر میں آسودہ راحت ہے۔ اس کی مبارک روح آج بھی انسانوں سے اپنے نانا کے امتیوں سے بطور خاص کہہ رہی ہے اور توجہ دلا رہی ہے کہ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔'' (خلفائے راشدین...... حسن کردار و عمل ص۳۰۶،۵۳۲)

مفکر اسلام سید ابو الحسن علی ندوی ؒ زیر عنوان ''حضرت حسن ؓ کے متعلق آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی کی اہمیت اور اس کے نفسیاتی اثرات'' لکھتے ہیں کہ:

''سیدنا حسن ؓ کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی کہ ''اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے دو مسلم گروہوں کے درمیان مصالحت کرا دے گا'' محض ایک اطلاع نہ تھی جس کو دوسری پیشین گوئیوں کی طرح حضرت حسن ؓ اور دوسرے مسلمان سن لیتے۔ بلکہ حضرت حسن بن علی ؓ کے لیے ایک راہنما اشارہ اور تلقین کی نوعیت رکھنے والا مقولہ بھی تھا جو ان کی پوری زندگی میں ان کے رجحانات و اعمال کا رخ مقرر کرنے اور ایک معیار قائم کرنے میں ''عنوانِ حیات'' کا کام دے۔

اور یقیناً یہ جملہ ان کے قلب کی گہرائیوں میں اتر کر ان کے اعصاب و احساسات پر طاری رہا ہوگا اور ان کے رگ و پے میں سرایت کر چکا ہوگا اور اس کی حیثیت ان کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی وصیت کی ہو گی۔ یہ ضروری ہے کہ جب انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات سنی ہوگی جو آپ کے جد امجد بھی تھے اور نبی برحق بھی کہ یہ بات رسول اللہ ﷺ کی شفقت و محبت کا سبب ہے تو حضور انور ﷺ کے چہرہ مبارک پر مسرت کی لہر اور آنکھوں میں امید کی چمک بھی دیکھی ہوگی اور اس کو اپنی زندگی کے مقاصد میں بڑا مقصد، اعلیٰ ترین اسوہ و نمونہ اور اپنے مستقبل کے لیے راہنما اصول قرار دیا ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ کی یہ پیشین گوئی ان کی تمام حرکات وسکنات سے ظاہر تھی۔ یہاں تک کہ ان کے عالی مرتبت والد ماجد جن کی شفقتیں اس درجے حاصل تھیں جو سراپا محبت اور صاحب فراست آباء کی طرف سے فرمانبردار اور ہونہار اولاد کو حاصل ہو سکتی ہیں۔ وہ آباء جن کو اللہ تعالیٰ نے جبلی طور پر ایسے اعلیٰ کمالات اور فضائل سے نوازا تھا جن کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ ایسے جلیل القدر باپ سے ایسا سعادت مند و مرتبہ شناس فرزند حضرت عثمان ؓ کی شہادت کے بعد عرض کرے کہ آپ لوگوں کو چھوڑ کر کنارہ کش ہو جائیں اور اللہ کی زمین

پر کہیں بھی چلے جائیں۔ یہاں تک کہ عربوں کا دماغ صحیح طور پر کام کرنے لگے اور ان کو ہوش آ جائے۔ اس وقت آپ اگر گوہ کے بل میں بھی ہوں گے تو لوگ آپ کو ڈھونڈ نکالیں گے۔ بغیر اس کے کہ اپنے آپ کو ان کے سامنے پیش کریں، یہ خود آ کر بیعت کرنے کی درخواست پیش کریں گے۔ پھر جس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اہل شام سے جنگ کا ارادہ کیا اور اس کے لیے تیاریاں مکمل کر کے مدینہ سے نکل رہے تھے کہ اپنے حامیوں اور انصار کے ساتھ حریف اور برسر مقابلہ لشکر سے جنگ کریں تو اس وقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ ہی تھے جو سامنے آئے اور عرض کیا "یا ابت دع ھذا" ابا جان! اس ارادہ سے باز رہیں کیونکہ اس راہ میں مسلمانوں کا بڑا خون بہے گا اور ان کے درمیان اختلافات اور صف آرائی کا غیر مختتم سلسلہ شروع ہو جائے گا۔

ظاہر ہے جو فرزند اپنے والد ماجد سے اس طرح کی باتیں کرے اس کے خمیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی اور دعاؤں ہی کا اثر ہو گا۔'' (المرتضیٰ ص ۳۳۶-۳۳۷)

مورخ اسلام مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت اگرچہ ملکی فتوحات اور جنگ و پیکار کے ہنگاموں سے خالی ہے لیکن حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے جنگ کے میدان گرم کیے اور خون کے دریا بہائے بغیر اسلام اور عالم اسلام کو اس قدر فائدہ پہنچا دیا جو شاید بیسیوں برس کی خلافت اور سیکڑوں لڑائیاں لڑنے کے بعد بھی نہیں پہنچایا جا سکتا تھا...... انھوں نے ان خارا شگاف تلواروں اور آہن گداز نیزوں کا رخ دشمنان اسلام کی طرف پھیر دیا جو اس سے پہلے مسلمانوں کی گردنیں اڑانے اور سینے زخمی کرنے میں مصروف تھے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بعد خالد بن ولید سے بھی بڑھ کر بہادری کا نمونہ دکھایا جب کوفہ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی ان کے اپنے ان مختصر الفاظ سے کہ ''اگر امارت و خلافت امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کا حق تھا تو ان کو پہنچ گیا اور اگر یہ میرا حق تھا تو میں نے ان کو بخش دیا'' نہ صرف اسی زمانے کے مسلمانوں کو عظیم الشان درس معرفت حاصل ہوا بلکہ قیامت تک کے لیے مسلمانوں کی رہبری کا عظیم الشان کام انجام دینے کی غرض سے خونخوار و بے پناہ سمندروں کی تاریکیوں میں ایک لائٹ ہاؤس قائم ہو گیا...... خدا تعالیٰ کی ہزاروں ہزار اور بے شمار رحمتیں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی روح پر نازل ہوں کہ انھوں نے اخلاص، ایثار اور خدمت اسلام کا وہ بہترین نمونہ امت محمدیہ کے لیے چھوڑا جس کی توقع خیر البشر رحمۃ للعالمین اور جامع جمیع کمالات انسانیہ کے نواسے سے ہو سکتی تھی۔

اے حسن! تو نے مسلمانوں کے دو ٹکڑوں کو آپس میں ملا کر ایک کر دینے کا وہ عظیم الشان کام کیا ہے جو دولخت شدہ کرہ زمین کے جوڑنے، شق شدہ آسمان کا باہم جوڑ ملانے سے بھی زیادہ مشکل کام تھا۔

اے حسن! تو نے اپنی مدت خلافت میں کوئی میدان کارزار گرم نہیں کیا لیکن تو نے دنیا کے تمام بہادروں، تمام شمشیر زنوں، تمام سپہ سالاروں، تمام ملک گیروں، تمام شیر افگنوں کی سرداری حاصل کر لی۔

اے حسن! تیرے ہی فعل حسن کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں نے بحر روم اور بحر روم کے جزیروں پر قبضہ کیا۔ قسطنطنیہ کی فصیل تک پہنچ کر عیسائی شہنشاہی کو ذلیل و فضیحت کیا۔ طرابلس الغرب، مراکو، اسپین، سندھ، افغانستان، ترکستان وغیرہ ممالک، اسلامی حکومت میں شامل ہو گئے۔

اے حسن! تو نے عالم اسلام میں زندگی کی روح پھونک دی۔

اے حسن! تو نے اپنی شرافت کا نمونہ دکھا کر کشت اسلام کو از سر نو سرسبز کیا۔

اے حسن! مسلمانوں کی ہر ایک کامیابی، مسلمانوں کی ہر ایک فتح مندی، مسلمانوں کی ہر ایک سربلندی تیری روح پر رحمت کی ایک بارش بن جاتی ہوگی۔

اے فاطمۃ الزہرا کے لاڈلے! اے خاندان ابی طالب کے ماہتاب! اور اے امت مسلمہ کے چشم و چراغ! میری روح تیری محبت میں گداز ہے۔ میرا دل تیری عظمت و عظمت سے لبریز ہے۔ میرے جسم کے ہر رونگٹے اور میرے بدن کے ہر ذرے سے تیری مدح و ثنا کا ایک شور برپا ہے۔ تیری بہادری کوہ ہمالیہ رکھتی ہے۔ او اشجع الناس اور او اہل جنت کے سردار میری طرف سے لاتعداد سلام و صلوٰۃ و برکات قبول فرما۔ اور قیامت کے دن او بہادر مجھے بھول نہ جانا۔" (تاریخ اسلام ج ۲ ص ۴۴۱، ۴۶۲)

سیدنا حسن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان صلح نامہ کی تکمیل کے بعد باقاعدہ بیعت اور "انتقال اقتدار" کا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ اس کی کہانی شیعہ مجتہد محمد بن عمر کشی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

((قال سمعت ابا عبدالله يقول ان معاوية كتب الى الحسن بن على صلوت الله عليهما ان اقدم انت والحسين واصحاب على فخرج معهم قيس بن سعد بن عبادة الانصارى فقدموا الشام فاذن لهم معاوية واعدلهم الخطباء فقال يا حسن قم فبايع فقام فبايع ثم قال للحسين عليه السلام قم فبايع فقام فبايع ثم قال يا قيس قم فبايع فالتفت للحسين عليه السلام ينظر ما يامره فقال يا قيس انه امامى يعنى الحسن عليه السلام))

(رجال کشی تحت تذکرہ قیس بن سعد ص ۱۰۲)

"جناب جعفر صادق فرماتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف مکتوب ارسال کیا کہ آپ اور آپ کے برادر حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دیگر احباب ہمارے ہاں تشریف لائیں۔ تو ان کے ہمراہ قیس بن سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہما بھی روانہ ہوئے اور شام پہنچ گئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں اجازت دی اور (اس مجلس میں) ان کے لیے کئی خطباء کا بھی انتظام کیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے حسن! اٹھیے اور بیعت کیجیے۔ یہ سن کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ اٹھے اور بیعت کر لی۔ پھر یہی بات حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے کہی۔ چنانچہ یہ بھی اٹھے اور بیعت کر لی۔ پھر سیکرٹری صاحب نے کہا اے قیس اٹھو اور بیعت کرو تو انھوں

نے حضرت حسین کی طرف دیکھا کہ وہ اس بارے میں کیا حکم دیتے ہیں۔ اس پر حضرت حسین نے فرمایا اے قیس حضرت حسن میرے قائد ہیں۔ (یعنی جب انھوں نے بھی بیعت کر لی اور میں نے بھی تو اب کیسی اجازت؟)''

شیخ ابو جعفر الطّوسی نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

((الا وانّی قد بایعت هذا واشار بیده الی معاویة))

(امالی جلد۲ ص ۱۸۰ تحت مجلس یازدہم بحوالہ سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ج ۲ ص ۳۲۸ مؤلفہ مولانا محمد نافع صاحب)

(''یعنی حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے) اپنے ہاتھ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا خبردار! میں نے ان سے بیعت کر لی ہے۔''

شیعہ کی مستند کتاب ''رجال کشی'' اور شیخ طوسی کی ''امالی'' سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح ہی نہیں کی بلکہ ان کے ہاتھ پر بیعت بھی کی تھی۔ اور یہی بات ان کی دیگر کتب میں بھی پائی جاتی ہے۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تصویر کا ایک اور رخ بھی یہاں پیش کر دیا جائے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی یہ صلح اور بیعت قاتلان عثمان کے لیے نہ صرف ناقابل برداشت تھی بلکہ پیغام موت بھی تھی۔ اس عظیم الشان صلح سے یہودیوں، مجوسیوں، منافقوں، تفرقہ بازوں، ابن ابی اور ابن سبا کے تربیت یافتہ مفسدوں کی امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ جو امت مسلمہ میں انتشار و خلفشار باقی رکھنے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو نام کا خلیفہ بنا کر دولت اور اقتدار پر قابض رہنے کے خواہش مند تھے۔ انھوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر حملوں کے علاوہ ان کی شدید ترین توہین و تذلیل بھی کی۔ ان کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے۔ انھیں مسود وجوہ المسلمین، مذل المومنین اور عار المومنین کے خطابات سے نوازا۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت قائم ہوگئی تو اسی سال حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور دیگر افراد خاندان کے ساتھ واپس مدینہ منورہ آ گئے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ جب بھی ان محلوں سے گزرتے جو ان کے ہم نوا اور ان کے گروہ کے تھے وہ ان پر ملامت آمیز جملے کستے کہ آپ کیوں حضرت معاویہ کے حق میں دستبردار ہو گئے...... یہ ملامت کا سلسلہ عرصہ کے بعد پھر شروع ہوا۔ اور آج تک بہت سے دلوں اور دماغوں میں یہ کھٹک ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ ان کا یہ طرز قابل قدر اور جن کو ان حالات کا سامنا کرنا پڑے ان کے لیے قابل تقلید نمونہ ہے۔ وہ تعریف کے مستحق تھے اور ہیں کہ امت کے افراد کو خون ریزی سے بچا لیا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی۔

آپ کی محبت کا دم بھرنے والے کہا کرتے تھے ''یا عار المومنین'' اے اہل ایمان کے لیے باعث

ننگ و عار۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اس کے جواب میں فرماتے "العار خیر من النار" عار نار سے بہتر ہے۔"

ترجمان سبائیت ملا باقر مجلسی (جس کی کتب کا مطالعہ کرنے کی خمینی نے تاکید کی ہے) اور دیگر سبائیوں نے صلح حسن کو "صلح حدیبیہ" سے تشبیہ دی ہے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے مقام پر مشرکین مکہ کے ساتھ معاہدہ کیا تھا یا جیسا کہ یہودیوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ ہوا تھا، بالکل اسی نوعیت کی صلح حسن بھی ہے۔ باقر مجلسی نے اس قول کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"علت صلح من با معاویہ علت صلح رسول خدا بود با بنی نضیر یا بنی اشجع و علت صلح کہ با اہل مکہ کرد۔ در وقتیکہ از حدیبیہ برگشت آنہا کافراں بودند بتنزیل قرآن معاویہ و اصحابش کافراند بتاویل قرآن۔ اے ابوسعید ہرگاہ من امام باشم از جانب خداوند عالمیان جائز نیست کہ کسی را مرا نسبت بسفاہت دہد در ہر کارے کہ بعمل آورم خواہ مصالحت و خواہ محاربہ......" (جلاء العیون ص ۲۶۰)

"معاویہ کے ساتھ میرے صلح کرنے کی علت اور حکمت اسی طرح ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر اور بنو اشجع کے ساتھ یا جیسے اہل مکہ کے ساتھ حدیبیہ کے مقام پر صلح کی۔ اہل مکہ بحکم قرآن کافر تھے۔ اسی طرح معاویہ اور اس کے ساتھی بھی بحکم قرآن کافر ہیں۔ اے ابوسعید جب میں اللہ کی طرف سے امام مقرر ہوں تو پھر اہل جہاں میں سے کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ میں جو کام کروں اس کی بنا پر میری طرف سفاہت کی نسبت کرے خواہ میں کسی سے مصالحت کروں یا جنگ......"

اہل تشیع کا اس بات پر تقریباً اتفاق ہے کہ "صلح حسن"، صلح حدیبیہ کی مانند تھی اور اکثر وہ تقریراً و تحریراً اس کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ انھوں نے ۱۵ رمضان المبارک تاریخ ولادت حسن رضی اللہ عنہ کو عالمی یوم امن کا نام دے رکھا ہے۔ چنانچہ اخبارات میں "باب العلم اکیڈمک کونسل پاکستان" کے عطیہ سے "بمناسبت عالمی یوم امن ۱۵ رمضان المبارک" قائد ملت جعفریہ آغا سید حامد علی شاہ موسوی کے پیغام پر مشتمل ایک اشتہار شائع ہوا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ:

"حضرت امام حسن علیہ السلام کی سیرت جمال مصطفیٰ کا نظارہ تھا۔ آپ نے اپنے نانا رسول مقبول کی صلح حدیبیہ کی پیروی میں صلح مدینہ کی جو کربلا کی فتح مبین کی تمہید و دیباچہ بنی۔ اگر یہ صلح نہ ہوتی تو کربلا کا عظیم انقلاب برپا نہ ہوتا جو آج بھی دنیائے مظلومیت کی تحاریک حریت کا منبع و سرچشمہ ہے۔ ہم اس میلاد پُرنور کے موقع پر عاشقان رسولؐ و آل اطہار کی خدمت میں ہدیہ تہنیت و تبریک پیش کرتے ہوئے عہد و پیمان کرتے ہیں کہ عالمی امن کے قیام کے لیے امام امن حضرت حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مظلومیت کی حمایت اور ظالمین سے عملی بیزاری کے لیے جدوجہد جاری رکھیں گے۔" (جاری کردہ عالمی یوم امن کمیٹی تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان ہیڈ کوارٹر علی مسجد سٹیلائٹ ٹاؤن راولپنڈی، روزنامہ ایکسپریس اسلام آباد ۲۴ ستمبر ۲۰۰۷ء)

سرزمین ہزارہ ایبٹ آباد کے ایک ادیب جناب سید آل احمد رضوی صاحب (جو وزارت مذہبی امور میں بطور سرکاری ملازم اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں[1]) نے ایک کتاب ''الحسن بن علی علیہما السلام'' کے عنوان پر تحریر کی۔ جس کی اشاعت کی ''سعادت'' شیعہ جنرل بک ایجنسی حمایت اہل بیت وقف رجسٹرڈ لاہور کے حصے میں آئی ہے۔ کتاب پر تقریظ لکھنے والوں میں سید شبیر حسین نقوی مشیر صدر پاکستان، ملک صادق علی عرفانی صدر حمایت اہل بیت ٹرسٹ لاہور، علامہ مرزا یوسف حسین، علامہ سید نجم الحسن کراروی اور پروفیسر سید عارف حسین نقوی شامل ہیں۔ کتاب میں اہل تشیع کے عقائد کی بھرپور وکالت اور ترجمانی کی گئی ہے۔

مولف کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ شیعہ ہیں یا سنی، البتہ ایک شیعہ ملک صادق علی عرفانی نے انھیں ''اہل سنت'' میں سے شمار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اس کتاب کے لکھنے والے سید آل احمد رضوی بڑے خوش عقیدہ اہل سنت ہیں۔'' (الحسن ص ۳)

علامہ مرزا یوسف حسین لکھتے ہیں کہ:

''کتاب ''الحسن بن علی'' مولفہ سید آل احمد صاحب رضوی نظر قاصر سے گزری ہے۔ جس شفقت و اخلاص اور اہل بیت علیہم السلام سے محبت اور عقیدت کے ساتھ انھوں نے اسے مرتب کیا ہے وہ لائق صد تحسین ہے۔ درحقیقت اس تالیف سے وہ حق ادا کر دیا ہے جو ہر بابصیرت اور صاحب ایمان پر عائد ہوتا ہے اس اہم مقصد کے لیے ان کی مساعی اور وسیع مطالعہ داد کے قابل ہے...... میری دعا ہے کہ خدائے قدوس انھیں اجر بے حساب مرحمت فرمائیں اور بیش از بیش توفیقات میں اضافہ فرما دے تاکہ وہ اسی طرح ہمیشہ دین کی خدمت کرتے رہیں اور مسلمان بلکہ ساری دنیا ان کی ان قلمی کاوشوں سے مستفیض ہوتی رہے۔'' (ایضاً ص ۴)

علامہ سید نجم الحسن صاحب قبلہ کراروی لکھتے ہیں کہ:

''میں انتہائی خوشی اور کمال مسرت کے ساتھ لکھ رہا ہوں کہ مجھے عزیزم سید آل احمد صاحب رضوی سے نہایت ہی محبت اور پیار ہے۔ انھوں نے جو کتاب تذکرۂ امام حسن لکھی ہے وہ ان کے صفائے باطن اور اہل بیت رسول سے خلوص و اخلاص کی آئینہ دار ہے۔'' (ایضاً ص ۶)

کراروی صاحب اپنی تقریظ مکمل نہیں کر سکے تھے کہ انھیں بلاوا آ گیا۔ جس پر مولف موصوف اظہار افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''آہ! علامہ اپنی تقریظ مکمل نہ کر سکے۔ اچانک اس دنیائے فانی سے عالم آخرت کو سدھار گئے۔ میں ان کی محبت، شفقت اور خلاص سے محروم ہو گیا۔ علامہ جن کی ذات علم و عمل اور عشق کا حسین اور متوازن مرقع تھی۔ وہ شرافت میں یکتا اور ذہانت میں یگانہ تھے۔ ان کا دماغ علم کا خزینہ اور دل معرفت کا گنجینہ تھا۔ ان کا

[1] موصوف اب وفات پا چکے ہیں۔

عجز و انکسار اور ان کا ادب ان کے ساتھ ہی دفن ہو گیا۔ بظاہر وہ ہماری آنکھوں سے نہاں ہو گئے ہیں لیکن ان کی حسین یادیں تاحیات دلوں کو گرماتی رہیں گی اور ایمان کو بڑھاتی رہیں گی۔ ان کا نام اور کام ہمیشہ زندہ و تابندہ رہے گا۔'' (ایضاً ص ۷، بر حاشیہ)

پروفیسر ڈاکٹر صابر کلوری صاحب ناظم عمومی سرحد اردو اکیڈمی موصوف کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''وہ بیک وقت ادیب، محقق، مصنف اور مولف ہیں۔ گزشتہ ایک عشرے سے بطور سیرت نگار ملک اور بیرون ملک نام پیدا کر چکے ہیں۔ بیس کے لگ بھگ کتابوں کے مصنف ہیں...... ہزارہ کے وہ پہلے ادیب ہیں جنھیں تمغۂ امتیاز ملا ہے۔ ان کا دوسرا اعزاز یہ ہے کہ یہ اعزاز پانے والے وہ سب سے کم عمر قلم کار ہیں۔''

(بحوالہ عظمت رفتہ مولفہ آل احمد رضوی)

مذکورہ تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ رضوی صاحب کے ساتھ اہل تشیع کو کس قدر محبت و الفت اور پیار و تعلق ہے اور اہل تشیع کے ساتھ رضوی صاحب کو کس قدر......

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اہل تشیع کے نزدیک ناصبی (سنی) حرام زادے سے بھی زیادہ برا ہے۔ امام جعفر صادق نے فرمایا حضرت نوح نے کشتی میں کتا اور خنزیر تو سوار کر لیا لیکن حرامی کو داخل نہ ہونے دیا اور ناصبی (سنی) تو حرام زادے سے بھی زیادہ برا ہے۔ (جامع الاخبار بحوالہ فقہ جعفریہ ج ۲ ص ۳۴)

''ناصبی (سنی) کتے سے بھی بدتر ہے: عبداللہ بن یعفور نے حضرت امام جعفر سے روایت کی کہ امام موصوف نے فرمایا خبردار! اپنے آپ کو حمام کے پانی سے دور رکھنا کہ جس میں یہودی، نصرانی اور مجوسی کے غسل کا پانی جمع ہوتا ہو۔ اور ہمارے ناصب (سنی) کا غسالہ تو اس سے بھی کہیں زیادہ ناپاک اور گندا ہے۔ اللہ نے کتے سے زیادہ ناپاک کوئی مخلوق پیدا نہیں کی اور ہم اہل بیت کا ناصب (سنی) تو کتے سے بھی زیادہ گندا، نجس اور ناپاک ہے۔'' (ایضاً)

مذہب شیعہ کا ترجمان اعظم اور خمینی کا مقتدا ملا باقر مجلسی لکھتا ہے کہ:

''حضرت امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ اس جگہ غسل مت کرو جس جگہ حرامی اور سنی کے غسل کا پانی جمع ہوتا ہو۔ اور سنی حرامی سے بدتر ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ حق تعالیٰ نے کتے سے زیادہ بری مخلوق کوئی پیدا نہیں کی۔ اور ناصبی (سنی) اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ ذلیل و خوار ہے۔'' (حق الیقین ص ۵۱۶)

ناصبی کی تعریف: ''امام علی نقی سے سوال کیا گیا کہ ہم ناصبی کی تعریف جاننے میں محتاج ہیں۔ ہم اس سے زیادہ نہیں جانتے کہ جو ابوبکر و عمر کو امیر المومنین پر فضیلت و ترجیح دیتا ہو اور ان کی خلافت و امامت پر یقین رکھتا ہو۔ حضرت امام علی نقی نے اس کے جواب میں فرمایا کہ جو بھی یہ اعتقاد رکھتا ہو وہ ناصبی ہے۔''

(حق الیقین ص ۵۲۱)

ان تصریحات سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ شیعہ کے نزدیک سنی کتے، خنزیر، حرام زادے، یہودی، عیسائی اور مجوسی سے بھی بدتر ہے۔

علاوہ ازیں شیعہ کے نزدیک تمام صحابہ بشمول حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کافر اور مرتد ہیں تو اب غور طلب بات یہ ہے کہ آل احمد صاحب رضوی کیسے اہل تشیع کے محبوب، مخدوم اور محبوب ہو گئے؟

رضوی صاحب صلح حسن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''اکثر طبقوں کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ امام حسن علیہ السلام نے امیر معاویہ سے صلح کیوں کی۔ حالانکہ آپ کے چھوٹے بھائی امام حسین علیہ السلام نے اسی معاویہ کے بیٹے یزید سے جنگ کی اور درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ یہ لوگ ذرا رسول خدا حضرت محمد ﷺ کی حیات مبارکہ پر نظر ڈالیں۔ ترپن سال کی عمر تک ہجرت کے بعد تک آپ نے جنگ نہ کی...... کفار مکہ کی طرف سے جب جارحیت ہوئی تو اس کے بعد بدر، احد، خندق اور حنین کے زبردست معرکے لڑنے پڑے لیکن جب حضور نبی اکرم ﷺ زیارت کعبہ کی نیت سے مکہ معظمہ کی طرف جاتے ہیں...... مگر رسول خدا ﷺ نے صلح فرما کر واپسی اختیار کی اور صلح بھی ان شرائط پر جن سے عام طور پر مسلمانوں میں بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ اسی طرح جناب علی علیہ السلام نے تقریباً چوبیس برس تک ایک بار بھی تلوار نہ اٹھائی...... جب جہاد کے لیے حکم ربانی آ گیا...... تو دنیا نے دیکھا کہ ذوالفقار حیدری نے ہر میدان میں دشمن کے قدم اکھاڑ دیے۔ غزوۂ بدر، احد، خندق اور حنین میں غیر مساعد اور ناموافق حالات میں جس شجاعت اور استقامت کا جناب علی علیہ السلام نے ثبوت دیا...... تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ لیکن حدیبیہ میں جب رسول صلح پر مامور ہوئے تو کئی اصحاب نے ان کی مخالفت کی لیکن علی...... وہ تو صلح نامہ لکھنے کے لیے منتخب ہوئے تھے۔ پھر آخر عمر میں جمل، صفین اور نہروان کے معرکوں میں وہی ذوالفقار حیدری چمکتی نظر آتی ہے جو پہلے بدر و احد، خندق و خیبر اور حنین و طائف میں چمک چکی تھی۔

اسی طرح اب اگر امام حسن علیہ السلام نے صلح کر لی تھی تو یہ اس وقت کے حالات کا تقاضا تھا...... اسی لیے امام نے صلح کا پیغام قبول کر کے امیر معاویہ کی سیاست کو ناکام بنا دیا۔ یہ کہنا کہ جناب حسن علیہ السلام طبعاً صلح پسند تھے اس لیے انھوں نے صلح کی اور امام حسین علیہ السلام طبعاً جنگ پسند تھے اس لیے انھوں نے جنگ کی قطعاً غلط ہے۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت حالات کا تقاضا وہ تھا کہ صلح کر لی جائے۔ جس طرح نبی کریم ﷺ نے مکہ میں کفار سے جہاد نہیں کیا اسی طرح امام حسن علیہ السلام نے اپنے مخالفین سے جنگ نہیں کی اور جس طرح رسول خدا ﷺ نے مدینہ منورہ میں آ کر ہی کفار مکہ کی جارحیت کا مقابلہ کیا اسی طرح جناب حسین علیہ السلام نے اپنے مخالفین سے جہاد کیا...... حقیقت یہ ہے کہ امام حسن علیہ السلام نے صلح کر کے جہاد حسین کا پس منظر تیار کیا...... امیر شام معاویہ اور امام حسن علیہ السلام کے درمیان ہونے والے صلح نامے کی شرائط پر نظر ڈالیں تو معلوم ہو گا کہ ان میں

ان مقاصد کو پورا پورا تحفظ دیا گیا تھا جن کے لیے کربلا کی جنگ ہوئی۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ان شرائط میں سے ایک پر بھی عمل نہ ہوا۔ عمل تو صلح حدیبیہ پر بھی مشرکین کی طرف سے نہ ہوا۔ وہاں صلح حدیبیہ کے بعد فتح مکہ ہوئی اور یہاں صلح حسن کے بعد معرکہ کربلا ہوا...... مختصر یہ ہے کہ امام حسن علیہ السلام نے صلح حدیبیہ سے درس لیا اور جہاں اموی طاقت کو اپنی اصلاح کا موقع دیا۔ وہاں اپنے ساتھیوں کو بھی متحد ہونے کی مہلت عطا فرمائی۔''

(ص۳۶-۴۱)

آگے چل کر موصوف لکھتے ہیں کہ:

''اس وقت جنگ امام حسن علیہ السلام کے لیے بہتر نہ تھی۔ امام کے ساتھی جنگ کے بجائے صلح پر زور دے رہے تھے۔ وہ زندگی چاہتے تھے۔ اس لیے امام حسن علیہ السلام نے جب ہر جانب سے زندگی عزیز کے نعرے سنے تو جنگ پر صلح کو ترجیح دی۔'' (ایضا ص۸۸)

اس تحریر سے واضح ہو گیا ہے کہ رضوی صاحب کے نظریات اس بارے میں بعینہٖ وہی ہیں جو اہل تشیع کے ہیں۔ تاہم چند دیگر نظریات بھی ملاحظہ فرمائیں۔ موصوف ''اہل بیت'' کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''جس طرح ہادی برحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدائے لم یزل کے بعد کائنات کی سب سے افضل اور عظیم ہستی ہیں۔ اسی طرح ان کے اہل بیت اطہار کا شمار بھی سب سے بزرگ اور محترم ہستیوں میں ہوتا ہے۔ اہل بیت وہ ہیں جن سے خدائے وحدہ لاشریک نے ہر قسم کی نجاست دور کر کے انھیں ایسا پاکیزہ بنایا جیسا پاکیزگی کا حق ہے۔ (آگے آیت تطہیر اور حدیث کساء نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں) حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتانے کے لیے کہ آیت تطہیر کن لوگوں کی شان میں نازل ہوئی اور اللہ نے کن لوگوں کو مخاطب کیا۔ ترجمانی حق کا فریضہ جن جن طریقوں سے ادا فرمایا اس کا اندازہ احادیث نبوی سے ہوتا ہے۔ (اس کے بعد مولف نے وہ روایات نقل کی ہیں جن سے ازواج مطہرات کا ''اہل بیت'' سے اخراج ظاہر ہوتا ہے)...... کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا اب کوئی نئی کتاب اللہ کی طرف سے نہیں آئے گی۔ یہ قرآن قیامت تک باقی رہے گا اور یہ سلسلہ ہدایت تا قیامت ضروری ہے۔ لہٰذا اس کتاب کا علم بطور توارث و تعلیم رحمانی باقی ہے۔ خود اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''پھر ہم نے اپنے برگزیدہ بندوں کو اس کتاب کا وارث بنا دیا ہے۔''

یہ لوگ کون ہیں؟ آیت تطہیر اور سورۂ حج دلالت کرتی ہے کہ طہارت واصطفا امت محمدیہ میں ذریت رسول اور اولاد رسول ہی سے مخصوص ہے اور وہی حقیقت میں کتاب الٰہی کے وارث ہیں۔ حضور سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی احادیث ہیں جن میں آپ نے اپنے بعد بارہ ائمہ کا تذکرہ کیا۔ آپ نے جناب علی علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

((یا علی ان الخلفاء من بعدی اثنا عشر انت اولهم واخرهم القائم الذی یفتح الله به

مشارق الارض و مغاربها))

''اے علی! خلفاء (امام) میرے بعد بارہ ہیں۔ جن کے پہلے تم ہو اور آخری قائم آل محمد مہدی امت جس کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ مشارق و مغارب عالم کو فتح کرائے گا......''

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تبلیغ و رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رہا اہل بیت میں سے ہر ایک بلند ترین انسانی اوصاف کا مرقع تھا اور ہر ایک خلق خدا کی راہنمائی او رپیشوائی کے منصب پر خدا کی طرف سے مامور ہوا۔ ان کا مجموعی دور اس عالم میں چشم مشاہدہ کے سامنے ڈھائی سو برس تک رہا۔ ان ڈھائی سو برسوں میں حالات نے طرح طرح کی کروٹیں بدلیں، تغیرات ہوئے لیکن ہر مشکل اور کٹھن وقت پر خلق خدا کے سامنے آل محمد میں سے ایک معصوم ذات نے اپنا اسوۂ حسنہ پیش کیا اور منزل کی نشاندہی کی۔'' (الحسن علیہ السلام ص ۴۳-۷۵)

رضوی صاحب نے مذکورہ نظریات اپنے قلبی اطمینان اور شرح صدر کے بعد تحریر کیے ہیں۔ چنانچہ زیرعنوان ''حرف آغاز'' لکھتے ہیں کہ:

''میری کوشش یہ رہی ہے کہ جو بات لکھی جائے تحقیقی ہو۔ بے بنیاد روایات اور بے ادبانہ و گستاخانہ حکایات سے حتی الوسع احتراز کیا جائے تاکہ عام آدمی خصوصاً نوجوان نسل اس سے استفادہ کر سکے۔ امید ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ ہر قسم کے تعصبات سے بالاتر ہو کر کیا جائے گا۔ دعا ہے کہ رب العزت ہمیں اپنی راہ میں ثابت قدم رہنے والوں، اتباع حق میں جان دینے والوں کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے اور روز محشر ہمیں محمد اور آل محمد میں اٹھائے۔'' (ایضاً ص ۱۴)

رضوی صاحب کے عقائد باطلہ کی تردید کے لیے تو ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے لیکن یہاں صرف یہ کہنا ہے کہ کس سادگی یا عیاری کے ساتھ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کے علاوہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت کی نفی کرتے ہوئے اپنا خبث باطن یا بقول نجم الحسن کراروی ''صفائے باطن'' ظاہر کر گئے۔ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ۔

اہل تشیع کا بنیادی عقیدہ ''عقیدۂ امامت'' ہے بلکہ یہی واحد مسئلہ ہے جس کی بنا پر انھیں عقیدہ تحریف قرآن کا قائل ہونا پڑا، اصحاب پیغمبر کی تکفیر کا اقرار کرنا پڑا اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں عقیدہ بداء کے اختراع پر مجبور ہونا پڑا۔ اہل تشیع کے نزدیک ''امامت'' انبیاء و نبوت کے درجہ و مرتبہ میں ہے بلکہ اس سے بھی بالاتر ہے۔

امامت اور ائمہ پر ایمان لانا اور اس کی تبلیغ کا حکم سب انبیاء علیہم السلام اور تمام کتب سماوی کے ذریعے آیا ہے۔ عقیدہ امامت پر ایمان نہ لانے والا کافر ہے۔ ائمہ کی امامت کا انکار کرنے والے، ائمہ کے مقابلے میں امامت کا دعویٰ کرنے والے اور ان کے پیروکار ظالم، زندیق اور کافر ہیں۔ اگرچہ وہ فاطمی ہوں یا علوی نہ

کیوں نہ ہوں۔ ائمہ اس مرتبہ و مقام کے مالک ہیں جن تک کوئی فرشتہ مقرب اور نبی مرسل بھی نہیں پہنچ سکتا۔ امامت جزو دین ہے۔ ائمہ کو انبیاء علیہم السلام کے تمام خصائص و کمالات اور معجزات تک حاصل تھے اور ان کا درجہ سب انبیاء سے برتر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر تھا۔ کائنات کے ذرہ ذرہ پر ان کی تکوینی حکومت ہے وہ دنیا اور آخرت کے مالک ہیں۔ جس کو چاہیں دیں اور جس کو چاہیں محروم کر دیں۔

امام مامور من اللہ مہبط وحی اور معصوم ہوتا ہے۔ ائمہ کی تعداد بارہ ہے پہلے امام علی اور آخری قائم آل محمد ہیں۔ (اصول کافی، حیات القلوب، کشف الاسرار، الحکومۃ الاسلامیہ)

اور یہی عقیدہ امامت رضوی صاحب نے اپنی کتاب میں ''قرآن و حدیث'' سے ثابت کر کے اپنے خالص ''سنی'' ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ اس کے باوجود اگر انھیں ''سنی'' ہی سمجھا جاتا ہے تو پھر دنیا میں کوئی بھی شیعہ نہیں۔

یہ تفصیل بعض قارئین کے لیے شاید ناگوار ہو۔ مگر صرف اس لیے پیش کی گئی ہے کہ رضوی صاحب کی مانند کتنے ہی ''سنی'' ایسے ہیں جو اہل سنت کی صفوں میں گھس کر اہل سنت کو مسلسل فریب دے رہے ہیں۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بحیثیت خلیفہ راشد

خلافت کا لغوی مفہوم

لفظ خلافت مصدر کا صیغہ ہے۔ اس کا مادہ خَلْفٌ ہے۔ اس کا معنیٰ جانشین ہونا اور ایک کی جگہ دوسرے کا آنا ہے۔

علمائے لغت کے نزدیک خلف آگے اور سامنے کی ضد ہے۔ یعنی پیچھے یا پیٹھ کی جانب۔ "الخلف ضد قدّام" قرآن مجید میں یہ لفظ متعدد مقامات پر اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے: یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ "پیچھے ہونا" زمان اور مکان کے اعتبار سے بھی ہوسکتا ہے (بعد میں آنا یا پیٹھ کے پیچھے ہونا) اور باعتبار مرتبہ اور رتبہ کے بھی ہوسکتا ہے۔ نائب وقت یا مرتبے کے اعتبار سے پیچھے ہوتا ہے۔ اس لیے خلافت کے معنی ہی نیابت اور قائم مقامی کے ہیں۔

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((وخلف فلان فلانا قام بالامر عنه اما معه واما بعده...... والخلافة النيابة عن الغير اما الغيبة المنوب عنه واما لموته واما لعجزه واما لتشريف المستخلف وعلى هذا الوجه الاخير استخلف الله اولياءه فى الارض)) (مفردات القرآن تحت مادہ خلف)

"فلاں شخص فلاں کا خلیفہ بن گیا ہے یعنی اس کی طرف سے کام کرنے کا ذمہ دار ہوگیا ہے خواہ اس کے ساتھ یا اس کے بعد۔ اور خلافت کسی دوسرے کی نیابت کرنا ہے۔ منوب عنہ (جس کا نائب ہو) کے غائب ہونے کی وجہ سے یا اس کی موت کی وجہ سے یا اس کے کمزور اور عاجز ہونے کی وجہ سے یا جسے خلیفہ (نائب) بنایا گیا ہے اسے بزرگی اور شرافت عطا کرنے کی وجہ سے۔ اور اسی آخری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔"

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں کہ:

((والخلافة الامارة وهى الخلّيفى وانه لخليفة بين الخلافة والخلّيفى فى حديث عمر لولا الخلّيفى لاذّنت وقال غيره الخليفة السلطان الاعظم......))

(لسان العرب ج۹ ص۸۳)

''خلافت کے معنی امارت کے ہیں اور خلّیفٰی کے بھی یہی معنی ہیں کیونکہ اس کی امارت وحکومت ایک واضح حقیقت ہے اور خلّیفٰی کا لفظ حدیث عمر میں آیا ہے کہ اگر میں خلیفہ نہ ہوتا (یعنی مجھ پر خلافت و امارت کی ذمہ داریاں نہ ہوتیں) تو میں خود اذان دیتا۔ اس کے علاوہ دوسروں نے کہا ہے کہ خلیفہ بڑے حکمران کو کہا جاتا ہے۔''

اس لغوی تحقیق سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ خلافت صرف جانشینی اور نیابت کو نہیں کہا جاتا بلکہ نیابتی حکومت کو بھی خلافت کہا جاتا ہے۔ اسی طرح خلیفہ صرف نائب اور جانشین کو نہیں کہا جاتا بلکہ نیابتی حکومت کے سربراہ کو بھی خلیفہ کہا جاتا ہے۔

خلافت کی اصطلاحی تعریف

امام ابوالحسن ماوردی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((الامامة موضوعة لخلافة النبوة فی حراسة الدین وسیاسة الدنیا))

(الاحکام السلطانیہ طبع مصر ص ۵)

''امامت (اسلامی حکومت) نبی کی نیابت، دین اسلام کی حفاظت اور امور دنیا کا نظم ونسق چلانے کے لیے قائم کی جاتی ہے۔''

امام ابن عابدین شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((ریاسة عامّة فی الدین والدنیا خلافة عن النبی ﷺ)) (مجموعہ شامی باب الامامہ)

''وہ عمومی ریاست جو دینی اور دنیوی امور میں نبی ﷺ کی بطور نیابت کام کرتی ہو۔''

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''خلافت وہ ریاست عامہ ہے جو اقامت دین کی جانب متوجہ رہتی ہے۔'' (ازالۃ الخفا، جلد اول ص ۱۳)

مذکورہ تعریفات سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ خلافت وہ عمومی ریاست ہے جو حضور نبی کریم ﷺ کی نیابت میں اقامت دین کے فرائض سرانجام دیتی ہو۔

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''اصطلاح شریعت میں ''خلافت'' اس اسلامی سلطنت اور بادشاہت کو کہتے ہیں کہ جس کے ذریعے سے بطریق نیابت آنحضرت ﷺ کی شریعت نبویہ کو قائم اور مستحکم کیا جائے۔ اور جو شخص نائب نبی ہونے کی حیثیت سے دین کے قائم رکھنے کا انتظام کرے وہ خلیفہ ہے۔ اور نائب ہونے کی حیثیت کی قید اور شرط اس لیے لگائی تاکہ لفظ خلیفہ کے مفہوم سے انبیاء علیہم السلام خارج نہ ہو جائیں اس لیے انبیائے کرام علیہم السلام حق تعالیٰ کے

خلیفہ ہوتے ہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام اللہ کے نائب ہونے کی حیثیت سے دین کو قائم کرتے ہیں۔"

(خلافت راشدہ ص۶)

قرآن کریم، احادیث اور عام محاوات و استعمالات عرب میں خلیفہ و خلفاء، امام و ائمہ، ملک و ملوک، سلطان و سلاطین، امیر و امراء، استخلاف فی الارض، وراثت ارضی اور تمکین فی الارض...... یہ سب الفاظ اپنے مصداق میں مترادف اور ہم معنی ہیں۔ جو کسی قوم کے اور ملک کے بڑوں، سرداروں اور سربراہوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ ان میں سے کوئی لفظ مومن، مسلم، عادل و صالح کے لیے معین نہیں اور نہ کوئی لفظ کافر، فاسق اور ظالم وغیرہ کے لیے خاص ہے۔

خلیفہ: یہ لفظ قرآن مجید کی سورۂ بقرہ آیت نمبر ۳۰ اور سورۂ ص آیت نمبر ۲۶ میں آیا ہے:

① ﴿ وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ﴾ (بقرہ: ۳۰)

"اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک نائب۔"

② ﴿ یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ ﴾ (ص: ۲۶)

"اے داود! ہم نے بنایا تجھ کو نائب زمین میں۔"

اسی طرح لفظ خلیفہ کی جمع خلفاء اور خلائف بھی متعدد مرتبہ استعمال ہوئی ہے۔

خلفاء: ﴿ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ ﴾ (الاعراف: ۶۹)

"اور یاد کرو جبکہ تم کو سردار کر دیا پیچھے قوم نوح کے۔"

﴿ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ ﴾ (الاعراف: ۷۴)

"اور یاد کرو جب تم کو سردار کر دیا عاد کے پیچھے۔"

خلائف: ﴿ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ ﴾ (الانعام: ۱۶۵)

"اور اسی نے تم کو نائب کیا ہے زمین میں۔"

﴿ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ...... ﴾ (یونس: ۷۳)

"اور بنا دیا ہم نے انھیں نائب۔"

﴿ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ ﴾ (فاطر: ۳۹)

"(اللہ) وہی ہے جس نے کیا تم کو قائم مقام زمین میں۔"

استخلاف فی الارض بھی دو مرتبہ استعمال ہوا ہے:

① ﴿ یَسْتَخْلِفَكُمْ فِی الْاَرْضِ ﴾ (الاعراف: ۱۲۹)

"اور خلیفہ کر دے تم کو زمین میں۔"

② ﴿ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ ﴾ (النور: ۵۵)

''اور وہ ضرور انھیں زمین میں خلافت عطا کرے گا۔''

مُلْكٌ ، مَلِكٌ ، مُلُوكٌ اور سلطان:

﴿ وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ (البقرة: ۲۵۱)

''اور مار ڈالا داود نے جالوت کو اور دی داود کو اللہ نے سلطنت اور حکمت۔''

﴿ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ﴾ (البقرة: ۲۴۷)

''بیشک اللہ نے مقرر کر دیا تمھارے لیے طالوت کو بادشاہ۔''

﴿ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا ...... ﴾ (المائدہ: ۲۰)

''(اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو) یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر، جب پیدا کیے تم میں نبی اور کر دیا تم کو بادشاہ۔''

﴿ وَاجْعَلْ لِي مِنْ لَدُنْكَ سُلْطَانًا نَصِيرًا ﴾ (بنی اسرائیل: ۸۰)

''اور عطا کر دے مجھے اپنے پاس سے حکومت کی مدد۔''

امام اور ائمہ:

﴿ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ﴾ (البقرة: ۱۲۴)

''میں تجھ کو کروں گا سب لوگوں کا پیشوا۔''

﴿ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ﴾ (الفرقان: ۷۴)

''اور کر ہم کو پرہیز گاروں کا پیشوا۔''

﴿ وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ﴾ (القصص: ۴۱)

''اور کیا ہم نے ان کو پیشوا کہ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف۔''

﴿ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا ﴾ (السجدة: ۲۴)

''اور کیے ہم نے ان میں سے پیشوا جو راہ چلاتے تھے ہمارے حکم سے۔''

﴿ فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ ﴾ (توبہ: ۱۲)

''تو لڑو کفر کے سرداروں سے۔''

احادیث طیبہ میں بھی یہ الفاظ بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((انا مالك الملوك وملك الملوك))

''میں بادشاہوں کا مالک ہوں اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں۔'' (مشکوۃ ص ۳۲۳)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو بحری جہاد کی وجہ سے جنت کی خوشخبری سنائی اور ان کے حق میں فرمایا کہ "کالملوك علی الاسرة" ایسے ہیں جیسے بادشاہ اپنے شاہی تختوں پر بیٹھے ہوں۔ (صحیح بخاری کتاب الجہاد)

((السلطان ظل الله فی الارض یاوی الیه کل مظلوم من عباده))

(الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۶۸)

''سلطان (مسلمان بادشاہ) زمین میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سایہ ہے۔ جس کے پاس اللہ کے بندوں میں سے ہر ایک مظلوم دادرسی اور انصاف کے لیے رجوع کرتا ہے۔''

((السلطان ظل الله فی الارض فمن اکرمه اکرمه الله ومن اهانه اهانه الله))

(کنز العمال برحاشیہ مسند احمد ج ۲ ص ۱۳۱)

''سلطان زمین میں اللہ کا سایہ ہے۔ جس نے اس کی عزت کی اللہ اس کی عزت کرے گا اور جس نے اس کی توہین کی اللہ اس کو ذلیل کرے گا۔''

((ان احب الناس الی الله یوم القیامة وادناهم منه مجلسا امام عادل وابغض الناس الی الله وابعدهم منه مجلساً امام جائر)) (ترمذی، ابواب الاحکام)

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ کو سب سے زیادہ محبوب اور اس کے زیادہ قریب امام عادل ہوگا اور سب سے زیادہ مبغوض اور سب سے زیادہ دور ظالم امام ہوگا۔''

محولہ بالا آیات و احادیث سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ امام، ائمہ، امیر، امراء، خلیفہ، خلفاء، ملک، ملوک، سلطان اور سلاطین کے الفاظ باہم مترادف ہیں۔ اور ملک، ملوک اور سلطان کے استعمال سے کہیں بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اس سے مراد صرف ظالم، جابر اور فاسق ہی ہیں۔

تاریخ اسلام میں خلافت اس ادارہ کو کہتے ہیں جو امت مسلمہ کے مرکز کی حیثیت رکھتا ہو۔ اور خلیفہ اس ادارے کے سربراہ کو کہتے ہیں جو سرداری اور سربراہی میں آپ کا جانشین ہوتا ہے چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین تھے اور وحی رسالت کا سلسلہ آپ پر منقطع ہوگیا تھا اس لیے آپ کی رحلت کے بعد ایک انتظامی سربراہ (خلیفہ) کی ضرورت تھی جو شیرازۂ امت کو بکھرنے سے بچائے۔ اللہ اور اس کے رسول کے اوامر ونواہی کو نافذ کرے۔ غلبہ دین اور اقامت دین کا فریضہ سرانجام دے۔ اس کام کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بالاتفاق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین یعنی خلیفہ منتخب کرلیا اور انھیں خلیفۃ الرسول کہنے لگے اس طرح خلافت اسلامیہ کا ادارہ وجود میں آ گیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو لوگوں نے انھیں بھی خلیفۃ

الرسول کہنا شروع کر دیا۔ ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں آنحضرت ﷺ کا خلیفہ نہیں ہوں بلکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا خلیفہ ہوں۔ اس لیے صحیح بات یہ ہے کہ آپ سب مومنین ہیں اور میں آپ کا امیر۔ اس طرح وہ امیر المومنین کہلائے۔ اور یہ لقب اتنا پسند کیا گیا کہ ان کے بعد سارے ہی خلفاء اسی لقب سے ملقب ہوئے۔ بلکہ یہ لفظ شخصی لقب کے بجائے منصب خلافت پر متمکن ہونے والے کا عہدہ بتانے کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔

مسئلہ خلافت اسلامی نقطہ نظر سے بہت ہی اہم ہے۔ کتاب وسنت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلافت اسلامیہ کا قیام واجب ہے۔ چنانچہ امام ابوالحسن الماوردی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((وعقد الامامة لمن یقوم بها فی الامة واجب بالاجماع)) (الاحکام السلطانیہ ص۵)

''خلافت کی سربراہی کے لیے اس شخص کا تقرر جو یہ فرض انجام دے سکتا ہو بالاجماع واجب ہے۔''

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((ولا یجوز التردد بعد موت الامام فی اختیار الامام اکثر من ثلاث)) (المحلی ج۱ص۴۵)

''خلیفہ کی موت کے بعد دوسرے خلیفہ کے انتخاب میں تین دن سے زیادہ تاخیر کرنا جائز نہیں ہے۔''

علامہ ابوشکور سالمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((ان الخلافة ثابتة والامارة قائمة مشروعة واجبة علی الناس ان یرون علی انفسهم اماما بدلیل الکتاب والسنة والاجماع)) (التمہید فی بیان التوحید ص۱۷۲)

''بے شک خلافت وامارت مشروع اور ثابت ہے۔ اور لوگوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے اوپر ایک خلیفہ و امام کو (خلافت کرتا ہوا) دیکھیں۔ اس کی دلیل قرآن حدیث اور اجماع امت ہے۔''

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((ان ولایة امر الناس من اعظم واجبات الدین بل لا قیام للدین الا بها))

(السیاسۃ الشرعیہ ص۱۴۱ طبع مصر)

''خلافت اسلامیہ کا قیام دین کے سب سے بڑے واجبات میں سے ہے بلکہ اس کے بغیر دین قائم ہی نہیں ہو سکتا۔''

بہرحال خلافت اسلامیہ کا یہ انتہائی اہم ادارہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت ربیع الاول ۱۱ھ سے شروع ہو کر عبدالمجید ثانی ترکی ۱۳۴۲ھ-۱۹۲۴ء تک تقریباً ۱۳۳۱ سال قائم رہا۔ جسے ترکی قائد اتاترک مصطفیٰ کمال پاشا نے ختم کر دیا۔

یہ بات صحیح ہے کہ اس ادارہ کو ہر زمانے میں یکساں مقام ومرتبہ حاصل نہیں رہا۔ اسے قوت وضعف کے

دور سے گزرنا پڑا۔ اسے صالح اور غیر صالح افراد سے بھی واسطہ پڑا۔ لیکن اس کے باوجود یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس ادارہ کو ہر دور میں ملت اسلامیہ کے مرکز اور اتحاد اسلامی کے لیے نشان کی حیثیت حاصل رہی۔

خلافت کی مروجہ تقسیم

بنو عباس کے دور میں مورخین نے جو کتب تحریر کیں ان میں عہد خلافت کی تقسیم اس طرح کی گئی:

① عہد خلافت راشدہ: ۱۱ھ سے ربیع الاول ۴۱ھ تک (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تا حضرت حسن رضی اللہ عنہ) دار الخلافہ مدینہ منورہ اور کوفہ۔

② عہد خلافت بنی امیہ: ۲۵ ربیع الاول ۴۱ھ سے ۱۳۲ھ تک۔ دار الخلافہ دمشق۔

③ عہد خلافت بنی عباس: ۱۳۲ھ سے ۶۵۶ھ تک۔ دار الخلافہ بغداد۔

④ عہد خلافت بنی عباس: ۶۵۸ھ سے ۹۲۳ھ تک۔ دار الخلافہ قاہرہ مصر۔

⑤ عہد خلافت عثمانیہ: ۹۲۳ھ سے ۱۳۴۲ھ تک۔ دار الخلافہ استنبول (قسطنطنیہ)

اسی دوران میں خلفائے بنو امیہ نے اندلس میں اور خلفائے بنی فاطمہ نے مصر میں اپنا الگ مرکز قائم کیا۔ ان کے علاوہ جن چند حکمرانوں نے اپنا تعلق مرکز خلافت سے توڑا بھی، مگر پھر بھی انھوں نے خلیفہ وقت سے حکمرانی کی سند اور خلعت ضرور حاصل کی اور اپنا روحانی رشتہ مضبوط یا برائے نام خلافت بنی عباس یا خلافت عثمانی سے بحال رکھتے ہوئے اسے ہمیشہ مسلمانوں کا مرکز خیال کیا۔

مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی لکھتے ہیں کہ:

''یہ اصطلاح کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے لے کر مروان ثانی تک سب کو خلفائے بنی امیہ کہا جائے۔ عہد عباسی کے خوشامدیوں نے بنائی ہے۔ تاکہ عباسیوں کی خوشنودی حاصل کریں۔ ورنہ تاریخی اور عقلی دونوں بنیادوں پر یہ اصطلاح غلط ہے۔ اگر مقصود یہ ہے کہ یہ سب امیہ بن عبد شمس کی اولاد میں سے تھے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی امیہ بن عبد شمس کی اولاد میں سے تھے۔ خلافت بنی امیہ میں انھیں کیوں نہ شمار کیا گیا۔ اور اگر مقصود یہ ہے کہ سارے بنو امیہ ان کے طرف دار تھے تو تاریخی طور پر یہ بھی غلط ہے۔ بہت سے بنو امیہ نے ان کے خلاف ہو کر جنگیں کی تھیں۔ اس لیے صحیح اصطلاح یہی ہے کہ حضرت علی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو طالبین، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید اول کو سفیانین اور مروان اول رضی اللہ عنہ سے مروان ثانی تک کے بارہ خلفاء کو مروانین کہا جائے۔'' (خلافت اسلامیہ ص ۲۷)

موصوف کے بارے میں پیر کرم شاہ صاحب الازہری نے بھی یہ لکھا ہے کہ:

''مولانا عبدالقدوس ہاشمی عالم دین ہونے کے علاوہ فن تقویم میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔''

(ضیاء النبی ج ۲ ص ۳۸)

دار العلوم دیوبند کے ایک فاضل استاذ جناب مولانا حامد الانصاری غازی صاحب نے خلافت اسلامیہ کے پورے دور کواپنے ذوق سلیم کے مطابق اس طرح ترتیب دیا ہے:

اسلامی دور حکومت: سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عصر ظہور ۵۷۱ء سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور تک اسلامی حکومت کا حقیقی اور اصطلاحی دور ہے۔ اس عرصے میں اسلام کی حکم برداری کے قوانین، حاکمیت کے اصول اور حکومت کے طرز سے دنیا کو مکمل طور پر تعارف حاصل ہوا...... ایک عالمگیر نظام حکومت، عالمگیر تحریری قانون، عالمگیر قوم، عالمگیر صلاح و فلاح کے لیے بروئے کار آیا۔ جس کی قوت سے نپولین کے قول کے مطابق "نصف صدی میں نصف دنیا کو فتح کر لیا گیا" اور ایک ایسی حکومت قائم کی گئی جس کے اصول اور عمل میں مکمل مطابقت تھی......

اسلامی دور اور مسلمانوں کے دور کی حدود تاریخی اعتبار سے حسب ذیل ہیں:

اسلامی دور: خلافت الٰہی: سید کونین پیغمبر اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابتی حکومت کا عہد باسعادت ۶۱۰ء/۱۳ق ھ سے ۶۳۲ء/۱۱ھ تک۔

خلافت محمدی دور اول: سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا عہد حکومت ۶۳۲ء/ ۱۱ھ سے ۶۳۴ء/۱۳ھ تک۔

خلافت محمدی دور دوم: سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا زمانہ امارت ۶۳۴ء/۱۳ھ سے ۶۴۴ء/۲۴ھ تک۔

خلافت محمدی دور سوم: سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا زمانہ امارت ۶۴۴ء/۲۴ھ سے ۶۵۵ء/ ۳۵ھ تک۔

خلافت محمدی دور چہارم: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ امارت ۶۵۵ء/ ۳۵ھ سے ۶۶۱ء/ ۴۱ھ تک۔

مسلمانوں کا دور: خلافت بنی امیہ: خلافت بنی امیہ کی حکومت دمشق میں ۶۶۱ء/ ۴۱ھ سے ۷۵۰ء/۱۳۲ھ تک۔

امارت بنی امیہ اندلس میں ۷۵۶ء/ ۱۳۹ھ سے ۱۰۳۱ء/۴۴۲ھ تک۔

خلافت عباسیہ: عباسیوں کی حکومت ۷۵۰ء/۱۳۳ھ سے ۱۲۰۸ء/ ۶۰۵ھ تک۔

خلافت فاطمیہ: فاطمی شیعان علی کی حکومت مصر اور حکومت بربر ۲۹۷ھ سے ۵۶۷ھ تک۔

خلافت عثمانیہ: عثمانی ترکوں کی حکومت ۱۲۹۹ء/ ۶۹۹ھ سے ۱۹۱۸ء/ ۱۳۳۹ھ تک۔

مغلیہ سلطنت: ہندوستان میں مغلوں کی حکومت ۱۵۲۶ء سے ۱۸۵۷ء تک۔

موجودہ دور کی مسلم حکومتیں بھی اس تاریخی سلسلے میں داخل ہیں۔ (اسلام کا نظام حکومت ص ۱۳، ۱۴، ناشر مکتبۃ الحسن لاہور)

موصوف اپنی کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"اغلب یہ ہے کہ اس موضوع پر اس قسم کی کوئی کتاب آج تک اس طرز پر نہیں لکھی گئی...... اس کتاب میں مستند معلومات کا جو ذخیرہ فراہم کیا گیا ہے اور اس سے جو نتائج پیدا کیے گئے ہیں وہ آنے والے دور کے

مصنّفین اور علماء کے تصنیفی کام کے لیے ماخذ قرار پا سکیں گے۔'' (ایضاً ص۱۶)

موصوف اسی کتاب میں آگے چل کر لکھتے (بلکہ تبرا کرتے) ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اثر، قوت اور تدبیر سے یزید کی ولی عہدی کو منظور کرایا...... اس انتخاب کے خون آشام نتائج خود یہ کہتے ہیں کہ یہ تقرر امامت کے لیے دلیل نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یورپین شہنشاہوں کے پڑوس میں مسلمانوں کا اقتدار قائم کر رہے تھے اور ان کا یہ قول بھی دماغ میں رہنا چاہیے ''ہم نے شہنشاہیت اور سلطنت پر قناعت کر لی ہے''۔ اس قول کے بعد راز صاف ہو جاتی ہے ایک ایسی عالمگیر قوم جو انسانیت کو نبوت، قانون رحمت اور خلافت راشدہ کے طرز پر منظم کرنا چاہتی ہے شہنشاہیت پر قناعت نہیں کر سکتی۔ بعد کے زمانہ میں بنی امیہ اور بنی عباس کے اقتدار میں اسلام کے لیے جو پر جوش کارنامے انجام پائے اس سے انکار کیے بغیر ولی عہدی کے رواج کو جائز تسلیم نہیں کیا جا سکتا......

آنحضرت ﷺ نے گیارہ سال تک ''امامت کبریٰ'' کی پیغمبرانہ ذمہ داریوں کو پورا کیا۔ آپ کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دو برس، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دس برس، عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے گیارہ برس، علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے چھ برس امارت شوریٰ اور خلافت راشدہ کو زندہ رکھا تاریخ عالم کے یہ چاروں بڑے اصحاب صاحب اولاد تھے۔ مگر انھوں نے خدا کی حکومت کی حکم برداری میں شاہی تاج وتخت کو نگاہِ غلط سے بھی نہ دیکھا۔

آخر اسلامی تاریخی کا سب سے زیادہ مکروہ واقعہ رونما ہوا۔ یہ روشنی جلد تاریکی سے بدل گئی اور فرمان ''لا نرث ولا نورث'' کے خلاف امارت شوریٰ کی جگہ مطلق العنان شاہی نے لے لی۔ دن ڈوب گیا پھر رات آئی۔ وہی جوہر جو بادشاہوں کے تاج سے بھی زیادہ قیمتی تھا مٹی ہو گیا۔ وہ لوگ جو خدا کے حکم پر تیر کی طرح گئے، بجلی کی طرح گرے، اور قیصر و کسریٰ کے تاج چھین کر ہوا کی طرح واپس آئے، ان کے جانشین رومیوں کے ایک چھوٹے سے پایۂ تخت (دمشق) میں پہنچ کر قیصر کی شہنشاہیت کا شکار ہو گئے۔

تمام پرانے شاہی خاندان (اشکانی، پیشدادی، ساسانی، یونانی، رومی) مٹ گئے، اور ان کی جگہ اموی، عباسی، فاطمی، غزنوی، خلجی، تغلقی، تیموری (مغل) تاتاری (ترکانِ عثمانی) تخت شاہی پر آ گئے۔

۱ھ ۶۲۲ - سے ۴۱ھ - ۶۶۱ء تک چالیس سال کا زمانہ منہاج نبوت اور سیاست شوریٰ کے مطابق گزرا۔ اس کے بعد چودہ سو سال کے اس تاریخی جنگل میں کسی مرد خدا کو یہ خیال نہیں آیا کہ اسلام کا نظام حکومت اپنی اصل قانونی حکومت کے اعتبار سے خدا کے دستور، نبوت کے قائم کردہ معیار اور حکومت راشدہ کے اساسی اصول سے ہٹ چکا ہے۔'' (اسلام کا نظام حکومت ص۴۵۳-۴۵۶)

جناب غازی صاحب کے اس مرثیے اور بدترین تبرے پر کیا تبصرہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کی زد سے نہ اصحاب پیغمبر اور شاگردان نبی آخر الزمان بھی نہ بچ سکے بلکہ سوائے ملت سبائیہ کے ملت اسلامیہ کا کوئی فر

محفوظ نہ رہا۔ دراصل یہودیت و سبائیت کے دودھ سے پلے ہوئے یہ وہی زہرناک، دہشت ناک اور خونی ناگ ہیں جو ہمیشہ سے اور ہر روپ میں اہل سنت کو ڈستے چلے آ رہے ہیں۔

خلافت راشدہ کی تعریف

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''خلافت راشدہ اس حکومت اور ریاست کو کہتے ہیں کہ جس کا تمام ملکی اور ملی نظام منہاج نبوت پر ہو اور جس میں آنحضرت ﷺ کی نیابت کے طور پر وہ امور انجام دیے جائیں جنھیں آنحضرت ﷺ بحیثیت پیغمبر انجام دیتے رہے مثلاً اقامت دین، اقامت جہاد بہ دشمنان دین، اقامت حدود شرعیہ، اقامت ارکان اسلام، احیائے علوم دینیہ، مثلاً قضاء وافتاء وغیرہ۔ غرض کہ اس حکومت کا نظام ایسا ہو کہ وہ بادشاہت اور سلطنت معصیت نہ ہو۔ یعنی حکومت احکام شریعت کے اجراء میں اپنی ذمہ داری کو پورا کر دے اور عند اللہ عاصی نہ ٹھہرے۔ اور راشدہ کے معنی یہ ہیں کہ توفیق ربانی اور تائید آسمانی اس کو کشاں کشاں رشد و ہدایت اور حق و صواب ہی کی طرف لے جائے اور باطل اور جور کی طرف لے جانے سے اس کو روک دے۔ یہ خلافت راشدہ ہے۔'' (خلافت راشدہ ص ۷)

خلافت راشدہ کا اطلاق

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''ہمارے پیغمبر کی خلافت ایک بڑا عظیم الشان کام ہے۔ جس کی قابلیت لوگوں میں متفاوت ہوتی ہے۔ لہٰذا علمائے محققین نے اس کے حسب ذیل مدارج بیان کیے ہیں:

درجہ اول، خلافت راشدہ خاصہ: جس کو خلافت علیٰ منہاج النبوت بھی کہتے ہیں..... تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے اور علمائے محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ درجہ خلافت کا حضرات خلفائے ثلاثہ کو حاصل تھا اور انھی پر ختم ہو گیا..... ان تینوں خلافتوں میں بھی حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی خلافت کا درجہ بہت عالی ہے۔

درجہ دوم، خلافت راشدہ مطلقہ: یہ درجہ خلافت کا گو پہلے درجے سے رتبہ میں کم ہے مگر پھر بھی اس کی شان نہایت ارفع و اعلیٰ ہے۔ یہ درجہ خلافت کا ان لوگوں کے لیے ہے جن کا مستحق خلافت ہونا، صاحب فضائل ہونا آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا ہو مگر امت پر ان کا خلیفہ بنانا لازم نہ کیا ہو۔ یہ درجہ عالی خلافت کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حاصل تھا اور چھ مہینے حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کو حاصل رہا اور ان پر ختم ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ میرے بعد خلافت تیس برس تک رہے گی اس سے مراد یہی دونوں قسمیں خلافت کی ہیں۔

قسم سوم، خلافت عادلہ: یہ درجہ پہلے دونوں درجوں سے بہت گھٹا ہوا ہے۔ اور اس درجہ کے حاصل ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ خلیفہ جامع الشرائط ہو...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اسی میں داخل ہے۔ اس قسم میں بعض خلافتیں ایسی کامل ہوئی ہیں کہ بوجہ ہم رنگ خلافت راشدہ ہونے کے بعض علماء نے ان کو خلافت راشدہ میں شمار کیا ہے۔ جیسے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خلافت۔

قسم چہارم، خلافت ناقصہ یا خلافت عامہ: یہ درجہ بالکل ہم رنگ بادشاہت و سلطنت ہے۔''

(مجموعہ تفسیر آیات قرآنی ص ۸۲، ۸۴)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ بانی دیوبند لکھتے ہیں کہ:

''اجی حضرت! اہل سنت گو سب کو خلیفہ کہیں، پر (موعود) خلیفہ برحق اور خلیفہ راشد چار یار ہی کو سمجھتے ہیں اور یہ ایسی بات ہے جیسے اولاد کو ہر کوئی خلف کہتا ہے پر خلف الرشید اس کو کہتے ہیں جو فرزند کامل ہو...... سو خلیفہ راشد تو چار یار ہی تھے اور یزید، ولید، عبدالملک وغیرہ مروانی عباسی اکثر ناخلف تھے۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس باب میں نہ خلیفہ راشد ہیں نہ ناخلف ہیں...... بالجملہ اہل سنت خلیفہ سبھی کو کہہ دیا کرتے ہیں اس لفظ میں کوئی بزرگی نہیں۔ اس کے معنی فقط جانشین ہیں۔ سو تم ہی کہو اس میں کیا بزرگی ہے؟ اگر کسی نیک آدمی کی جگہ کوئی بدمعاش بیٹھ جائے تو اس کو جانشین تو ضرور کہیں گے پر اس میں کچھ بزرگی نہ نکلے گی۔ ہاں لفظ راشد بزرگی پر دلالت کرتا ہے۔ اس صورت میں خلیفہ کی دو قسمیں ہوں گی ایک خلیفہ راشد، اور یہ چار یار اور پانچویں پانچ چھ مہینے کے لیے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ہو گئے تھے۔ اور دوسرا خلیفہ غیر راشد، اور خلیفہ غیر راشد کو بادشاہ اور ملک بھی سنیوں کی اصطلاح میں کہتے ہیں۔ یزید اور عبدالملک وغیرہ سب اسی قسم کے ہیں۔ ہاں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ البتہ مروانیوں میں سے خلیفہ راشد ہوئے ہیں۔'' (اجوبہ اربعین ص ۱۸۵، ۱۸۶)

اس عبارت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے بھی بہت نیچے دکھایا گیا ہے۔ حضرت موصوف نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو تو زمرۂ خلفائے راشدین میں شامل کر لیا مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس فہرست سے خارج کر دیا۔

حضرت نانوتوی ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

''باقی رہے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، ہر چند ان کو بظاہر تمکین میسر آئی لیکن وہ حقیقت میں تمکین دین نہ تھی، تمکین ملک و سلطنت تھی چنانچہ واقفانِ فن سیر پر پوشیدہ نہیں کہ خلفائے اربعہ کے اطوار اور انداز اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اطوار اور انداز میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ ان کی گزران فقیرانہ اور زاہدانہ تھی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا طور ملوک کا سا تھا۔ اس لیے اہل سنت ان کو باوجودیکہ صحابی سمجھتے ہیں خلفاء میں نہیں گنتے، ملوک میں شمار کرتے ہیں۔ لیکن ملوک ملوک میں بھی فرق ہے۔ ایک نوشیروان تھا ایک چنگیز خان۔ سو یہ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) ہ

چند ملوک میں سے تھے لیکن اس کے یہ معنی ہیں کہ خلفائے راشدین کے مقابلے میں دنیا دار معلوم ہوتے تھے......'' (ہدیۃ الشیعہ ص ٦٦ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

جناب قاضی مظہر حسین صاحب امیر تحریک خدام اہل سنت لکھتے ہیں کہ:

''چونکہ وعدہ خداوندی حکومت و خلافت کا مومنین صالحین ہی کے لیے تھا اس لیے ثابت ہوا کہ ارادۂ خداوندی میں یہی تھا کہ ان اصحاب اربعہ کو ہی منصب خلافت عطا کیا جائے گا۔ اس لیے ان چار یار کی خلافت راشدہ موعودہ کا کوئی مومن بالقرآن انکار نہیں کر سکتا۔ برعکس اس کے اگر مِنْكُمْ اور الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ کو نظر انداز کر دیا جائے اور اس وعدۂ خلافت کو عام رکھا جائے تو سب سے پہلے ان خلفاء کا مومنین صالحین ہونا ثابت کرنا پڑے گا۔ پھر اس کے بعد ان کو خلفائے راشدین تسلیم کیا جائے گا۔ اور خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے بعد تو کسی خلیفہ کے بارے میں یہ ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا کہ وہ مومنین صالحین میں سے تھے۔ مخالفین کے لیے بحث کا دروازہ کھل جائے گا۔ اور خلفاء صحابہ کے بعد تو اہل سنت والجماعت کے لیے تاریخی روایات و واقعات کے پیش نظر یہ فیصلہ کرنا بہت دشوار ہوگا کہ فلاں خلیفہ صالح تھا یا نہیں......''

(حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نادان حامی غالی گروہ ص ٣٩)

موصوف آگے چل کر زیر عنوان ''خلاصہ بحث'' لکھتے ہیں کہ:

''دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ میں شامل ہیں۔ آپ بدعائے نبوی ہادی و مہدی ہیں لیکن رشد و ہدایت کے درجات متفاوت ہیں۔ ایک صحابی بحیثیت صحابی راشد ہیں لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ بحیثیت خلیفہ بھی قرآن و حدیث کے موعودہ خلیفہ راشد ہوں۔ کیونکہ موعودہ خلافت راشدہ میں رشد کے جس درجے کی ضرورت ہے وہ ان کو حاصل نہیں ہے۔ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو وہ مخصوص مقام رشد حاصل ہوتا تو عشرہ مبشرہ میں بھی ان کو بذریعہ وحی ضرور شامل کیا جاتا۔ علاوہ ازیں وہ بھی خلفائے اربعہ کی طرح مہاجرین اولین میں ہونے کا شرف حاصل کرتے۔ تاکہ کسی کو بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قرآن کے موجودہ خلیفہ راشد ہونے میں شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے۔'' (ایضاً ص ٥٤)

یہ درست ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درجے متفاوت ہیں۔ خلفائے اربعہ کا درجہ و مقام بھی یکساں نہیں ہے۔ اس کے باوجود ان پر خلفائے راشدین کا اطلاق کیا گیا ہے۔

کیا قاضی صاحب بتا سکتے ہیں کہ خلفائے اربعہ کو رشد و ہدایت کا ایک جیسا درجہ حاصل تھا؟ کیا قرآن و حدیث میں رشد کی درجہ بندی کی گئی ہے؟

قرآن نے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو من حیث الطبقہ ''الراشدون'' (راشد) کہا لیکن معلوم نہیں کہ قاضی صاحب کے پاس کون سا آلہ ہے جس کے ذریعے سے انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے رشد کو ناپ تول کر

اسے ناقص اور غیر معیاری قرار دیتے ہوئے انھیں زمرۂ خلفائے راشدین سے باہر نکال دیا۔

قاضی صاحب کو اس بات کا بھی شدید غم لاحق ہے کہ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد تسلیم کر لیا جائے تو پھر انھیں مومن صالح بھی ثابت کرنا پڑے گا۔ اور آں محترم کے نزدیک ''خلفائے اربعہ کے بعد تو کسی خلیفہ کے بارے میں یہ ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا کہ وہ مومنین صالحین میں سے تھے۔'' اگر راقم الحروف جیسا کوئی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ''نادان حامی اور غالی'' انھیں مومن صالح ثابت بھی کر دے تو پھر بھی قاضی صاحب کے پاس عظیم علمی ہتھیار موجود ہے کہ ''وہ صورتاً مومن صالح تھے حقیقتاً نہیں'' یا ''ایمان وصالحیت کا وہ درجہ انھیں حاصل نہیں ہے جو خلفائے راشدین کے لیے ضروری ہے''۔

موصوف نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلیفہ غیر راشد ہونے پر ایک دلیل یہ بھی دی کہ ''اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو وہ مخصوص مقام رشد حاصل ہوتا تو عشرہ مبشرہ میں بھی ان کو بذریعہ وحی ضرور شامل کیا جاتا۔''

معلوم نہیں کہ حضرت قاضی صاحب نے بقائمی ہوش وحواس یہ دلیل پیش کی ہے...... انھیں اتنی بات تو ضرور معلوم ہو گی کہ ''عشرہ مبشرہ'' کے حوالے سے ان حضرات کی یہی فضیلت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں نام بنام جنت کی بشارت دی۔ قاضی صاحب کے استدلال سے ''صورتاً'' تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ان کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مومن صالح تسلیم کرنا مشکل ہے اسی طرح انھیں جنتی تسلیم کرنا بھی دشوار ہے۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جملہ صحابہ کے لیے جنت کا اعلان کیا ہوا ہے۔ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى کا اعزاز صحابہ کے لیے مخصوص ہے اور قرآن ہی میں یہ اعلان بھی ہے کہ جن کے لیے ''حسنیٰ'' ثابت ہو جائے تو وہ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ (انبیاء: ۱۰۱) میں شامل ہیں یعنی جہنم کی آگ سے بہت دور ہوں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دس صحابہ کو نام بنام جنت کی بشارت دی ہے اور باقی صحابہ کے بارے میں یوں اعلان فرمایا "لا تمس النار مسلمًا رانی......" (مشکوٰۃ ص۵۵۶) آتش جہنم اس مسلمان کو نہیں چھو سکتی جس نے مجھے دیکھا ہو۔

یہ روایت قرآنی تصریحات کے عین مطابق ہے۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گروہ کے لیے فرمایا کہ جنتی ہے۔ اور دوسرے گروہ کے لیے فرمایا اسے آگ نہیں چھو سکتی یعنی وہ جہنمی نہیں ہے۔ تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ وہ جنتی ہے۔ اگر یہ مطلب نہ ہوتا تو یوں فرماتے کہ یہ نہ جنتی ہے نہ جہنمی ہے بلکہ اعرافی ہے یہ کسی مسلمان کا نظریہ نہیں ہو سکتا۔

علاوہ ازیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے خصوصیت کے ساتھ نام لے کر ہادی مہدی اور جہنم سے محفوظ ہونے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائیں بھی فرمائیں۔ مزید برآں ان کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت و

مغفرت کی بشارت بھی دی ہے۔ جسے صرف امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح بخاری میں سات مرتبہ مختلف ابواب میں نقل کیا ہے۔ اس حدیث میں جنت کی بشارت دی گئی اس بشارت کے مصداق تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے دور امارت (عہد عثمانی) ہی میں ہو گئے تھے۔ قاضی صاحب تو تقریباً چودہ سو سال بعد اس شک کا اظہار کر رہے ہیں کہ اگر وہ خلیفہ راشد ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انھیں بھی عشرہ مبشرہ میں شامل کر دیتے۔ اگرچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ''عشرہ مبشرہ'' میں شامل نہیں ہیں لیکن اس کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں ہو سکتا کہ وہ جنتی نہیں ہیں۔ محولہ بالا آیات واحادیث سے ان کا جنتی اور مومن صالح ہونا روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

قاضی صاحب نے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ''خلیفہ راشد'' تسلیم کیا ہے تو اب سوال یہ ہے کہ کیا وہ بھی ''عشرہ مبشرہ'' میں شامل ہیں؟ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ قاضی صاحب، حضرت نانوتوی اور امام اہل سنت کے نزدیک عشرہ مبشرہ کے مصداق سے خارج ہو کر خلیفہ راشد ہو سکتے ہیں تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ سلوک کیوں روا رکھا جا رہا ہے؟ اگر قاضی صاحب أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ کی حقیقت پر غور کر لیتے تو انھیں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ ''بطور تتمہ کے خلیفہ راشد'' لکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی۔

چنانچہ موصوف ایک دوسرے مضمون میں لکھتے ہیں کہ:

''اگر اکابر محققین میں سے کسی بزرگ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد لکھا ہے تو اس سے مراد بھی قرآن کے موعودہ خلیفہ راشد نہیں ہیں بلکہ ان کے رشد و ہدایت کے خاص رنگ کی وجہ سے آپ کو راشد خلیفہ قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت قرآن کے موعودہ چار خلفائے راشدین کی خلافت کا تتمہ ہے اور آپ کی سیرت خلفائے راشدین کی سیرت سے خاص مشابہت رکھتی ہے۔ اور اسی خصوصیت کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حسب ذیل پیش گوئی کا مصداق حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بھی قرار دیا گیا ہے کہ "الخلافة بعدی ثلثون سنة" میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی۔ اس تیس سالہ مدت خلافت میں چار موعودہ خلفائے راشدین کا زمانہ قریباً ساڑھے انتیس برس ہے اور باقی چھ ماہ کی خلافت موعودہ خلافت راشدہ کا تتمہ ہے۔'' (عقیدہ خلافت راشدہ اور امامت ص ۱۴)

مولانا امجد علی رضوی بریلوی بہ ضمن عقیدہ لکھتے ہیں کہ:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ برحق و امام مطلق حضرت سیدنا ابوبکر صدیق، پھر حضرت عمر فاروق، پھر حضرت عثمان غنی، پھر حضرت مولا علی پھر چھ مہینے کے لیے حضرت امام حسن ہوئے۔ (رضی اللہ عنہم) ان حضرات کو خلفائے راشدین اور ان کی خلافت کو خلافت راشدہ کہتے ہیں۔ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی نیابت کا پورا حق ادا کیا.....

عقیدہ منہاج نبوت پر خلافت حقہ راشدہ تیس سال رہی کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے چھ مہینے پر ختم ہو گئی۔ پھر

امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خلافت راشدہ ہوئی اور آخر زمانہ میں حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ ہوں گے۔ امیر معاویہ اول ملوک اسلام ہیں۔ امیر معاویہ کی بادشاہی اگر چہ سلطنت ہے مگر کس کی؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سلطنت ہے۔'' (بہار شریعت حصہ اول ص ۵۹، ۶۱)

وقار سادات، راس الاتقیا، زینت بزم اہل اللہ جناب سید انور حسین شاہ صاحب نفیس رقم نے تو سیدنا حسن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے لیے زمرۂ خلفائے راشدین میں شمولیت کی گنجائش ہی ختم کر دی اور ایک نئی اصطلاح سے متعارف کرا دیا۔ چنانچہ انھوں نے قاری قیام الدین صاحب کی تالیف ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ'' پر تقریظ لکھتے ہوئے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اسم گرامی کے ساتھ ''خاتم الخلفاء الراشدین'' کا لقب لکھ دیا۔ (ص ۱۹)

یہ اصطلاح ونظریہ نہ صرف قرآن وحدیث کے خلاف ہے بلکہ ان تمام حضرات کی بھرپور تردید بھی کر رہا ہے جنھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور ''امام مہدی'' کو خلفائے راشدین میں شامل کیا ہے۔

اصطلاح خلافت راشدہ کا ماخذ

گزشتہ صفحات میں خلافت کا لغوی مفہوم، اس کی اصطلاحی تعریف، خلافت اسلامیہ کی اہمیت وضرورت اور خلافت کی تقسیم کی وضاحت کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ الفاظ ''امیر، امراء، سلطان، سلاطین، امام، ائمہ، خلیفہ، خلفاء اور خلائف'' اپنے مصداق میں ہم معنی ومترادف ہیں۔

ان الفاظ کے استعمال سے نہ تو کسی کا فاسق، فاجر اور ظالم ہونا ثابت ہوتا ہے اور نہ یہ کسی کی تنقیص اور مذمت کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

اسی طرح ملک اور ملوک کی اصطلاحات کے استعمال سے بھی اس کی حکومت کا خلاف اسلام یا غیر دینی ہونا ہرگز مراد نہیں لیا جا سکتا۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی ان کا استعمال قرآن مجید سے ثابت ہے۔

خلافت راشدہ کی اصطلاح کا ماخذ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد ہے جو مختلف کتب حدیث میں پایا جاتا ہے۔ اس حدیث کے راوی سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

''ایک دن ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی پھر ہماری جانب متوجہ ہو کر ہمیں بلیغ اور نہایت موثر نصیحتیں فرمائیں جس سے دل دہل گئے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے ہمیں اس طرح نصیحت فرمائی ہے جیسے کہ یہ الوداعی نصیحت ہے۔ آپ ہمیں مزید وصیت فرمائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا میں تمھیں اللہ سے ڈرنے، امیر کی بات سننے اور اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں خواہ وہ امیر ایک حبشی غلام ہی ہو کیونکہ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ زبردست اختلاف دیکھے گا "فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا

بالنواجذ وایاکم و محدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ" تو تم میری اور ''خلفائے راشدین مہدیین'' کی سنت کو لازمی پکڑو اور خوب مضبوطی سے داڑھوں سے پکڑو اور نئے کاموں سے احتراز کرو کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۰، ترمذی ص ۱۰۸ ج ۲، سنن ابی داود ج ۲ ص ۲۷۹، مسند احمد ج ۴ ص ۲۷، مستدرک ج ۱ ص ۹۵، داری ج ۱ ص ۲۶)

اس حدیث میں "الخلفاء الراشدین المھدیین" کے الفاظ سے خلافت راشدہ کا تصور لیا گیا ہے اور اس خلافت کے حاملین کو خلفائے راشدین کہا جانے لگا ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ حدیث میں تو صرف ''الخلفاء الراشدین المہدیین'' کے الفاظ استعمال ہوئے جس سے کوئی ادنیٰ ترین اشارہ بھی اس کا نہیں ملتا کہ راشد صرف چار ہیں اور پانچواں غیر راشد ہوگا۔ معلوم نہیں کہ عربی زبان کے کس قاعدے کے تحت اور دین کے کس اصول کے مطابق چار کی تخصیص کر دی گئی ہے۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ راشدہ اور غیر راشدہ اور ملوکیت وغیرہ کی اصطلاحات کا عہد صحابہ میں کوئی وجود ہی نہیں تھا۔

آیت استخلاف

عموماً سورۃ النور کی ایک آیت کے حوالے سے یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ خلفائے راشدین کی تعداد چار ہے اور وہ آیت یہ ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (النور: ۵۵)

''وعدہ کر لیا ہے اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کیے ہیں کہ انھیں زمین میں خلافت دے گا، جیسا کہ خلافت دی تھی ان سے پہلے کے لوگوں کو اور مضبوط کر دے گا ان کے لیے اس دین کو جسے اس نے پسند کیا ہے ان کے لیے، اور ان کے اس خوف کے بعد اس کو امن کے ساتھ تبدیل کر دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں گے۔ اور جو اس کے بعد ناشکری کرے گا تو ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں۔''

اس آیت کریمہ میں پانچ چیزوں کا وعدہ کیا گیا ہے:

① مومنین صالحین کو زمین میں خلافت (حکومت) دی جائے گی۔
② دین اسلام کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرے گا اور اسے غالب کیا جائے گا۔
③ مسلمانوں کو دشمنوں کا کوئی خوف نہیں رہے گا۔

④ اس خلافت وحکومت میں لوگ اللہ ہی کی بندگی کریں گے اور شرک کا نظام ختم ہو جائے گا۔
⑤ جو لوگ اس خلافت کی ناشکری کریں گے وہ فاسق سمجھے جائیں گے۔

یہ آیت کریمہ واضح طور پر اعلان کر رہی ہے کہ خلافت اسلامیہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور عطیہ ہے۔ اس کے بغیر محض تبلیغ وتعلیم سے نہ دین غالب ہوسکتا ہے نہ امن وامان قائم ہوسکتا ہے اور نہ نظام کفر وشرک ہی کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔ اگرچہ اس آیت کے اولین مصداق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں لیکن اس کے عموم میں پوری امت مسلمہ بھی داخل ہے۔

مشہور مفسر ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''کہا گیا ہے کہ یہ وعدہ نبی علیہ السلام اور ان کے رفقاء سے ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ وعدہ محض مہاجرین سے ہے جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ وعدہ عام ہے۔'' (تفسیر نسفی ج ۳ ص ۱۱۶)

امام ابو عبداللہ قرطبی مالکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''علماء کے ایک بڑے طبقہ کی رائے یہ ہے کہ یہ وعدہ ساری امت کے لیے ہے...... ابن عطیہ فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ آیت میں اصل اشارہ یہ ہے کہ اس میں تمام امت و جمہور کی حکومت مراد ہے۔ اور حضرت ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہماری رائے یہ ہے کہ یہ وعدہ نبوت اور خلافت کے حق میں عام ہے...... پس صحیح بات یہ ہے کہ آیت کریمہ ساری امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے حق میں عام ہے کسی خاص طبقہ کے ساتھ خاص نہیں۔'' (قرطبی تحت الآیہ ج ۱۲ ص ۲۹۹ بحوالہ نقیب ختم نبوت ستمبر ۱۹۹۲ء)

علامہ محمد العربی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((والوعد بالاستخلاف فی الارض فی ھذہ الایۃ عام عند المحققین))

''یعنی اس آیت میں استخلاف فی الارض کا وعدہ محققین کے نزدیک عام ہے۔''

(اتحاف ذوی النجابہ بما فی القرآن والسنۃ من فضائل الصحابہ مطبوعہ قاہرہ ص ۴۰)

ابن جریر طبری آیت کے آخری حصے وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

''اس جگہ کفر سے اللہ کا انکار مراد نہیں ہے بلکہ کفران نعمت مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جزیرۃ العرب میں اسلام کو غالب کر دیا تھا اور مسلمان امن کی حالت میں تھے۔ پھر لوگوں نے جبر کی روش اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی حالت بھی بدل دی۔ اس نعمت (خلافت اور غلبہ اسلام) کی انھوں نے ناشکری اور بے قدری کی تو اللہ تعالیٰ نے خوف کی حالت دوبارہ ان پر مسلط کر دی جو ختم ہو گئی تھی۔ ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ یہ ناشکری حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا تھا۔'' (تفسیر ابن جریر ج ۱۸ ص ۱۰۰)

امام بغوی رحمہ اللہ نے بھی معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ:

''خلافت کی ناقدری اور ناشکری کا پہلا واقعہ قتل عثمان ہے آپ کے شہید ہو جانے کے بعد اللہ کے انعامات میں کمی آ گئی اور مسلمان امن کی حالت سے نکل کر دوبارہ خوف و ہراس اور باہمی قتل وقتال کی حالت میں مبتلا ہو گئے۔''

امام نسفی رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ خلافت کی ناشکری کرنے والے سب سے پہلے قاتلین عثمان ہیں۔
(تفسیر نسفی ج ۳ ص ۱۱۷)

اس آیت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اسی طرح کی خلافت عطا کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا جیسا کہ ان سے پہلے پچھلی امتوں یعنی بنی اسرائیل کو عطا کی گئی تھی۔ امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''بنی اسرائیل کی خلافت سے باتفاق مفسرین حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خلافت مراد ہے کہ ان کے بعد تین خلیفے بڑے جاہ وجلال کے ہوئے۔ حضرت یوشع، حضرت کالب، حضرت یوساقوس۔ ان خلفائے بنی اسرائیل کے حالات اور فتوحات ہمارے تینوں خلفاء سے ملتے جاتے ہیں۔ اور بعض مفسرین نے حضرت داود علیہ السلام کی خلافت مراد لی ہے کہ ان کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام خلیفہ ہوئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت کی قوت و شوکت ضرب المثل ہے۔ اور ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں مراد ہوں کما فی ازالة الخفاء۔''
(مجموعہ تفسیر آیات قرآنی ص ۱۱۳)

موخر الذکر قول کی امام اہل سنت صحیح توضیح نہیں کر سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے انتقال کے بعد جب یوشع بن نون علیہ السلام کی قیادت میں فلسطین فتح ہوا تو بنی اسرائیل اپنی کوئی متحدہ حکومت قائم نہ کر سکے بلکہ قبائلی عصبیت میں مبتلا ہو گئے۔ ساڑھے تین سو سال سے زائد مدت تک یہی طوائف الملوکی کا دور رہا۔ یہاں تک کہ عمالقہ کے سابقہ مشرک قبائل نے متحدہ محاذ بنا کر بنی اسرائیل کو فلسطین کے بڑے حصے سے بے دخل کر دیا اور تابوت سکینہ بھی چھین لیا۔

اس وقت حضرت سموئیل علیہ السلام نے بحکم الٰہی حکومت کا نظم اپنے ایک رفیق جناب طالوت کو سونپ دیا۔ جو نبی کی زیر قیادت اور ان ہی کی ہدایات کے مطابق کام کرتے تھے۔ قرآن مجید نے نبی کی زبان سے ان کے بارے میں اعلان کرایا ﴿ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ﴾ ''بے شک اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے طالوت کو بادشاہ مقرر کر دیا ہے۔'' ان ہی کی زیر قیادت تین سو تیرہ مومنین صالحین کی مختصر سی فوج نے جالوت اور اس کے بڑے لشکر کا مقابلہ کرتے ہوئے اسے شکست سے دو چار کر دیا۔ جالوت حضرت داود علیہ السلام کے ہاتھ سے مارا گیا جو اس وقت بالکل نوعمر تھے اور طالوت کی فوج میں شامل تھے۔ اس عظیم فتح کے بعد بنی اسرائیل کی مستحکم حکومت شام و فلسطین میں قائم ہوئی اور طوائف الملوکی کا دور ختم ہوا۔

حضرت طالوت کی حکومت ۱۰۲۰ ق م سے لے کر ۱۰۰۴ ق م تک تقریباً ۱۶ سال قائم رہی۔

خلافت داود علیہ السلام: حضرت طالوت کے بعد حضرت داود علیہ السلام کی خلافت قائم ہوئی جو ۱۰۰۴ ق م سے لے کر ۹۶۵ ق م تک تقریباً چالیس سال قائم رہی۔ قرآن مجید نے ان کے بارے میں بتایا ہے کہ:

﴿ یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ...... وَ شَدَدْنَا مُلْكَهٗ...... وَاٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ﴾

''ہم نے داود کو زمین میں خلیفہ بنایا...... اور ہم نے اس کی حکومت کو قوت دی تھی...... اور اللہ نے اسے حکومت عطا کی تھی۔'' (البقرة ۲۵۱،ص ۲۰،۲۶)

ان آیات میں اسی خلافت داودی کا ذکر ہے۔ جالوت کے قتل کے وقت ہی سے ان کی شجاعت ظاہر ہو گئی تھی۔ نبوت اور حکومت ملنے کے بعد تھوڑے ہی عرصے میں شام، عراق، فلسطین اور شرق اردن کے تمام علاقوں پر ان کی حکومت قائم ہوگئی۔

خلافت سلیمان علیہ السلام: حضرت داود علیہ السلام کے بعد یہ وسیع سلطنت ان کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام کو منتقل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ ﴾ (النمل: ۱۶) ''اور وارث ہوا سلیمان داود کا'' اور ﴿ وَكُلًّا اٰتَیْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا ﴾ (الانبیاء: ۷۹) ''داود اور سلیمان دونوں کو ہم نے حکومت دی۔''

حضرت سلیمان کی حکومت بھی ۹۶۵ ق م سے لے کر ۹۲۶ ق م تک تقریباً چالیس سال قائم رہی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد ان کے بیٹے ''رجعام'' خلیفہ ہوئے۔ تقریباً سترہ سال تک عدل و تقویٰ کے ساتھ حکمرانی کرتے رہے اور قوم کی اخلاقی برائیوں کے باعث ان کی حکومت کا زوال ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو جو خلافت بطور انعام عطا فرمائی تھی اس کی ترتیب اور مدت حسب ذیل ہے:

① جناب طالوت: تقریباً سولہ سال، ۱۰۲۰ ق م سے ۱۰۰۴ ق م تک
② حضرت داود علیہ السلام: تقریباً چالیس سال، ۱۰۰۴ ق م سے ۹۶۵ ق م تک
③ حضرت سلیمان علیہ السلام: تقریباً چالیس سال، ۹۶۵ ق م سے ۹۲۶ ق م تک
④ جناب رجعام: تقریباً سترہ سال، ۹۲۶ ق م سے ۹۱۰ ق م تک۔

کل مدت خلافت ۱۱۳ سال بنتی ہے۔

یہ ساری خلافت وحکومت اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ اور عطیہ و انعام تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آیت استخلاف میں اسی طرح کی خلافت بطور انعام اور عطیہ کے امت مسلمہ کو بھی دینے کا اعلان فرمایا کہ وہ خلافت بھی تقریباً اتنی ہی مدت تک قائم رہے گی اور اس کی پسندیدہ بھی ہوگی۔ اسی لیے بنی اسرائیل کی خلافت کے ساتھ اسے تشبیہ دی گئی ہے۔ چنانچہ مفکر اسلام، قاطع سبائیت مولانا محمد اسحاق صدیقی ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''امت مسلمہ کے استخلاف کو بنی اسرائیل کے استخلاف سے تشبیہ دینے سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ اس امت میں بھی خلافت طویل مدت تک یعنی کم از کم ایک صدی تک رہے گی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہوگی۔ اگر اس سے زیادہ ہو جائے تو تشبیہ کے خلاف نہیں۔ اس سے کم ہو تو مشبہ اور مشبہ بہ میں پوری مطابقت باقی نہیں رہتی۔ اور مدت خلافت امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو مدت خلافت بنی اسرائیل سے کم تسلیم کرنا مقتضائے تشبیہ کے خلاف ہے۔ تشبیہ مذکور کا تقاضا یہ ہے کہ اموی اور عباسی خلافتوں کے دور کو خلافت موعودہ کا دور سمجھا جائے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا انعام اور باعث خیر و برکت سمجھا جائے۔

ایک شبہ کا ازالہ: ممکن ہے کہ کسی کو یہ شبہ ہو کہ آیت استخلاف میں تو صرف نفس ''استخلاف'' (عطائے خلافت) کو استخلاف سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل کو ہم نے خلافت عطا کی تھی اسی طرح تمھیں عطا فرمائیں گے۔ وجہ شبہ صرف اتنی ہی ہے جو تشبیہ کے لیے کافی ہے یہ قطعاً ضروری نہیں کہ دونوں امتوں کی خلافتیں سب احوال و اوصاف اور پوری کیفیت میں باہم مشابہ و یکساں ہوں......

جواب: اگرچہ استخلاف کی خبر بعنوان وعدہ خود بشارت اور مسرت خیز ہے لیکن پھر بھی مخاطب کے دل میں ہلکی سی خلش پیدا ہو سکتی تھی کہ یہ خلافت و مملکت عام قوانین تکوینی کے ماتحت حاصل ہوگی یا بطور انعام اور عطائے خاص؟ اس شبہ کو دور کرنے اور بشارت میں مزید اضافہ فرمانے کے لیے ﴿ كَمَا اسْتَخْلَفَ ...... ﴾ فرما کر تشبیہ کے ذریعے سے بات بالکل صاف فرما دی گئی اور اپنے مقبول بندوں کو اس طرح مزید مسرت و طمانیت بخشی گئی کہ تمھیں ہم خلافت و اقتدار بطور انعام عطا فرمائیں گے۔ یہ ہماری عطا فرمائی ہوئی نعمت ہوگی اور ایسی نعمت ہوگی جو بہت سی نعمتوں کے حصول کا سبب بنے گی۔ تشبیہ مذکورہ کا یہ فائدہ بدیہی طور پر سمجھ میں آتا ہے کہ اسے پیش نظر رکھنے کے بعد ہمارا استدلال بالکل بے غبار ہو جاتا ہے اور یہ حقیقت بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ آیت میں تشبیہ صرف استخلاف کو نہیں دی گئی بلکہ نوعیت و کیفیت استخلاف کو نوعیت و کیفیت استخلاف سے دی گئی ہے اور اس کا تقاضا وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ یعنی خیر و برکت۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہونے میں بھی اس خلافت کو سابقہ مشبہ بہا خلافتوں کے مثل ہونا چاہیے۔ اگر یہ نہ سمجھا جائے تو تشبیہ سے کوئی فائدہ نہیں معلوم ہوتا۔ عطائے اقتدار میں مشابہت ہونے سے کیا فائدہ؟ یہ مشابہت تو اسے ہر سلطنت و حکومت کے ساتھ حاصل ہوتی ہے۔ خواہ وہ اہل حق کی سلطنت ہو یا غیر مسلمین کی۔ اس میں اہل ایمان کے اقتدار کی کیا تخصیص ہے؟ اس سے یہ حقیقت اور زیادہ روشن ہو جاتی ہے کہ آیت میں تشبیہ صرف استخلاف کے ساتھ نہیں دی گئی ہے۔ بلکہ کیفیت و نوعیت استخلاف کو کیفیت و نوعیت استخلاف کے مشابہ ظاہر فرمایا گیا ہے۔ شبہ تو بحمد اللہ بالکل صاف ہو گیا اور آیت سے ہمارا استدلال بالکل بے غبار ہو گیا۔ مگر مخالفین خلفاء کی

آنکھوں کا غبار دور کرنے کے لیے انھیں آیت استخلاف کے اس آخری جز کی طرف متوجہ کرتا ہوں:

﴿ وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾

''اور جو لوگ اس کے بعد ناشکری کریں تو یہی لوگ فاسق ہیں۔''

نعمت خلافت کے کفران کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اسے نعمت کے بجائے نقمت کہا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے تو یہ خلافت امت مسلمہ کو بطور انعام عطا فرمائی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ انعام الٰہی سراپا خیر و برکت ہی ہوتا ہے۔ خلافت راشدہ کے سراپا خیر و برکت ہونے میں تو کسی کلام کی گنجائش نہیں ان کے بعد بھی شام و اندلس کی اموی خلافتیں اور بغداد کی عباسی خلافت بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور اسی خلافت کا حصہ تھیں جس کا وعدہ آیت استخلاف میں فرمایا گیا ہے......

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی مذمت کرنا، خلفاء کو ظالم و جابر یا فاسق و فاجر کہنا، ان کی خلافتوں کو ناجائز کہنا، انھیں روم و ایران کے کافر و فاسق بادشاہوں سے تشبیہ دینا، ان کے دور کو رومی و ایرانی قسم کی ''ملوکیت'' کہنا، ان پر افتراء کرنا کہ وہ کافر بادشاہوں کی طرح بیت المال کو اپنی ذاتی ملک سمجھتے تھے اور مسلمانوں کے مال کو اپنے تعیش کے لیے صرف کرتے تھے۔ ان پر یہ بہتان باندھنا کہ وہ اپنے مزاج کے خلاف کوئی بات برداشت نہ کر سکتے تھے اور بے گناہوں کو قتل کر کے خون بہاتے تھے۔ ان پر اور ان کے معاونین پر یہ اور اس قسم کے دوسرے الزام لگانا اور یہ کہنا کہ علماء و صلحاء کا طبقہ ان سے بیزار اور مایوس ہو گیا تھا۔ اس لیے وہ ان سے بالکل الگ ہو گیا تھا۔ ان خلفاء اور ان کے معاونین پر اس طرح کی الزام تراشی کر کے تقریباً سات آٹھ سو سال تک باقی رہنے والی اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمت خلافت کو شر و فساد اور مصیبت و بلا ظاہر کرنا کیا کفران نعمت نہیں ہے؟ پھر کیا آیت مقدسہ میں کفران نعمت کرنے والوں کو فاسق نہیں کہا گیا ہے؟ اس آیت کا شیعوں پر صادق آنا تو بالکل واضح ہے۔ لیکن وہ سنی جو اموی خلافت اور اموی خلفاء کی مذمت کرتے رہتے ہیں، ان سے بغض و عداوت رکھتے ہیں اور جو شخص ان کی تعریف کرے اسے خارجی اور ناصبی کے القاب سے یاد کرتے ہیں ذرا غور کر لیں کہ کہیں وہ بھی تو اس آیت کریمہ نذیرہ کی زد میں نہیں آ جاتے ہیں؟''

(اظہار حقیقت بجواب خلافت و ملوکیت ج ۳ ص ۳۱۰، ۳۱۲)

ان تصریحات سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ آیت استخلاف کا وعدہ پوری امت مسلمہ سے ہے اور بالخصوص صحابہ کرامؓ سے جو آیت مقدسہ کے اولین مخاطب تھے۔ ان کا وعدہ استخلاف سے اخراج کسی طور پر جائز نہیں ہے اور آیت کریمہ کو ''خلفائے اربعہ'' تک محدود کرنا محض سینہ زوری ہی نہیں بلکہ اپنے آپ کو ﴿ وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ ...... ﴾ کے حکم میں شامل کرنا بھی ہے۔

کچھ لوگ آیت استخلاف کے لفظ مِنْكُمْ سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر اس سے عام امت مراد

ہوتی تو لفظ مِنْكُمْ زائد اور بے فائدہ ہو جاتا۔ اور اللہ تعالیٰ کا کلام زائد اور بے فائدہ لفظوں سے پاک و منزہ ہے لہٰذا اس سے وہی حضرات (خلفائے اربعہ) مراد ہیں جو نزول آیت کے وقت موجود تھے۔

یہ تخصیص ''بعض'' کا اپنا خیال ہے۔ آیت استخلاف سے اس کی بالکل تائید نہیں ہوتی جیسا کہ اوپر وضاحت ہو چکی ہے۔

مخالفین صحابہ نے اسی نظریے کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک دوسری آیت (آیت معیت) کو تختۂ مشق بنایا ہے۔

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾ (الفتح: ۲۹)

''وعدہ کیا ہے اللہ نے ان سے جو ایمان لائے اور کیے ہیں اچھے کام، معافی کا اور بڑے ثواب کا۔''

دشمنان صحابہ کے نزدیک اس آیت میں لفظ ''مِنْهُمْ'' کی بنا پر جملہ صحابہ وعدہ الٰہی میں شامل نہیں ہیں بلکہ وہ بعض ہیں جن کے لیے ایمان اور عمل صالح ثابت ہو۔ جبکہ مفسرین کرام رحمہم اللہ نے ''مِنْهُمْ'' کے باوجود سارے صحابہ کو آیت کا مصداق قرار دیا ہے۔ تفسیر عثمانی میں ہے کہ:

''حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب اصحاب ایسے ہی تھے...... بعض دوسرے بزرگوں نے ﴿وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ...... سُجَّدًا﴾ اسے (آیت معیت کو) علی الترتیب خلفائے اربعہ پر تقسیم کر دیا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ یہ آیت تمام جماعت صحابہ کی بہ ہیئت مجموعی مدح و منقبت پر مشتمل ہے۔ خصوصاً اصحاب بیعت رضوان کی جن کا ذکر آغاز سورت سے برابر چلا آ رہا ہے۔'' (تفسیر عثمانی تحت آیت معیت)

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی لکھتے ہیں کہ:

یہ ضمیر ''مِنْهُمْ'' کی الَّذِيْنَ مَعَهٗ کی طرف نہیں پھر سکتی۔ ورنہ معاذ اللہ کلام میں تعارض ہو جائے گا۔ کیونکہ الَّذِيْنَ مَعَهٗ کے جو اوصاف اوپر بیان فرمائے ہیں وہ بتا رہے ہیں کہ وہ سب کے سب مومنین صالح تھے۔ یہ غیر ممکن ہے کہ ان میں کچھ لوگ صالح ہوں کچھ غیر صالح۔ بلکہ یہ ضمیر اس جماعت کی طرف پھر رہی ہے جس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو بعد میں داخل اسلام ہوئے۔ کھیتی کی مثال سے اسلام کی ترقی اور نئے لوگوں کا اسلام میں داخل ہونا مفہوم ہو رہا ہے۔'' (مجموعہ تفسیر آیات قرآنی ص ۵۱۸)

جہاں تک آیت استخلاف کا تعلق ہے تو اس کا اطلاق جملہ خلفائے صحابہ پر بدرجہ اولیٰ ہوتا ہے اور ان کی خلافت ''خلافت راشدہ'' کا اولین مصداق ہے۔

علاوہ ازیں قرآن مجید ''ہدی للناس'' ہے۔ اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ اس کے عموم کو خصوص میں تبدیل کر کے یہ دعویٰ کیا جائے کہ آیت میں وعدۂ استخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف تیس برس کے لیے تھا۔ اگر علی سبیل التنزل اس دعویٰ کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ آیت استخلاف میں لفظ ''مِنْكُمْ'' سے یہ ثابت ہوتا ہے

کہ وعدۂ استخلاف ان مومنین صالحین سے ہے جو اس آیت کے نزول کے وقت موجود تھے۔ اور اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے کیونکہ یہ آیت سورۃ النور کی ہے اور یہ سورہ بنو مصطلق کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اور اس میں اختلاف ہے کہ یہ غزوہ ۵ ھ میں ہوا تھا یا اس کے بعد ۶ ھ کے نصف آخر میں۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس کے بعد اسلام لائے تھے۔ لہٰذا وہ آیت استخلاف کے مصداق نہیں بن سکتے۔

تو اس صورت میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آیت استخلاف کے مصداق قرار پاتے ہیں۔ کیونکہ وہ صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے مشرف باسلام ہوئے۔ (تفصیل پیچھے زیر عنوان ''سیدنا معاویہ کا قبول اسلام'' گزر چکی ہے) اور وہ آیت کے مخاطبین اولین میں سے تھے۔ بعد میں انھوں نے ہجرت بھی کی جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ ہماری مدد سے کیوں باز رہے...... میں (وائل بن حجر) نے جواب دیا...... اور ایک وجہ میرے شریک نہ ہونے کی یہ بھی ہے کہ میں مہاجرین سے لڑنا نہیں چاہتا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کیا ہم لوگ مہاجر نہیں ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ اسی وجہ سے تو ہم آپ سے اور ان سے دونوں سے الگ رہے......'' (ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۴۱۸)

اس کے بعد جو کچھ شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہجرت کے معانی کا فرق معلوم نہیں ہو سکا۔ (ایضاً ص ۴۱۹) یہ ان کا اپنا خیال ہے جو یقیناً باعث تعجب ہے کہ ایک جلیل القدر اور فقیہ صحابی تو ہجرت کا معنی نہ سمجھ سکے مگر قاضی مظہر حسین صاحب اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ سمجھ گئے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یقیناً ان حضرات کی سند کی محتاج نہیں ہیں ان کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں کافی ہیں ''اللھم علمه الكتاب...... اللھم اجعله هاديا مهديا واهد به'' اور ان کی فقاہت کے لیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی سند ''قد صحب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ...... انه فقيه'' کافی ہے۔

بات حضرت معاویہ اور حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہما کے درمیان چل رہی ہے اول الذکر نے اپنے مہاجر ہونے کا دعویٰ کیا اور ثانی الذکر نے اسے تسلیم کر لیا۔ اب شاہ صاحب اور قاضی صاحب کے نہ تسلیم کرنے سے کیا فرق پڑ سکتا ہے؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اپنے اس قول، مدینہ منورہ میں مستقل قیام اور پھر تحصیل علم کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے علاوہ آپ کی معیت میں غزوات میں شرکت جسے شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی دوسرے معنی کے اعتبار سے اعلیٰ درجے کی ہجرت قرار دیا ہے۔ شاہ صاحب کی اس توجیہ کے مطابق تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دونوں طرح کی ہجرت کی سعادت حاصل ہو گئی ہے۔

جناب مظہر حسین صاحب کا یہ دعویٰ کہ سورۃ النور غزوۂ بنی المصطلق کے بعد نازل ہوئی اور یہ غزوہ ۶ ھ کے نصف آخر میں پیش آیا (عقیدہ خلافت راشدہ اور امامت ص۱۲) محل نظر ہے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ سورۃ النور غزوۂ بنی المصطلق کے بعد نازل ہوئی اور یہ غزوہ ۶ ھ کے نصف آخر میں پیش آیا تو اب سوال یہ ہے کہ ۶ ھ کا نصف آخر ۷ ھ تک جا سکتا ہے۔ اب اس کے کتنے عرصہ بعد سورۃ النور نازل ہوئی، اس کے بارے میں کوئی بات قطعیت کے ساتھ نہیں کی جا سکتی۔ تو پھر فریق مخالف کے دعویٰ کی کیا حیثیت باقی رہی؟

مزید برآں کیا یہ ضروری ہے کہ کسی سورت کی تمام آیات یکبارگی نازل ہوگئی ہوں۔ اس سورت (النور) کے نو رکوع اور چونسٹھ آیات ہیں۔ کیا اس کے نزول کی تکمیل ۷ ھ تک ہی ہوگئی تھی۔ علمائے تفسیر کے درمیان سورتوں کی ترتیب نزولی کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے اور وہ سب کسی ایک ترتیب پر متفق نہیں ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب الاتقان میں مختلف اور متضاد اقوال نقل کیے ہیں۔ مفسرین کے نزدیک مکی سورتوں کی تعداد اوتر اسی ہے اور مدنی سورتوں کی تعداد اکتیس ہے۔

ایک ترتیب کے مطابق سورۃ النور کے نزول کا نمبر (مدنی سورتوں میں) ۱۹ ہے۔ جبکہ نمبر ۱۸ پر سورۂ اذا جاء نصر اللہ اور نمبر ۲۰ پر الحج ہے۔ (نظرات فی القرآن، شیخ محمد غزالی طبع دوم مصر ۲۵۸ بحوالہ فقہ القرآن ج ۵ ص ۸۵)

بہرحال اس تفصیل سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ مدنی سورتوں کے نزول کے اعتبار سے سورۃ النور کا نمبر ۱۹ ہے اور وہ اذا جاء نصر اللہ نمبر ۱۸ کے بعد اور سورۃ الحج نمبر ۲۰ سے پہلے نازل ہوئی تھی اور حج ۹ ھ میں فرض ہوا ہے۔ مولانا منظور نعمانی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''حج کی فرضیت کا حکم راجح قول کے مطابق ۹ ھ میں آیا ہے اور اس کے اگلے سال ۱۰ ھ میں اپنی وفات سے صرف تین مہینے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی بہت بڑی جماعت کے ساتھ حج فرمایا جو حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔'' (معارف الحدیث ج ۴ ص ۱۸۸)

سورۂ اذا جاء نصر اللہ کا نزول بھی متفقہ طور پر فتح مکہ (۸ ھ) کے بعد ہی ہوا ہے۔ بلکہ صحیح بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ اذا جاء نصر اللہ کا نزول ۹ ھ ہی کا ہے۔ اس روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سورۂ اذا جاء نصر اللہ کے بارے میں شیوخ بدر کے سامنے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے استفسار پر فرمایا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی اطلاع ہے جو اللہ نے آپ کو بتا دی ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ما اعلم منها الا ما تقول'' کہ میں (بھی) اس کے متعلق اس سے زیادہ نہیں جانتا جو تم کہہ رہے ہو۔

(صحیح بخاری تفسیر سورۃ اذا جاء نصر اللہ)

واضح رہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ بیان شیوخ بدر کے سامنے ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی

مجلس شوریٰ کے رکن اور اکابر صحابہ تھے اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات کی اطلاع آپ کی وفات سے کچھ ہی پہلے دی گئی ہوگی جس کا امکان یقینی طور سورۂ حج کے نزول سے ذرا پہلے ہوسکتا ہے اور سورۃ النور تو اذا جاء نصر اللہ کے بھی بعد نازل ہوئی ہے۔ لہٰذا اس کا نزول ۹ ھ میں ہی ہوسکتا ہے۔

جناب جسٹس محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں کہ:

''جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ کاتبین وحی کو ساتھ ہی یہ بتا دیتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں مقام پر لکھ لیا جائے چنانچہ وہ آپ کے بتائے ہوئے مقام پر درج ہو جاتی تھی۔ ترتیب نزول کو محفوظ رکھنے کی کوشش نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور نہ صحابہ نے، اس لیے جب قرآن مکمل ہوگیا تو لوگوں کو یہ یاد بھی نہیں رہا کہ کون سی آیت کس ترتیب سے نازل ہوئی تھی۔ لہٰذا اب جزوی طور پر بعض سورتوں یا آیتوں کے بارے میں تو یہ علم ہو جاتا ہے کہ ان کی ترتیب کیا تھی۔ لیکن پورے قرآن کی ترتیب نزول یقین کے ساتھ بیان نہیں کی جاسکتی۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے الاتقان میں بعض روایات کی مدد سے سورتوں کی ترتیب نزول بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن درحقیقت ان روایتوں سے یقینی طور پر صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ کون سی سورت مکی اور کون سی مدنی ہے۔ ترتیب نزول کی تفصیلات ان سے معلوم نہیں ہوتیں۔ ماضی قریب میں بعض مستشرقین نے بھی ترتیب نزول معین کرنے کی کوشش کی ہے...... لیکن ہماری نظر میں یہ ساری کوششیں ایک ایسے کام میں اپنا وقت صرف کرنے کے مترادف ہیں جس میں کبھی یقینی کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔'' (علوم القرآن ص ۶۹، ۷۱)

اس تفصیل سے اتنی بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ سورۃ النور (جس میں آیت استخلاف ہے) کے بارے میں پورے یقین کے ساتھ کوئی دعویٰ ہی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کب نازل ہوئی ہے۔ غالباً اسی لیے قاضی مظہر حسین صاحب نے یہ لکھ کر جان چھڑالی کہ اس کا نزول غزوۂ بنی المصطلق کے بعد ہوا ہے اور یہ غزوہ ۶ ھ کے نصف آخر میں پیش آیا۔ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نادان حامی غالی گروہ ص ۲۷)

یہ سورت اس غزوے کے کتنے عرصے بعد نازل ہوئی؟ اور کیا یہ سورت جو نو رکوعات اور چونسٹھ آیات پر مشتمل ہے یکبارگی اور دفعتاً نازل ہوئی؟ کیا اس سورت کی آیات موجودہ ترتیب (جس میں آیت استخلاف کا نمبر پچپن ہے) کے مطابق نازل ہوتی رہیں؟

جناب قاضی صاحب! جب اس سورت کے سن نزول کے بارے میں ہی یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا تو پھر آپ خواہ مخواہ جبراً اور زبردستی سے کام لیتے ہوئے پورے تیقن کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو آیت استخلاف کے مصداق سے کیوں خارج قرار دے رہے ہیں؟ کیا یہ اہل سنت کی خدمت ہے یا سبائیت کی؟ کیا

سبائیت کی خدمت کرنے والا خادم اہل سنت کہلا سکتا ہے؟

پھر آپ کے ارشاد کے مطابق بھی اس سورت کا نزول ٦ھ کے نصف آخر کے بعد شروع ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا نزول ٧ھ تک تو جا سکتا ہے۔ اسے تسلیم کرتے ہوئے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آیت استخلاف کا مصداق قرار پاتے ہیں۔ کیونکہ وہ عمرۃ القضاء ٧ھ سے پہلے مشرف باسلام ہوئے تھے۔ پھر اسی عمرہ کے موقع پر انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بال بھی تراشے تھے۔ امام اہل سنت کے بقول تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے سال اسلام لائے۔ (ازالۃ الخفاج ١ص٤٧٢)

اور اس قول کے بارے میں جناب قاضی صاحب کا یہ فیصلہ ہے کہ "صلح حدیبیہ کے سال اسلام لانے کا قول مرجوح ہے۔" (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نادان حامی ص٢٩) مگر ہے تو سہی۔

جناب قاضی صاحب امام اہل سنت کے قول کو مرجوح قرار دے سکتے ہیں اور ان کے بارے میں یہ بھی لکھ سکتے ہیں کہ "یہاں امام اہل سنت کا یہ لکھنا محل نظر ہے کہ ان یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد پھر مسند خلافت کو کوئی صحابی نصیب نہیں ہوا۔ حالانکہ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نو سال تک مسند خلافت پر فائز رہے...... امام اہل سنت غالباً "خلفائے راشدین" کی نظر ثانی نہیں کر سکے ورنہ زیر بحث عبارت قابل اصلاح تھی۔" (خارجی فتنہ ج٢ص ٦٣٦-٦٣٨)

یقیناً یہ علمی اختلاف ان کا حق ہے تو اسی "حق" کے تحت جب کوئی دوسرا شخص ان کے قول کو مرجوح قرار دے کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو آیت استخلاف کا مصداق ثابت کرتا ہے تو وہ فوراً اسے "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نادان حامی غالی گروہ" میں شامل کر دیتے ہیں۔

دراصل جناب قاضی صاحب اور ان کے ہم خیال حضرات کو اس بات سے شدید غلط فہمی پیدا ہوئی ہے کہ انھوں نے واقعہ افک اور آیت استخلاف کو لازم وملزوم اور ایک ہی سلسلے کی کڑی سمجھ لیا۔ اسی لیے وہ یہ لکھتے ہیں کہ "آیت استخلاف سورۃ النور کی ہے اور یہ سورت بنی المصطلق کے بعد نازل ہوئی ہے...... اور اس میں اختلاف ہے کہ یہ غزوہ ٥ھ میں ہوا تھا۔ اس کے بعد ٦ھ کے نصف آخر میں۔"

(عقیدہ خلافت راشدہ اور امامت ص١٢)

چونکہ غزوۂ بنی المصطلق کے بعد واقعہ افک رونما ہوا تھا۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے انھوں نے آیت استخلاف کو اس کے ساتھ منسلک کر دیا جبکہ یہ دونوں واقعات جدا جدا اور الگ الگ ہیں۔ واقعہ افک میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کا ذکر ہے۔ جس کا اہتمام غزوہ بنی مصطلق کے بعد ہوا۔ اور آیت استخلاف میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خلافت عطا کیے جانے کا وعدہ ہے۔

افک کے بارے میں آیات کے نزول کو تو کسی حد تک غزوۂ بنی المصطلق کے بعد تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

(اگرچہ افک کے بارے میں بھی شدید اختلاف پایا جاتا ہے جس کی بنا پر وہ محض ''افک'' ہی معلوم ہوتا ہے) لیکن آیت استخلاف کے نزول کو اس کے ساتھ شامل کرنا محض سینہ زوری ہے۔

حدیث سفینہ

جو حضرات خلافت راشدہ کو خلفائے اربعہ تک محدود کرتے ہیں وہ اپنی تائید میں ''حدیث سفینہ'' بھی پیش کرتے ہیں:

''حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ "الخلافة ثلاثون سنة ثم یکون ملکا" خلافت تیس سال تک رہے گی پھر بادشاہی آ جائے گی۔ سعید بن جمہان کا بیان ہے کہ پھر حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ آپ خلافت ابی بکر دو سال، خلافت عمر دس سال، خلافت عثمان بارہ سال اور خلافت علی چھ سال شمار کریں (تو اس طرح تیس سال پورے ہو گئے)۔''

(مشکوۃ کتاب الفتن ص ۴۶۳)

جامع ترمذی کی روایت میں ہے کہ سعید بن جمہان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ بنو امیہ تو یہ گمان کرتے ہیں کہ خلافت ان کے پاس ہے اور اپنے آپ کو خلفاء میں شمار کرتے ہیں اس پر حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا بنو زرقاء جھوٹ بولتے ہیں "بل هم ملوك من شر الملوك" بلکہ وہ تو بدترین بادشاہوں میں سے ہیں۔ (جامع ترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاء فی الخلافۃ جلد ۲ ص ۴۵)

جبکہ سنن ابی داود میں زیر بحث روایت سفینہؓ کے آخر میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ:

((قال کذبت استاه بنی الزرقاء یعنی بنی مروان))

(سنن ابی داود، کتاب الدیات، باب فی الخلفاء جلد ۲ ص ۲۹۰)

لفظ "استاه" کے نیچے حاشیہ نمبر ۶ کے تحت بایں الفاظ وضاحت کی گئی ہے کہ:

((الا ستا جمع است وهو العجز ويطلق على حلقه الدبر والمراد انه كلمة كاذبة خرجت من دبرهم والزرقاء امرأة من امهات بنی امیة......))

کیا حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ یہ الفاظ استعمال کر سکتے ہیں کہ یہ الفاظ بنی زرقاء کی ''دبر'' سے نکلے ہیں۔

''زرقاء'' خاتون کا تعارف شیعہ مجتہد غلام حسین نجفی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

''اسلام کے ٹھیکیدارو! یہ بتاؤ کہ موجودہ قرآن جس نے جمع کرایا تھا وہ بے شک زرقاء خاتون کی اولاد ہے لیکن آپ کا محبوب رہنما ہے۔ عثمان صاحب کا داماد رسول ہونا سفید جھوٹ ہے کیونکہ ایک تو وہ اولادِ زرقاء میں سے تھے۔ بنو زرقاء کے نسب پر جو بدنما داغ ہے وہ کسی پانی سے دھل نہیں سکتا۔ جناب عفان عثمان کا باپ اور حکم مروان کا باپ یہ دونوں بھائی تھے۔ باپ دونوں کا ابو العاص اور ماں زرقاء تھی...... زرقاء بنت موہب

مروان کی دادی ہے اور مکہ شریف میں جھنڈے والی مشہور زانیہ تھی۔ اس کے تعارف کے لیے کچھ نامعقول لوگوں نے یہ شعر بھی پیش کیا ہے ؎

رجلها مرفوعة للفاعلين
بابها مفتوحة للداخلين

''یعنی زرقاء کی ٹانگیں فاعلین کی خاطر اٹھی رہتی تھیں اور تشریف لانے والے کے لیے اس کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔'' (قول مقبول ص ۷۹، ۱۱۹، ۳۸۱۔ بغاوت بنی امیہ ص ۶۷، ۱۰۹)

اس روایت کے پیش نظر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ خلافت راشدہ موعودہ کی مدت صرف تیس برس ہے۔ اس کے بعد ملوکیت و بادشاہت ہے اور وہ بھی کاٹ کھانے والی۔

جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے تو وہ روایتاً و درایتاً دونوں صورتوں میں غلط ہے۔ جس خبر کو اس حدیث کے راوی حضرت سفینہ ؓ حضور نبی کریم ﷺ سے نقل کر رہے ہیں کوئی معمولی اور غیر اہم خبر نہیں ہے۔ بلکہ غیر معمولی اور نہایت ہی اہم خبر ہے جس سے پوری امت کا مستقبل وابستہ ہے۔

لیکن یہ بات باعث تعجب ہے کہ اتنی اہم خبر کو حضرت سفینہ ؓ کے علاوہ اور کسی صحابی نے آپ سے روایت نہیں کیا اور نہ سعید بن جمہان کے علاوہ کسی دوسرے راوی ہی نے اسے حضرت سفینہ ؓ سے نقل کیا ہے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ سیدنا سفینہ ؓ کا انتقال ۷۴ھ میں ہوا اور سعید بن جمہان کا انتقال ۱۳۶ھ میں۔ پھر اول الذکر مدینہ میں رہے اور ثانی الذکر بصرہ کے باشندے ہیں۔ ان کی ملاقات بھی آپس میں ثابت نہیں۔ سعید بن جمہان حضرت سفینہ ؓ کی وفات کے باسٹھ برس بعد دنیا سے رخصت ہوئے۔ معلوم نہیں کہ کب، کہاں اور کس عمر میں سماع کیا ہوگا؟ اس لیے ابن حجر ؒ نے امام بخاری ؒ کا قول نقل کیا ہے کہ "فی حدیثه عجائب" یعنی اس کی حدیث میں بڑی عجیب باتیں ہوتی ہیں۔

روایت کے الفاظ ہی یہ واضح طور پر اعلان کر رہے ہیں کہ یہ آنحضرت ﷺ کا قول نہیں ہے بلکہ بعد میں حضرت علی ؓ کی خلافت تک حساب کر کے ایک خاص مقصد کے لیے اسے وضع کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت علی ؓ کی خلافت کی مدت بھی روایت میں غلط بتائی گئی ہے۔ وہ ہرگز چھ سال نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت عثمان ؓ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو شہید ہوئے۔ اس کے پانچ دن بعد یعنی ۲۳ ذی الحجہ ۳۵ھ کو سیدنا علی ؓ مسند آرائے خلافت ہوئے اور ۲۱ رمضان المبارک ۴۰ھ کو شہید ہو گئے۔ اس طرح ان کی خلافت کی کل مدت چار سال اور نو ماہ بنتی ہے۔ جسے روایت میں چھ سال ظاہر کیا گیا ہے۔

اس روایت کے ذریعے سے سیدنا معاویہ ؓ کی خلافت راشدہ کی نفی کرنے والوں پر جب یہ غلطی ظاہر ہوئی تو انھوں نے فوراً اس میں حضرت حسن ؓ کی مدت خلافت بھی شامل کر دی۔ جو زیادہ سے زیادہ چھ

ماہ ہے۔ جبکہ روایت میں واضح طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت تک خلافت راشدہ کی مدت شمار کی گئی ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت شامل کرنے کے باوجود ''چھ سال'' کا عدد معمہ بن گیا ہے کیونکہ ان دونوں کی مدت خلافت کو جمع کرنے کے بعد بھی پانچ سال اور تین ماہ سے زائد نہیں بنتی۔ پھر یہ فلسفہ تراشا گیا کہ کسور کا اعتبار نہیں ہے۔ اس ''قاعدے'' کے تحت بھی چھ سال کا استعمال غلط ہے۔ کیونکہ کسور کے حذف میں بھی یہ اصول کارفرما ہے کہ اگر نصف سے زائد ہو تو اسے اگلے عدد میں شمار کیا جاتا ہے اور اگر نصف سے کم ہو تو پچھلے عدد میں ہی شمار کیا جائے گا۔ اس قاعدے کے تحت بھی دونوں کی مدت خلافت پانچ سال بنتی ہے نہ کہ چھ سال۔ روایت کی بناوٹ یہ بتا رہی ہے کہ خوب سوچ سمجھ کر خلفائے اربعہ کی مدت خلافت کو جمع کیا گیا ہے نیز اس عدد میں کتابتی غلطی کا بھی امکان نہیں ہے۔

روایت کے آخری جملے "كذبت استاه بني الزرقاء" اور "بل هم ملوك من شر الملوك" کہ ''یہ الفاظ بنی زرقاء کی دبر سے نکلے ہیں اور وہ (بنو امیہ) جھوٹ بولتے ہیں بلکہ ان کا شمار تو بدترین بادشاہوں میں ہوتا ہے'' اس کے موضوع ہونے کا واضح ثبوت ہے کیونکہ اس میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی برے بادشاہوں میں گردانا گیا ہے۔ جبکہ روایت کی صحت کو تسلیم کرنے والے بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ مقام نہیں دیتے۔ کیا حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ملک من شر الملوک تھے؟ یہ ان پر بدترین الزام ہے۔ اگر ان کے نزدیک سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہی حیثیت ہوتی جس کا اظہار زیر بحث روایت میں کیا گیا ہے تو وہ اور جملہ صحابہ ان کے ہاتھ پر کبھی بیعت نہ کرتے۔ کیا صحابہ کی اتنی بڑی تعداد بھی سعید بن جمہان کی کہانی سے ناواقف تھی؟

اگر حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ روایت صحیح تھی تو انھوں نے دورِ مرتضوی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کیوں نہیں کی تھی؟ اور غیر جانب دار رہنے والوں میں کیوں شامل ہو گئے تھے؟ ایسی صورت میں تو انھیں جنگ جمل و صفین میں سب سے آگے ہونا چاہیے تھا۔ لیکن وہ تو پیچھے بھی کہیں نظر نہیں آتے۔

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"هذا حديث لا يصح" یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

مشہور محقق علامہ محبّ الدین خطیب رحمہ اللہ اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''کیونکہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے اس کا راوی سعید بن جمہان ہے۔ اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں۔ بعض نے اسے ثقہ کہا۔ امام ابو حاتم نے کہا کہ اس بوڑھے سے احتجاج نہ کیا جائے۔ اور اس کی سند میں حشرج بن نباتہ واسطی ہے۔ بعض نے اسے ثقہ کہا ہے اور امام نسائی نے کہا کمزور ہے اور عبداللہ بن احمد بن حنبل اس حدیث کو سوید طحان سے روایت کرتے ہیں ان کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ

تقریب میں کہتے ہیں، اس کی حدیث کمزور ہے۔'' (العواصم من القواصم اردو ص ۳۲۶)

علامہ ابن العربی رحمہ اللہ نے اس کتاب کا نام ''العواصم من القواصم'' رکھا۔ یعنی وہ چیزیں جو ایمان کو توڑ دیتی ہیں اور برباد کر دیتی ہیں، ان سے محفوظ رکھنے والے حقائق۔ اسی وجہ سے جدید عربی میں عاصمہ چھاؤنی کو کہا جاتا ہے اور قواصم قاصم کی جمع ہے توڑ دینے والی۔ یعنی انسان کے لیے کمر توڑ حادثہ، اور ایمان کو برباد کر دینے والی باتیں۔ کیونکہ بعض اسلام دشمن لوگوں نے اسلام میں ایسی چیزیں درج کر دیں جن کو قبول کر لینے سے انسان ایمان سے دیوالیہ ہو جاتا ہے۔ اور عاصمہ یعنی اس حادثہ کی اصل حقیقت جس کی وجہ سے انسان کا ایمان محفوظ رہتا ہے۔ عاصمہ کا معنیٰ ہی حفاظت کرنے والی ہے۔

علامہ ابن العربی رحمہ اللہ نے اسی کتاب میں زیر بحث حدیث کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ گویا آں محترم کے نزدیک اس حدیث کی صحت کا قائل ہونا بھی کسی ''کمر توڑ حادثے'' سے کم نہیں ہے۔

علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''حدیث "الخلافة بعدي ثلثون سنة" کی طرف توجہ نہ کرنی چاہیے کیونکہ اس کی صحت پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچتی۔'' (تاریخ ابن خلدون اردو حصہ اول ص ۵۵۵)

محدث جلیل حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی پھر بادشاہی ہوگی'' اگر اس حدیث کے ضعف سے قطع نظر کر لی جائے جیسا کہ ناقدین حدیث نے تصریح کی ہے تو ایک دوسری حدیث میں یہ بھی ہے کہ ''اسلام کی چکی میرے بعد پینتیس یا چھتیس یا سینتیس سال تک چلتی رہے گی۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں ہوسکتا کہ ۳۷ سال کے بعد حکومت اسلام ختم ہو جائے گی۔ یہ تو واقعہ کے خلاف ہے۔ بس یہی مطلب ہوسکتا ہے کہ اسلام اپنی پوری شان کے ساتھ صحیح طریقہ پر اتنی مدت تک رہے گا تو اس میں سات سال خلافت معاویہ کے بھی شامل ہیں۔ پھر ان کو خلفاء سے الگ کیوں کر کیا جا سکتا ہے؟ نیز مسلم شریف کی حدیث صحیح میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دین اسلام معزز اور مضبوط رہے گا بارہ خلفاء تک جو سب قریش سے ہوں گے۔

ان بارہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یقیناً داخل ہیں کہ وہ صحابی ہیں اور ان کی خلافت میں اسلام کو عروج بھی بہت تھا۔ فتوحات بھی بہت ہوئیں۔ حدیث میں ان بارہ کو خلیفہ کہا گیا ہے ''ملک'' نہیں کہا گیا۔''

(براءۃ عثمان رضی اللہ عنہ ص ۵۷)

مفکر اسلام مولانا محمد اسحاق صدیقی ندوی صدر شعبہ دعوت وارشاد بنوری ٹاؤن وسابق شیخ الحدیث و

مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ لکھتے ہیں کہ:

''خلافت صرف تیس سال باقی رہنے والی روایت ثابت ہی نہیں اور اگر بالفرض ثابت ہو تو علمائے محققین کے نزدیک ظاہر پر محمول نہیں بلکہ مؤوّل ہے۔ بعض علماء نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ تیس سال جو خلافت رہے گی وہ بہت اہم اور ممتاز درجے کی ہوگی۔ یوں خلافت اس کے بعد بھی رہے گی۔ مقصد کلام دلوں میں اس زمانے کی خلافت کی عظمت زیادہ کرنا ہے، نہ کہ تیس سال کے بعد نفس خلافت کی نفی کرنا۔ لیکن راقم کے نزدیک یہ حدیث ثابت ہی نہیں اس لیے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔'' (اظہار حقیقت ج ۳ ص ۴۴۴)

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی جس روایت پر تیس سالہ خلافت راشدہ کی جو بلند و بالا عمارت تعمیر کی گئی ہے وہ بنیاد ایک مٹی کا ڈھیر ہے۔ اس تیس سالہ داستان کی تردید بہت سی احادیث صحیحہ سے ہوتی ہے۔ جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:

① آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ میں تھی۔ ایک نبی کے بعد دوسرے نبی ان کے جانشین ہوتے تھے۔ اور میرے بعد کوئی نبی نہیں البتہ خلفاء ہوں گے جو بکثرت ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے لیے حکم کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یکے بعد دیگرے ہر بیعت پر وفا کرو، انھیں ان کا حق دو، ان کی رعیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ خود ان سے باز پرس کر لے گا۔

(صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب ماذکر عن بنی اسرائیل جلد ۲ ص ۴۹۱ صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب وجوب الوفاء ببیعۃ الخلیفۃ الاول فالاول جلد ۲ ص ۱۲۶)

اس حدیث میں آپ نے ''فیکثرون'' کا لفظ استعمال فرما کر یہ واضح کر دیا ہے کہ آپ کے بعد جو خلفاء ہوں گے وہ دو چار نہیں بلکہ کثرت کے ساتھ ہوں گے۔

② حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اسلام بارہ خلفاء کے دور تک ہمیشہ غالب رہے گا جو سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔'' (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب الناس تبع لقریش والخلافۃ فی قریش جلد ۲ ص ۱۱۹)

ابوداود کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ایسے بارہ خلفاء جن پر امت کا اجماع ہو۔ (سنن ابی داود کتاب الفتن، باب الملاحم جلد ۲ ص ۲۳۹) اور طبرانی نے اس حدیث میں یہ الفاظ بھی بیان کیے ہیں کہ ان بارہ خلفاء کو کسی دشمن کی عداوت نقصان نہ پہنچا سکے گی۔

بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ بے شک یہ امر خلافت قریش کے ہاتھ میں رہے گا۔ جو شخص ان سے دشمنی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے منہ کے بل گرا دے گا۔ (یہ امر ان کے پاس اس وقت تک رہے گا) جب تک وہ دین کو قائم کرتے رہیں گے۔ (صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب مناقب قریش)

③ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا گویا ایک ترازو آسمان سے اتری جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تولا گیا تو

رسول اللہ ﷺ ترجیح لے گئے۔ پھر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو تولا گیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ ترجیح لے گئے۔ پھر عمر و عثمان رضی اللہ عنہما کو تولا گیا تو عمر رضی اللہ عنہ ترجیح لے گئے۔ پھر وہ میزان اٹھالی گئی۔ اس خواب سے آنحضرت ﷺ مغموم ہوئے اور پھر فرمایا کہ یہ خلافت نبوت ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں گے ملک وحکومت عطا کریں گے۔

(سنن ابی داود، کتاب الدیات، باب فی الخلفاء جلد ۲ ص ۲۹۰۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب مناقب ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما ص ۵۶۰)

کیا اس حدیث کا سہارا لے کر کوئی شخص سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو خلافت نبوت سے خارج کر سکتا ہے؟

④ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اسلام کی چکی ۳۵، ۳۶، ۳۷ سال تک چلتی رہے گی۔ (اسلام قوت پر رہے گا) پس اگر لوگ ہلاک ہوں گے تو ان کا راستہ ان ہی لوگوں کا سا ہے جو پہلے ہلاک ہوئے اور اگر ان کے لیے دین قائم و مضبوط رہے گا تو ستر سال تک رہے گا۔ میں نے پوچھا یہ ستر سال باقی ماندہ سالوں میں سے ہیں یا گزشتہ سالوں کے ساتھ مراد ہیں۔ تو فرمایا کہ گزشتہ سالوں کے ساتھ ہیں۔ (مشکوٰۃ ص ۴۶۵، کتاب الفتن)

اس حدیث سے مراد عموماً تو سن ہجری ۳۵ھ، ۳۷ھ لی گئی ہے لیکن بعض محدثین اور بزرگان دین نے خلافت کے ۳۵، ۳۷ سال مراد لیے ہیں چنانچہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

”اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ثبوت ایک طریق سے آنحضرت ﷺ کے ارشاد مبارک سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے فرمایا اسلام کی چکی ۳۵، ۳۷ سال تک چلتی رہے گی۔ اس حدیث میں چکی سے مراد قوت اسلام ہے اور تیس برس سے جو پانچ سات برس زائد کا بیان ہے وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ ہے۔“ (غنیۃ الطالبین اردو ص ۱۳۴)

⑤ مشکوٰۃ کی ایک روایت میں ہے کہ:

”حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں اہل شام کا ذکر ہوا تو آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ اے امیر المومنین ان پر لعنت کیجیے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں کیونکہ میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ابدال شام میں ہوتے ہیں اور وہ چالیس ہیں۔ جب کوئی ان میں سے فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا ابدال بناتے ہیں۔ جن کی کثرت سے بارشیں آتی ہیں، جن کی برکت سے فتح و نصرت حاصل ہوتی ہے اور جن کی برکت سے اہل شام سے عذاب ہٹایا اور دور رکھا جاتا ہے۔“ (مشکوٰۃ ص ۵۸۲ باب ذکر الیمن والشام......)

اس وقت ابدال آنحضرت ﷺ کے وہ صحابہ تھے جو شام میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔

⑥ حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

”میں نے اپنے سر کے نیچے نور کا ایک عمود (ستون) بلند ہوتے دیکھا جو چڑھتے اور بڑھتے ہوئے شام

میں جا کر ٹھہرا۔'' (مشکوۃ ص ۵۸۲، باب ذکر الیمن والشام)

⑦ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میری امت میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو میرے زمانے میں میرے ساتھی ہیں پھر ان لوگوں کا درجہ ہے جو ان کے (میرے ساتھ والوں کے) ساتھی ہوں گے۔'' (صحیح مسلم، کتاب الفضائل باب فضل الصحابہ)

⑧ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''ایک زمانہ آئے گا جس میں مسلمانوں کے کچھ گروہ جہاد کے لیے نکلیں گے تو پوچھا جائے گا کیا تم میں کوئی صحابی رسول ہیں؟ تو جواب دیا جائے گا ہاں۔ تو اس جماعت کو فتح حاصل ہوگی۔ پھر ایسا زمانہ آئے گا جس میں یہ پوچھا جائے گا کہ کیا تم میں صحابی کے صحابی (تابعی) موجود ہیں؟ تو کہا جائے گا ہاں۔ تو اس جماعت کو فتح حاصل ہوگی۔ پھر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں پوچھا جائے گا کیا تم میں تبع تابعی موجود ہیں؟ جواب ملے گا ہاں موجود ہیں۔ تو یہ جماعت بھی فتح یاب ہوگی۔''

(صحیح بخاری کتاب الجہاد من استعان بالضعفاء والصالحین فی الحرب)

اس حدیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت وعظمت کا بیان ہے کہ اسلامی لشکر صحابی رسول کو تبرکاً اپنے ساتھ رکھے تاکہ فتح نصیب ہو بلکہ اس میں تابعین اور تبع تابعین کی فضیلت بھی بیان ہوئی ہے۔

⑨ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

((اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم))

''میرے صحابی ستاروں کی طرح ہیں۔ تم ان میں سے جس کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔''

(مشکوۃ ص ۵۵۴، باب مناقب الصحابہ)

⑩ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''میری امت تہتر (۷۳) ملتوں میں تقسیم ہو جائے گی سوائے ایک ملت کے سب جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ ایک ملت کون سی ہے؟ آپ نے فرمایا جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔'' (مشکوۃ ص ۳۰)

اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے، وہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اقتداء بھی لازمی ہے۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا تارک گمراہ ہے اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ کار کو چھوڑنے والا بھی جہنمی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو ارشاد فرما رہے ہیں کہ میرے بعد بکثرت خلفاء ہوں گے۔ بارہ خلفاء کے دور تک اسلام غالب رہے گا۔ یہ سب قریش میں سے ہوں گے۔ انھیں کسی دشمن کی عداوت نقصان نہ پہنچا سکے گی۔

سب سے بہتر میرا دور ہے۔ میرے صحابہ کی موجودگی سے اللہ تعالیٰ فتح نصیب کریں گے۔ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں اور ان کا دور رشد و ہدایت کا دور ہوگا۔

لیکن ستم ظریفی کی انتہا ہے کہ آج ان کے دور کو ملوکیت کا دور کہا جا رہا ہے، ان پر طعن و تشنیع کی جا رہی ہے اور ان کی خلافت کو غیر راشدہ کا نام دیا جا رہا ہے۔ جبکہ قرآن انھیں خیر امت قرار دے رہا ہے، انھیں سچا مومن کہہ رہا ہے، انھیں هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ، هُمُ الْفَآئِزُوْنَ، رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اور اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ کی سندیں عطا کر کے ان کی اتباع و پیروی کا حکم دے رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا تمام دور رشد و ہدایت کا دور تھا۔ قرآن نے جملہ صحابہ کو راشد کہا۔ یہ خلیفہ ہوں تب بھی راشد ہیں اور بغیر خلافت کے بھی راشد ہیں۔ قرآن مجید میں اربعہ (چار) کا عدد تو استعمال نہیں ہوا کہ صرف چار راشد ہیں۔ اگر خلفائے راشدین کو خلافت نہ ملتی تو کیا وہ راشد نہ ہوتے؟ راشد تو وہ از نص قرآن تھے، خلافت ان کا منصب ہو گیا اس لیے وہ خلیفہ راشد ہو گئے۔ لہٰذا ہر مسلمان کو منصب خلافت کے حامل ہر صحابی کو خلیفہ راشد تسلیم کرنا پڑے گا۔

قاضی مظہر حسین صاحب اور ان کے دیگر ہم خیال حضرات نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو زمرۂ خلفائے راشدین سے اس لیے خارج کیا کہ وہ آیت استخلاف کے نزول کے وقت ایمان و اسلام کی دولت سے محروم تھے۔ علیٰ سبیل التنزل اگر بالفرض اس مؤقف کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو جس آیت یعنی اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ سے استدلال کر کے خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کو ''راشدین'' قرار دیا جاتا تھا، اس کے نزول کے وقت تو بالاجماع و بالاتفاق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہو چکے تھے کیونکہ سورۃ الحجرات میں بیان کردہ واقعات کا تعلق زیادہ تر ۹ ھ کے واقعات سے ہے تو پھر معلوم نہیں کہ کس طبقہ کی خوشنودی کی خاطر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ لفظ ''راشد'' کا اطلاق گوارا نہیں کیا جاتا؟

آیت استخلاف کو تختۂ مشق بناتے ہوئے ''تیس سالہ'' روایت کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کو ''خلافت راشدہ'' کے عنوان سے خارج کرنے کے لیے ہی وضع کیا گیا ہے۔ حالانکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جماعت صحابہ کے ایک ممتاز فرد ہیں۔ اس لیے وہ یقیناً ارشاد باری کے مطابق راشد ہیں اور دنیا کی کوئی طاقت ان سے اللہ کا عطا کردہ یہ اعزاز نہیں چھین سکتی۔ ان کے ذریعے سے قائم شدہ نظام حکومت کو خلافت راشدہ اور انھیں خلیفہ راشد کے علاوہ کوئی دوسرا نام دیا ہی نہیں جا سکتا۔

اور جو لوگ انھیں زمرۂ خلفائے راشدین سے خارج کرتے ہیں وہ اس ارشاد باری تعالیٰ پر مکرر غور کریں ﴿وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾

بہر حال سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ آیت استخلاف، آیت تمکین، اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ، خلافت کے بارے

میں آپ کے ارشادات اور خلافت راشدہ کی ہر تعریف کے مطابق خلیفہ راشد ہیں۔

فریق مخالف کا آیت استخلاف اور حدیث سفینہ سے انحراف

گزشتہ صفحات میں حضرت مولانا قاسم نانوتوی، امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی، مولانا امجد علی اور مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کے حوالہ جات پیش کیے گئے ہیں کہ ان کے نزدیک خلفائے راشدین میں حسب ذیل شخصیات شامل ہیں:

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمہ اللہ کے نزدیک:

① حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم..... خلافت راشدہ خاصہ۔

② حضرت علی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما..... خلافت راشدہ عامہ

③ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ...... (بوجہ ہم رنگ ہونے کے) خلافت راشدہ۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے بھی عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو خلیفہ راشد قرار دیا ہے۔ ملاحظہ تفسیر عثمانی تحت ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ﴾ (سورۃ النحل ۹۰)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کا قول:

خلفائے اربعہ، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ

جناب قاضی مظہر حسین صاحب کا فرمان:

خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم اور امام حسن رضی اللہ عنہ بطور تتمہ موعودہ خلافت راشدہ۔

مولانا امجد علی بریلوی صاحب کا ارشاد:

خلفائے اربعہ، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ، امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور امام مہدی۔

اس فہرست سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان بزرگوں نے صرف خلفائے اربعہ کو آیت استخلاف کا مصداق قرار دینے اور حدیث سفینہ کی رو سے خلافت راشدہ کو تیس سال تک محدود کرنے کے باوجود خلافت راشدہ کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے اس میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور امام مہدی رحمہ اللہ کو شامل کرلیا ہے۔ جبکہ ان کے اپنے وضع کردہ اصول کے تحت خلفائے اربعہ کے علاوہ کسی کے دور پر بھی خلافت راشدہ کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔

یہ عجیب بات ہے کہ ایک طرف آیت استخلاف اور حدیث سفینہ کی رو سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور پر ''خلافت راشدہ'' کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔ مگر دوسری طرف حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور امام مہدی (امام منتظر) کو زمرۂ خلفائے راشدین میں شامل کرلیا گیا ہے۔ اگر آیت کا تعلق مظلوم مہاجرین کے ساتھ تھا تو یہ حضرات کیونکر اس کا مصداق ہوگئے۔ بالخصوص ''امام مہدی'' جو چودہ صدیاں بیت جانے کے

باوجود پیدا ہی نہیں ہوئے وہ کس طرح مہاجرین اولین میں شامل ہو کر آیت استخلاف کا مصداق ہو گئے۔

اہل تشیع کے عقیدے کے مطابق ''امام موصوف'' ۲۵۶ھ میں پیدا ہو کر ۲۶۱ھ میں بعمر پانچ سال ایک غار میں روپوش ہو گئے ہیں۔ کہیں رضوی صاحب کا یہ عقیدہ تو نہیں کہ موصوف اس سے بھی بہت پہلے آیت استخلاف کے نزول کے وقت ہی تشریف لا چکے تھے۔

اجوبہ اربعین، مجموعہ تفسیر آیات قرآنی، بہار شریعت اور اس طرح کی بہت سی دیگر کتب مسلسل شائع ہو رہی ہیں جن میں مدت خلافت راشدہ کو تیس سال میں محدود کرنے کے باوجود بعض ''مجبوریوں'' کی بنا پر بڑھا دیا گیا ہے لیکن جناب قاضی مظہر حسین صاحب کی جبین پر کبھی کوئی شکن نہیں پڑی۔ اس کے برعکس جب کسی نے ازروئے قرآن و حدیث سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد قرار دے دیا تو فوراً قوت غضبیہ متحرک ہو جاتی ہے اور امت کو ''گمراہی'' سے بچانے کے لیے ایک کتاب بعنوان ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نادان حامی (غالی گروہ)'' کا علمی دنیا میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ فیا للعجب!!

اس بحث کے آغاز میں زیر عنوان ''اصطلاح خلافت راشدہ کا ماخذ'' آنحضرت ﷺ کا وہ ارشاد گزر چکا ہے جس میں "الخلفاء الراشدين المهديين" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ جن سے بہت بعد میں خلافت راشدہ اور خلفائے راشدین کی اصطلاحات وضع ہوئیں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی اس حدیث کی رو سے ''خلیفہ راشد'' ثابت ہوتے ہیں جیسا کہ یہ بتایا جا چکا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بحیثیت صحابی ''الراشدون'' میں شامل ہیں۔ یعنی قرآن نے انھیں راشد قرار دے دیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے ان کے لیے نام لے کر ہادی اور مہدی ہونے کی دعا بھی فرمائی ہے۔ تو جو صحابی از نص قرآن ''راشد'' ہو اور از روئے حدیث ہادی اور مہدی ہو اسے حدیث "عليكم بسنتي وسنة خلفاء الراشدين المهديين" کے مصداق ہونے سے کیوں کر خارج کیا جا سکتا ہے؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مہدی ہونے پر جناب قاضی مظہر حسین صاحب پھبتی کستے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''یہ صحیح ہے کہ قرآن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو راشدون فرمایا ہے اور حدیث میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ہادی و مہدی ہونے کی دعا فرمائی ہے۔ یہاں سوال یہ ہے کہ راشد کا معنی ہدایت والا اور مہدی کا معنی ہدایت یافتہ ہے۔ تو جب قرآن نے راشد فرما دیا تو پھر نبی کریم ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کیوں فرمائی؟ کیا قرآن کا اعلان کافی نہیں تھا؟'' (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نادان حامی غالی گروہ ص ۵۵)

جناب قاضی صاحب سے کون عرض کرے کہ اجی حضرت! جب راشد کا معنی ہدایت والا اور مہدی کا معنی بھی ہدایت یافتہ ہے تو پھر آنحضرت ﷺ نے بقول آپ کے خلفائے اربعہ کے لیے "الخلفاء الراشدين المهديين" کے الفاظ کیوں استعمال فرمائے؟ کیا ان کے لیے بھی قرآن کا اعلان کافی نہ تھا؟

حیرت تو اس پر ہے کہ یہ حدیث بھی قاضی صاحب نے زیر عنوان ''حدیث علیکم بسنتی'' ص ۵۴ پر نقل کی اور اس کے بالکل سامنے کے صفحہ نمبر ۵۵ پر ''استھزاء باللہ والرسول'' کے بھی مرتکب ہو گئے۔

قاضی صاحب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیتے ہوئے مزید لکھتے ہیں کہ:

''اگر حضرت معاویہ ازروئے قرآن آیت استخلاف کا مصداق ہونے کی وجہ سے خلیفہ راشد تھے تو پھر دعا کی کیا ضرورت تھی؟ اور اگر آیت کے پیش نظر مکرر دعا بھی فرماتے تو یہ دعا ہونی چاہیے تھی کہ "اللھم اجعله خلیفتاً راشدا" اے اللہ تو (حضرت) معاویہ کو خلیفہ راشد بنا۔ (ایضاً ص ۵۵)

جناب قاضی صاحب! آپ کے نزدیک بھی تو خلفائے اربعہ آیت کے مصداق ہونے کی وجہ سے خلفائے راشدین کہلاتے ہیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انھیں مہدی ''المھدیین'' کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور جو ثبوت آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلیفہ راشد ہونے کے لیے مانگ رہے ہیں۔ کیا آپ خود بھی خلفائے اربعہ میں سے کسی ایک کے لیے فراہم کر سکتے ہیں؟ یعنی اللھم اجعله خلیفتاً راشدا۔

معلوم نہیں کہ آپ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلیفہ راشد ہونے پر غصہ ہے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کے حق میں دعا کرنے پر "اللھم اجعله ھادیًا مھدیًا......" آپ کے اب تک کے طرز عمل سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کسی قیمت پر انھیں خلیفہ راشد تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہیں کیونکہ آپ نے ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نادان حامی غالی گروہ'' نامی کتاب لکھ کر گنجائش ہی ختم کر دی۔ اور اب غصے کی صرف ایک وجہ باقی رہ جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا کیوں فرمائی؟ تو اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ''نادان حامیوں یا غالی گروہ'' کا کیا قصور ہے؟ پھر جسارت ملاحظہ ہو کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلطی نکالی جا رہی ہے کہ انھیں یوں کہنا چاہیے تھا "اللھم اجعله خلیفتاً راشدًا" اے اللہ! تو معاویہ کو خلیفہ راشد بنا۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

پڑا ہے ظلم کا بازو جہاں پر اہل باطل کا
کوئی ''شاہ'' [1] پھر اٹھے کہ حق کا بول بولا ہو

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے دیگر دعاؤں کے علاوہ ان کی خلافت کے لیے بھی بطور خاص پیشین گوئیاں فرمائی ہیں:

① آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا اگر تو والی امر بن جائے تو لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا۔ اس لیے فرمایا کہ خلافت آخر میں ان کے ہاتھ میں پہنچنے والی تھی۔ (ازالۃ الخفا اردو ج ۲ ص ۳۸۱)

② ابن سعد اور ابن عساکر نے حضرت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے تھے میں نے رسول

---

[1] ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن شاہ بخاری۔

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے یہ دعا کرتے ہوئے سنا۔ خداوندا! تو ان کو کتاب الٰہی کا علم عنایت کر "ومکن له فی البلاد" اور انھیں ملکوں کی حکومت عطا فرما اور انھیں عذاب آخرت سے بچالے۔

۴ ترمذی نے بروایت حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرماتے تھے: خداوندا! تو ان کے ذریعے سے دوسروں کو ہدایت فرما۔

اور روایت سے قطع نظر کر کے عقل بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرور ان کے لیے دعا کی ہو۔ کیونکہ مختلف طرق سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو چکا تھا کہ وہ یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کسی نہ کسی وقت میں خلیفہ ہوں گے۔ اور چونکہ آپ اپنی امت پر از بس شفقت فرماتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ......﴾ تم پر حرص کرنے والا، ایمان والوں کے ساتھ مہربان رحم دل۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال محبت نے جو آپ کو امت کے ساتھ ہے اقتضا فرمایا کہ آپ اپنی امت کے خلیفہ کے لیے ہدایت کرنے اور ہدایت پانے کی دعائیں فرمائیں۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے کا علم روایات سے واضح ہے۔ اس کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ نے چند روایات نقل کی ہیں۔ ملاحظہ ہو ازالۃ الخفا اردو مترجمہ مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ ص ۵۷۲، ج ۱، فصل پنجم بیان فتن

محدث کبیر علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"سعید بن مسیب رحمہ اللہ جلیل القدر تابعی سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرا رہے تھے۔ وضو کرتے ہوئے ایک دو بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف غور سے دیکھا پھر فرمایا اے معاویہ! اگر تمھیں امارت مل جائے تو عدل و تقویٰ اختیار کرنا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے خلافت کی امید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اشارہ ہی سے ہوگئی تھی کہ اے معاویہ! جب تم والی بنائے جاؤ تو لوگوں کے ساتھ مروت و احسان کرنا۔" (براءۃ عثمان ص ۵۵)

کیا قاضی صاحب یہ بتانے کی زحمت گوارہ کر سکیں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ خلافت کی دعائیں فرمائیں ان سے آپ کی مراد یہ تھی کہ اے اللہ! معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو خلافت عنایت کر مگر وہ راشدہ نہ ہو۔ کوئی مسلمان ایسا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے خلافت راشدہ ہی کی پیشین گوئیاں اور دعائیں فرمائی تھیں۔ اب قاضی صاحب کی اس تجویز کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں فرمانا چاہیے تھا "اللهم اجعله خليفتًا راشدًا" اے اللہ! تو معاویہ کو خلیفہ راشد بنا۔

علاوہ ازیں مذکورہ بالا روایات سے یہ بھی واضح ہوگیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ اقدس میں حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ میں خلافت کی قابلیت، صلاحیت اور اہلیت موجود تھی۔ اور ان کے دور خلافت میں مقاصد خلافت بھی حاصل ہوئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ نعمتیں ان کو ملی ہیں۔ استخلاف فی الارض کی نعمت ان کو حاصل تھی کیونکہ اہل حل وعقد یعنی مہاجرین و انصار نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور تمکین دین بھی ان کو حاصل تھی۔ کیونکہ دین ان کا وہی تھا جو حضرات خلفاء ثلاثہ کا تھا اور وہ دین تمکین پا چکا تھا۔ البتہ ایک نعمت امن ان کو حاصل نہ تھی کیونکہ ان کے عہد میں با مسلمانوں میں لڑائیاں ہو رہی تھیں۔ (تحفہ خلافت ص ۲۵)

اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی استخلاف فی الارض کی نعمت حاصل تھی کیونکہ اہل حل وعقد بالاتفاق ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص یکے از عشرہ مبشرہ، حضرت عبداللہ بن ع حضرت حسن، حضرت حسین اور دیگر بہت سے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی بیعت کی تھی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ صرف اہل حل وعقد میں سے تھے بلکہ وہ بقول امام اہل سنت اور قاضی صاحب ''خلیفہ راشد'' بھی (ہمارے نزدیک تو وہ الراشدون میں شامل ہونے کی وجہ سے ہی خلیفہ راشد ہیں) کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ کے منکرین بھی اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ آیت استخلاف کے مصداق نہ تھے جبکہ وہ سورۃ الحج کی آیت ۴۱ یعنی آیت تمکین کے نزول کے وقت پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ یہ ملحوظ رہے اس آیت سے پہلے آیت ۳۹ ﴿أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَٰتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا﴾ کی رو سے سب سے پہلے مسلمانوں قتال کی اجازت دی گئی ہے۔

سخت تعجب ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ایک ''خلیفہ راشد'' (حضرت حسن رضی اللہ عنہ) اور سیکڑوں بلکہ ہزاروں ''الراشدون'' (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کے بیعت خلافت کر لینے کے باوجود انھیں زمرۂ خلفاء راشدین سے خارج قرار دیا جا رہا ہے۔

علاوہ ازیں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو نعمت امن کے ساتھ ساتھ تمکین دین کی نعمت بھی حاصل تھی کیونکہ ان دین بھی وہی تھا جو سابقہ خلفائے راشدین کا رہا ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے اس قول ساتھ قطعاً اتفاق نہیں کیا جا سکتا کہ انھیں تمکین دین حاصل نہ تھی بلکہ تمکین ملک وسلطنت حاصل تھی اور ان اطوار وانداز میں اور خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے اطوار وانداز میں زمین وآسمان کا فرق تھا۔ [1] (ہدیۃ الشیعہ ص

علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

[1] اس کا مفصل جواب کتاب کے دوسرے حصے میں ملاحظہ فرمائیں۔

((واما معاویة فهو وان لم يرتكب منكرًا لكنه توسع في المباحات))

(النبراس شرح لشرح العقائد ص ۵۱۱)

''مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کوئی منکر اور خلاف شرع کام تو ہرگز نہیں کیا تھا لیکن انھوں نے مباحات کے استعمال کرنے میں فراخی سے کام لیا۔''

توسع فی المباحات سے کون سی حدود ٹوٹ گئی ہیں؟ اور دین میں کیا تبدیلیاں واقع ہوگئی ہیں؟ اور کیا اسے زمین و آسمان کا فرق کہا جا سکتا ہے؟ فیا اسفا!

امام اہل سنت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''اور تمکین دین بھی ان کو حاصل تھی کیونکہ دین ان کا وہی تھا جو حضرات خلفائے ثلاثہ کا تھا۔'' (تحفہ خلافت ص ۲۵)

تو اب سوال یہ ہے کہ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے پیش رو خلفاء کا دین مختلف تھا؟ ایسی سوچ رکھنے والوں کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان جسے شیعہ مجتہد صاحب نہج البلاغہ نے نقل کیا ہے کافی ہے:

((و الظاهر ان ربنا واحد و نبينا واحد و دعوتنا في الاسلام واحدة لا نستزيدهم في الايمان بالله والتصديق برسوله ولا يستزيدوننا......)) (نہج البلاغہ ج ۲ ص ۱۱۴)

''ظاہر ہے کہ ہمارا رب ایک ہے، ہمارے نبی ایک ہیں اور ہماری دعوت اسلام ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کے رسول کی تصدیق کرنے میں نہ ہم ان سے زیادہ ہیں اور نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں۔ ہماری اور ان کی دینی حالت ایک جیسی ہے۔''

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو تمکین دین کے ساتھ ساتھ ''تمکین فی الارض'' (جس کا آیت تمکین میں ذکر کیا گیا ہے) کی نعمت بھی حاصل تھی۔ ان کا بھی وہی دین تھا جو ان کے پیش رو خلفاء کا تھا۔ اور وہی دین ان کے عہد خلافت راشدہ میں رائج...... اور غالب تھا۔ اور یہی تمکین دین ہے جو دعائے نبوی کی برکت کا نتیجہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا "اللهم علمه الكتب ومكن له في البلاد وقه العذاب" اے اللہ! انھیں قرآن کا علم سکھا دے اور مملکت میں انھیں تمکین (مضبوطی سے جما) دے اور انھیں عذاب سے محفوظ رکھ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کا تعلق اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق تھا:

﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ (الحج)

''وہ لوگ کہ اگر ہم انھیں ملک میں تمکین دیں تو وہ قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں اچھے کام کا اور منع کریں برائی سے۔''

اور جسے اس طرح کی تمکین حاصل ہوائسے ہرگز ہرگز تمکین ملک وسلطنت نہیں کہا جا سکتا کیونکہ یہی امور خلافت راشدہ کے مقاصد وفرائض ہیں۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((والجهاد فى بلاد العدو قائم و كلمة الله عالية والغنائم ترد اليه من اطراف الارض والمسلمون معه فى راحة وعدل وصفح وعفو)) (البدایہ والنہایہ الجزء الثامن ص ۱۱۹)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں دشمنوں کے ممالک میں جہاد جاری رہا، اللہ کا کلمہ بلند رہا اور اطراف واکناف سے غنائم کی ریل پیل تھی اور مسلمان ان کے زیر سایہ راحت وعدل اور عفو ودرگزر کی زندگی بسر کرتے رہے۔''

جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے کہ ''جمہور علماء'' نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خلافت کو بھی خلافت راشدہ قرار دیا ہے۔ یہ بات بھی عجائبات میں سے ہے کہ ان حضرات نے ایک تابعی کی خلافت کو ایک جلیل القدر صحابی رسول، کاتب وحی، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غزوات (طائف، حنین وتبوک) میں شرکت کرنے والے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر فوقیت دے دی ہے۔

حاشا وکلا! اس بات پر تشویش ہرگز نہیں ہے کہ جمہور علمائے کرام نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو خلیفہ راشد کیوں قرار دیا ہے؟ بلکہ سوال یہ ہے کہ انھوں نے ایک جلیل القدر صحابی رسول حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آیت استخلاف کے خصوص اور بلاشبہ اس کے عموم میں شامل ہیں، جو آیت تمکین کے بھی مصداق ہیں (کیونکہ ان کے عہد سعید میں مقاصد خلافت پورے ہوئے)، دور فاروقی و دور عثمانی کے بعد آیت اظہار دین (یعنی غلبۂ دین) کا اطلاق سب سے بڑھ کر اسی شخصیت پر ہوتا ہے، جو ''بارہ خلفاء'' والی حدیث میں بھی شامل ہیں، جو "الائمة من القريش" جیسے صدیقی استدلال پر بھی پورا اترتے ہیں، جن کا دور امارت وخلافت راشدہ (بتصریح حدیث بخاری) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حالت نیند اور بیداری میں باعث راحت ومسرت ثابت ہوا، جو بلسان نبوت مبشر بالجنة وخلافت اور ہادی ومہدی ہیں، جو اپنے پیش رو خلفائے راشدین کے دور رشد وہدایت کا بحیثیت مجاہد وسپہ سالار لشکر اور مشیر وگورنر پورے بیس برس تک ایک اہم اور غالب حصہ رہے ہیں، جو نہ صرف یہ کہ خود راشد ہیں بلکہ انھیں منتخب کرنے والے ایک خلیفہ راشد (حضرت حسن رضی اللہ عنہ سمیت) ہزاروں اشخاص بھی راشدین ہیں اور سب سے بڑھ کر وہ بارگاہِ الٰہی ﴿ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ ﴾ کے سند یافتہ ہیں جس کا اعلان جملہ اسمیہ سے کر کے اس بات پر مہر تصدیق ثبت کر دی گئی کہ ان کا رشد وثبات واستقامت عارضی اور وقتی نہیں بلکہ دائمی اور ابدی ہے پھر اس آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ﴿ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴾ جیسے اسماء صفت بیان فرما کر یہ اعلان بھی کر دیا کہ کچھ نادان صاحبان دستار وجبہ کے بے ہودہ الزامات واعتراضات

سے ہم باخبر ہیں۔ اس فتنے کے انسداد کی خاطر ہی ہماری حکمت ان بشارتوں کی مقتضی ہوئی۔

صد افسوس ان حضرات پر جو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے نام کے ساتھ تو ''خلیفہ راشد'' کا استعمال پوری بشاشت قلبی سے کرتے ہیں لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ یہ لفظ ان کے نازک طبائع پر گراں گزرتا ہے۔

علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ میں سے کون افضل ہے؟ تو فرمایا:

((واللہ ان الغبار الذی دخل فی انف فرس معاویۃ مع رسول اللہ ﷺ افضل من عمر بالف مرۃ......)) (تطہیر الجنان ص ۱۰)

''اللہ کی قسم! جو غبار آنحضرت ﷺ کی معیت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کے ناک میں داخل ہوا ہے وہ بھی ہزار مرتبہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے افضل ہے۔''

تو جس جلیل القدر صحابی اور خلیفہ راشد کے گھوڑے کا ''غبارِ انف'' بھی خود عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے ہزار درجے افضل ہو تو اس کا زہد و عدل اور عہد خلافت کیوں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زہد و عدل اور عہد خلافت سے ہزار درجے بہتر و افضل نہ ہوگا؟

علاوہ ازیں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا عہد حکومت بھی تو دور خلافت راشدہ ''تیس سال'' کے خاتمے کے بعد دور ''بادشاہی'' میں گزرا ہے۔ ان پر ''ملک'' کے اطلاق کے باوجود کسی سنی حتیٰ کہ شیعہ نے بھی ان کے دور کو بے دینی یا ملوکیت سے تشبیہ نہیں دی۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

یہ تسلیم کہ اہل سنت تو ان کے زہد و تقویٰ اور ان کی اصلاحات کی بنا پر ان کو خلفائے راشدین میں شمار کرتے ہیں۔ لیکن اہل تشیع جو حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے دور کو تو کیا، سرے سے ان کے ایمان ہی کے قائل نہیں ہیں وہ بھی عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ددر کے مداح ہیں۔ کہیں اس کی وجہ یہ تو نہیں کہ ان کے دور میں ''سبائیت'' کو کھلی چھٹی تھی یا گرفت بہت ہی ڈھیلی تھی۔ جو سبائیت اتنے طویل عرصے تک دبی رہی مگر اب اس نے اور دیگر مخالفین حکومت نے پر پرزے دوبارہ نکالنے شروع کر دیے تھے۔

مصر کے مشہور عالم، مورخ اور فقیہ علامہ محمد خضری لکھتے ہیں کہ:

''ان کی نرمی اور چشم پوشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے عہد میں دوسری صدی کے آغاز میں بنی عباس کی مخفی دعوت کا سلسلہ قائم ہوا۔'' (تاریخ التشریع الاسلامی مترجمہ مولانا عبدالسلام ندوی ص ۱۹۶)

راقم الحروف ایک عرصہ تک اس جستجو میں رہا کہ اہل تشیع جملہ صحابہ کو کافر، مرتد، منافق، ظالم، غاصب

کے بعد بھی ان پر لعنت کا وظیفہ پڑھتے ہیں۔ خلفائے ثلاثہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کو جہنم کے طبقے میں شمار کرتے ہیں۔ آخر عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ساتھ ان کی کیا خاص رشتہ داری ہے؟

چنانچہ شیعہ مجتہد ملا باقر مجلسی جیسا منہ پھٹ اور بے لگام بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو گیا ہے کہ:

''عمر بن عبدالعزیز دو سال و پنج ماہ حکومت کرد مادر او ام عاصم دختر عمر بن خطاب و علمائے شیعہ او را لعنت نمی کنند۔'' (تذکرۃ الائمہ ص۷۵)

''عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے دو سال اور پانچ ماہ تک حکومت کی ہے۔ ان کی ماں ام عاصم دختر عمر بن خطاب تھیں اور علمائے شیعہ ان پر لعنت نہیں کرتے۔''

مزید برآں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو بھی ''خلافت راشدہ'' شوریٰ کے ذریعے سے نہیں ملی بلکہ سلیمان بن عبدالملک نے ان کو اپنے بعد خلیفہ مقرر کیا تھا۔ اور یہ بات تو سراسر غلط ہے کہ ان کی خلافت انتخابی یا شورائی تھی۔ اگرچہ انھوں نے خلافت ملنے کے بعد اس قسم کی ایک تقریر کی تھی۔ مگر وہ تقریر محض دارالخلافہ کے چند لوگوں میں تھی۔ جو ان کے اپنے خیر خواہ اور خاندان کے لوگ تھے۔ انتخابی خلافت کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ خود مستعفی ہو جاتے اور پھر ارباب حل وعقد کو جمع کر کے شوریٰ کے ذریعے سے انتخابات کراتے۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا بلکہ وہ تو اسی عہد ''شر الملوکی'' کے ''بدترین نظام'' کے تحت ہی خلیفہ مقرر ہوئے۔ کیا ''تیس سالہ'' خلافت والی حدیث میں "بل هم ملوك من شر الملوك" کا اطلاق حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ پر نہیں ہوتا؟ کیا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا شمار ''بنو زرقاء'' میں سے نہیں ہوتا؟

جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''ان کے آخر عہد میں خارجیوں کے ایک گروہ نے ان کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ انھوں نے اس گروہ کے سردار کو لکھا کہ ''خون خرابے سے کیا حاصل ہے، آ کر مجھ سے بحث کر لو۔ تم حق پر ہو گے تو میں مان لوں گا۔ میں حق پر ہوا تو تم مان لینا۔'' خارجی سردار نے یہ بات تسلیم کر لی اور دو آدمی بحث کے لیے بھیج دیے۔ ان دونوں نے کہا ہم مانتے ہیں کہ آپ کا طریقہ آپ کے اہل خاندان سے مختلف ہے اور ان کے اعمال کو آپ مظالم سے تعبیر کرتے ہیں مگر یہ کیا بات ہے کہ جب وہ ضلالت پر تھے تو آپ ان پر لعنت نہیں کرتے؟

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے جواب دیا کیا ان کی مذمت کے لیے یہ کافی نہیں کہ میں ان کے اعمال کو مظالم کہتا ہوں؟ اس کے بعد آخر لعنت کرنا ہی کیوں ضروری ہے؟ تم نے فرعون پر کتنی مرتبہ لعنت کی ہے؟ اس طرح عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ خارجیوں کی ایک ایک بات کا مسکت جواب دیتے چلے گئے۔ آخر ان

میں سے ایک نے کہا ''کیا ایک عادل آدمی یہ گوارہ کرسکتا ہے کہ اس کا جانشین ایک ظالم ہو؟'' انھوں نے کہا نہیں اس نے کہا کیا آپ اپنے بعد یزید بن عبدالملک کے حوالے یہ خلافت کر جائیں گے؟ درآں حالے کہ آپ جانتے ہیں کہ وہ حق پر قائم نہ رہے گا۔ انھوں نے کہا کہ اس کے لیے تو میرا پیش رو سلیمان بن عبدالملک پہلے ہی میرے بعد ولی عہدی کی بیعت لے چکا ہے۔ اب میں کیا کرسکتا ہوں؟ اس نے کہا کیا آپ کے خیال میں وہ شخص جس نے آپ کے بعد یزید بن عبدالملک کو نامزد کیا ہے، اسے ایسا کرنے کا حق تھا اور اس کا یہ فیصلہ برحق ہے؟ اس پر عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ لاجواب ہو گئے اور مجلس برخاست ہونے کے بعد بار بار کہتے رہے کہ یزید کے معاملے نے مجھے مار ڈالا۔ اس حجت کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔'' (خلافت وملوکیت ص ۱۹۱)

اس اقتباس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ایک ''خلیفہ راشد'' ہوتے ہوئے بھی باطل کا راستہ نہ روکا، غلطی کا ازالہ نہ کیا اور جان بوجھ کر نظام خلافت نااہل کو سونپ دیا۔ ان خامیوں کے باوجود جمہور علماء محض ان کی ذاتی خوبیوں اور ان کے ورع و تقویٰ کے پیش نظر انھیں خلیفہ راشد قرار دیتے ہیں۔ کیا ایسے لاکھوں عمر بن عبدالعزیز مل کر بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے رشد کو پہنچ سکتے ہیں؟ یہ بھی عجیب بات ہے کہ مدعیان اہل سنت نے ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کو خلافت راشدہ سے نکال دیا اور ان کے بہت بعد آنے والے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور کو اس میں شامل کر دیا۔

مزید حیرانی کی بات یہ ہے کہ اسی طبقے نے عصر حاضر کے ایک سلسلے کو تو ''راشدہ'' قرار دے دیا مگر اسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ لفظ ''راشد'' پسند نہیں ہے۔ چنانچہ ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۲ اکتوبر ۱۹۸۷ء کے شمارے میں بالفاظ ذیل ایک اعلان شائع ہوا ہے کہ:

''سلسلہ عالیہ قادریہ راشدیہ انوریہ کویت کے زیر اہتمام کنونشن، خطاب امام الہدیٰ حضرت مولانا میاں محمد اجمل قادری''

پنجاب میں عصر حاضر کے ایک بزرگ حضرت حافظ غلام حبیب نقشبندی رحمہ اللہ کے اسم گرامی کے ساتھ بطور لاحقہ ''مرشد عالم'' کا لقب تقریراً و تحریراً حتیٰ کہ سالانہ تین روزہ اجتماعات کے اشتہارات میں بھی مسلسل لکھا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ ''مرشد عالم'' کا لفظ ''راشد'' کی نسبت کچھ زیادہ ہی اہمیت کا حامل ہے لیکن صحابی رسولؐ کے ساتھ راشد کا سابقہ یا لاحقہ حلقہ دیوبند کے ساتھ تعلق رکھنے والوں کو بھی گوارا نہیں ہے۔

راقم الحروف نے کچھ عرصہ قبل اپنی ایک کتاب ''سرگزشت ہاشمی'' برائے تبصرہ ماہنامہ ''نصرۃ العلوم'' کی انتظامیہ کو ارسال کی تھی۔ ۳۴۴ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں صرف اور صرف ایک مقام پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسم گرامی کے ساتھ ''خلیفہ راشد'' لکھ دیا گیا جو ''مبصر'' صاحب اور نصرۃ العلوم کے ادارہ پر بہت شاق گزرا۔ چنانچہ مبصر صاحب رقم طراز ہیں کہ:

''کتاب میں قاضی صاحبؒ کی حیات و خدمات کا اچھے پیرائے میں ذکر کیا گیا ہے البتہ کتاب میں خلیفہ راشد کی اصطلاح خلفائے اربعہ سیدنا ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کے علاوہ کے لیے بھی استعمال کی گئی ہے جس سے ادارہ کو اتفاق نہیں ہے۔'' (ماہنامہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ ص۵۵ مارچ ۲۰۰۶ء)

مگر اسی ادارہ کے سرپرست اعلیٰ مولانا سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ اگر عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے لیے اسی لفظ ''خلیفہ راشد'' کو اپنے چودہ صفحات پر مشتمل ایک مضمون میں بتکرار بیان فرمائیں تو نہ صرف گوارا ہے بلکہ ''پاکستان شریعت کونسل'' نے اس مضمون کو بصورت پمفلٹ ہزاروں کی تعداد میں شائع کرا کر ملک بھر میں تقسیم کیا ہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ مولانا زاہد الراشدی صاحب ''پاکستان شریعت کونسل'' کے ناظم اعلیٰ ہیں۔

چنانچہ امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ اس مضمون میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''اس سے خلیفہ راشد و عادل حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا عدل، حسن انتظام اور عوام کی خیر خواہی کا واضح ثبوت ملتا ہے..... حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جو صحابی بھی نہ تھے بلکہ تابعی تھے مگر خلیفہ راشد تھے..... حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خلافت میں شیر، وحشی جانور اور بھیڑ بکریاں ایک ہی جگہ پر چرتی تھیں۔ ایک دن ایک بھیڑیا ایک بکری پر حملہ آور ہوا تو راوی کہتے ہیں کہ میں یہی سمجھتا ہوں کہ فرد صالح فوت ہو گیا ہے۔ یعنی جس وقت تک خلیفہ راشد و عادل زندہ تھا بھیڑیوں کو بھی بکریوں پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔''

(نفاذ شریعت کی اہمیت اور برکات ص۷، ۹، ۱۱ مطبوعہ پاکستان شریعت کونسل)

مورخین اور علمائے اسلام کی آراء

① رئیس المورخین علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون لکھتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے بعد کے خلفاء سے تشبیہ نہیں دیے جا سکتے۔ یہ خلفائے راشدین سے ہیں۔ ان کو ان خلفائے مروانیہ سے تشبیہ دینا جو ان کے بعد ہوئے ہیں اور ان سے مرتبہ و دین میں کم ہیں نہایت غلطی ہے۔ اور ایسا ہی خلفائے بنی عباس جو ان کے بعد ہوئے ہیں ان سے تشبیہ دینا غیر مناسب ہے۔''

(تاریخ ابن خلدون اردو حصہ اول ص۵۵۶ نفیس اکیڈمی کراچی)

② مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی لکھتے ہیں کہ:

''جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قیامت تک ہر انسان کے لیے بہترین نمونہ زندگی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کے جانشین یا خلیفہ کا ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ امر سلطنت میں ان کے جانشین ہوئے۔ ان جانشینوں میں جو لوگ براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت کردہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض یافتہ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے وہ خلیفہ سلطنت تھے۔ وہ سلطنت و حکومت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت سے زیادہ مشابہ رکھنے کی قابلیت و اہلیت رکھتے تھے لہٰذا ان کی سلطنت و حکومت خلافت راشدہ سے موسوم ہو گئی۔ اس کے

بعد جوں جوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد ہوتا گیا خلافت کی حالت و حیثیت میں بھی فرق ہوتا گیا۔''

(تاریخ اسلام حصہ اول ص ۲۱۶)

موصوف حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''بعض مورخین نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی شش ماہی خلافت کو خلافت راشدہ میں شامل نہیں سمجھا۔ کیونکہ وہ قلیل مدت کے لیے تھی اور نامکمل تھی۔ نامکمل کہنا اس لیے نادرست ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بھی پھر تو نامکمل کہہ کر خلافت راشدہ سے خارج کرنا پڑے گا۔ حالانکہ یہ جائز نہیں۔

مدت خلافت کا کم ہونا بھی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اگر صبر و سکون سے نظر ڈالی جائے تو خلافت راشدہ کا نہایت ہی اہم حصہ ہے۔'' (ایضاً ص ۴۶۱)

③ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی زیر عنوان ''خلافت راشدہ کی تعریف'' لکھتے ہیں کہ:

''ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، مولا علی، امام حسن، امیر معاویہ، عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہم کی خلافت راشدہ تھی۔ اور اب سیدنا امام مہدی رضی اللہ عنہ کی خلافت، خلافت راشدہ ہوگی۔''

(ملفوظ حصہ سوم ص ۷۱ بحوالہ شان صحابہ ص ۲۲ مولفہ علامہ محمود احمد رضوی)

④ مفکر اسلام مولانا محمد اسحاق صدیقی ندوی لکھتے ہیں کہ:

''آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء اور سربراہان مملکت امتی ہوں گے کوئی نبی نہیں ہوگا۔ خلفاء کثیر تعداد میں ہوں گے۔ خلفائے راشدین کی تعداد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تک صرف چھ ہوتی ہے چھ کی تعداد کو عرف و محاورے میں کثیر نہیں کہا جاتا۔ کثرت تو اسی وقت ثابت ہوگی جب سب خلفائے بنو امیہ و بنو عباس کو اس زمرے میں شامل کیا جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث (وسیکون خلفاء فیکثرون) میں علاوہ خلفائے راشدین کے دمشق، بغداد اور اندلس کے سب اموی و عباسی خلفاء کی نشاندہی فرمائی گئی ہے۔'' (اظہار حقیقت جلد سوم ص ۳۱۹)

حضرت موصوف آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں امت مسلمہ کی دینی حالت و کیفیت اعلیٰ درجے کی تھی۔ امت کا تعلق مع اللہ بہت قوی تھا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت، اس کا کلمہ بلند کرنے اور اس کے دین کو پھیلانے کے لیے جاں نثاری کا جذبہ اس میں بدرجہ اتم موجود تھا۔ تقویٰ و طہارت، اخلاص وللّٰہیت، اتباع شریعت مقدسہ اس کا مزاج عام تھا، اور عدل و انصاف، مواسات و اخوت اس کی طبیعت ثانیہ تھی۔ مختصر یہ کہ امت مومنہ کا مزاج خالص اسلامی مزاج تھا اس میں کوئی کمزوری یا خرابی نہیں پیدا ہوئی تھی..... اگر امت دینی اعتبار سے اس نقطہ عروج پر نہ ہوتی تو اس میں سے ہزاروں افراد خلوص وللّٰہیت کے ساتھ سمندر میں جہاد فی سبیل اللہ

کے لیے نہیں نکل سکتے تھے...... پھر یہ حضرات اس قدر مخلص تھے اور ان کا جہاد اللہ تعالیٰ کی نظر میں ایسا مقبول اور پسندیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے وحی سے اپنے رسول کو اس کی مقبولیت اور ان مجاہدین کے اخلاص وللہیت سے مطلع فرمایا کیونکہ انبیاء ؑ کا خواب وحی ہوتا ہے پھر نبی کریم ﷺ نے اس کی خوشخبری امت کو دی..... حضرت معاویہ ؓ کا دور خلافت بہت ہی مبارک دور تھا۔ وہ اور ان کے معاونین، ان کے مقرر کیے ہوئے جمہور عمال و حکام سب مقبول عند اللہ اور مقبول عند الناس تھے اور ان کی خلافت وحکومت کو جمہور اہل اسلام بہت پسند کرتے تھے۔'' (ایضاً ص ۳۳۵، ۳۳۷)

⑤ مشہور محقق اور مصنف مولانا سید عبدالقدوس صاحب ہاشمی لکھتے ہیں کہ:

''ان میں سے چھ بزرگ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسن بن علی، حضرت معاویہ بن ابی سفیان ؓ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کبار تھے۔ انھیں خلفائے راشدین کہا جاتا ہے اور ان کی خلافت کو خلافت راشدہ کہتے ہیں۔ یہ سلسلہ ۱۱ھ سے ۶۰ھ یعنی حضرت صدیق اکبر ؓ سے شروع ہو کر حضرت معاویہ بن ابی سفیان ؓ کی وفات تک شمار ہوتا ہے۔''

بنی عباس کے عہد میں بعض سیاسی وجوہ سے حضرت معاویہ ؓ سے مروان ثانی تک خلفاء کو خلفائے بنو امیہ کہا گیا اور ان کے عہد کو خلافت بنی امیہ کا نام دیا گیا۔ یہی اموی خلافت کا دور کہلاتا ہے اس طرح خلافت راشدہ کے عہد کو حضرت علی ؓ تک محدود کر دیا گیا......

یہ اصطلاح کہ حضرت معاویہ ؓ سے لے کر مروان ثانی تک سب کو خلفائے بنی امیہ کہا جائے عہد عباسی کے خوشامدیوں نے بنائی ہے تاکہ عباسیوں کی خوشنودی حاصل کریں ورنہ تاریخی اور عقلی دونوں بنیادوں پر یہ اصطلاح غلط ہے۔'' (خلافت اسلامیہ ص ۲۴، ۲۷)

⑥ جناب حکیم محمود احمد ظفر صاحب سیالکوٹی لکھتے ہیں کہ:

''سیدنا معاویہ ؓ ایک خلیفہ راشد تھے اور ان کی خلافت ان ہی معنوں میں خلافت راشدہ تھی جن میں سیدنا علی ؓ اور دوسرے خلفاء کی خلافت ''خلافت راشدہ'' تھی۔ اور خلافت راشدہ کو تیس سال میں محدود کرنے کی کوئی دلیل نہیں سوائے ایک حدیث کے جس کے روایتاً و درایتاً غیر صحیح ہونے کو ہم نے بدلائل واضحہ ثابت کیا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی دلیل ''خلافت راشدہ'' کو تیس سال میں مقید اور محدود کرنے کی نہیں ہے۔ اب صرف ایک غیر صحیح حدیث پر خلافت راشدہ کو محدود کرنے کا نظریہ قائم کرنا ہمارے نزدیک نہ صرف صحیح نہیں بلکہ قرآن وسنت کے بھی خلاف ہے۔ اور اگر اس حدیث کو کسی صورت میں صحیح بھی مان لیا جائے تو سیدنا حسن ؓ کی خلافت بھی راشدہ ثابت نہیں ہوتی۔ جیسا کہ خود سیدنا سفینہ ؓ نے مدت شمار کرنے میں ان کی خلافت کو نکال دیا۔ اور اگر ان کی خلافت کو بھی خلافت راشدہ میں شامل کر لیا جائے تو پھر سمجھ میں نہیں

آتا کہ بعض بزرگوں نے کس دلیل سے سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو بھی خلفائے راشدین میں شمار کرلیا ہے۔ حالانکہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ اول الذکر ایک تابعی ہیں جبکہ آخر الذکر ایک فقیہ، مجتہد صحابی رسول، ایک کاتب وحی، اللہ کی وحی کے امین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بردار نسبتی اور خال المومنین، سیاست میں نابغہ روزگار، ہادی اور مہدی ہیں۔'' (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ شخصیت اور کردار ص۲۸۳ ج۲)

''.....قرآن کہہ رہا ہے کہ تمام صحابہ راشدین میں سے ہیں لیکن ہم ایک ہی بات کی رٹ لگا رہے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ تک تو تمام صحابہ راشدین تھے۔ اس وجہ سے ان کی خلافت بھی خلافت راشدہ تھی۔ لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بعد والے لوگ صحابی ہونے کے باوجود راشد نہ تھے۔ لہٰذا ان کی خلافت بھی خلافت راشدہ نہ ہوئی۔'' (ایضاً ص۲۴۵)

''کیا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بقول قرآن حکیم ﴿ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ ﴾ خود راشد نہیں؟ کیا ان کے دست حق پرست پر بیعت کرنے والے راشد نہیں تھے؟ جب وہ خود بھی راشد تھے اور ان کے ہاتھ پر بیعت خلافت کرنے والے بھی ''راشدین'' کی جماعت کے لوگ تھے جنھوں نے ان کی خلافت میں گورنری تک کے عہدے حاصل کیے تو پھر ان کی خلافت کو خلافت راشدہ کیوں نہیں کہا جاتا؟'' (ایضاً ص۲۵۰)

''سیدنا عمر فاروق اور سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہما کے ادوارِ خلافت تو بالاتفاق خلافت راشدہ کے دور تھے۔ ان دونوں خلافتوں میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ دمشق کے اہم صوبے پر گورنری کے جلیل القدر عہدے پر قریباً بیس سال تک فائز رہے (یہاں حکیم صاحب نے گورنری کی مدت دو خلافتوں میں بیس سال لکھی ہے حالانکہ وہ سولہ سال بنتی ہے۔ ممکن ہے کہ حکیم صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور کو بھی شامل کرلیا ہو کیونکہ تحکیم کے بعد انھوں نے مملکت کو تقسیم کر کے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے منصب پر بحال رکھا تھا) پھر کیا وجہ ہے کہ جب ان کا دور خلافت آیا تو یکا یک ان کی خلافت ملوکیت میں تبدیل ہوگئی۔ حالانکہ انھوں نے اپنی خلافت میں کوئی ایسا کام نہیں کیا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق سے ہٹ کر ہو۔ آج جو اعتراضات ان کی خلافت کو غیر راشدہ یا ملوکیت ثابت کرنے کے لیے کیے جاتے ہیں وہ سب بعد کے ذہنوں کی پیداوار ہیں۔ خود ان کے زمانہ خلافت میں یا ان کی خلافت کے سو سال بعد تک ان پر اس قسم کے کوئی اعتراضات نہیں ہوئے۔

خود ان کا اپنا دور خلافت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دور تھا جس کو حدیث نبوی میں ''خیر القرون'' کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ اور ان کی خلافت میں کئی ایک صحابہ جلیل القدر عہدوں پر فائز تھے۔ اس کا یہ معنی ہوا کہ عہد معاویہ اگر خلافت راشدہ کا دور نہیں تھا بلکہ ملوکیت کا دور تھا تو وہ سارے صحابہ ملوکیت کی مشین کے لیے پرزوں کے طور پر کام کرتے رہے اور انھوں نے اس نظام حکومت کو پروان چڑھایا جس سے اللہ اور اس کا رسول قطعاً راضی نہ تھے۔ اور یہ بات محالات میں سے ہے کیونکہ صحابہ جاہلیت اور باطل کے نظام کو دنیا میں کبھی فروغ

دینے کا ذریعہ نہیں بن سکتے تھے۔ چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر غیر راشدہ کا اعتراض کئی جلیل القدر صحابہ پر اعتراض ہے۔ جو ان کی خلافت کو صحیح اور راشدہ سمجھ کر ان کے حلقہ بیعت میں شامل ہو گئے تھے۔''

(ایضاً ص۲۹۱)

⑦ فخر السادات، ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن شاہ صاحب بخاری فرماتے ہیں کہ:

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بتقاضائے نص قرآنی چھٹے موعودہ خلیفہ راشد ہیں۔ کسی کی مشیخت مجروح ہونے سے صحابی رسول کا کردار محفوظ ہو جائے تو یہ سودا سستا ہے۔ امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین، امام سادس و عادل، خلیفہ راشد بتقاضائے نص قرآنی حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اسلام کی جلیل القدر شخصیت ہیں جن کے دور امامت و خلافت پناہ میں اسلام کی روشن کرنوں نے دنیا کے آخری سروں کو اپنی ضیا پاشیوں سے منور کیا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی فضیلت ان کا صحابی رسول ہونا ہے۔ بعد کے زمانوں کا کوئی قطب، ابدال، ولی اور غوث حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نعلین مبارک سے لگی ہوئی خاک کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔ نسبت صحابیت کے اعتبار سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم برابر ہیں۔ اس کے بعد ان کے درجات ہیں۔ اسلام قبول کر لینے کے بعد جناب محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنا کاتب وحی مقرر فرمایا اور ان سے خوش ہو کر ان کے لیے دنیا و عقبیٰ کی کامرانیوں کے لیے پیش گوئیاں اور دعائیں فرمائیں کہ:

''اے اللہ! معاویہ کو حساب و کتاب سکھا اور انھیں عذاب سے بچا۔''

''اے مولا! معاویہ کو ہدایت یافتہ اور ہدایت رساں بنا۔''

اندازہ کیجیے جو بارگاہِ رسالت میں اتنا مقرب و برگزیدہ ٹھہرے۔ کون ہے جو اب اس کی عظمت و رفعت کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ صحبت رسول سے ہمہ وقت مشرف تھے۔ قدم قدم پر ان کی تربیت و راہنمائی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ اب ان پر حرف زنی اور انگشت نمائی کرنا اپنے ہی ایمان کی بربادی اور فکری گمراہی کی علامت ہے۔ ان آفتاب بداماں ہستیوں کی طرف منہ کر کے تھوکنے والے بدبخت اپنا منہ ہی گندا کرتے ہیں۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرا رہا تھا تو آپ نے میرے لیے یہ ارشاد فرمایا "یا معاویہ ان ولیت امرا فاتق اللہ واعدل" اے معاویہ! اگر تم والی و حاکم بنا دیے جاؤ تو اللہ سے ڈرتے رہنا اور انصاف کرتے رہنا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس روز سے ہی یقین ہو گیا تھا کہ اللہ کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ضرور خلافت عطا فرمائیں گے۔

اور ایک حدیث مبارکہ میں آپ کی خلافت عادلہ و راشدہ بتقاضائے نص قرآنی کی بشارت یوں دی گئی۔

"یا معاویة ان اللہ یقمّصك قمیص" اے معاویہ! بے شک اللہ تجھے خلافت کی قمیص پہنائے گا۔

سیدنا حسن مجتبیٰ ؓ نے جناب معاویہ ؓ کے حق میں دستبردار ہو کر اور آپ کی بیعت کر کے فرمان رسول کو سچ کر دکھایا کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے اور عنقریب یہ دو مسلمان گروہوں میں صلح کرائے گا۔

یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ زمانہ بعد کے ایک غیر صحابی نیک دل فرمانروا حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ کو پانچواں خلیفہ مانا جاتا ہے لیکن سیدنا معاویہ ؓ کو رسول کریم ﷺ کی دی گئی پیشین گوئیوں کی موجودگی میں بھی خلیفہ راشد ماننے میں تردد ہے۔ جب زبان نبوی نے سیدنا عثمان ؓ کی خلافت کے لیے ''قمیص'' کا واضح اور فیصلہ کن لفظ ارشاد فرمایا تو اسے خلافت راشدہ سے تعبیر کیا گیا اور یہی قمیص کا لفظ سیدنا معاویہ ؓ کے لیے ارشاد فرمایا جائے تو خلافت راشدہ مان لینے میں کیا امر مانع ہو جاتا ہے؟

۵۵ ہزار صحابہ کرام ؓ نے سیدنا حسن ؓ کی صلح کے بعد حضرت معاویہ ؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے آپ کی موعودہ خلافت راشدہ پر مہر تصدیق ثبت کی۔ آج کے دیوبندی یا بریلوی علمائے کرام کی خود ساختہ توضیحات و تشریحات اور تعبیرات کو اصحاب رسول کے فیصلے کے سامنے پرکاہ کے برابر بھی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ اگر کسی بزرگ عالم یا پیر کی رائے کو غلط قرار دیا جائے تو آدمی دین کے دائرے سے خارج نہیں ہو جاتا۔ اگر دفاع صحابہ میں کسی کی مشیخت مجروح ہو جائے اور صحابی کی ذات اور ان کا کردار نکھر کر سامنے آ جائے تو یہ سودا سستا ہے اور اسی میں ایمان کی سلامتی اور نجات دارین ہے۔

ہم نے ۱۹۶۱ء سے دفاع معاویہ کا علم اسی خاطر بلند کیا ہے کہ باقی تمام صحابہ کرام ؓ کی شخصیات سبائی و تبرائی و نیم رافضی سنیوں کی تنقید و جرح سے محفوظ ہو جائیں۔ سیدنا معاویہ ؓ کی شخصیت کو صحیح مان کر ان کی اتباع کرنے والا کسی صحابی کے بارے میں کوئی نامناسب بات سوچ ہی نہیں سکتا۔ جبکہ دیگر اصحاب رسول کو مان کر اور اپنے آپ کو سنی کہلا کر بھی لوگ سیدنا معاویہ، سیدنا یزید بن ابی سفیان، سیدنا مغیرہ بن شعبہ، سیدنا عمرو بن عاص، سیدنا ابوموسیٰ اشعری، سیدنا مروان اور ان کے اعوان و انصار ؓ کو گناہگار، قرآن ناشناس، قرآن و سنت کے نافرمان، باغی، خاطی اور ضال و مضل (خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والے) ایسے الفاظ سے تبرا کرتے ہیں۔

الحمدللہ ہم نے آج تک کسی آخری درجے کے صحابی کے بارے میں بھی اپنے دل و دماغ کے کسی گوشے میں بھی کوئی نامناسب لفظ تک نہیں سوچا۔ ہماری تو دعا ہے کہ ایسا غارت گر ایمان لمحہ آنے سے پیشتر اللہ ہمیں موت دے دے، آمین۔ ہم نے کبھی سیدنا علی المرتضیٰ ؓ پر سیدنا معاویہ ؓ کو ترجیح نہیں دی۔ سیدنا علی ؓ ہر لحاظ سے حضرت معاویہ ؓ سے افضل و برتر ہیں۔ وہ چوتھے خلیفہ راشد ہیں۔ سابقون الاولون کے مصداق اور بدر و حنین کے معرکہ آراء ہیں۔ ان کی بزرگی و فضیلت خلفائے ثلاثہ کے بعد سب پر مسلم ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تمام صحابہ کرام ؓ کو عادل و راشد مانا جائے، ان کے فیصلوں کو درست تسلیم کیا

جائے اور مشاجرات صحابہ میں رائے زنی کے بجائے اپنی زبان کو اور قلم کو روکا جائے۔ ایک صحابی کو معصوم عن الخطا مان کر دوسرے صحابی پر طنز و تشنیع کے نشتر نہ چلائے جائیں۔ بلکہ تمام صحابہ کو برحق مانا جائے اور انھیں مجتہد مطلق جان کر اپنی دراز زبانوں کو لگام دی جائے۔

یہی مسلک اہل سنت ہے جس پر احرار کا اعتقاد و ایمان ہے۔ اور یہی وہ دعوت ہے جو تمام یاران سرپل کے لیے صدائے عام کی حیثیت رکھتی ہے اور اسی کو حق اور سچ مان کر عمل پیرا ہونے سے ہی مغفرت و نجات ممکن ہے۔'' (ماخوذ از نقیب ختم نبوت ملتان بابت ماہ فروری ۱۹۹۴ء)

الحمد للہ راقم الحروف کا بھی یہی اعتقاد و نظریہ ہے اور مذکورہ بالا نظریات و خیالات سے حرف بحرف اتفاق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ طویل اقتباس من وعن نقل کیا گیا۔

⑧ شیخ القرآن علامہ حبیب الرحمٰن صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اور پھر ان کا اتباع کرنے والے تمام امتیوں کو مخاطب کر کے فرمایا ہے:

﴿ لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَ زَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۙ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ نِعْمَةً ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾ (الحجرات)

''لیکن اللہ نے تمھارے نزدیک ایمان کو محبوب کیا ہے اور اسی نے تمھارے قلوب کو آراستہ فرمایا اور تمھارے دلوں میں کفر سے، بے راہ روی اور نافرمانی سے نفرت ڈال دی۔ یہی لوگ ہیں راشد (ہدایت یافتہ) یہ اللہ کا فضل و نعمت ہے، اور اللہ ہی تمام باتوں کے جاننے والے اور حکمت کے ساتھ بروئے کار لانے والے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس توصیف میں ان کا راشدون ہونا اور ان کے احوال قلبیہ کا مزکی و مطہر ہونا بطور امر واقعہ بیان کیا ہے۔ اسی بنا پر مسلمانوں کا ہمیشہ سے یہ مذہب ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سب کے سب عدول ہیں اور بعد کے اصحاب رجال کی جرح و تعدیل سے بالا۔ یعنی ایک حدیث کی روایت میں سند کے ہر شخص کو پرکھا جائے گا لیکن جب صحابی تک سند بطریق صحیح پہنچ جائے تو اس صحابی کی عدالت میں شک نہیں کیا جائے گا۔ اگرچہ ان کے اجتہاد سے اختلاف ہو۔

انفرادی طور پر ہر صحابی کا فتویٰ یا مذہب قابل استدلال ہے اور مجموعی طور پر جب وہ کسی امر میں متفق ہو جائیں یعنی بھاری اکثریت سے تو ان کا موقف ایسا ہی حجت ہے جیسے اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کا منکر نفس دین کا منکر ہے اور چاہتا ہے کہ اپنے اس انکار کے ذریعے سے اس گروہ کی حجیت ختم کر دے جن سے ہمیں دین ملا ہے، جنھوں نے دین قائم کیا ہے اور جنھیں اللہ نے زمین

پر اپنا گواہ بنایا ہے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا صحابی اور مجتہد ہونا مسلم ہے۔ اب بڑی دلچسپ بات ہوگی کہ آپ جو کچھ صحابی اور مجتہد ہونے کی حیثیت سے حکم دیں وہ قابل پذیرائی ہو لیکن امت کے حاکم اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے جو فرمائیں اور حکم نافذ کریں اس کی تعمیل واجب نہ رہے اور موجب رضائے الٰہی نہ ہو کیونکہ وہ حکم ہوگا ایک غیر راشد کا بلکہ کٹ کھنے بادشاہ کا۔ ایسا حکم سنت بھی نہیں کہلائے گا کیونکہ یہ ۴۱ھ کے بعد کا ہوگا اور اس وقت خلافت راشدہ کا دور ختم ہو چکا ہوگا۔

موطا شریف، بخاری شریف اور صحاح کی دوسری کتابوں میں امیر المومنین کی خلافت کے زمانے کے جو فتاویٰ مذکور ہیں اور آپ کے فقہی اجتہادات بیان ہوئے ہیں، وہ اب فقہاء کے لیے نظیر نہیں رہیں گے اور کسی اسلامی حکومت کی دفعات میں انھیں بار نہیں ملے گا؟ کیا کبھی تیرہ سو برس کی اس مدت میں کسی صاحب ایمان نے ایسی بات کہی ہے یا کہہ سکتا ہے؟

قرآن وسنت اور مقام صحابہ کی عظمت سے بے خبر لوگوں کو مسلسل پراپیگنڈے کے ذریعے سے یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی رہی ہے کہ خلفائے راشدین صرف چار ہیں...... حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ''الراشدون'' کے خطاب سے نوازا ہے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی جماعت صحابہ کے ہی ایک ممتاز فرد ہیں۔ اس لیے لامحالہ ارشاد ربانی کے مطابق وہ راشد ہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ آپ کے ذریعے سے قائم شدہ نظام حکومت کو خلافت راشدہ کے علاوہ کسی دوسرے نام سے موسوم کیا جائے...... لاریب قرآن مجید کی مقدس ہدایات پر ایمان رکھنے والا کوئی شخص بھی کسی ایسی حکومت کو برے معنی میں بادشاہت یا ملوکیت کہنے کی جرأت و جسارت نہیں کر سکتا جس کے قیام وسربراہی کے فرائض اللہ کے ارشاد فرمودہ اوصاف کے مطابق صحابی رسول انجام دے رہے ہوں۔ یا جس میں انتظامی واصلاحی معاملات اصحاب رسول کی نگرانی میں طے پاتے ہوں۔ اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی خلیفہ راشد ہیں اور آپ نے اپنی خلافت راشدہ کے زمانے میں اسلام اور انسانیت کی بیش از بیش خدمات انجام دیں۔''

(مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت ج ۲ ص ۴۰۸، ۴۰۹)

⑨ حضرت مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کا دور جسے خلافت راشدہ کا دور کہا جاتا ہے اس کی عمر عام حضرات کے نزدیک تیس برس ہے جس کا معنی یہ ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عمر فاروق، سیدنا عثمان غنی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا چند ماہ کا دور بھی اس میں شامل ہے۔ اس بنیاد پر ان ہی حضرات کو خلفائے راشدین کہا جاتا ہے۔

لیکن میں اس معاملے میں بڑے احترام سے اختلاف کرتے ہوئے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس فہرست میں شامل کرتا ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ وہ آخری صحابی ہیں جنھیں حکومت وسلطنت کا موقع ملا۔ صحابہ کی جماعت کو اللہ رب العزت نے ''راشدون'' (حجرات ۴۹:۷) کہا۔ وہ اہل سنت کے اجماعی موقف کے مطابق ''عدول'' اور ''معیار حق وصداقت'' ہیں۔

دور حاضر کے محدث کبیر مولانا ظفر احمد عثمانی حنفی تھانوی قدس سرہٗ نے مولانا مودودی کی کتاب ''خلافت وملوکیت'' کا ایک جواب لکھا تھا جو کوثر نیازی صاحب کے رسالہ ''شہاب'' میں بالاقساط نکلا۔ حضرت امیر شریعت السید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے خلف الرشید سید عطاء المنعم صاحب بخاری نے مولانا مرحوم کی تحریری اجازت سے ایک جاندار مقدمہ کے ساتھ ان اقساط کو کتابی شکل میں شائع کیا۔ عنوان تھا ''براءۃ عثمان'' اس جواب پر جماعت اسلامی کے حلقوں کی جوابی کارروائی ہوئی۔ مولانا عثمانی رحمہ اللہ کی نگرانی میں ان کے صاحبزادے نے جواب لکھا جو سید عطاء المنعم صاحب نے ''تذکرۂ یاراں'' کے نام سے شائع کیا۔ مولانا ظفر احمد صاحب رحمہ اللہ جیسے محدث اور نقاد نے جس خوبصورتی سے یہ چیزیں لکھیں یا لکھوائیں وہ ان کا اہل سنت پر احسان ہے اور ان کی زبردست تدریسی اور محدثانہ خدمات پر زبردست اور خوبصورت اضافہ۔ اس میں مولانا نے بعض احادیث صحیحہ نقل کی تھیں جن میں اسلام کی چکی تیس برس سے زائد چلنے کا بھی ارشاد ہے۔ ان ہی روایات سے مولانا مرحوم نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بھی استدلال کیا کہ انھیں اس فہرست میں شامل کیا جائے اور یہ کہ وہ اس میں شامل ہیں۔

احقر نص قرآنی ''راشدین'' کے حوالے سے پہلے سے ایک ذہن رکھتا تھا۔ مولانا عثمانی رحمہ اللہ کے اس ارشاد سے اور تقویت ملی اور اطمینان قلب نصیب ہوا۔ جزاهم الله ورحمهم الله تعالىٰ رحمة واسعة۔ (ماہنامہ میثاق لاہور، بابت ماہ نومبر ۱۹۸۵ء)

⑩ مولانا ضیاء الرحمٰن صاحب فاروقی رحمہ اللہ سرپرست اعلیٰ سپاہ صحابہ پاکستان نے چند سال قبل خلفائے راشدین کے زریں عہد کو اجاگر کرنے کے لیے ''خلافت راشدہ'' جنتری کے نام سے ایک سالانہ سلسلہ شروع کیا تھا جسے بعد میں ماہنامہ خلافت راشدہ میں تبدیل کر دیا گیا۔

موصوف اس سلسلے کی اولین اشاعت (اداریہ) میں زیر عنوان ''نظام خلافت راشدہ کا تعارف'' لکھتے ہیں کہ:

''خلافت راشدہ کی چوتھی کڑی کے طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ بائیس لاکھ مربع میل پر پانچ سال تک خلیفہ رہے۔ پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زریں عہد میں ایک مرتبہ پھر فتوحات اسلامی کا غوغا چار دانگ عالم میں پھیل گیا۔ اسلام عرب وعجم سے نکل کر مغربی اقوام کے دروازے پر دستک

دینے لگا۔ چونسٹھ لاکھ کے وسیع و عریض خطہ پر یعنی نصف دنیا پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انیس سال تک تن تنہا آنحضرت ﷺ کے اس ضابطہ حیات کو فروزاں رکھا جس کے لیے آپ نے جان جوکھوں میں ڈال دی تھی۔ یہی زریں اور درخشندہ عہد ''خلافت راشدہ'' کے عنوان سے معنون ہوا۔

آپ ایک لمحے کے لیے اگر ''خلافت راشدہ'' کے دور سے صرف نظر کر لیں تو عہد نبوی سے آج تک تاریخ اسلام کے دامن میں افتخار و نجابت کی کون سی چیز باقی رہ جاتی ہے...... قرآنی وعدہ کے مطابق آنحضرت ﷺ کے ان ہی رفقاء میں سب سے قریبی رفیق ابوبکر، عمر، عثمان، علی، حسن اور معاویہ رضی اللہ عنہم علی الترتیب خلافت کے زیور سے آراستہ ہوئے۔'' (خلافت راشدہ جنتری ۱۹۸۶ء ص ۲۱،۲۲)

اس کے بعد اگلے سال ۱۹۸۷ء کی جنتری میں زیر عنوان ''کیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد تھے؟'' ایک مضمون بصورت ''سوال و جواب'' شائع کیا گیا۔ سوال کنندہ شاعر اسلام سید سلمان گیلانی آف شیخوپورہ ہیں جو اس مضمون کے آغاز میں لکھتے ہیں کہ:

''آنحضرت ﷺ کے جلیل القدر صحابی اور فاتح عرب و عجم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اور یزید کی ولی عہدی کے بارے میں مسلم تنظیم اتحاد العالمی کے سربراہ اور پاکستان کے مشہور خطیب اور جنتری کے مدیر اعلیٰ علامہ ابوریحان ضیاء الرحمٰن فاروقی سے سوال و جواب:

سوال: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد کہنا کیسا ہے؟ بعض اصحاب اہل سنت بھی انھیں خلیفہ راشد کہنے سے ہچکچاتے ہیں۔ جبکہ آپ نے اپنی خلافت راشدہ جنتری ۸۶ء میں انھیں چھٹے نمبر پر خلیفہ راشد لکھا ہے؟

جواب: اس معاملے میں میری رائے ان اصحاب کے بارے میں یہ ہے کہ ان پر رفض کے پراپیگنڈے کا اثر ہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بعض اہل سنت علماء کی مسلسل خاموشی ان کی کم علمی اور جہالت کی وجہ سے ہے جبکہ قرآن پاک میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے ﴿ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ ﴾ تو اس آیت میں جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو راشد قرار دیا گیا ہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تو رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر صحابی بلکہ کاتب وحی ہیں...... اس کے علاوہ بھی اگر دیکھا جائے تو تاریخ میں ان کی خلافت کے راشدہ ہونے کی گواہی میں صداقت موجود ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کر رہے ہیں تو گویا وہ ایک خلیفہ راشد کی اطاعت کا عہد و پیمان باندھ رہے ہیں۔ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد نہ ہوتے تو حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کبھی ان کی بیعت نہ کرتے۔ یہ خلافت بھی پچھلی خلافتوں کا تسلسل ہے...... حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی بیعت کے بعد کوئی شخص اس پوزیشن میں نہیں کہ اس کا قول ان دونوں حضرات کے فعل سے ثقہ ہو......

حیرت ہے کہ ہمارے دوستوں کو صرف تیس سال والی حدیث پر اصرار کیوں ہے؟ جبکہ ۳۷ سال والی

حدیث میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے پہلے سات سال، جو فتوحات کے عروج کا زمانہ ہے، بھی شامل ہیں۔ یکطرفہ پراپیگنڈے سے ہمارے علماء متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے اور تیس سال والی حدیث بیان کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا بطلان کیا...... ایک بات اور یاد رکھیں کہ صحابی کا درجہ نص قطعی سے غیر صحابی کے مقابلے میں اولیٰ ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں۔ کاتب وحی ہیں۔ جبکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ غیر صحابی ہیں۔ ہمارے علماء انھیں تو خلافت راشدہ کے زمرے میں شمار کرتے ہیں لیکن کس قدر ستم ظریفی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کا اہل نہیں سمجھتے۔ کیا رفض نے اپنا کام نہیں دکھایا؟'' (خلافت راشدہ جنتری ۱۹۸۷ء ص ۱۲۴، ۱۲۵)

جناب فاروقی صاحب کے ان خیالات کی تردید اور اہل سنت والجماعت کو ''گمراہی'' سے بچانے کے لیے قاضی مظہر حسین صاحب نے اپنے مدرسہ اظہار الاسلام چکوال کی سالانہ روداد میں ایک مضمون بعنوان ''عقیدہ خلافت راشدہ اور امامت'' شائع کیا تو اس کے ساتھ آیت استخلاف کی حد تک حضرت فاروقی صاحب رحمہ اللہ نے اتفاق کر لیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس آیت کے مصداق نہیں تھے البتہ ﴿ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ ﴾ کے تحت وہ زمرہ خلفائے راشدین میں شامل تھے۔ چنانچہ موصوف فرماتے ہیں کہ:

''اسلام کی اصطلاح میں جس خلافت راشدہ کا ذکر کیا گیا ہے اس میں کون کون سے افراد شامل ہیں؟ ظاہر ہے جب یہ آیت کریمہ مع قصہ صلح حدیبیہ نازل ہوئی اس وقت جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے انھی میں چند افراد کے ساتھ یہ خدائی وعدہ ہے اس لیے جمہور اہل سنت کی رائے کے مطابق حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اس آیت موعودہ میں شامل ہیں یہی لوگ قرآنی مصداق کے حقیقی محور ہیں۔ اس کے ساتھ اس بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ رشد کو صرف چار خلفاء میں بند کرنا بھی کسی قرآنی اور نبوی ارشاد سے ثابت نہیں بلکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں علی الاطلاق حکم ہے أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ اس آیت کی روشنی میں جماعت رسول کا ہر ہر فرد راشد ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جو افراد بھی خلفاء ہوئے ہیں ان کے لیے بھی یہ لفظ شامل ہے۔ آیت موعودہ میں اگرچہ صرف چار افراد کو شامل کیا گیا ہے تاہم وہ خلفاء جو بعد میں ہوئے ان پر بھی بطور صحابی ''راشد'' کا اطلاق ہوگا...... اب جاننا چاہیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں خلفائے اربعہ کے بعد حضرت حسن، حضرت معاویہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم بھی خلیفہ ہوئے۔ صحابی ہونے کی وجہ سے ہر ایک پر راشد ہونے کا بھی اطلاق ہو سکتا ہے۔ اس تصریح کے بعد ہم پھر کہیں گے کہ پہلے چار خلفاء کے ہم پلہ، ہم مرتبہ اور مقام کے لحاظ سے کوئی دوسرا خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ قرآنی آیت کے مصداق پہلے چار خلفاء ہی ہیں لیکن بعد والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خلافتیں رشد سے باہر نہیں۔''

(خلافت وحکومت ص ۳۷، ۳۸ مطبوعہ ادارہ اشاعت المعارف فیصل آباد)

ملحوظ رہے کہ فاروقی صاحب رحمہ اللہ نے خود اس کتاب پر ۱۹۹۳ء میں نظر ثانی کی، یکم دسمبر ۱۹۹۴ء کو پیش لفظ لکھا اور پہلی مرتبہ اپریل ۱۹۹۵ء میں شائع ہوئی۔

افسوس کہ یہ جذبہ تھوڑے عرصہ تک ہی قائم رہا اور ان کی زیر سرپرستی چلنے والے ماہنامہ خلافت راشدہ کے ایک اداریہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین کی تعداد چار ہی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

''یوم عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر عام تعطیل کی جائے

۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو مدینہ منورہ میں سبائی بلوائیوں نے خلیفہ راشد و ثالث ذوالنورین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے شہید کر دیا تھا۔ سپاہِ صحابہ بار بار یہ مطالبہ کرتی چلی آ رہی ہے کہ خلفائے راشدین کے ایام سرکاری طور پر منائے جائیں اور ان ایام پر عام تعطیل کی جائے۔ کیونکہ خلفائے راشدین پوری ملت اسلامیہ کے عظیم محسن ہیں۔ انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور ان کے وصال کے بعد اپنی بہترین صلاحیتوں اور ایمان و تقویٰ کے بلند ترین معیار کو اپناتے ہوئے امت مسلمہ کی بہترین راہنمائی فرمائی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو پورے عالم میں پھیلانے کی مضبوط بنیادیں قائم کیں۔

پاکستان کی وزیر اعظم بے نظیر بھٹو صاحبہ نے چند ماہ قبل مولانا محمد اعظم طارق صاحب ایم این اے سے ایک ملاقات میں کہا ہے کہ وہ اسلام کی خدمت کرنا چاہتی ہیں اسی ملاقات کے حوالے سے سپاہِ صحابہ وزیر اعظم کو متوجہ کرنا چاہتی ہے کہ ملت اسلامیہ کے عظیم ہیروؤں کے ایام سرکاری طور پر منائے جانے کے پرزور مطالبہ کو پورا کر کے اپنے ارادہ کے اظہار کا ذریعہ بنائے اور مندرجہ ذیل تعطیلات کا اعلان کیجیے:

① یوم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ — ۲۲ جمادی الثانیہ
② یوم عمر فاروق رضی اللہ عنہ — یکم محرم الحرام
③ یوم عثمان غنی رضی اللہ عنہ — ۱۸ ذی الحجہ
④ یوم علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ — ۲۱ رمضان المبارک

حکومت کی سہولت کے لیے یہ تجویز دوبارہ پھر پیش کی جاتی ہے کہ یوم مئی کی تعطیل منسوخ کر دی جائے کیونکہ اس چھٹی کا ہمارے ملک سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی طرح عاشورہ پر دو کے بجائے ایک تعطیل کر کے کل دو چھٹیاں بچائی جائیں۔ اور ایام خلفائے راشدین کی چار تعطیلات کا اضافہ کر دیا جائے۔ اس طرح کل دو چھٹیوں کا اضافہ ہوگا۔ جبکہ قوم کا ایک بہت بڑا مطالبہ پورا ہو جائے گا۔''

(ماہنامہ خلافت راشدہ بابت ماہ مئی ۱۹۹۴ ص ۵)

یہ کسی مضمون نگار کا مضمون نہیں ہے بلکہ ایک رسالے کا اداریہ ہے اور اداریہ جماعت اور ادارے کے نظریات و خیالات کا ترجمان ہوا کرتا ہے۔

خلافت راشدہ جنتری کے حوالے سے جناب فاروقی صاحب کا جارحانہ اور حقیقت پسندانہ موقف پیچھے گزر چکا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلفائے راشدین کے زمرے سے خارج کرنے والے علماء ''کم علم'' اور ''جاہل'' ہیں۔ ان پر ''رفض کے پراپیگنڈے'' کا اثر ہے۔ اور ''رفض نے اپنا کام کر دکھایا'' وغیرہ۔

کیا اب جناب فاروقی صاحب اور سپاہِ صحابہ پاکستان کا ترجمان رسالہ ماہنامہ خلافت راشدہ بھی اسی رفض کے پراپیگنڈے کا شکار ہو گیا ہے؟ کیا یہاں بھی رفض اپنا کام دکھا گیا ہے؟ جب سپاہِ صحابہ کا ترجمان رسالہ بھی رفض کے اثرات سے محفوظ نہیں تو باقی لوگوں کا کیا حال ہو گا؟

یا پھر کیا فاروقی صاحب نے قاضی مظہر حسین صاحب کے طعن و تشنیع ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نادان حامی غالی گروہ'' سے مرعوب ہو کر اپنا سابقہ موقف تبدیل کر دیا ہے؟

بہر حال یہ بات انتہائی قابل افسوس ہے کہ فاروقی صاحب کی زیر سرپرستی شائع ہونے والے اور سپاہِ صحابہ کے ترجمان رسالے میں حضرت حسن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے نام زمرۂ خلفائے راشدین سے خارج کر دیے گئے۔ وہ بھی محض دو چھٹیوں جیسی انتہائی گھٹیا اور معمولی قیمت پر۔ فیا حسرتا فیا اسفا!

اس اداریے کو بار بار پڑھیں۔ یہاں کوئی تاویل بھی نہیں کی جا سکتی۔ نہ ''صورتاً'' اور ''حقیقتاً'' کی توجیہ کام دے سکتی ہے اور نہ فاروقی صاحب خلفائے اربعہ کی فضیلت کا سہارا لے سکتے ہیں۔

راقم کے نزدیک ان دور از کار تاویلات نے جہاں ''صفائی'' کا کام دیا ہے وہاں ضلالت اور گمراہی کے لیے بھی راہ ہموار کی ہے۔ اس کی بس ایک ہی سبیل ہے اور وہ اصلاح و اعتراف ہے۔ اور اگر واقعتاً ان کے موقف میں کوئی تبدیلی آ گئی ہے تو اس کا جواب ان ہی کی زبانی خلافت راشدہ جنتری ۸۷ء میں ملاحظہ کر لیا جائے۔ یہ بات صحیح ہے کہ مذکورہ ''اداریہ'' مدیر رسالہ نے تحریر کیا ہے لیکن حضرت فاروقی صاحب رحمہ اللہ اپنی شہادت (۱۸ جنوری ۱۹۹۷ء) تک اس اداریے سے پیدا ہونے والے اشکال کی کوئی وضاحت نہیں فرما سکے۔

البتہ یہاں موصوف رحمہ اللہ کا ایک دوسرا اقتباس ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے:

''روافض کے جھوٹے پروپیگنڈے اور سبائیت و یہودیت کے چیتھڑوں اور چربوں نے ہمیں صرف اسی سوچ کا حامل بنایا ہے کہ تعصب کے غلاف میں لپٹ ہوئی ابن سائب کلبی اور ابو مخنف لوط بن یحییٰ جیسے روافض کے مآخذ سے وجود میں آئی ہوئی تاریخ ہی سب سے معتبر دستاویز ہے۔ ان نقوش کے باعث اب نہ کوئی ان کے کارناموں کا تذکرہ کرے، نہ ان کی حیرت انگیز خدمات کا اظہار کرے، ان کو خلیفہ تک نہ مانا جائے اور ستم یہ کہ ان کے لیے راشد کا لفظ بھی نہ بولا جائے اور نہ لکھا جائے۔'' (خلافت و حکومت ص ۲۷)

مزید وضاحت کے لیے اس موضوع پر راقم الحروف کی مستقل اور زیر تالیف کتاب ''عقیدہ امامت اور خلافت راشدہ'' کی طرف مراجعت فرمائیں۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دستبرداری اور بیعت کے بعد اب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ عالم اسلام کے متفقہ خلیفہ ہو گئے۔ تمام صحابہ نے برضا و رغبت ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس طرح امت مسلمہ کی خانہ جنگی اور انتشار وخلفشار کا دور ختم ہو کر امن و سلامتی میں تبدیل ہو گیا۔ ملت اسلامیہ نے سکھ اور سکون کا سانس لیا اور اس بات کی خوشی منائی گئی کہ اب اسلامی سلطنت کا ہر مسلمان ایک اللہ، ایک رسول، ایک کتاب، ایک کعبہ، ایک دار الخلافہ اور ایک ہی خلیفہ سے وابستہ ہے۔ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((واجتمع الناس علیه حین بایع له الحسن بن علی و جماعة ممن معه و ذلك فی ربیع او جمادی سنة احدٰی و اربعین فسمّی عام الجماعة...... قال الاوزاعی ادرکت خلافة معاویة جماعت من اصحاب رسول الله ﷺ لم ینتزعوا یدا من طاعة ولا فارقوا جماعة)) (استیعاب مع الاصابہ ج ۳ ص ۳۹۸،۴۰۰)

''حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور ان کی جماعت کے بیعت کرنے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع امت ہو گیا اور یہ واقعہ ربیع الاول یا جمادی (الاولیٰ) ۴۱ھ کا ہے۔ پس اس کا نام عام الجماعت رکھا گیا...... امام اوزاعی رحمہ اللہ نے کہا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بہت سے صحابہ نے پایا لیکن کسی نے نہ ان کی اطاعت سے ہاتھ کھینچا اور نہ جماعت سے علیحدگی اختیار کی۔''

چند صحابہ کے نام جنھوں نے بیعت کی تھی ملاحظہ ہوں:

سعد بن ابی وقاص، عمرو بن عاص، ارقم بن ابی ارقم، جابر بن عبداللہ انصاری، کعب بن عمرو انصاری، ربیعہ بن عباد، اسامہ بن زید، انس بن مالک، جابر بن عتیک انصاری، مالک بن ربیعہ، فضالہ بن عبید انصاری، ابوقتادہ، ربیعہ بن کعب، قیس بن سعد بن عبادہ، عثمان بن حنیف، ابوسعید خدری، براء بن عازب، زید بن ارقم، سلمہ بن اکوع، معقل بن یسار، ثابت بن ضحاک، عبداللہ بن ابی اوفی، عوف بن مالک، حکیم بن حزام، عدی بن حاتم، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو بن عاص، حسن بن علی، حسین بن علی، ابوہریرہ، عبداللہ بن جعفر، عبیداللہ بن عباس وغیرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

ملت اسلامیہ کے اس عظیم الشان اتحاد اور انتخاب کو اس وقت بھی سبائیوں کی طرف سے نفرت کی نگاہ سے دیکھا گیا اور ان کی اتباع اور پیروی میں آج بھی اسے بنظر حقارت دیکھا جا رہا ہے۔ چنانچہ جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بغیر رضامندی عوام کے حکومت پر قابض ہو گئے تھے۔ ان کی حکومت میں مسلمانوں کی رضامندی کو کوئی دخل نہ رہا تھا اور ملک کے مال میں بھی تصرف ہونا شروع ہو گیا تھا۔ تاہم حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے برداشت کیا۔'' (شہادت حسین کا حقیقی مقصد ص ۲۳، ۲۴، فرینڈز پبلی کیشنز، پاک گیٹ ملتان)

صحابہ کی اس سے بڑھ کر اور کیا توہین ہو سکتی ہے؟ مودودی صاحب کے دل میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بغض اور کینہ وعناد تھا ہی۔ (جس کا ثبوت ان کی تصنیف خلافت و ملوکیت ہے) مگر یہاں جملہ صحابہ کی شدید ترین توہین کے مرتکب ہو گئے۔ کیا صحابہ کی رضامندی کے بغیر مسند خلافت پر قدم رکھا جا سکتا تھا؟ کیا صحابہ کرام اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم نے مجبور ہو کر بیعت کی تھی؟ تفو بر تو اے ذریت ابن سبا تفو!

مودودی صاحب کی اس عبارت میں جو نظریہ پیش کیا گیا ہے وہ دراصل خوارج کا ہے۔ خارجی اور سبائی دونوں عینی (حقیقی) یا کم از کم علاتی بھائی تو ضرور ہیں۔ مصر کے مشہور عالم اور مورخ علامہ محمد خضری لکھتے ہیں کہ

''(خوارج کے نزدیک) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت پر بزور تسلط حاصل کر لیا..... مسلمانوں کی رضامندی کے بغیر مسلمانوں پر اقتدار و غلبہ حاصل کر لینے کے سبب سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے براءت یعنی بے تعلقی اور علیحدگی ظاہر کرتے ہیں۔'' (تاریخ التشریع الاسلامی مترجمہ مولانا عبدالسلام ندوی ص ۱۹۴-۲۳۷)

جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زمام خلافت سنبھالی تو اس وقت عالم اسلام تین گروہوں میں تقسیم تھا: پہلا گروہ شیعان علی کا تھا۔ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد ان کی اولاد کو منصب خلافت کا حقدار مانتے تھے۔ یہ گروہ عراق، ایران وغیرہ میں زیادہ آباد تھا اور مصر میں بھی اس خیال کے لوگ بکثرت پائے جاتے تھے۔ مگر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دستبرداری کے بعد ان کی ہمت پست ہو گئی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے سر نہ اٹھا سکے۔

دوسرا گروہ شیعان معاویہ کا تھا۔ یہ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سخت حمایتی تھے۔ لیکن ان میں اور شیعان علی میں یہ فرق تھا کہ یہ لوگ نہایت شجاع، دلیر اور امور جہانبانی سے واقف تھے۔ برخلاف شیعان علی کے کہ وہ لوگ میدان سیاست اور میدان جنگ کے مرد نہ تھے۔ البتہ شورش اور فتنہ گری ان کی سرشت میں داخل تھی جس سے وہ گاہے گاہے کام لیتے رہے۔

تیسرا گروہ خارجیوں کا تھا۔ یہ لوگ شیعان علی اور شیعان معاویہ دونوں کو گمراہ اور کافر یقین کر کے ان

کے مقابلے میں ہر قسم کی قوت وشدت کام میں لاتے تھے۔ نیز منافق اور سازشی لوگ بھی ان میں ملے جلے رہتے تھے۔ ان خوارج کی زیادہ تر تعداد ملک عراق یعنی بصرہ، کوفہ وایران میں بھی تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سریر آرائے خلافت ہوتے ہی اسلام دشمن قوتوں نے سر اٹھایا اور کئی طرح کے فتنوں اور شورشوں کا آغاز ہوگیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان مخالف اور ناسازگار حالات کو سامنے رکھتے ہوئے جو اصول حکومت وضع کیے وہ یقیناً انھیں دنیا کے مدبر ترین حکمرانوں کی صف اول میں داخل کر دیتے ہیں۔ آپ نے اپنے دور حکومت میں تمام اندرونی اور بیرونی بغاوتوں، شورشوں اور سازشوں کا قلع قمع کر کے مکمل امن اور سکون قائم کر دیا، اسلامی حکومت کا رقبہ بڑھایا، اسے مختلف حیثیتوں سے ترقی دی اور دشمنان اسلام کے خوابوں کو شرمندہ تکمیل نہیں ہونے دیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں اندرونی فتنہ سامانیوں کے ساتھ ساتھ بیرونی شورشوں نے بھی خوب خوب رنگ دکھایا اور متعدد مفتوحہ علاقوں میں بغاوتوں نے بڑے زور شور سے سر اٹھایا۔ ۴۱ھ میں بلخ، ہرات، بوشنج اور بادغیس میں بغاوتیں ہوئیں جن کو بڑی خوبی سے فرو کیا گیا۔ ۴۳ھ میں کابل میں بغاوت ہوئی جس کو حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے دبا دیا۔ ۴۷ھ میں اہل غور نے بغاوت کی جس کو حضرت حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ نے فرو کیا۔ اور اس طرح مفتوحہ علاقوں میں سے کوئی علاقہ بھی ہاتھ سے نہیں نکلا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نہ صرف اپنی قابلیتوں سے اندرونی و بیرونی شورشوں کو چند ہی سالوں میں فرو کیا بلکہ مزید ممالک اور علاقے بھی فتح کیے آپ نے اپنا سارا دور امارت رومیوں کے ساتھ مقابلہ میں گزارا تھا اور اب اپنے زمانہ خلافت میں کفر کے خلاف اپنے دل کے ارمان پورے کرنے میں پوری جرأت اور حوصلہ مندی سے کام لیا۔

فتح سندھ

اگرچہ مسلمان دور عثمانی میں سندھ پہنچ چکے تھے مگر حاکمانہ عظمت اور فاتحانہ رسوخ و کمال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کے دور کی برکات میں سے ہے۔ سب سے پہلے ۴۴ھ میں خیبر کے راستے سے ہندوستان پر حملہ ہوا۔ مہلب بن ابی صفرہ رحمہ اللہ کا نام نامی واسم گرامی کبھی تاریخ سے محو نہ ہوگا۔ جب یہ مرد دلیر کابل کو پار کر کے محض شرک کی بنیادوں کو اکھیڑنے اور توحید کے پرچم کو بلند کرنے کے لیے ہندوستان پر حملہ آور ہوا تھا اور قیقان میں فتوحات حاصل کر کے بہت سا مال غنیمت لے کر واپس ہوا اور اسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر کے داد تحسین وصول کی۔ (فتوح البلدان ص ۴۳۱)

مہلب رحمہ اللہ کے بعد عبداللہ بن سوار عبدی کو سرحدی علاقوں کا حاکم بنایا گیا انھوں نے پہلے تو بہت

فتوحات حاصل کیں اور بہت سا مال غنیمت لے کر دربار خلافت میں حاضر ہوئے مگر دوسری بار جنگ میں شہادت حاصل کی اور سرحد ہند کو اپنی سکونت دائمی سے مشرف و برگزیدہ بنا دیا۔ (ایضاً ص ۴۳۱) ان کے بعد متعدد حکام اور والی مقرر ہوئے اور فتوحات حاصل کرتے رہے۔ آخر عباد بن زیاد مقرر ہوئے۔ انھوں نے سب سے پہلے قندھار اور اس کے ملحقہ علاقوں اور متعدد اہم فوجی چھاؤنیوں کو فتح کیا۔ پھر منذر بن جارود کو سندھ کا حاکم بنا کر بھیجا۔ انھوں نے بڑی قابلیت سے بڑی چھوٹی متعدد ریاستوں کو سر کر کے اپنی فوجوں کو قیقان اور یوقان کے علاقوں میں پھیلا دیا اور فتوحات کا یہ مبارک سلسلہ بڑے اعلیٰ پیمانے پر قائم ہو گیا۔ (ایضاً ص ۴۴۰)

پروفیسر مولانا محمد اشرف صاحب رحمہ اللہ صدر شعبہ عربی اسلامیہ کالج پشاور لکھتے ہیں کہ:

''۴۴ھ میں مہلب بن ابی صفرہ درہ خیبر کی راہ سے ہندوستان میں داخل ہوئے اور پشاور کی وادیوں کو روندتے ہوئے بنوں (بنّہ) کو فتح کرتے ہوئے قلات تک جا پہنچے۔ یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔'' (مشاہیر علمائے دیوبند جلد ا ص ۵ تحت ''پیش لفظ'' مؤلفہ ریٹائرڈ بریگیڈیر ڈاکٹر قاری فیوض الرحمٰن صاحب)

فتح ترکستان

ترک قوم اپنی بہادری اور شجاعت میں ہمیشہ ضرب المثل رہی۔ لیکن اسلامی قوت کے سامنے آخر انھیں بھی ہتھیار ڈال دینے پڑے۔ ۵۴ھ میں ابن زیاد ترکستان کے اہم فوجی مراکز پر حملہ آور ہوا اور تھوڑے ہی عرصے میں اپنی تلوار سے بخارا کو عبور کرتا ہوا رامنی اور بیکند کے سنگین اور وسیع علاقوں کو فتح کر لیا۔ ۵۵ھ میں سعید بن عثمان رحمہ اللہ والی مقرر ہوئے اور دریائے جیحون کو پار کر کے آگے بڑھے۔ یہ علاقہ نہایت زرخیز اور کئی لحاظ سے بڑا اہم تھا۔ یہاں کے لوگوں نے صلح کی درخواست کی۔ مسلمان سپہ سالار نے اسے قبول کر کے قبق (ایک خاتون حاکم) کے تمام مملوکہ علاقے اپنی نگرانی میں کر لیے۔

فتح سمرقند

بخارا کی فتوحات کے بعد مسلمانوں نے سمرقند کا رخ کیا۔ قبق خاتون نے مسلمانوں کی گراں قدر امداد کی اور ہر طرح سے ساتھ دیا۔ اہل سمرقند نے مسلمانوں کو دیکھ کر شہر کے دروازے بند کر لیے اور خفیہ جنگ کی تدابیر میں مصروف ہو گئے۔ آخر باشندگان سمرقند فصیلوں پر آئے اور یکبارگی تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ لیکن مسلمانوں کے شدید محاصرے میں کسی قسم کا کوئی فرق نہ آیا۔ اس میں سعید بن عاص رضی اللہ عنہ اور مہلب بن ابی صفرہ رحمہ اللہ سرداران اسلام کی ایک ایک آنکھ کام آئی۔ مگر اس کے باوجود محاصرہ میں کوئی فرق نہ آیا۔ بعد میں اہل سمرقند نے سات لاکھ سالانہ خراج پر صلح کر لی۔ (فتوح البلدان، بلاذری ص ۴۱۶)

فتح ترمذ

اس مہم کو سر کرنے کے بعد مسلمان ترمذ پہنچے۔ یہ خطہ کئی لحاظ سے اہم اور سود مند تھا۔ لیکن وہاں کے

باشندوں نے صلح کر لی اور ملکی منافع کا ایک کثیر حصہ اسلام کی نذر کر دیا۔ (ایضاً ص ۴۱۷)

فتح افریقہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں افریقہ کا معتدبہ حصہ مسلمانوں کے ہاتھ آ چکا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس میں بہت اضافہ کیا اور اسلامی قوتوں کو یہاں مضبوط اور مسلط کر دیا۔ ۴۱ھ میں لواتہ اور زناطہ پر عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا تھا مگر بغیر کسی جنگ کے صلح ہو گئی۔ ۴۲ھ میں غدامس، ۴۳ھ میں سوڈان کے علاقے فتح کیے۔ اسی طرح نبرزت اور جربہ بھی فتح ہوئے۔ ۴۵ھ میں سوسہ اور جلولاء فتح کیے۔ افریقہ میں کئی باغی اور سرکش تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۵۰ھ میں ان کی سرکوبی عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ سے کرا کر قیروان کا شہر آباد کیا اور فوجی چھاؤنی قائم کر کے بہت سے خطرات کا خاتمہ کر دیا۔

علامہ بلاذری لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کو مغرب کا والی مقرر کیا۔ انھوں نے افریقہ پر دس ہزار مسلمانوں کے ساتھ حملہ کیا اور اس کو فتح کر کے اس کے شہر قیروان کی داغ بیل ڈالی۔ یہاں جھاؤ وغیرہ کے درختوں کا گھنا جنگل تھا اور درندوں اور مہلک سانپ بچھوؤں کی وجہ سے کوئی اس کا قصد نہیں کر سکتا تھا۔ ابن نافع رضی اللہ عنہ مرد صالح اور مستجاب الدعوات تھے۔ انھوں نے اپنے رب سے دعا کی۔ تمام حشرات الارض دور ہو گئے حتیٰ کہ درندے بھی اپنے بچوں کو لے کر بھاگ گئے۔

(فتوح البلدان بلاذری اردو ص ۳۲۹)

حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے ''قیروان'' کا شہر بسانے سے پہلے اپنے لشکر میں موجود جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (جن کی تعداد اٹھارہ تھی) جمع کر کے اجتماعی دعا کی اور پھر یہ آواز بلند کی:

((ایتها السباع والحشرات نحن اصحاب رسول الله ﷺ ارحلوا عنّا فانّا نازلون فمن وجدناه بعد قتلناه)) (تاریخ طبری جلد ۴ ص ۱۷۸، تحت احوال ۵۰ھ)

''اے درندو اور کیڑو! ہم رسول اللہ ﷺ کے صحابہ ہیں۔ ہم یہاں بسنا چاہتے ہیں لہٰذا تم یہاں سے کوچ کر جاؤ۔ اس کے بعد تم میں سے جو کوئی یہاں نظر آئے گا تو ہم اسے قتل کر دیں گے۔''

مشہور مورخ اور جغرافیہ دان علامہ زکریا بن محمد قزوینی لکھتے ہیں کہ:

((فرأى الناس ذلك اليوم عجبا لم يروه قبل ذالك وكان السبع يحمل أشباله، والذئب اجراءه والحيه اولادها، وهى خارجة سربا سربا فحمل ذالك كثيرا من البربر على الاسلام)) (آثار البلاد (قزوینی) ص ۲۴۲، تحت القیروان بحوالہ جہانِ دیدہ ص ۱۰۸ مؤلفہ مولانا محمد تقی عثمانی)

''اس روز لوگوں نے ایسا عجیب نظارہ دیکھا جو پہلے کبھی نہ دیکھا تھا کہ درندہ اپنے بچوں کو اٹھائے لے جا رہا ہے، بھیڑیا اپنے بچوں کو اور سانپ اپنے بچوں کو۔ یہ سب ٹولیوں کی شکلوں میں نکلے جا رہے تھے۔ یہ

منظر دیکھ کر بہت سے بربری مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے جنگل کاٹ کر یہاں شہر قیروان آباد کیا، وہاں جامع مسجد بنائی اور اسے شمالی افریقہ میں اپنا مستقر قرار دیا۔"

رومیوں سے جنگیں

مسلمانوں نے اپنی حریف تمام طاقتوں کا خاتمہ کر ڈالا تھا۔ البتہ ابھی قسطنطنیہ کی رومی حکومت جسے اپنے لوگوں، نظام مملکت اور قوت و طاقت پر بھروسا تھا وہ باقی تھی، جو اپنی ذلیل اور کمینہ طرز عمل کا ہر وقت ثبوت فراہم کرتی رہتی تھی۔ لہٰذا اس کی گوشمالی کی سخت ضرورت تھی۔ اس کی روک تھام کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحری بیڑے کو ترتیب دیا تھا اور بڑے بڑے صحابہ اس میں مصروف پیکار رہے۔

قسطنطنیہ اس زمانے میں یورپی طاقتوں کا مرکز اور نصاریٰ کی قوتوں کا دل تھا۔ اس لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بڑے زور شور کے ساتھ اس پر فوج کشی کی۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا رومیوں کے خلاف جذبہ جہاد کا ان کی آخری وصیت سے بھی خوب اندازہ ہوتا ہے کہ "شد خناق الروم" رومیوں کے گلے گھونٹ کر رکھ دو۔ ان کی اس وصیت نے بھی نصرانیت کے فلک بوس قلعوں میں شگاف ڈال دیے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ قسطنطنیہ کے شرکاء کو مغفرت کی بشارت سے نوازا تھا۔ اس لیے اس میں کبار صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی شرکت فرمائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

((اول جیش من امتی یغزون البحر قد اوجبوا قالت ام حرام قلت یا رسول الله! انا فیهم؟ قال انت فیهم ثم قال النبی اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لهم))

(صحیح بخاری کتاب الجہاد باب ما قیل فی قتال الروم جلد ۱ص ۴۱۰)

"میری امت کا سب سے پہلا وہ لشکر جو بحری جہاد کرے گا ان کے لیے جنت واجب ہے۔ سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں نے کہا کہ میں بھی ان میں شامل ہوں۔ آپؐ نے فرمایا ہاں آپ بھی ان میں شامل ہیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کا سب سے پہلا وہ لشکر جو قیصر کے شہر میں جنگ کریں گے، ان سب کے حق میں مغفرت ثابت ہو چکی ہے۔"

یہ دونوں لشکر آپ نے بحالت خواب دشمنان اسلام سے برسر پیکار دیکھے پھر بیداری کے بعد آپ نے اپنی خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے ہوئے ہر دو لشکروں کے لیے جنت و مغفرت کی بشارت دی۔ یہ سن کر حضرت سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا نے جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر آپ سے استفسار کیا کہ کیا مجھے بھی یہ سعادت حاصل ہو گی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پہلے لشکر میں شامل ہو گی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "ادع الله ان یجعلنی منهم فدعا لها" آپ میرے لیے یہ دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے ان میں سے کر

دے تو آنحضرت ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔

اگر ایک بار بھی یہ حدیث صحیح بخاری میں ذکر ہوتی تو شرکائے لشکر کی عظمت اور فضیلت کے لیے کافی ہوتی۔ مگر یہ حدیث دیگر کتب حدیث کے علاوہ صرف صحیح بخاری میں بتکرار سات مرتبہ مختلف ابواب میں نقل ہوئی ہے تفصیل پیچھے عہد عثمانی کے تحت گزر چکی ہے۔

علاوہ ازیں یہ اگر صرف خواب کا ہی معاملہ ہوتا تو بھی انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی ہوتے ہیں۔ مگر آنحضرت ﷺ نے حالت بیداری میں ان خوش نصیب شرکاء کے لیے جنت ومغفرت کی نوید سنائی۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سعادت، خوش نصیبی اور منزلت و رفعت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے جو خواب و بیداری ہر دو حالتوں میں پیغمبر کی مسرتوں اور خوشیوں کا باعث بننے کے علاوہ جنت ومغفرت کی سعادتوں کا مصداق بھی بن گئے۔

آنحضرت ﷺ کی پیشینگوئیوں کے بارے میں کم از کم ایک مسلمان تو یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ ان کی حیثیت کاہنوں، نجومیوں اور قیافہ شناسوں کی پیشین گوئیوں کی مانند ہے جو کبھی صحیح ثابت ہو جائیں کبھی غلط، اور نہ ان کی حیثیت معاذ اللہ مرزا غلام احمد قادیانی کی پیشین گوئیوں کی سی ہے کہ وہ جب غلط ثابت ہو جائیں تو تاویلات بعیدہ سے تصحیح کی جائے۔ اور تاویل کی بھی اگر گنجائش نہ نکلے تو کہہ دیا جائے کہ فلاں پیش گوئی دراصل فلاں شرط پر تھی۔ جب شرط ہی نہ پائی گئی تو پیش گوئی بھی معلق رہ گئی۔ جبکہ مرزا نے پیش گوئی کرتے وقت خود کوئی شرط نہ لگائی ہو۔

العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ ایسے تصور سے بھی ہزار ہا مرتبہ اللہ کی پناہ! ایک مسلمان کا ایمان ہے کہ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے جو خبر بھی نکلی وہ اللہ کے دیے ہوئے علم یقینی کی روشنی میں نکلی۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ نے بحری جہاد اور قسطنطنیہ کے حوالے سے جو جنت ومغفرت کی بشارت دی ہے اس کا اطلاق تمام شرکاء پر ہوگا اور اس کے عموم سے کسی ایک فرد کو بھی خارج نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ وعدۂ جنت ومغفرت اللہ علام الغیوب اور علیم بذات الصدور کی طرف سے ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نہ تو کوئی شرط لگائی اور نہ اس بشارت سے کسی کو مستثنیٰ کیا۔

اور یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ حدیث میں دی گئی جنت ومغفرت کی بشارت کو ان بشارتوں پر قیاس بھی نہیں کیا جا سکتا جن میں اللہ اور اس کے رسول نے بعض اعمال و افعال کے بارے میں اطلاع دی ہو کہ جس نے یہ کام کیا وہ جنت کا اور جس نے یہ کام کیا وہ جہنم کا مستحق ہوگا۔ جو حضرات تاویلات بعیدہ کا سہارا لے کر ان بشارتوں سے شرکائے جنگ میں سے کسی کو خارج کرتے ہیں (اور وہ بھی قائدین لشکر کو) وہ دراصل شعوری یا لاشعوری طور پر اہل تشیع کی پیروی و اتباع میں ایسا کر رہے ہیں۔ کیونکہ شیعہ بھی اسی قسم کی تاویلات

کرتا ہے۔ جیسے قرآن حکیم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ کا سرٹیفکیٹ دیا ہے تو اہل تشیع اس آیت کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ درست ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں انھیں یہ سند دی گئی تھی لیکن چونکہ وہ آپ کی وفات کے بعد (العیاذ باللہ) مرتد ہو گئے تھے اس لیے وہ اس اعزاز کے مستحق نہیں رہے۔

اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس افراد کے نام لے کر انھیں جنت کی بشارت دی جنھیں ''عشرہ مبشرہ'' کہا جاتا ہے۔ جن میں حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد، سعید، عبدالرحمٰن اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ اہل تشیع کے اصول کے نزدیک یہ بشارت صحیح ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خصوصاً خلفائے ثلاثہ ابوبکر، عمر اور عثمان (رضی اللہ عنہم) سے افعال قبیحہ صادر ہوئے۔ جیسے اہل بیت کا حق چھینا، ان پر ظلم کیا اور مال فدک غصب کیا، لہٰذا وہ اس بشارت سے خارج ہو گئے۔

کیا کوئی مسلمان ایسا تصور بھی کرسکتا ہے؟ اہل اسلام کے نزدیک ان حضرات کی مغفرت یقینی ہے کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے عطا کردہ علم صحیحہ وقطعیہ کی روشنی میں بشارت دیتے ہیں جو غلط ہو ہی نہیں سکتی۔ اسی طرح زیر بحث حدیث میں جنت ومغفرت کی بشارت کا اطلاق تمام شرکاء پر ہوگا اور قائدین اور سپہ سالار اس بشارت کے سب سے پہلے مصداق ہوں گے۔

صحیح بخاری کی اس زیر بحث حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے دو لشکروں کے متعلق جنت ومغفرت کی بشارت دی۔ اول الذکر ''جنت کے وجوب'' کی بشارت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور امارت میں پوری ہوئی جس کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے اور ثانی الذکر پیشین گوئی آپ کے دور خلافت راشدہ میں پوری ہوئی جو ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔

اسی غزوے کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دی گئی بشارت ''مغفور لھم'' میں شامل ہونے کے لیے شوق شہادت اور جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر صحابہ وتابعین گوشے گوشے سے دمشق پہنچنے لگے۔ جن میں حضرات عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر، حسین بن علی اور میزبان رسول حضرت ابو ایوب انصاری وغیرہم رضی اللہ عنہم نے مدینہ منورہ سے تشریف لا کر اس لشکر میں شمولیت اختیار فرمائی جس کی امارت و سپہ سالاری سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے جواں سال فرزند ''فتی العرب'' امیر یزید کے سپرد فرمائی۔

محمود بن ربیع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ روایت غزوہ قسطنطنیہ کے موقع پر لوگوں سے بیان کی۔ اس جہاد میں ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ شریک تھے۔ نیز اسی میں ان کا وصال ہوا۔ ''ویزید بن معاویة علیھم بارض الروم'' اور اس لشکر کے امیر یزید بن معاویہ تھے۔

(صحیح بخاری ج ا ص ۱۵۸ کتاب التہجد، باب صلوٰۃ النوافل جماعۃ)

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ شارح بخاری لکھتے ہیں کہ:

((كان اول من غزا مدينة قيصر يزيد بن معاوية ومعه جماعة من سادات الصحابة))

(قسطلانی ج۵ص۱۰۴)

''قسطنطنیہ پر سب سے پہلے جہاد کرنے والے یزید بن معاویہؓ تھے اور ان کے ساتھ اکابر صحابہ کی ایک جماعت بھی شریک تھی۔''

علامہ بدرالدین عینی حنفی اور علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمہما اللہ لکھتے ہیں کہ:

((ان يزيد بن معاوية غزا بلاد الروم حتى بلغ قسطنطنية و معه جماعة من سادات الصحابة)) (عمدۃ القاری ج۱۴ص۱۹۸، فتح الباری ج۶ص۱۰۳)

''یزید بن معاویہ روم کے شہروں میں مصروف جہاد رہے، یہاں تک کہ قسطنطنیہ تک پہنچ گئے اور ان کے ساتھ بڑے بڑے صحابہ کی جماعت تھی۔''

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((ان يزيد بن معاوية كان اميرًا على الجيش الذى غزا فيه ابو ايوب......))

(مسند احمد بن حنبل ج۵ص۴۱۶)

''اس لشکر قسطنطنیہ کے امیر جس میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے حصہ لیا یزید بن معاویہ تھے۔''

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((اول جيش غزاها كان اميرهم يزيد)) (منہاج السنۃ ج۲ص۲۵۲)

''قسطنطنیہ پر پہلے چڑھائی کرنے والے لشکر کے سپہ سالار یزید تھے۔''

امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((وفيها غزا يزيد بن معاوية القسطنطنية وقيل فى سنة احدى وخمسين))

(العبر فی خبر من غبر، طبع کویت، الجزء الاول ص۵۵ تحت سنہ ۵۵ھ)

''اور اسی (۵۰ھ میں) یزید بن معاویہ نے قسطنطنیہ پر لشکر کشی کی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ۵۱ھ میں (یہ جنگ ہوئی)۔''

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((وكان ابو ايوب الانصارى مع على بن ابى طالب فى حروبه كلها ثم مات بالقسطنطنية من بلاد الروم زمن معاوية وكان غزاته تلك راية يزيد وهو كان اميرهم يومئذ)) (الاستیعاب مع الاصابہ ج۱ص۴۰۴)

''حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تمام جنگوں میں شرکت کی پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں روم کے شہر قسطنطنیہ میں وفات پائی۔ اس دن یزید بن معاویہ ان کے امیر تھے۔''

قدیم مورخ علامہ محمد بن سعد رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''پھر وہ (ابو ایوب رضی اللہ عنہ) بیمار ہو گئے۔ لشکر پر یزید بن معاویہ امیر تھا۔ وہ ان کے پاس دن کو عیادت کو آیا اور پوچھا کہ آپ کی کوئی حاجت ہو تو بیان کیجیے۔ انھوں نے کہا ہاں میری حاجت ہے۔ جب میں مر جاؤں تو مجھے اونٹ پر سوار کر کے جہاں تک گنجائش ملے دشمن کے ملک میں لے جانا۔ جب گنجائش نہ ہو تو وہیں دفن کر دینا اور واپس آ جانا۔ جب ان کی وفات ہو گئی تو اس نے انھیں سوار کیا اور جہاں تک گنجائش ملی دشمن کے ملک میں لے گیا اور دفن کر کے واپس آ گیا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ۵۲ھ میں جس سال یزید بن معاویہ نے اپنے والد معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی خلافت میں قسطنطنیہ کی جنگ کی، اسی سال ابو ایوب رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ ان پر یزید بن معاویہ نے نماز پڑھی ان کی قبر روم میں قلعہ قسطنطنیہ کی بنیاد میں ہے۔ مجھے معلوم ہوا کہ رومی ان کی قبر کی حفاظت اور مرمت کرتے۔ جب قحط ہوتا تو اس کے توسل سے وہ استسقاء کرتے تھے۔''

(طبقات ابن سعد اردو، ج ۴ حصہ مہاجرین و انصار، ص ۶۱، ۶۲)

قدیم مورخ ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ:

''یزید بن معاویہ نے روم میں جنگ کی یہاں تک کہ قسطنطنیہ تک پہنچ گیا......'' (تاریخ طبری اردو ج ۴ ص ۸۶)

امام ابو الحسن ابن اثیر جزری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات ۵۰ھ میں ہوئی جبکہ یہ جہاد میں تھے۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ۵۱ھ میں اور بعض کہتے ہیں کہ ۵۲ھ میں۔ اور یہی زیادہ مشہور ہے۔ یہ ایک لشکر میں تھے جس کا سردار یزید بن معاویہ تھا۔ جب ابو ایوب رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو یزید ان کی عیادت کو گیا اور ان سے پوچھا کہ آپ کی کیا خواہش ہے۔ ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے کہا میری خواہش یہ ہے کہ جب میں مر جاؤں تو تم مجھے لے کر سوار ہونا اور دشمن کے ملک میں جانا۔ جہاں تک تمھیں جگہ ملے چلے جانا اور وہیں مجھے دفن کر دینا پھر لوٹ آنا۔ پس جب ان کی وفات ہوئی تو انھوں نے ایسا ہی کیا اور ان کو قسطنطنیہ کے قریب دفن کیا۔ وہیں ان کی قبر ہے۔ لوگ اس کے ذریعے سے پانی برسنے کی دعا مانگتے ہیں۔'' (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ اردو ج ۳ ص ۱۱۱)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((فسار معه خلق كثير من كبراء الصحابة حتى حاصر القسطنطنية))

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۳۲)

''بڑے بڑے صحابہ کی جماعت یزید کے ساتھ تھی۔ یہاں تک کہ اس نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا۔''

موصوف مزید لکھتے ہیں کہ:

((وکان ابو ایوب الانصاری فی جیش یزید بن معاویة والیه اوصٰی وهو الذی صلی علیه)) (ایضاً ج۸ص۵۸)

''حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق ان کی نماز جنازہ یزید بن معاویہ نے پڑھائی۔''

اور اسی جلد کے ص ۱۵۱ پر تحریر ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی اس لشکر میں موجود تھے: "و قد کان فی الجیش الذین غزوا القسطنطنیة مع ابن معاویة یزید" اور ص ۲۲۹ پر یزید کے حالات میں لکھا ہے کہ "وقد کان یزید اول من غزا قسطنطنیة" یزید وہ پہلا شخص ہے جس نے قسطنطنیہ کی جنگ کی۔

علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''چنانچہ یزید کو ایک جمعیت کثیرہ کے ساتھ جس میں ابن عباس، ابن زبیر، ابن عامر، ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہم بھی تھے روانہ کیا۔ ان لوگوں نے میدان جنگ میں پہنچ کر نہایت تیزی اور سختی سے لڑائی شروع کی۔ لڑتے بھڑتے قسطنطنیہ تک پہنچے۔'' (تاریخ ابن خلدون ج۲ص۳۸)

شیخ العرب والعجم مولانا السید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''یزید کو متعدد معارک جہاد میں بھیجنے اور جزائر ابیض اور بلاد ہائے ایشیائے کوچک کے فتح کرنے حتیٰ کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بڑی بڑی افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں آزمایا جا چکا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیے تھے۔'' (مکتوبات ج۱ص۲۵۰)

مشہور سیرت نگار علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''بحر روم میں جس کو اخضر اور بحر متوسط بھی کہتے ہیں، یورپ اور ایشیا کی، اور اب گویا اسلام اور عیسائیت کی حد فاصل ہے اور اس زمانہ میں یہ رومیوں کی بحری قوت کی جولان گاہ تھا۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خواب راحت سے مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے اور فرمایا اس وقت خواب میں میری امت کے کچھ لوگ تخت شاہی پر بادشاہوں کی طرح بیٹھے ہوئے دکھائے گئے۔ یہ بحر اخضر میں جہاد کے لیے اپنے جہاز ڈالیں گے۔

یہ بشارت سب سے پہلے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں پوری ہوئی اور دیکھا گیا کہ دمشق کی سرزمین پر اسلام میں سب سے پہلے تخت شاہی بچھایا جاتا ہے اور دمشق کا شہزادہ یزید اپنی سپہ سالاری میں مسلمانوں کا پہلا لشکر لے کر بحر اصفر میں جہازوں کے بیڑے ڈالتا ہے اور دریا کو عبور کر کے قسطنطنیہ کی چہار دیواری پر تلوار مارتا ہے۔'' (سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج۳ص۱۰۶)

جناب طالب ہاشمی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک اسلامی لشکر قسطنطنیہ کی تسخیر کے لیے روانہ کیا تو حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ اپنی کبرسنی کے باوجود اس لشکر میں ایک عام مجاہد کی حیثیت سے شریک ہو گئے۔ بعض مورخین کے بیان کے مطابق اس لشکر کی قیادت سفیان بن عوف کے سپرد تھی۔ لیکن اکثر مستند روایات میں ہے کہ اس لشکر کا امیر یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ تھا۔ یزید تاریخ اسلام کی ایک بدنام ترین شخصیت ہے۔ اس لیے اس کی قیادت میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے جلیل القدر صحابہ کا کفار کے خلاف جہاد کرنا بعض لوگوں کے لیے حیران کن ہے لیکن اس الجھن کا حل مشہور شیعہ عالم سید علی نقی صاحب مجتہد العصر اپنی تصنیف ''تذکرہ حفاظ شیعہ'' میں یوں پیش کرتے ہیں کہ:

''کفار کے ساتھ جنگ کرنے کا آپ (ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ) کو خاص شوق تھا۔ یہاں تک کہ اس سلسلے میں یزید کی سپہ سالاری میں جنگ کرنے تک سے آپ نے گریز نہیں کیا۔ آپ کا اجتہادی خیال یہ تھا کہ کفار سے جہاد میں، اگرچہ فاسق و فاجر کی ماتحتی میں ہو، سچی نیت سے شریک ہونا مذہب کی نصرت ہے۔ اس لیے روم کی جنگ میں جو معاویہ کے حکم سے یزید کی ماتحتی میں افواج روانہ کی گئی تھیں، ان میں ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔'' (تذکرہ حفاظ شیعہ مطبوعہ لکھنؤ ص ۱۴۶، تیس پروانے شمع رسالت کے ص ۲۶۶)

افسوس کہ طالب ہاشمی صاحب کی الجھن کا حل بھی سوائے شیعہ مجتہد کے کوئی دوسرا پیش نہ کر سکا۔ یا بالفاظ دیگر جناب ہاشمی صاحب سید علی نقی رافضی کے علاوہ کسی سنی سے مطمئن نہ ہو سکے۔

حدیث اور تاریخ کے مذکورہ بالا تمام حوالہ جات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جس لشکر کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مغفرت کی بشارت دی تھی۔ اس کے امیر اور سپہ سالار یزید بن معاویہ ہی تھے۔ اس ناقابل تردید تاریخی حقیقت کے برعکس بعض لوگ یزید کو اس بشارت نبوی سے محروم کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ زیر بحث لشکر کے امیر حضرت سفیان بن عوف تھے۔ اور سب سے زیادہ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق'' (مولفہ جسٹس محمد تقی عثمانی صاحب اور محمود اشرف صاحب عثمانی) کے نام سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے۔ اس میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ زیر بحث مسئلے کو ''گول'' کر دیا گیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

''۴۹ھ میں آپ نے قسطنطنیہ کی جانب زبردست لشکر روانہ کیا۔ جس کا سپہ سالار سفیان بن عوف کو مقرر کیا۔ اس لشکر میں اجلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شریک تھے۔ اور یہی وہ غزوہ ہے جس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں ہی پیشین گوئی فرما دی تھی اور اس میں شریک ہونے والوں کے بارے میں فرمایا تھا ''پہلا لشکر جو قسطنطنیہ کا جہاد کرے گا اس کو بخش دیا جائے گا۔'' (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق ص ۲۴۶)

موصوف اگر اپنی کتاب کا نام صرف ''تاریخی واقعات'' رکھتے پھر تو شاید تاریخ کی کسی گھسی پھسی روایت سے اس کی گنجائش نکل آتی لیکن انھوں نے تو اپنی کتاب کا نام ''تاریخی حقائق'' رکھ کر ''حقائق'' کا منہ چڑایا ہے بلکہ ''کتمان حق'' کا ارتکاب کیا ہے۔

یہ ملحوظ رہے کہ مذکورہ کتاب کا زیر بحث حصہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا تحریر کردہ نہیں ہے بلکہ اس کتاب کا آخری حصہ ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ؛ شخصیت، کردار اور کارنامے'' ان کی فرمائش پر اور ان کی توثیق سے ان کے بھتیجے مولانا محمود اشرف عثمانی کی قلمی کاوش ہے ملاحظہ ہو حوالہ مذکور ص ۷۔ ممکن ہے کہ زیر بحث حصہ ان کی نظر سے نہ گزرا ہو کیونکہ انھوں نے اپنی ایک دوسری کتاب میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کی سرکردگی میں جو پہلا لشکر قسطنطنیہ پر حملے کے لیے روانہ کیا اس میں آپ (حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ) بھی شامل تھے۔ یہاں محاصرہ طویل ہوا تو آپ بیمار ہو گئے۔ یزید آپ کی بیمار پرسی کے لیے حاضر ہوئے اور آپ سے پوچھا کہ کوئی خدمت بتایئے۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ بس میری ایک خواہش ہے اور وہ یہ کہ جب میرا انتقال ہو جائے تو میری لاش کو گھوڑے پر رکھ کر دشمن کی سرزمین میں جتنی دور تک لے جانا ممکن ہو، لے جانا اور وہاں لے جا کر دفن کرنا۔ اس کے بعد آپ کی وفات ہو گئی تو یزید نے آپ کی وصیت پر عمل کیا اور قسطنطنیہ کی دیوار کے قریب آپ کو دفن کیا گیا۔'' (جہانِ دیدہ ص ۳۵۵ مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی)

حضرت علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وصیت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا یزید اس لشکر کا امیر تھا جس میں شامل ہو کر حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے جہاد کیا۔ ان کی وفات کے قریب یزید حاضر خدمت ہوا تو انھوں نے فرمایا کہ جب میرا انتقال ہو جائے تو لوگوں کو میری طرف سے سلام کہنا اور یہ ارشاد نبوی انھیں سنانا کہ ''شرک سے محفوظ شخص کو اللہ جنت عطا کرے گا'' نیز جہاں تک ممکن ہو روم کی سرزمین میں مجھے دور لے جا کر دفن کرنا۔ چنانچہ یزید نے لوگوں کو حدیث سنائی اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا سلام پہنچایا اس کے بعد جنازہ کو دفن کرنے کے لیے لے گئے۔''

رئیس التبلیغ مولانا محمد یوسف دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے۔ اس وقت یزید امیر لشکر تھا وہ بیمار پرسی کے لیے آیا۔ معلوم کیا کہ کوئی ضرورت ہو تو بتائیں؟ اس پر انھوں نے فرمایا میری خواہش ہے کہ جب میں مر جاؤں تو دشمن کے علاقے میں جس قدر ہو سکے دور لے جا کر دفن کر کے واپس آنا۔'' (حیات الصحابہ الجزء الاول ص ۴۴۰)

وصیت کے مطابق جب انھیں دفن کیا جا رہا تھا تو رومی سربراہ نے اپنے قاصد کے ذریعے سے اصل صورت حال معلوم کرنا چاہی تو امیر لشکر یزید بن معاویہ نے کہا یہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ جنھوں

نے تمھارے ملک میں اندر لے جا کر دفن کرنے کی وصیت فرمائی تھی۔ اب ہم ان کی وصیت کے مطابق انھیں یہاں دفن کررہے ہیں۔ ہم انھیں یہاں ضرور دفن کریں گے خواہ ہمیں اپنی جانیں بھی دینی پڑیں۔

(عقد الفرید ج۳ ص۳۶۸)

یہ سن کر شاہ روم کی زبان سے یہ گستاخانہ جملہ نکل گیا کہ مسلمانوں کے چلے جانے کے بعد ہم یہ لاش نکلوا کر کتوں کے سامنے ڈلوا دیں گے۔ قیصر کی زبان سے نکلے ہوئے ان گستاخانہ اور خبیث الفاظ کی اطلاع ملنی تھی کہ یزید نے لشکر کو پوری شدت وقوت سے رومیوں پر حملہ کا حکم دیا اور یہ الفاظ کہے:

((یا اهل القسطنطنية هذا رجل من اكابر اصحاب محمد نبينا وقد دفنا حين ترون والله لئن تعرضتم له لاهدم من كل كنيسة فى ارض الاسلام ولا يضرب ناقوس بارض العرب ابدا)) (ناسخ التواریخ ج۲ ص۶۶)

''اے قسطنطنیہ کے باشندو! یہ ہمارے نبی کے جلیل القدر صحابی ہیں اور تم دیکھتے ہوئے کہ ہم نے انھیں یہاں دفن کیا ہے..... واللہ اگر تم نے ان کی قبر کو کسی قسم کا ضرر پہنچایا تو یاد رکھو کہ پوری سرزمین اسلام میں ہر کلیسا منہدم کرادوں گا۔ اور پھر پورے عرب میں کبھی ناقوس تک نہیں بج سکے گا۔''

ابن عبدربہ کی درج کردہ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

((لئن بلغى انه نبش من قبره او مثل به لا تركت بارض العرب نصرانيا الا قتلته ولا كنيسة الا هدمتها)) (عقد الفرید ج۳ ص۳۶۸)

''اگر مجھے پتا چلا کہ ان کی قبر کھودی گئی یا ان کے ساتھ کسی بے ادبی کا ارتکاب کیا گیا تو (کان کھول کے سن لو) کہ میں سرزمین عرب میں کسی نصرانی کو قتل اور کسی گرجا کو ڈھائے بغیر نہ چھوڑوں گا۔''

یزید کی اس جرأت مندانہ دھمکی اور شدید حملے سے قیصر پر اس قدر خوف طاری ہوا کہ اپنے مذہب کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام کی قسم کھا کر یقین دلایا کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر کے ساتھ کسی قسم کی بے ادبی وگستاخی نہ ہوگی بلکہ اس کی حفاظت کا بھرپور خیال کیا جائے گا۔ چنانچہ بعد میں اس نے اس قبر پر ایک قبہ بنوادیا۔

مورخین کا بیان ہے کہ میزبان رسول سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے جسم کی یہ حفاظت بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی پیشین گوئی کے مطابق عمل میں آئی۔ اس لیے کہ یہی وہ صحابی تھے جن کو نہ صرف یہ امتیازی شرف حاصل ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری مدینہ کے ابتدائی ایام میں میزبانی کی خدمات انجام دیں، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے استراحت فرماتے وقت پہرہ بھی دیا تھا جس پر آپ نے فرمایا تھا کہ ابوایوب! اللہ تمھارے جسم کی بھی اسی طرح حفاظت کرے جس طرح تم نے اللہ کے نبی کی رات کو پہرے داری کی ہے۔

صاحب کتاب ''الروض الانف'' شرح سیرۃ النبویہ لابن ہشام لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی اس دعا سے ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے جسم کی رومیوں ہی سے حفاظت کرائی۔

چنانچہ آج بھی ان کا مقبرہ شہر قسطنطنیہ کے باہر صداقت نبوت کے ایک زندہ اور منہ بولتے ثبوت کی حیثیت سے موجود ہے۔ (بحوالہ ماہنامہ میثاق لاہور بابت ماہ اکتوبر ۱۹۸۶ء)

حضرت مولانا عبدالقیوم ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''(غزوۂ قسطنطنیہ میں) حضرت ابو ایوب انصاری، حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس وغیرہم رضی اللہ عنہم اس میں دوش بدوش عوام و خواص تھے۔ بڑے بڑے معرکے ہوئے۔ آخر ان سب کو سر کرتے ہوئے مسلمان خاص قسطنطنیہ کے شہر تک پہنچ گئے۔ اس معرکے میں مسلمانوں کے جوش جہاد اور شوق شہادت کا یہ عالم تھا کہ حضرت عبدالعزیز بن زرارہ بار بار تمنائے شہادت میں صف سے آگے ہو ہو جاتے۔ آخر ایک بار ان کے ولولہ ایمان نے جوش مارا تو تن تنہا رومیوں کی صف میں اپنے آپ کو بپھرے ہوئے شیر نر کی طرح گھسا دیا۔ رومیوں میں شور و واویلا مچ گیا۔ اب حال یہ تھا کہ یہ مرد جنتی جس طرح رخ کرتا، ایک ایک وار میں کئی کئی رومیوں کو فی النار والسقر کرتا۔ مگر کسی کی مجال نہ تھی کہ اس کی شمشیر خارا شگاف کو روک سکتا۔ آخر جب تھک کر چور ہو گئے تو رومیوں نے برچھیوں سے چھید ڈالا مگر اس شیر نر نے پیچھے ہٹنے کا نام نہ لینا تھا نہ لیا اور شہید ہو گیا۔

اس اثنا میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو مرض الموت لاحق ہوا۔ یزید بن معاویہ نے عرض کیا کہ اگر کوئی وصیت ہو تو فرمائیے۔ ارشاد فرمایا کہ جہاں تک ہو سکے دشمن کی سرزمین میں لے جا کر دفن کرنا۔ چنانچہ بعد وصال ایسا کیا گیا اور قریباً ڈیڑھ ہزار سال گزرنے کے بعد بھی قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے اس مرد مجاہد کا آرام کدہ آج کے مسلمانوں کو دعوت جہاد اور اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر دشمن کی زمین کو پسند کرنے کی ترغیب شدید دے رہا ہے۔'' (تاریخ ملت حصہ سوم ص ۴۱، ۴۲)

جزیرہ روڈس کی فتح

قسطنطنیہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بحری لشکر نے جزیرہ روڈس کی طرف رخ کیا۔ روڈس نامی جزیرہ اناطولیہ کے قرب و جوار جنوب مغرب میں ایک نہایت شاداب جزیرہ تھا ۵۲ھ میں حضرت جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ نے حملہ کر کے فتح کیا اور مسلمانوں کی آبادی قائم کی۔

ارواڈ کی فتح

۵۴ھ میں جزیرہ ارواڈ پر حملہ ہوا اور یہ بھی مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔

الغرض سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور خلافت فتوحات کے لحاظ سے نہایت شاندار اور پر شوکت رہا۔ مرکز دمشق میں بیٹھ کر ایک طرف انھوں نے بحر اوقیانوس اور دوسری طرف سندھ اور افغانستان تک اسلام کی فتح کے

جھنڈے گاڑ دیے۔

افسوس کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دشمنان اسلام کی سازشوں سے دور مرتضوی میں اندرونی خلفشار اور انتشار کی بنا پر بیرونی فتوحات کی طرف توجہ دینے کا موقع نہیں مل سکا۔ بلکہ ایک تاریخی روایت کی بنا پر اس دوران میں انھیں اپنے ایک مفتوحہ جزیرے میں قیصر کو رقم واپس کرنی پڑی۔ چنانچہ مولوی محمد عبدالرحمٰن خان صاحب رفیق اعزازی ندوۃ المصنّفین لکھتے ہیں کہ:

''جب تک امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خانہ جنگیوں میں الجھے رہے۔ انھیں شہنشاہِ روما قسطنطین دوم سے روپیہ دے کر صلح خریدنی پڑی۔ ۶۳۸ء یا ۶۳۹ء میں جوں ہی خانگی جھگڑے ختم ہوئے۔ انھوں نے روما کا خراج بند کر دیا اور لڑائی چھیڑ دی۔ ان کے زمانے میں دو مرتبہ قسطنطنیہ پر بحری راستے سے فوج کشی کی گئی۔''

(تاریخ اسلام پر ایک نظر ص ۱۴۱)

اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو پوری یکسوئی سے اسلام کی خدمت کا موقع مل جاتا تو یہ کچھ بعید نہ تھا کہ اسلامی فتوحات کی جو طوفانی موجیں ان کے دور کے بعد پورے کفرستان ہند، ترکستان اور یورپ تک پہنچی تھیں وہ ان ہی کے مبارک دور میں پہنچ جاتیں اور کفر کبھی اسلام کے مقابلے کا تصور بھی نہ کر سکتا۔

چنانچہ اس بات کا اقرار عصر حاضر کے بدترین اور ملعون ترین دشمن اسلام غلام حسین نجفی کو بھی کرنا پڑا کہ:

''دنیا میں ایک اور معاویہ ہوتا تو بالکل رافضیت کا خاتمہ ہو جاتا اور صحابہ کرام پر کوئی بھی کیچڑ اچھالنے والا باقی نہ رہتا، ہر طرف معاویہ شاہی ہوتی۔'' (قول مقبول ص ۴۰۷)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اسلامی سلطنت میں توسیع کرنے کے ساتھ ساتھ اسے مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر استوار کیا اور پورے ملک میں مکمل امن و امان بحال کیا۔ حتیٰ کہ عراق جیسے سازشی اور بدامنی کے علاقے میں بھی ان کے مقرر کردہ حاکم زیاد کا یہ اعلان تھا کہ کوفہ سے خراسان تک ایک رسی کا ٹکڑا بھی ضائع نہ ہوگا۔ اور واقعہ بھی یہی تھا کہ راستہ کی گری پڑی چیزوں تک کسی کو ہمت نہ تھی کہ اٹھالے۔ راتوں کو بوڑھی عورتیں تنہا کواڑ کھول کر سو سکتی تھیں اور کسی کو مجال گزند نہ تھی۔ (تاریخ ملت حصہ سوم ص ۵۲)

علاوہ ازیں انھوں نے اس قدر ایمان آفرین کارنامے انجام دیے ہیں جو ایک مستقل کتاب کے متقاضی ہیں۔ انھوں نے اپنے پیش رو خلفاء کے ترقیاتی کاموں کو وسعت دے کر جاری رکھتے ہوئے حسب ذیل نئے امور کی داغ بیل بھی ڈالی:

① حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دنیا میں سب سے پہلا اقامتی ہسپتال دمشق میں قائم کیا۔

② سب سے پہلے اسلامی بحریہ قائم کی۔ جہاز سازی کے کارخانے بنائے اور دنیا کی سب سے طاقتور

رومن بحریہ کو شکست دی۔

③ آب پاشی اور آب نوشی کے لیے دور اسلامی میں پہلی نہر کھدوائی۔

④ ڈاک خانوں کی تنظیم کی اور ڈاک کا مضبوط نظام نافذ کیا۔

⑤ سب سے پہلے احکام پر مہر لگانے اور ہر حکم کی نقل دفتر میں محفوظ رکھنے کا طریقہ ایجاد کیا۔

⑥ ان سے پہلے خانہ کعبہ پر غلافوں کے اوپر ہی غلاف چڑھائے جاتے تھے لیکن انھوں نے پرانے غلاف اتار کر نیا غلاف چڑھانے کا حکم دیا۔

⑦ خط دیوانی ایجاد کیا، اور رقوم کو الفاظ کی صورت میں لکھنے کا طریقہ پیدا کیا۔

⑧ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عدلیہ کو انتظامیہ سے بلند و برتر بنا دیا اور انتظامیہ کو عدلیہ میں داخل انداز ہونے سے روک دیا۔

⑨ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دین، اخلاق اور قانون کی طرح طب اور علم الجراحت کی تعلیم کا بھی انتظام کیا۔

⑩ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے تجارتی قرضے بغیر اشتراک نفع یا ربوا جاری کر کے تجارت و صنعت کو فروغ دیا۔

⑪ تجارت کے فروغ کے لیے بین الاقوامی معاہدے کیے۔

⑫ سرحدوں کی حفاظت کے لیے قدیم قلعات کی مرمت کر کے اور چند مزید نئے قلعے تعمیر کرا کے مستقل فوجیں متعین کیں۔

⑬ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور ہی میں سب سے پہلے منجنیق کا استعمال کیا گیا۔

(خلافت اسلامیہ از مولانا عبدالقدوس ہاشمی صاحب۔ تاریخ اسلام حصہ دوم از کبر شاہ خان نجیب آبادی۔ تاریخ ملت حصہ سوم از مولانا عبدالقیوم ندوی)

وفات سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جب تریسٹھ سال کی عمر میں داخل ہوئے تو ان کے دل میں ایک شدید خواہش پیدا ہوئی (اور یہ ان کی خلافت کے بالکل ابتداء کا واقعہ ہے) جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے:

((......عن جریر عن معاویة انه سمعه یخطب قال مات رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وهو ابن ثلاث وستین و ابوبکر وعمرو انا ابن ثلاث وستین))

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ خطبہ میں فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال تریسٹھ سال کی عمر میں ہوا۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا وصال بھی تریسٹھ سال کی عمر میں ہوا۔ اور میری بھی اس وقت تریسٹھ سال کی عمر ہے۔''

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ اس روایت کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:

''یعنی کیا بعید ہے کہ مجھے بھی یہ طبعی اتباع نصیب ہو جائے۔ محدثین نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی۔ اس لیے کہ ان کا وصال تقریباً ۸۰ سال کی عمر میں ہوا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر اس حدیث میں نہیں کیا حالانکہ ان سے بہت خصوصیت تھی۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتقال اسی (۸۰) سال سے زیادہ عمر میں ہوا۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کی غرض اس روایت کے ذکر کرنے سے پہلی روایت کی تائید اور تقویت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال تریسٹھ سال کی عمر میں ہوا اور اس بارے میں طبعی اتباع حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو بھی نصیب ہوا۔'' (شمائل ترمذی مع اردو شرح خصائل نبوی ص ۴۱۴)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی عمر کے اٹھتر (۷۸) سال گزار کر رجب ۶۰ ھ میں صاحب فراش ہو گئے۔ ضعف کی وجہ سے طاقت جسمانی جواب دے چکی تھی۔ اس دوران میں انھوں نے خطبہ دیا کہ:

''اے لوگو! کچھ کھیتیاں ایسی ہیں جن کے کٹنے کا وقت قریب آ چکا ہے۔ میں تمھارا امیر رہا۔ میرے بعد مجھ سے بہتر کوئی امیر نہیں آئے گا۔ جیسا کہ میں اپنے پیش رو خلفاء سے بہتر نہیں ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ جو شخص اللہ سے ملنے کی تمنا کرتا ہے، اللہ بھی اس سے ملنے کا متمنی رہتا ہے لہٰذا اے اللہ! اب مجھے تجھ سے ملنے کی آرزو ہے۔ تو بھی آغوش پھیلا دے اور ملاقات میں برکت عطا فرما۔''

پھر جب وقت آخر ہوا تو فرمایا مجھے بٹھا دو۔ چنانچہ بٹھا دیے گئے۔ دیر تک ذکر الٰہی میں مصروف رہے۔ پھر رونے لگے اور دعا کی اے پروردگار! اپنے اس بندے پر رحم کر۔ الٰہی اس کی غلطیاں معاف کر دے، اس کے گناہ بخش دے، اپنے وسیع حلم کو اس کے شامل حال کر جس نے تیرے سوا کسی سے امید نہیں رکھی، تیرے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کیا۔ پھر اپنے خاندان والوں کو وصیت کی کہ اللہ تعالیٰ کا خوف کرتے رہنا۔ کیونکہ اللہ خوف کرنے والوں کو مصائب سے بچاتا ہے اور جو اللہ سے نہیں ڈرتا اس کا کوئی مددگار نہیں اور نہ کوئی اس کا والی ہوتا ہے۔ اس کے بعد چند مزید وصیتیں فرمائیں۔

یزید کو وصیت

اس وصیت کے حوالے سے بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن و تشنیع کی جاتی ہے۔ لہٰذا اس وصیت کا ایک مختصر سا تجزیہ حسب ذیل ہے:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رحلت کے وقت یزید کی دار الخلافہ دمشق میں موجودگی کے بارے میں مورخین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے محمد بن اسحاق اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ دمشق میں ہی تھا اور آپ کی نماز جنازہ اسی نے پڑھائی۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۴۳)

جبکہ جمہور مورخین کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت یزید کسی مہم میں مشغولیت کی وجہ سے باہر تھے۔ اس لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے وصیت نامہ لکھوا کر حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا تھا۔

ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ:

''امیر معاویہ کی یزید کو وصیت: ''(امر خلافت میں) قریش میں سے چار شخصوں کے سوا کوئی تجھ سے اس باب میں نزاع نہیں کرے گا: حسین بن علی، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر۔ ان میں سے عبداللہ بن عمر کا تو عبادت نے کام تمام کر دیا ہے۔ اور جب وہ دیکھیں گے کہ ان کے سوا کوئی باقی نہیں رہا تو وہ بھی تجھ سے بیعت کر لیں گے...... پس عبدالرحمٰن بن ابی بکر وہ شخص ہے کہ اپنے اصحاب کو جو کام کرتے دیکھے ویسا ہی خود بھی کرے گا۔ اسے عورتوں اور لہو ولعب کے سوا کسی بات کا خیال نہیں......''

(تاریخ طبری حصہ چہارم مترجمہ سید حیدر علی طباطبائی، نفیس اکیڈمی کراچی)

اسی وصیت میں چند مزید باتوں کا بھی ذکر ہے جو طبری اور دیگر مورخین نے نقل کی ہیں کہ:

''اہل حجاز کا ہمیشہ خیال رکھنا کہ وہ تمہاری اصل و بنیاد ہیں اس لیے جو حجازی تمہارے پاس آئے اس سے حسن سلوک کے ساتھ پیش آنا، اس کی پوری عزت کرنا اور احسان کرنا، اور جو نہ آئے اس کی خبر گیری

کرتے رہنا۔

عراق والوں کی ہر خواہش پوری کرنا حتیٰ کہ اگر وہ روزانہ عاملوں کی تبدیلی کا مطالبہ کریں تو بھی پورا کرنا، کیونکہ عاملوں کا تبادلہ تلوار کے بے نیام ہونے سے زیادہ بہتر ہے۔ البتہ حسینؓ کی جانب سے خطرہ ہے۔ ان کو عراق والے تمھارے مقابلے میں لا کر چھوڑیں گے۔ اس لیے جب وہ تمھارے مقابلے میں آئیں اور تم کو ان پر قابو حاصل ہو جائے تو درگزر سے کام لینا کیونکہ وہ تمھارے قرابت دار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز ہیں۔

البتہ جو شخص لومڑی کی طرح داؤ دے کر شیر کی طرح حملہ آور ہوگا وہ عبداللہ بن زبیر ہے اس لیے اگر وہ صلح کریں تو صلح کر لینا ورنہ موقع اور قابو پانے کے بعد ان کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ان کے ٹکڑے کر ڈالنا۔"

(سیر الصحابہ ج ۶ ص ۷۸، ۷۹)

یہ وصیت نامہ سراپا وضعی اور جھوٹ پر مبنی ہے جسے بعد کے مورخین نے مکھی پر مکھی مارتے ہوئے نقل کر دیا۔ اس کے جعلی اور جھوٹے ہونے کا سب سے بڑا ثبوت حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کا اسم گرامی ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ وصیت بقلم مورخین رجب ۶۰ ھ میں ان کے مرض الموت میں محفوظ کی جا رہی ہے۔ مگر ان جیسے صاحب بصیرت، حالات، افراد اور واقعات پر گہری نظر رکھنے والے عظیم مدبر اور سیاست دان کی زبان سے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کا نام لکھوایا جا رہا ہے۔ حالانکہ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما ۵۳ ھ میں وصیت نامہ تحریر ہونے سے سات سال پہلے فوت ہو گئے تھے۔ علاوہ ازیں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صحابی رسول پر بدترین الزام بھی لگایا گیا ہے کہ انھیں "عورتوں اور لہو ولعب" کے سوا کسی بات کا خیال نہیں۔ جبکہ سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی ساری زندگی جہاد اور اعلائے کلمۃ اللہ میں بسر ہوئی۔ اول تو وہ وصیت کے وقت دنیا میں موجود ہی نہیں تھے۔ اگر بالفرض وہ زندہ بھی ہوتے تو اس وقت ان کی عمر اسی سال سے بھی زائد بنتی ہے۔ کیا یہ عمر کھیل کود، لہو ولعب اور عورتوں سے دلچسپی کی ہوتی ہے؟ ان کا جرم صرف یہ ہے کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے اور سیدہ عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں۔ ان پر تبرا کیے بغیر طبری رافضی چین سے کیسے بیٹھ سکتے تھے؟

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں بھی تکلف سے کام لیا گیا ہے۔ انھوں نے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت کر لی تھی ان سے تو کسی قسم کا کوئی خطرہ باقی نہیں تھا۔ علاوہ ازیں اس دور میں اسلام اور سیاست دو جداگانہ چیزیں نہیں تھیں۔ سیاست کو بھی عبادت اور اسلام کا حصہ سمجھا جاتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ پہلو کیسے مخفی رہ سکتا تھا؟

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بارے میں وصیت نامہ وضع کرنے والے کذاب نے "لومڑی کی

طرح'' وغیرہ کے الفاظ استعمال کر کے ان سے جنگ جمل میں شرکت کا بدلہ لے لیا۔ وہ بہادر تو یقیناً تھے مگر ''لومڑی کی طرح'' انھوں نے کبھی کوئی چال نہیں چلی۔ مزید برآں وصیت نامے میں تو یزید کو اس بات کی تاکید کی جا رہی ہے کہ ''عراق والوں کی ہر خواہش پوری کرنا حتیٰ کہ وہ اگر روزانہ عاملوں کی تبدیلی کا مطالبہ کریں تو بھی پورا کرنا......'' مگر یزید نے اس وصیت کی کچھ پروا نہ کرتے ہوئے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما گورنر کوفہ کو ان کی نرم مزاجی کی بنا پر وہاں سے ہٹا کر عبیداللہ بن زیاد جیسے شخص کو ان کی جگہ گورنر مقرر کر دیا جسے روزانہ تو کیا، پوری زندگی میں تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ کیا کوفی ابن زیاد کی گورنری پر رضامند تھے؟

اس پورے وصیت نامے میں سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے متعلق وصیت کے الفاظ کو صحیح قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ فریقین کی کتب بھی اس کی بھرپور تائید کرتی ہیں۔

ترجمان سبائیت ملا باقر مجلسی لکھتا ہے کہ:

''(حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یزید کو وصیت کرتے ہیں) جہاں تک حسین کا تعلق ہے تجھے معلوم ہی ہے کہ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنا گہرا تعلق قرابت ہے۔ وہ نبی کے جگر گوشہ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گوشت اور خون سے ہی ان کی پرورش ہوتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اہل عراق انھیں ضرور ہی اپنے ہاں بلائیں گے مگر ان کی مدد نہیں کریں گے بلکہ انھیں تنہا چھوڑ دیں گے۔ اگر تو ان پر قابو حاصل کرے تو ان کی حرمت کا خیال رکھنا، ان کا رتبہ اور پیغمبر کے ساتھ ان کی قرابت کو ہرگز نظر انداز نہ کرنا، اور انھوں نے جو کچھ بھی کیا ہو اس پر ان سے کوئی مواخذہ نہ کرنا اور وہ تعلقات جو میں نے ان سے ہمیشہ قائم رکھے ہیں ان کو ہرگز قطع نہ کرنا۔ اور ایسا ہرگز نہ ہو کہ انھیں تمھاری طرف سے کوئی گزند پہنچے۔'' (جلاء العیون فارسی طبع ایران ص ۳۴۷، ۳۴۸)

ابو مخنف شیعہ نے اپنے مقتل میں لکھا ہے کہ:

''جب حضرت معاویہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو یزید اس وقت ''حمص'' میں تھا۔ حضرت معاویہ نے اس کے لیے وصیت نامے میں چار باتیں تحریر کیں کہ مجھے تیرے بارے میں چار آدمیوں سے خطرہ ہے۔ وہ شاید تیری بیعت نہ کریں۔ عبدالرحمن بن ابی بکر، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر۔ یہ مکار شخص ہے اور لومڑی کی طرح داؤ کرے گا اور شیر کی طرح حملہ آور ہوگا...... اور حسین بن علی ان کو لوگ ضرور بلائیں گے اور وہ تجھ پر خروج کریں گے۔

((فان ظفرت به فاحفظ قرابته من رسول الله ﷺ واعلم یا بنیّ ان اباه خیر من ابیك وجدّه خیر من جدك وامه خیر من اُمّك)) (مقتل حسین، ابومخنف ص ۷، ۸ مطبوعہ نجف اشرف)

''اگر تجھے ان پر کامیابی حاصل ہو جائے تو ان کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرابت کا خیال رکھنا۔ اے

میرے بیٹے تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ ان کا باپ تیرے باپ سے، ان کا نانا تیرے نانا سے اور ان کی ماں تیری ماں سے کہیں بہتر ہے۔''

وصیت نامے کے بارے میں، جو اوپر طبری رافضی کے حوالے سے روایت نقل ہوئی ہے اسے بھی اس نے ابومخنف کذاب سے ہی روایت کیا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس وصیت نامے کو وضع کرنے والا ابومخنف ہے اور اس کا مبلغ اعظم ابن جریر طبری شیعہ ہے۔ جسے مرنے کے بعد مسلمانوں کے قبرستان میں بھی دفن نہیں ہونے دیا گیا تھا۔ بعد کے مورخین نے ان کی اتباع و پیروی میں اس وصیت کو بغیر نقد و جرح کے نقل کر دیا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دوسری وصیت یہ فرمائی کہ میرے انتقال کے بعد میرا آدھا مال بیت المال میں جمع کرا دیا جائے۔ اس میں چونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا پہلو نکلتا تھا لہٰذا طبری یا اس کے مترجم نے یہاں بھی ڈنڈی ماری کہ ''اس سے یہ مطلب تھا کہ باقی مال پاک ہو جائے اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے زمانے کے عاملوں کا آدھا مال بانٹ لیا کرتے تھے۔'' (تاریخ طبری اردو ج۴ ص۱۵۴)

اس کے بعد آپ نے تجہیز و تکفین کے متعلق وصیت کی۔

امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بوقت وفات اپنے رخسار مٹی پر رکھتے اور روتے ہوئے یہ دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! کہ آپ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ بے شک اللہ نہیں معاف کرتے اس بات کو کہ ان کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے اور اس سے چھوٹے گناہ جس کے لیے چاہیں معاف فرما دیتے ہیں تو مجھے ان لوگوں میں شامل فرما دیجیے جن کو آپ بخش دینا چاہیں گے۔

پھر گھر والوں سے مخاطب ہوئے کہ ایک مرتبہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھا۔ جب آپ ضروریات سے فارغ ہوتے یا وضو کرتے تو میں دست مبارک پر پانی ڈالتا۔ آپ نے میرا کرتہ دیکھا جو مونڈھے سے پھٹ گیا تھا۔ فرمایا معاویہ! تجھے کرتہ پہناؤں؟ میں نے عرض کیا میں آپ پر قربان ضرور ضرور۔ چنانچہ آپ نے مجھے کرتہ عنایت فرمایا۔ مگر میں نے ایک مرتبہ سے زیادہ نہیں پہنا۔ وہ میرے پاس اب تک موجود ہے۔ ایک دن آپ نے بال ترشوائے۔ میں نے تھوڑے سے بال اور کترے ہوئے ناخن اٹھا لیے تھے۔ وہ بھی آج تک میرے پاس موجود ہیں۔ دیکھو! جب میں مر جاؤں تو غسل کے بعد یہ بال اور ناخن میری آنکھوں کے حلقوں، نتھنوں اور سجدے کے مقامات پر رکھ دینا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتہ سینے پر رکھنا اور اس پر کفن پہنانا۔ اگر مجھے کسی چیز سے نفع پہنچ سکتا ہے تو وہ یہی ہے۔ پھر مجھے ارحم الراحمین کے حوالے کر دینا۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کی برکت سے میری مغفرت فرما دیں گے۔

اہل تشیع کے نزدیک کربلا کی مٹی کی ٹکیہ پر سجدہ کرنے سے نماز مقبول اور قبر میں رکھنے سے عذاب کا فور

ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اس سرزمین پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے زیادہ سے زیادہ آٹھ دن قیام فرمایا۔ اور ٹکیہ والے حصے پر تو قدم رکھنا ہی ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ مگر اس کے باوجود وہ تیرہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی ٹکیہ کی برکات کے قائل ہیں۔ لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے کفن میں حضور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے مس کیا ہوا کرتہ، چادر مبارک، تہ بند، بال اور ناخن استعمال ہوئے تو کیا ان تبرکات کی کوئی فضیلت، عظمت اور برکت نہیں ہوگی؟

مشہور شاعر کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے قصیدہ لامیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں پڑھا تو آپ نے اپنی چادر مبارک انھیں بطور انعام عطا فرمائی۔ یہی چادر مبارک حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیس ہزار درہم دے کر ان کے وارثوں سے خریدی تھی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کے کفن میں یہی چادر استعمال ہوئی۔ (حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۰۶ مؤلفہ میاں محمد سعید)

ان وصیتوں کے بعد ۲۲ رجب ۶۰ ھ میں عرب وعجم کا یہ مدبر اعظم، علم اور حلم کا یہ آفتاب پینسٹھ لاکھ مربع میل پر پھیلی ہوئی عظیم اسلامی سلطنت ملت اسلامیہ کے لیے چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

تجہیز و تکفین کا عمل وصیت کے مطابق سرانجام دیا گیا۔ حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور اس طرح یہ جلیل القدر صحابی رسول، خال المومنین، خلیفۃ المسلمین بعمر اٹھتر یا اسّی سال باب الصغیر دمشق میں سپرد خاک کر دیے گئے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مزار کی توہین

حیرت ہے کہ آج امت مسلمہ کے اس عظیم محسن اور مظلوم صحابی کے مزار کے ساتھ بھی بدترین سلوک روا رکھا جا رہا ہے۔ چنانچہ وفاقی شرعی عدالت کے جج جناب مولانا محمد تقی عثمانی صاحب اپنے دورۂ دمشق کے تاثرات بیان کرتے ہیں کہ:

''ہمارے دوست شیخ عبداللطیف الفرفور صاحب نے دوپہر کے کھانے پر ہمیں مدعو کیا ہوا تھا اور دس بجے کے قریب ہی اپنے ایک شاگرد کو ہمارے پاس بھیج دیا تاکہ وہ شہر کے کاموں میں ہماری مدد بھی کریں..... چنانچہ ان کی معیت میں پہلے ہم نے جامع دمشق اور سوق الحمیدیہ کے آس پاس کچھ خریداری کی۔ شام کی قدیم طرز کی مٹھائیاں یہاں کی خاص چیزیں ہیں جو خشک میوے سے مختلف طریقوں سے بنائی جاتی ہیں۔ وہ لی گئیں۔ اسی دوران میں ہمارے راہنما نے بتایا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مزار بھی اسی علاقے میں ایک مکان کے اندر واقع ہے۔ چنانچہ وہ ہمیں پیچ در پیچ گلیوں سے گزارتے ہوئے ایک پرانے طرز کے بوسیدہ مکان کے پاس لے گئے۔ دروازے پر دستک دی تو اندر سے ایک عمر رسیدہ خاتون نے جواب دیا۔ ہمارے راہنما نے ان سے کہا کہ پاکستان سے کچھ لوگ آئے ہیں اور مزار کی زیارت کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن خاتون نے جواب دیا کہ اس کے لیے محکمہ اوقاف سے اجازت نامہ لانا ضروری ہے۔

معلوم ہوا کہ اس مزار کو حکومت نے عام زیارت کے لیے بند کر رکھا ہے۔ اور وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ بعض روافض یہاں آ کر شرارت اور مزار کی بے حرمتی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ لہٰذا محکمہ اوقاف نے یہ پابندی لگا دی ہے کہ اجازت نامے کے بغیر کسی کو اندر نہ بھیجا جائے۔ لیکن ہمارے ساتھ پاکستانی سفارت خانے کے عنایت صاحب بھی تھے۔ انھوں نے اور ہمارے راہنما نے مل کر خاتون کو مطمئن کرنے کی کوشش کی اور احقر کا تعارف کرایا۔ اس پر خاتون نے اندر جانے کی اجازت دے دی۔

یہ ایک پرانے طرز کا مکان تھا جس کے لمبوترے صحن سے گزر کر ایک بڑا سا کمرہ نظر آیا جس میں چند قبریں بنی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک قبر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بھی بتائی جاتی ہے۔ یہاں سلام عرض کرنے کی توفیق ہوئی۔'' (بیس ملکوں کا سفرنامہ ''جہانِ دیدہ'' ص ۳۰۲، ۳۰۳)

رافضی رسم بد کونڈوں کی حقیقت

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف مسموم پراپیگنڈے، ان کی توہین و تذلیل اور ان کے خلاف بے بنیاد الزامات کی بوچھاڑ پر ہی اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ ان کے ساتھ شدید بغض و عناد کی بنا پر رافضیوں نے دور حاضر میں ان کی تاریخ وفات پر اظہار مسرت و خوشی کرتے ہوئے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے نام پر ''کونڈوں'' کی رسم بد کا اضافہ بھی کر دیا۔ اور ستم بالائے ستم یہ کہ اہل سنت والجماعت کے بعض گھروں میں بھی محض سادگی یا اندھی تقلید اور بے حسی اور بے حمیتی کی بنا پر اور یا پھر سبائیوں کی مکاری اور عیاری سے یہ رسم بد داخل ہو چکی ہے۔

جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے کہ امیر المومنین، خال المسلمین اور عصائے اسلام سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے ۲۲ رجب ۶۰ھ کو اسلام کی بے بہا خدمات انجام دینے کے بعد وفات پائی۔ روافض جس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خوشی میں ان کے قاتل ابو لؤلؤ فیروز کو بابا شجاع کا لقب دے کر خوشی کا اظہار اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تاریخ شہادت ۱۸ ذی الحجہ کو ''عید غدیر'' کے طور پر مناتے ہیں، اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رحلت کی خوشی میں ۲۲ رجب کو ''کونڈوں'' کی تقریب مناتے ہیں لیکن پردہ پوشی کے لیے انھوں نے ایک روایت گھڑ کے اسے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر دیا۔

رجب کے کونڈے دشمنان معاویہ کی ایجاد ہے۔ ان کا آغاز شمالی ہند کے علاقے اودھ سے ہوا۔ لکھنؤ اور رام پور کے نوابوں نے رفض کو پروان چڑھانے کے لیے جہاں دوسری قسم کی بدعات کو عام کیا وہاں ۲۲ رجب کے کونڈوں کی بدعت عام کرنے میں بھی خاص حصہ لیا۔

امام اہل سنت مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''ایک بدعت ابھی تھوڑے دنوں سے ہمارے اطراف میں شروع ہوئی ہے اور تین چار سال سے اس کا رواج یوماً فیوماً بڑھتا جا رہا ہے۔ یہ بدعت کونڈوں کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے متعلق ایک فتویٰ بھی بصورت اشتہار تین سال سے لکھنؤ میں شائع کیا جا رہا ہے۔'' (النجم لکھنؤ ۱۳۴۸ھ جمادی الاولی)

اسی دور کے ایک شیعہ عالم محمد باقر شمسی کا قول ہے کہ:

''لکھنؤ کے شیعوں میں ۲۲ رجب کے کونڈوں کا رواج بیس پچیس سال پہلے شروع ہوا تھا۔''

عصر حاضر کا ملعون ترین رافضی غلام حسین نجفی زیر عنوان ''۲۲ رجب، امام جعفر صادق کے کونڈے اور مرگ معاویہ'' لکھتا ہے کہ:

''آج کل معاویہ خیل اس بات کا خوب شور مچا رہے ہیں کہ ۲۲ رجب کو مرگ معاویہ کی خوشی منائی جاتی ہے۔ جواباً گزارش ہے شیعوں کی کتابیں حاضر ہیں، ہمارے کسی امام نے اور نہ ہمارے کسی مجتہد نے فرمایا ہے کہ مرگ معاویہ کے دن خوشی منائی جائے۔

البتہ معاویہ خیلوں کو ان کے پیر عبدالقادر نے حکم دیا ہے کہ دسویں محرم کو جو امام حسین کی شہادت کا دن ہے خوشی منائی جائے۔ لہٰذا معاویہ خیلوں کو خود شرم کرنی چاہیے۔ جب ان کے مذہب میں بزرگان دین کی شہادت کے دن خوشی کرنا عبادت ہے، پھر معاویہ کی کیا حیثیت اور وقعت ہے۔ بالفرض اگر کوئی مسلمان مرگ معاویہ کے دن خوشی مناتا ہے تو کیا حرج ہے؟'' (خصائل معاویہ ص ۸۷)

جب یہ رسم بد ہی دور حاضر کی ایجاد ہے تو اس کے بارے میں امام کا قول کہاں سے ملے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس ملعون نجفی نے کونڈوں کی رسم بد کو جاری رکھنے کی ترغیب بھی دلا دی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس رسم بد کی ابتداء ۱۹۰۶ء میں مشہور رافضی امیر مینائی کے تبرائی خاندان سے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے کونڈوں کے نام پر ہوئی۔ جبکہ ۲۲ رجب نہ تو حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کا یوم ولادت ہے اور نہ یوم وفات۔ کیونکہ ان کی ولادت ۸ رمضان المبارک ۸۰ھ میں اور وفات ۱۵ شوال ۱۴۸ھ میں ہوئی۔ لہٰذا مسلمانوں کو رافضیت و سبائیت اور ''بغض معاویہ'' کی اس خاص علامت ''۲۲ رجب کے کونڈے'' سے اپنے گھروں کو مکمل طور پر بچانا چاہیے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ازواج واولاد

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں حسب ذیل خواتین کے ساتھ نکاح کیے جن سے تین لڑکے (یزید، عبداللہ، عبدالرحمٰن) اور دو لڑکیاں امۃ المشارق اور رملہ تولد ہوئیں:

ازواج	اولاد
① میسون بنت بحدل	یزید، امۃ المشارق اور رملہ
② فاختہ بنت قرظہ	عبداللہ اور عبدالرحمٰن
③ قریبۃ الصغریٰ (یہ ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہیں)	
④ کنوہ بنت قرظہ۔ یہ غزوہ قبرص میں آپ کے ہمراہ تھیں اور وہیں وفات پائی۔	

آپ کی اولاد میں سے عبدالرحمٰن (جن کے نام پر آپ کی کنیت ہے) اور امۃ المشارق بچپن میں فوت ہوگئے، جبکہ عبداللہ آپ کی وفات تک بقید حیات رہے۔ اور بعد کے حالات سے تاریخ کے اوراق خاموش ہیں۔ لیکن طبری کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی وفات کے وقت دونوں لڑکیاں زندہ اور پاس موجود تھیں۔ چنانچہ طبری لکھتے ہیں کہ:

''امیر معاویہ کا آخری دن: کھنکار (بلغم) میں خون آنے کا مرض انھیں ہوا اور اسی دن انتقال ہوگیا۔ اسی مرض میں دو بیٹیاں ان کی جس وقت کہ انھیں کروٹ دلوا رہی تھیں، معاویہ نے ان سے کہا کہ تم اس شخص کو الٹ پلٹ کر رہی ہو جو دنیا کے الٹ پلٹ کرنے میں استاد تھا۔ شباب سے لے کر بڑھاپے تک مال جمع کیا دوزخ نہ جائے تو۔ پھر ایک شعر پڑھا......'' (تاریخ طبری حصہ چہارم ص ۱۵۳)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیدہ رملہ رحمہا اللہ کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عمرو بن عثمان رحمہ اللہ کے ساتھ ہوا۔ جن سے ایک لڑکے زید پیدا ہوئے۔ اور زید (جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پوتے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے نواسے ہیں) کا نکاح سیدہ سکینہ بنت حسین رحمہ اللہ کے ساتھ ہوا۔ بالفاظ دیگر سیدہ سکینہ بنت حسین رحمہا اللہ سیدہ رملہ بنت معاویہ رحمہا اللہ کی بہو ہیں۔

فضائل ومناقب (اخلاق وعادات)

اسلام میں حسن اخلاق کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ قرآن کریم اور احادیث نبوی میں اخلاق حمیدہ اختیار کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بعثت امت کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دینا بھی تھا۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا "بعثت لاتمم مکارم الاخلاق" مجھے عمدہ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا تم میں بہترین وہ ہیں جو اخلاقاً اچھے ہیں۔ خود آپؐ کے بارے میں ارشاد باری ہے کہ ﴿ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيۡمٍ ﴾ ''اور بیشک آپ اخلاق حسنہ کے اعلیٰ پیمانے پر ہیں۔''

یہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کی خصوصیت ہے کہ انھیں براہِ راست اس سرچشمۂ اخلاق سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا۔ اس لیے اس مقدس جماعت کا ہر فرد اخلاق کا مجسم نمونہ تھا۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے آئینہ اخلاق میں خلوص، علم وفضل، فقہ واجتہاد، تقریر وخطابت، امانت ودیانت، زہد وعبادت، اخلاص وللّٰہیت، شجاعت، تواضع، غرباء پروری، خدمت خلق، مہمان نوازی، مخالفین کے ساتھ حسن سلوک، فیاضی، اصابت رائے، عفو ودرگزر، اطاعت الٰہی، اطاعت رسول، اتباع سنت، جوش قبول حق، تحمل وبردباری اور خوف الٰہی کا عکس نمایاں نظر آتا ہے۔ اس باب میں ان کے تمام کمالات اور اوصاف کا احاطہ مقصود نہیں۔ صرف چند اوصاف ہدیۂ قارئین ہیں۔

خوف الٰہی

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فکر آخرت سے غافل نہ تھے بلکہ آپ کی تو یہ حالت تھی کہ قیامت کے مواخذہ کا تذکرہ سن کر لرزہ براندام ہو جاتے تھے اور اکثر اوقات روتے روتے حالت غیر ہو جاتی تھی۔ آپ کی خشیت الٰہی کے ایک واقعہ کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ:

''ایک بار شفیا اصبحی رحمہ اللہ مدینہ آئے۔ دیکھا کہ ایک شخص کے ارد گرد بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ لوگوں سے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا ابو ہریرہ ہیں۔ یہ سن کر شفیا رحمہ اللہ ان کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ وہ لوگوں سے حدیث بیان کر رہے تھے۔ جب وہ خاموش ہوئے اور اکیلے رہ گئے تو (راوی کہتا ہے) میں نے کہا کہ کوئی ایسی حدیث سنائیں جسے آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود نہ صرف سنا ہو بلکہ سمجھا بھی ہو۔ حضرت ابو ہریرہ

رضی اللہ عنہ نے حدیث شروع کی لیکن شروع کرتے ہی بے ہوش ہو گئے اور حالت غشی ان پر تین بار طاری ہوئی۔ (اس بار بار غشی کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ مل کر اس مکان میں بیٹھنا یاد آ گیا تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کو اپنے پاس نہ پانے کی وجہ سے غشی طاری ہو جاتی تھی) اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے وہ مشہور حدیث بیان کی جس میں قیامت کے دن سب سے پہلے عالم دین، مقتول فی سبیل اللہ اور سخی کے فیصلے کا ذکر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے یہ حدیث بیان کر کے میرے زانو پر ہاتھ مارا اور فرمایا ابو ہریرہ! پہلے ان ہی تین شخصوں کے لیے جہنم کی آگ سلگائی جائے گی اور وہ اس میں جھونک دیے جائیں گے اور اسے کیے کی سزا پائیں گے۔

شفیا اصبحی رحمہ اللہ نے یہ حدیث جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سنائی تو آپ کی حالت یہ حدیث سنتے ہی غیر ہو گئی، جسم کانپنے لگا اور فرمایا کہ جب ان لوگوں کا یہ حال ہے تو اور لوگوں کا اللہ جانے کیا حال ہو گا؟ یہ کہہ کر اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی، آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ آخر روتے روتے تڑپنے لگے اور لوگوں کو خیال ہوا کہ شدت خوف و دہشت سے ان کا دم نکل جائے گا۔ سب رونے لگے۔ سب کی آنکھیں پرنم ہو گئیں۔ حالت سنبھلنے میں ہی نہ آتی تھی۔ آنسو رکتے ہی نہ تھے۔ آخر جب ہوش آیا اور طبیعت کچھ پرسکون ہوئی تو داڑھی پر ہاتھ پھیرتے تھے اور اسی مضمون کی آیتیں پڑھتے تھے۔'' (جامع ترمذی باب ما جاء فی الریاء والسمعہ)

ایک مرتبہ ایک صحابی حضرت ابو مریم ازدی رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا یہاں تشریف رکھیں۔ حضرت ابو مریم رضی اللہ عنہ کہنے لگے میں کسی اور کام کے لیے نہیں آیا۔ صرف حضور ﷺ کی ایک حدیث سنانے آیا ہوں۔ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ جس شخص نے حاجت مند کے سامنے اپنا دروازہ بند کر دیا اور اس کی ضرورت نہ سنی، اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کا دروازہ آسمان سے بند کر دیں گے۔ یہ سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اوندھے منہ گر کر رونے لگے۔ (فاكب معاوية يبكی) پھر اپنے دربان سعد کو بلوایا اور حضرت ابو مریم رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اب پھر وہی حدیث سنائیں۔ انھوں نے وہی حدیث دوبارہ سنائی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سعد سے کہا کہ میں نے اپنے گلے سے بات کو اتار کر تیرے گلے میں ڈال دیا۔ اور حکم دیا جو حاجت مند آئے اسے میرے پاس آنے کی اجازت دینا۔ اس کے حق میں اللہ تعالیٰ میری زبان پر جو فیصلہ چاہیں گے کریں گے۔ (کتاب الکنی للدولابی ج ا ص ۵۴، البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۲۶)

خوف الٰہی حقیقت میں ہر حکمت کی جڑ اور ترقی کا زینہ ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دل خوف الٰہی سے خالی نہ تھا۔ جب بھی اس قسم کی کوئی گفتگو چھڑ جاتی تو دل لرز جاتا اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

((ما من عبدٍ مومن يخرج من عينيه دموع وان كان مثل رأس الذباب من خشية الله

ثم یصیب شیئا من حر وجهه الا حرّمه الله علی النار)) (ابن ماجہ)

''اللہ کے خوف اور ہیبت سے جس بندۂ مومن کی آنکھوں سے کچھ آنسو نکلیں اگرچہ وہ مقدار میں بہت کم مثلاً مکھی کے سر کے برابر یعنی ایک قطرہ ہی کے بقدر ہوں۔ پھر وہ آنسو بہ کر اس کے چہرہ پر پہنچ جائیں تو اللہ تعالیٰ اس چہرہ کو آتش دوزخ کے لیے حرام کر دے گا۔'' (بحوالہ معارف الحدیث ج۲ص۴۴)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ فکر آخرت میں خشیت الٰہی سے ہمیشہ غمگین رہا کرتے تھے۔ شاہ معین الدین ندوی لکھتے ہیں کہ

''ان کا دل خوف وخشیت سے خالی نہ تھا۔ وہ مواخذہ قیامت کے خوف سے لرزہ براندام رہتے اور اس کے عبرت آمیز واقعات سن کر زار زار روتے تھے۔'' (تاریخ اسلام ج۱ص۳۵۵)

مولانا جلال الدین رومی نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی کرامت مثنوی کے چودہ صفحات میں بیان فرمائی کہ انھیں ابلیس نماز کے لیے جگانے آیا۔ آپ نے اسے پکڑ لیا اور پوچھنے پر اس نے بتایا کہ ایک دفعہ نیند کی وجہ سے آپ کی نماز قضا ہوگئی تھی تو آپ اتنا روئے کہ آپ کو پانچ سو نمازوں کا ثواب دیا گیا تو اب آپ کو میں نے اس لیے جگایا ہے کہ اگر پھر نماز قضا ہوگئی تو آپ اتنا روئیں گے کہ ہزار نمازوں کا ثواب مل جائے گا۔

(مثنوی دفتر دوم ص۲۳، خطبات حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ جلد۲ص۴۶۶)

یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے رقت قلب اور خشیت الٰہی کا مختصر حال ہے۔ حیرت ہے کہ اس کے باوجود اشقیاء اور روسیاہ لوگ انھیں دنیا طلب اور مواخذہ آخرت سے بے نیاز کہتے ہیں۔

تحمل اور بردباری

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اخلاق اور کردار بہت بلند تھا اور آپ حد درجہ تحمل مزاج اور تحمل پسند تھے۔ بار ہا لوگ آتے، سخت سے سخت باتیں کہتے مگر آپ ذرا پروا نہ کرتے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ غصہ پی جانے سے زیادہ میرے لیے کوئی لذیذ اور شیریں چیز نہیں۔ اشتعال کے موقع پر بھی جوش میں نہ آتے۔ نہایت ٹھنڈے دل ودماغ کے بزرگ تھے۔ علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''رؤسائے عرب اور سرداران کے ساتھ کریمانہ برتاؤ رکھتے تھے۔ ان کی سخت و ناملائم باتوں کو برداشت کرتے۔ ان کے ساتھ اخلاق سے پیش آتے۔ ان کے تحمل و بردباری کی حد نہ تھی۔ یہی سبب تھا کہ ان کی حکومت وریاست کو کسی قسم کی لغزش نہ ہوئی بلکہ بتدریج استقلال ہوتا چلا گیا......''

(تاریخ ابن خلدون ج۲ص۴)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حلم، دانائی، فیاضی اور عفو و درگزر ضرب المثل کے طور پر مشہور تھا۔ ایک قریشی ان کے سامنے جا کر برا بھلا کہنے لگا تو انھوں نے اس کی بدزبانی سن کر فرمایا کہ اے میرے بھتیجے! اس حرکت

باز آجا۔ امام شعبی ؒ کا قول ہے کہ عاقلانِ عرب چار ہیں: حضرت معاویہ ؓ، حضرت عمرو بن عاص ؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ، زیاد۔ حضرت معاویہ ؓ حلم وخردمندی کی وجہ سے، حضرت عمرو بن عاص ؓ مشکلاتِ پیش آمدہ کے سلجھا لینے کی قابلیت کے سبب، حضرت مغیرہ ؓ اوسان خطا نہ ہونے کی وجہ سے، اور زیاد ہر چھوٹی بڑی بات میں۔ حضرت جابر ؓ کا قول ہے کہ حضرت عمر ؓ سے بڑھ کر قرآن اور فقہ کا عالم، حضرت طلحہ بن عبید اللہ ؓ سے بڑھ کر بغیر سوال کے عطا کرنے والا، اور حضرت معاویہ ؓ سے بڑھ کر حلیم و عقیل اور حضرت عمرو بن عاص ؓ سے بڑھ کر خاص دوست میں نے نہیں دیکھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے کسی نے حضرت معاویہ ؓ کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ ان کا حلم غصے کے لیے تریاق تھا اور ان کی سخاوت زبانوں پر قفل لگا دیتی تھی۔ ان کو دلوں کو جوڑنا خوب آتا تھا اور یہی سبب ان کے استحکام حکومت کا ہوا۔'' (تاریخ اسلام ج ۲ ص ۲۲، اکبر شاہ خان نجیب آبادی)

تابعین میں حضرت احنف بن قیس ؒ بھی صفت حلم میں بہت مشہور تھے۔ کسی نے ان سے دریافت کیا کہ آپ اور حضرت معاویہ ؓ میں سے زیادہ بردبار کون ہے؟ انھوں نے جواب دیا: واللہ! تم بڑے جاہل معلوم ہوتے ہو۔ میرے اور ان کے حلم میں یہ فرق ہے کہ وہ پوری طاقت رکھتے ہوئے حلم اور بردباری سے کام لیتے ہیں اور میں قدرت نہ رکھتے ہوئے بردباری کرتا ہوں۔ لہٰذا میں ان سے کیسے بڑھ سکتا ہوں؟ یا ان کے برابر بھی ہوسکتا ہوں۔'' (عقد الفرید ج ۱ ص ۱۶۵)

حلم اور بردباری کی تعریف ہی یہ ہے کہ انتقام کی قدرت کے باوجود کسی ناگوار یا اشتعال انگیز بات کو برداشت کرلیا جائے اور قصوروار سے اس کے لیے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ یہ قدرت سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ لیکن اس قدرت کے باوجود وہ اکثر اپنے بندوں کی برائیوں سے چشم پوشی کرتا ہے اور انتقام نہیں لیتا اور اسی لیے اس نے اپنے آپ کو حلم کے ساتھ متصف کیا ہے۔ ﴿ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴾ (البقرۃ) اور اللہ ہے بخشنے والا بردبار۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴾ (آل عمران) بے شک اللہ ہے بخشنے والا بردبار۔ ﴿ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴾ (بنی اسرائیل) بے شک وہ (اللہ) ہے بخشنے والا بردبار۔

ان سب آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت حلم کے ساتھ اپنی صفت مغفرت کا بھی ذکر کردیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس کی یہ بردباری کسی کمزوری یا عدم قدرت کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کی شان غفاری کا نتیجہ ہے۔

صفت حلم سے انبیائے کرام ؑ بھی متصف فرمائے گئے ہیں۔ حضرت ابراہیم ؑ کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ ﴿ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴾ (توبہ) بے شک ابراہیم بڑے نرم دل اور بردبار تھے۔ ﴿ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴾ (ہود) بے شک ابراہیم بردبار، نرم دل اور رجوع کرنے والے تھے۔

قرآن مجید کی آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حلم عفو و درگزر، رفق و ملاطفت اور صبر و استقلال

کے مجموعے کا نام ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی توصیف میں حلیم کے ساتھ اکثر غفور کا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وصف میں ''اواہ'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حلم کے لیے عفو و درگزر اور رفق و ملاطفت لازمی ہیں۔ لیکن ایک اور آیت میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسبت فرمایا ہے ﴿ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴾ (الصافات) تو ہم نے ان (ابراہیم) کو ایک بڑے بردبار لڑکے کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی۔ اس کے بعد جب ان کی قربانی کا حکم ہوا ہے تو انھوں نے کہا: قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ۔ اے ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے (بے تامل) اس کی تعمیل کیجیے۔ ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ صبر بھی حلم کا ایک ضروری جز ہے۔ حلم کی صفت اللہ تعالیٰ کو نہایت ہی محبوب ہے۔ ایک صحابی کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جن کو اللہ پسند کرتا ہے یعنی حلم اور جلد بازی نہ کرنا۔ (جامع ترمذی ابواب البر والصلہ باب ماجاء فی التانی والعجلۃ)

حلم اور بردباری کی اس تفصیل کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ ارشاد ملاحظہ فرمائیں:

((ومعاویۃ ابن ابی سفیان احلم من امتی واجودھا)) (تطہیر الجنان ص۱۲)

''اور معاویہ بن ابی سفیان میری امت میں سے سب سے زیادہ بردبار اور سخی ہے۔''

اس کی تشریح میں علامہ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''فتامل ھٰذین الوصفین الجلیلین...... تم ان دو جلیل القدر اوصاف کے بارے میں غور کرو تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان دونوں کے سبب سے کمالات میں اس بلند درجے پر فائز ہو گئے جو ان کے علاوہ کسی دوسرے میں نہیں پائے جاتے۔ کیونکہ حلم اور فیاضی اس بات کا ثبوت ہیں کہ آپ نے نفس وخواہش کے تمام فائدے ختم کر دیے تھے۔ جہاں تک پہلے وصف (بردباری) کا تعلق ہے تو اس خاص کرتنگی دل اور غصے کی شدت کے وقت وہی شخص اپناتا ہے جس کے دل میں تکبر بالکل ختم ہو چکا ہو اور نفس کا کوئی حصہ باقی نہ رہا ہو۔ الا من لم یبق فی قلبہ مثقال ذرۃ من کبر ولا حظ للنفس۔'' (تطہیر الجنان ص۱۲)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حلم کے بارے میں بہت سی حکایات کتب تاریخ میں نقل ہوگئی ہیں جن میں سے اکثر جھوٹی اور وضعی ہیں اور ان سے آپ پر تبرا بازی کا کام لیا جاتا ہے۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ جیسے ''حاطب اللیل'' نے بھی بعض واقعات نقل کیے ہیں۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی بردباری صرف اس حد تک ہوتی تھی جس سے دین، شریعت اور خلافت

پر حرف نہ آتا ہو۔ اسی لیے اس کمال درجے کے حلم اور بردباری کے باوجود سختی کے مواقع پر سختی سے کام نہ لیتے، اور اصولوں پر کسی قسم کی مداہنت وغفلت برداشت نہ کرتے تھے۔ چنانچہ مورخ اسلام اکبر شاہ خان نجیب آبادی لکھتے ہیں کہ:

''ان کے زمانے میں زیاد بن ابی سفیان اور بعض دوسرے عاملوں نے عراقیوں اور ایرانیوں پر کسی قدر سختی اور تشدد کو روا رکھا لیکن ان عراقیوں اور ایرانیوں پر اگر سختی اور تشدد نہ ہوتا تو ظلم تھا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کا ایک نقص سمجھا جاتا۔'' (تاریخ اسلام ج۲ص۳۶)

بہرحال سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا اور ممتاز وصف حلم تھا اور یہ چیز تاریخی مسلمات میں سے ہے۔ ابوبکر بن عاص نے آپ کے حلم پر ایک مستقل کتاب بھی تصنیف کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے دیگر دعاؤں کے علاوہ یہ دعا بھی فرمائی ہے ''اللھم املأہ علما وحلما'' کہ اے اللہ! ان کے سینے کو علم اور حلم سے بھر دے۔ (التاریخ الکبیر، امام بخاریؒ ج۴ص۱۸۰)

سخاوت اور فیاضی

سخاوت کے حقیقی معنی اپنے کسی حق کو خوشی کے ساتھ دوسرے کے حوالے کر دینے کے ہیں۔ اور اس کی بہت سی صورتیں ہیں۔ اپنا حق کسی کو معاف کرنا، اپنا بچا ہوا مال کسی دوسرے کو دینا، دوسرے کے لیے اپنے جسم کی قوت کو خرچ کرنا، اپنی ضرورت کا خیال کیے بغیر کسی دوسرے کو دینا، اپنی ضرورت کو روک کر کسی دوسرے کو دینا، اپنے دماغ کی قوت کو خرچ کر دینا، اپنی آبرو اور جان کو خطرے میں ڈال دینا، دوسروں کو بچانے کے لیے یا حق کی حمایت میں اپنی جان دے دینا۔ یہ سب سخاوت کی ادنیٰ اور اعلیٰ قسمیں ہیں جن کے امتیاز کے لیے الگ الگ نام رکھے گئے ہیں۔ (سیرت النبی ج۶ ص۳۳۳ از علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس وصف کے ساتھ بھی متصف تھے۔ علامہ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پیچھے گزر چکا ہے کہ

((معاویة بن ابی سفیان احلم امتی واجودھا)) (تطہیر الجنان ص۱۲)

''معاویہ میری امت میں سے سب سے زیادہ حلیم اور فیاض ہیں۔''

آپ کا ابر سخاوت برابر رعایا کے ہر فرد پر برستا تھا۔ آپ اس معاملے میں موافقین اور مخالفین میں کوئی فرق روا نہ رکھتے تھے۔ اپنے اور بیگانے دونوں اس سرچشمہ فیض سے یکساں مستفید ہوتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی سیدنا عقیل رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آتے ہیں اور چالیس ہزار درہم کا مطالبہ کرتے ہیں تو آپ انھیں اس سے بھی بڑھ کر پچاس ہزار درہم ادا کر دیتے ہیں۔

(اسد الغابہ تحت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ)

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو ابتدا میں چار لاکھ درہم کا عطیہ عطا کیا اور اس کے بعد جب وہ ہر سال شام تشریف لے جاتے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہر مرتبہ ایک لاکھ درہم عنایت کرتے۔

(تاریخ ابن عساکر ج ۴ ص ۲۰۰، تحت حسن بن علی رضی اللہ عنہ)

حضرت شیخ علی ہجویری رحمہ اللہ (المعروف داتا گنج بخش) لکھتے ہیں کہ:

''ایک دن حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس ایک سائل آیا اور درخواست کی کہ میں ایک فقیر ہوں اور کثیر العیال ہوں۔ آپ مجھے آج کا کھانا عنایت فرمائیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ ذرا انتظار کریں ہمارا وظیفہ پہنچنے والا ہے، تو آپ کو دے دیں گے۔ کچھ زیادہ دیر نہ ہوئی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے پانچ عدد تھیلیاں (جن میں ایک ایک ہزار دینار تھے) پہنچ گئیں اور پہنچانے والے نے یہ پیغام دیا کہ ''امیر معاویہ معذرت کرتے تھے کہ یہ قلیل سی مقدار ہے اسے صرف فرما دیں'' حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے وہ تھیلیاں سائل کو دے دیں اور معذرت بھی کی۔'' (کشف المحجوب ص ۹۲)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت مستقل ہوگئی تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اپنے بھائی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے پاس تشریف لے جاتے،

((فیکرمهما معاویة اکرامًا زائدًا ویقول لهما مرحبًا واهلًا ویعطیهما عطاءً جزیلًا وقد اطلق لهما فی یوم واحد مائتی الف......)) (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۵۱)

''تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان دونوں کی بہت زیادہ تکریم کرتے، مرحباً اور اہلاً کے الفاظ سے ان کا استقبال کرتے عطیات کثیرہ سے نوازتے اور بعض اوقات ایک دن میں دو دو لاکھ درہم بھی پیش کر دیتے تھے۔''

ایک مرتبہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما ملاقات کے لیے آپ کے پاس تشریف لے گئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں آپ کی خدمت میں آج ایسی نذر پیش کروں گا جو اس سے پہلے کسی نے پیش نہ کی ہوگی۔ چنانچہ چار چار لاکھ درہم دونوں کو ادا کیے۔ یہ عطیات سالانہ اور مستقل وظائف کے علاوہ تھے۔

ایک دفعہ حضرت حسن اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ملنے گئے تو آپ نے ان کا انتہائی اعزاز واکرام کیا اور تین لاکھ درہم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اور ایک لاکھ درہم حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں پیش کیے۔ اہل تشیع نے بھی ان عطیات و وظائف کا اپنی کتب میں ذکر کیا ہے۔

ان واقعات سے یہ بھی واضح ہوگیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بنو ہاشم کے ساتھ بدسلوکی کا الزام بالکل خلاف حقیقت ہے اور ظلم وستم کی داستانیں دشمنان اسلام کی پھیلائی ہوئی ہیں۔ ان میں کوئی صداقت

نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات ایک چشمہ فیض تھی جس سے ساری امت مستفید ہو رہی تھی۔ کوئی سائل اور کوئی ضرورت مند آپ کے ہاں سے خالی ہاتھ نہیں گیا۔

تمام خلفاء امہات المومنین رضی اللہ عنہن کی خدمت اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اس سعادت سے محروم نہ رہے۔ چنانچہ وہ ایک ایک لاکھ کی رقم ان کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔

(تاریخ ملت حصہ سوم ص ۴۸)

آپ کی یہ فیاضی صرف امہات المومنین رضی اللہ عنہن تک ہی محدود نہ تھی بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اکابر قریش اور دوسرے اعیان وشرفاء سب ہی فیض یاب ہوتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے ہیں وہ ایک وسیع وادی میں اترتے ہیں۔ (تاریخ طبری ج ۶ ص ۱۵۶)

تدبیر وسیاست

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ میں تدبیر و سیاست کے فطری اوصاف تھے۔ نسلی اعتبار سے سرداری آپ کے خاندان میں چلی آ رہی تھی۔ علمی اور فنی کمالات نے آپ کی استعداد کو مزید چمکا دیا تھا۔ اس کے باوجود آپ کی یہ عادت تھی کہ آپ اخبار عجم اور اخبار عرب، گزشتہ اقوام کے عروج وزوال کے حالات اور رعایا کے ساتھ ان کی پالیسی کی کیفیات برابر سنتے اور اسے ذہن نشین کرتے تھے۔ تمام مورخین اس بات کے معترف ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے دور کے سب سے بڑے مدبر، بیدار مغز فرمانروا اور عظیم سیاست دان تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑا سردار نہ پایا۔ دریافت کیا گیا کہ حضرات ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کے متعلق کیا خیال ہے؟ فرمایا اللہ کی قسم! یہ لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر تھے لیکن سرداری ان میں زیادہ تھی۔ (استیعاب مع الاصابہ ج ۴ ص ۳۹۷)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی آپ کے اس وصف کے معترف ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((ومنها قول ابن عباس فی حقه ما رأیت للملك اعلی من معاویة......))

(تطہیر الجنان ص ۲۴)

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا کہ میں نے حکومت اور سلطنت کے معاملات میں ان سے زیادہ کسی کو موزوں نہیں پایا۔"

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے خلیفہ کے سامنے اپنی قائدانہ صلاحیتوں کا لوہا منوایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کہنا پڑا کہ ان کو ان صلاحیتوں کی بنا پر ہی ہم نے اتنی اہم ذمہ داری سونپ رکھی ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک بہترین فرمانروا تھے۔ آپ نے عراق کے تمام لائق، مدبر اور سیاستدانوں کو

اپنے گرد جمع کر رکھا تھا۔ آپ کی سیاست تدبر، سلوک، ہوش مندی اور چشم پوشی بے مثال تھی۔ آپ کی سیاست ایماندارانہ سیاست تھی اور جبر وتشدد کو پسند نہ فرماتے تھے۔ آپ نے مخالف اور ناسازگار حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے جو اصول سیاست وحکومت بنائے وہ آپ کو دنیا کے مدبر ترین حکمرانوں کی صف میں داخل کر دیتے ہیں۔ آپ جب تک سختی کے لیے مجبور نہ ہو جاتے اس وقت تک سختی سے کام نہ لیتے تھے۔ اس بارے میں آپ کا یہ اصول تھا کہ

((لا اضع سيفي حيث يكفيني سوطي ولا اضع سوطي يكفيني لساني ولو ان بيني وبين الناس شعرة ما انقطعت......)) (تاریخ یعقوبی ج۲ص۲۸۳)

''جہاں میرا کوڑا کام دیتا ہے وہاں تلوار کام میں نہیں لاتا۔ اور جہاں زبان کام دیتی ہے وہاں کوڑا کام میں نہیں لاتا۔ اگر میرے اور لوگوں کے درمیان بال برابر بھی رشتہ قائم ہو تو میں اس کو نہیں توڑتا۔''

آپ سے دریافت کیا گیا کہ ایسی نازک حالت میں آپ تعلقات کیسے قائم رکھیں گے؟ جواب دیا کہ جب لوگ اسے کھینچتے ہیں تاکہ تعلق ٹوٹ جائے تو میں ڈھیل دے دیتا ہوں اور جب وہ ڈھیل دیتے ہیں تو میں کھینچ لیتا ہوں۔

زیاد بن ابی سفیان کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں نے اپنے کسی ماتحت پر خراج کے معاملے میں سختی کی تو اس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شکایت کی۔ میں نے انھیں لکھا کہ آپ اس معاملے میں دخل نہ دیں ورنہ میرے انتظام میں خلل پڑے گا اور اس کا اثر آپ کی سلطنت پر بھی ہوگا۔ کیونکہ میں آپ ہی کا عامل ہوں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا سیاست وحکومت کا کام یوں ہی چلا کرتا ہے کہ ایک شخص سختی کرتا ہے اور دوسرا نرمی۔ اس طرح توازن قائم رہتا ہے۔ اگر برابر نرمی ہو تو نظام حکومت میں فرق پڑ جاتا ہے۔

بہر حال حکومت اور جہانبانی، فہم وفراست، کشور کشائی، فرمانروائی اور تدبیر وسیاست کے اوصاف عالیہ میں اس وقت کوئی آپ کا حریف نہ تھا۔ مخالف وموافق سب آپ کے ان محاسن اور اوصاف کے معترف تھے۔

ذہانت اور ظرافت

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بہت نرم دل تھے۔ آپ کو دوسروں کا دل مسخر کرنے کا بڑا ملکہ حاصل تھا۔ اسی بنا سے اتنے بڑے درجے تک پہنچ گئے۔ آپ ایک خوش اخلاق اور ہنس مکھ انسان تھے۔ عام آدمی بھی بغیر کسی خوف اور ہچکچاہٹ کے آپ سے ملتا اور اپنی فرمائش پیش کرتا۔ ایک مرتبہ بصرہ کا ایک شخص آپ کے پاس آیا اور درخواست کی کہ یا امیر المومنین! میں بصرہ میں ایک مکان بنانا چاہتا ہوں۔ آپ اس کی تعمیر کے لیے لکڑی عنایت فرما کر میری امداد کریں۔ آپ نے پوچھا تمھیں کتنی لکڑی کی ضرورت ہے۔ اس نے کہا بارہ ہزار

(گیلی)۔ آپ نے تعجب سے پوچھا کہ مکان کی لمبائی اور چوڑائی کتنی ہے؟ اس نے کہا دوفرسخ یعنی چھ مربع میل۔ آپ نے مزاحاً فرمایا "لا تقل داری بالبصرة و لکن قل البصرة فی داری۔" پھر یوں کیوں کہتے ہو کہ میرا مکان بصرہ میں ہے بلکہ یوں کہو کہ بصرہ میرے مکان میں واقع ہے۔

علامہ ابن جوزی بغدادی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الاذکیاء میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذکاوت اور ذہانت کے حسب ذیل واقعات نقل کیے ہیں:

① مولف کتاب (ابن جوزی) لکھتے ہیں کہ ہم کو معلوم ہوا کہ ایک شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حاجب کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ معاویہ کو اطلاع کردو کہ آپ کا باپ شریک اور ماں شریک بھائی دروازے پر ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حاجب سے معلوم کر کے فرمایا کہ میں نے تو اس کو پہچانا نہیں۔ پھر کہا اچھا اسے بلالو۔ جب یہ شخص سامنے آیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ تو میرا بھائی کس طرح ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں آدم وحوا کا بیٹا ہوں۔ یہ سن کر انھوں نے غلام کو حکم دیا کہ اس کو ایک درہم دے دو۔ اس نے کہا کہ اپنے بھائی کو جو ماں اور باپ دونوں میں شریک ہے، ایک درہم دے رہے ہیں؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا اگر میں اپنے سب بھائیوں کو جو آدم وحوا کی اولاد ہیں، دینے بیٹھوں تو تیرے حصے میں یہ بھی نہیں آئے گا۔

(لطائف علمیہ اردو ترجمہ کتاب الاذکیاء ص ۴۶)

② حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے متعلق ربیعہ بن ناجذ کہتے ہیں کہ ان سے پوچھا گیا کہ عقل کا اتنا اونچا مقام آپ کو کیسے حاصل ہوا؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں کبھی کسی پر بھروسا کر کے بے فکر نہیں ہوا۔ ثعلب کہتے ہیں کہ جنگ صفین والے دن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کے ایک بازو پر نظر ڈالی جو ٹیڑھا تھا تو اس کو اشارہ کیا وہ فوراً سیدھا ہوگیا۔ پھر دوسرے بازو پر نظر کی، وہ بھی ٹیڑھا ہو رہا تھا۔ اس کو بھی اشارہ کیا تو وہ بھی سیدھا ہوگیا۔ یہ دیکھ کر آپ کے اصحاب میں سے کسی نے سوال کیا: کیا اس طریق جنگ پر آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے سے غور کرنا شروع کیا؟ تو آپ نے فرمایا واللہ میں نے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں غور کیا تھا۔ (ایضاً ص ۴۵)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اسی ذہانت کی بدولت ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے معتمد تھے۔ اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے دور میں عمال حکومت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ واحد گورنر ہیں جنھیں معزول نہیں کیا گیا اور وہ اس منصب پر برقرار رہے جبکہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جیسے نامور جرنیل، فاتح عراق، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں اور یکے از عشرہ مبشرہ فاتح ایران حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ گورنر مصر جیسے لوگوں کی تہدید ہوئی اور وہ اپنے مناصب سے معزول کیے گئے لیکن فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے منتظم، مدبر اور سخت گیر خلیفہ راشد کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس قدر اعتماد کہ نہ صرف انھیں اپنے منصب پر

برقرار رکھا گیا بلکہ ان کے علاقہ اختیار میں اضافہ بھی کیا گیا۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورہ شام کے دوران میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ظاہری شان وشوکت کے متعلق استفسار کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ ”یہ ایک ایسا علاقہ جس میں دشمن کے جاسوس ہر وقت منڈلاتے رہتے ہیں ان کو مرعوب کرنے کی غرض سے ذرا ظاہری شان وشوکت بھی ضروری ہے کہ اس میں اسلام اور اہل اسلام کی عزت کا سامان ہے۔“

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جو اس موقع پر موجود تھے یہ حکیمانہ جواب سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کرنے لگے کہ ”دیکھیں معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے کس قدر خوبصورتی سے اپنے آپ کو الزام سے بچا لیا۔“ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ”ان کے کندھوں پر یہ بار گراں اسی لیے تو ہم نے ڈالا ہے۔“

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۲۴، ۱۲۵)

تواضع وانکسار

کبریائی بندوں کی شان نہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت خاص ہے۔ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بندوں کے بارے میں تواضع، انکسار اور عاجزی وفروتنی کا حکم ہے۔ لیکن تواضع وانکسار اور دنائت وپستی میں بڑا فرق ہے۔ تواضع وانکسار کا منشا یہ ہے کہ انسان میں کبر وغرور پیدا نہ ہو اور ہر شخص دوسرے کی عزت کرے۔ اور دنائت وپستی کا مطلب یہ ہے کہ بعض ذلیل اغراض کے لیے انسان اپنی خود داری کھو دے۔ چنانچہ ایسے مواقع پر جہاں خاکسارانہ روش سے انسان کی کمزوری ظاہر ہوتی ہے۔ وہاں اسلام نے عارضی طور پر خود دارانہ کبر وغرور کا حکم دیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب عمرہ کے لیے آئے تو چونکہ طویل سفر کے تکان اور وبائی بخار نے ان کو کمزور کر رکھا تھا اس لیے کفار نے طنز کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب ضعف کی وجہ سے خانہ کعبہ کا طواف نہیں کر سکتے۔ اس پر آپ نے صحابہ کو حکم دیا کہ طواف کے تین چکر اکڑ کر لگائیں تاکہ مشرکوں پر ان کی قوت کا اظہار ہو۔

اسی طرح قوت کے اظہار کا اصلی موقع جہاد میں پیش آتا ہے اور اس موقع پر اسلام نے عاجزی وفروتنی کے بجائے کبر وغرور کو پسند کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ بعض غرور کو ناپسند اور بعض کو پسند کرتا ہے۔ جنگ وصدقہ کے موقع پر اترانا اللہ کو پسند ہے اور ظلم وفخر پر اترانا ناپسند۔

(ابوداود، کتاب الجہاد باب فی الخیلاء)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق جن بعض روایات میں شان وشوکت کا اظہار پایا جاتا ہے۔ اس کا مقصد بھی رومیوں اور کفار کو مرعوب کرنا تھا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی طبیعت میں بہت تواضع وعاجزی پائی جاتی تھی۔ ایک وسیع وعریض سلطنت کی فرمانروائی نے آپ کے اندر تمکنت اور غرور پیدا نہیں ہونے دیا۔ آپ نے کم درجے کے لوگوں کو نظر استخفاف سے کبھی نہیں دیکھا اور نہ کبھی اپنے اور عام مسلمانوں کے درمیان فرق

امتیاز روا رکھا۔

آپ عوام کے ہجوم میں بیٹھتے، ان کی فریادیں سنتے اور ان کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے تھے۔ معمولی خچر پر سواری کرتے اور پھٹا ہوا کپڑا پہنے بازاروں میں گھومتے تھے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''امام اوزاعی رحمہ اللہ کے شیخ امام یونس بن میسرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ خچر پر سوار تھے اور ان کا غلام ان کے پیچھے بیٹھا تھا اور اس وقت ان کے جسم پر پھٹا ہوا لباس تھا۔'' (البدایہ والنہایہ ج۸ص۱۳۵)

امام ترمذی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نکلے تو عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن صفوان رضی اللہ عنہما نے جب انھیں دیکھا تو کھڑے ہو گئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا بیٹھ جاؤ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

((من سره ان يتمثل له الرجال قياما فليتبؤا مقعده من النار))

''جس آدمی کو اس بات سے خوشی ہو کہ لوگ اس کی تعظیم میں کھڑے رہیں اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔'' (جامع ترمذی، باب ماجاء فی کراهية قيام الرجل للرجل)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہر شخص سے بے تکلفانہ گفتگو کرتے تھے۔ آپ دوسروں کی تحقیر اور اپنی غیر ضروری اور غیر شرعی تعظیم ہرگز پسند نہیں کرتے تھے اور قطعاً یہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے مابین غیر شرعی امتیازات کی وبا پھیل جائے۔

قبول حق

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے صحیح بات کے قبول کرنے میں کبھی پس وپیش سے کام نہیں لیا۔ جوں ہی حقیقت حال واضح ہوئی فوراً اسے قبول کرلیا۔ حضرت ابو مریم ازدی رضی اللہ عنہ نے انھیں حدیث رسول سنائی کہ اللہ جس شخص کو مسلمانوں کا والی بنائے اگر وہ ان کی حاجتوں سے آنکھیں بند کرلے تو روز قیامت اللہ بھی اس کی حاجتوں کے سامنے پردہ ڈال دیں گے۔ یہ سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فوراً عام لوگوں کی حاجت کے لیے ایک مستقل آدمی مقرر کردیا۔

ایک دفعہ جمعہ کے دن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں فرمایا کہ بیت المال کا مال ہمارا ہے اور مال غنیمت بھی ہمارا ہے۔ جس شخص سے چاہیں ہم روک سکتے ہیں...... تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ بیت المال کا مال ہمارا اور غنیمت کا مال بھی ہم سب مسلمانوں کا ہے۔ جو شخص اس مسئلے میں حائل ہونے لگے گا اس کا فیصلہ ہم تلواروں کے ساتھ کرکے اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچائیں گے...... اس کے بعد آپ نے حق گو شخص

کو اپنے ساتھ چارپائی پر بٹھا کر فرمایا کہ اس شخص نے گویا مجھے زندہ کر دیا اسے اللہ تعالیٰ زندہ رکھے۔

(تطہیر الجنان ص ۲۷)

ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے مخاطب ہو کر کہا کہ اللہ کی قسم! آپ خود بخود ٹھیک رہیں ورنہ ہم آپ کو درست کر دیں گے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کس کے ساتھ ٹھیک کرو گے؟ اس نے کہا لاٹھی کے ساتھ۔ آپ نے فرمایا "اذا نستقیم" پھر تو ہم درست ہو جائیں گے۔

(سیر اعلام النبلاء جلد ۳ ص ۱۰۲)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی قبولیت حق کی ایک واضح دلیل مشکوٰۃ میں منقول ہے جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل روم کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا۔ سلیم بن عامر سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل روم کے درمیان ایک معاہدہ تھا اس دوران میں آپ اپنی فوجوں کو ان کی سرحدوں کے قریب اکٹھا کرتے رہے (کہ جب مدت معاہدہ ختم ہو تو ان پر حملہ کر دیا جائے)

((حتی اذا نقضی العهدا غار علیهم فجاء رجل علی فرس...... وهو یقول الله اکبر الله اکبر وفاء لا غدر فنظروا فاذا هو عمرو بن عبسة......))

"جیسے ہی معاہدہ ختم ہوا آپ نے ان پر یلغار کر دی۔ اتنے میں ایک شخص گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور اللہ اکبر کہتے ہوئے کہا مومن کا شیوہ وفا ہے غدر نہیں۔ جب انھوں نے اس شخص کی طرف دیکھا تو وہ عمرو بن عبسہ صحابی رسول تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے اس کے متعلق پوچھا تو انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جب دو قوموں میں کوئی صلح کا معاہدہ ہو تو اس معاہدہ کی مدت میں نہ تو کوئی قوم عہد کھولے اور نہ باندھے۔ یہاں تک کہ مدت گزر جائے۔ راوی کہتے ہیں کہ "فرجع معاویة بالناس" حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی فوجوں کے ساتھ واپس آ گئے۔ (مشکوٰۃ باب الامان ص ۳۴۷)

عدل وانصاف

عدل وانصاف حکومت وسلطنت کی عمارت کا ستون ہے اسی لیے اسلام نے ہر قسم کے مذہبی اور عدالتی فیصلے کے لیے عدل کو ضروری قرار دیا ہے کہ یہ اگر نہ ہو تو کسی مظلوم کی دادرسی ممکن نہیں۔ اسی لیے ایک حاکم کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ عادل ہو۔

﴿ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ﴾ (النساء/ ۵۸)

"اور جب لوگوں کے درمیان جھگڑے فیصل کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔"

قرآن کریم کی رو سے اگرچہ ہر مسلمان کو عادل ہونا چاہیے تاہم امام وحاکم وقت کے لیے عادل ہونا اور بھی زیادہ ضروری ہے۔ اس لیے حدیث میں امام عادل کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ کے سایے کے سوا کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا سات شخصوں کو اللہ اپنے سایے میں لے گا۔ جن میں سے ایک شخص امام عادل ہوگا۔

(صحیح بخاری، کتاب المحاربین من اہل الکفر والردۃ، باب فضل من ترک الفواحش جلد۲ ص ۱۰۰۵)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس شعبے پر بھی بھرپور توجہ دی اور اسی قیام عدل اور رعایا کی دادرسی کی بدولت ہی دور دور کے صوبوں کو کنٹرول کیا۔

ممتاز سکالر ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن زیر عنوان ''عدالت عہد بنی امیہ میں'' لکھتے ہیں کہ:

''اس دور کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ عدالت کا محکمہ اپنے اختیارات و فرائض میں اموی فرمانرواؤں کے اثر و اقتدار سے بالکل آزاد تھا۔ ان کے ذاتی رجحانات کا اس پر کوئی اثر نہ تھا۔ اس زمانے میں عدالت کے فیصلے گورنروں اور خراج کے افسروں تک بلا رو رعایت نافذ کیے جاتے تھے۔

عہد اموی میں قاضی کے انتخاب کے لیے ضروری تھا کہ وہ بلند سیرت، پاکباز، پرہیزگار، عالم، مجتہد اور عیوب سے مبرا ہو اور عدل و انصاف کے مقابلے میں دنیا کی کسی طاقت کی اسے پروانہ ہو...... بنی امیہ کے دور میں خلافت راشدہ کا طریق باقی رہا اور اس کے لائحہ عمل میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔''

(مسلمانوں کا نظم مملکت اردو ص ۲۸۱، ۲۸۸)

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو خلافت راشدہ کے دور سے خارج قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک بھی یہ نہ صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بلکہ پورے عہد بنو امیہ میں عدالت کے شعبے میں خلافت راشدہ کا طریق کار باقی رہا اور اس کے لائحہ عمل میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

جہاں تک سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے تو وہ بڑے عادل اور منصف مزاج تھے۔ وہ عوام کے حقوق کو بطریق احسن ادا کرنے والے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((ما رأیت احدا بعد عثمان اقضٰی بحق من صاحب ھذا الباب یعنی معاویۃ))

(البدایہ والنہایہ ج۸ ص ۱۳۳)

''میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ حق کو پورا کرنے والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔''

جلیل القدر تابعی اور محدث اعمش رحمہ اللہ کی مجلس میں ایک دفعہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور ان کے عدل و انصاف کا تذکرہ ہوا تو اعمش رحمہ اللہ نے فرمایا:

((فکیف لو ادرکتم معاویۃ قالوا فی حلمہ قال لا واللہ بل فی عدلہ))

''کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے حلم میں نہیں بلکہ اللہ کی قسم! عدل و انصاف میں

فائق تھے۔'' (منہاج السنۃ ج۳ص۱۸۵)

امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((وفضائل معاوية فی حسن السيرة والعدل والاحسان كثيرة)) (المنتقی ص۳۸۸)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حسن سیرت اور عدل واحسان کے بارے میں کثیر الفضائل ہیں۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((والجهاد فی بلاد العدو قائم و كلمة الله عالية والغنائم ترد اليه من اطراف الارض والمسلمون معه فی راحة وعدل وصفح وعفو)) (البدایہ والنہایہ ج۸ص۱۱۹)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں دشمنوں کے ممالک میں جہاد جاری رہا، اللہ کا کلمہ بلند رہا اور اطراف واکناف میں غنائم کی ریل پیل تھی، اور مسلمان ان کے زیر سایہ راحت وعدل اور عفو ودرگزر کی زندگی بسر کرتے رہے۔''

شیعہ مورخ ابوالحسن بن حسین بن علی المسعودی لکھتا ہے کہ:

''حضرت معاویہ کے اخلاق میں ایک یہ بات بھی تھی کہ وہ دن رات میں پانچ مرتبہ لوگوں کو ملاقات کی اجازت دیتے تھے۔ جب آپ نماز فجر سے فارغ ہوتے تو واقعات سنانے والے کی خاطر بیٹھ جاتے۔ یہاں تک کہ اس کے واقعات کی سماعت سے فارغ ہو جاتے۔ پھر مسجد کے اندر داخل ہوتے تو ان کا قرآن لایا جاتا۔ وہ اس کا کچھ حصہ تلاوت فرماتے۔ پھر اپنے گھر جاتے اور گھریلو امور سرانجام دیتے۔ پھر چار رکعت نماز پڑھتے اور اپنی نشست گاہ کی طرف چلے آتے...... تب کمزور، بدو، مریض، عورتیں اور بے سہارا لوگ ان کے پاس جاتے۔ کوئی کہتا مجھ پر ظلم ہوا۔ وہ کہتے اس کی مدد کرو۔ دوسرا کہتا کہ مجھ پر زیادتی ہوئی ہے۔ وہ کہتے اس کے ساتھ آدمی بھیجو۔ تیسرا کہتا میرے ساتھ برا سلوک ہوا ہے وہ کہتے اس کے معاملے کی تحقیق کرو...... پھر فرماتے جو لوگ ہم تک نہیں پہنچ سکتے ان کی ضروریات کو ہم تک پہنچاؤ تو کوئی آدمی کھڑا ہو کر کہتا فلاں شخص شہید ہو گیا ہے۔ وہ کہتے اس کے بچے کا وظیفہ مقرر کر دو۔ دوسرا آدمی کہتا فلاں آدمی اپنے گھر سے غائب ہو گیا ہے۔ وہ کہتے ان کا خیال رکھو اور ان کی ضروریات کو پورا کرو اور ان کی خدمت کرو۔''

(مروج الذہب ومعادن الجواہر، تاریخ مسعودی اردو ج۳ص۱۵۵

علم وفضل

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جس طرح عقل اور تدبیر وسیاست میں ممتاز تھے، اسی طرح علم وفضل میں بھی آپ کا پایہ بہت بلند تھا۔ عرب کے مروجہ علوم میں آپ کو کمال حاصل تھا اور ان میں امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ فن کتابت میں مہارت کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کاتب وحی کے مقدس اور بلند منصب پر فائز فرمایا

تھا۔ گو آپ عمرۃ القضاء کے موقع پر مشرف باسلام ہوئے مگر اپنی خداداد ذہانت اور دانائی کی بدولت صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی اعلیٰ مقام حاصل کرلیا۔ آپ کو تحصیل علم کا اتنا شوق تھا کہ مخالفین سے استفادہ کرنے میں بھی تأمل نہ کرتے تھے۔ آپ نے اپنے علم کو اتنی وسعت دے دی تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حلقے میں آپ احترام کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آپ کے تفقہ فی الدین کے معترف تھے۔ مذہبی علوم میں اتنادرک تھا کہ اہل فتاویٰ میں سے شمار کیے جانے لگے۔ قرآن مجید کی تفسیر وتاویل پر بھی عبور حاصل تھا۔

علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ (متوفی ۹۷۴ھ) لکھتے ہیں کہ:

''من جملہ ان کے فضائل یہ ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی تعریف کی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اہل بیت اور تابعین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ہیں۔ صحیح بخاری میں عکرمہ سے مروی ہے کہ وہ کہتے تھے میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ ایک ہی رکعت وتر پڑھتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ وہ فقیہ ہیں۔ اور ایک روایت میں یہ کہا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ ''وھذا من اجل مناقب معاویۃ'' یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک بہت بڑی منقبت ہے کیونکہ فقیہ ہونا ایک بہت بڑا مرتبہ ہے...... اور فقیہ عرف صحابہ اور سلف صالحین میں سے وہی شخص ہے جو مجتہد مطلق ہو اور جس پر واجب ہو کہ اپنے ہی اجتہاد پر عمل کرے...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو یہ کہا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہے اس سے مقصود عکرمہ کو تنبیہ کرنا تھا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک رکعت وتر پڑھنے پر معترض تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ مطلب تھا کہ وہ فقہاء میں سے ہیں پس وہ جو کچھ کرتے ہیں اس کے متعلق اللہ کے حکم سے بہ نسبت معترضین کے زیادہ واقف ہیں...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت وفقاہت تمھیں ابن ماجہ کی اس روایت سے بھی معلوم ہوگی کہ ایک مرتبہ وہ مدینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر کھڑے ہوئے اور کہا کہ ''اے اہل مدینہ! تمھارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ قیامت تک میری امت کا ایک گروہ اہل باطل پر غالب رہے گا وہ کچھ پروانہ کریں گے کہ کس نے ان کی مخالفت کی اور کس نے ان کی تائید کی۔'' ایسی بات اس زمانے میں وہی شخص کہہ سکتا تھا جو بڑا فقیہ اور بڑا عالم ہو۔ خصوصاً مدینہ منورہ اس زمانے میں علمائے صحابہ وتابعین کا مخزن تھا۔ پس مدینے میں ایسا کلمہ اس شخص کی زبان سے نکل سکتا ہے جو سب سے بڑا عالم ہو...... اس سے نہ صرف ان کی عظمتِ فقاہت اور قوتِ اجتہاد ظاہر ہوا بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اجتہاد کے اعلیٰ مرتبے پر پہنچے ہوئے تھے...... نیز ان کی عظمتِ اجتہاد کی دلیل وہ روایت بھی ہے جو فاکہی نے بروایت ابن اسحاق نقل کی ہے کہ یحییٰ بن عباد بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے نقل کر کے بیان کیا کہ وہ کہتے تھے: ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حج کیا تو ہم لوگ بھی حج میں ان کے ساتھ تھے۔ جب وہ طواف کر چکے تو انھوں نے مقام ابراہیم میں دو رکعت نماز پڑھی پھر کوہِ صفا کی طرف جاتے ہوئے زم زم پر

پہنچے تو کہا اے لڑکے! ایک ڈول میرے لیے بھر دے۔ چنانچہ لڑکے نے ڈول بھر کر پانی ان کو دیا تو انھوں نے پیا اور کچھ سر پر اور منہ پر ڈالا اور کہا کہ زم زم کا پانی شفا ہے اور جس مقصد کے لیے پیا جائے وہی حاصل ہوتا ہے۔'' پس دیکھو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنے وفور علم اور پیشوائی کے باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے افعال سے استناد کیا اور ان کے اقوال کی پیروی کی اور ان کی روایت کی۔ اسی طرح تم صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھو گے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے علم و اجتہاد پر متفق ہیں کوئی اختلاف نہیں کرتا۔''

(تطہیر الجنان ص ۲۱-۲۲۔ تنویر الایمان ترجمہ تطہیر الجنان از امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی ص ۵۱-۵۳)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شعر و ادب کا بھی مذاق رکھتے تھے اور اشعار کو تہذیب اخلاق کا بہترین ذریعہ سمجھتے تھے۔ آپ ایک بہترین مقرر تھے آپ کی تقریر بہت فصیح ہوتی تھی۔ جس مجمع اور جس جلسہ میں تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہوتے اسے مسحور کر کے اٹھتے تھے۔ جاحظ کی کتاب البیان والتبیین میں اعلیٰ سے اعلیٰ نمونہ ہائے خطابت نظر آتے ہیں۔ اس میں آپ کی بھی ایک تقریر شامل ہے جسے لفظی و معنوی بلاغت، اسلوب بیان اور فصاحت کے اعتبار سے بڑے بڑے خطیبوں کے مقابلے میں رکھا جا سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ میں مناظرانہ صلاحیت بھی بدرجہ اتم موجود تھی۔ تاریخ اسلام میں سب سے پہلے آپ ہی نے ایک ممتاز اخباری عبید بن شریہ سے تاریخ قدیم کی داستانیں، سلاطین عجم کے حالات اور زبانوں کی ابتداء اور ان کے پھیلنے کی تاریخ لکھوائی۔ یہ مسلمانوں کی تاریخ اسلام کی سب سے پہلی کتاب تھی۔

علاوہ ازیں آپ ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' پر سختی سے عمل پیرا تھے۔ کسی میں کوئی لغزش دیکھتے تو غصہ آجاتا۔ مذہبی خامی پر ضبط نہ کر سکتے۔ برائیوں اور بداخلاقیوں کے استیصال کے لیے برابر کوشش کرتے رہتے تھے۔

شوق حدیث

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ متبع سنت تھے۔ کسی کو سنت کے خلاف کام کرتا دیکھتے تو فوراً منع کر دیتے تھے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگوں کو نماز عصر کے بعد نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا ''تم یہ نماز پڑھتے ہو حالانکہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے ہیں، ہم نے انھیں یہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ بلکہ عصر کے بعد ان دو رکعتوں سے آپ کو منع کرتے سنا ہے۔'' (صحیح بخاری، ابواب المناقب باب ذکر معاویہ)

ایک مرتبہ دس محرم کو مدینہ میں منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ میں فرمایا ''یا اهل المدينة! این علماء کم'' اے اہل مدینہ! تمھارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ یہ یوم عاشوراء ہے، اللہ نے اس کا روزہ تم پر فرض نہیں کیا ہے۔ البتہ میں روزہ سے ہوں لہٰذا جو شخص چاہے روزہ رکھ لے اور جو نہ چاہے نہ رکھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم، کتاب الصوم)

ایک دفعہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ وہ انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی ایسی حدیث لکھ کر بھیجیں جو انھوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو۔ تو انھوں نے یہ حدیث لکھ کر بھیجی کہ آپؐ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تین باتوں کو ناپسند کرتا ہے: قیل وقال، مال کا ضائع کرنا اور سوال زیادہ کرنا۔ (صحیح بخاری کتاب الزکوۃ باب قول اللہ عزوجل لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو ایک دوسرا خط لکھا کہ مجھے وہ دعا لکھ کر بھیج دو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ تو انھوں نے لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

((لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير۔ اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطى لما منعت ولا ينفع ذا الجد منك الجد)) (صحیح بخاری کتاب القدر باب لا مانع لما اعطی اللہ وصحیح مسلم باب استحباب الذکر بعد الصلوۃ)

اس شوق کی وجہ سے احادیث کا کافی ذخیرہ آپ کے سینے میں محفوظ ہوگیا تھا۔ آپ کی عظمت اور علمی وثاقت کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہوسکتا ہے کہ اکابر صحابہ نے آپ سے روایت کی۔

چنانچہ علامہ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور اپنی ہمشیرام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں اور ان سے آگے روایت کرنے والوں میں عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، جریر بن عبداللہ بجلی، معاویہ بن خدیج، سائب بن یزید، نعمان بن بشیر، ابوسعید خدری اور ابوامامہ بن سہل رضی اللہ عنہم جیسے بزرگ ہیں۔

تابعین کرام رحمہم اللہ میں جلیل القدر شخصیات یہ ہیں: عبداللہ بن حارث بن نوفل، قیس بن ابی حازم، سعید بن مسیب، ابوادریس خولانی اور ان کے بعد آنے والے عیسیٰ بن طلحہ، محمد بن جبیر بن مطعم، حمید بن عبدالرحمن بن عوف، ابومجلز، حمران مولی عثمان، عبداللہ بن محریز، علقمہ بن ابی وقاص، عمیر بن ہانی، ہمام بن منبہ، ابو العریان نخعی، مطرف بن عبداللہ وغیرہم رحمہم اللہ۔

پس غور کرو کہ یہ سب اسلام کے ممتاز امام ہیں جنھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اخذ علم اور حدیث کی روایت کی۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ''مجتهدًا و فقيهًا'' بہت بڑے مجتہد اور فقیہ تھے۔''
(تطہیر الجنان ص ۲۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے جناب محمد (بن حنفیہ) رحمہ اللہ نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے:

((عن محمد بن علی الحنفیة عن معاویة بن ابی سفیان قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول العمرٰی جائزة لاھلھا))

''کہ عمر بھر کے لیے کسی کو کوئی چیز دینا اس کے لیے جائز ہے۔'' (مسند امام احمد ج۴ص۷۹)

مرویات سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو احادیث روایت کی ہیں ان کی تعداد ایک سو تریسٹھ ہے۔ اور ایک قول (تقریب التہذیب ص۴۹۸) کے مطابق ایک سو بیس ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ایک سو چھ احادیث نقل کی ہیں۔ (مسند احمد، ج۴ص ۹۱،۱۰۲ تحت حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما) ان میں بھی کافی تکرار پایا جاتا ہے۔

یہاں کتب صحاح اور مسند احمد سے مکررات کو حذف کرتے ہوئے بیالیس احادیث نقل کی جا رہی ہیں تا کہ اس حدیث کی مطابقت حاصل ہو جائے جس میں آنحضرت ﷺ نے چالیس حدیثوں کے لکھنے یا ان کو امت تک پہنچانے کی ترغیب دلائی ہے:

((من حفظ علی امتی اربعین حدیثا من امر دینھا بعثه اللہ فقیھا عالما))

''جو شخص میری امت کے فائدے کے لیے دین کے کام کی چالیس حدیثیں سنا دے گا اور حفظ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن عالموں اور فقیہوں کی جماعت میں اٹھائے گا۔''

اسی حدیث کے تحت محدثین نے ''اربعین'' کے نام سے کتب تالیف کیں۔ ملا کاتب چلپی کے بقول اس قسم کا سب سے پہلا مجموعہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ المتوفی ۱۸۱ھ نے لکھا۔ (کشف الظنون ج۱ص۵۲) امام نووی رحمہ اللہ نے بھی احادیث کا ایک مجموعہ ترتیب دیا جو ''اربعین نووی'' کے نام سے مشہور و مقبول ہے۔ (اس میں بھی بیالیس احادیث ہیں)۔

امام ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے بلا واسطہ اور حضرت ابوبکر، حضرت عمر، سیدہ ام حبیبہ اور دیگر حضرات رضی اللہ عنہم کے واسطے سے حدیث کی روایت کی ہے۔ اور آگے ان سے حضرت ابوذر، ابن عباس، ابوسعید خدری، جریر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اور تابعین میں سے ابوادریس خولانی، سعید بن مسیّب، خالد بن معدان، ابوصالح سمان، سعید، ہمام بن منبہ رحمہم اللہ اور خلق کثیر نے روایت کی ہے۔ (النابیہ ص۱۱)

علاوہ ازیں ان مرویات سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی دینی فقاہت، علمی وثاقت و منزلت اور شرف فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

1 (بحذف اسناد) ((سمعت النبی ﷺ من یرد اللہ به خیرا یفقه فی الدین وانما

قاسم واللہ یعطی ولن تزال ھذہ الامة قائمة علی امر اللہ لا یضرّھم من خالفھم حتی یاتی امر اللہ)) (صحیح بخاری کتاب العلم باب من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین، صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب النہی عن المسئلہ)

''(حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ) میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عنایت فرماتا ہے۔ اور میں تو تقسیم کرنے والا ہوں اور دیتا تو اللہ ہی ہے۔ (یادرکھو) یہ امت ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گی۔ جو شخص ان کا مخالف ہوگا ان کو نقصان نہ پہنچا سکے گا یہاں تک کہ قیامت آ جائے۔''

۲ ((عن معاویة رضی اللہ عنہ قال انکم لتصلون صلوة لقد صبحنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فما رایناہ یصلیھا ولقد نھی عنھا یعنی الرکعتین بعد العصر))

(صحیح بخاری کتاب المواقیت الصلوٰۃ، باب لاتحری الصلوٰۃ قبل غروب الشمس وباب ذکر معاویہ)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا (اے لوگو!) تم ایک ایسی نماز پڑھتے ہو کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھانے کے باوجود انھیں اسے پڑھتے نہیں دیکھا۔ اور یقیناً آپؐ نے اس سے منع فرمایا یعنی عصر کے بعد دو رکعتیں۔''

۳ ((عیسٰی بن طلحة انه سمع معاویة یوما فقال بمثله الی قوله واشھد ان محمدا رسول اللہ)) (صحیح بخاری کتاب الاذان باب مایقول اذا سمع المنادی)

''عیسیٰ بن طلحہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک دن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ انھوں نے اشہد ان محمد رسول اللہ تک اسی طرح کہا جس طرح موذن نے کہا۔''

۴ ((عن ابی امامة بن سھل بن حنیف قال سمعت معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ وھو جالس علی المنبر اذن الموذن فقال اللہ اکبر اللہ اکبر فقال معاویة اللہ اکبر اللہ اکبر فقال اشھد ان لا الہ الا اللہ فقال معاویه وانا۔ قال اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ قال معاویة وانا۔ فلما انقضی التاذین قال یایھا الناس انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ھذا المجلس حین اذن الموذن ما سمعتم منی من مقالی)) (صحیح بخاری کتاب الجمعہ باب یجیب الامام علی المنبر اذا سمع النداء)

''ابو امامہ بن سہل بن حنیف بیان کرتے ہیں کہ جب موذن نے اذان کہی تو میں نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو منبر پر ہی جواب دیتے ہوئے سنا۔ چنانچہ جب موذن نے اللہ اکبر اللہ اکبر کہا تو میں نے بھی اللہ اکبر اللہ اکبر کہا۔ پھر موذن نے اشہد ان لا الہ الا اللہ کہا تو حضرت معاویہ نے کہا وَاَنَا (یعنی میں نے بھی)۔ پھر موذن نے کہا اشہد ان محمد رسول اللہ، تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا وَاَنَا (یعنی میں نے بھی)۔ جب اذان ختم ہوگئی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس جگہ پر موذن کے اذان

دیتے وقت وہ چیز سنی جو تم نے مجھ کو کہتے ہوئے سنا۔"

5 ((عن ابی الشعثاء انه قال ومن يتقی شیئا من البیت و کان معاویة یستلم الارکان فقال له ابن عباس انه لا نستلم هذین الرکنین فقال له لیس شیء من البیت بمهجور وکان ابن الزبیر یستلمهنّ کلهن)) (صحیح بخاری کتاب المناسک باب من لم یستلم الا الرکنین الیمانیین)

"ابو الشعثاء نے روایت کیا کہ کون ہے جو خانہ کعبہ کی کسی چیز سے پرہیز کرے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رکنوں کو بوسہ دیتے تھے تو ان سے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ہم لوگ ان دونوں چیزوں کو بوسہ نہیں دیتے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ خانہ کعبہ کی کوئی چیز چھوڑنے کی نہیں۔ اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما ان سب کو بوسہ دیتے تھے۔"

6 ((عن حمید بن عبدالرحمن انه سمع معاویة بن ابی سفیان عام حج علی المنبر فتناول قصة من شعر وکانت فی یدی حرسیّ فقال یا اهل المدینة این علماءکم سمعت النبی ﷺ ینهٰی عن مثل هذا ویقول انما هلکت بنو اسرائیل حین اتخذها نسأهم))

(صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب "بلاعنوان" کتاب اللباس باب الوصل فی الشعر)

"حمید بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو جس سال انھوں نے حج کیا منبر پر یہ بیان کرتے ہوئے سنا اور آپ نے (مصنوعی) بالوں کا ایک لچھا پاسبان (محافظ) کے ہاتھ میں سے لے کر فرمایا کہ اے اہل مدینہ! تمھارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے نبی کریم ﷺ کو اس (مصنوعی بالوں کو اپنے بالوں کے ساتھ جوڑنے) سے منع فرماتے ہوئے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ بنی اسرائیل اس وقت ہلاک ہوگئے جب ان کی عورتوں نے اس کو بنایا۔"

7 حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

((قدِم معاویة بن ابی سفیان المدینة اخر قدمة قدمها فخطبنا فاخرج کبّة من شعر فقال ما کنت ارٰی ان احدًا یفعل هذا غیر الیهود وان النبی ﷺ سمّاه الزور یعنی الوصال فی الشعر))

(صحیح بخاری، کتاب الانبیاء باب "بلاعنوان" کتاب اللباس باب الوصل فی الشعر، صحیح مسلم کتاب اللباس والزینہ باب تحریم فصل الواصلہ والمستوصلہ......)

"حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما جب آخری مرتبہ مدینہ منورہ آئے تو ہمارے سامنے خطبہ پڑھا اور ایک مصنوعی بالوں کا گچھا نکالا اور یہ کہا کہ میں نہ سمجھتا تھا کہ بجز یہود کے کوئی ایسا کرتا ہوگا۔ اور یقیناً رسالت مآب ﷺ نے اس کا نام زور رکھا ہے یعنی بالوں میں جوڑ ملانے کو زُور (جھوٹ) فرمایا ہے۔"

8 محمد بن جبیر بن مطعم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

((انه بلغ معاوية وهو عنده في وفد من قريش ان عبدالله بن عمرو ابن عاص يحدث انه سيكون ملك من قحطان فغضب معاوية فقال فاثنٰى على الله بما هو اهله ثم قال اما بعد فانه بلغني ان رجالا منكم يتحدثون احاديث ليست في كتاب الله ولا تؤثر عن رسول الله ﷺ فاولئك جهّالكم فاياكم والاماني التي تضل اهلها فاني سمعت رسول الله ﷺ يقول ان هذا الامر في قريش لا يعاديهم احد الا كبّه الله على وجهه ما اقاموا الدين))

(صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب مناقب قریش)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی (اور اس وقت راوی قریش کی ایک جماعت کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے) کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ قحطان (کے قبیلہ) میں سے کوئی بادشاہ ہوگا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی تعریف کی جیسی کہ اس کے لائق ہے اس کے بعد فرمایا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم میں سے اکثر لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں اور نہ آنحضرت ﷺ سے منقول ہیں۔ یہی لوگ تمھارے جہال ہیں۔ خبردار! تم گمراہ کن خیال پیدا نہ کرو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ خلافت قریش میں ہی رہے گی جب تک وہ دین کو درست رکھیں گے۔ جو شخص بھی ان سے دشمنی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اوندھے منہ گرا دے گا۔''

9 ((عمير بن هاني انه سمع معاوية يقول سمعت النبي ﷺ خلف الصلاة فاملى على المغيرة قال سمعت النبي ﷺ يقول لا يزال من امتي امة قائمة بامر الله لا يضرهم من خذ لهم ولا من خالفهم حتىٰ ياتيهم امر الله وهم على ذلك۔ قال عمير فقال مالك بن يخامر قال معاذ وهم بالشام فقال معاوية هذا مالك انه سمع معاذًا يقول وهم بالشام))

(صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب ''بلاعنوان'' صحیح مسلم، کتاب الامارۃ باب قولہ ﷺ لا تزال طائفة من امتي......)

''عمیر بن ہانی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میری امت کا ایک گروہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر ہمیشہ قائم رہے گا۔ جو کوئی ان کو ذلیل کرے گا یا ان کی مخالفت کرے گا تو وہ ان کو کچھ ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ اور قیامت تک وہ اسی حالت (یعنی احکام الٰہی) پر ثابت قدم رہیں گے۔ عمیر بن ہانی مالک بن یخامر کی وساطت سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ لوگ شام میں ہوں گے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ مالک اس کا دعویٰ کر رہے ہیں کہ انھوں نے معاذ سے سنا کہ وہ لوگ شام میں ہوں گے۔''

10 ((كتب معاوية الى المغيرة اكتب الي ما سمعت النبي ﷺ خلف الصلاة فاملىٰ

علیّ المغیرة قال سمعت النبی ﷺ یقول خلف الصلاة لا اله الا الله وحده لا شریك له اللهم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منك الجد۔ وقال ابن جریج اخبرنی عبده ان ورادا اخبره بهذا ثم وفدت بعد الی معاویة فسمعته یامر الناس بذلك القول)) (صحیح بخاری کتاب القدر، باب لا مانع لما اعطی اللہ، صحیح مسلم باب استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ وبیان صفۃ)

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ آپ مجھے وہ (دعا) لکھ بھیجیں جو آپ نے آنحضرت ﷺ کو نماز کے بعد پڑھتے ہوئے سنا ہے چنانچہ مغیرہ رضی اللہ عنہ نے مجھ (وراد حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے غلام) سے لکھوایا۔ انھوں نے کہا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو نماز کے بعد پڑھتے ہوئے سنا ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، جو ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ یا اللہ جسے تو دے اس کا کوئی روکنے والا نہیں اور جس سے تو روک لے اس کا کوئی دینے والا نہیں اور کوشش کرنے والوں کو کوشش نفع نہیں پہنچائے گی۔ ابن جریج کا بیان ہے کہ مجھ سے عبدہٗ نے بیان کیا کہ مجھ سے یہ وراد نے بیان کیا پھر اس کے بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو میں نے ان کو اس دعا کے پڑھنے کا حکم دیتے ہوئے سنا۔''

[۱۱] ((عن طلحة بن یحییٰ عن عمه قال کنت عند معاویة ابن ابی سفیان فجاءه الموذن یدعوه الی الصلاة فقال معاویة سمعت رسول الله ﷺ الموذنون اطول الناس اعناقا یوم القیٰمة)) (صحیح مسلم، باب فضل الاذان وہرب الشیطان عنہ سماعہ، مسند ابوعوانہ ص۳۳۳)

''طلحہ بن یحییٰ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں انھوں نے کہا کہ میں حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا۔ اتنے میں ان کو موذن نماز کے لیے بلانے آیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اذان کہنے والے قیامت کے دن دوسرے سب لوگوں کے مقابلے میں دراز گردن یعنی سر بلند ہوں گے۔''

[۱۲] ((عن معاویة رضی اللہ عنہ یقول ایاکم واحادیث الا حدیثاً کان فی عهد عمر رضی اللہ عنہ فان عمر کان یخیف الناس فی الله سمعت رسول الله ﷺ وهو یقول من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین و سمعت رسول الله ﷺ یقول انما انا خازن فمن اعطیته عن طیب نفس فمبارك له فیه ومن اعطیته عن مسئلة و شرة کان کالذی یأکل ولا یشبع))
(صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب النہی عن المسئلہ)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ لوگو! تم روایت حدیث کے معاملے میں غایت درجے احتیاط سے کام لو۔ ہاں وہ حدیث بلا جھجک بیان کرو جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں تھی۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے بہت ڈراتے تھے۔ اور میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے

کہ اللہ تعالیٰ جس کی بھلائی چاہتے ہیں اس کو دین کی سمجھ دیتے ہیں اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں تو فقط خازن ہوں۔ جس کو میں اپنی خوشی سے کوئی چیز دیتا ہوں تو وہ اس کے حق میں بہت ہی برکت والی ہے اور جس کو میں مانگنے سے اور اس کے ستانے سے دوں اس کا حال ایسا ہے گویا کھاتا ہے اور پیٹ نہیں بھرتا۔''

۱۳ ((عن معاوية رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لا تلحفوا فی المسئلة فو الله لا يسألنی احد منكم شيئا فتخرج له مسئلته منی شيئا وانا له كاره فيبارك له فيما اعطيته))

(صحیح مسلم کتاب الزکوۃ باب النہی عن المسئلۃ)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مانگنے میں مبالغہ نہ کرو۔ اس لیے کہ اللہ کی قسم! مجھ سے جو مانگتا ہے کوئی چیز تو اس کے مانگنے کے سبب سے وہ چیز نکلتی ہے اور اس حال میں کہ میں اسے دینا برا سمجھتا ہوں تو اس میں برکت کیونکر ہوگی؟''

۱۴ ((عن الشعبی قال حدثنی كاتب المغيرة بن شعبة قال كتب معاوية الى المغيرة بن شعبة رضی اللہ عنہ اكتب الیّ بشیء سمعته من رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فكتب اليه انی سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول ان الله كره لكم ثلاثا قيل و قال واضاعة المال وكثرة السوال))

(صحیح مسلم کتاب الاقضیہ باب النہی عن کثرۃ السوال واضاعۃ المال)

''شعبی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ مجھ سے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے کاتب نے بیان کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو لکھا مجھے ایسی بات لکھو جو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے لکھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ تمھارے لیے تین باتوں کو ناپسند کرتا ہے ایک بے مقصد گفتگو، دوسری بات مال کو ضائع کرنا اور تیسری بات بہت پوچھنا۔''

۱۵ ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا:

((فانی سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول ان الله حرم ثلاثا ونهٰی عن ثلاث حرم عقوق الوالد و واد البنات ولاهات ونهی عن ثلاث قيل و قال و كثرة السوال واضاعة المال))

(صحیح مسلم، کتاب الاقضیہ باب النہی عن کثرۃ السوال واضاعۃ المال)

''میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے تین باتوں کو حرام کیا ہے اور تین باتوں سے منع کیا ہے۔ باپ کی نافرمانی، زندہ لڑکیوں کو درگور کرنا، اور جسے دینا ہے اسے نہ دینے کو حرام کیا ہے۔ اور بے فائدہ باتوں، کثرت سوال اور مال کے ضائع کرنے سے منع کیا ہے۔''

۱۶ ((عن سعيد بن المسيب ان معاوية قال ذات يوم انكم قد احدثتم ذی سوء وان

النبی ﷺ نهٰی عن الزور قال وجاء رجل بعصا علی رأسها خرقه قال معاویة الا وهذا الزور قال قتادة یعنی ما تکثر به النساء اشعارهن من الخرق))

(صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم فعل الواصلہ والمستوصلہ)

''سعید بن میسب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک دن کہا کہ تم لوگوں نے بری بات نکالی ہے۔ بے شک آنحضرت ﷺ نے زور سے منع فرمایا (اتنے میں) ایک آدمی ایک لاٹھی جس کی نوک پر چیتھڑا لگا ہوا تھا لے کر آیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا یہی زُور ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ نے کہا مراد یہ ہے کہ عورتیں چیتھڑے لگا کر اپنے بال بہت کر لیتی ہیں۔''

۱۷ ((عن جریر انه سمع معاویة یخطب فقال مات رسول الله ﷺ وهو ابن ثلاث و ستین وابو بکر و عمر وانا ابن ثلاث و ستین)) (صحیح مسلم، کتاب الفضائل باب قدر عمرہ ﷺ)

''جریر سے روایت ہے انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطبے میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آنحضرت ﷺ نے تریسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے بھی اسی عمر میں۔ اور میں بھی اب تریسٹھ سال کا ہوں (تو مجھے بھی توقع ہے کہ اسی عمر میں میری موت واقع ہو جائے)۔''

۱۸ ((قال البراء وهو غیر کذوب قال کنا اذا صلینا خلف رسول الله ﷺ فرفع راسه من الرکوع لم یحن رجل منا ظهره حتی یسجد رسول الله ﷺ فنسجد قال و فی الباب عن انس و معاویة وابن مسعدة صاحب الجیوش وابی هریرة))

(جامع ترمذی، ابواب الصلوٰۃ باب ما جاء فی کراہیۃ ان یبادر الامام فی الرکوع والسجود)

''حضرت براء رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب ہم آنحضرت ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تو جب آپ اپنا سر مبارک رکوع سے اٹھاتے تو ہم میں سے کوئی آدمی اپنی پیٹھ کو ٹیڑھا نہ کرتا۔ یہاں تک کہ آپ سجدہ کرتے تو ہم بھی سجدہ کرتے اور کہا کہ اس نے اس باب میں حضرت انس اور حضرت معاویہ اور ابن مسعدہ صاحب الجیوش اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے۔''

۱۹ ((کتب معاویة الی عائشة ان اکتبی الی کتابا توصینی فیه ولا تکثری علیّ قال فکتبت عائشة الی معاویة سلام علیك اما بعد فانی سمعت رسول الله ﷺ یقول من التمس رضا الله بسخط الناس کفاه الله مؤنة الناس ومن التمس رضا الناس بسخط الله وکله الی الناس والسلام علیك)) (جامع ترمذی باب صفۃ القیامۃ)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف ایک خط لکھا کہ آپ مجھے خط لکھیں جس میں میرے لیے وصیت ہو اور مختصر مگر جامع ہو بہت زیادہ نہ ہو۔ راوی نے کہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت

ویعا رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا سلام علیک اما بعد! میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو لوگوں کو اپنے سے خفا کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتا ہے تو اللہ اسے لوگوں کی فکر اور سختی سے کافی ہوتا ہے اور جو اللہ کی ناراضی میں لوگوں کی رضا چاہتا ہے تو اللہ اسے لوگوں کے سپرد کر دیتا ہے۔ والسلام علیک۔"

۲۰ ((عن ابی مجلز قال خرج معاویة فقال عبدالله بن زبیر وابن صفوان حین راٰہ فقال اجلسا سمعت رسول الله ﷺ من سره ان یتمثّل له الرجال قیاما فلیتبوأ مقعده من النار)) (جامع ترمذی باب کراہیۃ قیام الرجل للرجل)

"ابی مجلز سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باہر نکلے تو حضرت عبداللہ بن زبیر اور ابن صفوان رضی اللہ عنہما انھیں دیکھ کر کھڑے ہو گئے تو آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس آدمی کو اس بات سے خوشی ہو کہ لوگ اس کی تعظیم میں کھڑے رہیں اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔"

۲۱ ((عن ابی سعید الخدری قال خرج معاویة الی المسجد فقال ما یجلسکم قالوا جلسنا فذکر الله قال آلله ما اجلسکم الا ذاك قالوا والله ما اجلسنا الا ذاك قال اما انی لم استخلفکم تهمة لکم وما کان احد بمنزلتی من رسول الله ﷺ اقل حدیثا عنه منی ان رسول الله ﷺ خرج علٰی حلقة من اصحابه فقال ما یجلسکم قالوا جلسنا فذکر الله ونحمده لما هدانا الاسلام ومنّ علینا به فقال الله ما اجلسکم الا ذاك قالوا والله ما اجلسنا الا ذاك قال اما انّی لم استخلفکم لتهمة لکم انه اتانی جبرائیل واخبرنی ان الله یباهی بکم الملائکة))

(جامع ترمذی، ابواب الدعوات، صحیح مسلم کتاب الذکر والدعا، باب فضل الاجتماع علٰی تلاوۃ القرآن، مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۸)

"حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مسجد کی طرف نکلے۔ پس انھوں نے کہا آپ لوگ یہاں کیوں بیٹھے ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ ہم یہاں اللہ کی یاد کے لیے بیٹھے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم! اسی لیے بیٹھے ہو؟ انھوں نے کہا اللہ کی قسم! ہم اسی لیے بیٹھے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے تم سے اس لیے قسم نہیں لی کہ میں تمھیں جھوٹا سمجھتا تھا۔ (بلکہ محض سنت کے اتباع میں میں نے ایسا کیا ہے) آنحضرت ﷺ کے نزدیک جو میرا مقام تھا اتنے مقام ومرتبہ والا کوئی آدمی اتنی کم حدیثیں بیان کرنے والا نہیں جتنا کہ میں ہوں (احادیث کے بیان میں بڑی احتیاط کرتا ہوں)۔

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ کے حلقے پر نکلے۔ فرمایا آپ کو کس چیز نے یہاں بٹھایا ہے؟ عرض

کیا ہم اللہ کے ذکر کے لیے بیٹھے ہیں۔ ہم اس بات پر اللہ کی حمد وثنا کر رہے ہیں کہ اس نے ہمیں ہدایت دی اور ہم پر بڑا احسان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم! تم اسی لیے بیٹھے ہو؟ انھوں نے کہا اللہ کی قسم! اس کے سوا ہم کسی اور بات کے لیے یہاں نہیں بیٹھے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تمھیں قسم اس وجہ سے نہیں دی کہ میں تمھیں (جھوٹ کی) تہمت لگاتا ہوں لیکن یہ بات ہے کہ میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے تھے انھوں نے مجھے بتلایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ملائکہ میں تم پر فخر کرتا ہے۔"

۲۲ ((عن حميد بن عبدالرحمن انه سمع معاوية بن ابی سفيان يوم عاشوراء عام حج علی المنبر يقول يا اهل المدينة! اين علماءكم سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول هذا يوم عاشوراء ولم يكتب الله عليكم صيامه وانا صائم فمن شاء فليصم ومن شاء فليفطر))

(صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب صیام یوم عاشوراء ج ۱ ص ۲۶۸)

"حمید بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ انھوں نے حج کے سال عاشوراء کے دن منبر پر حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو فرماتے ہوئے سنا کہ اے اہل مدینہ! تمھارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا کہ یہ عاشوراء کا دن ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کا روزہ تم پر فرض تو نہیں کیا تاہم میں روزہ سے ہوں پس جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔"

۲۳ ((عن معاوية بن ابی سفيان عن النبی صلى الله عليه وسلم فی ليلة القدر ليلة سبع و عشرين))

(سنن ابی داود جلد اول، باب من قال سبع وعشرون)

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لیلۃ القدر کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا وہ ستائیسویں رات ہے۔"

۲۴ ((عن معاوية قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا تنقطع الهجرة حتّٰى تنقطع التوبة لا تنقطع التوبة حتی تطلع الشمس من مغربها)) (سنن ابی داود جلد سوم باب الہجرۃ ہل انقطعت)

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہجرت ختم نہ ہوگی جب تک توبہ ختم نہ ہو اور توبہ ختم نہ ہوگی جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۔"

۲۵ ((عن معاوية ان النبی صلى الله عليه وسلم نهٰی عن الاغلوطات))

(سنن ابی داود، جلد سوم باب التوقی فی الفتیا)

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مبہم اور الجھی ہوئی باتوں سے منع فرمایا ہے۔"

۲۶ ((عن معاوية بن ابی سفيان ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهی عن ركوب النمار وعن لبس

الذهب الا مقطعا)) (سنن ابی داود، جلد رابع باب ما جاء فی الذھب للنساء)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں چیتوں کی کھالوں پر بیٹھنے اور سونا پہننے سے منع فرمایا مگر تھوڑا سا۔''

۲۷ ((عن محمد بن یوسف مولی عثمان عن ابیه یوسف ان معاویة صلی امامهم فقام فی الصلوة وعلیه جلوس فسبح الناس فتم علی قیامه ثم سجد سجدتین وهو جالس بعد ان اتم الصلوة ثم قعد علی المنبر فقال انی سمعت رسول الله ﷺ یقول من نسی شیئا من صلاته فلیسجد مثل هاتین السجدین))

(سنن نسائی، کتاب الافتتاح باب ما یفعل من نسی شیئا من صلاته)

''محمد بن یوسف مولیٰ عثمان اپنے والد یوسف سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی تو نماز میں بیٹھنے کے بجائے کھڑے ہو گئے۔ لوگوں نے تسبیح کہی۔ پس انھوں نے قیام پورا کیا پھر انھوں نے بیٹھ کر دو سجدے کیے۔ نماز کے اتمام کے بعد پھر منبر پر بیٹھے۔ کہا میں نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جو اپنی نماز میں (واجبات میں سے) کچھ بھول جائے تو وہ ان دو سجدوں کی طرح سجدے کرے۔''

۲۸ ((عن معاویة بن ابی سفیان ان رسول الله ﷺ قال ان الرجل یسألنی الشیء فامنعه حتی تشفعوا فیه فتوجروا۔ وان رسول الله ﷺ قال اشفعوا توجروا))

(سنن نسائی، کتاب الزکوۃ باب الشفاعۃ فی الصدقہ)

''حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک ایک آدمی مجھ سے کسی چیز کا سوال کرتا ہے تو میں اسے روکتا ہوں یہاں تک کہ تم اس کے متعلق سفارش کرتے ہو تو تم اجر کے مستحق ہوتے ہو۔ اور آپ نے فرمایا سفارش کرو اجر دیے جاؤ گے۔''

۲۹ ((عن معاویة سمعت رسول الله ﷺ یقول کل ذنب عسی الله ان یغفره الا الرجل یقتل المومن متعمدا او الرجل بموت کافرا)) (سنن نسائی کتاب المحاربہ، تحریم الدم)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر گناہ معاف فرما دیں گے بجز اس کے جو حالت کفر پر مر جائے یا جان بوجھ کر مسلمان کو قتل کر دے۔''

۳۰ ((عن خالد قال وفد المقدام بن معدی کرب علی معاویة فقال انشدك بالله هل تعلم ان رسول الله ﷺ نهی عن لبوس جلود السباع والرکوب علیها قال نعم)) (سنن نسائی

بلد دوم کتاب الفرع والعتیرہ باب النہی عن الانتفاع بجلود السباع)

''خالد کہتے ہیں کہ حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور انھوں نے ان سے کہا میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درندوں کے چمڑے پہننے سے اور ان پر سوار ہونے سے منع فرمایا۔ جواب دیا ہاں۔''

۳۱ ((حج معاویة فدعا نفرا من الانصار فی الکعبة فقال انشدکم بالله الم تسمعوا رسول الله ﷺ نهی عن الذهب قالوا نعم قال وانا اشهد))

(سنن نسائی کتاب الزینہ من السنن الفطرة باب تحریم الذہب علی الرجال)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ حج کیا تو کعبہ میں انصار میں سے چند حضرات کو بلایا اور فرمایا کہ میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سونے کی ممانعت کے متعلق کچھ نہیں سنا؟ انھوں نے کہا ہاں۔ فرمایا میں بھی اس کا گواہ ہوں۔''

۳۲ ((اخبرنا ابوشیخ الهنائی قال سمعت معاویة وحوله ناس من المهاجرین والانصار فقال لهم اتعلمون ان رسول الله ﷺ نهٰی عن لبس الحریر قالوا اللهم نعم......)) (سنن نسائی کتاب الزینہ من السنن الفطرة باب تحریم الذہب علی الرجال)

''ابوشیخ ہنائی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے سنا اور ان کے پاس مہاجرین و انصار میں سے کچھ حضرات موجود تھے۔ انھوں نے ان سے کہا کیا آپ جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پہننے سے منع فرمایا؟ سب نے جواب دیا بے شک منع فرمایا ہے۔''

۳۳ ((عن معاویة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ لا ترکبوا الخز ولا النمار))

(مسند احمد بن حنبل ج۴ ص۹۳ تحت حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ریشم اور چیتے کے چمڑے کی زین پر سوار نہ ہو۔''

۳۴ ((عن معاویة قال سمعت رسول الله ﷺ یقول من شرب الخمر فاجلدوه فان عاد فاجلدوه فان عاد فاجلدوه فان عاد الرابعة فاقتلوه))

(مسند احمد بن حنبل ج۴ ص۹۳ تحت حدیث معاویہ)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، جو شراب پیے اسے کوڑے لگاؤ، پھر پیے تو پھر لگاؤ، پھر پیے تو پھر لگاؤ اور اگر چوتھی مرتبہ پیے تو قتل کردو۔''

۳۵ ((عن معاویة قال سمعت رسول الله ﷺ یقول انك اذا تبعت عورات الناس

افسدتهم)) (رواہ البیہقی فی شعب الایمان، مشکوۃ ص۳۲۲)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا اگر تم لوگوں کے جرائم کی ٹوہ میں رہے تو تم انھیں برباد کردو گے۔''

۳۶ ((عن معاوية قال قال رسول الله ﷺ يا معاوية ان وُلّيت امرًا فاتق الله واعدل قال فما زلت اظن انی مبتلی بعمل لقول النبی ﷺ حتی ابتليت)) (مشکوۃ ص۳۲۳)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے معاویہ! اگر تم کو حاکم مقرر کیا جائے تو خوف الٰہی اور عدل وانصاف کو اپنا شعار بنانا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے مجھے برابر یہ خیال رہا کہ میں اس کام میں مبتلا کیا جاؤں گا یہاں تک کہ میں اس کام میں (منجانب اللہ) مبتلا کیا گیا۔''

۳۷ ((عن معاوية سمعت رسول الله ﷺ يقول اللهم من لعنت فی الجاهلية ثم دخل فی الاسلام فاجعل ذلك قربة له اليك))

(رواہ الطبرانی کما فی الخصائص ص۲۴۴ ج۲ بحوالہ ترجمان السنہ ج۳ ص۴۳۵)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ الٰہی! جس کسی پر دورِ جاہلیت میں میں نے لعنت کی ہو پھر وہ اسلام قبول کر چکا ہو تو اس کو اس کے حق میں اپنے دربار میں تقرب کا سبب بنا دینا۔''

۳۸ ((عن معاوية رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول الله ﷺ يقول من احب الانصار احبه الله عزوجل و من ابغض الانصار ابغضه الله عزوجل)) (مسند احمد ج۴ ص۹۶، تحت حدیث معاویہ)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے انصار سے محبت کی اللہ اس سے محبت کرتے ہیں اور جس نے انصار سے بغض کیا اللہ اس سے بغض کرتے ہیں۔''

۳۹ ((عن علقمة بن وقاص قال انی لعند معاوية اذ اذّن مؤذنه فقال معاوية كما قال المؤذن حتی اذا قال حی علی الصلاة قال لا حول ولا قوة الا بالله فلما قال حی علی الفلاح قال لا حول ولا قوة الا بالله وبعد ذلك قال ما قال المؤذن ثم قال سمعت رسول الله ﷺ قال ذٰلك)) (مسند احمد ج۴ ص۹۲ تحت حدیث معاویہ)

''علقمہ بن وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا جب موذن نے اذان کہی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی موذن کے الفاظ دہرائے جب اس نے حی علی الصلوٰۃ کہا تو آپ نے لاحول ولا

قوۃ الا باللہ کہا۔ پھر جب اس نے حی علی الفلاح کہا تو آپ نے لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہا۔ اس کے بعد وہی کلمات کہے جو موذن نے کہے تھے۔ پھر کہا کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی فرماتے ہوئے سنا ہے۔"

۴۰ ((واخرج ابوداوٗد ان معاویة توضأ للناس کما رای رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یتوضأ فلما بلغ رأسه غرف غرفة من ماء فتلقاها بشماله حتی وضعها علی وسط راسه حتی قطر الماء او کاد یقطر ثم مسح من مقدمه الی موخره ومن موخره الی مقدمه))

(الناہیہ عن طعن معاویہ ص ۲۰ مسند احمد ج ۴ ص ۹۴)

"ابوداود میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو وضو کر کے دکھایا جیسا کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا تھا۔ جب سر کے مسح کو پہنچے تو پانی کا چلو لے کر بائیں ہاتھ پر ڈالا۔ یہاں تک کہ اسے سر کے درمیان رکھا۔ جس سے پانی ٹپک پڑا یا قریب تھا کہ ٹپک پڑے۔ پھر آگے سے پیچھے تک اور پیچھے سے آگے تک سر کا مسح کیا۔"

۴۱ ((واخرج الطبرانی عنه مرفوعا ان الله جعل الحق علی لسان عمر وقلبه))

(الجامع الصغیر مع الفیض القدیر جلد ۲ ص ۲۲۰۔ الناہیہ عن طعن امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ ص ۲۰)

"طبرانی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد نبوی نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حق عمر (رضی اللہ عنہ) کی زبان اور دل میں رکھ دیا ہے۔"

۴۲ ((واخرج احمد وابوداود والحاکم عن معاویة مرفوعاً ان اهل الکتاب تفرقوا فی دینهم علی ثنتین وسبعین ملة وتفترق هذه الامة علی ثلاث و سبعین کلها فی النار الا واحدة وهی الجماعة ویخرج من امتی قوم تتجاریٰ بهم تلك الاهواء کما تتجاری الکلب بصاحبه فلا یبقی منهم عرق ولا مفصل الا دخله))

(الناہیہ عن طعن معاویہ ص ۱۸ مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ص ۳۰)

"امام احمد، ابوداود اور حاکم رحمہ اللہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل کتاب اپنے دین میں بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹے اور یہ امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹے گی۔ اور وہ سب ناری (دوزخی) ہوں گے سوائے ایک فرقے کے اور وہ "الجماعت" ہے۔ اور میری امت سے کچھ لوگ نکلیں گے جن میں خواہشات اور غلط نظریات اس طرح سرایت کر جائیں گے جیسے باؤلے کتے کا زہر کسی شخص میں سرایت کر جاتا ہے کہ اس کا کوئی رگ و ریشہ اور کوئی جوڑ ایسا نہیں رہتا جس میں وہ سرایت نہ کر جائے۔"

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ کی نگاہ میں

گزشتہ صفحات میں ان احادیث کا ذکر کیا گیا ہے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔ اب وہ روایات ملاحظہ فرمائیں جن میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت ومنقبت بیان ہوئی ہے:

① ((عن عبدالرحمن بن ابی عمیرة عن النبی ﷺ انه قال لمعاویة اللهم اجعله هادیا مهدیا واهد به)) (جامع ترمذی کتاب المناقب باب مناقب معاویہ بن ابی سفیان)

''حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ارشاد فرمایا کہ اے اللہ! انھیں ہادی ومہدی بنا اور ان کے ذریعے سے دوسروں کو ہدایت کر۔''

② ((عن عمیر بن سعد قال لا تذکروا معاویة الا بخیر فانی سمعت رسول الله ﷺ یقول اللهم اهده)) (جامع ترمذی)

''حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر خیر وخوبی کے ساتھ ہی کریں کیونکہ میں نے آنحضرت ﷺ کو ان کے حق میں فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اے اللہ! انھیں ہدایت عطا فرما۔''

③ ((عن عبدالرحمن بن ابی عمیرة ان رسول الله ﷺ قال لمعاویة اللهم علمه الکتاب والحساب وقه العذاب)) (کنز العمال ج ۷ ص ۸۷، البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۲۰)

''حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے فرمایا کہ اے اللہ! انھیں کتاب اور حساب کا علم سکھا اور عذاب سے محفوظ رکھ۔''

④ ((اللهم علمه الکتاب ومکن له فی البلاد وقه العذاب)) (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۲۱)

''حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یوں فرماتے ہوئے سنا کہ اے اللہ! انھیں ''الکتاب'' کا علم سکھا اور شہروں پر تسلط عطا کر اور انھیں عذاب جہنم سے محفوظ رکھ۔''

⑤ ((انه ﷺ دعا لمعاویة فقال اللهم علمه الکتاب والحساب ومکن له فی البلاد وقه سوء العذاب)) (تطہیر الجنان ص ۱۶)

''حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ارشاد فرمایا اے اللہ! انھیں کتاب وحساب سکھا اور شہروں میں حکومت عطا کر اور برے عذاب سے بچا۔''

⑥ ((کان معاویة ردف النبی ﷺ فقال یا معاویة ما یلینی منك قال بطنی قال اللهم اَمِلأهٗ علما وحلما)) (التاریخ الکبیر، امام بخاریؒ ج ۴ ص ۱۸۰)

''ایک دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ پیچھے سوار ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا اے معاویہ! تمھارے جسم کا کون سا حصہ میرے نزدیک ہے تو انھوں نے کہا میرا پیٹ۔ اس پر آپ نے فرمایا اے اللہ! اسے علم اور بردباری سے بھر دے۔''

⑦ امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی باری کے دن کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دیکھو یہ کون ہے؟ عرض کیا معاویہ ہیں۔ فرمایا انھیں اندر آنے کی اجازت دے دو۔ تو وہ اس شان سے اندر آئے کہ ان کے کانوں پر قلم رکھا ہوا تھا جس سے وہ لکھتے تھے۔ آپ نے پوچھا اے معاویہ! تیرے کانوں پر یہ قلم کیسا ہے؟ عرض کیا یہ قلم میں نے اللہ اور اس کے رسول کے لیے تیار رکھا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ تمھیں تمھارے نبی کی طرف سے بہتر بدلہ عطا کرے۔ اللہ کی قسم! میں نے تجھے وحی الٰہی کے تحت ہی کاتب مقرر کیا ہے اور میں کوئی چھوٹا بڑا کام اللہ کی وحی کے بغیر نہیں کرتا۔ اگر اللہ تجھے خلافت کی قمیص پہنائے تو تیری کیا رائے ہے؟ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کھڑی ہوئیں اور آپ کے سامنے جا بیٹھیں اور کہنے لگی یا رسول اللہ! کیا اللہ انھیں قمیص پہنائے گا؟ فرمایا ہاں لیکن اس میں تکالیف ہیں۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا پھر ان کے لیے دعا فرمائیں تو آپ نے فرمایا:

((اللهم اهده بالهدٰی وجنّبه الردی واغفر له فی الاخرة والاولی))

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۲۰)

''اے اللہ! معاویہ کو ہدایت دے اور انھیں مصیبت سے بچا اور دنیا و آخرت میں ان کی مغفرت فرما۔''

⑧ ((عن ابن عباس قال جاء جبرئیل الی النبی ﷺ فقال یا محمد استوص بمعاویة فانه امین علٰی کتاب الله ونعم الامین هو)) (تطہیر الجنان ص ۱۳)

''ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جبرائیل امین علیہ السلام آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اے محمد! معاویہ کو وصیت کیجیے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے امین ہیں اور بہت اچھے امین ہیں۔''

⑨ ((......وصاحب سری معاویة بن ابی سفیان فمن احبهم فقد نجا ومن ابغضهم فقد هلك)) (تطہیر الجنان ص ۱۳)

''حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا اور میرا راز دان معاویہ بن ابی سفیان ہے۔ پس جس نے ان سے محبت کی اس نے نجات پائی اور جس نے ان سے بغض رکھا وہ ہلاک ہوا۔''

⑩ ((......ومعاویة بن ابی سفیان احلم امتی واجودها)) (تطہیر الجنان ص۱۲)

''اور معاویہ بن ابی سفیان میری امت میں سے سب سے زیادہ بردبار اور سخی ہیں۔''

⑪ آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ اپنی زوجہ مطہرہ سیدہ ام حبیبہ ؓ کے ہاں تشریف لے گئے اور حضرت معاویہ ؓ کا سر ان کی گود میں تھا اور وہ اسے چوم رہی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم ان سے محبت کرتی ہو؟ جواب دیا کہ یہ میرے بھائی ہیں ان سے کیوں محبت نہ کروں؟ پس آپ نے ارشاد فرمایا:

((فان الله ورسوله یحبانه))

''کہ بے شک اللہ اور اس کا رسول دونوں اس سے محبت کرتے ہیں۔'' (تطہیر الجنان ص۱۴)

⑫ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اول جیش من امتی یغزون البحر قد اوجبوا قالت ام حرام قلت یا رسول الله ﷺ انا فیهم قال انت فیهم)) (صحیح بخاری کتاب الجہاد باب ما قیل فی قتال الروم)

''کہ میری امت کا سب سے پہلا لشکر جو بحری جہاد کرے گا اس کے لیے جنت واجب ہوگی۔ سیدہ ام حرام نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا میں بھی اس لشکر میں شامل ہوں؟ آپ نے فرمایا تو بھی اس میں شامل ہے۔''

باتفاق محدثین ومورخین اس لشکر کے قائد حضرت معاویہ ؓ تھے۔

⑬ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((یبعث الله معاویة یوم القیامة وعلیه رداء من نور الایمان)) (کنز العمال ج۶ ص۱۹)

''کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حضرت معاویہ ؓ کو اس حال میں اٹھائیں گے کہ ان پر نور ایمان کی چادر ہوگی۔''

⑭ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ:

((ادعوا معاویة احضروه امرکم فانه قوی امین)) (مجمع الزوائد ج۹ ص۳۵۶)

''معاویہ کو بلاؤ اور اپنا معاملہ ان کے سامنے پیش کرو کیونکہ وہ قوی اور امین ہیں۔''

⑮ ((انه ﷺ بشره بالخلافة...... ما زلت اطمع فی الخلافة منذ قال رسول الله ﷺ اذا ملکت فاحسن)) (تطہیر الجنان ص۱۵)

''آنحضرت ﷺ نے حضرت معاویہ ؓ کو خلافت کی خوشخبری دی تھی...... حضرت معاویہ ؓ کہتے

ہیں کہ مجھے اس وقت خلافت کے ملنے کی امید لگ گئی جب آپ نے فرمایا کہ جب تجھے حکومت مل جائے تو احسان کرنا۔"

⑯ ((عن معاویۃ رضی اللہ عنہ قال نظر الیّ رسول اللہ ﷺ فقال یا معاویۃ ان ولّیت امرا فاتق اللہ واعدل)) (ایضاً ص۱۵)

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا اے معاویہ! اگر تو والی امر ہو جائے تو اللہ سے ڈرنا اور انصاف کرنا۔"

⑰ ((عن معاویۃ انہ ﷺ قال لاصحابہ توضّوا فلما توضوا نظر الیّ فقال یا معاویۃ ان ولیت امرا فاتق اللہ واعدل وفی روایۃ للطبرانی فی الاوسط فاقبل من محسنھم واعف عن مسیئھم)) (ایضاً ص۱۵)

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو وضو کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ وضو کر چکے تو آپ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ اے معاویہ! جب تو والی امر ہو جائے تو تقویٰ اور عدل اختیار کرنا۔ طبرانی میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ احسان کرنے والوں کا استقبال کرنا اور برائی کرنے والوں سے درگزر کرنا۔"

⑱ ((ان معاویۃ اخذ اَلِاداوَۃ...... و سار معاویۃ بھا مع النبی ﷺ فبینما ھو یوضئ رسول اللہ ﷺ رفع راسہ الیہ مرۃ او مرتین وھو یتوضأ فقال یا معاویۃ ان ولیت امرا فاتق اللہ واعدل)) (ایضاً ص۱۵)

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوٹا پکڑا...... اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ چلے۔ آپ وضو فرما رہے تھے کہ اس دوران میں سر اٹھا کر ایک یا دو مرتبہ ان کی طرف دیکھا تو فرمایا اے معاویہ! اگر تمھیں حکومت مل جائے تو اللہ سے ڈرنا اور عدل کرنا۔"

⑲ ((عن الحسن بن علی قال سمعت علیا یقول سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لا تذھب الایام واللیالی حتی یملک معاویۃ)) (ازالۃ الخفا مترجم ج۴ ص۵۱۷)

"حضرت حسن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ چند دن اور راتیں نہیں گزریں گی تا آنکہ معاویہ والی امر ہو جائیں گے۔"

⑳ ((اخرج ابن عساکر عن عروۃ بن رویم قال جاء اعرابی الی النبی ﷺ فقال صارعنی فقال لہ معاویۃ اصارعك فقال النبی ﷺ لن یغلب معاویۃ ابدا فصرع الاعرابی فلما کان یوم صفین قال علیّ لو ذکرت ھذا الحدیث ما قاتلت معاویۃ)) (ازالۃ الخفا مترجم ج۴ ص۵۱۸)

''ابن عساکر نے روایت کی عروہ بن رویم سے، کہا کہ ایک اعرابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ مجھ سے کشتی لڑو۔ تو اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں تجھ سے کشتی لڑتا ہوں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معاویہ کبھی مغلوب نہ ہوں گے۔ چنانچہ انھوں نے اعرابی کو پچھاڑ دیا۔ یوم صفین کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عروہ سے کہا اگر یہ حدیث تو پہلے مجھ سے ذکر کر دیتا تو میں معاویہ سے جنگ نہ کرتا۔''

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نگاہ میں

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اوصاف وکمالات کے معترف تھے۔ یہ ایک نا قابل تردید حقیقت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے کارناموں کا آغاز نمایاں طور پر عہد صدیقی میں ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کی انھی صفات کے پیش نظر آپ کو فوج کے ایک حصہ کی قیادت سونپ کر شام کی طرف روانہ کیا تھا۔ اگر آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں اس منصب کے اہل نہ ہوتے تو وہ کبھی آپ کو اہم ذمہ داری نہ سونپتے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے لوگو! تم میرے بعد آپس میں فرقہ بندی سے بچو اور اگر تم نے ایسا کیا تو سمجھ رکھو کہ معاویہ شام میں موجود ہیں۔ (الاصابہ ج ۳ ص ۴۳۴)

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ صوبہ شام کے دورے پر تشریف لے گئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بڑی شان و شوکت اور جاہ وجلال کے ساتھ ان کا استقبال کیا تو آپ نے فرمایا اے معاویہ! یہ مظاہرہ کیسا ہے؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ہم ایسے ملک میں رہتے ہیں جہاں دشمن کے جاسوس بہت ہیں۔ یہاں کے حالات کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اسلام اور مسلمانوں کے وقار کو قائم رکھنے کے لیے ظاہری شان وشوکت سے رہیں اور ہر شخص کو جلدی باریاب کر کے جری اور گستاخ نہ ہونے دیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو اس مظاہرے کو جاری رکھوں۔ اگر منع فرمائیں تو بند کر دوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے معاویہ! میں تم سے جو بات پوچھتا ہوں اس میں تم الٹا مجھ کو الجھا دیتے ہو۔ اگر تم سچ کہہ رہے ہو تو یہ ایک عقل مند کی رائے ہے اور اگر یہ بات غلط ہے تو پھر ایک چال ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا تو پھر آپ ہی کوئی قطعی حکم ارشاد فرمائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس بارے میں نہ تمھیں کوئی حکم دیتا ہوں اور نہ روکتا ہوں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جو اس وقت وہاں موجود تھے فرمایا کہ اے معاویہ! جس بات میں خلیفہ نے آپ کو پھنسانا چاہا تھا اس سے آپ بڑی خوبی کے ساتھ نکل گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کی

انھی صلاحیتوں کی وجہ سے تو ہم نے اتنی بڑی ذمہ داری انھیں سونپ رکھی ہے۔ (البدایہ ج ۸ ص ۱۲۵)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ عالی رائے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلاحیت و قابلیت کے لیے بڑی سند ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود تدبیر و سیاست میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ مگر وہ بھی ان کے متعلق فرماتے تھے کہ معاویہ جیسے سراپا عقل و دانش کی موجودگی میں تمھیں قیصر و کسریٰ کے تذکرہ کی کیا ضرورت ہے؟

(الکامل، ابن اثیر ج ۳ ص ۲۶۲)

ایک دفعہ کسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی برائی بیان کی تو آپ نے فرمایا جانے بھی دو، وہ قریش کے جواں مرد اور سردار قریش کے بیٹے ہیں۔ وہ غصے میں بھی ہنس دیتے ہیں اور جو کچھ ان کے پاس ہے وہ ان کی رضا مندی کے بغیر نہیں لیا جا سکتا۔ اور ان کے سر پر کی چیز حاصل کرنے کے لیے ان کے قدموں پر جھکنا پڑتا ہے۔ (الاستیعاب مع الاصابہ ج ۳ ص ۳۹۷، طبع بیروت)

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ

امام مظلوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں تدبیر و سیاست اور جوہر و استعداد دیکھ کر نہ صرف دمشق کی امارت پر بحال رکھا بلکہ شام کے سب مفتوحہ علاقے آپ کی تحویل میں دے کر پورے صوبہ شام کا والی بنا دیا اور آپ اس اہم اور زرخیز صوبے پر کامیابی کے ساتھ فرمانروائی کرنے لگے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معصوم تھے۔ انھوں نے مجھے والی بنایا اور اپنے کام میں داخل کیا۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے انھوں نے بھی مجھے والی مقرر کیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے انھوں نے بھی مجھے والی مقرر کیا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے انھوں نے بھی مجھے حاکم بنایا۔ پس میں ان میں سے جس کے لیے والی بنا اور جس نے بھی مجھے والی بنایا "الا وھو راضٍ عنی" وہ سب مجھ سے راضی رہے (کسی کو کوئی شکایت نہیں ہوئی)۔ (تاریخ ابن جریر طبری ج ۵ ص ۸۷، تحت ۳۳ ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے۔ اور آپ کا پورا دور یہودی اور سبائی سازش سے مسلسل خانہ جنگیوں کی نذر ہو گیا۔ جنگ جمل اور صفین جیسی خونریز لڑائیاں ہوئیں امت کا اس پر اجماع ہے کہ دونوں طرف کے بزرگوں کا احترام اور تعظیم ضروری ہے اور کسی کو بھی برا کہنا ناجائز اور حرام ہے کیونکہ فریقین میں اختلاف قاتلین عثمان سے قصاص لینے کے بارے میں ہوا اور دونوں جانب اختلاف کا منشاء دین ہی تھا۔ اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تمام شہریوں کی طرف ایک گشتی مراسلہ جاری کیا کہ مسلمانو ہمارے اور اہل شام کے درمیان جو جنگ ہوئی اس سے کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو۔ ہمارا رب ایک ہے،

نبی ایک ہے، دعوت اسلامی ایک ہے۔ ہم شامیوں کے مقابلے میں اللہ و رسول پر ایمان و یقین میں زیادہ نہیں، اور نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں۔ اختلاف صرف قتل عثمان میں ہے اور ہم اس سے بری ہیں۔

(نہج البلاغہ ج۲ ص۱۱۴)

جنگ جمل اور صفین کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو فریق مخالف کے حق میں غلط باتیں کہتے ہوئے سنا تو آپ نے فرمایا ان کے بارے میں بھلائی کے سوا کچھ نہ کہو۔ ان لوگوں نے سمجھا ہے کہ ہم نے ان کے خلاف بغاوت کی ہے اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ انھوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔ اس لیے ہم ان سے قتال کر رہے ہیں۔ (تاریخ ابن عساکر ج۱ ص۳۲۹)

جنگ صفین کے سلسلے میں جو لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق زبان درازی کرتے تھے تو آپ انھیں اس سے روک دیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ امارت معاویہ کو بھی برا نہ سمجھو کیونکہ وہ جس وقت نہ ہوں گے تو تم سروں کو گردنوں سے اڑتے ہوئے دیکھو گے۔ (البدایہ والنہایہ ج۸ ص۱۳۱)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ

زید بن وہب جہنی سے روایت ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بیعت معاویہ کے سلسلے میں طعنے دیے گئے۔ میں آپ کے پاس آیا آپ کو اس وقت قدرے تکلیف تھی۔ پس میں نے عرض کیا اے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند! لوگ حیران ہیں آپ نے یہ کیا کیا کہ معاویہ سے بیعت کر لی؟ آپ نے فرمایا اللہ کی قسم! بلاشبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میرے لیے ان شیعوں سے بہتر ہیں جو میری محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ (احتجاج طبرسی)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا تھا کہ رات دن کی گردش ختم نہ ہوگی کہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) حاکم بن جائیں گے۔ (ازالۃ الخفا مترجم ج۱ ص۵۷۳)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ

شیعہ مورخ احمد بن ابی داود لکھتا ہے کہ:

”حجر بن عدی حضرت حسن کو سخت ملامت کرنے کے بعد باہر نکلے اور عبیدہ بن عمرو کے ساتھ حضرت حسین کے پاس آئے۔ تھوڑا لیا اور کثیر کھو دیا۔ آج ہماری سن لیجیے پھر ساری زندگی ہماری کوئی بات نہ مانئے۔ امام حسن کو چھوڑ دو اور ان کی طے کردہ صلح توڑ دو۔ کوفہ وغیرہ کے اپنے تمام شیعوں کو جمع کیجیے اور اس مقدمہ میں مجھے اور میرے اس ساتھی کو ولی مقرر کر دیجیے۔ ابن ہند معاویہ کو اس کا اس وقت علم ہو جب ہم اس کے دروازوں کو تلواروں سے کھٹکھٹا رہے ہوں۔ یہ سن کر حضرت حسین نے فرمایا:

((انا قد بایعنا وعاھدنا ولا سبیل الی نقض بیعتنا))

”ہم تحقیق بیعت کر چکے ہیں اور باہمی عہد کر چکے ہیں لہٰذا ہمارے اس بیعت توڑنے کا کوئی راستہ نہیں

ہے۔" (الاخبار الطوال ص ۲۲۰)

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا یقیناً ان کی صلاحیت وقابلیت پر دلالت کرتا ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے بھائی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ ان دونوں کی بہت عزت کرتے۔ مرحبا کہتے اور گراں قدر عطیات سے نوازتے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کے آزاد کردہ غلام کریب نے کہا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وتر کی تین رکعات کے بجائے ایک رکعت پڑھی ہے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ اے بیٹے! جو کچھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کیا صحیح ہے کیونکہ "لیس احد منا اعلم من معاویة" ہم میں سے معاویہ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں۔ اور صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ آپ نے جواب میں فرمایا "دعه فانه قد صحب رسول الله ﷺ...... قال اصاب انه فقیه" کہ ان کی بات کو رہنے دیجیے کیونکہ انھوں نے آنحضرت ﷺ کی صحبت کا شرف اٹھایا ہے۔ انھوں نے درست عمل کیا ہے۔ اس لیے کہ وہ دینی مسائل میں فقیہ ہیں۔ (بیہقی ج ۳ ص ۲۶ باب الوتر، صحیح بخاری باب ذکر معاویہ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی انتظامی صلاحیت کے بارے میں فرمایا "ما رایت للملك اعلیٰ من معاویة" (تطہیر الجنان ص ۲۴) اور ابن کثیر رحمہ اللہ کے مطابق "ما رایت اخلق للملك من معاویة" کہ میں نے حکمرانی کے لائق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی آدمی نہیں دیکھا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۳۵)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: "ما رایت احدا بعد رسول الله ﷺ اسود من معاویة" میں نے معاویہ سے بڑھ کر سرداری کے لائق کسی کو نہیں پایا۔ ان سے کہا گیا کہ خلفائے اربعہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ تو اس کے جواب میں فرمایا "کانوا والله خیرا من معاویة وکان معاویة اسود منهم" اللہ کی قسم! یہ لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر تھے لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں سرداری ان کی نسبت زیادہ تھی۔ (الاستیعاب مع الاصابہ ج ۳ ص ۳۹۷)

حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ

یہ حمص کے گورنر تھے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں گورنری سے معزول کر کے ان کی جگہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو گورنر مقرر کر دیا تو لوگ کہنے لگے کہ عمیر کو ہٹا کر معاویہ کو والی بنا دیا، اور انھیں سخت سست کہا تو حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ "لا تذکروا معاویة الا بخیر فانی سمعت رسول الله

ﷺ يقول اللهم اهد به" کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ خیر وخوبی کے بغیر مت کیا کرو۔ کیونکہ میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اے اللہ! ان کے ذریعے سے ہدایت عطا فرما۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے ماموں اور یکے از عشرہ مبشرہ ہیں۔ یہ جنگ صفین میں غیر جانب دار تھے۔ انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے منصفانہ کردار کو اس طرح بیان کیا ہے کہ:

((ما رايت احد بعد عثمان اقضى بحق من صاحب هذا الباب يعنى معاوية))

''میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ حق کو پورا کرنے والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔'' (البدایہ والنہایہ ج۸ ص۱۳۳)

حضرت قبیصہ بن جابر رضی اللہ عنہ

حضرت قبیصہ بن جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ میں نے کوئی آدمی ایسا نہیں دیکھا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر بردبار، ان سے بڑھ کر سیاست کے لائق، ان سے زیادہ باوقار، ان سے زیادہ نرم دل اور نیکی کے معاملے میں ان سے زیادہ کشادہ دوست ہو۔ (البدایہ والنہایہ ج۸ ص۱۳۵)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

((ما رايت احدا بعد رسول الله ﷺ اشبه صلاة برسول الله ﷺ من اميركم هذا يعنى معاوية)) (تطہیر الجنان ص۲۴)

''میں نے حضور نبی کریم ﷺ کے بعد آپ سے زیادہ مشابہت رکھنے والی نماز پڑھنے والا تمھارے امیر یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی نہیں دیکھا۔''

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تابعین کرام اور صلحائے امت کی نگاہ میں

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ

ابراہیم بن میسرہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

((ان عمر بن عبدالعزیز ما جلد سوطا فی خلافته الا رجلا شتم معاویة عنده فجلده ثلاث اسواط))

''عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے دور خلافت میں کسی کو خود کوڑے نہیں لگائے مگر ایک شخص کو جس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر زبان درازی کی تھی اسے تین کوڑے لگائے۔'' (الاستیعاب مع الاصابہ ج ۳ ص ۴۰۳)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یہ روایت بالفاظ ذیل نقل کی ہے کہ:

((قال ابراهیم بن میسرة ما رایت عمر بن عبدالعزیز ضرب انسانا قط الا رجلا شتم معاویة فضربه اسواطا)) (الصارم المسلول ص ۵۷۳)

''ابراہیم بن میسرہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو کسی انسان کو مارتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا سوائے اس شخص کے جس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کی تھی تو اسے کئی کوڑے لگائے۔''

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ

یہ مشہور امام محدث اور فقیہ ہیں ان سے کسی نے دریافت کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ؟ تو انھوں نے فرمایا:

((والله ان الغبار الذی دخل فی انف فرس معاویة مع رسول الله ﷺ افضل من عمر بالف مرة صلی معاویة خلف رسول الله ﷺ فقال رسول الله ﷺ سمع الله لمن حمده فقال معاویة رضی اللہ عنہ ربنا لك الحمد فما بعد هذا الشرف الاعظم)) (تطہیر الجنان ص ۱۰، ۱۱)

''اللہ کی قسم! وہ مٹی جو آنحضرت ﷺ کی معیت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کے نتھنوں میں داخل ہوئی وہ بھی عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے ہزار درجے افضل ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ

کی اقتداء میں نمازیں ادا کیں۔ آپ نے جب سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس کے جواب میں ربنا لک الحمد کہتے تھے۔ اس کے بعد اس سے بڑا شرف اور کیا ہو سکتا ہے؟''

معافی بن عمران رحمہ اللہ

ایک آدمی نے ان سے پوچھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا کیا مقام ہے؟

((فغضب غضبا شديدا وقال لا يقاس باصحاب النبى صلی اللہ علیہ وسلم احدٌ، معاوية صاحبه وصهره و كاتبه وامينه على وحى الله))

تو معافی بن عمران رحمہ اللہ سخت غضبناک ہوئے اور کہا اصحاب پیغمبر کے مقابلے میں کسی اور کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی، برادر نسبتی، اللہ کی وحی کے کاتب اور امین ہیں۔''
(تطہیر الجنان ص ۱۰)

امام اعمش رحمہ اللہ

حضرت اعمش رحمہ اللہ جو ثقہ تابعی ہیں اور بڑے پائے کے محدث ہیں۔ ان کی مجلس میں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے عدل و انصاف کا ذکر ہوا تو فرمایا "فكيف لو ادركتم معاوية قالوا فى حلمه؟ قال لا والله فى عدله" اگر تم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور پاتے تو کیا رائے قائم کرتے۔ انھوں نے کہا کیا ان کے حلم اور بردباری کے بارے میں؟ فرمایا نہیں اللہ کی قسم! وہ عدل و انصاف میں بھی ان سے کہیں فائق و برتر تھے۔ (منہاج السنۃ ج ۳ ص ۱۸۵)

اس سے یہ غلط فہمی پیدا نہ ہونے پائے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ حلم اور بردباری میں ان سے زیادہ ہوں گے۔ حلم اور بردباری تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خصوصی صفت ہے۔ اس میں تقابل کی کوئی صورت ممکن ہی نہیں۔

احنف بن قیس رحمہ اللہ

یہ ایک جلیل القدر تابعی ہیں۔ ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں سے زیادہ بردبار کون ہے؟ تو فرمایا اللہ کی قسم! تم سے بڑا جاہل میں نے کوئی نہیں دیکھا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور میرے حلم میں یہ فرق ہے کہ وہ پوری طاقت رکھتے ہوئے حلم اور بردباری سے کام لیتے ہیں اور میں قدرت نہ رکھتے ہوئے بردباری کرتا ہوں۔ لہٰذا میں اس صفت میں ان سے کس طرح بڑھ سکتا ہوں یا ان کے برابر بھی ہو سکتا ہوں؟ (تاریخ طبری ج ۶ ص ۱۸۷)

محمد بن علی بن ابی طالب رحمہ اللہ

یہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے بھائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں۔ لیکن تاریخ میں باپ کے

بجائے ماں کی طرف منسوب کر دیے گئے۔ محمد بن علی رحمہ اللہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلاحیت، قابلیت اور علمیت کے معترف تھے۔ وہ انھیں ثقہ، انتہائی سچے اور قابل اعتماد سمجھتے تھے۔ انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نبوی اور شرعی مسائل بھی نقل کیے ہیں۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۹۷، تحت حدیث معاویہ)

حضرت قتادہ رحمہ اللہ

حضرت قتادہ رحمہ اللہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

((لو اصبحتم فی مثل عمل معاویة فقال اکثرکم هذا المهدی))

''اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اعمال کا جائزہ لو تو تم میں سے اکثر کہیں گے کہ یہ مہدی ہیں۔''

(حاشیہ العواصم من القواصم ص ۲۰۵)

امام مجاہد رحمہ اللہ

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "لو ادرکتم معاویة لقلتم هذا لمهدی" آپ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ پا لیتے تو کہتے کہ یہ مہدی ہیں۔ (حاشیہ العواصم ص ۲۰۵)

امام مالک رحمہ اللہ

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے شفا میں بیان کیا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو بھی، خواہ وہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہوں یا عثمان و معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم ہوں، برا کہے تو اگر یہ کہے کہ وہ گمراہی یا کفر پر تھے تو اسے قتل کیا جائے گا۔ اور اگر اس کے علاوہ عام گالیوں میں سے کوئی گالی دے تو اسے سخت سزا دی جائے گی۔ (عربی زبان میں سب ایسے کلام کو کہتے ہیں کہ جس سے کسی کی تنقیص و توہین یا دل آزاری ہوتی ہو۔ یہاں امام مالک رحمہ اللہ نے سب کا لفظ استعمال کیا ہے)

(مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۲۵۱)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ

امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر برائی کے ساتھ کرے اور ان پر کسی عیب یا نقص کا الزام لگائے۔ جو شخص ایسا کرے اس کی تادیب واجب ہے۔

اور میمونی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی برائی کرتے ہیں۔ ہم اللہ سے عافیت کے طلبگار ہیں۔ اور پھر مجھ سے فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ صحابہ کرام کا ذکر برائی کے ساتھ کر رہا ہے تو اس کے اسلام کو مشکوک سمجھو۔

(مقام صحابہ ص ۷۷)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کہا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سید

اور بردبار ہیں۔ "السید الحلیم یعنی معاویة" (منہاج السنۃ ج۲ص۲۱۸)

امام بخاری رحمہ اللہ

صحیح بخاری جو کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کتاب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موافقین اور مخالفین کی روایات بھی لی ہیں اور مخالفت و موافقت کی بنا پر کسی روایت کو مرجوح یا راجح قرار نہیں دیا۔ وہ جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت بھی قبول کرتے ہیں۔ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی روایت میں طعن کا شائبہ بھی ہوتا تو امام بخاری رحمہ اللہ ہرگز ان کی روایت اپنی کتاب میں درج نہ کرتے۔ اسی طرح سلف میں جو حدیث کے ناقد گزرے ہیں کسی نے بھی اس وجہ سے روایت حدیث میں فرق نہیں کیا ہے اور نہ مخالفتِ حضرت علی کو منشائے طعن بنایا ہے۔ (مکتوبات امام ربانی اردو ج۲ص۱۰۳۱)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہ، عمرو بن عاص اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مابین جھگڑوں کا سب ہی کو علم ہے کسی نے بھی ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنے کا الزام نہیں لگایا۔ نہ مخالفوں نے نہ موافقوں نے۔ بلکہ پوری امت کا اتفاق ہے کہ یہ لوگ روایت حدیث میں امین اور صادق تھے۔

علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ فقہاء و محدثین اگرچہ بعض صحابہ کو بعض پر ضبط یا فقاہت میں ترجیح دیتے ہیں مگر روایت حدیث میں سب کو عادل قرار دیتے ہیں اور برابر جانتے ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک صحیح بخاری اور صحیح مسلم صحیح ترین کتابیں ہیں۔ یہ دونوں امام جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اسی طرح حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کرتے ہیں۔ قبول حدیث کے بارے میں کسی کو بھی رد نہیں کرتے۔ (السیف المسلول ص۴۸۲)

علامہ یوسف نبہانی رحمہ اللہ

موصوف لکھتے ہیں کہ:

((ومعاویة مع فضل الصحبة له حسنات کثیرة لا تُعَدُّ ولا تحد من اجلها جُهاده فی سبیل الله اما بنفسه واما بجیوشه حتی فتحت بلاد کثیرة وصارت داراسلام بعد ان کانت دار کفر وبسببه دخل الی الاسلام الوفُ الوفٍ کثیرة من اسلموا علی یده وید جیوشه فله مثل حسناتهم اجمعین)) (شواہد الحق ص۵۳۱)

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی ہونے کے ساتھ ساتھ دیگر لاتعداد خوبیوں کے مالک بھی ہیں۔ ان میں سے عظیم تر یہ کہ انھوں نے بذات خود یا اپنے لشکر کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کیا جس کے نتیجے میں بہت سی فتوحات حاصل ہوئیں اور وہ شہر جو پہلے دارالکفر تھے دارالاسلام بن گئے۔ اور اس سبب سے لاکھوں لوگ

اسلام میں داخل ہوئے جنھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ان کے لشکر کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔ ان تمام نیکیوں کا مجموعی ثواب بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نامہ اعمال میں درج ہوگا۔"

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

((واما خلافة معاوية بن ابی سفيان فثابة صحيحة بعد موت علی و بعد خلع الحسن بن علی نفسه عن الخلافة وتسليمهما الی معاوية)) (غنیۃ الطالبین)

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت شہادت علی کے بعد اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خلافت سے دستبردار اور اسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دینے کی وجہ سے ثابت اور صحیح ہے۔"

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ

"اگر درراہ گذر حضرت معاویہ نشینم وگردسم اسپ جناب برمن افتد باعث نجات ی شناسم"

"اگر میں راستے میں بیٹھ جاؤں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کے سم کا غبار مجھ پر پڑے تو اس کو میں اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔" (امداد الفتاویٰ ج۴ ص۱۲۳)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"باید دانست کہ معاویہ بن ابی سفیان یکے از اصحاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بود وصاحب فضیلت جلیلہ در زمرۂ صحابہ رضی اللہ عنہم زنہار در حق او سوء ظن نکنی و در ورطہ سب او نہ افتی تا مرتکب حرام نشوی۔" (ازالۃ الخفاج ۱ ص ۵۷۱)

"جاننا چاہیے کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ زمرۂ صحابہ میں بڑی فضیلت والے تھے۔ خبردار! ان کے حق میں بدگمانی نہ کرنا اور ان کی بدگوئی میں پڑ کر فعل حرام کے مرتکب نہ بننا۔"

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان

بریلوی مسلک کے امام اعلیٰ حضرت زیر عنوان "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں عقیدہ" لکھتے ہیں کہ:

"اللہ عزوجل نے سورۃ الحدید میں صحابہ سید المرسلین کی دو قسمیں فرمائی ہیں: ایک وہ کہ قبل فتح مکہ مشرف بایمان ہوئے اور راہِ خدا میں مال خرچ کیا، جہاد کیا۔ دوسرے وہ کہ بعد فتح مکہ مشرف بایمان ہوئے۔ پھر فرما دیا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى اور دونوں فریق سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا...... تو جو کسی صحابی پر

طعنہ کرے اللہ واحد قہار کو جھٹلاتا ہے۔ اور ان کے بعض معاملات جن میں اکثر حکایات کاذبہ ہیں ارشاد الٰہی کے مقابل پیش کرنا اہل اسلام کا کام نہیں۔ رب عزوجل نے اسی آیت میں اس کا منہ بھی بند فرما دیا کہ دونوں فریق صحابہ سے بھلائی کا وعدہ کر کے ساتھ ہی ارشاد فرمایا وَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ اور اللہ کو خوب خبر ہے جو کچھ تم کرو گے۔ بایں ہمہ میں تم سب سے بھلائی کا وعدہ فرما چکا...... اس کے بعد کوئی بکے، اپنا سر کھائے، خود جہنم میں جائے۔ علامہ شہاب الدین خفاجی رحمہ اللہ نسیم الریاض شرح شفاء امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں کہ:

ومن یکون یطعن فی معاویة
فذاك من کلاب الهاویة

''جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرے وہ جہنمی کتوں میں سے ایک کتا ہے۔''

(احکام شریعت حصہ اول ص ۱۲۲، ۱۲۳)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

حضرت تھانوی رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی اور صحابی کے بیٹے ہیں۔ ان کی صحابیت اور فضیلت میں کون بات کر سکتا ہے مگر جو رافضی ہو۔ انھیں ''حضرت'' اور ''رضی اللہ عنہ'' سے یاد کرنا اہل سنت والجماعت کا شعار ہے اور جو کوئی ان کی شان میں طعن و تشنیع زبان پر لاتا ہے وہ رافضیوں سے تعلق رکھتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اصحاب کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ان کو میرے بعد تنقید کا نشانہ نہ بناؤ۔ جس نے ان کو دوست رکھا اس نے گویا میری محبت کے باعث ان کو دوست رکھا۔ اور جس نے ان سے بغض کیا اس نے گویا میرے ہی بغض کے باعث ان سے بغض رکھا۔ اور حضور علیہ السلام نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ارشاد فرمایا کہ اے اللہ! انھیں ہادی اور مہدی بنا۔

جو جھگڑے اور تنازعات ان کے درمیان واقع ہوئے ہیں ان کو ان کے محامل صحیحہ اور تاویلات مقبولہ پر محمول کرنا چاہیے۔ حضرت غوث اعظم سے منقول ہے کہ اگر میں راستے میں بیٹھ جاؤں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کے سم کا غبار مجھ پر پڑے تو اس کو میں اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔ پس تعجب ہے کہ ایسے بزرگان دین اس طرح کا خیال رکھتے ہیں اور چند ایرے غیرے زبان درازی کرتے ہیں۔ کہنے والے نے سچ کہا ہے کہ جب حق تعالیٰ کسی کی پردہ دری کرنا چاہتا ہے تو رسوائی سے قبل اس کے اندر پاک اور مقبول بندوں پر اعتراض کا میلان پیدا ہوتا ہے۔'' (فتاویٰ امدادیہ ج ۴ ص ۱۲۳، ۱۲۴ کتاب العقائد والکلام)

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ

حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس طرح انبیائے کرام علیہم السلام مراتب اور درجات

ہیں متفاوت ہیں مگر توقیر و تعظیم سب کی فرض ہے اور تنقیص کسی کی جائز نہیں اسی طرح سمجھو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اگر آپ کے داماد اور چچا زاد بھائی ہیں تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ام المومنین ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں اور تمام مسلمانوں کے ماموں، اس لیے کہ ماں کا بھائی ماموں ہوتا ہے۔ اور جس طرح چچا کی تعظیم و احترام باپ کی تعظیم و احترام کا تتمہ ہے۔ اسی طرح ماموں کی تعظیم ماں کی تعظیم اور احترام کا تتمہ ہے۔ اس لیے عقلاً و شرعاً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی محبت بھی لازمی و ضروری ہوگی۔ کیونکہ وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذوی القربیٰ میں داخل ہیں۔ (خلافت راشدہ ص ۱۹۵)

مولانا امجد علی رضوی بریلوی

حضرت امجد علی رضوی بریلوی بدایونی لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہ اور ان کے والد ماجد حضرت ابوسفیان اور والدہ ماجدہ حضرت ہند رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی تبرا ہے اور اس کا قائل رافضی ہے۔

(بہار شریعت ج ۱ ص ۷۵)

سید عبدالقدوس ہاشمی رحمہ اللہ

حضرت مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ۴۱ھ میں زمام خلافت اپنے ہاتھوں میں لینے کے بعد سے رجب ۶۰ھ تک حکمران رہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی معتمد علیہ سیکرٹری اور وحی الٰہی کے کاتبوں میں سے تھے۔ یہ حضرت ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی تھے۔ یہ میدان جنگ میں بہترین فوجی، میدان سیاست میں شہسوار، انتظام مملکت میں بے مثال منتظم اور سب سے بڑھ کر وہ ایک بہترین مسلمان ہیں۔ وہ آخری صحابی حکمران اور ضرب المثل حلیم شخص تھے۔ ان کا دماغ تمدن ساز، ان کا ذہن جدت آفرین اور ان کا دل خشیت الٰہی سے بھرا ہوا ایک مسلمان کا درد مند دل تھا۔ وہ خدمت سے کبھی نہیں تھکتے تھے۔ وہ مصائب سے کبھی نہیں گھبراتے تھے۔ انھوں نے اپنی زبان سے زندگی بھر کسی کو کبھی برا نہیں کہا۔ ان کی قوت برداشت آج تک عربی زبان میں ”احلم من معاویة“ کی مثل سے ظاہر ہے۔ وہ اس وقت حکمران ہوئے تھے جب دور کشور کشائی دوسرے مرحلے میں داخل ہو رہا تھا۔ اسلامی تمدن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اعمال و افکار کے مجموعے کا نام ہے۔

جانشین امیر شریعت سید ابو معاویہ عطاء المنعم شاہ حسنی بخاری رحمہ اللہ

”بعض لوگوں کو امیر معاویہ کے نام سے بڑی تکلیف پہنچتی ہے، ان کا نام سن کر ان کے ماتھے پر بل پڑ جاتے ہیں، ان کا خون سیاہ ہو جاتا ہے۔ سانپ لڑنے سے جس طرح کسی کا ستیاناس ہو جائے بعینہ امیر معاویہ کا جب نام آتا ہے تو بعض کا اس سے بھی سوا ستیاناس ہو جاتا ہے۔ اس لیے ہم نے کہا کہ یہ بھی نام ہونا چاہیے کہ جب دشمن جلتا ہے تو جلتا رہے...... ہر چیز کی کسوٹی ہے اگر کسی کو ایمان کی کسوٹی پر پرکھنا ہے کہ

اس کے دل میں ایمان صحیح ہے اور اس کے دل میں حب رسول ہے، اس کو اللہ کا لحاظ، آخرت کا خوف، قیامت کا ڈر ہے؟ تو سیدھی نشانی بتاتا ہوں۔ اور کچھ نہ کرو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کا نام رکھ دو پس جس کو تکلیف ہو، سمجھ لو کہ یہی بے ایمان ہے، یہ تھرمامیٹر ہے، جس کے ایمان کو دیمک چاٹ گئی ہے، جس کو نفاق، بغض اور حسد کا بخار چڑھا ہوا ہے تو امیر معاویہ کا تھرمامیٹر اس میں لگا دو، فوراً پتہ چل جائے گا۔"

(طلوع سحر ص ۱۷۶-۱۷۹)

"میں آپ کو بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ میں نے سولہ برس مولوی اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد صرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خاطر سیرت کی کتابیں پڑھیں۔ اللہ کا فضل ہے آنکھیں کھول کر، دن کی روشنی میں، مضبوط بنیادوں پر میرے پاؤں اور مضبوط کنڈے پر میرا ہاتھ ہے "عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَاوَمَنِ اتَّبَعَنِیْ" جب لوگ گمراہی و بدمعاشی میں پیچھے نہیں ہٹتے تو ہم جیسا بھی کوئی بے غیرت ہوگا کہ عقیدہ بھی سچا اور پھر ہم شکست مان لیں؟ اس ملک میں ۱۹۶۱ء میں سب سے پہلی مرتبہ سب سے پہلا شخص ہوں جس نے "یوم معاویہ" منانے کی داغ بیل ڈالی۔ پابندیاں قبول کیں، جیل جانا قبول کیا، لاکھوں گالیاں کھائیں، ساتھیوں کو پٹوایا، گھروں پر گولیوں کی بارش ہوئی، آگ لگائی گئی، قاتلانہ حملے ہوئے مگر اپنے مشن و مؤقف سے ذرا بھی پیچھے نہیں ہٹے۔ اس دور میں "ذکر معاویہؓ" بڑی عبادت اور جہاد ہے۔ دین حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا لیکن دنیا کے کونے کونے میں اسے لے کر کون گیا؟ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین گئے، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پیدا مکہ میں ہوئے، جوانی کی عمر مکہ اور مدینہ میں گزاری، اس کے بعد پھر اناسی برس کی عمر تک وہ شام میں رہے اور شام میں بیٹھ کر آدھا یورپ مسلمان کیا، آدھا افریقہ فتح کیا، یورپ کے دس ملکوں کو فتح کر کے اسلام کا جھنڈا گاڑا۔ قسطنطنیہ کے دروازوں پر حملے کیے، اس کا محاصرہ کیا اور وہاں بیٹھ کر پھر ہندوستان کی سرحدوں تک حکومت چلائی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کوئی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سوا ایسا نہیں جس نے گورنری اور خلافت کی حکومت مشترکہ طور پر چالیس برس کی ہو۔ ایک صحابی کی حکومت، ایک صحابی کا اقتدار، ایک صحابی کی تبلیغ، ایک صحابی کی جو دنیا میں خدمات ہیں وہ ہمارے لیے دین کا پیغام ہیں۔" (سیرت سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، مطبوعہ مکتبہ معاویہ، دار معاویہ، کوٹ تغلق شاہ، ملتان)

آپ کا دور اسلامی تاریخ کا اہم ترین دور ہے۔ انصاف، مراعات، سادگی، ترویج علم وفن ہر اعتبار سے تاریخ اسلامی کا درخشاں ترین زمانہ ہے۔ اتنی بڑی حکومت کا فرمانروائے اعظم اس شان سے دمشق میں زندگی بسر کرتا ہے کہ پانچوں وقت مسجد میں آ کر نمازیں پڑھاتا ہے۔ مسجد کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر لوگوں سے باتیں کرتا ہے۔ روزانہ سڑک پر چلتا پھرتا نظر آتا ہے۔ بلکہ ہر وقت خاص و عام سے ملنے کو آمادہ رہتا ہے۔ سب کے دکھ درد کی فکر کرتا ہے۔ عدالتی احکام کا اپنے آپ کو اسی طرح پابند سمجھتا ہے جیسا کہ ایک معمولی دہقان۔ نہ شاہانہ تزک و احتشام ہے نہ سجدۂ تعظیمی اور جلوہ گاہ سے فرشی سلام۔ نہ الہام و وحی کا دعویٰ کرتا ہے نہ امامت و پیشوائی

کا روپ بھرتا ہے۔ ایک خادم انسانیت ہے کہ امیر المومنین ہے اور ایک بہادر مجاہد ہے کہ دنیا کو اپنی سرپرستی میں لے کر امن، عدل اور مساوات کی نعمتیں بخشتا ہے۔

(تاریخ ابن خلدون حصہ دوم خلافت معاویہ ص ۶، ۸ تحت ''پیش لفظ''، نفیس اکیڈمی کراچی)

سید محمد کفیل شاہ بخاری (مدیر ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان)

''انگریز سامراج کے خلاف جنگ اور فتنہ مرزائیت کے استیصال کے دو محاذوں پر نہایت سرگرمی اور گرم جوشی سے کام ہو رہا تھا کہ ۱۹۳۶ء میں لکھنؤ میں شیعہ فرقہ نے انگریز کے قانونی تحفظ کے ساتھ ''قدح صحابہؓ'' شروع کر دی۔ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ نے مجلس احرار اسلام کو اس محاذ پر سرگرم کیا اور تحریک ''مدح صحابہؓ'' کے ذریعے سے ''قدح صحابہؓ'' کا شرم ناک اور کفریہ قانون منسوخ کرایا۔

قیام پاکستان کے بعد حالات نے پھر پلٹا کھایا اور قدح صحابہ کا کفریہ عمل سر عام دہرایا جانے لگا۔ خصوصاً امیر المومنین خلیفہ راشد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت گرامی کو طعن و تشنیع اور تنقید کا نشانہ بنا کر باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی تنقید کا دروازہ کھول دیا گیا۔ افسوس ناک صورت حال یہ ہوئی کہ سبائیوں اور رافضیوں کی ہم نوائی میں بعض نام نہاد ''اہل حق'' علماء و محققین کی زبان و قلم سے بغض معاویہ کے بچھو جھڑنے لگے۔ انھوں نے خود کو حق پر کہا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ناحق۔ خود تو اپنے پیروں کے خلیفہ ارشد بن بیٹھے مگر خلیفہ رسول کو راشد ماننے سے انکار کر دیا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ حلیم و جواد کو ایسے ایسے کفریہ القابات سے نوازا کہ شرم و حیا اور ایمان و یقین کے سارے قرینے پامال کر ڈالے۔ جب یہی القاب ان کے پیروں، گدی نشینوں اور خودان نسبی کذابوں اور منافقوں سے منسوب کیے گئے تو انھوں نے ہمیں خارجی اور ناصبی کہنا شروع کر دیا۔ جب انھیں جواباً رافضی کہا گیا تو سیخ پا ہو گئے اور اپنی نسبتوں کو درمیان کھینچ لائے۔ ملک میں ایک کہرام مچ گیا اور منبر و محراب وقف ہجو معاویہؓ ہو گئے۔ مجلس احرار اسلام نے پھر اپنا موروثی کردار ادا کیا اور جانشین امیر شریعت حضرت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری نے ۱۶ رجب ۱۳۸۱ھ بمطابق ۲۵ دسمبر ۱۹۶۱ء کو ملتان میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی یاد میں پہلا باقاعدہ اجتماع منعقد کر کے تحریک مدح صحابہ کی تجدید کی۔ انھوں نے ایک خاموش اور مثبت تحریک چلا کر رفض و سبائیت کے مراکز کو ہلا کر رکھ دیا۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ سید ابوذر بخاری کی تحریک پر پاکستان میں ہزاروں بچوں کے نام سیدنا معاویہ اور سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہما کے نام پر رکھے گئے اور پھر تجدید اسماء کے عمل کو تحریکی انداز میں اختیار کیا گیا۔ یہی وہ غیر معمولی کام تھا جس نے عصر حاضر میں مدح صحابہ کی تمام تحریکوں کو افرادی اور فکری قوت بخشی اور آج کو بہ کو، قریہ قریہ نام معاویہؓ گونج رہا ہے۔ وہ مولوی جو ڈر کے مارے معاویہ کا نام نہیں لیتے تھے سید ابوذر بخاری کی محنت کے نتیجے میں آج پورے حوصلہ و استقامت کے ساتھ وقف مدح معاویہؓ ہیں۔ جو چند ایک بغض معاویہ کے مرض خبیث میں مبتلا ہو کر اپنے مریدوں کو گمراہ

کر رہے ہیں اللہ انھیں ہدایت دے اور وہ جہنم کا ایندھن بننے سے بچ جائیں۔'' (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ص۲-۳ تحریر ابتدائیہ، خطاب از ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاریؒ، مطبوعہ مجلس احرار اسلام پاکستان، دار بنی ہاشم، مہربان کالونی، ملتان)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اہل تشیع کی نگاہ میں

گزشتہ صفحات میں قرآن و حدیث، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات، صحابہ کرام، تابعین عظام اور صلحائے امت کے اقوال کی روشنی میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقام اور سیرت و کردار اجاگر کیا گیا ہے۔ اب دل پر جبر کرتے ہوئے نقل کفر، کفر نباشد کے تحت ان کے متعلق اہل تشیع کے چند حوالہ جات پیش کیے جارہے ہیں۔

ملا باقر مجلسی لکھتا ہے کہ:

''جہنم میں ایک صندوق ہے جس کی شدت حرارت سے اہل جہنم بھی پناہ مانگیں گے۔ اس میں چھ پچھلی امتوں کے لوگ اور چھ اس امت کے بند ہیں۔ اگلی امتوں کے چھ آدمی یہ ہیں: پسر آدم (قابیل)، نمرود، فرعون، سامری، اور وہ جنھوں نے پیغمبر کے بعد یہود کو گمراہ کیا۔ اور اس امت کے چھ یہ ہیں: ابوبکر، عمر، عثمان، معاویہ، سرکردہ خوارج نہروان اور ابن ملجم۔'' (حق الیقین ص۵۰۳)

''حضرت امام جعفر صادق اپنی جائے نماز سے چار ملعون مردوں اور چار ملعون عورتوں پر لعنت کیے بغیر نہیں اٹھتے تھے۔ وہ ہر نماز کے بعد فرمایا کرتے تھے

((اللهم العن ابا بكر و عمر و عثمان و معاوية و عائشة و حفصة و هند وام الحكم))

''اے اللہ! ابوبکر، عمر، عثمان، معاویہ، عائشہ، حفصہ، ہند اور ام الحکم پر لعنت بھیج۔''

(عین الحیوٰۃ ص۵۹۹، باب در اذکار و ادعیہ کہ عقب ہر نماز باید خواند)

''بخدا یہ امت تین مرتبہ کافر و مرتد ہوئی۔ اول جب ابوبکر مسند آرائے خلافت ہوئے۔ دوم معاویہ علیہ الہاویہ فرعون کے ایام میں......'' (تذکرۃ الائمہ ص۷۲)

''مخلوق خدا میں بدترین پانچ آدمی ہیں: ابلیس، قابیل، فرعون اور ایک شخص بنی اسرائیل کا اور اس امت کا ایک شخص کہ کفر پر شام میں اس کی بیعت ہوئی۔'' (حیات القلوب جلد۱ ص۷۲)

''امام زین العابدین سے روایت ہے کہ معاویہ بن ابی سفیان وہ کافر، خدا اور قیامت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان نہیں رکھتا تھا اور اس کا کفر اور نفاق تمام لوگوں پر ظاہر تھا۔'' (جلاء العیون ص۳۴۷)

آیت اللہ، روح اللہ، خمینی لکھتا ہے کہ:

''ہم ایسے خدا کو جانتے اور اس کی پرستش کرتے ہیں جس کے سارے کام عقل کی بنیاد پر قائم ہیں عقل کے خلاف وہ کوئی کام نہیں کرتا۔ نہ کہ ایسے خدا کی جو خدا پرستی، عدالت اور دین داری کی بلند عمارت

کر کے خود اس کی ویرانی کے درپے ہو جائے اور یزید، معاویہ اور عثمان جیسے بدقماشوں کو حکومت و امارت سپرد کر دے۔" (کشف الاسرار ص ۱۰۷)

یہی مولف آگے چل کر حضرات ابوبکر، عمر، عثمان و معاویہ رضی اللہ عنہم پر فرد جرم عائد کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"وایں طور اشخاص جاہل بے خرد چپاولچی ستم گر لائق امامت واولوالامری نیستند"

"اس سیرت و کردار کے حامل اشخاص جاہل، بے عقل، بدقماش، ظالم اور امامت واولوالامری کے قابل نہیں تھے۔" (ایضاً ص ۱۱۱)

"معاویہ جیسے حضرات کی حکومتوں میں لوگوں کی آزادی سلب کر لی گئی تھی۔ لوگوں کو کوئی امان نہ تھی۔ صرف اتہام واحتمال کی بنا پر لوگوں کو قتل کر دیا جاتا تھا، ملک بدر کیا جاتا تھا کیونکہ حکومت اسلامی تو تھی نہیں......"

(الحکومۃ الاسلامیہ اردو ج ۲ ص ۱)

"حجت خدا اس کو کہتے ہیں جسے خداوند عالم نے تمام امور کی انجام دہی کے لیے معین کیا ہے اور اس کے تمام افعال واقوال مسلمانوں کے لیے حجت ہیں...... اگر حجت خدا کی موجودگی میں کوئی حل وفصل کے لیے ظالمین کی طرف رجوع کرے گا تو روز قیامت خدا اس سے احتجاج کرے گا کہ میں نے تمھارے لیے حجت قائم کر دی تھی پھر تم نے ظالمین کی طرف کیوں رجوع کیا؟ حضرت علی کے ہوتے ہوئے ان سے بیعت نہ کرنے والوں سے، خلفائے ثلاثہ، معاویہ، خلفائے بنی امیہ، خلفائے بنی عباس اور جو لوگ ان کے حسب منشاء کام کیا کرتے تھے ان سب سے احتجاج کیا جائے گا کہ تم نے زمام حکومت پر غاصبانہ قبضہ کیوں کیا؟ جب تم میں اہلیت نہیں تھی تو خلافت وحکومت پر کیوں قابض ہوئے؟" (ایضاً ص ۸، ۹)

"معاویہ ہم مدت مدیدی رئیس بود، ولی برائے خود جز لعن ونفرت و عذاب آخرت بہرہ ونتیجہ ای نگرفت۔ معاویہ نے ایک طویل مدت (چالیس سال) تک حکومت کی لیکن اپنے لیے لعنت ونفرت اور آخرت کے عذاب کے سوا کچھ حاصل نہ کیا۔" (جہاد اکبر ص ۱۹)

مشہور ادیب، خطیب اور صحافی جناب اختر کاشمیری صاحب حکومت ایران کی دعوت پر عالمی سیرت کانفرنس میں شرکت کے لیے ایران تشریف لے گئے تو وہاں ہال کی دیوار پر ایک نمائشی قالین پر حضرت ابوسفیان، حضرت معاویہ اور دوسرے کبار صحابہ رضی اللہ عنہم پر لعنت کا وظیفہ ملاحظہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

"ہمیں یہ جان کر سخت رنج ہوا کہ آیت اللہ خمینی کے ایک دست راست نے چالیس ملکوں کے علماء کے سامنے اس قالین کی نمائش کیوں کی؟ اگر یہ باتیں ان کے عقیدے میں داخل ہیں تو ہوتی رہیں لیکن یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک طرف امام خمینی کو امام امت قرار دیا جائے اور دوسری طرف ان کی حکومت کے زیر اہتمام پوری امت کی دل آزاری میں بھی کوئی کسر نہ چھوڑی جائے۔ کیا یہ بات بھی امام امت کے فرائض میں شامل

ہے کہ وہ اکابرین امت کی توہین کریں؟ چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔

کم از کم یہ تو کوئی بڑی بات نہ تھی کہ جس روز چالیس مسلم ممالک کے علماء کو مدعو کیا گیا اس روز اس قالین کو ہٹا لیا جاتا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس دل آزار قالین کی نمائش بھی پروگرام کا ایک حصہ تھی۔ گویا ایران کے قابل احترام علماء اس بات پر اتحاد چاہتے ہیں کہ امت مل کر اپنے پیغمبر کے رفقاء کے خلاف تبرا بازی شروع کر دے۔'' (آتش کدۂ ایران ص ۳۵، ۳۶)

ترجمان سبائیت غلام حسین نجفی لکھتا ہے کہ:

''طاغیہ شام کو سیدنا اور رضی اللہ کہنا اور اس کی تعظیم اور اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھنا بہت بڑا گناہ ہے اور اس کے ساتھ دشمنی رکھنا ضروری...... جو شخص معاویہ کو سیدنا کہتا ہے اور اس کو رضی اللہ عنہ کی دعا سے یاد کرتا ہے اور اس کو امیر کے القاب سے نوازتا ہے یا اس کی کسی قسم کی بھی تعریف کرتا ہے وہ شخص فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالف کرتا ہے اور حدیث کی توہین کرتا ہے۔'' (خصائل معاویہ ص ۴۳۹)

''طاغیہ شام حضرت علی کا دشمن تھا، اور کوئی دشمن علی مومن نہیں ہوسکتا۔ پس معاویہ جیسے دشمن علی کو مومن کہنا گناہ کبیرہ ہے اور اس کو امیر المومنین کہنا صاف بے حیائی ہے اور امام المتقین کے بجائے اسے امام المنافقین والمبتدعین کہنا صحیح ہے۔'' (ایضاً ص ۵۳۲)

''اسلام میں کفر کے امام پانچ ہیں:

① طلحہ ② زبیر ③ معاویہ ④ عمرو بن عاص ⑤ ابوموسیٰ اشعری۔''

(بغاوت بنی امیہ ص ۳۰۶)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بعض مدعیان اہل سنت کی نگاہ میں

① پیر سید محمود شاہ محدث ہزاروی

پیر صاحب نے بغض معاویہ میں سابقہ تمام ریکارڈ توڑ دیے ہیں۔ انھوں نے ایک صحابی رسول کے خلاف اپنی تقریر اور تحریر میں اپنے خبث باطن کا خوب مظاہرہ کیا۔ ان کی اسی دریدہ دہنی کی وجہ سے ان کے خلاف یکم جولائی ۱۹۸۵ء کو ۲۹۸۔اے کے تحت مقدمہ قائم ہوا اور تادم زیست (۲۵ دسمبر ۱۹۹۲ء) وہ بحیثیت ملزم اور پابند ضمانت رہے۔ بعد میں ان کی وفات کی وجہ سے مقدمہ کی کارروائی ختم ہوئی۔ (ولعذاب الآخرۃ اکبر) الحمد للہ راقم الحروف کو عدالت کے اندر اور باہر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع کی سعادت تقریباً آٹھ برس تک حاصل رہی۔

یہاں صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ان کے نظریات پیش کیے جا رہے ہیں۔ آں محترم پر ان کے دیگر اور مخالفین کے تمام اعتراضات کے جوابات ایک علیحدہ کتاب ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ'' میں ان شاء اللہ العزیز عنقریب ہدیۂ قارئین کیے جائیں گے۔ [1]

پیر صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو (نقل کفر کفر نہ باشد) ظالم، باغی، طاغی، منافق، کافر اور مرتد کہتے ہیں۔ جو انھیں کافر نہ کہے یا انھیں صحابی رسول تسلیم کرے اور ان کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ پڑھے وہ بھی پیر صاحب کے نزدیک کافر ہے۔

چنانچہ صاحبزادہ طیب الرحمٰن صاحب چھوہر شریف (ہری پور) نے ایک استفتاء علامہ قاضی غلام محمود صاحب ہزاروی کی خدمت میں بھیجا:

''کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ: بعض نام نہاد مولوی اور جعلی پیر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول کو (معاذ اللہ) کافر کہتے ہیں اور ان کو کافر نہ کہنے والوں کو بھی کافر بتلاتے ہیں۔ چنانچہ ان کی تقریر کی کیسٹ ہمارے پاس موجود ہے جس میں مقرر نے یہ کچھ کہا ہے.....'' (فضائل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ص ۱۶)

جناب قاضی غلام محمود صاحب اس کا جواب دینے سے پہلے محمود شاہ صاحب کا اعتراض نقل کرتے ہیں کہ:

[1] الحمد للہ وہ کتاب ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ'' کے نام سے علیحدہ شائع ہو چکی ہے جسے اب باقاعدہ زیر نظر کتاب کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔

اعتراض ①: معاویہ نے چونکہ خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بغاوت کی تھی اس لیے وہ مرتد ہوگیا (معاذ اللہ نقل کفر کفر نہ باشد) اب اس کو صحابی، امیر یا مسلمان کہنا جائز نہیں اور جو اس کو کافر نہ کہے وہ بھی کافر ہے۔ قاضی صاحب اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ:

"مولوی محمود شاہ صاحب ساکن حویلیاں کی یہ بات مدرسہ رحمانیہ ہری پور میں ٹیپ شدہ موجود ہے۔ جو صاحب چاہے سن سکتا ہے۔" (فضائل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مولفہ قاضی غلام محمود صاحب)

شیخ الحدیث مولانا محمد علی صاحب بریلوی جامع رسولیہ شیرازیہ لاہور لکھتے ہیں کہ:

"محدث ہزاروی کی تحریرات ہمارے پاس موجود ہیں جن میں اس نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو کافر، مرتد، زندیق اور منافق ایسے الفاظ سے لکھا ہے......" (دشمنان امیر معاویہ کا علمی محاسبہ ج۲ ص۳۱۲)

"معاویہ اللہ رسول کا باغی اور منافق، آل اصحاب کو گالیاں دینے والا اور ان پر اور ان سے محبت کرنے والوں پر لعنت کرنے والا اور ان سے جنگ کرنے والا ہے، شراب پینے پلانے والا، سود کے بیوپار کرنے والا ہے۔ جو ملا، صوفی، امام اس پر رضی اللہ عنہ کہنے والے ہیں وہ دراصل اللہ رسول کو گالیاں دینے والے یہ اللہ کی رضا کا کفر بکنے والے ہیں۔ ان کے پیچھے نہ نماز جائز نہ جنازہ، نہ ان کو سلام دینا جائز نہ ان سے دعا سلام رشتہ پیار روا ہے۔ ان سے تعاون تولا مسلمان کو انھی جیسا بنا دینے والا ہے۔" (ایضاً ص۳۳۲)

"معاویہ چونکہ اللہ، رسول دین اسلام سے علی الاعلان باغی طاغی کافر منافق منکر مخالف ہوکر اسی حال پر مرا ہے۔ اس دشمن اسلام و ایمان کو اصحاب پاک میں ملانا اور اس پر رضی اللہ عنہ پڑھنا قطعاً ناروا اور کفری کام ہے۔ وہ ان لوگوں سے ہے جن کا کفر قرآن نے بیان فرمایا وَ قَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَ هُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ (مائدہ:۱۳
"وہ کفر کے ساتھ فتح مکہ میں آئے اور اسی کفر سے باغی خارجی ہوکر دین اسلام سے نکل گئے۔"

اس کے حامی منافقوں نے اس پر پردہ ڈالا ہوا ہے۔ یہ سب اللہ رسول کی اشد توہین و ہتک کرنے والے ہیں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب حنفی میں ایسے ہر شخص کا یہ حکم ہے کہ وہ باغی خارجی کافر مرتد زندیق ہے اس کی دعوت اس کے عقد نکاح سے نکل کر طلاق ہوگئی ہے اور اس سے بچنا ہر مومن مسلمان کا دینی ایمانی کام ہے اور ان کے پیچھے نہ نماز نہ ان کا کوئی کام اسلامی درست ہے۔

حدیث ہے: "ایاھم وایاکم لا یُضِلُّونکم ولا یفتنونکم" فتاویٰ حسام الحرمین اور فتاویٰ صوارم ہندیہ کے تین سو ایک مشائخ علماء اور مفتیان دین کے تمام فتوے کافر فاسق مرتد زندیق ہونے کے معاویہ پرستوں اور اس پر رضی اللہ عنہ کہنے والوں پر بلاکم وکاست لگ گئے ہیں اور یہ سب ایسے کافر و مرتد ہیں کہ جو ان کے کفر و عذاب میں شک کرے، تردد کرے یا اس بارے میں بحث و حجت مزاحمت تکرار کرے، ان کے ساتھ تعلق تعاون ان کی حمایت و تائید و دوستی کرے، رشتہ چاہے، آشنائی روا رکھے، وہ بھی انھی جیسا

دین وایمان ہے۔ اللہ کا حکم ہے وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ (مائدہ: ۵۱) اللہ کا فرمان ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ (ممتحنہ: ۱۳) اللہ کا حکم ہے لَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ (ہود: ۵۲) اللہ کا حکم ہے فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ (انعام: ۶۸)

اے اہل اسلام! اے اہل دین! اسلام کے باغی ظالم دشمن آل واصحاب معاویہ کو ماننے والوں اور اللہ رسول کو نہ ماننے والوں سے قطع تعلق کر کے دین وایمان کو بچاؤ۔ ورنہ جو چاہو انجام سوچ لو۔

(ایضاً ص ۳۴۰، ۳۴۱)

"پیارے صاحبو! یاد رکھو حضور نبی کریم رحمۃ للعالمین ﷺ اللہ کی ذات و صفات کے مظہر اتم ہیں اور صحابہ کرام و اہل بیت اطہار آپ کی صفات کے مظہر ہیں اور صحابہ کرام اللہ سے راضی رہے اور اللہ ان سے راضی رہا۔ البتہ اللہ و رسول و خلیفہ برحق سے باغی، طاغی، طلقاء، منافقین نہ مومن اصحاب رسول، نہ راہِ حق کے ہادی۔ نہ وہ اللہ و رسول سے راضی ہوئے، نہ اللہ و رسول ان سے راضی ہوئے۔ مومن اصحاب رسول کے برخلاف بلکہ تعلیم قرآن کے برعکس ان کا کردار آل واصحاب رسول پر شدت اور کفار مکہ و یہود کے ساتھ رحم دلانہ رہا۔ انھوں نے ہی سب سے پہلے اللہ و رسول و خلیفہ برحق کے خلاف بغاوت کر کے "انا اول الملوك" کا دعویٰ کیا، اور حجر بن عدی صحابی رسول کو مع ان کے دیگر ۱۲ صحابی ساتھیوں کو قتل کروادیا، محمد بن ابی بکر کو قتل کر کے ان کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کرا کر گدھے کی کھال میں رکھ کر جلا دیا اور انھوں نے ہی سب سے اول انسانوں کو خصی کرایا، اور خطبہ جمعہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان سے محبت والوں (اللہ و رسول وتمام مومنین) پر لعنت کرنے کی مکروہ بدعت جاری کی، اور جنگ صفین کو جاتے ہوئے قصداً جمعہ ترک کر کے بدھ کے روز نماز جمعہ پڑھا دیا، اور ساری عمر تین کے بجائے ایک وتر پڑھتے رہے......

پیارے صاحبو! جس طرح ایک پیغمبر نبی و رسول کا انکار سب انبیاء و رسل کا انکار و کفر ہے اسی طرح ایک صحابی رسول کا منکر بھی سب کا منکر ہے۔ قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط، قوم نوح نے صرف اپنے ایک رسول کی تکذیب کی مگر رب نے فرمایا "كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِينَ، كَذَّبَ أَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِينَ، كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ، كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ، كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ"۔ بانیِ بغاوت نے حضرت علی اور حضرت حسن (رضی اللہ عنہما) خلیفہ راشد سے بغاوت کی جو صحابی ہیں اور اہل بیت بھی، تو اس لیے تمام خلفائے راشدین اور تمام اہل بیت سے بغاوت کی اور سب کا باغی ہوا...... لہٰذا بانیِ بغاوت نے امیر المومنین حضرت علی، امام حسن (رضی اللہ عنہما) سے بغاوت کر کے اللہ و رسول کی بغاوت کر لی۔"

(دعوت فکر ص ۲۱-۲۴، افادات عالیہ محدث ہزاروی، مطبوعہ خلافت اکیڈمی مینگورہ، سوات)

یہ ملحوظ رہے کہ یہ رسالہ پہلی مرتبہ اپریل ۱۹۵۸ء میں شائع ہوا۔ جبکہ دوسری مرتبہ ستمبر ۱۹۸۷ء میں

خلافت اکیڈمی مینگورہ سوات نے طبع کرایا جس پر رسالہ ملنے کا واحد پتہ ''مکتبہ محمودیہ خانقاہ محبوب آباد حویلیاں ہزارہ'' درج ہے۔

② جناب عبدالقاضی شاہ صاحب محدث ہزاروی

یہ محمود شاہ صاحب کے بڑے بھائی اور ان سے پہلے گدی نشین رہے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس تبرائی خاندان کے ہر چھوٹے بڑے کا ایک ہی عقیدہ ونظریہ ہے۔ چنانچہ عبدالقاضی شاہ صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

''دیکھو جب امیر معاویہ نے مولائے کائنات علی المرتضٰی پر لعنت کرنا اور آل علی پر لعنت کرنا جبری صورت میں شروع کر دیا اور ستر ہزار اور دس منبروں پر بے خوف خدا ورسول، اہل بیت پر لعنت کی جاتی تھی اور اکثر صحابی موجود تھے مگر کچھ نہیں کر سکتے تھے اور جو کوئی اس پر انکار کرتا اس کی گردن اڑا دی جاتی تھی اور مدینہ الرسول میں منبر رسول پر مسجد نبوی میں ہر جمعے کے خطبے میں لعنت اور گالیاں اہل بیت رسول پر برسائی جاتی تھیں۔ کیا اس چیز کو سند جواز بنایا جا سکتا ہے کہ معاویہ اور اس کے نائبوں نے آل محمد پر لعنت کی اور صحابہ خاموش رہے...... ان کے مروان نے مدینۃ الرسول میں منبر رسول پر بیٹھ کر حسنین ابنائے رسول کو گالیاں دی تھیں اور آل رسول پر ہمیشہ اپنی جبروتی قوت سے بحکم امیر معاویہ لعنت کیا کرتے تھے۔''

(النظائر لاکرام الشعائر ص ۵۲-۹۴)

موصوف اسی کتاب میں ابولہب کی بیوی کا ذکر اس انداز سے کرتے ہیں جس سے العیاذ باللہ حضرت معاویہ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہما کا دشمن رسول ہونا ثابت ہوتا ہے:

''جو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل اصحاب کی عداوت میں پھانسی لگی، جو امیہ کی پوتی حرب کی بیٹی اور ابوسفیان کی بہن امیر معاویہ صاحب کی عمہ محترمہ تھی۔ یہ بڑا بزرگ کنبہ تھا، نبی اور ان کے اصحاب و اولاد کی عداوت میں زندہ رہا اور اسی پر مرا۔'' (ایضاً ص ۹۲)

③ سید لعل شاہ بخاری (واہ کینٹ)

''جاننا چاہیے کہ محدثین کا اتفاق ہے کہ حضرت معاویہ کی فضیلت میں پورے ذخیرہ حدیث میں ایک روایت بھی صحیح نہیں ہے......'' (استخلاف یزید ص ۱۱۸)

شاہ صاحب صحیح بخاری کی روایت "اول جیش من امتی یغزون البحر قد اوجبوا" کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''میرا دعویٰ ہے کہ یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ راوی کی خود ساختہ ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "اول جیش...... اوجبوا مدینۃ قیصر مغفور لھم" کے الفاظ نہیں فرمائے۔ (ایضاً ص ۳۲۰)

حضرت معاویہ کے محبوب فرزند نے...... جہاں زیاد کی مٹی پلید کی ہے وہاں اپنے شفیق باپ جو اسے "فداك ابی و امی" کہہ کر بلائیں لیتے ہیں، ان کی سیاست کا بھی سارا بھرم کھول کر رکھ دیا ہے...... حضرت معاویہ نے سمجھا کہ یزید جوش میں خدا جانے کیا کچھ کہہ جائے گا اور راز ہائے سر بستہ افشا ہو جائیں گے فوراً "اجلس فداك ابی وامی" فرماتے ہیں اور پھر ناراض ہو جاتے ہیں۔ تو اس کی توجیہ سوائے اس کے کیا ہوسکتی ہے کہ یزید نے اس سر بستہ راز سے پردہ اٹھا دیا تھا۔ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ یزید اس وقت ہوش میں تھا یا مدہوش، مگر ہم اس کی حق گوئی کی سو بار قدر کرتے ہیں کہ

فقیہ مصلحت بیں سے وہ رند بادہ خوار اچھا
نکل جاتی ہے جس کے منہ سے سچی بات مستی میں

(ایضاً ص ۱۵۵)

اس شعر میں ایک شرابی کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے افضل قرار دیا گیا۔

''جمہور اہل سنت کا پہلا قول کہ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر ہیں اور حضرت معاویہ مجتہد مخطی ہیں اور خطا ان کی اجتہادی ہے۔'' (ایضاً ص ۱۷۴)

''جمہور اہل سنت کا دوسرا قول کہ حضرت علی حق پر تھے اور حضرت معاویہ باطل پر تھے۔ یعنی خطا ان کی عنادی تھی اور دور خلافت علی میں وہ ملک جائر تھے۔'' (ایضاً ص ۱۸۰)

''دلائل کے لحاظ سے دوسرا قول کہ حضرت علی حق پر تھے بظاہر راجح معلوم ہوتا ہے۔ جمہور اہل سنت کا پہلا قول کہ (حضرت علی الحق المصیب اور حضرت معاویہ المخطی المعذور تھے) راجح سمجھا جائے۔ مگر قوت دلائل کے لحاظ سے دوسرا قول بظاہر راجح معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی حق پر تھے اور حضرت معاویہ باطل پر تھے۔''

(ایضاً ص ۱۸۸)

صحیح مسلم کی جس روایت سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا کاتب وحی ہونا ثابت ہوتا ہے اس کے بارے میں شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ:

''میرے نزدیک اس روایت کا ایک جملہ بھی صحیح نہیں ہے یہ روایت بجمیع اجزاء ہا و مقاصد ہا باطل ہے۔ اس لیے کسی محدث نے اس روایت کو اپنی کتاب میں درج کرنے کا حوصلہ نہیں کیا۔ حیرت ہے کہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں کیسے جگہ دے دی؟ اور تعجب ہے کہ حافظ ابن کثیر نے کیسے ان نازک شاخوں کو کتابت معاویہ کے آشیانہ کے لیے منتخب کیا ہے......

اقرب الی الاحتیاط یہ ہے کہ حضرت معاویہ کو کاتب رسول کہا جائے کاتب وحی نہ کہا جائے۔''

(ایضاً ص ۱۳۳، ۱۳۴)

''حضرت معاویہ کے عہد میں زبانیں مقفل ہوچکی تھیں کہ دو جمعے حضرت امیر معاویہ کا ایک خلاف شرع خطبہ سنا اور حاضرین میں سے کسی کو بھی ہمت نہ ہوئی کہ زبان کو جنبش دے کہ امیر المومنین! آپ سیدھی راہ سے بھٹک گئے ہیں۔ تیسرے جمعے ایک اجنبی شخص جرأت کرکے کلمہ حق کہتا ہے تو لوگ اس کے متعلق گمان کرتے ہیں کہ بس یہ ہلاک ہوگیا۔ فقال القوم هلك۔ قوم یہ کیوں کہتی ہے؟ اس لیے کہ قوم جانتی ہے کہ یہاں حق گوئی کی سزا موت ہے۔ وہ کوئی خوش نصیب ہی تھا کہ بچ نکلا اور انعام واکرام سے مالا مال ہوگیا۔ مجھے اس روایت کے تسلیم کرنے میں سخت تامل ہے۔ بر تقدیر صحت روایت یہ تسلیم کرنے کے سوا چارہ نہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تقریباً خاتمہ ہوچکا تھا۔'' (ایضاً ص ۲۷۲)

''ہمارے مطالعے کا حاصل یہ ہے کہ حضرت معاویہ ۴۱ھ میں مسند خلافت پر متمکن ہوکر عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہیں اور ۴۴ھ میں عصبیت مضر کی پشت پناہی میں اپنے بیٹے کو نامزد کردیتے ہیں اور تادم زیست اس سے زیادہ کسی مسئلے کو اہم نہیں سمجھا۔ جلیل القدر صحابہ پہلے ہی سیاست سے دست کش ہوچکے تھے۔ کچھ صحابہ اثارت فتنہ اور تفریق امت کے اندیشہ سے خاموش ہوگئے۔ بعض کی آواز سفک دماء اور خون ریزی کے خوف سے حلقوم میں اٹک کر رہ گئی۔ کچھ رؤسا مناصب کی وجہ سے مجبور تھے۔ بعض کی زبانیں نقرئی مہروں سے داغ دی گئیں۔ اور بعض کی دہن دوزی لقمہ ہائے چرب سے کردی گئی۔ اور بعض کو حرص وآز نے ایسا اندھا کر دیا تھا کہ ملک کے طول وعرض میں رواں دواں اور استحکام ولایت یزید کے لیے کوشاں تھے۔ مناصب وعہود کی خاطر وفود دمشق بھیجے جاتے ہیں۔ آخران کی سعی نا مشکور بار آور ہوتی ہے اور یزید بن معاویہ جس کے ہاتھوں امت کی تباہی مقدر ہوچکی تھی پوری امت پر مسلط کردیا جاتا ہے۔'' (ایضاً ص ۳۱۶)

''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر صحابہ کا اجماع تھا اور جملہ صحابہ نے بطیب خاطر بیعت کی تھی۔ لیکن حضرت معاویہ کی خلافت میں تلوار دخیل تھی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت، خلافت راشدہ کی اکمل ترین قسم تھی اور حضرت معاویہ کی خلافت از قسم ملک عضوض تھی......'' (ایضاً ص ۵۱۷)

④ سید مہر حسین بخاری (کامرہ، اٹک)

یہ سید لعل شاہ بخاری کے انتہائی عقیدت مند ہیں اور ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''رئیس المحققین امام اہل سنت مولانا سید لعل شاہ بخاری دامت برکاتہم کی کتاب استخلاف یزید......''

موصوف راقم کے نام اپنے ایک مکتوب (محررہ ۱۱ نومبر ۱۹۸۶ء) میں یوں لکھتے ہیں کہ:

''حضرت اقدس فخر المحققین مولانا السید لعل شاہ صاحب بخاری دامت برکاتہم وفیوضہم نے بھی اپنی نادرۂ عصر تالیف میں......''

مگر معاویہ دشمنی میں انھوں نے اپنے محقق کو بھی بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے

بارے میں وہ رقم طراز ہیں کہ:

''قاضی (مظہر حسین) صاحب! گستاخی معاف اگر استخلاف یزید کے مطالعہ کے بعد ناواقف قاری کو حضرت معاویہ کے ساتھ حسن ظن نہیں رہتا تو آپ یقین فرمائیں کہ آپ کی کتاب خارجی فتنہ پڑھ کر واقف کار قارئین کو بھی حسن ظن نہیں رہتا۔ (اور اسی وجہ سے متشدد نواصب نے آنجناب کو بھی شیعہ قرار دیا ہے) اور قارئین اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ حضرت معاویہ کو ''رضی اللہ عنہ'' کہنا خلاف قرآن ہے اور بنص قرآنی جائز نہیں۔'' (الاجابۃ الکافیہ فی رد دفاع معاویہ ص ۱۹)

''اور یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ معاویہ اور اس کے حامی جائر تھے جو اہل سنت کا متفق علیہا مسئلہ ہے۔ اور اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ محبت عادلوں اور امانت داروں سے رکھتے ہیں اور اہل جور و خیانت سے بغض رکھتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ معاویہ جائر تھا اور اللہ کے قرآن، نبی کی حدیث میں خیانت کی۔ نیز بیت المال میں خیانت کی۔ اور جس نے خیانت پر ساتھ نہ دیا اسے جیل میں محبوس کر دیا اور اسے وہیں موت نے آ کر رہائی دلائی۔ لہٰذا معاویہ سے بغض رکھنا عین ایمان اور اہل سنت کا مذہب ہے۔''

(جواز الصلوٰۃ والتسلیم علیٰ ذریۃ النبی الکریم......ص ۳۱)

''معاویہ متغلب تھا جائز خلیفہ یا حکمران نہیں۔ حضرت علی علیہ السلام، حسنین علیہما السلام اور اس دور کے تمام صحابہ معاویہ سے تبرا کرتے تھے اور دوستی نہیں رکھتے تھے۔'' (ایضاً ص ۳۷)

''معاویہ کے اپنے اعتراف اور محققین علمائے اہل سنت کی تصریح کے بعد کوئی وجہ نہیں کہ ہم متردد ہوں۔ لہٰذا اہل سنت کا مذہب معاویہ کو متغلب جاننا ہے۔'' (ایضاً ص ۴۱)

''لاؤڈ سپیکر سے فضا میں جب بار بار سیاست معاویہ زندہ باد کے نعرے بلند ہوتے ہیں تو سامعین کے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ امیر معاویہ کے وہ کون سے قابل قدر و مستحسن اقدامات تھے جن کی بدولت آج چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود ہمارے کانوں کے پردے اس نامانوس آواز سے پھٹے جاتے ہیں۔ تاریخ دان کے علاوہ جب تاریخ کا کوئی طالب علم بھی امیر معاویہ کی زندگی پر نظر ڈالتا ہے تو اسے سب سے پہلے خلیفہ راشد سے بغاوت نظر آتی ہے۔ جنگ صفین کا ہولناک منظر دکھائی دیتا ہے۔ تحکیم کے نام سے ایک تباہ کن مکر و فریب نظر آتا ہے۔ حضرت حجر بن عدی، حضرت محمد بن ابی بکر اور حضرت حکم کے ناجائز قتل نظر آتے ہیں۔ بیت المال کا ناروا استعمال اور اس ادارہ سے خرد برد جیسے کریہ افعال نظر آتے ہیں۔ استلحاق زیاد کا مسئلہ سامنے آتا ہے۔ شرفائے صحابہ وصلحائے امت کو چھوڑ کر اپنے جانے پہچانے بدکردار بیٹے کی جبری نامزدگی دکھائی دیتی ہے۔ حضرت علی اور اولاد علی پر برسر منبر سب وشتم کی بوچھاڑ نظر آتی ہے۔ توریث المسلم من الکافر جیسے خلاف سنت فیصلے علم میں آتے ہیں۔ معاویہ کے گورنروں کی زیادتیاں اور ان سے عدم مواخذہ کی گھناؤنی صورتیں

تصور میں دکھائی دیتی ہیں۔ بلکہ میں یہ کہنا پسند کروں گا کہ خدا اور رسول کی صریح نافرمانی اور قرآن وسنت سے کھلے انکار جیسی صورتیں نظر آتی ہیں۔ یہ امور ''حضرت'' معاویہ کی سیاست کا جزو لاینفک تھے۔ کیا یہی سیاست معاویہ ہے جسے آج زندہ باد کے نام سے پکارا جاتا ہے؟ کیا کوئی ناصبی اس سیاست معاویہ سے انکار کرسکتا ہے؟ اگر یہ سیاست معاویہ ہے تو اسے زندہ باد کہنا کہاں کا اسلام ہے؟ اور اسے زندہ باد کہنا خاکم بدہن تمام اسلام کو مردہ باد کہنے کے مترادف ہے۔'' (سیاست معاویہ ص ۶، ۷)

''نواصب نے معاویہ کو ایک جلیل القدر اور صاحب فضیلت صحابی ثابت کرنے کے لیے حدیثیں وضع کیں اور اس مقصد سے دفاتر کے دفاتر بھر دیے، اور جہاں بھی کسی صحابی کے بارے میں کوئی کلمہ منقبت دیکھا یا پایا تو اسے فی الفور معاویہ پر چسپاں کر دیا اور معاویہ کو جامع الصفات ثابت کرنے کے لیے تمام صحابہ کے اوصاف ڈھونڈ ڈھونڈ کر انھیں معاویہ کے لیے ثابت کیا گیا۔ بنو امیہ کا جابرانہ دور حکومت تقریباً نوے سال رہا۔ تو اس کا اثر کافی لوگوں میں سرایت کر گیا اور معاویہ کو بدقسمتی سے ایک جلیل القدر صحابی تسلیم کر لیا گیا۔ جو اس امت کا بہت بڑا المیہ ہے۔ مگر جاننا چاہیے کہ ہر زمانے میں بعض حق پرست لوگ بھی موجود رہے ہیں چنانچہ محدثین (از قسم محدث ہزاروی) کا اتفاق ہے کہ معاویہ کی فضیلت میں پورے ذخیرہ حدیث میں ایک روایت بھی صحیح نہیں ہے۔'' (سیاست معاویہ ص ۱۸، ۱۹)

''لواء الغدر عند استه'' (غدر کا جھنڈا) عمرو بن عاص اور معاویہ جنھوں نے امام برحق جناب علی المرتضیٰ سے غداری کی اور واقعہ تحکیم میں عہد شکنی غدر کیا تو قیامت کے دن معاویہ صاحب اور عمرو بن عاص کی مقعدوں میں غدر کا جھنڈا نصب کیا جائے گا۔ روز قیامت سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لواء الحمد ہوگا۔ جو لوگ اس جھنڈے کے نیچے جمع ہوں گے شفاعت کے حق دار ہوں گے اور یہ لواء الحمد جناب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اٹھائیں گے۔ جبکہ معاویہ اور عمرو بن عاص کے پاخانہ کے مقام میں غدر کے جھنڈے لواء الغدر نصب ہوں گے۔ حضرت علی کو ماننے والے لواء الحمد کے نیچے ہوں گے اور جنت میں جائیں گے اور معاویہ صاحب کے پیروکار و حامی لواء الغدر کے نیچے ہوں گے اور اپنے ٹھکانے پر اپنے مقتداؤں کے پیچھے جائیں گے۔ پسند اپنی اپنی، نصیب اپنا اپنا۔'' (سیاست معاویہ ص ۳۹)

''میں علیٰ وجہ البصیرت یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت علی کی شہادت بھی معاویہ اور اس کے ساتھیوں کی سازش کا نتیجہ ہے...... چنانچہ عبدالرحمٰن بن ملجم مشہور خارجی نے معاویہ کی اعانت سے کوفے کی جامع مسجد میں نماز فجر کے وقت شبیب بن بجرہ کی ہمراہی میں حضرت علی پر اچانک حملہ کر دیا۔ زخمی ہونے کے تیسرے دن ۲۰ رمضان المبارک شب یک شنبہ ۴۰ھ کو رشد و ہدایت کا چراغ شہنشاہ ولایت معاویہ کی سیاست کا شکار ہو کر دنیا کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔'' (سیاست معاویہ ص ۴۹)

''جنگ صفین کے مقتولین کا خون بھی یوں تو معاویہ کے سر پر ہے لیکن حضرت حجر کا قتل بغیر جنگ کے ہوا ہے۔ لہٰذا یہ زیادہ کربناک ہے۔ یوں معاویہ فرمان باری تعالیٰ مَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ کا صحیح مصداق بنا ہے۔ اب اگر قرآن کے فیصلے کے بعد معاویہ کے پجاری اسے رضی اللہ عنہ پڑھیں تو یہ خدائے بزرگ و برتر اور اس کے کلام سے مقابلہ ہے۔ ان کے کہنے سے معاویہ اللہ کا پسندیدہ بندہ نہیں بن سکتا۔'' (سیاست معاویہ ص ۸۸)

⑤ عبدالقیوم علوی

''بغض علی، خلافت علی کا انکار اور علی علیہ السلام پر سب و شتم کرنا شعائر نواصب میں سے ہے۔ رہی یہ بات کہ اس کا مبتدی اور بانی کون ہے؟ اس کا تفصیلی جواب تو حصہ دوم میں ہی آئے گا۔ سردست اتنا بتا دیتا ہوں کہ ان سب افعال شنیعہ و عقائد قبیحہ کا بانی معاویہ بن ابی سفیان ہے، جسے اہل سنت غیر شعوری طور پر جلیل القدر صحابی سمجھے بیٹھے ہیں...... بانی ناصبیت معاویہ تھا...... اہل سنت کے نزدیک نواصب کتے اور خنزیر کے برابر ہیں۔ اور لڑنے والا حضرت مرتضیٰ کا جو بغض و عداوت سے لڑتا ہے کافر ہے بالاجماع اہل سنت کے نزدیک...... اگلے حصے میں ان شاء اللہ العزیز اس بات کو پایۂ ثبوت تک پہنچا دیا جائے گا کہ جنگ صفین محض بغض و عداوت کی بنا پر واقع ہوئی تھی۔ اجتہادی خطا وغیرہ کا بہانہ عذر گناہ بدتر از گناہ کے مصداق ہے۔''

(السیوف القواضب علیٰ اعناق النواصب یعنی تاریخ نواصب ص ۱۵، ۱۷ ج ۱)

''ہاں یہ بات درست ہے کہ جنھوں نے امام حسن علیہ السلام کو زہر دے کر شہید کرایا کہ آیندہ امر خلافت میں کوئی مدعی باقی نہ رہے اور جس نے اپنے پیارے بیٹے کو کہا کہ وہ اللہ جس نے علی و حسن علیہما السلام کو رسوا کیا، حسین علیہ السلام کو بھی ذلیل و خوار کرے گا، ایسے صحابہ سے البتہ بغض پیدا ہوگا اور یہ کوئی مذموم نہیں بلکہ محمود ہے۔ دراصل یہ لوگ صحابی نہیں تھے، بظاہر تسلیم و انقیاد کا دم بھرتے تھے۔ اندر سے باپ دادا کے دین پر قائم تھے۔ انھیں تو بدر و فتح مکہ کی ذلت کا انتقام لینا تھا سو لے لیا۔ ایسے لوگوں سے تو بغض ہی رکھا جائے گا۔ محبت و احترام کیسے کیا جائے؟'' (ایضاً ص ۳۱)

''ناصبیت کے بہت سے اجزاء ہیں۔ ایک عام جز جو تقریباً تمام اہل سنت میں پایا جاتا ہے، معاویہ کو مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی علیہ التسلیمات کے مقابلے میں مجتہد مخطی سمجھنا ہے۔ اس سے بھی ادنیٰ مرتبہ معاویہ کو مولا علی علیہ السلام کے مقابلے میں بوجہ مقاتلہ وغیرہ باطل گردانا اور فاسق جاننا ہے۔ ناصبیت کا یہ ادنیٰ مرتبہ حق کے قریب ہے۔ پورا حق اس لیے نہیں کہ مرتبہ صحابیت کو آڑ بنا کر طعن وغیرہ سے مانع ہوتے ہیں یہ دونوں مراتب صدر اول کی اکثریت میں پائے جاتے تھے۔ بعد میں مجتہد مخطی ماننے کا حصہ غالب ہو گیا۔''

(ایضاً ص ۴۳)

''بنو امیہ ہی وہ قبیلہ ہے جس نے آخری دم تک نور اسلام کو ختم کرنے کے لیے کفر کی ظلمات کی امامت کی۔ آخر مکہ فتح ہوا اور مجبوراً دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ بعد میں موقع کی تلاش میں رہے۔ حضرت عثمان کی شہادت کے اسباب مہیا کیے۔ وہ ابوسفیان جس نے شمع نبوت کو گل کرنے کی ناپاک کوششوں میں ساری زندگی صرف کر دی تھی، اب اس کے بیٹے معاویہ نے یادگار نبوت شاہ ولایت مولا علی علیہ السلام اور ان کی شہادت کے بعد امام حسن علیہ السلام کے ساتھ اسی مقصد کو سامنے رکھ کر محاربت کی۔ بالآخر دشمنان نبوت کے پاس غاصبانہ طور پر خلافت آ گئی۔ انھوں نے اب اسلام پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیے۔ رہی سہی کسر کو پورا کرنے کے لیے یزید کو ولی عہد بنایا۔'' (ایضاً ص ۴۷)

⑥ محمد الدین فوق

نامور اہل قلم محترم محمد الدین فوق صاحب کی تالیف ''تاریخ حریت اسلام'' فضلائے وقت اکبر الٰہ بادی، ڈاکٹر محمد اقبال، مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی، مولانا میرک شاہ صاحب اندرابی مدرس دار العلوم دیوبند اور حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند کی آراء کے ساتھ مکتبہ مجلس معارف القرآن دار العلوم دیوبند نے شائع کی ہے چنانچہ مولانا محمد سالم قاسمی معتمد عمومی مجلس معارف القرآن لکھتے ہیں کہ:

''ہمدست کتاب تاریخ حریت اسلام یعنی تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات اسلامی تعلیمات اور تربیتی ہدایات کے انھی واقعاتی نقوش کا حسین گلدستہ ہے کہ جنھوں نے صفحات تاریخ کو اسلام کی ابدیت اور اس کے ناقابل تردید ہونے کے دلائل بن کر غیر فانی زینت عطا کی ہے۔ اس لیے بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ ''تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات'' وعظ و تذکیر کرنے والے علماء، ارباب تصنیف و تالیف، محققین و مفکرین، ذوق تاریخ رکھنے والے مصلحین، نوعمروں کی تربیت کرنے والے مربی حضرات، غرض ہر طبقہ خواص سے لے کر ہر طبقہ عوام کے لیے اپنی ہمہ گیر علمی افادیت کے لحاظ سے اس کو ناقابل انکار قرار دیا ایک حق بجانب راہ نمائی ہو گی۔ جسے امید ہے کہ ہر مطالعہ پسند حلقہ و طبقہ اپنی قدر شناسی کی نگاہوں میں جگہ دے گا اور خدام مجلس معارف القرآن کے لیے خدمت مزید کی راہیں ہموار ہوں گی۔''

(تاریخ حریت اسلام، صفحہ ک، گ، ل)

اس کتاب میں جا بجا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تبرا کیا گیا ہے اور کہیں بھی ان کے احترام کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ صرف صفحہ ۱۱۲ سے صفحہ ۱۲۸ تک سینتالیس مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہوا لیکن ایک دفعہ بھول کر بھی ان کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کی علامت نہیں لکھی گئی جبکہ حضرات حسنین، ابن زبیر، ابن عمر، عبدالرحمن بن ابی بکر اور علی رضی اللہ عنہم کے اسماء کے ساتھ بڑے اہتمام سے ان کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے ''رضی اللہ عنہ'' کی علامت تحریر کی گئی۔ معلوم نہیں کہ دار العلوم دیوبند کے ذمہ دار افراد نے اس ناروا سلوک کو کیوں محسوس نہیں کیا؟

فوق صاحب ''معاویہ سے بغض اور علی سے محبت'' کا عنوان قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''امیر معاویہ نے ایک مرتبہ موسم حج میں بنی کنانہ کی ایک عورت جو مدینے میں قیام کرنے کی وجہ سے دارمہ جعونیہ کے نام سے مشہور تھی بلوایا اور پوچھا: دارمہ جانتی ہے تجھ کو کیوں بلایا گیا ہے؟

دارمہ: غیب کا علم خدا ہی کو ہے۔

معاویہ: کیا یہ صحیح ہے کہ تو علی کے ساتھ محبت رکھتی تھی اور اس میں تو نے مجھ سے کیا بڑائی دیکھی؟

دارمہ: علی سے مجھے اس لیے محبت تھی کہ وہ رعیت کے ساتھ انصاف کرتا تھا۔ سب کو استحقاق کے موافق حقوق دیتا تھا۔ مسکینوں سے محبت رکھتا اور دینداروں کی تعظیم کرتا تھا۔ اور تجھ سے بغض کی یہ وجہ تھی کہ تو اپنے سے بڑے کے ساتھ لڑا اور جس کا تو مستحق نہ تھا اس حالت کا طالب ہوا۔ تو نے خون ریزی کرائی، فیصلوں میں ناانصافی اور ہوائے نفس کے موافق حکومت کی......'' (تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات ص۱۲۴)

اس طرح کے دیگر بیسیوں واقعات ہیں جو حضرت معاویہ، حضرت عثمان اور حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہم کے خلاف تحریر کیے گئے۔ موخر الذکر کے خلاف زیر عنوان ''شراب خوری کے جرم پر گورنر کوفہ کو درے'' مولف لکھتے ہیں کہ:

''ولید بن عقبہ کوفہ کا گورنر تھا۔ ملک میں اس کی شراب خوری اور اس کے راگ سننے کا عام چرچا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے خود امامت کی۔ صبح کی نماز تھی۔ دو کی جگہ چار رکعتیں پڑھا دیں اور بعد ختم کہا کیا تم چاہتے ہو کہ اور بھی پڑھاؤں؟ لوگ سمجھ گئے تھے کہ اس کو رات کے خمار سے ابھی ہوش نہیں آیا۔ کہنے لگے افسوس ہے ان پر جنھوں نے تم کو ہمارا حاکم بنا کر بھیجا۔ اس واقعے کے بعد ولید ایک دن خطبہ جمعہ کے لیے منبر پر کھڑا ہوا لوگوں نے اس پر سنگ ریزوں کی اس قدر بارش کی کہ مسجد چھوڑ کر بھاگ گیا اور محل میں جا گھسا۔ ابوزینب اور ابومورع دو بزرگ تھے۔ وہ حاکم وقت کی یہ بے عنوانیاں اور اسلام کی یہ بے حرمتی دیکھ کر مدینہ آئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے شکایت کی......'' (ایضاً ص۱۰۰)

حیرت ہے کہ ایسی تبرائی کتاب کو ادارہ دارالعلوم دیوبند اس خراج تحسین کے ساتھ پیش کر رہا ہے کہ:

''نامور اہل قلم محترم محمد الدین فوق صاحب کی تالیف ''تاریخ حریت اسلام'' کے نام سے آج سے قریباً پچاس برس قبل شائع ہوئی تھی جس میں مصنف نے غیر معمولی کدو کاوش کے ساتھ تاریخ اسلام کے نادر و بے مثال واقعات بترتیب تاریخ جمع کیے تھے۔ کتاب کی علمی اور عوامی افادیت کو اس وقت کے باابصیرت ارباب فکر و نظر نے بھی تسلیم کیا اور ندرت و افادیت موضوع کے اعتبار سے آج بھی اس کتاب کی اہمیت و ضرورت شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ مکتبہ مجلس معارف القرآن دارالعلوم دیوبند نے کتاب مذکورہ کی عظمت، افادیت اور غیر معمولی ضرورت کو محسوس کیا۔ اب بترتیب جدید اس اہم ترین کتاب کو ''تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش

واقعات'' کے نام سے پیش کر رہا ہے۔

یقین ہے کہ سابق کی طرح آج بھی علمی، ادبی، تاریخی اور صحافی حلقے اس کتاب کو اس کا صحیح مقام مرحمت فرمائیں گے۔'' (ایضاً صفحہ ع، تحت عنوان ''پیش کش'' سن طباعت ۱۹۷۴ء محبوب پریس دیوبند، طبع اول ۱۵ مارچ ۱۹۲۱ء)

⑦ قاضی مظہر حسین صاحب چکوال

''اور چونکہ وعدہ خداوندی حکومت وخلافت کا مومنین صالحین ہی کے لیے تھا اس لیے ثابت ہوا کہ ارادۂ خداوندی میں یہی تھا کہ ان اصحاب اربعہ کو ہی منصب خلافت عطا کیا جائے گا۔ اس لیے ان چار یار کی خلافت راشدہ موعودہ کا کوئی مومن بالقرآن انکار نہیں کر سکتا۔ برعکس اس کے اگر مِنْكُمْ اور الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ کو نظر انداز کر دیا جائے اور اس وعدہ خلافت کو عام رکھا جائے تو سب سے پہلے ان خلفاء کا مومنین صالحین ہونا ثابت کرنا پڑے گا، پھر اس کے بعد ان کو خلفائے راشدین تسلیم کیا جائے گا اور خلفائے اربعہ کے بعد تو کسی خلیفہ کے بارے میں یہ ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا کہ وہ مومنین صالحین میں سے تھے.....''

(حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نادان حامی غالی گروہ ص ۳۹)

''اللہ تعالیٰ نے تین طبقوں پر اپنے راضی ہونے کا اعلان فرمایا ہے: ① مہاجرین اولین ② انصار۔ ان دو طبقوں کا مقام معیاری ہے۔ ③ تیسرا طبقہ وہ ہے جو مہاجرین وانصار کی پیروی خوش اسلوبی سے کرے اس تیسرے طبقے سے رضائے الٰہی مشروط ہے مہاجرین اولین اور انصار کی اچھے طریقے سے پیروی کرنے کے ساتھ۔ اب سندیلوی صاحب ہی اپنے علم وفضل کا زور لگا کر جواب دیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مہاجرین اولین میں سے ہیں۔ پھر ان کو موعودہ خلفائے راشدین میں سے چوتھا مقام حاصل ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نہ تو مہاجرین میں ہیں اور نہ انصار میں۔ آپ تیسرے طبقے سے وابستہ ہیں۔ ان کے لیے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی پیروی لازم تھی بوجہ ان کے مہاجرین اولین میں ہونے اور بوجہ خلیفہ ہونے کے۔

بہرحال ازروئے نص قرآنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پیروی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر لازم ہے لیکن بجائے پیروی کے انھوں نے مخالفت کی، اور زبانی مخالفت نہیں کی بلکہ بجائے اطاعت کے انھوں نے قتال کیا، خواہ دفاعی ہی ہو۔ تو اس صورت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کو کون صحیح کہہ سکتا ہے؟'' (خارجی فتنہ ج ا ص ۴۷۶)

جناب قاضی صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حق دفاع دینے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں بلکہ وہ انھیں بہرصورت خطا کار ماننا لازمی قرار دیتے ہیں اور اسے اہم عقیدہ سمجھتے ہیں کہ جو انھیں خطا کار نہ مانے تو وہ اسے نص قرآنی کا منکر باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

''بندہ نے اس کتاب میں مسلک اہل سنت والجماعت کے اثبات کے لیے ہی آیت تمکین اور آیت استخلاف پر بحث کی ہے اور قرآنی اور حدیثی دلائل کی بنا پر ہی ثابت کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی

غلطی ماننے کے بغیر اور کوئی صحیح راہ نہیں ہے۔" (ایضاً ص ۲۱،۲۲)

حضرات حکمین (عمرو بن عاص اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما) کے فیصلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کا "فیصلہ آیت استخلاف کے خلاف تھا...... حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معزول کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں تھا بلکہ گناہ تھا...... (بلکہ حکمین) ضال و مضل تھے۔ "ضلا و ضل من اتبعھا" (ایضاً ص ۴۵۵،۴۵۶ ج ۱)

"حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرنے کے بعد ان کو معزول کرنا اختلافی و اجتہادی مسئلہ نہیں رہتا بلکہ ان کو معزول کرنا حکم خداوندی کے خلاف قرار پاتا ہے۔" (ایضاً ج ۱ ص ۴۵۸)

موصوف اپنے اسی غالیانہ موقف کو ایک دوسری کتاب میں دہراتے ہیں کہ:

"یہ دونوں فیصلے آیت استخلاف کے خلاف ہیں بلکہ ان کو معزول کرنا حکم خداوندی کے خلاف قرار پاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معزول کرنا ہرگز جائز نہیں تھا بلکہ گناہ تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ کو معزول کرنا یقیناً سخت نافرمانی ہے۔" (دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ص ۲۷)

موصوف جناب مودودی صاحب کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"خدا جانے مودودی صاحب کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے محامد و مناقب ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی ہے۔ کوئی ان سے پوچھے کہ جن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ یہ لکھ رہے ہیں کہ انھوں نے سیاسی اغراض کے لیے کتاب و سنت کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی اور زیاد جیسے فوجی لیڈر کو اپنا بھائی بنانے کے لیے نعوذ باللہ اپنے والد ماجد کی زنا کاری کو ثابت کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر خطبہ جمعہ میں منبر رسول پر گالیوں کی بوچھاڑ کرتے رہے وغیرہ۔ تو اب شرف صحابیت کے احترام کا کیا مطلب؟ اور وہ صاحب محامد و مناقب اور دنیا میں اسلام کے غلبے کا دائرہ پہلے سے زیادہ وسیع کرنے والے کیسے بن گئے؟ کیا یہ تقیہ بازی کی بدترین مثال نہیں ہے؟" (مودودی مذہب ص ۸۳)

اگر یہی ہدیہ قاضی مظہر حسین صاحب کی نظر کر دیا جائے تو یقیناً وہ اس کے مستحق ہیں کہ:

کوئی پوچھے کہ جن حکمین (ابوموسیٰ اشعری اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما) کے متعلق آپ یہ لکھ رہے ہیں کہ ان کے فیصلے آیت استخلاف کے ہیں۔ ان کا فیصلہ حکم خداوندی کے خلاف قرار پاتا ہے۔ حکمین کا انھیں معزول کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں تھا بلکہ گناہ تھا۔ انھوں نے یقیناً سخت نافرمانی کا ارتکاب کیا ہے "ضلا و ضل من اتبعھما" وہ گمراہ ہوئے اور ان کی پیروی کرنے والے بھی یقیناً گمراہ ہوئے۔ تو اب شرف صحابیت کا کیا مطلب؟ اور وہ صاحب بقول آپ کے فاتح مصر اور محسن امت کیسے بن گئے؟ کیا یہ سب تقیہ بازی کی بدترین مثال نہیں ہے؟

معلوم نہیں کہ قاضی صاحب کس "حال" میں اس بدترین تبرے کے مرتکب ہو گئے۔ حالانکہ حکمین تو

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نمایندے تھے اوران دونوں کی پیروی بھی ان دونوں بزرگوں اور ان کے متبعین جملہ صحابہ نے کی۔ بقول قاضی صاحب حکمین خود بھی گمراہ ہوئے اوران کی پیروی کرنے والے بھی گمراہ ہوئے تو اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک فریقین (حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما) اور جملہ صحابہ العیاذ باللہ گمراہ ہو گئے اور ہدایت یافتہ واحد گروہ ''خوارج'' کا باقی بچ گیا جس نے حکمین کے فیصلے کی پیروی نہیں کی تھی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اس قسم کا بدترین تبرا پوری تاریخ سبائیت و رافضیت میں نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ سبائیوں نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ اوران کے چند رفقاء کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ ع

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

⑧ حضرت سید نفیس الحسینی صاحب لاہور خلیفہ مجاز قطب الاقطاب حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ

''تیرہ بخت ہیں وہ لوگ جن کے سینہ و دل صحابہ کرام کے بغض و کینہ کی کمین گاہیں ہیں۔ چاند پر تھوکا اپنے منہ پر گرتا ہے۔ جس مقدس جماعت کی شان پر قرآن حکیم شاہد ہو اور جس کی مدح میں خود سید الاولین والآخرین رطب اللسان ہوں اسے مزید کسی شہادت کی ضرورت نہیں۔ لیکن افسوس ہے ان پر جنھوں نے ان پاکبازان امت کی عداوت میں اپنا ظاہر و باطن سیاہ کرلیا...... یوں تو پوری جماعت صحابہ ہی ان ظالموں کے سب وشتم کا نشانہ ہے لیکن ان میں سب سے زیادہ امام مظلوم حضرت سیدنا عثمان اور حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما ان کے زہرآلود تیروں کا شکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے بدبختوں سے پوری امت کو محفوظ فرمائے۔''

(تذکرہ کاتب وحی سیدنا معاویہ ص ۱۸، ۱۹ مولفہ قاری قیام الدین صاحب)

حیرت ہے کہ صحابہ کے بارے میں ایسا اعتقاد و نظریہ رکھنے والے شخص ہی سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص کی تصدیق ہوگئی۔ چنانچہ وہ الفرقان کے حوالے سے امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کے غیرمعمولی اعتدال کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''ناچیز (مولانا محمد منظور نعمانی) نے اس پہلو سے حضرت مولانا کو بہت ہی ممتاز اور باتوفیق پایا۔ صرف ایک مقولہ نقل کرتا ہوں جو مولانا سے میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے۔ ایک موقع پر حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درجات کا فرق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سابقین اولین کی پہلی صف کے بھی اکابر ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ صحابی ہونے کی حیثیت سے ہمارے سرتاج ہیں لیکن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ان کو کیا نسبت؟ ان کی مجلس میں اگر صف نعال میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جگہ مل جائے تو ان کے لیے سعادت اور باعث فخر ہے'' اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو راہ حق و اعتدال نصیب فرمائے۔'' (ایضاص ۲۰)

قاری قیام الدین صاحب نے پیر صاحب کی اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے اسی قول کو زیر عنوان ''گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی'' باتشریح نقل کر دیا ہے کہ ان کی مجلس میں اگر صف نعال (جوتوں کی صف) میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جگہ مل جائے......'' (ایضاً ص ۲۲۷)

تبرائیوں کو امام اہل سنت کا یہ تنقیصی قول اس قدر پسند آیا ہے کہ اسے نص قطعی کا درجہ دے کر اپنی تسکین قلبی کی خاطر ہر جگہ نقل کر دیا ہے۔ چنانچہ قاضی مظہر حسین صاحب نے بھی اس قول کو ''تحفہ خلافت ص ۱۵'' پر نقل کر دیا ہے۔ فیا للعجب! فیا اسفا!

حالانکہ قاضی صاحب موصوف کا مزاج یہ ہے کہ جو بات انھیں پسند نہ ہو اس سے فوری طور پر براءت کا اعلان کر دیتے ہیں چنانچہ وہ ایک مقام پر انھی امام اہل سنت سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''یہاں امام اہل سنت کا یہ لکھنا محل نظر ہے کہ ان یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد پھر مسند خلافت کو کوئی صحابی نصیب نہیں ہوا۔ حالانکہ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نو سال تک مسند خلافت پر فائز رہے...... امام اہل سنت غالباً کتاب خلفائے راشدین کی نظر ثانی نہیں کر سکے ورنہ زیر بحث عبارت قابل اصلاح تھی۔'' (خارجی فتنہ حصہ دوم ص ۶۳۶، ۶۳۸)

یقیناً اور لاریب سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا درجہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ ہے لیکن ''صف نعال'' سے تشبیہ دینا بھی یقیناً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین ہے کیونکہ صف نعال کسی بھی مجلس کی آخری صف ہوتی ہے۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تقابل میں ان کی یہ پوزیشن ہے تو حضرت عثمان، حضرت عمر اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہم (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی افضل ہیں) کی مجلس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہاں ہوں گے؟ اور پھر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جزیرۂ عرب سے ہی نکلنا پڑے گا۔ اور دشمنان معاویہ کا یہی مقصد ہے۔

بہرحال جو شخص بھی حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے تقابل میں اس قول کو نقل کرے وہ چاہے کتنا ہی بڑا عالم اور صوفی پیر کیوں نہ ہو وہ عظمت صحابہ سے ناآشنا ہے۔ احترام صحابیت کا تقاضا تو یہ ہے کہ اگر ایک طرف کوئی غیر معروف صحابی جن کی کوئی نمایاں خدمت سامنے نہ آئی ہو اور دوسری طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ خیر الامت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہوں تو بھی اس قول کو برداشت نہ کر سکے۔

⑨ جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب

عصر حاضر میں جناب مودودی صاحب بغض معاویہ میں ''میر کارواں'' کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ اگر ان کی اس بیماری کو ''کینسر'' کا نام دے دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطا تسلیم کرنے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

''لیکن جو انصاف پسند آدمی بھی نیزوں پر قرآن اٹھانے کی تجویز سے لے کر اس وقت تک کی روداد پڑھے گا وہ مشکل ہی سے مان سکتا ہے کہ یہ سب کچھ ''اجتہاد'' تھا۔ بلاشبہ ہمارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ واجب الاحترام ہیں اور بڑا ظلم کرتا ہے وہ شخص جو ان کی کسی غلطی کی وجہ سے ان کی ساری خدمات پر پانی پھیر دیتا ہے اور ان کے مرتبے کو بھول کر گالیاں دینے پر اتر آتا ہے۔ مگر یہ بھی کچھ کم زیادتی نہیں ہے کہ اگر ان میں سے کسی نے کوئی غلط کام کیا ہو تو ہم صحابیت کی رعایت سے اس کو ''اجتہاد'' قرار دینے کی کوشش کریں۔ بڑے لوگوں کے غلط کام اگر ان کی بڑائی کی وجہ سے اجتہاد بن جائیں تو بعد کے لوگوں کو ہم کیا کہہ کر ایسے ''اجتہادات'' سے روک سکتے ہیں...... لیکن جان بوجھ کر ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق غلط کام کرنے کا نام اجتہاد ہرگز نہیں ہو سکتا...... کوئی غلط کام محض شرف صحابیت کی وجہ سے مشرف نہیں ہو جاتا۔ بلکہ صحابی کے مرتبہ بلند کی وجہ سے وہ غلطی اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے۔'' (خلافت وملوکیت ص ۱۴۳)

یہی وجہ ہے کہ مودودی صاحب کسی بڑے سے بڑے صحابی کو بھی 'اجتہادی'' غلطی کی رعایت دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ خلیفہ ثالث وراشد سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی کا یہ پہلو بلاشبہ غلط تھا اور غلط کام بہر حال غلط ہے، خواہ وہ کسی نے کیا ہو۔ اس کو خواہ مخواہ کی سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا نہ عقل وانصاف کا تقاضا ہے اور نہ دین ہی کا یہ مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے۔'' (ایضاً ص ۱۱۶)

موصوف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پورے فتنے کے زمانے میں جس طرح کام کیا وہ ٹھیک ٹھیک ایک خلیفہ راشد کے شایان شان تھا۔ البتہ صرف ایک چیز ایسی ہے جس کی مدافعت میں مشکل ہی سے کوئی بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ کہ جنگ جمل کے بعد انھوں نے قاتلین عثمان کے بارے میں اپنا رویہ بدل دیا...... حتیٰ کہ انھوں نے مالک بن حارث الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کے عہدے تک دے دیے۔ درآں حالے کہ قتل عثمان میں ان دونوں صاحبوں کا جو حصہ تھا وہ سب کو معلوم ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پورے زمانۂ خلافت میں ہم کو صرف یہی ایک کام ایسا نظر آتا ہے جس کو غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔'' (ایضاً ص ۱۴۶)

''مگر صرف ایک مالک الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کا عہدہ دینے کا فعل ایسا تھا جس کو کسی تاویل سے بھی حق بجانب قرار دینے کی گنجائش مجھے نہ مل سکی۔ اسی بنا پر میں نے اس کی مدافعت سے اپنی معذوری ظاہر کر دی ہے۔'' (ایضاً ص ۳۴۸)

موصوف سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''اس سے بدرجہا غیر آئینی طرز عمل دوسرے فریق یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تھا۔ جو معاویہ بن ابی

سفیان کی حیثیت سے نہیں بلکہ شام کے گورنر کی حیثیت سے خون عثمان کا بدلہ لینے کے لیے اٹھے۔ مرکزی حکومت کی اطاعت سے انکار کیا۔ گورنری کی طاقت اپنے اس مقصد کے لیے استعمال کی...... یہ سب کچھ دور اسلام کی نظامی حکومت کے بجائے زمانہ قبل اسلام کی قبائلی بدنظمی سے اشبہ ہے۔'' (ایضاً ص ۱۲۵)

''لیکن ان (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کے غلط کام کو تو غلط کہنا ہی ہوگا۔ اسے صحیح کہنے کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم اپنے صحیح و غلط کے معیار کو خطرے میں ڈال رہے ہیں۔'' (ایضاً ص ۱۵۳)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اس نوعیت کی خلافت نہیں تھی کہ مسلمانوں کے بنانے سے وہ خلیفہ بنے ہوں اور اگر مسلمان ایسا کرنے پر راضی نہ ہوتے تو وہ نہ بنتے۔ وہ بہرحال خلیفہ ہونا چاہتے تھے۔ انھوں نے لڑ کر خلافت حاصل کی۔ مسلمانوں کے راضی ہونے پر ان کی خلافت کا انحصار نہ تھا۔ لوگوں نے ان کو خلیفہ نہیں بنایا وہ خود اپنے زور سے خلیفہ بنے اور جب وہ خلیفہ بن گئے تو لوگوں کے لیے بیعت کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا......'' (ایضاً ص ۱۵۸)

''یزید کی ولی عہدی کے لیے ابتدائی تحریک کسی صحیح جذبے کی بنیاد پر نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ ایک بزرگ (حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ) نے اپنے ذاتی مفاد کے لیے دوسرے بزرگ کے ذاتی مفاد سے اپیل کر کے اس تجویز کو جنم دیا اور دونوں صاحبوں نے اس بات سے قطع نظر کر لیا کہ وہ اس طرح امت محمدیہ کو کس راہ پر ڈال رہے ہیں۔'' (ایضاً ص ۱۵۹)

''اس جنگ کے دوران میں ایک واقعہ ایسا پیش آ گیا جس نے نص صریح سے یہ بات کھول دی کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے؟ اور باطل پر کون؟ وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں شامل تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے...... متعدد صحابہ و تابعین نے جو حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی جنگ میں مذبذب تھے، حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کو یہ معلوم کرنے کے لیے ایک علامت قرار دے لیا تھا کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون؟''

(ایضاً ص ۱۳۶، ۱۳۷)

موصوف زیر عنوان ''قانون کی بالاتری کا خاتمہ'' لکھتے ہیں کہ:

''سب سے بڑی مصیبت جو ملوکیت کے دور میں مسلمانوں پر آئی وہ یہ تھی کہ اس دور میں قانون کی بالاتری کا اصول توڑ دیا گیا حالانکہ وہ اسلامی ریاست کے اہم ترین بنیادی اصولوں میں سے تھا......

مگر جب ملوکیت کا دور آیا تو بادشاہوں نے اپنے مفاد، اپنی سیاسی اغراض اور خصوصاً اپنی حکومت کے قیام و بقا کے معاملے میں شریعت کی عائد کی ہوئی کسی پابندی کو توڑ ڈالنے اور اس کی باندھی ہوئی کسی حد کو پھاند جانے میں تامل نہ کیا...... ان بادشاہوں کی سیاست دین کے تابع نہ تھی۔ اس کے تقاضے وہ ہر جائز و ناجائز

طریقے سے پورے کرتے تھے۔ اور اس معاملے میں حلال وحرام کی تمیز روا نہ رکھتے تھے...... یہ پالیسی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد ہی سے شروع ہوگئی تھی...... دیت کے معاملے میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنت کو بدل دیا۔ سنت یہ تھی کہ معاہد کی دیت مسلمان کے برابر ہوگی مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو نصف کر دیا اور باقی نصف خود لینی شروع کر دی۔

ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر خطبوں میں برسر منبر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کی بوچھاڑ کرتے تھے۔ حتیٰ کہ مسجد نبوی میں عین روضۂ رسول کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے۔ کسی کے مرنے کے بعد اس کو گالیاں دینا شریعت تو درکنار، انسانی اخلاق کے بھی خلاف تھا اور خاص طور پر جمعے کے خطبے کو اس گندگی سے آلود کرنا تو دین واخلاق کے لحاظ سے سخت گھناؤنا فعل تھا......

مال غنیمت کی تقسیم کے معاملے میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی۔ کتاب وسنت کی رو سے پورے مال غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں داخل ہونا چاہیے اور باقی چار حصے اس فوج میں تقسیم کیے جانے چاہییں جو لڑائی میں شریک ہوئی ہو لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ مال غنیمت میں سے چاندی سونا ان کے لیے الگ نکال لیا جائے پھر باقی مال شرعی قاعدے کے مطابق تقسیم کیا جائے۔'' (ایضاً ص ۱۷۲،۱۷۴)

''زیاد بن سمیہ کا استلحاق بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ان افعال میں سے ہے جن میں انھوں نے سیاسی اغراض کے لیے شریعت کے ایک مسلم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی۔ زیاد طائف کی ایک لونڈی سمیہ نامی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ لوگوں کا بیان یہ تھا کہ زمانہ جاہلیت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اس لونڈی سے زنا کا ارتکاب کیا تھا اور اسی سے وہ حاملہ ہوئی۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے خود بھی ایک مرتبہ اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ زیاد ان ہی کے نطفے سے ہے۔ جوان ہو کر یہ شخص اعلیٰ درجے کا مدبر، منتظم، فوجی لیڈر اور غیر معمولی قابلیتوں کا مالک ثابت ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں وہ آپ کا زبردست حامی تھا اور اس نے بڑی اہم خدمات انجام دی تھیں۔ ان کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنا حامی و مددگار بنانے کے لیے اپنے والد ماجد کی زنا کاری پر شہادتیں لیں اور اس کا ثبوت بہم پہنچایا کہ زیاد ان ہی کا ولد الحرام ہے۔ پھر اسی بنیاد پر اسے اپنا بھائی اور اپنے خاندان کا فرد قرار دے دیا۔ یہ فعل اخلاقی حیثیت سے جیسا کچھ مکروہ ہے وہ تو ظاہر ہی ہے مگر قانونی حیثیت سے بھی یہ ایک صریح ناجائز فعل تھا کیونکہ شریعت میں کوئی نسب زنا سے ثابت نہیں ہوتا۔'' (ایضاً ص ۱۷۵)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کو قانون سے بالاتر قرار دے دیا اور ان کی زیادتیوں پر شرعی احکام کے مطابق کارروائی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔'' (ایضاً ص ۱۷۵)

''یہ ساری کارروائیاں گویا اس بات کا عملاً اعلان تھیں کہ اب گورنروں اور سپہ سالاروں کو ظلم کی کھلی چھوٹ ہے اور سیاسی معاملات میں شریعت کی کسی حد کے وہ پابند نہیں ہیں۔'' (ایضاً ص ۱۷۷)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں سیاست کو دین پر بالا رکھنے اور سیاسی اغراض کے لیے شریعت کی حدیں توڑ ڈالنے کی جو ابتداء ہوئی تھی ان کے اپنے نامزد کردہ جانشین یزید کے عہد میں وہ بدترین نتائج تک پہنچ گئی۔'' (ایضاً ص ۱۷۹)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے چار افعال ایسے ہیں کہ اگر کوئی شخص ان میں سے کسی ایک کا ارتکاب بھی کرے تو وہ اس کے حق میں مہلک ہو۔ ایک ان کا اس امت پر تلوار سونت لینا اور مشورے کے بغیر حکومت پر قبضہ کر لینا درآں حالے کہ امت میں بقایائے صحابہ موجود تھے۔ دوسرے ان کا اپنے بیٹے کو جانشین بنانا حالانکہ وہ شرابی اور نشہ باز تھا۔ ریشم پہنتا اور طنبورے بجاتا تھا۔ تیسرے ان کا زیاد کو اپنے خاندان میں شامل کرنا حالانکہ نبی کا صاف حکم موجود تھا کہ اولاد اس کی ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہو اور زانی کے لیے کنکر پتھر ہیں۔ چوتھے ان کا حجر اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دینا۔'' (ایضاً ص ۱۶۵، ۱۶۶)

''اس خاندان کے جو لوگ دور عثمانی میں آگے بڑھائے گئے وہ سب طلقاء میں سے تھے۔ طلقاء سے مراد مکہ کے وہ خاندان ہیں جو آخر وقت تک نبی اور دعوت اسلامی کے مخالف رہے۔ فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معافی دی اور وہ اسلام میں داخل ہوئے۔ حضرت معاویہ، ولید بن عقبہ، مروان بن حکم انھی معافی یافتہ خاندانوں کے افراد تھے۔'' (ایضاً ص ۱۰۹)

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مسلسل بڑی طویل مدت تک ایک ہی صوبے کی گورنری پر مامور کیے رکھا۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں چار سال سے دمشق کی ولایت پر مامور چلے آ رہے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایلہ سے سرحد روم تک اور الجزیرہ سے ساحل بحر ابیض تک پورا علاقہ ان کی ولایت میں جمع کر کے اپنے پورے زمانۂ خلافت میں ان کو اسی صوبے پر برقرار رکھا۔ یہی چیز ہے جس کا خمیازہ آخر کار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھگتنا پڑا......

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس صوبے کی حکومت پر اتنی طویل مدت تک رکھے گئے کہ انھوں نے یہاں اپنی جڑیں پوری طرح جما لیں اور وہ مرکز کے قابو میں نہ رہے بلکہ مرکز ان کے رحم و کرم پر منحصر ہو گیا۔''

(ایضاً ص ۱۱۵)

''یہ سب کچھ اسی چیز کا نتیجہ تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مسلسل سولہ، سترہ سال ایک ہی صوبے اور وہ بھی

جنگی نقطہ نظر سے انتہائی اہم صوبے کی گورنری پر رکھے گئے۔ اسی وجہ سے شام خلافت اسلامیہ کے ایک صوبے کی بہ نسبت ان کی ریاست زیادہ بن گیا تھا۔'' (ایضاً ص۱۳۳)

⑩ شاہ معین الدین ندوی

''جناب امیر (حضرت علی رضی اللہ عنہ) نے خلیفہ ہوتے ہی ایک سرے سے تمام عثمانی عاملوں کو معزول کر دیا[1] اور ان کی جگہ سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کا تقرر ہوا۔ لیکن وہ آسانی سے شام کی حکومت چھوڑنے والے نہ تھے۔'' (سیر الصحابہ ج۶ ص۵۳)

''حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے...... حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کو مشورہ دیا کہ اگر آپ اپنی خلافت کو استوار کرنا چاہتے ہیں تو معاویہ کو ابھی معزول نہ کیجیے اور ان کو ان کے عہدے پر قائم رکھیے...... آپ نے جواب دیا کہ معاویہ جب تک اپنی حرکتوں سے باز نہ آئیں گے اس وقت تک ان کو نہ کہیں کا حاکم بناؤں گا اور نہ ان سے کسی قسم کی مدد لوں گا...... گو امیر معاویہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اچھی نظروں سے نہ دیکھتے تھے۔'' (ایضاً ص۵۳)

''وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت سے صرف اپنے عہدے کی بحالی چاہتے تھے۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے لیے بالکل آمادہ نہ تھے۔ امیر معاویہ کی خوش قسمتی سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل یا کم از کم وہ لوگ جن پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شہید کرنے کا قوی شبہ تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی لاعلمی میں آپ کے ساتھ ہو گئے۔ اس وقت بحیثیت خلیفہ کے قاتلین عثمان کا پتہ چلانا اور ان سے قصاص لینا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرض تھا۔ لیکن مسند خلافت پر قدم رکھتے ہی آپ ایسے جھگڑوں میں مبتلا ہو گئے کہ قاتلین کا پتہ چلانا کیا معنی، نظام خلافت کا سنبھالنا مشکل تھا اور قاتلوں کی تلاش کے لیے سکون واطمینان کی ضرورت تھی۔ لیکن عوام اس مجبوری کو نہیں سمجھ سکتے تھے اور وہ صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا قصاص چاہتے تھے۔ اس لیے امیر معاویہ کو ان کے خلاف پراپیگنڈے کا پورا موقع مل گیا...... غرض ان مواقع اور ان تائیدوں نے امیر معاویہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پورا مخالف بنا دیا۔'' (ایضاً ص۵۵،۵۴)

''مغیرہ بن شعبہ امیر معاویہ کے بڑے ہمدرد و ہوا خواہ تھے۔ انھوں نے ان کے سامنے یزید کی ولی عہدی کی تجویز پیش کی۔ امیر معاویہ نے اس قیصری اور کسروی بدعت کو بہت پسند کیا لیکن اسے عملی جامہ پہنانے میں چندر چند مذہبی اور پولیٹکل دقتیں حائل تھیں۔'' (ایضاً ص۷۴)

''اس وقت عمر کی اٹھتر (۷۸) منزلیں طے کر چکے تھے وقت آخر ہو چکا تھا، اس لیے علاج و معالجے سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ روز بروز حالت گرتی گئی...... لیکن اس وقت بھی حاکمانہ تیور نہ بدلے اور آن بان میں

[1] اس سلسلے میں امیر معاویہ بھی شام سے معزول ہو گئے......

زق نہ آنے دیا...... جب حالت زیادہ نازک ہوگئی تو یزید کو بلا کر کہا کہ جان پدر میں نے تمھاری راہ کے تمام کانٹے ہٹا کر تمھارے لیے راستہ صاف کر دیا ہے اور دشمنوں کو زیر کر کے سارے عرب کی گردنیں جھکا دی ہیں اور تمھارے لیے اتنا مال جمع کر دیا ہے کہ اس سے پہلے کسی نے جمع نہ کیا ہوگا۔'' (ایضاً ص ۷۸)

''لیکن ان واقعات کی تردید کا منشاء امیر معاویہ کی بے جا حمایت یا ان کا اور جناب امیر رضی اللہ عنہ کا موازنہ نہیں ہے۔ ابن عم رسول، خلیفہ راشد علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور امیر شام کا مقابلہ ہی کیا ع

چراغ مردہ کجا شمع آفتاب کجا

(ایضاً ص ۹۹)

''امیر معاویہ نہ خلیفہ راشد تھے اور نہ ان کی حکومت خلافت راشدہ یعنی اسلامی حکومت کا صحیح نمونہ تھی۔ بلکہ وہ ایک دنیوی حکمران تھے اور ان کی حکومت دنیوی بادشاہت تھی۔ جس میں اس کی برائیاں کم اور خوبیاں زیادہ تھیں۔ امیر معاویہ میں یقیناً کمزوریاں تھیں...... حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں ان کی ناحق صف آرائی اور اس میں کامیابی کے لیے ہر طرح کے جائز و ناجائز وسائل کا استعمال، حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب و شتم کی رسم، یزید کی ولی عہدی یہ سب ان کی ایسی کھلی ہوئی غلطیاں ہیں جن سے کوئی حق پرست انکار نہیں کر سکتا۔ خصوصاً یزید کی ولی عہدی نے خلافت کی اصلی روح اور اسلامی حریت و آزادی کا خاتمہ کر دیا۔''

(تاریخ اسلام حصہ دوم ص ۳۶۷)

شاہ معین الدین ندوی صاحب کے بارے میں جناب قاضی مظہر حسین بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ:

''قرآن کے چوتھے موعودہ خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے طرز عمل پر جس انداز میں شاہ معین الدین صاحب نے تبصرہ کیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قلم تو ندوی شاہ صاحب کا ہے لیکن اسے محمود احمد عباسی چلا رہے ہیں۔'' (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نادان حامی غالی گروہ ص ۵۹)

⑪ جناب سید ابوالکلام آزاد صاحب

جناب ابوالکلام آزاد صاحب ایک شعر نقل کرتے ہیں کہ:

فاین الثریا واین الثریٰ؟

واین معاویة من علی؟

(تذکرہ ص ۸۶، داتا پبلشرز لاہور)

''ازاں جملہ بنی امیہ اور آل مروان کی ایک سب سے بڑی ہادم شریعت اور پر معصیت و فسق و عدوان بدعت شنیعہ وہ تھی جس کا انتقامانہ اتباع برادران شیعہ نے شروع کیا...... یعنی سب سے پہلے سرزمین اسلام میں جو رحم و محبت اور صلح و اخوت ہی کی تخم ریزی کے لیے بنی تھی۔ سب و شتم اور لعن و تبرے کا تخم انھوں نے بویا۔

مقدس مساجد اسلام میں جو صرف عبادت و اطاعت الٰہی و اذکار و اشغال مقدسہ کے لیے بنائی گئی تھیں اپنے اغراض نفسانیہ منکرہ سیاسیہ سے اہل بیت نبوت اور امیر علیہ السلام پر علانیہ لعنت بھیجنی شروع کی اور جمعہ کے خطبہ ثانیہ میں اس فعل شنیع و منکر کو (کہ نہیں جانتا اس کو کن لفظوں سے تعبیر کروں) داخل کر دیا۔ چنانچہ تکبیر و تسبیح کی صداؤں میں خطیب منبر پر چڑھتے تھے اور تحمید و تقدیس وصلوٰۃ وتسلیم کے بعد آخر میں حضرت علی علیہ السلام پر علانیہ لعنت بھیجتے تھے۔

اور پھر شمشیر ظلم سے لوگوں کی زبانوں کو اس طرح لرزاں و ترساں رکھتے تھے کہ کسی کو اس صریح فسق عظیم و معصیت کبریٰ و ہتک شریعت الٰہیہ کے خلاف لب کشائی کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰہُ وَھُمُ الَّذِیْنَ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ لیکن تاریخ اسلام حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی ہمیشہ رہین منت رہے گی کہ انھوں نے تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی اس بدعت کا انسداد کیا اور مساجد اسلام کو ان کی چھنی ہوئی عزت وحرمت واپس دلا دی۔ چنانچہ لعن وتبرے کی جگہ خطبہ ثانیہ میں اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ...... داخل کیا۔ یہ آیت کریمہ آج تک خطبہ جمعہ کا جزو آخری ہے اور ہر ہفتے سیئات بنی امیہ اور حسنات عمر بن عبدالعزیز پر گواہی دیتی ہے...... اس بزرگ جلیل اموی کا یہ ایک ایسا عمل عظیم تھا کہ سادات عظام اور دودمان حضرت خیر الانام نے بھی اس کا اعتراف کیا......

ازاں جملہ بنی امیہ کا سب سے بڑا ظلم جو انھوں نے اسلام پر کیا، یہ تھا کہ خلافت راشدہ کو جس کی بنا اجماع و مشورہ مسلمین پر تھی۔ حکومت شخصی و مستبدہ وسلطنت ملکیہ و سیاسیہ میں تبدیل کر دیا اور حکومت کی بنیاد شریعت پر نہیں رکھی بلکہ محض قوت اور سیاست پر۔ اور تاریخ اسلام کے تمام صغار و کبار و اعالی و ادانی اس پر متفق ہیں اور تمام اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ ایک سخت بدعت تھی اور مطابق ارشاد صادق و مصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام "ملک عضوض" کا آغاز تھا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سدباب کا پہلا دن ہے اور یہی دن ہے کہ تاریخ اسلام ہمیشہ اس پر ماتم و فریاد کرے گی۔"

(آزاد صاحب کی ان آزاد از اسلام باتوں پر مولانا عبیداللہ سندھی صاحب نے اعتراض کیا تھا کہ آپ بلا استثنا بنی امیہ کو ظالمین کے الفاظ سے مخاطب کرتے ہیں اور انتہائے غصہ میں رسول علیہ السلام کی قرابت داریوں کو بھی بھول جاتے ہیں (الہلال ج۲ص۳۶۳) بلکہ امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا لا ابالانہ انداز سے ذکر فرماتے ہیں اور ستم تو یہ ہے کہ جناب ان کے اسی ضرب المثل حلم اور ساٹھ برس کی بڑھیا کی ہفوات سے درگزر فرما جانے کو کن نگاہوں سے ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ (ایضاً ص۳۶۱ ج۲) اس کے جواب میں موصوف لکھتے ہیں کہ:

"استثنا بر بنائے اعمال صالحہ ہر حال میں قدرتی طور پر موجود ہے اور حکم اکثر پر ہوتا ہے۔ حضرت عثمان

رضی اللہ عنہ خود بخود مستثنیٰ ہو گئے جبکہ خلفائے راشدین سے الگ بنی امیہ کا ذکر کیا گیا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز اپنے اعمال غیر امویہ واتباع سنت شیخین جلیلین کی بنا پر۔ یہ امر ایسا نہ تھا کہ موجب اعتراض ہوتا اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت داری کی نسبت جو فرمایا تو اگر آپ کے حکم سے اس کا ہر حال میں لحاظ رکھوں اور اسی کو محور منقبت و منقصت قرار دوں تو ان مشکلات کا کون ذمہ دار ہوگا جو دو چار قدم کے بعد ہی پیش آنا شروع ہو جائیں گی؟ شاید اس کا جناب کو خیال نہ رہا۔

حسن از بصرہ بلال از حبش سہیل از روم
از خاک مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبیست

بنی امیہ کے حسنات سیاسیہ وملکیہ سے کسی کو انکار نہیں..... پس ہم ان کی سیاست دینیہ کی برائی کرنے میں باک نہیں رکھتے، اور اسی طرح ان کے حسنات ملکیہ و سیاسیہ کے اعتراف میں بھی بخیل نہیں۔ لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ یزید کے ذہین وطباع ہونے کے صلہ میں اس کے شرب وخمر وظلم وفسق کی بھی تعریف کریں۔ یا چونکہ ایک شخص خوش تقریر ہے لہٰذا کوئی مضائقہ نہیں کہ اگر تارک صلوٰۃ بھی ہو۔ مقصد اصلی یہ ہے کہ بنی امیہ نے خلافت دینی کو جس کا عمود کار اتباع شریعت تھا محض حکومت وسیاست کی صورت میں تبدیل کر دیا۔ اور جو بنیاد خلفائے راشدین نے رکھی تھی اس کو اپنے اغراض نفسانیہ و ہوائے شخصیہ پر قربان کر کے منہدم کر دیا۔ ظلم و منکرات کا بازار گرم ہو گیا، آزادی رائے کو بزور شمشیر بند کرنا چاہا اور علی الخصوص سب سے پہلے تاریخ اسلام میں احکام شریعت پر اپنے اغراض نفسانیہ و سیاسیہ کو مقدم کرنے اور حسب ضرورت اس میں تحریف توجیہ نما کرنے کی بنیاد ڈالی۔ یہی بنیاد تھی جس پر بعد کو آنے والوں نے بڑی بڑی عمارتیں کھڑی کیں اور ہمیشہ کے لیے تاریخ اسلام اپنے ابتدائی سی سالہ (۳۰) عہد اصلی کو ماتم وحسرت کے ساتھ یاد کرتی رہی۔

دور اوائل اور ظہور منکرات: آپ متعجب ہیں کہ میں نے اس ابتدائی عہد کو دور محدثات و بدعات کہا۔ لیکن شدت تعجب و وفور حیرانی سے میں اس کے جواب پر قادر نہیں۔ فیا للعجب! یہ جملہ لکھ کر جناب نے تاریخ اسلام کے نہیں معلوم کتنے ضخیم ابواب وفصول کو دنیا سے نابود کر دینا چاہا۔ یہ آپ کہاں ہیں؟ اور کیا فرما رہے ہیں؟

کیا زیاد بن سمیہ کا استلحاق اور اس کے لیے مجلس شہادت مقرر کرنی ایک اولین بدعت اسلام میں نہ تھی.....سمیہ جاہلیت کی ایک زانیہ و فاحشہ عورت تھی۔ ابوسفیان اس کے پاس رہا تھا اور اسی سے زیاد پیدا ہوا تھا۔ لیکن اغراض سیاسیہ سے اس کا پھر استلحاق کیا گیا..... مجلس شہادت بھی منعقد ہوئی تھی..... ایسی شہادتوں سے بالآخر زیاد بھی شرما گیا.....

کیا خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کو حکومت اور ملک عضوض میں بدل دینا بھی بدعت نہ تھی؟ کیا مشورے کا

سدباب ایک اشد شدید بدعت فی الدین نہ تھی؟ کیا مسلمانوں پر جنگ میں پانی کا روک دینا بھی بدعت نہ تھا؟ جبکہ دوسرا فریق غالب ہو کر بھی پانی نہیں روکتا۔ کیا سخت سے سخت مکر و خدع سے کام لینے میں بھی باک نہ ہونا، خفیہ دسائس سے مسئلہ حکمین کا فیصلہ کرنا، اپنے اغراض سیاسی کو ہر موقع میں شریعت پر ترجیح دینا اور اس کے لیے لوگوں کو خفیہ و علانیہ بیت المال سے روپیہ دینا، شخصی طور پر بزور و جبر اپنے لڑکے کو ولی عہد بنانا، عجمی شان و شکوہ اور علو و رفعت سے دربار آرائی کی اساس اولین قائم کرنا، مسجد میں اپنے لیے عام مسلمانوں سے الگ مقصورہ بنا کر نماز پڑھنا اور شمشیر برہنہ نگہبانوں کے حصار کے اندر سجدہ کرنا اور اسی طرح کی بیسیوں محدثات کو بھی بدعت تسلیم نہیں کیا جائے گا؟ اور پھر یہ تو خود امیر معاویہ کے زمانے کے حالات ہیں۔ آگے چل کر جو کچھ ہوا اس پر نظر ڈالیے۔''

(الہلال ۲۱ جمادی الثانیہ ۱۳۳۱ھ بمطابق ۲۸ مئی ۱۹۱۳ء کلکتہ ص۱۰-۱۲۔ الہلال اکیڈمی اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور ص۳۶۲، ۳۶۴ ج۲)

⑫ (مشہور اہل حدیث عالم) علامہ وحید الزمان

''یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن خلق تھا اور مصلحت بھی تھی۔ کیونکہ ابوسفیان کافروں کا سردار تھا۔ اس کی تالیف قلب بھی ضروری تھی۔ ہر چند ابوسفیان کا اسلام پہلے پہل جان کے ڈر سے تھا مگر بعد کو شاید پختہ ہو گیا ہوگا۔ اور جب آدمی اسلام لایا تو اس کے قصور کفر کے وقت کے سب معاف ہو جاتے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحشی قاتل حمزہ کا اسلام قبول کیا۔ اس پر بھی ابوسفیان کا خاندان خاندان نبوی کا ہمیشہ دشمن رہا۔ ابوسفیان عمر بھر حضرت سے لڑتا رہا اور صدہا مسلمانوں کو اس نے شہید کیا۔ اور اس کے بیٹے معاویہ بن ابی سفیان نے جناب امیر المومنین خلیفہ برحق علی مرتضٰی شیر خدا کا مقابلہ کیا اور جنگ صفین میں ہزاروں مسلمانوں کا خون کیا۔ ان کے بیٹے یزید پلید نے تو ستم ہی ڈھایا۔ امام حسن علیہ السلام کو زہر دلوایا اور امام حسین علیہ السلام کو ایسے ظلم سے شہید کرایا جس کا حال لکھنے سے قلم کانپتا ہے۔ پھر یزید کے بعد بھی سارے خلفائے بنو امیہ سوا عمر بن عبدالعزیز کے خاندان نبوی کے دشمن رہے اور ہمیشہ درپے ایذا اور تصدیع رہے۔ اور دنیائے دنی کے واسطے اپنی آخرت کو تباہ کرتے رہے۔'' (شرح صحیح مسلم ج۶ ص۱۷۴)

''ان کے والد ابوسفیان تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے برابر جنگ کرتے رہے اخیر میں مجبور ہو کر مسلمان ہوئے۔ معاویہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منشی بھی تھے۔ ۶۰ ھ میں دمشق میں مرے۔ بیاسی سال کی عمر پائی۔ امام بخاری نے اور بابوں کی طرح یوں نہ کہا کہ معاویہ کی فضیلت، کیونکہ ان کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہوئی۔ امام نسائی اور اسحاق بن راہویہ نے ایسا ہی کہا۔ مترجم کہتا ہے کہ صحابیت کا ادب ہم کو اس سے مانع ہے کہ ہم معاویہ کے حق میں کچھ کہیں۔ لیکن سچی بات ہے کہ ان کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی الفت اور محبت نہ تھی۔ جب امام حسن علیہ السلام کا انتقال ہوا تو کہنے لگے ایک انگارہ تھا جس کو اللہ نے بجھا دیا۔ ان

کا باپ ابوسفیان ساری عمر آنحضرت ﷺ سے لڑتا رہا۔ یہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑے۔ ان کے بیٹے ناخلف یزید پلید نے تو غضب ڈھایا۔ امیر المومنین امام حسین علیہ السلام کو مع اکثر اہل بیت کے بڑے ظلم وستم کے ساتھ شہید کرایا۔" (تیسیر الباری ترجمہ وشرح صحیح بخاری ج ۵ ص ۹۰ تحت باب ذکر معاویہ)

"آنحضرت ﷺ اس دوگانہ (عصر کے بعد دو رکعتیں) کو گھر میں آن کر پڑھتے تھے۔ شاید معاویہ نے نہ دیکھا ہوگا۔ امام بخاری نے ایک مرفوع حدیث بھی معاویہ کی فضیلت میں بیان نہیں کی۔ ادھر ادھر کے تذکرے کر دیے۔ امام نسائی نے ایک خاص کتاب خصائص کبریٰ جناب علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں مرتب کی تو خارجیوں نے ان پر بلوہ کیا اور کہا کہ معاویہ کی فضیلت میں بھی تم نے کوئی کتاب لکھی ہے۔ انھوں نے کہا کہ ان کی فضیلت کہاں سے آئی؟ یا ان کی فضیلت میں تو کوئی حدیث صحیح نہیں ہوئی۔ البتہ ایک حدیث یہ ہے کہ اللہ ان کا پیٹ نہ بھرے۔ اس پر ان خارجی مردودوں نے امام نسائی کو گھونسوں اور لاتوں سے شہید کر ڈالا۔"

(ایضاً ص ۹۱، ۹۲)

"ایک سچے مسلمان کا جس میں ایک ذرہ برابر بھی پیغمبر صاحب کی محبت ہو دل یہ گوارا کرے گا کہ معاویہ کی تعریف وتوصیف کرے۔ البتہ ہم اہل سنت کا یہ طریق ہے کہ صحابہ سے سکوت کرتے ہیں۔ اس لیے معاویہ سے بھی سکوت کرنا ہمارا مذہب ہے۔ اور یہی اسلم اور قرین احتیاط ہے مگر ان کی نسبت کلمات تعظیم مثل "حضرت" و"رضی اللہ عنہ" کہنا سخت دلیری اور بے باکی ہے اللہ محفوظ رکھے۔"

(وحید اللغات مادہ عز، حیات وحید الزمان موافقہ مولانا محمد عبدالحلیم چشتی ص ۱۰۹، بحوالہ دفاع حضرت معاویہ ص ۱۱۹)

"ہم اہل سنت والجماعت معاویہ اور عمرو بن عاص اور حجاج وغیرہم کی تکفیر نہیں کرتے نہ ان پر لعنت کرنا بہتر جانتے ہیں بلکہ ان کو ظالم اور فاسق سمجھتے ہیں۔ اور جن لوگوں نے معاویہ اور عمرو بن عاص کو صحابیت کی وجہ سے واجب التعظیم اور واجب المدح سمجھا ہے انھوں نے غلطی کی ہے۔ لفظ صحابیت سے بدوں ادائے حقوق صحبت کے کچھ نہیں ہوتا۔ جیسے بی بی ام سلمہ نے آنحضرت ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ بعض اصحاب میرے ایسے ہیں جو دنیا سے جانے کے بعد پھر مجھ کو نہ دیکھیں گے۔" (انوار اللغۃ پ ۱۴ ص ۹ مطبوعہ بنگلور)

"میرا تو اعتقاد یہ ہے کہ "اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا" کی حدیث (معاویہ کے حق میں) صحیح نہیں ہے۔ جیسے امام احمد اور امام نسائی نے فرمایا کہ معاویہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہوئی۔ اور اس کی عدم صحت کے قرائن یہ ہیں کہ معاویہ نے ایسے ایسے خلاف شرع کام کیے ہیں جو عین ضلالت ہیں نہ کہ ہدایت، مثلاً زیاد کے نسب کا الحاق ابوسفیان سے، حجر بن عدی کا قتل، یزید کے لیے بالجبر و بہ مکر وفریب بیعت کرانا، نقض اس معاہدہ کا جو امام حسن علیہ السلام سے کیا تھا۔ وغیرہ وغیرہ" (ایضاً پ ۲۷ ص ۲۰ دفاع معاویہ ص ۱۲۰)

"جناب امیر علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ قسم خدا کی میری محبت اور معاویہ کی محبت دونوں مومن کے دل میں

جمع نہ ہوں گی۔'' (ایضاً پ۲۱ ص۱۴۵)

''بھلا ان پاک نفسوں پر معاویہ کا قیاس کیونکر ہو سکتا ہے جو نہ مہاجرین میں سے نہ انصار میں سے۔ نہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی خدمت اور جاں نثاری کی بلکہ آپ سے لڑتے رہے اور فتح مکہ کے دن ڈر کے مارے مسلمان ہو گئے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ رائے دی کہ علی اور طلحہ اور زبیر کو قتل کر ڈالیں۔'' (وحید اللغات مادہ عز، حیات وحید الزمان ص۱۰۹)

مولانا عبدالحلیم صاحب چشتی مولوی وحید الزمان خان کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''افسوس حیدر آباد میں امراء کی صحبت، دراسات اللبیب مولفہ ملا معین ٹھٹھوی اور شیخ طوسی کی مجمع البحرین کے مطالعہ نے اخیر عمر میں اہل بیت سے محبت غلو کے درجے میں پہنچا دی تھی اور تفضیلی قسم کے تسنن کا رنگ غالب آ گیا تھا۔ آپ نے اس کو تبلیغی انداز میں جا بجا بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''اس مسئلے میں قدیم سے اختلاف چلا آیا ہے کہ عثمان اور علی رضی اللہ عنہما دونوں میں کون افضل ہیں؟ لیکن شیخین کو اکثر اہل سنت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل کہتے ہیں۔ اور مجھ کو اس امر پر بھی کوئی دلیل قطعی نہیں ملی۔ نہ یہ مسئلہ کچھ اصول اور ارکان دین میں سے ہے۔ زبردستی اس کو متکلمین نے عقائد میں داخل کر دیا ہے۔''

(وحید اللغات مادہ عثم، حیات وحید الزمان ص۱۰۳)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے تئیں سب سے زیادہ خلافت کا مستحق سمجھتے تھے اور ہے بھی یہی۔ آپ بلحاظ قرابت قریبہ اور فضیلت اور شجاعت کے سب سے زیادہ پیغمبر کی قائم مقامی کے مستحق۔ مگر چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی صاف اور صریح نص خلافت کے باب میں وفات کے وقت نہیں فرمایا اور صحابہ نے اپنی رائے اور مشورے سے بلحاظ مصلحت وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا لیا تو آپ صبر کر کے خاموش رہے۔ اگر اس وقت تلوار نکالتے اور مقاتلہ کرتے تو دین اسلام مٹ جاتا۔ اور خدا کو یہی منظور تھا کہ ابوبکر پہلے خلیفہ ہوں پھر عمر پھر عثمان پھر علی۔ (رضی اللہ عنہم) اس میں یہ حکمت تھی کہ چاروں کو خلافت مل جائے۔ اگر جناب پہلے پہل خلیفہ ہو جاتے تو یہ تینوں صاحب اس فضیلت سے محروم رہتے۔'' (وحید اللغات مادہ عجز، حیات وحید الزمان ص۱۰۶، ۱۰۷)

موصوف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مدفن کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''مگر صحیح قول یہ ہے کہ آپ کا سر مبارک مدینہ طیبہ میں قبہ اہل بیت میں مدفون ہے اور جسد مبارک بالاتفاق کربلائے معلیٰ میں ہے۔ دمشق میں عجیب اتفاق ہوا جب میں اس گنبد کی زیارت کو گیا تو اس کے پاس جاتے ہی واقعہ شہادت آنکھوں میں پھر گیا اور میں دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ سارے عرب جو حاضر تھے تعجب کرنے لگے اور میرا رونا تھمتا ہی نہ تھا۔ بار بار عربی زبان میں کہتا ہائے ہماری قسمت کہ آپ کے بعد پیدا ہوئے۔ اگر اس وقت ہوتے جب آپ کربلائے معلیٰ میں گھر گئے تھے تو پہلے ہم آپ سے تصدق ہو جاتے پھر

کوئی ملعون آپ پر ہاتھ ڈالتا۔'' (وحید اللغات مادہ ذرف، حیات وحید الزمان ص۱۱۲)

''اکثر لوگوں نے سال ہجری کا شروع محرم سے رکھا ہے مگر جب سے امام حسین کی شہادت محرم میں ہوئی یہ مہینہ خوشی کا نہیں رہا۔ مترجم کہتا ہے اگر سب مسلمان مل کر سال کا آغاز شوال سے کر لیں تو بہت مناسب ہوگا۔ اور غرہ شوال کا پہلا دن ہو۔ اس دن خوشی کریں کھائیں پییں۔ محرم کا مہینہ شہادت کی وجہ سے غم کا مہینہ ہوگیا ہے۔ دوسری قومیں سال کے پہلے دن میں خوشی کرتی ہیں اور مسلمان روتے پیٹتے اور غم کرتے ہیں۔'' (وحید اللغات مادہ عود، حیات وحید الزمان ص۱۱۲)

موصوف کے مذکورہ نظریات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ کٹر قسم کے رافضی تھے۔ محض اہل سنت کو دھوکا دینے کے لیے تقیۃً ان کی صفوں میں گھسے ہوئے تھے اور ان کے لیے شارح صحاح ستہ اور شارح مؤطین کی حیثیت سے کام بھی کیا۔ بعض حضرات کے اس خیال کے ساتھ اتفاق نہیں کیا جا سکتا کہ موصوف پہلے کٹر سنی حنفی تھے، پھر حنفیت کو چھوڑ کر غیر مقلد بن گئے، اور پھر مسلک اہل حدیث کو بھی خیر باد کہہ کر مذہب شیعہ اپنا لیا۔ کیونکہ اوپر شرح صحیح مسلم اور صحیح بخاری کے حوالے سے حضرت معاویہ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے متعلق ان کی ہفوات گزر چکی ہیں۔

⑬ ملا علی قاری رحمہ اللہ

حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ زیر عنوان "اختلف اهل السنة فى تسمية للمعاوية باغيا" لکھتے ہیں کہ:

((ثم كان معاوية مخطيا الا انه فعل ما فعل عن تاويل فلم يصر به فاسقا واختلف اهل السنة والجماعة فى تسمية باغيا فمنهم من امتنع من ذلك والصحيح من اطلق (بلفظ الباغى اى على المعاوية) لقوله لعمار تقتلك الفئة الباغية وكان على مصيبا فى التحكيم وزعمت الخوارج انه كان مخطيا فيه وقد كفر اذا الواجب فى اهل البغى المحاربة لقوله سبحانه و تعالىٰ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ولكنا نقول المقصود اراد دفع الشر وتاليف القلوب وذا فيما فعل على)) (شرح فقہ اکبر ص۸۲)

''(جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے فعل پر ندامت کا اظہار کیا اور اس قدر روئیں کہ ان کا دوپٹہ آنسوؤں سے تر ہوگیا) پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مخطی تھے مگر انھوں نے جو کچھ کیا تاویل کے ساتھ کیا **پس وہ اس فعل کی وجہ سے فاسق نہیں ہوئے۔**

اور اہل سنت والجماعت نے (انھیں) باغی کا نام دینے میں اختلاف کیا ہے۔ پس بعض نے اس سے منع کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ معاویہ پر باغی کا اطلاق درست ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت عمار

رضی اللہ عنہ کے لیے اس قول کی بنا پر کہ تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تحکیم میں مصیب تھے اور خوارج نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ اس میں مخطی تھے اور انھوں نے کفر کا ارتکاب کیا۔ ان پر باغیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی بنا پر لڑنا فرض تھا کہ ''اگر ان دونوں گروہوں میں سے ایک دوسرے گروہ پر بغاوت کرے تو تم اس کے ساتھ قتال کرو جس نے بغاوت کی ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔'' اور لیکن ہم کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رفع شر اور تالیف قلوب کی وجہ سے تحکیم قبول کی تھی۔''

اس عبارت سے درج ذیل امور ثابت ہوئے:

① حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مخطی تھے۔

② اس فعل کی وجہ سے وہ فاسق نہیں ہوئے۔

③ جو اہل سنت ان پر باغی کا اطلاق نہیں کرتے وہ غلط ہے۔

④ انھیں باغی کہنا صحیح ہے۔

⑤ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی انھیں باغی سمجھتے تھے۔ مگر انھوں نے اللہ کے حکم فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ کی خلاف ورزی ''دفع شر اور تالیف قلوب'' کی خاطر کی تھی۔

موصوف اپنی ایک دوسری کتاب میں حدیث عمار کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:

((اعلم ان عمارا قتله معاوية وفئته فكانوا طاغين باغين بهذا الحديث......))

(مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۱۱ ص ۱۷۱، مکتبہ امدادیہ ملتان)

''جاننا چاہیے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو معاویہ اور اس کے گروہ نے قتل کیا تو وہ اس حدیث کی رو سے طاغی (سرکش) باغی ہو گئے۔''

جن حضرات نے باغی کی تاویل طالب دم عثمان سے کی ہے انھیں جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

((قلت فاذا كان الواجب عليه ان يرجع عن بغيه باطاعة الخليفة ويترك المخالفة وطلب الخلافة المنفية فتبين بهذا انه كان فى الباطن باغيا وفى الظاهر مستترا بدم عثمان مراعيا مرائيا فجاء هذا الحديث عليه ناعيا وعن عمله ناهيا لكن كان ذلك فى الكتاب مسطورا فصار عنده كل من القران والحديث مهجورا فرحم الله من انصف ولم يتعصب ولم يتعسف وتولى الاقتصاد فى الاعتقاد لئلا يقع فى جانبى سبيل الرشاد من الرفض والنصب بان يحب جميع الال والصحب)) (ایضاً ص ۱۷۱)

''میں کہتا ہوں کہ جب معاویہ پر واجب تھا کہ وہ خلیفہ کی اطاعت کرکے اپنی باغیانہ سرگرمیوں سے رجوع کرتا اور (خلیفہ کی) مخالفت اور منفی خلافت کی طلب و خواہش ترک کر دیتا۔ مگر صورتاً اس نے اپنی

حفاظت کے لیے ریاکارانہ طور پر قصاص عثمان کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا پس یہ حدیث اس کے باغی ہونے کے اعلان کرنے اور اس کے عمل بغاوت سے روکنے کے لیے آ گئی۔ لیکن یہ سب کچھ تقدیر میں اسی طرح لکھا ہوا تھا پس قرآن و حدیث دونوں اس کے نزدیک متروک ہو گئے۔ سو اللہ رحم کرے اس شخص پر جس نے تعصب اور ظلم سے کام نہ لیا اور اعتقاد میں میانہ روی اختیار کی تاکہ صراط مستقیم سے ہٹ کر رافضیت اور ناصبیت میں نہ جا پڑے اور یہ کہ تمام آل و اصحاب سے محبت رکھے۔''

موصوف کی اس تشریح سے حسب ذیل امور واضح ہوئے:

① معاویہ کو چاہیے تھا کہ بغاوت سے رجوع کرتا۔
② اسے خلیفہ کی اطاعت کرنی چاہیے تھی۔
③ اسے چاہیے تھا کہ وہ خلیفہ کی مخالفت اور ناجائز خلافت کی طلب ترک کر دیتا۔
④ وہ حقیقت (باطن) میں باغی تھا۔
⑤ اس نے دکھلاوے کے لیے دم عثمان کی آڑ لے رکھی تھی۔
⑥ حدیث عمار اس کے باغی ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر رہی ہے۔
⑦ اس نے قرآن و حدیث کے واضح احکام کی خلاف ورزی کی۔
⑧ موصوف کے نزدیک انصاف اور اعتدال یہ ہے کہ اسے مذکورہ بالا امور کا مرتکب سمجھا جائے۔

حضرت مولانا ابو ریحان عبدالغفور سیالکوٹی صاحب ملا علی قاری کے اس منصفانہ اور معتدلانہ نظریہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''کیا خوب! اگر یہ بھی انصاف و اعتدال، تعصب و تعسف سے پاک سبیل الرشاد اور حب آل و اصحاب ہے تو ملا علی قاری کو تسلی رکھنی چاہیے کہ پھر آل و اصحاب کے حق میں بے اعتدالی و بے انصافی، تعصب و تعسف اور بغض آل و اصحاب نامی کوئی چیز دنیا میں نہیں۔ پھر رافضی و ناصبی اور خارجی و سبائی دنیا میں کوئی نہیں۔'' (سبائی فتنہ ج ۱ ص ۴۹۹ طبع اول)

تعجب ہے کہ ملا علی قاری نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ گستاخانہ کلمات تحریر کیے ہیں۔ حالانکہ موصوف خود اپنی اسی کتاب میں یہ جملہ بھی لکھ رہے ہیں کہ:

((ولا ارتیاب ان دعاء النبی ﷺ مستجاب فمن کان هذا حاله کیف یرتاب فی حقه)) (مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۱۱ ص ۴۳۸)

''اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی دعا قبول ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا جس کی حالت یہ ہو (یعنی وہ ہادی مہدی ہو اور دوسروں کے لیے سبب ہدایت بھی بنا ہو) اس کے بارے میں کس

طرح شک کیا جاسکتا ہے۔"

اس تضاد کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاید موصوف کے نزدیک آنحضرت ﷺ کی اس دعا "اللهم اجعله هاديا مهديا واهد به" کے مخاطب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے علاوہ کوئی اور معاویہ ہیں، یا پھر کسی سبائی کاتب نے مذکورہ گستاخانہ کلمات ان کی طرف منسوب کر دیے ہیں۔

⑭ علامہ سعد الدین تفتازانی شارح عقائد نسفی

موصوف اہل سنت کے ہاں امام فی العقائد مانے جاتے ہیں مگر وہ بھی اپنے آپ کو شیعی اثرات اور جراثیم سے محفوظ نہیں رکھ سکے یا پھر بعض قابل اعتراض عبارات ان کی طرف منسوب کر دی گئیں۔

علامہ صاحب ایک مثال دیتے ہیں کہ:

رکب علی وهرب معاوية۔ علی سوار ہوا اور معاویہ بھاگ گیا۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((فالتعظيم ماخوذ من لفظ على لاخذہٖ من العلو والاهانة ماخوذ من لفظ معاوية لانه ماخوذ من العوٰى وهو صراح الذئب والكلب))

"پس تعظیم لفظ علی سے ماخوذ ہے کہ اس میں علو (سربلندی) کا مفہوم پایا جاتا ہے اور اہانت لفظ معاویہ سے ماخوذ ہے کیونکہ وہ "عویٰ" سے لیا گیا ہے اور وہ بھیڑیے اور کتے کا بھونکنا ہے۔"

(مختصر المعانی ص ۷۱ تحت احوال المسند الیہ، تعریف بالعلمیہ)

دار العلوم دیوبند کے ایک جلیل القدر محدث، مفسر اور استاذ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ تفتازانی کی اس مکروہ مثال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

((ولا يخفى ما فيه من سوء الادب فی حق سيدنا معاوية رضی اللہ عنہ والجرأة عليه بما لا يليق......)) (حاشیہ مختصر المعانی ص ۷۱)

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں جو جرأت، بے ادبی اور گستاخی اس مکروہ مثال میں پائی جاتی ہے" مخفی اور پوشیدہ نہیں۔ یہ مثال نامناسب ہے۔"

حضرت شیخ الہند کی طرف سے تفتازانی صاحب کا تعاقب اور گرفت اس بات کا ثبوت ہے کہ "آں محترم" کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی ہوئی ہے۔

موصوف اپنی ایک دوسری کتاب میں یزید بن معاویہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

((لا نتوقف فی شانه بل فی ايمانه لعنة الله عليه وعلى انصاره واعوانه))

(شرح عقائد ص ۱۱۷)

''ہم اس کی شان بلکہ اس کے ایمان ہی کے بارے میں کوئی توقف نہیں کرتے۔ اللہ کی پھٹکار ہو یزید پر، اس کے سارے یاروں اور مددگاروں پر۔''

علامہ تفتازانی کے اس عقیدے میں سیدنا معاویہ، سیدنا مغیرہ بن شعبہ اور دیگر صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم پر واضح تبرا اور لعنت کی گئی ہے۔ اعوان و انصار کے عموم سے ان حضرات کو کون مستثنیٰ کر سکتا ہے؟

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے بھی اس قول کو نقل کر کے اس پر بحث کی ہے۔ (شرح فقہ اکبر ص ۸۸)

یہی قول علامہ قسطلانی نے بھی اپنی کتاب ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ

((لا نتوقف فی شانہ بل فی ایمانہ لعنۃ اللہ علیہ وعلی انصارہ واعوانہ))

(بحوالہ مقالات ج ۲ ص ۳۳۵، پیر کرم شاہ صاحب ازہری)

علامہ تفتازانی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مزید لکھتے ہیں کہ:

((ویتأول تاویلا فاسدا ولھذا ذھب الاکثرون الی ان اول من بغٰی فی الاسلام معاویۃ)) (شرح المقاصد جلد دوم ص ۳۰۶)

''معاویہ فاسد تاویل کرتا تھا۔ لہٰذا اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ اول جس نے اسلام میں بغاوت کی معاویہ ہے۔''

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جمہور نے اسے اجتہادی اختلاف قرار دیا ہے۔ اور موصوف کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ معاویہ پہلا شخص ہے جس نے اسلام میں بغاوت کی۔ حالانکہ جنگ جمل پہلے ہوئی ہے اور طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے توڑی ہے۔ کوئی مسلمان ان حضرات (از عشرہ مبشرہ) کی طرف بغاوت کی نسبت نہیں کر سکتا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تو بیعت ہی نہیں کی پھر ان کی طرف کس طرح "اول من بغٰی فی الاسلام" کی نسبت کی جا سکتی ہے؟

⑮ امام حاکم نیشاپوری صاحبِ مستدرک (م ۴۰۵ھ)

علامہ ابن طاہر مقدسی امام حاکم کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

((کان منحرفًا عن معاویۃ والہ متظاھرا بذلك ولا یعتذر منہ))

(تذکرۃ الحفاظ للذہبی تحت ابو عبداللہ الحاکم)

''وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی آل اور پیروکاروں سے سخت منحرف اور بے زار تھے، اس چیز کا برملا اظہار کرتے تھے اور اس سلسلے میں کسی معذرت کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔''

جب امام حاکم کی تبلیغ سے محاربین علیؓ بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی آل و متبعین پر تبرا عام ہونے لگا تو ایک جماعت اور گروہ نے اس رویہ سے تنگ ہو کر امام حاکم کے اس منبر کو (جس پر وہ مجلس پڑھتے

تھے) توڑ دیا اور آیندہ کے لیے انھیں گھر سے باہر مسجد کی طرف نکلنے اور خطبہ دینے سے منع کر دیا۔ ان حضرات کا یہی مطالبہ تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول ہیں، ان کے خلاف بد زبانی نہ کی جائے۔ چنانچہ ابو عبدالرحمن السلمی امام حاکم کے گھر تشریف لے گئے اور ان سے درخواست کی کہ حضرت! لوگوں کا بس یہی ایک مطالبہ ہے کہ آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر جو تبرا کرتے ہیں اس سے معذرت کر لیں اور ان کی منقبت وشان میں کوئی حدیث بیان کر دیں تاکہ اس محصوری سے نجات مل جائے، تو موصوف نے جواباً واشگاف الفاظ میں کہا کہ "لا یجیء من قلبی ، لا یجیء من قلبی"، "میرے دل میں اس شخص کی محبت نہیں آ رہی۔ مجھے یہ تکلیف تو گوارا ہے لیکن اس شخص (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کی فضیلت میں حدیث بیان کر کے چھٹکارا حاصل نہیں کرنا چاہتا۔" اس کتاب میں امام ذہبی رحمہ اللہ نے "غالیاً" کا لفظ بھی لکھا ہے کہ:

((وکان منحرفا غالیًا عن معاویة وعن اهل بیته یتظاهر بذلك ولا یعتذر منه))

(ملاحظہ ہو سیر اعلام النبلاء ج ۱۷ص ۱۷۵۔ تفصیل وتحقیق کے متلاشی قارئین راقم الحروف کی کتاب "حدیث کلاب حوأب کا تاریخی، تحقیقی اور علمی محاکمہ" کی طرف مراجعت فرمائیں۔)

⑯ امام ابوبکر جصاص

امام ابوبکر جصاص حنفی مشہور مفسر قرآن ہیں۔ یہ اپنی تفسیر احکام القرآن میں اکثر مقامات پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بغض وعداوت اور اہانت آمیز سلوک اختیار کر گئے ہیں۔ چنانچہ کلیۃ الشریعہ جامعہ ازہر کے پروفیسر اور مصر کے ممتاز عالم ڈاکٹر محمد حسین ذہبی نے اپنی کتاب "التفسیر والمفسرون" میں "حملة الجصاص علیٰ معاویة رضی اللہ عنہ" یعنی "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر جصاص کی یورش" کا عنوان قائم کر کے چند عبارات نقل کی ہیں۔

جصاص آیت تمکین "اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

"اس آیت میں خلفائے راشدین کے اوصاف ذکر کیے گئے ہیں اور وہ حضرت ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم تھے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی امامت جائز اور درست تھی۔ اس لیے کہ آیت میں بتایا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کو جب زمین کا اقتدار سونپا جاتا ہے تو وہ اللہ کے فرائض وواجبات کو قائم کرتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ خلفاء کو اقتدار عطا کیا گیا۔ اس لیے خلفائے راشدین خداوندی اوامر واحکام کو نافذ کرنے والے اور شرعی منہیات ومحرمات سے باز رہنے والے تھے۔ معاویہ ان کے زمرے میں شامل نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کہ اس آیت میں مہاجرین کا ذکر کیا گیا ہے اور معاویہ مہاجر نہ تھے بلکہ وہ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے تھے۔"

(احکام القرآن ج ۳ص ۳۰۳)

موصوف آیت استخلاف کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ:

''اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین کی امامت صحیح ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حسب وعدہ ان کو خلافت ارضی سے نوازا تھا۔ معاویہ ان کے زمرے میں اس لیے شامل نہیں کہ وہ اس وقت تک ایمان نہیں لایا تھا۔'' (ایضاح ج۳ ص۴۰۶)

سورۃ الحجرات کی آیت قتال اہل البغی کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

''حضرت علی ؓ لڑائی میں حق پر تھے۔ اس کے برخلاف معاویہ اور ان کے ہم نوا باغی تھے۔ علاوہ ازیں جس نے بھی حضرت علی ؓ کے خلاف خروج کیا وہ باغی ہے۔'' (ایضاح ج۳ ص۴۹۲)

علامہ محمد حسین ذہبی لکھتے ہیں کہ:

''جصاص کا یہ طرز عمل سخت قابل اعتراض ہے۔ اچھا ہوتا کہ وہ حضرت معاویہ ؓ کو اس میں ملوث نہ کرتے اور ان کا معاملہ خدا کے سپرد کر دیتے۔ مذکورہ صدر آیات کو اپنے جذبات ونظریات کے سانچہ میں ڈھالنا بھی کوئی قابل اعتراض کام نہیں۔'' (بحوالہ تاریخ تفسیر ومفسرین از پروفیسر غلام احمد حریری ص۶۰۴)

جناب جصاص حضرت معاویہ ؓ کی طرف منسوب ایک قول ''توریث المسلم من الکافر'' کو ''احداث فی الاسلام'' اور ''بدعت شرعی'' قرار دیتے ہیں۔ (احکام القرآن ج۲ ص۱۰۲) جبکہ یہی قول حضرت معاذ بن جبل ؓ، محمد بن حنفیہ، زین العابدین، جناب باقر، حسن بصری، سعید بن مسیب، شعبی، مسروق، ابراہیم نخعی، عبداللہ بن معقل، یحییٰ اور اسحاق ؒ کی طرف بھی منسوب ہے۔ اگر اس کی نسبت ان حضرات کی طرف صحیح ہے تو کوئی احمق اور جاہل ہی اسے احداث فی الاسلام اور بدعت سے تعبیر کر سکتا ہے۔

جصاص حضرت معاویہ ؓ پر مزید تبرا کرتے ہیں کہ:

((ان الظالم لا یکون اماما...... فلا یجوز ان یکون الظالم نبیا ولا خلیفۃ لنبی ولا قاضیا......)) (احکام القرآن ج۱ ص۶۹، تحت آیت لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ (بقرہ: ۱۲۴)

''ظالم امام نہیں ہو سکتا...... یہ جائز نہیں ہے کہ ظالم شخص نبی ہو یا نبی کا خلیفہ یا قاضی۔''

اس کے بعد عبدالملک اور حجاج کا بایں الفاظ تذکرہ کرتے ہیں کہ:

((ولم یکن من العرب ولا ال مروان اظلم ولا اکفر ولا افجر من عبدالملک ولم یکن فی عمالہ اکفر ولا اظلم ولا افجر من الحجاج)) (ایضاج ا ص۱۷)

''عبدالملک سے بڑھ کر عرب اور آل مروان میں کوئی ظالم کافر اور فاجر نہ تھا۔ اور نہ اس کے عمال میں سے حجاج سے بڑھ کر کوئی کافر، ظالم اور فاجر تھا۔''

موصوف پھر اس دور کے صحابہ وتابعین کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

((وسائر التابعین یأخذون ارزاقھم من ایدی ھٰؤلاء الظلمۃ لا علی انھم کانوا

یتولونهم ولا یرون امامتهم وانما كان یاخذونها علىٰ انها حقوق لهم فی ایدی قوم فجرة وكیف یكون ذلك علی وجه موالاتهم وهم خالفون لعبد الملك بن مروان لا عنون لهم متبرّءون منهم وكذلك كان سبیل من قبلهم مع معاویة حین تغلب علی الامر بعد قتل علی علیه السلام وقد كان الحسن والحسین یاخذان العطاء وكذلك من كان فی ذلك العصر من الصحابة وهم غیر متولین له بل متبرءون منه علی السبیل التی كان علیها علی علیه السلام الی ان توفاه الله تعالیٰ الی جنته ورضوانه فلیس اذا فی ولایة القضاء من قبلهم ولا اخذ العطاء منهم دلالة علی تولیتهم واعتقاد امامتهم)) (ایضاح ۱ص ۷۱)

''اور تمام صحابہ و تابعین ان ظالموں کے ہاتھوں سے اپنے وظائف وصول کرتے تھے لیکن اس بنا پر نہیں کہ وہ ان کو دوست یا ان سے محبت رکھتے ہوئے یا ان کی خلافت، امامت اور امارت کو درست سمجھتے ہوئے بلکہ وہ اس خیال سے وظائف قبول کرتے تھے کہ یہ ان کے اپنے حقوق تھے جو ظالم اور فاجر لوگوں کے قبضے میں تھے اور یہ طرز عمل ان کے ساتھ دوستی اور محبت کی بنا پر نہیں ہوسکتا بلکہ وہ حضرات عبدالملک بن مروان کی بیعت توڑے ہوئے تھے۔ ان پر لعنت کرتے تھے اور ان پر تبرا کرتے تھے۔

اور ان سے پہلے صحابہ و تابعین کا معاویہ کے ساتھ بھی یہی سلوک اور رویہ تھا۔ جب وہ علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد خلافت پر جبراً قابض ہوگیا تھا۔ اور حضرات حسنین اور جو صحابہ اس کے دور میں موجود تھے وظائف تو قبول کرتے تھے مگر اس کے ساتھ بغیر دوستی اور محبت کے۔ بلکہ اس سے اسی طرح تبرا کرتے تھے جس طرح علی علیہ السلام کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ انھیں اپنی جنت اور رضوان میں لے گئے۔ لہٰذا اس دور کے صحابہ و تابعین کا (عبدالملک، حجاج اور معاویہ جیسے اظلم، اکفر اور افجر لوگوں کے ہاتھوں سے) عہدۂ قضا اور وظائف قبول کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ حضرات ان سے دوستی اور محبت رکھتے تھے یا ان کی امامت، خلافت کے صحیح ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے۔''

جصاص کی اس انتہائی گستاخانہ اور تبرائی عبارت سے حسب ذیل امور ثابت ہوئے:

① معاویہ، عبدالملک بن مروان اور حجاج بن یوسف کی مثل ہے۔

② عبدالملک اور حجاج سے بڑھ کر پورے عرب اور آل مروان میں کوئی کافر، ظالم اور فاجر نہیں۔ (اظلم افجر اور اکفر)

③ قرآن (لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ) کی رو سے معاویہ امارت، امامت اور خلافت کا مستحق نہیں۔ (جن حضرات نے انھیں اس منصب پر فائز کیا تو ان کا کیا مقام ہوگا؟)

④ معاویہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بھی جائز حکمران یا خلیفہ نہیں تھا بلکہ متغلب تھا۔

۵ حضرت علی، حضرات حسنین اور دیگر صحابہ و تابعین معاویہ سے دوستی اور محبت نہیں رکھتے تھے بلکہ اس پر لعنت، نفرت اور تبرا کرتے تھے۔

۶ جو صحابہ و تابعین معاویہ سے وظائف، تحائف اور مناصب قبول کرتے تھے وہ دراصل ان کے اپنے حقوق تھے جو اس ظالم اور فاجر کے قبضے میں تھے۔

قارئین کرام جصاص کی اس جرأت سے بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس تبرے کی زد سے کون محفوظ رہا؟

یہی گستاخ مفسر ایک دوسرے مقام پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''ائمۃ الکفر'' میں بھی شامل کر گیا۔ چنانچہ سورہ توبہ کی آیت فَقَاتِلُوٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ کے تحت لکھتا ہے کہ:

((''فَقَاتِلُوٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ'' روی ابن عباس و مجاهد انهم رؤساء قريش وقال قتادة ابوجهل وامية بن خلف وعتبة بن ربيعة وسهيل بن عمرو وهم الذين هموا باخراجه، قال ابوبكر ولم يختلف في ان سورة براءة نزلت بعد فتح مكة...... وقد كان ابوجهل وامية بن خلف وعتبة بن ربيعة قد كانوا قتلوا يوم بدر ولم يكن بقيٰ من رؤساء قريش احد يظهر الكفر في وقت نزول براءة وهذا يدل على ان رواية من روى ذلك في رؤساء قريش وهم اللهم الا ان يكون المراد قوما من قريش قد كانوا اظهروا الاسلام وهم الطلقاء من نحو ابي سفيان واحزابه ممن لم ينق قلبه من الكفر)) (احکام القرآن ج۳ ص۸۶)

''ابن عباس اور مجاہد سے روایت ہے کہ ائمۃ الکفر سے سرداران قریش مراد ہیں۔ اور قتادہ نے کہا کہ اس سے مراد ابوجہل، امیہ بن خلف، عتبہ بن ربیعہ اور سہیل بن عمرو ہیں...... ابوبکر نے کہا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ سورۂ براءۃ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی...... اور ابوجہل، امیہ بن خلف اور عتبہ بن ربیعہ اس سے پہلے ہی بدر میں مارے گئے تھے اور رؤسائے قریش میں سے سورۂ براءۃ کے نزول کے وقت کوئی بھی باقی نہ بچا تھا جس نے کفر کا اظہار کیا ہو...... ائمۃ الکفر کی صحیح توجیہ یہ ہے کہ اس سے مراد قریش کے وہ لوگ ہیں جنھوں نے فتح مکہ کے موقع پر اپنے اسلام کا اظہار تو کیا تھا لیکن ان کے دل کفر سے پاک نہیں ہوئے تھے۔ اور وہ ''طلقاء'' ہیں جیسے ابوسفیان اور اس کا گروہ۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گروہ میں تو شامل ہیں ہی، لیکن جصاص نے ان کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ ''ليس معاوية من المهاجرين بل هو من الطلقاء''

(احکام القرآن ج۳ ص۲۴۶)

وہ طلقاء میں سے ہیں، لہٰذا وہ جصاص کے نزدیک یکے از ائمۃ الکفر ہو گئے۔

یہی جصاص صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک روایت (کتاب الطب، باب ھل یستخرج السحر، صحیح مسلم کتاب السلام باب السحر) کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''دراصل اس طرح کی حدیثیں ملحدوں کی وضع کردہ ہیں جو رذیلوں اور اوباشوں کی بات کو اہمیت دیئے اور بتدریج لوگوں کو اس بات کے لیے تیار کرنے کے واسطے گھڑی گئی ہیں تاکہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کو باطل کیا جائے اور ان میں شبہ ڈالا جائے اور اس کا قائل کیا جائے کہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور جادوگروں کی شعبدہ کاریوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور سب کی سب ایک ہی قسم سے تعلق رکھتی ہیں۔'' (احکام القرآن ج ۱ ص ۵۵)

⑰ محدث عبدالرزاق صاحب مصنف (م ۲۱۱ ھ)

دوسری صدی ہجری کے مشہور محدث، عالم اور مصنف جناب عبدالرزاق اپنی محفل میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام بھی سننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ چنانچہ مخلد شعیری بیان کرتے ہیں کہ:

((کنت عند عبدالرزاق فذکر رجل معاویة رضی اللہ عنہ فقال لا تقذر مجلسنا بذکر ولد ابی سفیان)) (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۲۷)

''ایک دفعہ میں محدث عبدالرزاق کی محفل میں بیٹھا تھا تو کسی شخص نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام لے لیا تو انھوں نے کہا کہ ابوسفیان کے بیٹے کا تذکرہ کر کے ہماری مجلس کو گندا نہ کر۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی نہیں بلکہ اس محدث سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذات بھی نہ بچ سکی۔ موصوف یہ حدیث بیان کر رہے تھے کہ جب حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت سے حصہ طلب کرنے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو انھوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم اپنے بھتیجے کی وراثت سے حصہ لینے آئے ہو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا تم وہ حصہ طلب کرنے آئے ہو جو تمھاری بیوی کو باپ کی طرف سے ملتا ہے، تو راوی زید بن مبارک کہتے ہیں کہ یہاں پہنچ کر عبدالرزاق رک گیا اور کہا:

((انظر الی ھذا الافوك یقول من ابن اخیك...... من ابیھا لا یقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم))

''ذرا دیکھو اس جھوٹے کو (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو) کبھی کہتا ہے ''بھتیجے'' کی وراثت اور کبھی کہتا ہے ''بیوی کے باپ'' کی وراثت۔ یہ کیوں نہیں کہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت۔'' (حوالہ مذکور)

حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات موقع و محل کی مناسبت سے بالکل صحیح اور درست تھی کیونکہ یہ حضرات اس بنا پر وراثت سے حصہ طلب نہیں کر رہے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں بلکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس بنا پر طلبگار تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بھتیجے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وجہ سے اپنا استحقاق سمجھتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بیوی کے باپ تھے۔

مخالفین معاویہؓ، علمائے بریلوی کی نگاہ میں

۱ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی

''اللہ عزوجل نے سورۂ حدید میں صحابۂ سید المرسلین کی دو قسمیں فرمائیں: ایک وہ کہ قبل فتح مکہ مشرف بایمان ہوئے اور راہِ خدا میں مال خرچ کیا، جہاد کیا۔ دوسرے وہ کہ بعد...... پھر فرمایا كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى دونوں فریق سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا۔ تو جو کسی صحابی پر طعنہ کرے اللہ واحد قہار کو جھٹلاتا ہے۔ اور ان کے بعض معاملات جن میں اکثر حکایات کاذبہ ہیں، ارشاد الٰہی کے مقابل پیش کرنا اہل اسلام کا کام نہیں۔ رب عزوجل نے اسی آیت میں اس کا منہ بھی بند فرما دیا کہ دونوں فریق صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھلائی کے وعدہ کے ساتھ ہی ارشاد فرمایا وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ''اور اللہ کو خوب خبر ہے جو کچھ تم کرو گے۔'' بایں ہمہ میں تم سب سے بھلائی کا وعدہ فرما چکا۔ اس کے بعد جو کوئی بکے اپنا سر کھائے خود جہنم میں جائے۔ علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

ومن يكون يطعن في معاوية
فذاك من كلاب الهاوية

''جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرے وہ جہنمی کتوں میں سے ایک کتا ہے۔''

اور جس کی گمراہی حد کفر تک نہ پہنچی ہو جیسے تفضیلیہ کہ مولا علی کو شیخین سے افضل بتاتے ہیں یا تفسیقیہ کہ بعض صحابہ کرام مثل امیر معاویہ وعمرو بن عاص اور ابو موسیٰ اشعری ومغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم کو برا کہتے ہیں ان کے پیچھے نماز بکراہت شدیدہ تحریمہ مکروہ ہے کہ انھیں امام بنانا حرام اور ان کے پیچھے نماز پڑھنی گناہ اور جتنی پڑھی ہوں سب کا پھیرنا واجب۔''

(احکام شریعت حصہ اول ص ۱۴۸، ۱۲۲ تحت عنوان حضرت امیر معاویہ کے بارے میں عقیدہ اور ''شرائط امامت)

۲ مولانا امجد علی رضوی بریلوی

''حضرت معاویہ اور ان کے والد حضرت ابو سفیان اور والدہ ماجدہ حضرت ہند رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی تبرا ہے اور اس کا قائل رافضی ہے۔'' (بہار شریعت حصہ اول ص ۷۵)

۳ علمائے بریلوی کے مندرجہ ذیل فتوے علامہ مفتی محمد ابو سعید غلام سرور قادری صاحب کی کتاب ''افضلیت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ'' (مکتبہ فریدیہ ساہیوال) ص ۱۵۵ تا ۱۸۶ سے ماخوذ ہیں۔

موصوف کتاب کے آغاز میں لکھتے ہیں کہ:

''بعض حضرات کا تو دین ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جی بھر کر گالیاں دینا ہے مگر ہمیں تو ان مدعیان مسلک اہل سنت والجماعت کا افسوس ہے جو اہل سنت کا لبادہ اوڑھ کر اہل سنت میں گھسے ہوئے ہیں بلکہ کچھ تو عارف و عالم کہلاتے...... مساجد اہل سنت میں اماموں اور خطابتوں پر فائز...... ان سے تنخواہیں، نذرانے اور ہدیے وصول فرماتے ہیں۔ مگر نمک حلالی کا یہ عالم ہے کہ ان بیچارے عوام، سادہ لوحوں، ان پڑھوں اور کم علم سنیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے بدعقیدہ اور رافضی بنانے میں کسر نہیں چھوڑتے۔ یہ لوگ پہلے تو حب اہل بیت کا فرضی دم بھر کر حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے افضل ہونے کا گمراہانہ عقیدہ پھیلا کر عوام کو تفضیلی شیعہ بناتے ہیں۔ یہ رفض اور تشیع کا پہلا زینہ ہے جو ایک سنی مسلمان کو سنی ہونے سے خارج کر کے تفضیلی شیعہ اور بدعتی کر دیتا ہے۔ اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ہونے والے خلاف کو رطب و یابس اور سچے جھوٹے تاریخی واقعات کی تاریکی میں عوام کے دل و دماغ پر ایسا داغتے ہیں کہ وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بدعقیدہ ہو کر جہنمی ہو جاتے ہیں۔ (معاذ اللہ)

ایسے بہت سے نام نہاد مولویوں، قاریوں اور پیروں سے مجھے بحث و تمحیص کرنے کا اتفاق ہوا اور بار ہا باہر سے ایسے لوگوں کے بارے میں مجھ سے فتوے بھی طلب کیے گئے کہ اس طرح کا عقیدہ رکھنے والے سنی ہیں یا شیعہ؟ اور ان کو امام بنایا جائے یا نہ؟......

لہٰذا میں نے مسئلہ تفضیل شیخین کریمین رضی اللہ عنہما اور سیدنا علی المرتضیٰ و امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان ہونے والے اختلاف کا صحیح پس منظر اجاگر کر کے قرآن و سنت کے مطابق اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ایک ایسے مفصل و مدلل فتوے کی صورت میں بیان کر دیا ہے...... کسی صحابی کے ساتھ بغض اور سوء عقیدت یعنی برا عقیدہ رکھنا بدمذہبی، گمراہی اور دوزخی ہونا ہے۔ کیونکہ وہ دراصل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغض اور سوء عقیدت ہے۔ ایسا شخص رافضی ہے اگر چہ چاروں خلفاء کو مانے اور اپنے آپ کو سنی ظاہر کرے بالخصوص حضرت امیر معاویہ، ان کے والد ابوسفیان، والدہ حضرت ہند رضی اللہ عنہم میں سے کسی کی شان میں گستاخی اور تبرا رفض ہے۔ جو اس کا قائل ہو اور ان کی شان میں گستاخی کرتا یا ان سے برا عقیدہ رکھتا ہو وہ رافضی شیعہ اور اہل سنت سے خارج ہے۔ اس لیے اس کی امامت و خطابت ناجائز ہے۔'' (افضلیت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ص ۵، ۶، ۱۰)

۴ تاجدار اہل سنت، مجتہد ملت، شہزادۂ اعلیٰ حضرت شاہ محمد مصطفیٰ رضا خان (مفتی اعظم ہند بریلی شریف)

''کسی صحابی کے ساتھ سوءِ عقیدت (بدعقیدگی) بدمذہبی و گمراہی واستحقاق جہنم ہے کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغض ہے۔ ایسا شخص رافضی ہے اگرچہ چاروں خلفاء کو مانے اور اپنے آپ کو سنی کہے مثلاً حضرت امیر معاویہ اور ان کے والد ماجد حضرت ابوسفیان اور والد ماجدہ حضرت ہند، اسی طرح حضرت سیدنا عمرو بن عاص و حضرت مغیرہ بن شعبہ و حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم حتیٰ کہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ جنھوں نے قبل اسلام حضرت سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور بعد اسلام اخبث الناس مسیلمہ کذاب ملعون کو جہنم واصل کیا..... ان میں سے کسی کی شان میں گستاخی تبرا ہے اور اس کا قائل رافضی۔''

۵ غزالی زماں، رازی دوراں، سید احمد سعید کاظمی (مہتمم انوار العلوم ملتان و شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ بہاولپور)

''..... حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معاذ اللہ فاسق کہنے والا ہرگز سنی نہیں۔ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بالاتفاق اہل سنت کے نزدیک واجب الاحترام ہیں۔ اس لیے ایسے شخص کی اقتداء بھی درست نہیں۔''

۶ مفتی اعظم پاکستان ابوالبرکات سید احمد صاحب لاہور

''جو شخص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو فاسق کہتا اور ان کو مطعون کرتا ہے وہ خود فاسق ہے۔ اس کو امام بنانا گناہ ہے، اس کے پیچھے نماز قریب حرام اور واجب الاعادہ ہے، وہ شخص اہل سنت والجماعت سے نہیں۔''

۷ محقق اہل سنت مفتی احمد یار خان نعیمی گجرات

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما سے افضل بتانے یا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو فاسق کہنے والا شخص بالکل بے دین اور شیعہ ہے، غالباً تقیہ کر کے اہل سنت بنا ہوا ہے۔ ایسے شخص کو فوراً اہل سنت کی مسجد سے علیحدہ کر دیا جائے اور کوئی مسلمان اس کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔ اگر امامت کے لالچ میں توبہ بھی کرے تو زبانی اعتبار نہ کرو بلکہ تحریر کرا لو۔ یہ عقائد بالکل رافضیوں کے ہیں۔ کسی اہل سنت کے عقیدے میں صحابہ کی توہین و گستاخی نہیں ہے، نہ کوئی مسلمان اتنی جرأت کر سکتا ہے۔ جو شخص ایسا عقیدہ رکھے وہ رافضی ہے۔ اگرچہ وہ اور اس کے حواری اسے مسلمان سنی سمجھیں۔''

۸ امام اہل سنت، محدث پاکستان جناب سردار احمد صاحب قادری رضوی کے نائب، جامع المعقول والمنقول مفتی غلام رسول شیخ الحدیث جامعہ رضویہ لائل پور (فیصل آباد)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عادل ثقہ اور صالح صحابی ہیں۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آپ کی حقیقی ہمشیرہ ام

حبیبہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ آپ بڑے عالم اور مجتہد صحابی ہیں۔ آپ کے لیے سرور کائنات نے دعا فرمائی آپ کی شان میں گستاخی کرنا اور آپ کو برا کہنا رفض ہے۔ ایسا شخص جو آپ کو برا کہے شیعہ ہے وہ ہرگز ہرگز سنی نہیں ہے۔ اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے اسے اہل سنت والجماعت کی مسجد میں ہرگز ہرگز امام نہ رکھا جائے۔''

۹ استاذ العلماء مفتی محمد خلیل خان القادری البرکاتی (شیخ الحدیث دار العلوم احسن البرکات حیدر آباد سندھ)

''حضرت امیر معاویہ اور ان کے والد ماجد حضرت ابو سفیان اور والدہ ماجدہ حضرت ہند رضی اللہ عنہم حتیٰ کہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کسی صحابی کے ساتھ سوء عقیدت بدمذہبی و گمراہی و استحقاق جہنم ہے کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغض ہے۔ ایسا شخص رافضی ہے اگرچہ چاروں خلیفوں کو مانے اور اپنے آپ کو سنی کہے۔ اسے برضا ورغبت امام بنانا خود کو عذاب الٰہی میں ڈالنا ہے۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ اسے فوراً امامت سے علیحدہ کر دیں۔''

۱۰ فقیہ العصر مولانا محمد نور اللہ صاحب نعیمی دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع ساہیوال

''اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ اظہر من الشمس ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما بعد الانبیاء والرسل افضل البشر ہیں۔ اور یوں ہی حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما صحابی اور واجب الاحترام ہیں۔ لہٰذا ان کے برعکس عقیدہ رکھنے والے شخص کے پیچھے سنی کی نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔''

۱۱ شیخ الحدیث علامہ مولانا غلام علی صاحب مہتمم دار العلوم اشرف المدارس اوکاڑہ

''جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے افضل سمجھے یا حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو برا بتائے، ان سے بدعقیدگی رکھے، ہر دو صورتوں میں ایسا شخص فاسق و مبتدع ہے اور ایسے شخص کو امام بنانا گناہ ہے۔ اور جو نماز اس کے پیچھے پڑھی جائے وہ مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔''

۱۲ فاضل جلیل، عالم نبیل، محقق بے عدیل مفتی محمد اعجاز الرضوی شیخ الحدیث جامعہ نعمانیہ لاہور

''معاذ اللہ! معاذ اللہ! ثم معاذ اللہ! سرکار امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول کی شان رفیع میں (ان کو فاسق و برا بتا کر) یہ گالی نہ دے گا مگر خارجی، رافضی، ناصبی اور زندیق و ملحد۔ ایسے شخص کو امام بنانا کیسا؟ اہل سنت کہنا باطل و ناجائز ہے۔ نہ وہ اہل سنت ہے اور نہ اسے مسلمانوں کا امام بنایا جائے۔ اس کی امامت حرام حرام حرام، اشد حرام کہ وہ فاسق فی العقیدہ ہے۔''

۱۳ استاذ العلماء مولانا غلام جہانیاں صاحب معینی شیخ الحدیث والتفسیر جامعہ معینیہ ڈیرہ غازی خان

''تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واجب الاحترام ہیں۔ بالخصوص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی اور واجب الاحترام ہیں۔ ان کا اور دوسرے صحابہ کا گستاخ اہل سنت سے نہیں ہوسکتا، اور نہ وہ لائق امامت ہے۔''

۱۴ شیخ الاسلام حضرت مولانا خواجہ محمد قمر الدین صاحب سجادہ نشین دربار سیال شریف

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مناقب مسلم الثبوت ہیں ان کی شان میں گستاخی کرنا اگر التزام کفر نہیں تو لزوم کفر میں داخل ضرور ہے (یعنی صحابی رسول حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی گستاخی سے کفر لازم آتا ہے)۔ حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ کہنا کہ انھوں نے حضرت علی یا دیگر اہل بیت رضی اللہ عنہم سے دشمنی کی یا انھیں سب وشتم کرتے یا کراتے تھے سراسر غلط ضلالت اور جہالت پر مبنی ہے، جو نصر بن مزاحم، یونس بن خباب اور مرحوب وغیرہم جیسے رافضیوں کی روایات پر مبنی ہے۔ فرمان ذی شان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم "اللہ اللہ فی اصحابی" کوئی مسلمان نہیں بھول سکتا۔''

۱۵ آستانہ عالیہ امام العارفین حضرت مولانا پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑہ شریف

''کسی صحابی کی تفسیق وتوہین مسلک اہل سنت کے خلاف اور بدعت ہے۔ خصوصاً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جن کے عادل وصالح ہونے کے لیے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا خلافت تفویض کرنا بین ثبوت ہے۔ ورنہ فاسق کو تفویض خلافت کرنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے شایان نہیں۔''

کتبہ فیض احمد مقیم آستانہ عالیہ، الجواب الصحیح محمد فاضل چشتی گولڑہ شریف۔

۱۶ مدرسہ عالیہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم ملتان کے علماء

کسی صحابی کے ساتھ سوء عقیدت بدمذہبی وگمراہی واستحقاق جہنم ہے کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغض ہے۔ ایسا شخص رافضی ہے اگرچہ چاروں خلفاء کو مانے اور اپنے آپ کو سنی کہے۔ مثلاً حضرت امیر معاویہ اوران کے والد ماجد ابوسفیان اور والدہ ماجدہ حضرت ہند رضی اللہ عنہا۔ ان میں سے کسی کی شان میں گستاخی تبرا ہے اوراس کا قائل رافضی ہے۔ لہٰذا اس کی امامت ناجائز ہے۔''

سید مسعود علی قادری مفتی انوار العلوم ملتان۔ اصاب من اجاب، مشتاق احمد مدرس انوار العلوم ملتان۔

۱۷ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے عظیم راہنما حضرت علامہ مولانا حامد علی خان (شیخ الحدیث والتفسیر مدرسہ خیر المعاد ملتان)

''اصحاب رسول کل عدول ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت مسلم وثابت ہے۔ اور اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے والدین ماجدین حضرت ابوسفیان وحضرت ہند رضی اللہ عنہما کی صحابیت بھی مسلم وثابت ہے۔ لہٰذا جو ان کی شان میں دریدہ دہنی اور گستاخی کرے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ عنہما پر فضیلت دے وہ اہل سنت سے خارج اور بدعتی اور رافضی ہے۔ اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔''

۱۸ مولانا محمد شریف صاحب شیخ الحدیث جامعہ رضویہ مظہر العلوم دولت دروازہ ملتان

''حضرت امیر معاویہ، ان کے والد ماجد ابوسفیان، ان کی والدہ ماجدہ حضرت ہند و دیگر جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واجب الاحترام ہیں۔ ان کا احترام ایمان کا حصہ ہے۔ انھیں برا کہنے والا اہل سنت سے خارج ہے اور اس کی امامت ناجائز ہے۔''

الجواب الصحیح سید محمد عبداللہ شاہ رضوی مہتمم مدرسہ انوار الابرار ملتان

۱۹ فاضل جلیل حضرت مولانا ابوالنور محمد بشیر صاحب کوٹلی لوہاراں سیالکوٹ

''حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما یا کسی دوسرے صحابی کی بے ادبی کرنے یا ان سے برا عقیدہ رکھنے والا شخص گمراہ ہے اور مسلک اہل سنت کے سراسر خلاف۔ اگر وہ اپنے آپ کو اہل سنت کہتا ہے تو یہ اس کا تقیہ ہے دراصل وہ شیعہ اور رافضی ہے ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز نہیں۔''

۲۰ حضرت علامہ سید محمد افضل حسین شاہ صاحب مفتی جامعہ قادریہ لائل پور (فیصل آباد)

''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا بتانے والا بھی اہل سنت سے گمراہ اور بد مذہب ہے اسے امام بنانا گناہ ہے، اس کے پیچھے نماز پڑھنی جائز نہیں۔''

۲۱ مولانا ابوالحسن محمد مختار احمد صاحب درانی صدر مدرس مدرسہ عربیہ سراج العلوم خانپور ضلع رحیم یار خان

''جو شخص حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما یا کسی صحابی رسول کے حق میں بے ادبی، گستاخی اور سب وشتم کرتا ہے، وہ اسلام سے خارج، مرتد اور واجب القتل ہے۔ جیسا کہ شفاء قاضی عیاض، آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدح و ثنا میں بکثرت وارد ہیں۔ ان کے باوجود جو ان کو برا کہے وہ بے ایمان، ملعون اور ذلت ناک عذاب کا مستحق ہے اس کی امامت باطل و ناجائز ہے۔''

(ہذا الجواب صحیح لا ریب فیہ۔ خادم الشرع عبدالواحد نائب مفتی سراج العلوم خانپور)

۲۲ مناظر اسلام حضرت علامہ مولانا محمد عمر صاحب اچھرہ لاہور

''سیدنا ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت حقہ کا منکر اسلام سے خارج اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان سے افضل سمجھنے والا بے دین گمراہ شیعہ ہے اور حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو سب وشتم اور بکواس کرنے والا بھی اسلام سے خارج ہے۔''

۲۳ مفتی غلام رسول صاحب خلیفہ مجاز حضرت امیر ملت پیر جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذی قدر صحابی ہیں ان کی شان میں نازیبا کہنے والا اپنے ایمان کو تباہ کرتا ہے اور ملعون ہے۔ اگرچہ ان سے خطائے اجتہادی ہوئی تاہم وہ ایک ثواب کے مستحق

ہیں۔ ان کو برا کہنے والا اہل سنت سے خارج ہے۔ اس کی امامت بھی ناجائز ہے۔"

۲۴ حضرت مولانا پیر سید اختر حسین شاہ صاحب (نبیرہ امام اہل سنت امیر ملت عارف باللہ پیر سید جماعت علی شاہ صاحب)

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام ہدایت کے روشن مینار اور چمکتے ہوئے ستارے ہیں۔ تمام ہی بتدریج افضلیت کے مالک ہیں اور ان تمام کو رضائے الٰہی حاصل ہے۔ کسی کی شان میں گستاخی اور طعن و تشنیع اپنے ایمان کو ضائع کرنا ہے۔ نسیم الریاض میں ہے کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو برا کہے اور کہے کہ وہ گمراہ تھے تو قتل کیا جائے۔ بالخصوص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جو فاسق کہے وہ خود بہت بڑا فاسق ہے، بدمذہب ہے، بے دین ہے۔ ایسا شخص اہل سنت والجماعت کے زمرے سے خارج ہے۔ اس کا اہل سنت والجماعت کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اس کو امام بنانا ناجائز و حرام ہے۔ اس کے پیچھے اہل سنت والجماعت کی اقتداء قطعاً جائز نہیں ہے اس کے پیچھے نماز بالکل نہیں ہوتی۔"

۲۵ استاذ العلماء مولانا عبدالمصطفیٰ صاحب ازہری شیخ الحدیث دارالعلوم امجدیہ کراچی

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس صحابی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیکی رشتہ دار ہیں۔ یہ کاتب وحی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سالے ہیں۔ ان کے جنتی ہونے کی نوید قرآن مجید نے دی ہے وہ مجتہد صحابی ہیں۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت ان کو دی اور آپ خلافت سے دستبردار ہو گئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جو شخص برا کہتا ہے وہ درحقیقت حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو برا کہتا ہے۔ ایسا شخص رافضی ہے یا خارجی ہے اور کبھی یہ شخص اہل سنت سے نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ صحابہ اور اہل بیت سے یہی لوگ عداوت رکھتے ہیں۔ سنی تو ان دونوں سے محبت کرتے ہیں۔"

۲۶ حضرت پیر محمد قاسم صاحب مشوری قادری مشورہ شریف لاڑکانہ

"اہل سنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے افضل ہیں۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان سے افضل سمجھنا گمراہی اور مذہب اہل سنت سے خروج ہے۔ اسی طرح کسی بھی صحابی بالخصوص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرنا اسلام پر جرح کو مستلزم اور نصوص قطعیہ سے انکار کے مترادف ہے۔"

۲۷ حضرت علامہ شاہ محمد عارف اللہ صاحب قادری راولپنڈی

"تفضیل شیخین کا منکر اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اچھی عقیدت نہ رکھنے والا اہل سنت سے نہیں ہے۔"

۲۸ امام اہل سنت حضرت مفتی تقدس علی صاحب رضوی بریلوی شیخ الجامعہ جامعہ راشدیہ پیر گوٹھ خیر پور

''حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما جمیع اہل سنت کے اتفاق کے مطابق تمام صحابہ سے افضل ہیں پھر تمام صحابہ واجب الاحترام ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بے ادب اہل سنت سے خارج ہے۔''

۲۹ حضرت علامہ پیر میاں جمیل احمد صاحب شرق پوری شیخوپورہ

''تفضیل شیخین، احترام و اکرام جمیع اہل سنت کا مسلک ہے۔ بالخصوص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ واجب التعظیم صحابی رسول اللہ ہیں۔ منکر اہل سنت سے خارج ہے، لائق امامت نہیں۔''

۳۰ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے عظیم شیخ عارف باللہ حضرت مولانا غلام احمد جان الاحرار نقشبندی غزنوی افغانستان

((من فضل عليا رضي الله عنه على الصديق الاكبر والفاروق الاعظم رضي الله عنهما ولا يستحى من الله تعالىٰ فى شان سيدنا امير المومنين معاوية رضي الله عنه حين يسبه ويفسقه اعاذنا الله تعالى من هذا الاعتقاد الباطل السوء فهذان الشخصان خارجان من طريقة اهل السنة والجماعة بلا ريب وارتياب وليسا بداخلان فى الفرقة الناجية فاياك والصلوٰة خلفهما فانهما من اهل الشيع حقيقة وان لم يقرا به لسانا هذا هو الحق فانهما ممن يقولون بافواههم ما ليس فى قلوبهم))

''جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے افضل سمجھتا ہے اور وہ شخص جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اللہ سے شرم و حیا نہیں کرتا کہ انھیں برا کہتا ہے...... اللہ ہمیں ایسے باطل اور برے عقیدے سے بچائے...... سو یہ دونوں شخص اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں، اہل سنت والجماعت کے فرقہ ناجیہ میں سے نہیں ہیں۔ ان دونوں کے پیچھے نماز پڑھنے سے پرہیز کریں کیونکہ یہ دونوں شخص درحقیقت شیعہ ہیں۔ اگرچہ زبان سے شیعہ ہونے کا اقرار نہیں کرتے۔ یہی حق بات ہے کہ یہ دونوں ایسے ہی ہیں کہ سنی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہے بلکہ دل میں تو شیعہ ہی ہیں۔''

۳۱ حضرت پیر سید ابوالکلیم محمد خادم حسین شاہ صاحب چورہ شریف

''جواب علمائے کرام حق وصواب ہے یعنی میں متفق ہوں کہ یہی اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔ اس کا مخالف اہل سنت سے خارج ہے، امامت کے لائق بھی نہیں ہے۔''

۳۲ ابوالنصر منظور احمد بانی جامعہ فریدیہ ساہیوال

الجواب حق وصواب والمجیب مصیب ومثاب۔

۳۳ ابوصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی جامعہ اویسیہ رضویہ بہاولپور
الجواب صحیح۔

۳۴ حضرت علامہ سید پیر جلال الدین شاہ صاحب مفتی و شیخ الحدیث جامعہ محمدیہ رضویہ بکھی شریف تحصیل پھالیہ، گجرات
الجواب صحیح وخلافہ قبیح۔

مخالفین معاویہ، علمائے دیوبند کی نگاہ میں

① حکیم الامت شاہ اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی اور صحابی کے بیٹے ہیں۔ ان کی صحابیت اور فضیلت میں کون بات کر سکتا ہے مگر جو رافضی ہو (بات کر سکتا ہے)۔ انھیں ''حضرت'' اور ''رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' سے یاد کرنا اہل سنت والجماعت کا شعار ہے۔ اور جو کوئی ان کی شان میں طعن وتشنیع زبان پر لاتا ہے وہ رافضیوں سے تعلق رکھتا ہے..... جو جھگڑے اور تنازعات ان کے درمیان واقع ہوئے ہیں ان کو ان کے محامل صحیحہ اور تاویلات مقبولہ پر محمول کرنا چاہیے۔'' (فتاویٰ امدادیہ ج ۴ ص ۱۲۳، ۱۲۴ کتاب العقائد والکلام)

② شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ

''اس قلم پر خدا کی لعنت جس نے کسی صحابی کی توہین یا گستاخی کی ہو یا کی جاتی ہو..... ایک کتاب استخلاف یزید تصنیف مولوی لال شاہ خطیب واہ کینٹ کی مولانا سید نور الحسن کو دی ہے تاکہ اس کی تردید لکھیں اس نے حضرت امام معاویہ کے متعلق بکواس کیے ہیں۔'' (القول السدید ص ۲۷، ۳۹)

③ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ

سوال: زید نے حسب ذیل عبارت شائع کی ہے ''امیر معاویہ ملوکیت پرستی کی صف میں سب سے آگے کھڑا ہوا۔ دنیا کو ملوکیت کی لعنت میں گرفتار کیا۔ اس نے جمہوریت کو فنا کر کے ملوکیت کا تاج اس یزید کے سر پر رکھ دیا جو شراب کے نشہ میں مدہوش رہتا تھا اور کتوں کا منہ چاٹتا تھا۔'' یہ عبارت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین ہے یا نہیں؟ اور یہ سب وشتم صحابہ ہے یا نہیں؟ جو شخص ایسا کہے اور اس کی اشاعت کرے اس کے ساتھ مسلمانوں کو کیا سلوک کرنا چاہیے؟

جواب: مذکورہ بالا عبارت بلاشبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین اور سب وشتم میں داخل ہے۔ اس کا مرتکب گنہگار، فاسق اور اہل سنت والجماعت سے خارج ہے۔ جب تک توبہ نہ کرے مسلمانوں کو اس سے اپنے خصوصی معاملات منقطع کر لینے چاہییں۔''

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند، دار الاشاعت کراچی ج ۲ ص ۱۳۸، کتاب الایمان والعقائد)

④ محقق العصر مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ لاہور

''یہ شخص (لال شاہ مصنف استخلاف یزید) فاسق ہے اور فاسق کو امام بنانا مقتدا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ سوال کے پیرائے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو بغض ہے اس کو چھپاتا ہے تاکہ گرفت نہ ہو سکے۔ مگر یاد رکھیے ان کی عدالت میں جو بھی شک کرے وہ بھی فاسق ہے۔ (القول السدید فی استخلاف یزید ص ۴۰)

⑤ استاذ العلماء شیخ الحدیث مولانا عبد القدیر صاحب رحمۃ اللہ دار العلوم تعلیم القرآن راولپنڈی

''اس (استخلاف یزید) میں واضح الفاظ میں شیعیت کے افکار کا بیج بویا گیا ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عموماً اور بعض کی خصوصاً توہین کی گئی ہے...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یا کسی صحابی کا ایسے انداز میں تذکرہ کرنا جس سے ان کی خداداد عزت اور عظمت کو نقصان پہنچایا جائے، ان کی امامت اور جلالت کو داغدار کیا جائے، عوام کے دلوں میں محبت اور وقار کے بجائے بغض اور نفرت کا احساس پیدا کیا جائے، یہ وہ خطرناک راستہ ہے جس کو زوال ایمان اور خطرۂ جان کہا جاتا ہے۔'' (ایضاً ص ۱۶، ۳۳)

باری تعالیٰ اس کاوش کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے اسے مخالفین اور معاندین کی ہدایت کا ذریعہ بنائے، امت مسلمہ کو قبائلی تعصب اور خاندانی عناد سے محفوظ فرمائے اور ہم سب کو جملہ صحابہ کرام بالخصوص سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوء ظن اور بدگمانی سے بچا کر حسن ظن نصیب فرمائے۔ آمین

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم۔

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

خطیب مرکزی جامع مسجد حویلیاں ہزارہ

مآخذ ومصادر

''تذکرہ سیدنا معاویہ'' کی تالیف کے دوران میں حسب ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا ہے:

١ قرآن مجید
٢ صحیح بخاری — امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری
٣ صحیح مسلم — امام مسلم بن حجاج نیشاپوری
٤ جامع ترمذی — ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی
٥ سنن ابی داود — ابوداودسلیمان بن اشعث سجستانی
٦ سنن نسائی — ابوعبدالرحمٰن بن شعیب بن علی النسائی
٧ الادب المفرد — امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری
٨ مسند ابی عوانہ — یعقوب بن اسحاق الاسفرائنی
٩ مسند امام احمد بن حنبل — امام احمد بن حنبل
١٠ مشکوٰۃ المصابیح — شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ تبریزی
١١ فتح الباری — حافظ ابن حجر عسقلانی
١٢ سیرت النبی — علامہ سید سلیمان ندوی
١٣ ضیاء النبی — پیر کرم شاہ صاحب ازہری
١٤ محسن انسانیت — نعیم صدیقی صاحب
١٥ بلاغ مبین (مکاتیب سید المرسلین) — مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی
١٦ شرح عقائد — علامہ سعد الدین تفتازانی
١٧ النبراس لشرح شرح العقائد — علامہ عبدالعزیز پرہاروی
١٨ فلسفہ التشریع فی الاسلام — ڈاکٹر صبحی محمصانی
١٩ النظم الاسلامیہ — ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن
٢٠ منہاج السنۃ — امام ابن تیمیہ
٢١ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء — شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
٢٢ کتاب الوحی — ڈاکٹر احمد عبدالرحمٰن عیسیٰ

۲۳	کتاب المعارف	ابن قتیبہ
۲۴	طبقات ابن سعد	امام ابن سعد
۲۵	الاصابہ	ابن حجر عسقلانی
۲۶	الاستیعاب	علامہ ابن عبدالبر
۲۷	اسد الغابہ	علامہ ابن اثیر جزری
۲۸	خلفائے راشدین حسن کردار وعمل	مولانا سعید الرحمٰن علوی
۲۹	تاریخ مسعودی	ابوالحسن بن حسین بن علی مسعودی
۳۰	تاریخ طبری	ابن جریر طبری
۳۱	تاریخ ابن خلدون	علامہ عبدالرحمٰن بن خلدون
۳۲	البدایہ والنہایہ	امام ابن کثیر
۳۳	تاریخ الخلفاء	علامہ جلال الدین سیوطی
۳۴	خلافت اسلامیہ	مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی صاحب
۳۵	تاریخ زوال ملت اسلامیہ	اکبر شاہ خان نجیب آبادی
۳۶	تاریخ اسلام	اکبر شاہ خان نجیب آبادی
۳۷	تاریخ اسلام	شاہ معین الدین ندوی
۳۸	تاریخ ملت	مولانا عبدالقیوم ندوی
۳۹	العبر فی خبر من غبر	امام ذہبی
۴۰	فتوح البلدان	بلاذری
۴۱	مختصر تاریخ اسلام	مولانا غلام رسول مہر
۴۲	تاریخ اسلام	عبدالحکیم خان نشتر جالندھری
۴۳	تاریخ حریت اسلام	محمد الدین فوق
۴۴	المرتضیٰ	سید ابوالحسن علی ندوی
۴۵	اجوبہ اربعین	مولانا محمد قاسم نانوتوی
۴۶	سبائی فتنہ حصہ اول	مولانا ابوریحان عبدالغفور صاحب سیالکوٹی
۴۷	العواصم من القواصم	قاضی ابوبکر ابن العربی
۴۸	اسلام کا نظام حکومت	مولانا حامد الانصاری غازی

۴۹ خلافت وملوکیت — سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب
۵۰ مسئلہ اقرباء نوازی — مولانا محمد نافع صاحب
۵۱ سیرت ابوسفیان — سید الطاف حسین گیلانی
۵۲ براءۃ عثمان — مولانا ظفر احمد عثمانی
۵۳ تطہیر الجنان — علامہ ابن حجر ہیتمی
۵۴ الناہیہ عن طعن معاویہ — علامہ عبدالعزیز فرہاروی
۵۵ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق — جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی
۵۶ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاسی زندگی — پروفیسر علی احمد عباسی
۵۷ امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ — حکیم عبدالرحمٰن خلیق
۵۸ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ — ملک محمد اکرم
۵۹ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ — حضرت مولانا پیر غلام دستگیر نامی
۶۰ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ — سلام اللہ صدیقی
۶۱ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ — ابوریحان مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی
۶۲ معاویہ بن ابی سفیان — عمر ابوالنصر مصری، مترجمہ محمد احمد پانی پتی لاہور
۶۳ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ — انیس زکریا نصولی
۶۴ سیرت معاویہ رضی اللہ عنہ — مولانا اشرف احمد صاحب ہندوستان
۶۵ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ — مفتی احمد یار خان نعیمی
۶۶ فضائل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ — قاضی غلام محمود صاحب ہزاروی
۶۷ دشمنان امیر معاویہ کا علمی محاسبہ — مولانا محمد علی صاحب لاہوری
۶۸ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، شخصیت و کردار — حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی
۶۹ سیرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ — ابومعاویہ سید عطاء المنعم شاہ صاحب بخاری
۷۰ تعارف سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ — مولفہ راقم الحروف
۷۱ اسلام کے مشہور امیر البحر — عبدالواحد سندھی
۷۲ افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ — مفتی ابوسعید غلام سرور قادری
۷۳ دفاع امیر معاویہ — قاضی مظہر حسین صاحب
۷۴ عقیدہ خلافت راشدہ اور امامت — قاضی مظہر حسین صاحب

۷۵ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نادان حامی غالی گروہ	قاضی مظہر حسین صاحب
۷۶ خلفائے اسلام	مولانا قاضی محمد شمس الدین صاحب ہری پور
۷۷ استخلاف یزید	سید لعل شاہ بخاری
۷۸ سیاست معاویہ	سید مہر حسین بخاری
۷۹ الاجابۃ الکافیہ فی رد دفاع معاویہ	سید مہر حسین بخاری
۸۰ تاریخ نواصب	عبدالقیوم علوی
۸۱ الحسن بن علی	سید آل احمد رضوی

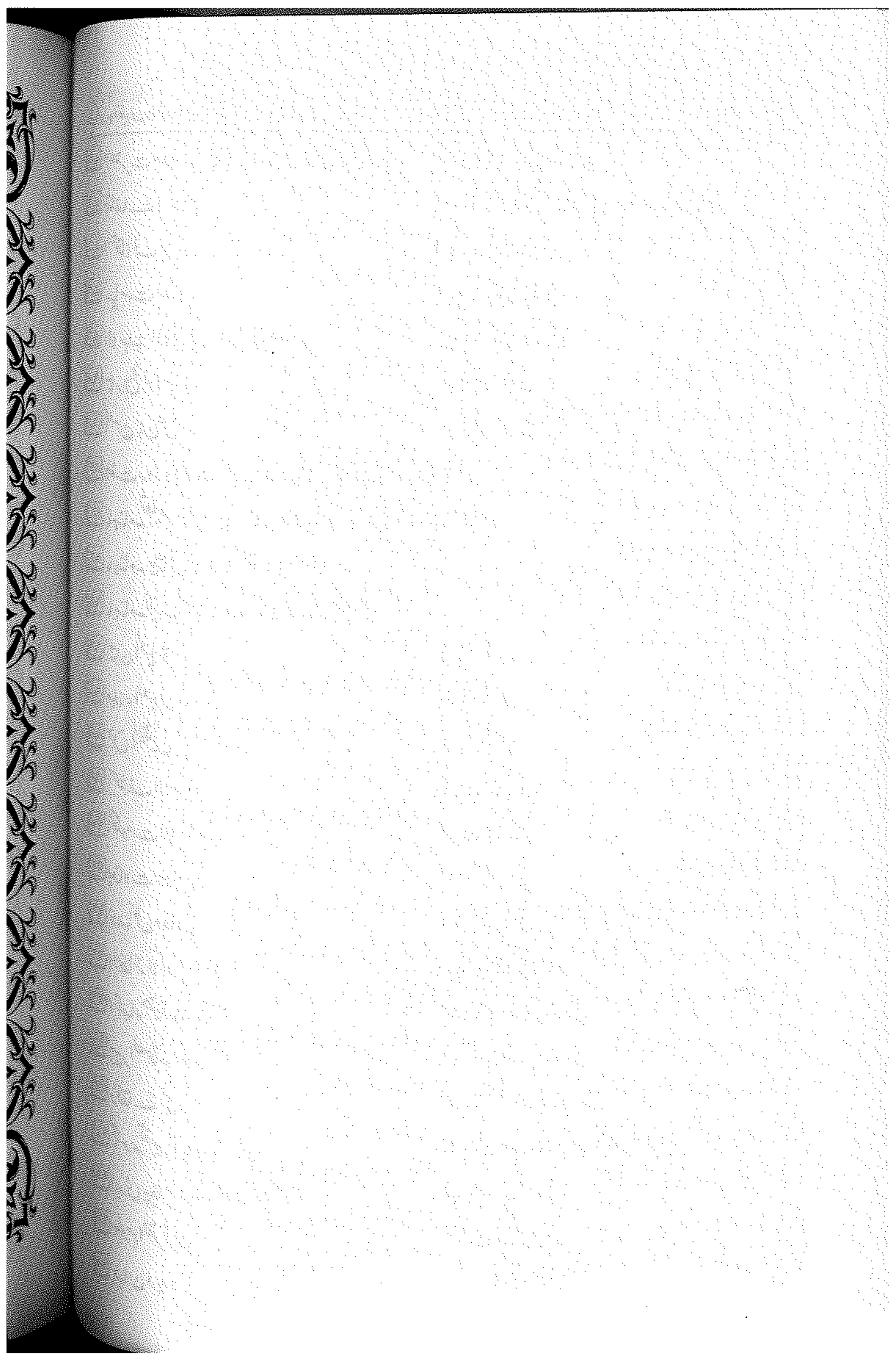
۸۲ ہفت روزہ دعوت ''امیر معاویہ نمبر'' جنوری، فروری ۱۹۶۰ء

۸۳ ماہنامہ تعلیم القرآن ''امیر معاویہ نمبر'' جنوری، فروری ۱۹۹۳ء

۸۴ ماہنامہ میثاق لاہور، اکتوبر ۱۹۸۶ء

۸۵ ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان فروری ۱۹۹۴ء

۸۶ عین الحیوٰۃ	ملا باقر مجلسی
۸۷ جلاء العیون	ملا باقر مجلسی
۸۸ حق الیقین	ملا باقر مجلسی
۸۹ کشف الاسرار	آیت اللہ خمینی
۹۰ الحکومت الاسلامیہ	آیت اللہ خمینی
۹۱ بغاوت بنوامیہ	غلام حسین نجفی
۹۲ خصائل معاویہ	غلام حسین نجفی
۹۳ النظائر لاکرام الشعائر	سید عبد القاضی شاہ
۹۴ اظہار حقیقت ج ۳	مولانا محمد اسحاق ندوی
۹۵ سیر الصحابہ حصہ ششم	شاہ معین الدین ندوی
۹۶ رفقائے نبی	مولانا جعفر شاہ پھلواروی
۹۷ مجموعہ تفسیر آیات قرآنی	امام اہل سنت علامہ عبدالشکور لکھنوی
۹۸ ابدی پیغام کے آخری پیغام بر	ضیاء الدین کرمانی
۹۹ علوم القرآن	جسٹس محمد تقی عثمانی
۱۰۰ جہان دیدہ	جسٹس محمد تقی عثمانی



فاتحِ عرب وعجم، خال المسلمین، مدبرِ اسلام، کاتبِ وحی

بانیِ اسلامی بحریہ، خلیفۂ راشد، امیرالمومنین

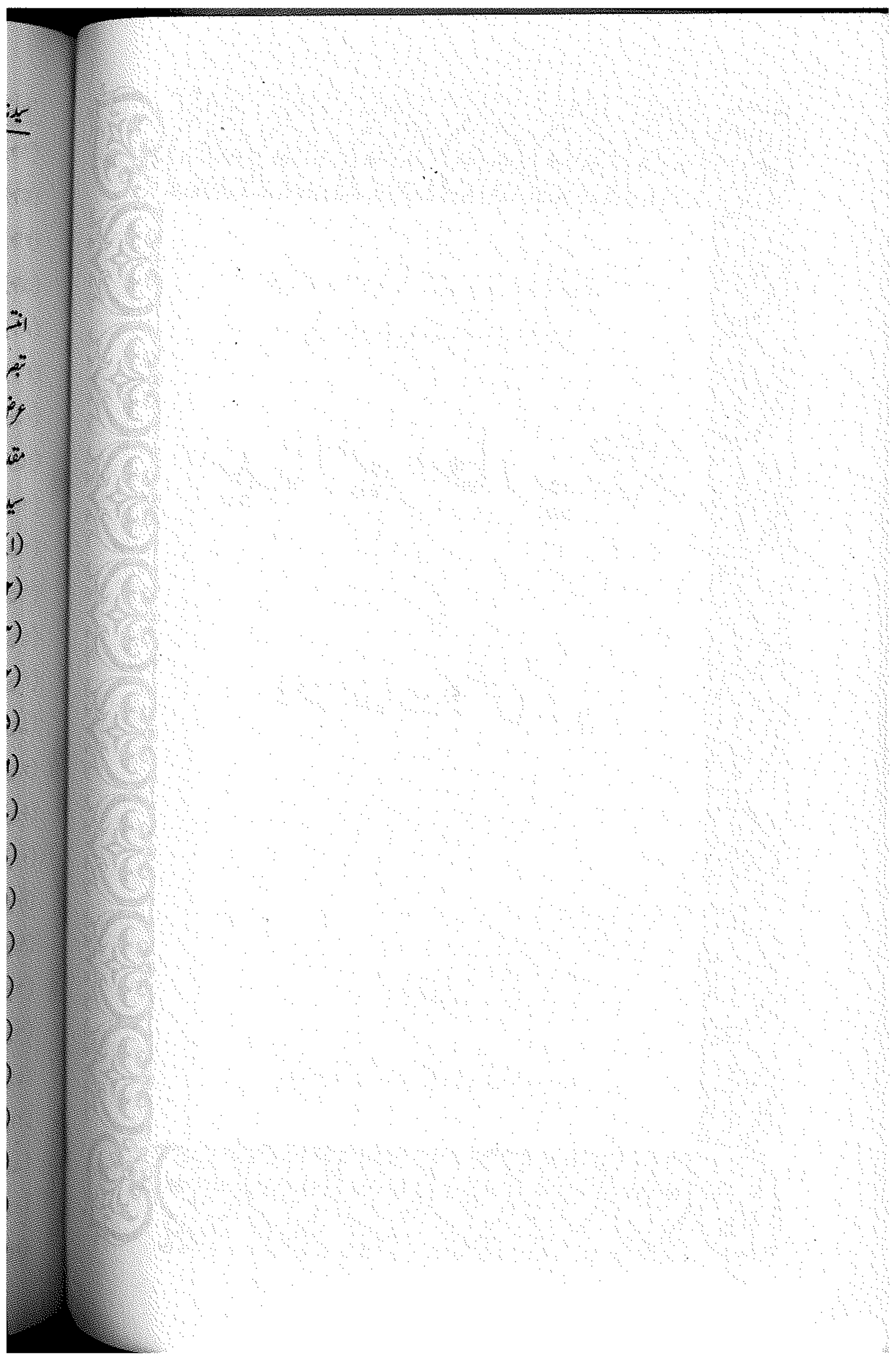
سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

پر

اعتراضات کا علمی تجزیہ

مؤلف

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی ایم۔اے



فہرست مضامین

انتساب

راقم الحروف اس کتاب کو ابنائے امیر شریعت خصوصاً سید ابومعاویہ ابوذر بخاری اور سید عطاء المحسن حسنی قادری بخاری رحمہما اللہ

جنھوں نے رجب ۱۳۸۱ھ بمطابق ستمبر ۱۹۶۱ء میں اس دھرتی پر سب سے پہلے تقریب ''مدح معاویہ'' کا انعقاد کیا......

اپنے محترم و شفیق والد ماجد جناب قاضی چن پیر الہاشمی (متوفی ۳ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ) جن کی تعلیم و تربیت سے احقر اس ادنیٰ خدمت کے قابل ہوا......

''جملہ متلاشیان حق'' اور جذبہ دفاع صحابہ سے سرشار مسلمانوں کے نام منسوب کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی ایم اے



مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی

(سابق استاذ حدیث جامعہ فریدیہ اسلام آباد۔ شیخ الحدیث دارالعلوم فاروقیہ راولپنڈی)

۴- ذوقعدہ ۱۴۱۷ھ/۱۴ مارچ ۱۹۹۷ء

گرامی قدر قاطع سبائیت جناب پروفیسر قاضی طاہر الہاشمی صاحب زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آنجناب کا ہدیہ سینہ...... ''سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ'' ملا۔ ملتے ہی پڑھنا جو شروع کیا تو پھر ختم کر کے ہی دم لیا۔ جوں جوں پڑھتا جاتا تھا توں توں آپ کے لیے دل سے دعائیں نکلتی جاتی تھیں۔ آپ نے جس عرق ریزی اور محنت سے کام لیا ہے یہ آپ جیسے باہمت مردِ میدان کا ہی حصہ تھا۔ آپ نے سنیوں کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی جناب میں قبول و منظور فرمائے، سب سنیوں کی طرف سے آپ کو احسن سے احسن جزائے خیر عطا فرمائے، آپ کی عمر اور صحت و عافیت میں برکت دے، زور قلم اور بڑھائے۔ آمین یا اللہ العالمین بحرمۃ سید المرسلین

آپ کی اس محنت و جانفشانی کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ وہی لگا سکتا ہے جو خود ان اعصاب شکن اور صبر آزما مراحل سے گزرا ہو جن سے آپ گزرے ہیں ورنہ عام قارئین کتاب، دشمنان معاویہؓ کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر کیے گئے اعتراضات کے مدلل و مسکت جوابات پڑھ لیں گے لیکن ان کو یہ اندازہ نہ ہو سکے گا کہ ان جوابات تک پہنچنے کے لیے کیسے کیسے سمندر آپ کو عبور کرنے پڑے۔ کن کن سنگلاخ وادیوں سے آپ کو پابرہنہ گزرنا پڑا، کن کن خار دار راہوں کی جادہ پیمائی کرنی پڑی۔

جی ہاں! آپ کے قارئین میں سے شاید کوئی آپ کو ان موتیوں کی دریافت اور پھر ایک لڑی میں اس سلیقے کے ساتھ ان کو پرونے پر خوب داد بھی دے دے لیکن وہ یہ اندازہ نہ لگا سکے گا کہ ان موتیوں کے حصول اور ان کی تلاش میں آپ کو کیسی کیسی جانکاہیاں و جانفشانیاں کرنا پڑیں، کن کن سمندروں کی کیسی کیسی شناوریاں اور غواصیاں آپ نے کیں، کتنی راتیں آنکھوں میں کاٹیں، کتنے دن آبلہ پائی میں گزارے...... کچھ تھوڑا بہت گزر ایسے اعصاب شکن مراحل کا چونکہ مجھ پر بھی ہو چکا ہے اس لیے میں اس راہ کی مشکلات سے کچھ تھوڑا بہت واقف ہوں۔ اس لیے آپ کی ہمت و جرأت کو سلام کرتا اور محنت و مشقت کی داد دیتا ہوں۔

مکرر دعا ہے کہ اللہ رب العزت آپ کی اس کاوش و کاہش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور صحابہ کرام علیہم الرضوان، خصوصاً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شفاعت، قیامت کے دن آپ کو نصیب فرمائے۔ آمین! ویرحم اللہ عبداً قال آمینا۔

مولانا سید حافظ عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ (ایم اے، ایل ایل بی)

(سابق مدیر ماہنامہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ واستاذ حدیث جامعہ محمدیہ اسلام آباد)

زیر تبصرہ کتاب پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی کی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں دوسری تصنیف ہے جیسا کہ ماہنامہ نصرۃ العلوم کے گزشتہ سال کے ایک شمارے (اگست ۱۹۹۶ء) میں ان کی پہلی تصنیف "تذکرہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ" پر احقر نے چند سطور میں اپنی رائے کا اظہار کیا تھا کہ پروفیسر صاحب موصوف کسی دنیوی مصلحت کوشی سے کام نہیں لیتے بلکہ ان کی نوک قلم پر ہر وہ بات جو حقیقت اور سچائی پر مبنی ہوتی ہے ضرور آتی ہے۔ ان کی تازہ تصنیف بھی اسی طرز عمل کا ایک واضح ثبوت پیش کرتی ہے۔

ملت اسلامیہ کا ہر پڑھا لکھا فرد اس حقیقت سے آشنا ہے کہ خلافت راشدہ کے آخری دور میں فتنہ پردازوں، اسلام دشمنوں، خاندان نبوت کے خود ساختہ بہی خواہوں، یہود و نصاریٰ کے ایجنٹوں اور مجوسیوں و دہریوں کے نمک خواروں نے اس امت کا شیرازہ بکھیرنے میں کیا کردار ادا کیا اور اس میں کس حد تک وہ کامیاب ہوئے؟ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں کے بڑھتے ہوئے قدموں کو جب وہ طاقت سے نہ روک سکے تو خفیہ سازشوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کا طریق اختیار کیا۔ ان کا مقصد حیات اور مطمح نظر صرف اور صرف یہی تھا کہ کسی طرح یہ امت تشتت و انتشار کا شکار ہو تاکہ اسے اپنی تمام تر توانائیاں اپنے اندرونی خلفشار کو مٹانے پر خرچ کرنی پڑیں اور اسے بیرونی دنیا کا ہوش نہ رہے۔

ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ نے اس امت پر خصوصی رحمت کا نزول فرماتے ہوئے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سربراہی اسے نصیب کی جنھوں نے خوارج و روافض کی کوئی پیش نہ چلنے دی، جنھوں نے فرعونیوں کی اولاد کو پنپنے نہ دیا، جنھوں نے نسلی تفوق و برتری کے چنگل سے اس امت کو چھٹکارا دلایا، جنھوں نے دوبارہ اس امت کو ایک لڑی میں پرویا اور بر و بحر پر اس کی دھاک بٹھائی۔ اگر اس وقت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ برادر نسبتی، خاندان امیہ کا چشم و چراغ، بارگاہ رسالت مآب کی دعا "اللھم اجعله هاديا مهديا" کا مصداق اور گروہ صحابہ کا آخری متفقہ امیر المومنین کمان نہ سنبھالتا تو آج دنیا کے نقشے پر مسلمان شاید چند انچ زمین پر بھی اپنی ریاست قائم نہ کر سکتے۔

لیکن افسوس صد افسوس! دشمنان اسلام پر کیا گلہ، خود امت مسلمہ کے نام نہاد محققین نے شیعہ راویوں کی روایت کے سہارے، خاندان نبوت کی جھوٹی محبت اور دشمنان دین کی فلسفیانہ موشگافیوں کی آڑ میں تاریخی حقائق، واقعاتی شہادتوں، سیاسی و عقلی حکمتوں اور دینی و علمی دلیلوں کو پس پشت ڈال کر سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

کی مدبرانہ اور مصلحانہ کاوشوں کو تسلیم کرنے کے بجائے ان پر بے بنیاد اعتراضات کی بوچھاڑ شروع کر رکھی ہے۔ یہ لوگ بدقسمتی سے یہاں تک پہنچ گئے ہیں کہ ان کی صحابیت، ان کی خلافت اور اسلامی خدمات تک سے انکار کرنے لگ گئے ہیں۔

ایسے حالات میں ایک جدید تعلیم یافتہ (جو دینی تعلیم سے بھی کماحقہ آراستہ و پیراستہ ہے) خاندان نبوت کے ایک جری اور حق گو سپوت عالم بن عالم کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ اس نے ان نام نہاد محققین، تاریخ و ادب سے نا آشنا اور فلسفہ و حکمت سے بے خبر، قرآن و حدیث کے علوم سے عاری معترضین کا تعاقب کر کے اس امت کے آخری صحابی فرمانروا اور امت کے متفقہ خلیفہ کے دامن کو صاف شفاف اور اجلا آیندہ نسلوں کے سامنے پیش کیا ہے۔

یہ کتاب ایک نادر علمی ذخیرہ ہے جس میں ہاشمی صاحب نے معترضین کے اعتراضات کے انتہائی مدلل، مستند اور مسکت جوابات قارئین کی خدمت میں پیش کر کے واقعی اس کا حق ادا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو بتوسل رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم قبول فرما کر ان کے لیے نجات کا ذریعہ بنائے اور ہمیں اس سے استفادہ کرنے کی توفیق بخشے۔

ماہنامہ ''تعلیم القرآن'' راولپنڈی (جولائی ۱۹۹۷ء)

تبصرہ از مولانا محمد عطاء اللہ بندیالوی مدیر اعلیٰ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی

نام کتاب: سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ

مؤلف: پروفیسر قاضی محمد طاہر الہاشمی ایم اے

ناشر: بخاری اکیڈمی، دار بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان

صفحات: ۵۷۶

سائز: ۱۶=۳۶×۲۷

خوبصورت جلد، دلنشین ٹائٹل، کاغذ اعلیٰ

قیمت: ۲۰۰ روپے

یہ تصنیف بھی پروفیسر صاحب موصوف کے قلم کا علمی اور تحقیقی شاہکار ہے۔ اس سے پہلے پروفیسر صاحب، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت و کردار پر ایک کتاب پیش کر چکے ہیں جس پر ماہنامہ تعلیم القرآن اکتوبر ۱۹۹۵ء میں تبصرہ شائع ہو چکا ہے!

آپ کے لیے شاید یہ بات نئی ہو کہ پروفیسر صاحب نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان بنوامیہ کی وکالت کرتے ہوئے بڑے دکھ، پریشانیاں اور مصائب برداشت کیے ہیں۔ وہ کئی برس تک عدالت کے کٹہرے میں کھڑے رہے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر ہونے والے اعتراضات کے جواب دیتے رہے۔ مخالفین نے (جو اہل سنت ہونے کے مدعی تھے) ہر حربہ استعمال کیا کہ پروفیسر صاحب کو اس کام سے روک دیا جائے مگر ہم سلام پیش کرتے ہیں پروفیسر صاحب کی جرأت و بے باکی، شجاعت و بسالت اور عالی ہمتی کو کہ انھوں نے انتہائی ناگزیر حالات میں بھی عظمت معاویہؓ و خاندان بنو امیہ کا پوری جوانمردی سے دفاع کیا اور اس میدان میں دشمن کے ہر حملے کو پسپا کر دیا۔ ہم اہل سنت پروفیسر صاحب کے لیے دعا کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں جہاد باللسان اور جہاد بالقلم کا اجر عطا فرمائے اور ان کا حشر و نشر اصحاب رسول کی معیت میں ہو۔ آمین!

یہ ایک حقیقت ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جتنا عظیم ہے اتنا ہی مظلوم بھی ہے...... عظیم اتنا کہ صحابی رسول بھی ہے اور کاتب وحی بھی! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا دامن پھیلا پھیلا کر ان کے لیے دعائیں مانگی ہیں...... کبھی ان کو ہادی کہا کبھی مہدی...... کبھی ان کے لیے علم و حلم کی فراوانی کی دعائیں مانگیں...... وہ پہلے بحری جہاز کا موجد بھی ہے اور پہلے بحری لشکر کا سالار بھی...... جس لشکر کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی خوشخبری دی تھی۔

اور مظلوم اتنا کہ دشمن تو دشمن، اہل سنت کہلانے والے بھی ان کے خلاف تنقید و تبرا کی پٹاری کھول کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ان کے اجلے اور اجلی دامن کو داغدار کرنے کے لیے طرح طرح کے الزامات اور قسم قسم کے شوشے چھوڑے جاتے ہیں...... نوع بہ نوع روایات گھڑی گئیں...... جھوٹے واقعات اور کہانیاں وضع کی گئیں...... ان کی عظمت کو داغدار کرنے کے لیے شیعہ راویوں کی گھڑی ہوئی روایات پر اعتماد کر لیا گیا۔

حضرت قاضی صاحب نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر ہونے والے اٹھاسی اعتراضات کے شافی و کافی جواب دے کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دامن کو سورج کی طرف بے داغ کر دکھایا ہے۔ پروفیسر صاحب کو اس کاوش کے لیے کتنی محنت اٹھانی پڑی ہوگی، اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو تحقیقی موضوعات پر تصنیف و تالیف کا کام کرتے رہتے ہیں۔ انھوں نے سیکڑوں کتابوں کی ورق گردانی کی ہوگی، ملک کے کتنے کتب خانوں کی خاک چھانی ہوگی، پھر کہیں جا کر ایسی تحقیقی اور علمی تصنیف علماء کرام، جدید تعلیم یافتہ طبقہ اور عوام الناس کے استفادہ کے لیے پیش ہوئی۔ کتاب کے آخر میں دشمنان معاویہؓ کے خلاف اب تک قائم ہونے والے مقدمات اور چند عدالتی فیصلوں کی نقل بھی شامل کر دی ہے۔ اس سے وہ لوگ یقیناً فائدہ اٹھائیں گے جو دفاع اصحابؓ رسول کی عدالتی اور قانونی جنگ لڑ رہے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کے علمی و تحقیقی جواب کے سلسلے میں آج تک جتنی کتابیں شائع ہو چکی ہیں، زیر تبصرہ کتاب ان سب سے بہترین، جامع اور مانع تصنیف ہے۔ اس کتاب کے ہوتے ہوئے اس موضوع پر دوسری کسی کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

ہماری علمائے کرام، مبلغین، طلبہ عظام، جدید تعلیم یافتہ طبقہ وکلاء اور اساتذہ سے اپیل ہے کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔ کتاب مؤلف کے پتہ سے بھی مل سکتی ہے۔

عرض مؤلف

زیر نظر کتاب، سیدنا معاویہ ؓ پر عائد کیے گئے اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے۔ آں موصوف دنیائے اسلام کی ان چند مقتدر، باعظمت اور بلند پایہ شخصیتوں میں سے ایک ہیں جن کے احسانات سے ملت اسلامیہ کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتی۔ اظہار اسلام کے بعد جہاد فی سبیل اللہ میں بھرپور حصہ، لسان نبوت سے خوشنودیِ الٰہی اور حصول جنت کی عظیم تر بشارات، خلفائے ثلاثہ کے عہد خلافت میں اپنی قائدانہ اور مدبرانہ صلاحیت سے اشاعت اسلام اور تسخیر وفتوحات میں نمایاں کردار، ختم نبوت کے اولین باغی مسیلمہ کذاب کا قتل، تاریخ اسلام میں سب سے پہلے بحری بیڑے کی تیاری، عالم اسلام کی سرحدوں کی حفاظت کے علاوہ تقریباً بیس برس صوبہ شام کے امیر نیز اتنے ہی عرصہ تک حجاز مقدس سے افریقہ اور بحر روم سے بحر اوقیانوس تک پھیلی ہوئی اسلامی ریاست کے متفق علیہ اور ہر دلعزیز خلیفہ راشد ہونے کی حیثیت سے سیدنا معاویہ ؓ نے امت مسلمہ کے لیے بے شمار کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔

اس تمام تر شرف وفضل کے ساتھ ساتھ آں محترم دنیائے اسلام کی وہ واحد مظلوم ہستی بھی ہیں کہ جن کی تمام خوبیوں، ذاتی محاسن وکمالات اور عظیم کارناموں کو فراموش کر دیا گیا، جن کے قابل احترام رشتوں کا کوئی احترام نہیں کیا گیا، جن کے فضائل ومناقب زبان پر لانے کو بھی گناہ عظیم تصور کیا گیا، جن کے ایمان کو نفاق، سخاوت کو خیانت، خشیت الٰہی کو ریاکاری، تدبیر وسیاست کو مکروفریب اور عدل وانصاف کو ظلم کا نام دیا گیا۔ حتیٰ کہ جن کی موت کو بھی نفاق اور عیسائیت کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔ پھر مظلوم معاویہ ؓ کو انتقال کے بعد بھی آج تک نہ بخشا گیا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے قبل ازیں راقم کی سیدنا معاویہ ؓ کی سیرت وکردار پر ایک ضخیم کتاب [1] بنام ''تذکرہ خلیفہ راشد سیدنا معاویہ ؓ'' اہل علم سے داد تحسین وصول کر چکی ہے۔ اس تالیف کا سبب پیر سید محمود شاہ محدث ہزاروی بنے جن کی زندگی کا مقصد ہی سیدنا معاویہ ؓ کو ہر سطح پر باغی، طاغی، غاصب، منافق، شر الملوک اور العیاذ باللہ کافر ثابت کرنا تھا۔ چنانچہ موصوف کے خلاف طویل جدوجہد کے بعد ۲۹۸ اے کے تحت یکم جولائی ۱۹۸۵ء کو تھانہ حویلیاں میں ایک مقدمہ قائم ہوگیا۔ جو ۲۵ دسمبر ۱۹۹۲ء تک مختلف

[1] جسے جدید طباعت میں زیر نظر کتاب کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔

عدالتوں میں زیر سماعت رہ کر ملزم کی موت کی وجہ سے بغیر کسی فیصلہ کے ختم ہو گیا۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی مظلومیت کا اندازہ اس بات سے بھی بآسانی لگایا جا سکتا ہے کہ مختلف عدالتوں میں ۱۱ اگست ۱۹۸۵ء سے لے کر ۱۵ جون ۱۹۹۱ء تک کے طویل عرصہ میں صرف راقم پر جرح مکمل ہوئی۔ اور اس دوران میں حریف نے تمام حوالہ جات ''سنی'' مصنّفین و مؤلفین ہی کے پیش کیے، راقم کو دوران سماعت میں جن اعصاب شکن اور صبر آزما مراحل سے گزرنا پڑا اس وقت اس کے تصور سے بھی لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ حریف نے مصالحتی کوششوں میں ناکامی کے بعد ترہیب وتخویف کے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کیے۔ حتیٰ کہ ایبٹ آباد، کوہاٹ اور کراچی کی عدالتوں میں حضرت والد صاحب مرحوم اور راقم کے خلاف متعدد جھوٹے اور بے بنیاد مقدمات بھی قائم کیے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے تقریباً آٹھ سال تک عدالت کے کٹہرے میں اس جلیل القدر اور مظلوم ترین صحابی رسول کے دفاع کی توفیق عنایت فرمائی۔ والحمد للہ علیٰ ذلک حمداً کثیراً۔

ملزم کی وفات کے بعد راقم کی خواہش تھی کہ ان اعتراضات کے جوابات کتابی صورت میں شائع کر دیئے جائیں لیکن ہمیشہ اپنی بے بضاعتی اور کم علمی آڑے آتی رہی۔ تا آنکہ بعض احباب کے پیہم اصرار اور توجہ دلانے پر کمر ہمت باندھ لی۔ دوران تحریر میں مشکل ترین بحثوں سے سابقہ پڑا، بار ہا ہمت ٹوٹی اور بعض اعتراضات کو نظر انداز کرنے کا خیال بھی پیدا ہوا لیکن مشکل یہی تھی کہ عدالت میں یہ سوالات اٹھائے جا چکے تھے جو آج بھی عدالت کے ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔ لہٰذا فرار سے بچتے ہوئے محض احقاق حق اور دفاع معاویہ کے پیش نظر انھیں بھی شامل کتاب کر لیا گیا۔

راقم نے بڑی محنت سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ناقدین ومعترضین کے اٹھاسی (۸۸) اعتراضات اکٹھے کیے ہیں جو اس موضوع پر اس وقت تک سب سے بڑا کام ہے۔ یہ کثرت اعتراضات بھی مظلومیت معاویہ کی ایک مستقل دلیل ہے۔

ہر اعتراض کو باحوالہ نقل کیا گیا ہے تاکہ معترض کا تعارف بھی ہو جائے ان اعتراضات کے جوابات لکھتے وقت قاطع سبائیت وقادیانیت ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن حسنی قادری بخاری دامت برکاتہم العالیہ [1] کی ایک عبارت سے بہت ہی حوصلہ ملا:

''اگر کسی بزرگ عالم یا پیر کی رائے کو غلط قرار دیا جائے تو آدمی دین کے دائرے سے خارج نہیں ہو جاتا۔ دفاع صحابہ میں کسی کی مشیخت مجروح ہو جائے اور صحابی کی ذات اور ان کا کردار نکھر کر سامنے آ جائے

[1] افسوس جدید طباعت کے موقع پر وہ ہم میں موجود نہیں ہیں۔ یہ ملحوظ رہے کہ موصوف ۱۲- نومبر ۱۹۹۹ء کو رحلت فرما گئے تھے۔ رحمة الله عليه رحمة واسعة كاملة۔

یہ سودا سستا ہے اور اسی میں ایمان کی سلامتی اور نجات دارین ہے۔''

لہٰذا اگر بعض طبائع پر زیر نظر کتاب کی کوئی عبارت کسی مقام پر بوجھل ثابت ہو تو وہ ''عظمت اکابر'' کے تصور کے بجائے ''عظمت صحابہ'' کو پیش نظر رکھیں کیونکہ یہ اکابر خود اہل سنت کے معتقدات میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے نقش پا کے برابر بھی نہیں ہیں۔ چنانچہ مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

''اسی وجہ سے تمام امت کا اجماع ہے کہ ہزاراں ہزار جنید اور ہزار ہزار شبلی اور بایزید ایک ادنیٰ صحابی کے نقش پا کو نہیں پہنچ سکتے۔'' (عقائد الاسلام ص ۱۸۷)

راقم کو یہ بھی بخوبی علم ہے کہ بعض حضرات اس کتاب کو پڑھ کر فوراً یہ فتویٰ جاری کر دیں گے کہ مؤلف ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نادان حامی اور غالی گروہ'' سے تعلق رکھتے ہیں تو ایسے حضرات کی خدمت میں مولانا ابو ریحان عبدالغفور سیالکوٹی کی کتاب سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

جس طرح ثنائے صحابہ امت کا ایک وظیفہ ہے

﴿رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا......﴾ اسی طرح دفاع صحابہ کرام بھی اس کا ایک فریضہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی موقع پر دفاع صحابہ کا نہ صرف حکم ارشاد فرمایا ہے بلکہ بوقت ضرورت اس میں تساہل پر سخت وعید بھی سنائی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ

((اذا ظهرت الفتن او قال البدع و سب اصحابی فليظهر العالم علمه ومن لم يفعل ذلك فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين ولا يقبل الله منه صرفا ولا عدلا ......))

جب فتنے یا فرمایا بدعتیں ظاہر ہونے لگیں اور میرے صحابہ کو برا بھلا کہا جانے لگے تو چاہیے کہ عالم اپنا علم ظاہر کرے جس نے ایسا نہ کیا اس پر اللہ کی اور سب لوگوں کی لعنت، اللہ تعالیٰ اس کی نہ کوئی نفل عبادت قبول کرے گا اور نہ کوئی فرض عبادت۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۲۷۳ ج ۱۱)

دفاع صحابہ کے پھر دو درجے ہیں ایک اعلیٰ اور دوسرا ادنیٰ۔ اعلیٰ تو یہ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر لگائے گئے الزامات سے ان کی ایسی کامل و مکمل براءت کی جائے کہ اجتہادی خطا و صواب تک کا الزام بھی ان پر نہ رہنے پائے اور ادنیٰ یہ کہ اگر کسی اصولی اور قانونی مجبوری کے پیش نظر یہ ممکن ہو تو غایت مافی الباب کے طور پر اجتہادی خطا و صواب کی نسبت تو ان کی طرف برداشت کر لی جائے مگر اس سے زائد کوئی الزام ان پر نہ رہنے دیا جائے۔

(سبائی فتنہ ص ۵۶۲ ج ۱، طبع اول ۱۹۹۲ء)

راقم نے اس عبارت اور حق کی خدمت کے پیش نظر ہی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ''اعلیٰ دفاع'' کی ایک

''ادنیٰ کوشش'' کی ہے۔اگر کوئی شخص اس پر بھی ''صورتاً'' یا ''حقیقتاً'' ''نادان حامی یا غالی گروہ'' کی پھبتی کستا ہے تو دفاع صحابہ میں یہ الزام بھی بصد شکریہ قبول ہے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ یقیناً زمرۂ صحابہ میں شامل ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے من حیث الطبقہ اپنی خوشنودی اور رضوان سے نوازا ہے۔انھیں سچا مومن کہا ہے، ان کی خطائیں معاف کر دی ہیں، ان کی سابقہ باہمی عداوت کو محبت ومودت میں تبدیل کر دیا ہے، ان کے درجات بلند کر دیے ہیں ان کے دلوں میں ایمان مزین کر دیا ہے، انھیں کفر، فسق اور عصیان سے نفرت دلا دی ہے ان کے ایمان کو معیار قرار دیا ہے، ان کی اتباع کو لازمی قرار دیا ہے اور ان سے غیظ رکھنے والوں کو کفار سے تشبیہ دی ہے۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعظیم وتکریم کا حکم دیا ہے انھیں جنت کی بشارتوں سے نوازا ہے، انھیں نجوم ہدایت کہا ہے، انھیں اللہ کا انتخاب قرار دیا ہے، ان کے مابین اختلافات وتنازعات کو چھیڑنے سے منع کیا ہے، انھیں برا بھلا کہنے سے سختی کے ساتھ روکا ہے ان کے بارے میں بار بار اللہ کا خوف یاد دلایا ہے، ان سے محبت اپنے ساتھ محبت، ان سے بغض اپنے ساتھ بغض، ان کی ایذاء کو اپنی ایذاء قرار دیا ہے، ان کی تنقیص کرنے والوں کے ساتھ مجالست، مشاربت اور مناکحت سے منع فرمایا ہے اور ایسے تبرائی دور میں اپنا علم ظاہر نہ کرنے والے علماء کو اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت کا مستحق قرار دیا ہے۔امام طحاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''اور ہم جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے محبت کرتے ہیں اور کسی ایک کی محبت میں زیادتی اور غلو نہیں کرتے۔اور نہ ان میں سے کسی سے بیزاری اور تبرا کرتے ہیں۔اور ہم ان لوگوں سے بغض رکھتے ہیں جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض رکھتے ہیں اور ان کا برائی کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔اور ہم حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سوائے نیکی کے ذکر نہیں کرتے۔حضرات صحابہ سے محبت دین ایمان اور احسان ہے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض کفر، نفاق اور سرکشی ہے۔''

(عقیدۃ الطحاوی ص ٦٦، مترجمہ مولانا صوفی عبدالحمید سواتی)

امام قاضی عیاض رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر اور احترام میں سے یہ بات ہے کہ آپ کے اصحاب کی توقیر ملحوظ رکھی جائے، ان کی اچھائی اور ان کے حقوق کی معرفت کو پیش نظر رکھا جائے، ان کی اقتداء کی جائے، ان کے حق میں ثنائے خیر بیان کی جائے اور ان کے لیے ہمیشہ استغفار کیا جائے، ان میں جو اختلاف ونزاع ہوا ہے اس سے زبان کو روکا جائے اور جو لوگ ان سے دشمنی رکھتے ہیں ان سے دشمنی رکھی جائے اور مورخین کے اقوال اخبار سے اعراض اور روگردانی کی جائے، جاہل راویوں اور حکایات کے ناقلین سے منہ موڑا جائے جو

جانے والے شیعہ اور بدعتی ہیں جبکہ کسی ایک صحابی کے حق میں بھی قدح کرنے والے ہوں۔"

(الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ ص ۴۹ ج ۲)

امام نسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((ویکف عن ذکر الصحابة الا بخیر))

"اور صحابہ کے ذکر سے زبان بند رکھنی چاہیے، سوائے کلمہ خیر کے کچھ نہ کہنا چاہیے۔" یعنی سوائے خیر و خوبی کے صحابہ کا ذکر ہرگز نہ کرنا چاہیے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی اس کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ:

((وجوب الکف عن الطعن فیهم))

"اور ان پر طعن کرنے سے زبان بند رکھنا واجب ہے۔" (شرح عقائد ص ۱۱۶)

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((فانا مامورون بحسن الظن بالصحابة ونفی کل رذیلة عنهم واذا انسدت الطریق نَسَبْنَا الکذب الی الرواة...... قال العلماء الاحادیث الواردة التی فی ظاهرها دخل علی صحابی یجب تاویلها قالوا ولا یقع فی الروایات الثقات الا ما یمکنه تاویله)) (شرح مسلم ص ۹۰، ۲۷۸ ج ۲)

"ہم صحابہ کے بارے میں حسن ظن اور ان سے ہر برائی کی نفی کرنے کے مکلّف ہیں اور جب کسی سند سے اس کی راہ نہ ملے تو اس الزام کو ہم کذب راوی پر محمول کریں گے...... علماء کا قول ہے کہ جن احادیث میں بظاہر کسی صحابی پر حرف آتا ہو تو اس کی تاویل واجب اور ضروری ہے۔ اور انھوں نے کہا کہ صحیح روایات میں کوئی ایسی بات موجود نہیں جس کی تاویل نہ ہو سکتی ہو۔"

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"اور جان لیں کہ یہی لوگ ہیں اکابر دین اور کبرائے اسلام جنھوں نے اسلام کی بلندی اور سید الانام کی مدد میں اپنی طاقت صرف کی اور اپنے مالوں کو کلمہ اسلام کی بلندی میں خرچ کیا اور دین متین کی تائید میں دن میں اور رات میں، پوشیدگی میں اور ظاہر میں مال لٹایا۔ اور اپنے قرابت داروں اور قبیلوں اور اولاد کو اور بیویوں کو اور اپنے وطنوں اور گھروں کو اور اپنے چشموں اور کھیتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے سبب سے چھوڑ دیا۔ اور اپنے نفسوں کی محبت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ترجیح دی۔ اور رسول کی محبت کو اپنی محبت اور اپنی اولاد اور مالوں کی محبت پر ترجیح دی۔ اور یہی لوگ ہیں وحی اور فرشتوں کا مشاہدہ کرنے والے اور معجزات اور خوارق دیکھنے والے یہاں تک کہ ان کا غیب شہادت ہو گیا ہے اور ان کا علم عین ہو چکا ہے۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جن

کی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تعریف فرمائی ہے ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ اللہ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش، یقیناً تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان بزرگیوں میں شریک ہیں......

اے کاش مجھے معلوم ہوتا کہ ان اکابر دین پر سب وشتم اور اسلام کے کبراء پر طعنہ زنی پر ان لوگوں کو کس چیز نے آمادہ کیا ہے اور کسی کافر اور فاسق پر بھی طعنہ زنی اور گالی گلوچ شریعت میں نجات کا وسیلہ اور فضیلت اور بزرگی اور عبادت میں شمار نہیں کیا جاتا۔ پھر ان ہادیان دین پر سب وشتم کرنا اور ان حامیان اسلام پر طعنہ زنی کرنا کیسے عبادت ہوسکتا ہے اور شریعت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں پر بھی مثلاً ابوجہل اور ابولہب پر بھی گالی گلوچ کرنا اور طعنہ زنی کرنا وارد نہیں ہوا ہے اور نہ یہ کرامت اور عبادت میں شمار کیا گیا ہے۔''

(مکتوبات امام ربانی جلد سوم حصہ ہفتم دفتر دوم ص ۱۲۷، ۱۳۴)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہم اپنی زبانوں کو روکتے ہیں اور سوائے بھلائی اور خیر کے ان کا ذکر نہیں کرتے یعنی ان پر کسی قسم کی تنقید و جرح نہیں کرتے وہ دین میں ہمارے پیشوا و مقتدا ہیں۔''

(العقیدۃ الحسنہ مع عقیدۃ الطحاویہ ص ۹۷)

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ زیر نظر کتاب کا مطالعہ سلف صالحین کے مذکورہ بالا ارشادات اور قرآن مجید کے درج ذیل حکم کی روشنی میں کریں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ﴾ (النساء: ۱۳۵)

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (المائدہ: ۸)

''اے ایمان والو! مضبوط کھڑے ہو انصاف کے ساتھ گواہ بن کر اللہ کے اگرچہ گواہی تمھارے اپنے خلاف ہو یا تمھارے والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہو...... اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں بے انصافی پر آمادہ نہ کرے انصاف ہی کرو کہ یہ قرین تقویٰ ہے۔''

اب یہ بات غور طلب ہے کہ پوری جماعت صحابہ میں سے صرف سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کو سب سے زیادہ طعن وتشنیع کا نشانہ کیوں بنایا گیا؟

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ چونکہ وہ شخصیت ہیں کہ جن کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے اختلاف وشقاق کے بعد پھر سے دنیائے اسلام کو متحد ومتفق کر کے ایک جھنڈے تلے جمع کر دیا تھا آں موصوف کے بیس سالہ دور خلافت میں فتوحات کا منقطع سلسلہ پھر سے جاری ہوا۔ بری اور بحری دونوں محاذوں پر دشمنان اسلام کو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مساعی جمیلہ کی بدولت دین اسلام کو غلبہ عطا فرمایا اور یوں ان کا مبارک

اور ﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ کی کامل عملی تصویر بن گیا جس سے سبائیوں کی امیدیں خاک میں مل گئیں اور ان منافقین و دشمنان اسلام پر عرصہ حیات تنگ ہو گیا لہٰذا جواباً وانتقاماً ان کذاب سبائیوں نے آپ کے مثالب میں خوب حکایات و روایات وضع کیں اور انھیں باقاعدہ تاریخ کا حصہ بنایا۔

شاہ معین الدین ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''بنی امیہ کے زمانے میں جس کے بانی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں شیعان علی پر سختیاں ہوئیں اس لیے وہ قدرتاً امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف تھے۔ انھوں نے ان واقعات سے جنھیں عام طور پر ناپسند کیا جاتا تھا فائدہ اٹھا کر ان کو ہر طرح کے الزاموں کا نشانہ بنا دیا۔ ممکن تھا کہ ان کی آواز کچھ عرصہ کے لیے دب جاتی۔ لیکن ان ہی واقعات کی بنیاد پر بنی عباس نے حکومت کی تعمیر شروع کر دی ان کا داعی اعظم ابو مسلم خراسانی اور ان کے بہت سے وزراء اور عمال حکومت شیعہ تھے اس لیے سیاسی مصالح کی بنا پر سیکڑوں افسانے تراش کر بنی امیہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیے گئے اور ان کی جانب سے نفرت و حقارت کے جذبات پیدا کرنے کے لیے ان کی پوری تشہیر کی گئی۔ بنی عباس کی حکومت سندھ سے لے کر اسپین تک تھی اور کم و بیش چھ سو سال تک رہی۔ اس لیے بنی امیہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مثالب جو سیاسی مصالح کی بنا پر گھڑے گئے تھے مشرق سے مغرب تک پھیل گئے۔ انھی کے زمانے میں تاریخیں لکھی گئیں اس لیے بہت سی کمزور روایات اور غلط واقعات بھی تاریخوں میں داخل ہو گئے انھی میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مثالب بھی ہیں۔

بنی امیہ سے بنی عباس کی نفرت و عداوت کا یہ حال تھا کہ آخری اموی فرماں روا مروان کی شکست کے بعد خاندان بنی امیہ کے نوے افراد گرفتار ہوئے یہ غریب کھانا کھانے کے لیے جمع کیے گئے عین اس وقت بنی ہاشم کے ایک معمولی غلام شبل بن عبداللہ نے بنی امیہ پر اشتعال دلانے والے چند اشعار پڑھ دیے انھیں سن کر سفاح عباسی بانی دولت عباسیہ کے چچا عبداللہ بن علی نے اسی وقت کل اموی قیدیوں کو خیمہ کی چوبوں سے پٹوا کر مروا ڈالا اور نیم بسمل لاشوں کے ڈھیر پر دسترخوان بچھوا کر کھانا کھایا اور فرش کے نیچے دم توڑنے والوں کی سسکیوں کی آواز آ رہی تھی۔ ان کے علاوہ جہاں جہاں اموی ملے ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر دیے گئے...... یہ تو زندوں کے ساتھ سلوک ہوا، مردوں کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ اس سے بھی زیادہ عبرت آموز ہے تمام خلفائے بنو امیہ (بشمول سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ) کی قبریں کھدوا کر اور ان کی ہڈیاں نکلوا کر پھینک دیں ہشام کی لاش سالم نکلی تھی اسے سولی پر لٹکا کر آگ میں جلوا دیا گیا۔'' (تاریخ اسلام ج ۱ ص ۳۷۰، ۳۷۱)

پھر مامون رشید عباسی نے شیعیت قبول کر کے سرکاری طور پر اعلان کرایا کہ جو شخص معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہما) کے حق میں کلمات خیر کہے گا تو حکومت اس کی حفاظت سے بری الذمہ ہے۔

(دول الاسلام، ذہبی ص ۹۴ تحت سنہ ۲۱۱ھ۔ مروج الذہب، مسعودی ص ۴۰ ج ۴)

اس کے بعد ۳۵۲ھ میں بنی بویہ نے بغداد کی جامع مسجد کے دروازے پر خلفائے ثلاثہ اور سیدنا معاویہ ؓ پر لعنت کے الفاظ لکھوائے۔ پھر ایران میں اسماعیل صفوی نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ اس طرح ایک خاص سازش کے تحت یہودیت، عیسائیت اور مجوسیت کے ''ٹرائیکا'' (تگڈم) نے سیدنا معاویہ ؓ کی کردار کشی کر کے اپنے جذبات کو تسکین پہنچائی۔

نہایت ہی افسوس ہے کہ کچھ مدعیان اہل سنت نے ان دشمنان اسلام کا آلہ کار بن کر سیدنا معاویہ ؓ کے خلاف نئے انداز میں ان ہی الزامات سے اپنی کتب کو ''زینت'' بخشی۔

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی ؒ ناقدین معاویہ کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''حضرت امیر معاویہ ؓ کے حق میں سوءظن رکھنے والے تین گروہ ہیں۔ اول روافض، خیران کا سوء ظن چنداں جائے تعجب نہیں۔ دوسرا گروہ ان جاہل صوفیوں کا ہے جو حضرت علی ؓ کی محبت کا تکملہ حضرت معاویہ ؓ کی بدگوئی کو سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے کو سنی کہتے ہیں مگر درحقیقت بہت سے اصول و فروع میں بھی یہ اہل سنت کے مخالف اور فرقہ ہائے شیعہ میں داخل ہیں۔ تیسرا گروہ اس زمانے کے بعض اہل ظاہر کا ہے بعض روایات میں حضرت معاویہ ؓ کے مطاعن ان کی نظر سے گزرے بوجہ ظاہریت کے ان کی تاویل نہ کر سکے۔ ان میں سب سے مضرت رساں دوسرا گروہ ہے پھر تیسرا۔'' (ازالۃ الخفاء ص ۱۷۵ ج ۱ بر حاشیہ)

عصر حاضر میں سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے مذکورہ بالا تینوں گروہوں کی نمایندگی اور ترجمانی کا حق ادا کرتے ہوئے ''خلافت وملوکیت'' جیسی زہریلی کتاب تصنیف کر دی۔

اب جو شخص بھی دفاع صحابہ کا فریضہ ادا کرتے ہوئے سیدنا معاویہ ؓ پر اعتراضات کے جوابات دینا چاہے گا تو وہ ''خلافت وملوکیت'' کو کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔ لہٰذا راقم نے سیدنا معاویہ ؓ سے متعلق جو اعتراضات خلافت وملوکیت میں پائے جاتے تھے انھیں باحوالہ نقل کر کے جوابات دینے کی ''بزدلانہ'' کوشش کی ہے۔ اگر کتاب میں کسی مقام پر کسی لفظ سے ''بے تکریمی'' محسوس ہو تو اسے ''دینی حمیت'' پر محمول فرمالیں کیونکہ مذکورہ کتاب پڑھ کر کوئی بزدل سے بزدل انسان بھی اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکتا۔ چند باتیں بطور نمونہ آپ بھی ملاحظہ فرمالیں:

① اس سے بدرجہا غیر آئینی طرز عمل دوسرے فریق یعنی حضرت معاویہ ؓ کا تھا۔ (خلافت وملوکیت ص ۱۳۵)

② مرکزی حکومت کی اطاعت سے انکار کیا۔ (حوالہ مذکور)

③ یہ سب کچھ دور اسلام کی نظامی حکومت کے بجائے زمانہ قبل اسلام کی قبائلی بدنظمی سے اشبہ ہے۔ (حوالہ مذکور)

۴ انھوں نے ٹھیٹھ جاہلیت قدیمہ کے قانون کے تحت قاتلین عثمان کی طلبی کا مطالبہ کیا۔ (حوالہ مذکور ص ۱۲۲)
۵ ان کے غلط کام کو صحابیت کی رعایت سے اجتہاد کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ (ص ۱۴۳)
۶ صحابی کے مرتبہ بلند کی وجہ سے وہ غلطی اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے۔ (حوالہ مذکور)
۷ جان بوجھ کر ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق غلط کام کرنے کا نام اجتہاد ہرگز نہیں ہوسکتا۔ (حوالہ مذکور)
۸ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے غلط کام کو تو غلط کہنا ہی ہوگا۔ (ص ۱۵۳)
۹ وہ مسلمانوں کے خلیفہ بنانے سے خلیفہ نہیں بنے۔ (ص ۱۵۸)
۱۰ انھوں نے لڑ کر خلافت حاصل کی وہ خود اپنے زور سے خلیفہ بنے۔ (حوالہ مذکور)
۱۱ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نص صریح کے مطابق باغی اور باطل پر تھے۔ (ص ۱۳۷)
۱۲ اظہار رائے کی آزادی کا خاتمہ کر دیا گیا، ضمیروں پر قفل چڑھا دیے گئے اور زبانیں بند کر دی گئیں، حق گوئی کی سزا قید، کوڑے اور قتل مقرر ہوگئی۔ (ص ۱۶۳)
۱۳ ایک عابد و زاہد صحابی حجر بن عدی کے قتل کا حکم دیا۔ (ص ۱۶۵)
۱۴ اپنے مفاد اور سیاسی اغراض کے لیے شریعت کی حدود کو توڑا۔ (ص ۱۷۳)
۱۵ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی۔ (ص ۱۷۹)
۱۶ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نہایت مکروہ بدعت شروع کی۔ (حوالہ مذکور)
۱۷ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خیانت کی۔ مال غنیمت میں سے سونا چاندی اپنے لیے الگ کرنے کا حکم دیا۔ (حوالہ مذکور)
۱۸ جائز و ناجائز اور حلال و حرام میں کوئی تمیز نہیں کرتے تھے۔ (ص ۱۷۳)
۱۹ قانون کی بالاتری کا خاتمہ کر دیا۔ (ص ۱۷۲)
۲۰ مسلمانوں کو کافر کا وارث قرار دے کر سنت کی خلاف ورزی کی۔ (ص ۱۷۳)
۲۱ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیت کے مسئلے میں بھی سنت کو بدل دیا۔ (حوالہ مذکور)
۲۲ اپنے گورنروں اور سپہ سالاروں کو شریعت کی پابندی سے آزاد کر کے ظلم کی کھلی چھوٹ دی۔ (ص ۱۷۷)
۲۳ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی مطلب براری کے لیے جھوٹے گواہ تیار کیے۔ (ص ۱۳۵)
۲۴ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خوشامد پسند تھے اور خوشامدانہ تقریریں سنتے تھے۔ (ص ۱۵۱، ۱۶۷)
۲۵ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ (ص ۱۷۵)
۲۶ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد ماجد کی زنا کاری پر شہادتیں لیں اور ثابت کیا کہ زیاد ان ہی کا ولد

الحرام ہے۔ (حوالہ مذکور)

۲۷ یزید کی ولی عہدی کی ابتدائی تحریک بدنیتی اور ذاتی مفاد کے تحت شروع ہوئی۔ (ص ۱۵۰)

۲۸ تحریک ولی عہدی کی کامیابی کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کو رشوتیں اور قتل کی دھمکیاں دیں۔

(ص ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۳)

ستم بالائے ستم یہ کہ موصوف نے مذکورہ بالا الزامات کو اس تیقن اور تحدی کے ساتھ پیش کیا:

''میں کسی بزرگ کے کسی کام کو غلط صرف اسی وقت کہتا ہوں جب وہ قابل اعتماد ذرائع سے ثابت ہو اور کسی معقول دلیل سے اس کی تاویل نہ کی جا سکتی ہو۔ مگر جب اس شرط کے ساتھ میں جان لیتا ہوں کہ ایک کام غلط ہوا ہے تو میں اسے غلط مان لیتا ہوں پھر اس کام کی حد تک ہی اپنی تنقید کو محدود رکھتا ہوں...... مجھے اس بات کی کبھی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ جن کو میں بزرگ مانتا ہوں ان کی کھلی کھلی غلطیوں کا انکار کروں، لیت پوت کر کے ان کو چھپاؤں یا غیر معقول تاویلیں کر کے ان کو صحیح ثابت کروں...... لیت پوت کرنے یا علانیہ نظر آنے والی چیزوں پر پردہ ڈالنے سے میرے نزدیک بات بنتی نہیں بلکہ اور بگڑ جاتی ہے۔ اس سے تو لوگ اس شبہ میں پڑ جائیں گے کہ ہم اپنے بزرگوں کے جو کمالات بیان کرتے ہیں وہ بھی شاید بناوٹی ہی ہوں گے۔''

(حوالہ مذکور ص ۳۰۶)

ع اینکہ می بینم بہ بیداری ست یا رب یا بخواب

مذکورہ بالا الزامات، خرافات اور ہذیانات کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو فریب، دھوکا اور مغالطہ دینے کے لیے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ ''احتراماً'' ہر جگہ، حضرت، جناب اور ''رضی اللہ عنہ'' نہ صرف تحریر کیا بلکہ ''تقیۃً'' یہ اقرار بھی کیا کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے محامد و مناقب اپنی جگہ پر ہیں ان کا شرف صحابیت بھی واجب الاحترام ہے ان کی یہ خدمت بھی ناقابل انکار ہے کہ انھوں نے پھر سے دنیائے اسلام کو ایک جھنڈے تلے جمع کیا۔''

(ص ۱۵۳)

موصوف کی فریب دہی ملاحظہ ہو کہ آگے ص ۱۵۸ پر لکھتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے بنانے سے خلیفہ نہیں بنے، انھیں مسلمانوں کی رضامندی حاصل نہ تھی انھوں نے لڑ کر خلافت حاصل کی اور اپنے زور سے خلیفہ بنے...... سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح سے حاصل کی گئی خلافت میں دنیائے اسلام کو ایک جھنڈے تلے جمع کرنا ناقابل انکار دینی خدمت شمار ہوگا؟

مودودی صاحب کی اس ''فرد قرار داد جرم'' کو تسلیم کرنے کے بعد حضرت، جناب اور رضی اللہ عنہ کے احترامی الفاظ کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟ ''خلافت و ملوکیت'' میں یہ الزام پڑھنے کے بعد ایک شیعہ لیڈر

حجۃ الاسلام والمسلمین، استاذ العلماء والمجتہدین، رئیس المفسرین، آیۃ اللہ علامہ حسین بخش جاڑا بھی ورطۂ حیرت میں ڈوب گئے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

"قارئین کرام اپنے قلب وجگر پر ہاتھ رکھ کر ان غلطیوں کو پڑھیں اور مودودی صاحب کی اس دریا دلی کی بھی داد دیں کہ باوجود ان سنگین جرائم کے اس کے محامد ومناقب کے بھی قائل ہیں اور شرف صحابیت کی بنا پر اسے واجب الاحترام بھی قرار دیتے ہیں۔ اور یہ اصرار بھی ہے کہ اس کے غلط کام کو بہرحال غلط کہنا ہوگا۔ اندازہ کیجیے ایک شخص اپنی ہوس پرستی و جاہ طلبی کی خاطر اسلامی حکومت کا حلیہ بدلتا ہے، ہمیشہ کے لیے امت اسلامیہ کو ملوکیت کی الجھنوں میں ڈالنے کا مرتکب ہے، آئینی اسلامی خلیفہ کا منکر ہے، اور حضرت عمار بن یاسر اور حجر بن عدی ایسے متقی صحابہ کا عمداً قاتل ہے اور بایں ہمہ وہ واجب الاحترام صحابی ہے۔ اور اپنی عمدی خطا سے جنگ صفین کے موقع پر ہزاروں مسلمانوں کے قتل کا موجب ہے جن میں اکابر صحابہ بھی تھے۔ اور بقول مودودی صاحب یہ غلطی اجتہادی نہیں بلکہ عمدی غلطی ہے۔ لیکن پھر بھی وہ واجب الاحترام ہے۔"

(امامت وملوکیت ص ۶۲، ۶۳)

جانشین امیر شریعت سیدنا ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"امیر جماعت اسلامی پاکستان جناب سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کو برسوں پہلے علمائے حق نے ان کی تحریر کے اعتقادی اور فقہی اغلاط اور ان کی تحریک کے دینی و اجتماعی نقصانات اور خامیوں پر ٹوکا تھا۔ جسے انھوں نے، ان کی پوری جماعت نے بلکہ بہت سے بے خبر فریب خوردہ لوگوں نے بھی سخت برا مانا...... قرآن، حدیث اور فقہ وعقائد پر تفسیر، تفہیم وتعبیر اور تاویل وتجدید کے نام پر برسوں کی کرم فرمائی کے بعد اب امیر موصوف نے آخری عمر میں یاران رسول کے ایمان وعمل کو خود تراشیدہ عقل ومنطق کی ترازو میں باقاعدہ تولنا شروع کیا ہے۔ گو اس مہم کا آغاز بھی کئی برس پہلے ہو چکا ہے۔ تاکہ زندگی بھر کی نیکیوں کی کسر پوری ہو سکے۔ حالانکہ اس وتیرہ میں سراسر آخرت کا گھاٹا ہے۔

امام الشہداء والمظلومین خلیفہ سوم سیدنا عثمان، مدبر اسلام سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور امام عادل و برحق خلیفہ پنجم سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم کو انھوں نے ایک تازہ اخباری و کتابی مضمون "خلافت راشدہ سے ملوکیت تک" میں خصوصیت کے ساتھ "حضرت حضرت" کہہ کر خوب کوسا ہے۔ کیونکہ اتفاق سے سبائی تحریک میں بھی سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سمیت یہی تین بزرگ سرفہرست نشانہ اور زد پر ہیں۔ مزید سہولت یہ کہ مدت سے غلط روایات کی شیطانی شہرت اور سبائیوں کے مرحلہ وار تسلط کو انھوں نے بغور سمجھا ہے پھر اپنی گہری منصوبہ بندی کے تحت نہ جانے کس مقصد کی تکمیل کے لیے بڑے سکون واطمینان خاموشی نیز پراسرار و بامعنی انداز اور نتیجہ خیز تدریج کے ساتھ اپنی تحریر وتقریر اور جماعتی پالیسی کو غالیوں کے حضور ہدیتاً پیش کیا ہے اور رسماً

سنی کہلا کر بھی امت کے سواد اعظم کو بری طرح مطعون و مجروح کر ڈالا ہے اور الحاد کی تائید کے لیے الہام کو استعمال کرنے کی غیر صالح کوشش کی ہے۔ حالانکہ وہ بڑے ذہین فطین معلوماتی شخص ہیں اور حدیث من کثر سواد منهم فهو منهم جس شخص نے کسی غیر قوم کو (کسی بھی ذریعے سے) رونق و ترقی بخشی وہ (خدا کے ہاں) اسی قوم میں شمار کیا جائے گا، ان سے مخفی نہ ہوگی کہ اس کردار کا انسان عند اللہ و عند الناس غیر صالح اور غیر مصلح ہی شمار ہوگا۔ داعی اسلام و قائد مسلمین ہرگز نہ کہلا سکے گا۔"

(براءۃ عثمان ص ۴، ۵۔ ۲۶ شعبان ۱۳۸۵ھ ۲۱ جنوری ۱۹۶۵ء)

مودودی صاحب نے کتاب مذکور کے مضامین اولاً ۱۹۶۵ء کے انتہائی نازک اور حساس دور میں اپنے ذاتی رسالے ترجمان القرآن میں بالاقساط شائع کیے جسے کتابی صورت میں پہلی بار اکتوبر ۱۹۶۶ء میں ڈائریکٹ اسلامک پبلی کیشنز لاہور نے بالفاظ ذیل شائع کیا:

"اس کتاب کے مصنف مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کے متعلق کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ دینی، علمی، ادبی اور سیاسی حیثیت سے مولانا محترم کو بین الاقوامی طور پر جو مقام حاصل ہے اس سے ہر پڑھا لکھا شخص واقف ہے۔ یہ ہماری خوش بختی ہے کہ موصوف کی تازہ ترین تصنیف کی طباعت و اشاعت کی سعادت ہمیں حاصل ہوئی ہے...... وقت کی اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لیے مولانا موصوف نے اس نازک موضوع پر قلم اٹھایا اور واقعہ یہ ہے کہ اس کا حق ادا کر دیا...... احباب کے پیہم اصرار پر ہم اس کو کتابی شکل میں پیش کر رہے ہیں۔" (خلافت و ملوکیت ص ۱۰، عرض ناشر)

موصوف کی اس انتہائی زہریلی کتاب کے خلاف اس وقت علمائے کرام نے شدید رد عمل کا اظہار کیا، اس کے جوابات تحریر کیے اور ان سے بار بار درخواست کی کہ وہ اس اہم ترین "دینی خدمت" سے باز آجائیں حتیٰ کہ جب وہ زندگی کے آخری ایام میں بغرض علاج امریکہ تشریف لے جا رہے تھے اس وقت بھی حافظ محمد صلاح الدین یوسف صاحب نے اپنے ہفت روزے میں یہ اپیل شائع کی کہ:

"نہیں کہا جا سکتا کہ مولانا موصوف کی حیات مستعار کے کتنے دن باقی ہیں تاہم یہ تو واضح ہی ہے کہ موصوف عمر کے جس مرحلے میں ہیں وہ چل چلاؤ کا دور ہے۔ کاش انھیں جلد ہی یہ توفیق نصیب ہو کہ وہ خلافت و ملوکیت جیسی زہریلی کتاب سے اظہار براءت فرما سکیں۔ یہ توبہ نامہ گو ان کے ذاتی وقار اور علمی ... کے خلاف ہوگا لیکن ہمیں امید ہے کہ ان کی سعادت اخروی کا ضرور باعث ہوگا۔ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ" (ہفت روزہ الاعتصام ص ۴، ۸ جون ۱۹۷۹ء)

مگر موصوف رجوع کے بغیر اپنے اندھے مقلدین کو ضلالت و گمراہی میں چھوڑ کر امریکہ کے ہسپتال میں جہاں وہ زیر علاج تھے ۲۲ ستمبر ۱۹۷۹ء کو رحلت کر گئے۔

اس کے بعد چاہیے تو یہ تھا کہ جماعت اسلامی کے ذمہ دار حضرات اس سے کوئی سبق حاصل کرتے اور اس زہریلی کتاب کی کم از کم صرف آیندہ اشاعت سے ہی باز آ جاتے لیکن انھوں نے موصوف کے ساتھ کیے گئے ''عہد وفا'' کو خوب نبھایا اور اس کے کئی مزید ایڈیشن شائع کر کے اسے ہر قریہ اور ہر شہر میں پہنچایا اب تک خلافت وملوکیت اور اس کے دفاع میں لکھی جانے والی کتاب ''خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ'' مؤلفہ ملک غلام علی صاحب ستر ہزار سے زائد کی تعداد میں شائع ہو چکی ہے۔ کتاب کا فارسی میں ترجمہ اس تعداد کے علاوہ ہے۔

حیف صد حیف اس زہریلی کتاب کی اس کثرت کے ساتھ اشاعت کے باوجود اب ان حلقوں نے بھی چپ سادھ لی ہے جنھوں نے اس کی پہلی اشاعت کے بعد ہی اس کا خوب رد کیا تھا...... سوال یہ ہے کہ کیا اب یہ کتاب مشرف بہ اسلام ہو گئی ہے؟ کیا اس کا زہریلا پن اور اس کی سمیت ختم ہو گئی ہے؟ کیا اب یہ توہین صحابہ سے پاک ہو گئی ہے؟ کیا اب اس میں صحابہ پر واضح اور بدترین تبرا موجود نہیں ہے؟ کیا اس میں سے اب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف مذکورہ ''فرد قرار داد جرم'' حذف کر دی گئی ہے؟ کیا اس میں اب اہل اسلام کے لیے کوئی فتنہ باقی نہیں ہے؟

جب کتاب بھی وہی، اس کی سمیت بھی وہی، توہین صحابہ سے بھی بھرپور، فرد قرار داد جرم بھی وہی اور اہل اسلام کے لیے مستقلاً فتنے کا باعث بھی ہے جس کے متعلق رب کا حکم ہے ﴿ وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ﴾ (البقرہ) ان حقائق کو تسلیم کرنے کے باوجود ''علمائے اسلام'' کے لبوں پر خاموشی اور سکوت سے یقیناً تعجب ہوتا ہے۔ [1]

معلوم ہوتا ہے کہ فتنہ تو باقی اور زوروں پر ہے لیکن کوئی شیخ الاسلام ظفر احمد عثمانی نہیں...... فتنہ تو ہے کوئی مولانا غلام غوث ہزاروی نہیں...... فتنہ تو ہے کوئی مولانا سید نور الحسن بخاری نہیں...... فتنہ تو ہے کوئی مولانا محمد اسحاق سندیلوی نہیں...... فتنہ تو ہے کوئی عطاء المنعم شاہ بخاری نہیں...... (رحمہم اللہ)

جو حضرات اپنے اپنے طور پر اس فتنہ کی سرکوبی میں مصروف ہیں وہ بہرحال مستثنیٰ ہیں۔ لیکن یہ لب اور قلم برداشتہ الفاظ ''وللاکثر حکم الکل'' کے تحت آتے ہیں۔ اس بات کی تائید پاکستان کی تمام مذہبی اور دینی جماعتوں کی ''ملی یکجہتی کونسل'' میں شمولیت سے بھی ہوتی ہے جنھوں نے متفقہ طور پر جناب مودودی صاحب کے خلیفہ ثانی جناب قاضی حسین احمد صاحب کو اس مصالحتی بورڈ کا چیئرمین مقرر کر دیا ہے جو صحابہ کے

[1] بعد میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ نہ صرف ''علمائے اسلام'' پر مشتمل جمعیتیں بلکہ ملک کی تمام دینی جماعتیں ''متحدہ مجلس عمل'' کے پلیٹ فارم پر اسی خلافت وملوکیت کی پرچارک جماعت کے سربراہ اور جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے جانشین قاضی حسین احمد کی قیادت میں اکٹھی ہو گئیں۔

خلاف مواد پر مبنی کتب کا جائزہ لے کر ان کی ضبطی کی سفارش کرے گا...... اے کاش انھیں چیئرمین بنانے سے پہلے ان سے اتنی درخواست تو کر دی جاتی کہ حضرت پہلے اپنی جماعت کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے ''خلافت وملوکیت'' جیسی زہریلی کتاب سے براءت کا اعلان کر دیں۔

یہ سوال حل کیے بغیر تشنگی رہے گی کہ موصوف نے خلافت وملوکیت جیسی زہریلی کتاب کیوں تصنیف کی؟

مودودی صاحب نے یہ کتاب اپنا مفروضہ ''اسلامی انقلاب'' بپا کرنے کی غرض سے اہل تشیع کی امداد حاصل کرنے کے لیے تحریر کی تھی۔ کیونکہ اہل تشیع موصوف کی بعض سابقہ عبارات پر معترض اور ان سے دور تھے...... موصوف کے پٹھان کوٹ کے قیام کے دوران میں ان سے دریافت کیا گیا کہ شیعہ فرقوں کو حکومت الٰہیہ کے زیر سایہ عملاً کیا حیثیت دی جائے گی؟ فرمایا کہ یہ سوال موجودہ وقت کا ہے ہی نہیں۔ یہ سوال جب عملاً پیش آئے گا تو اس کا حل بھی ان شاء اللہ ہو جائے گا۔قبل از وقت آخر ایک فرقے سے اس کی حیثیت کے متعلق بحث کے دروازے کھول کر وقت کیوں ضائع کیا جائے؟

اہل تشیع کے بنیادی عقیدہ ''عصمت امام'' پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''امام معصوم کا جو عقیدہ شیعوں میں رواج پا گیا ہے اور جس پر درحقیقت مسلک اہل تشیع کی بنیاد قائم ہے۔ اپنی اصل کے اعتبار سے نہ صرف یہ کہ بے اصل ہے بلکہ شیطان کا ایک بہت بڑا دھوکا ہے۔ جس سے اس نے مسلمانوں کے ایک بڑے گروہ کو دین اور اس کے مطالبات اور اس کی مہمات کو عملاً معطل کر دیا ہے۔ اس نے امامت کے لیے معصومیت کی شرط لگائی ہے جس کا مستحق ہونا اور دائماً ومستقلاً متحقق ہوتے رہنا غیر ممکن تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرون ماضیہ میں جب کہ شیعوں کے عقیدہ کے مطابق ائمہ معصومین ظاہر ہوتے رہے ہر امام کی وفات کے بعد اختلاف واقع ہوا کہ اس کی جگہ کون سا امام معصوم ہے؟...... اگرچہ اس پر بھی شیعہ حضرات متنبہ نہیں ہوتے اور شیطانی دھوکے میں مبتلا رہنا چاہتے ہیں تو ہمارے لیے اس کے سوا کیا چارہ ہے کہ صبر کریں اور ان کے حق میں دعائے خیر کرتے رہیں۔''

(ترجمان القرآن خاص نمبر ص ۱۸۱، ۱۸۲، بحوالہ امیر المومنین معاویہ ؓ حکیم عبدالرحمن خلیق)

پھر جب موصوف سے یہ پوچھا گیا کہ کیا کوئی شیعہ جماعت اسلامی کا رکن بن سکتا ہے؟ تو فرمایا دستور جماعت اسلامی کے پورے مطالبات کو تسلیم کر لینے اور ان پر عمل پیرا ہو جانے کے بعد کوئی شخص شیعہ رہ ہی کہاں سکتا ہے؟ پھر تو وہ ویسا ہی خالص مسلمان ہوگا جیسے اس دستور کو تسلیم کرنے والے دوسرے اراکین ہیں۔

قیام پاکستان سے پہلے موصوف کے ان خیالات کی وجہ سے شیعہ ان سے ناراض تھے۔ لاہور منتقل ہو جانے کے بعد موصوف نے سیاست کو بھی قبول کر لیا اور ۱۹۵۱ء کے انتخابات میں حصہ لیا۔ قوم نے پوری ''بصیرت'' کے ساتھ انھیں مسترد کر دیا۔ نتیجتاً انھوں نے اپنی پالیسی پر نظر ثانی کی۔ چونکہ لاہور میں شیعہ کی

بڑی تعداد تھی اور ملک کی کلیدی آسامیوں پر بھی شیعہ قابض تھے لہٰذا موصوف نے شیعہ کے ساتھ روابط قائم کرنا شروع کر دیے۔ ان کی محافل و مجالس میں شرکت کرتے، اپنی مجالس میں مشترک مسائل بیان کرتے اور پھر انھیں شائع کراتے تھے...... یہی مودودی صاحب پٹھان کوٹ کے قیام میں ایک جلسہ میں احباب کے ''نعرۂ تکبیر'' بلند کرنے پر برہم ہو گئے تھے کہ ایک مرتبہ جہاد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صورت حال سے متاثر ہو کر اللہ اکبر کے نعرے بلند کیے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو تم پکار رہے ہو وہ بہرہ نہیں ہے یہی باوقار رویہ تھا جس کی تقلید ہمیں بھی کرنی چاہیے۔ (ترجمان القرآن خاص نمبر ص ۱۴)

اس کے بعد لاہور میں ایک وقت یہ بھی آیا کہ موصوف کی محفل ''نعرۂ حیدری...... یاعلیؑ'' سے گونج اٹھی...... مگر کسی برہمی کا کوئی سوال ہی نہیں تھا...... اور نہ تقلید کے لیے کوئی باوقار رویہ موجود تھا...... مزید قدم آگے بڑھاتے ہوئے شیعہ کی مشہور خوش فعلی متعہ کی سند جواز بھی مہیا کر دی۔

(ماہنامہ ترجمان القرآن اگست ۱۹۵۵ء)

پھر کیا تھا شیعہ کے ساتھ موصوف گھل مل گئے اور سابقہ کدورتیں نفرتیں اور فاصلے ختم ہو گئے۔ مودودی صاحب کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ انھوں نے اہل تشیع کے گھر جا کر ایک مخصوص محفل سے خطاب فرمایا۔ اہل تشیع اتنے متاثر ہوئے کہ ایک سال بعد پھر موصوف کو اپنے گھر بپا کردہ مجلس سے خطاب کرنے کی دعوت دی (یہ ملحوظ رہے کہ شیعہ اپنی محرم کی عبادت کسی غیر شیعہ کے ذریعے سے ادا نہیں کرتے، موصوف اس میں منفرد ہیں)۔

ایک مجلس محرم ۱۳۸۰ھ ۱۹۶۰ء اور دوسری مجلس جو ۱۰ جون ۱۹۶۲ء محرم ۱۳۸۲ھ میں ایک شیعہ لیڈر سید محمد علی زیدی ایڈووکیٹ کے مکان ۱۴ ار ٹیمپل روڈ لاہور میں بعنوان ''علی کا راستہ، حسین کا راستہ'' بپا ہوئی تھی جس میں موصوف نے ایک یادگار خطاب فرمایا جو ہفت روزہ ایشیا لاہور اور ماہنامہ قومی ڈائجسٹ لاہور کے علی نمبر، ماہنامہ ترجمان القرآن جولائی ۱۹۶۰ء اور علیحدہ کتابی صورت میں بھی شائع ہوا تھا۔ اس خطاب میں موصوف نے فرمایا تھا کہ:

''بعض لوگ کہتے ہیں کہ صحابہ نے تو بیعت کر لی تھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کیوں نہ کی؟ حالانکہ جب کوئی مسلمان حکومت پوری طاقت سے قائم ہو تو اس کے خلاف اٹھنا ہما شما کا کام نہیں صرف وہ اٹھ سکتا ہے جو فیصلہ کر چکا ہو کہ وہ اٹھے گا خواہ کچھ ہو جائے۔ جو لوگ ایسی بات کہتے ہیں ان کو صحابہ کی طرف سے صفائی پیش کرنی چاہیے نہ کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو مطعون کرنا۔ اٹھنے والے سے صفائی پیش کرنے کا مطالبہ کرنے کا کیا موقع ہے؟ صحابہ کرام کی پوزیشن صاف کی جا سکتی ہے۔ ہر شخص کا یہ کام نہیں تھا۔'' (شہادت حسین رضی اللہ عنہ ص ۲۴)

اسی خطاب میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بغیر رضامندی عوام کے حکومت پر قابض ہو گئے تھے۔ ان کی حکومت میں مسلمانوں کی رضامندی کو کوئی دخل نہیں رہا تھا اور ملک کے مال میں بھی تصرف ہونا شروع ہو گیا تھا۔''

(حوالہ مذکور ص ۲۳)

موصوف کی پہلی تقریر ان کی کتاب ''تفہیمات'' جلد سوم میں اس نوٹ کے ساتھ شائع ہوئی تھی ''یہ دراصل ایک تقریر ہے جو مصنف نے محرم ۱۳۸۰ھ میں لاہور کے ایک شیعہ لیڈر کے مکان پر منعقدہ ایک مجلس میں کی تھی۔'' (تفہیمات حصہ سوم طبع اول مارچ ۱۹۶۵ء)

بعد میں یہ نوٹ اس طرح بدل گیا کہ ''یہ تقریر لاہور میں شیعہ سنی حضرات کی ایک مشترکہ نشست میں کی گئی تھی جو ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور کی اشاعت جولائی ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس تقریر پر مشتمل رسالہ ایرانی شیعوں کے مطالبے پر اشاعت کے لیے ایران بھیجا گیا۔''

(پمفلٹ ''ہمارا کام اور نقطہ نظر'' ص ۳۳ طبع دسمبر ۱۹۶۷ء بحوالہ خلافت و ملوکیت کی شرعی حیثیت ص ۴۰)

اس طرح موصوف شیعہ کے ساتھ روابط بڑھانے میں کامیاب ہو گئے۔ پھر ان تعلقات کو مزید مستحکم کرتے ہوئے ''خلافت و ملوکیت'' جیسی کتاب انھیں بطور تحفہ پیش کی جسے انھوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور اپنے حلقوں میں اس کا خوب خیر مقدم کیا، شیعہ پریس نے اس پر تبصرے لکھے۔ رئیس احمد جعفری نے نہج البلاغہ کے ترجمہ میں کتاب کو سنیوں کی طرف سے شیعہ عقائد کی تصدیق قرار دیا۔ ایک شیعہ آرگن نے صحابہ پر تبرا کے جواز کو اس کتاب سے ثابت کیا کہ

''بات یہ ہے کہ شیعوں کی تنقید کو سب وشتم قرار دیا جاتا ہے حالانکہ سنی حضرات بھی صحابہ کرام کو تنقید سے بالاتر نہیں سمجھتے۔ ترجمان القرآن کے تازہ شماروں میں مولانا مودودی کے قلم سے ''خلافت راشدہ سے ملوکیت تک'' کا مقالہ شائع ہوا ہے۔ مولانا نے اس مقالہ میں صحابہ کرام پر ہی نہیں بلکہ صحابہ کرام کے سرخیل یعنی خلفائے راشدین پر بھی تنقید فرمائی ہے۔ اگر یہی تنقید ایک شیعہ کے قلم سے شائع ہوتی تو یقیناً صحابہ کرام پر سب وشتم قرار دی جاتی۔ کیا مولانا مودودی صاحب پر بھی صحابہ کرام پر سب وشتم کرنے کا فتویٰ صادر فرما کر دیانت داری کا ثبوت فرمایا جائے گا۔'' (ہفت روزہ رضا کار لاہور ۱۶ جولائی ۱۹۶۵ء)

۱۹۸۰ء میں جب حکومت پاکستان نے صحابہ آرڈیننس جاری کیا تو اسی ہفت روزہ میں یوں تبصرہ شائع ہوتا ہے کہ:

''تیسرے آرڈیننس میں خلفائے راشدین، اہل بیت اور صحابہ کرام کے تقدس کو برقرار رکھنے کا تحفظ کیا گیا ہے...... ہاں شیعہ صحابہ کو تنقید سے بالاتر نہیں سمجھتے اور بوقت ضرورت ان پر بحوالہ قرآن، حدیث تنقید کرتے ہیں...... ملحوظ رہے کہ برادران اہل سنت کے نزدیک بھی صحابہ کرام تنقید سے بالاتر نہیں ہیں

موجودہ دور کے جید سنی عالم مولانا مودودی مرحوم نے اپنی کتاب خلافت وملوکیت میں جا بجا صحابہ پر تنقید فرمائی ہے اور یہ کتاب آج بھی کھلے بندوں بازار میں فروخت ہو رہی ہے۔'' (ہفت روزہ رضا کار لاہور ۸، اکتوبر ۱۹۸۰ء)

شیعہ مجتہد علامہ حسین بخش جاڑا لکھتے ہیں کہ:

''خلافت وملوکیت جب الگ کتابی صورت میں شائع ہوئی تو علمی حلقوں میں اس کا بڑا چرچا ہوا۔ مودودی صاحب سے نظریاتی اختلاف رکھنے والے بعض اہل سنت حضرات پر یہ کتاب بجلی بن کر گری۔ چنانچہ اس کی تردید میں متعدد جوابات لکھے گئے۔ شیعہ حضرات نے اس کتاب کو خوب سراہا، بالخصوص جہاں کتاب مذکور میں اموی خلفاء پر تنقید کی گئی شیعوں کے لیے اس نے نوید مسرت کا کام کیا۔'' (امامت وملوکیت ص۲)

جناب مودودی صاحب نے اپنی طاقت وشوکت کا مظاہرہ کرنے کے لیے ۳۱ مئی ۱۹۷۰ء کو'' کاروان شوکت اسلام'' کے نام سے ایک ملک گیر انتخابی جلوس نکالنے کا اعلان کیا تو شیعہ کی طرف سے اس جلوس میں شرکت کا خاص اعلان کیا گیا تھا۔ ۳۱ مئی یعنی جلوس کی تاریخ کی صبح کو نکلنے والے اخبارات میں یہ خبر شائع ہو چکی تھی کہ شوکت اسلام کے اس جلوس میں پانچ ہزار شیعہ انجمنیں شرکت کریں گی۔ (روزنامہ مشرق ۳۱ مئی ۱۹۷۰ء)

اس خبر سے شیعہ عوام کو یہ تاثر دینا مقصود تھا کہ شیعہ اب نہ صرف مولانا کے قریب آ چکے ہیں بلکہ وہ ان کی انتخابی مہم میں بھی ان کا بھرپور ساتھ دے رہے ہیں...... اگلی صبح کے اخبارات میں جلوس کے سلسلے میں یہ خبر شائع ہوئی......

''مولانا ظفر الحسن کی قیادت میں شیعہ کا جلوس جب دفتر تحفظ حقوق شیعہ نسبت روڈ پہنچا تو وہاں سنی اور شیعہ علماء کی طرف سے جلوس کے شرکاء کو ہار پہنائے گئے۔'' (روزنامہ مشرق یکم جون ۱۹۷۰ء)

بعدازاں شیعہ پر ایک اور نوازش کرتے ہوئے فرمایا:

''یہ بات بالکل غلط ہے کہ جماعت اسلامی شیعہ حضرات کی مخالف ہے اور یہ تاثر بھی غلط ہے کہ اہل تشیع جماعت اسلامی کے رکن نہیں بن سکتے۔ مولانا نے مزید فرمایا یہ غلط فہمیاں چند خود غرض افراد کی پیدا کردہ ہیں۔ اصل یہ ہے کہ شیعہ حضرات جماعت اسلامی کے ساتھ پورا تعاون کر رہے ہیں۔''

(روزنامہ مشرق ۱۶ جون ۱۹۷۰ء)

پھر ایک اور پالیسی بیان جاری کیا:

''ہمارے نزدیک صدر مملکت کا صرف مسلمان ہونا ہی کافی ہے خواہ وہ کسی بھی مسلمہ مسلمان فرقہ سے تعلق رکھتا ہو...... قائد اعظم کو سب نے اپنا نمائندہ مان لیا تھا اور کسی نے سوچا تک نہیں تھا کہ وہ سنی ہے یا شیعہ۔ سکندر مرزا ایک مدت تک صدر مملکت رہے...... کسی نے ان پر اس بنا پر اعتراض نہیں کیا کہ وہ شیعہ تھا...... موجودہ صدر مملکت (یحییٰ خان) بھی شیعہ ہی ہیں اور ان پر بھی ان کے مسلک کی بنا پر کسی نے اعتراض

نہیں کیا۔'' (روزنامہ نوائے وقت ۲۱، اگست ۱۹۷۰ء)

پھر ۱۹۷۰ء کے انتخابات سے پہلے مودودی صاحب نے ایک یہ اخباری بیان جاری کیا کہ:

''ان پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ شیعہ کی مخالفت کرتے رہے ہیں اور اب محض انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے اہل تشیع کی طرف دست تعاون بڑھا رہے ہیں...... میری شائع کردہ کتابوں میں سے کوئی شخص یہ نہیں دکھا سکتا کہ میں نے کبھی شیعہ حضرات پر حملہ کیا ہو یا ان کے عقائد کے خلاف کبھی کوئی دل آزار بات کہی ہو۔'' (روزنامہ مشرق ۲۳، اگست ۱۹۷۰ء)

موصوف کی بعد کی عملی زندگی نے عملی طور پر بھی اس الزام کو غلط ثابت کر دیا کہ وہ محض انتخابات میں کامیابی کی خاطر اہل تشیع کی طرف ہاتھ بڑھا رہے ہیں۔ جب تک زندہ رہے شیعہ سے جدائی و بے وفائی گوارا نہیں کی۔ ایران میں خمینی انقلاب کے لیے اس کی تحریک کا بھرپور ساتھ دیا جواباً خمینی کے ایلچیوں نے اپنے امام کا خصوصی خط موصوف کو پہنچایا۔ ہوائی اڈے پر ان ایلچیوں کا استقبال کرتے ہوئے جماعت اسلامی اور اسلامی جمعیت طلبہ کی طرف سے یہ نعرے بھی بلند ہوئے ''رہبر ما خمینی است، رہبران ما مودودی خمینی، انقلاب انقلاب اسلامی انقلاب اور مودودی خمینی بھائی بھائی۔''

(ہفت روزہ ایشیا لاہور ۲۱ جنوری ۱۹۷۹ء زیر عنوان ''درود بر خمینی بت شکن)

شیعہ رسالہ میں بھی مودودی صاحب کی ان خدمات کا اعتراف کیا گیا ہے:

''ایران کی اسلامی تحریک کی اگر کسی طبقے نے کھل کر حمایت کی ہے اور خطرات کی پروا کیے بغیر اسلامی اخوت کا حق ادا کر دیا ہے تو وہ طبقہ آیت اللہ مودودی کے جان نثاروں کا طبقہ ہے۔ جماعت اسلامی کے اخبار جسارت اور نوائے وقت نے اس تحریک میں جو کردار ادا کیا ہے وہ لائق ستائش اور قابل فخر ہے۔ آیت اللہ مودودی اور ان کے رفقاء کی اس کڑے وقت حمایت و نصرت نے یقیناً شیعان پاکستان بلکہ مسلمانان پاکستان کی لاج رکھ لی۔ آیت اللہ یقیناً شیعہ اعلم و مرجع کے نام کے ساتھ لکھا جاتا ہے اور اس خطاب سے ان کے علم، عمل اور زہد و تقویٰ کو مشخص کیا جاتا ہے اور دوسری فقہوں کے علماء اسے اپنے نام کے ساتھ نہیں لکھ سکتے مگر اس کو کیا کیا جائے کہ مولانا مودودی کے لیے یہ اعزازی خطاب خود امام خمینی کے ایلچیوں کی زبان سے نکلا۔''

(شیعہ رسالہ صدائے بلتستان یکم مارچ ۱۹۷۹ء)

جماعت اسلامی ابتدا ہی سے ایرانی انقلاب کو اسلامی انقلاب قرار دیتی رہی ہے چنانچہ جب یہ کامیاب ہوا تو تحریک اسلامی کا ایک وفد امیر جماعت اسلامی میاں طفیل محمد کی قیادت میں ایک خصوصی طیارہ چارٹر کر کے مبارک باد دینے کے لیے ایران پہنچا۔ وفد جب ایران پہنچا تو اس کا سرکاری طور پر شاندار خیر مقدم کیا گیا۔ تہران میں وفد کے قیام کا ابتدائی پروگرام پانچ چھ گھنٹوں کا تھا اور طیارہ بھی اسی مدت کے لیے چارٹر کرایا

گیا تھا لیکن ایرانی حکومت نے باصرار وفد کو اپنے قیام میں توسیع پر مجبور کر دیا اور چارٹر طیارہ خالی اسی رات کو پاکستان لوٹ آیا...... امام صاحب کو جب وفد کی اطلاع ہوئی تو وہ خود اپنے دفتر سے باہر تشریف لے آئے اور وفد کا استقبال کیا۔

امیر جماعت نے قائد وفد کی حیثیت سے امام صاحب کو اسلامی تحریک کی عظیم الشان کامیابی پر مبارک باد دی...... اور ہر قسم کے بلا معاوضہ تعاون کا یقین دلاتے ہوئے کہا کہ ہم آپ کے دست و بازو اور ادنیٰ کارکن ہیں...... ہم ایران کو صحیح اسلامی جمہوریہ بنانے کے لیے ہر قسم کی مدد اور خدمت کے لیے تیار ہیں...... اس ملاقات کے دوران میں وفد نے قائد تحریک اسلامی سید ابوالاعلیٰ مودودی کا امام خمینی کے نام ایک پیغام بھی پہنچایا۔ (ہفت روزہ ایشیا لاہور ص ۸،۴ مارچ ۱۹۷۹ء)

قارئین کرام! اس ظالمانہ اور کافرانہ انقلاب کی حقیقت جاننے کے لیے عصر حاضر کی ایک ممتاز علمی اور روحانی شخصیت حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کے عظیم شاہکار ''ایرانی انقلاب'' کی طرف رجوع فرمائیں۔

جماعت اسلامی کے ممتاز راہنما چوہدری اسلم سلیمی نے بتایا کہ میاں طفیل اور اسلامی تحریکوں کے نمایندوں نے تہران میں آقائے خمینی کی امامت میں نماز ادا کی۔ انھوں نے کہا کہ آقائے خمینی دنیا کے مسلمانوں کے راہنما ہیں۔ (نوائے وقت راولپنڈی ۲۵ مارچ ۱۹۷۹ء)

جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی وفات پر آیت اللہ خمینی نے اظہار تعزیت کرتے ہوئے کہا کہ سید مودودی صرف پاکستان کے ہی نہیں پورے عالم اسلام کے قائد تھے۔ ان کے اسلامی فکر نے پوری اسلامی دنیا میں اسلامی انقلاب کی تحریک برپا کر دی۔ ان کی ان کوششوں کے نتیجے میں ان شاء اللہ دنیا بھر میں اسی طرح اسلامی انقلاب برپا ہو کر رہے گا جس طرح ایران میں اسلام کو غلبہ نصیب ہوا ہے۔ ان کا انتقال دنیائے اسلام کا عظیم نقصان ہے۔ ان کے مشن کو آگے بڑھانے کی بہت ضرورت ہے۔

ایران کے ممتاز مذہبی راہنما سید آیت اللہ کاظمی نے مودودی صاحب کو ایک قابل احترام اسلامی شخصیت قرار دیتے ہوئے کہا کہ ایران کی مسلم امہ کے لیے ان کی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

آیت اللہ شریعت مدار نے کہا کہ مودودی صاحب پورے عالم اسلام کی قابل احترام شخصیت تھے انھوں نے ملت اسلامیہ کی گراں قدر خدمات سرانجام دیں اور ایران میں اسلامی انقلاب کی حمایت کر کے عوام کے دل موہ لیے وہ ہماری جوان نسلوں کے لیے روشنی کے مینار تھے۔ ان کی وفات پر پورا ایران سوگوار ہے۔

ہفت روزہ شیعہ لاہور مزید لکھتا ہے کہ:

''مولانا مودودی کی وفات پر دنیا بھر کے علمائے اسلام نے رنج و غم کا اظہار فرمایا ہے اور ان کی خدمات دینی کو سراہا ہے مرحوم اپنا مخصوص عقیدہ رکھنے کے باوجود ایک صلح کل انسان تھے۔ اور حق بات کہنے

سے ذرا بھی نہ جھجکتے تھے ان کی تصنیف ''خلافت وملوکیت'' ہمیشہ یادر ہے گی جس میں انھوں نے خلفائے ثلاثہ اور معاویہ پر زبردست تنقید کی ہے...... انھوں نے جداگانہ شیعہ دینیات کے اجراء کی بھی حمایت کی اور بعض دیگر شیعہ سنی مسائل میں حق گوئی سے کام لیتے تھے۔ اور اختلافی مسائل میں کبھی نہیں الجھتے تھے۔ مرحوم اور ان کی جماعت نے ایران کے حالیہ انقلاب کی نہ صرف حمایت کی بلکہ اپنی جماعت کا وفد ایران بھیجا...... ان کے جنازے میں مولانا سید مرتضیٰ حسین کی قیادت میں ایک شیعہ وفد نے شرکت کی۔''

(ہفت روزہ شیعہ لاہور ۸، اکتوبر ۱۹۷۹ء)

اس تفصیل سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ مودودی صاحب نے پاکستان میں ہجرت کے بعد اہل تشیع کے ساتھ جو تعلقات استوار کیے تھے۔ وہ نہ صرف ان کی زندگی میں قائم رہے بلکہ موصوف کی موت کے بعد بھی ان کی وفادار جماعت نے بدستور بحال رکھے۔ (اللھم زد فزد)

یہ الگ بات ہے کہ جماعت اسلامی کے بعض کارکن ان تعلقات سے نالاں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لاہور میں جماعت اسلامی کے ۳ جولائی ۱۹۹۶ء کے دھرنا پروگرام میں جماعت کے کارکنوں نے بعض ایسے کتبے بھی اٹھا رکھے تھے جن پر یہ نعرہ درج تھا ''پاکستان کا سنی خمینی، قاضی حسین احمد'' (روزنامہ نوائے وقت ۶ جولائی ۱۹۹۶ء)

اس نعرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت اسلامی کے بعض ارکان شیعہ سنی تفریق کے قائل ہیں۔ یہ تو جماعت کے کارکن ہی بہتر طور پر جانتے ہوں گے کہ انھوں نے قاضی حسین احمد صاحب کو ''خمینی'' کے ساتھ تشبیہ کیوں دی لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جماعتی کارکنوں کو ''سنی خمینی اور شیعہ خمینی'' میں امتیاز کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ جبکہ یہی کارکن چند سال پہلے لاہور کے ہوائی اڈے پر امام خمینی کے ایلچیوں کا استقبال کرتے ہوئے یہ نعرے بھی لگا چکے تھے ''رہبر ما خمینی است، راہبران ما مودودی و خمینی، انقلاب انقلاب اسلامی انقلاب، اور مودودی خمینی بھائی بھائی۔'' (ہفت روزہ ایشیا لاہور ۲۱ جنوری ۱۹۷۹ء)

جب مودودی اور خمینی میں کوئی تفریق روا نہیں رکھی گئی تو مودودی صاحب کے خلیفہ قاضی حسین احمد اور امام خمینی کے مابین امتیاز کیوں پیدا کیا گیا؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہ امتیاز بھی شیعہ عقیدہ ''تقیہ'' کا کرشمہ ہے۔

بہرحال کتبے میں درج یہ نعرہ ''پاکستان کا سنی خمینی قاضی حسین احمد'' کسی منچلے کارکن کا ذاتی فعل ہے اسے جماعتی پالیسی کا نام ہرگز نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ جماعت سید مودودی صاحب کی سوچ اور فکر سے انحراف کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ ''سنی خمینی'' کی ترکیب ویسے بھی غلط ہے جس طرح اسلام اور کفر، سنت اور بدعت خبیث اور طیب، علم اور جہل، نور اور ظلمت، رات اور دن، آگ اور پانی باہم متضاد ہیں۔ اسی طرح سنیت اور خمینیت بھی ایک دوسرے کی ضد ہے۔ کوئی سنی خمینی نہیں کہلا سکتا اور کوئی خمینی [1] سنی نہیں ہو سکتا۔ البتہ جماعت

[1] اس سے علاقہ ''خمین'' کی طرف نسبت مراد نہیں۔

اسلامی کے ارکان کے لیے راہیں کشادہ ہیں۔

تمہید کافی طویل ہوگئی ہے لیکن اس کے بغیر ''خلافت وملوکیت'' کی حقیقت کو سمجھنا بہت ہی مشکل تھا۔ امید ہے کہ قارئین کرام اکتاہٹ محسوس نہیں کریں گے۔

جماعت اسلامی کے ساتھ وابستہ حضرات سے درخواست ہے کہ وہ کسی اشتعال، غصے اور ناراضی کے بجائے جناب مودودی صاحب کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر رکیک حملوں کی تغلیط وتردید کرکے اپنے ایمان اور اپنی عاقبت کو برباد اور تباہ ہونے سے بچالیں۔ مودودی صاحب کی غلطی تسلیم کر لینے سے ان کی ''بزرگی'' میں کوئی نقص واقع نہیں ہوگا۔ کیونکہ موصوف خود صحابہ کی غلطیوں کو تسلیم کرانے کی خاطر اپنے اندھے مقلدین کے سامنے یہی دلیل پیش کرتے ہیں کہ:

''غلطی کے صدور سے بزرگی میں فرق نہیں آتا...... حقیقت یہ ہے کہ صحابہ سمیت تمام انسان غیر معصوم ہیں اور معصومیت صرف انبیاء کے لیے خاص ہے۔ غیر نبی انسانوں میں کوئی شخص اس معنی میں بزرگ نہیں ہوتا کہ اس سے غلطی کا صدور محال ہے یا اس نے عملاً کبھی غلطی نہیں کی ہے...... اس کے کسی فعل یا بعض افعال کے غلط ہونے سے اس کی بزرگی میں فرق نہیں آسکتا...... میرے نزدیک ایک غیر نبی بزرگ کا کوئی کام غلط بھی ہو سکتا ہے اور اس کے بعد وہ بزرگ بھی رہ سکتا ہے۔'' (خلافت وملوکیت ص۳۰۶)

اس طرح جماعت اسلامی کے ارکان بھی جناب مودودی صاحب کو مخطی اور خطا کار تسلیم کرنے کے باوجود ان کی بزرگی کے قائل ہو سکتے ہیں جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو (موصوف کے نزدیک) خطا کار تسلیم کرنے سے ان کی بزرگی میں کوئی فرق نہیں آتا تو مودودی صاحب کو کاذب، آثم، غادر اور خائن (اس کی تفصیل آگے کتاب میں ملاحظہ فرمائیں) کہنے سے ان کی ''بزرگی'' میں کیونکر فرق آسکتا ہے؟

ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک

چمن میں تلخ نوائی میری گوارا کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کار تریاقی

الزامات واعتراضات کے نقل کرنے میں ترتیب زمانی کا قائم رکھنا ایک بہت ہی مشکل کام تھا۔ تاہم راقم نے عہد رسالت سے لے کر خلافت معاویہ تک دور کے اعتبار سے ترتیب قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔ البتہ سال، مہینہ اور تاریخ کے اعتبار سے تقدم وتاخر کا امکان ہے۔

راقم الحروف اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوا ہے اس کا بہتر فیصلہ اہل علم، غیر متعصب، غیر جانب دار، جذبہ حب اصحاب سے سرشار اور دفاع صحابہ کے علمبردار قارئین کرام ہی کر سکتے ہیں۔ نیز ان سے یہ بھی درخواست ہے کہ وہ زیر نظر کتاب کے تمام مباحث کا مکمل یکسوئی، دلجمعی اور عمیق غور وفکر کے ساتھ مطالعہ

فرمائیں۔ امید واثق ہے کہ انھیں اس سے کامل سکون اور اطمینان قلب حاصل ہو گا۔

راقم الحروف قاطع سبائیت و قادیانیت، فاتح ربوہ، فخر السادات ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن شاہ صاحب بخاری زید مجدہ کا بطور خاص شکریہ ادا کرنا اپنا خوشگوار اخلاقی فرض سمجھتا ہے جنھوں نے گونا گوں مصروفیات کے باوجود گراں قدر مقدمہ تحریر کر کے حوصلہ افزائی فرمائی۔

راقم محترم بھائی جناب سید محمد کفیل بخاری صاحب مدیر ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان اور دیگر معاونین کا بھی بے حد ممنون ہے جن کے مخلصانہ تعاون سے یہ کتاب زیور طباعت سے آراستہ ہوئی۔

آخر میں باری تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ غلطیوں اور لغزشوں کو معاف کرے اور اس حقیر کاوش کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے اسے امت مسلمہ کی اصلاح کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی ایم اے

مقدمہ

از ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن شاہ بخاریؒ

اصحاب رسول کی قدوسی جماعت میں امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ایک جلیل القدر شخصیت اور بتقاضائے نص قرآنی چھٹے موعودہ خلیفہ راشد ہیں، جن کے دور امامت وخلافت پناہ میں اسلام کی روشن کرنوں نے دنیا کے آخری سروں کو اپنی ضیا پاشیوں سے منور کیا۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی خصوصیت وفضیلت ان کا صحابی رسول ہونا ہے۔ بعد کے زمانوں میں کوئی قطب، ابدال، ولی اور غوث سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے نعلین مبارک سے لگی خاک کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ افضل ہیں یا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ؟ تو حضرت امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ:

((واللہ ان الغبار الذی دخل فی انف فرس معاویۃ مع رسول اللہ ﷺ افضل من عمر بالف مرۃ صلی معاویۃ خلف رسول اللہ ﷺ فقال رسول اللہ ﷺ سمع اللہ لمن حمدہ فقال معاویۃ رضی اللہ عنہ ربنا لک الحمد فما بعد ھذا الشرف الاعظم)) (تطہیر الجنان ص ۱۰۔۱۱)

"اللہ کی قسم! اللہ کے رسول ﷺ کی معیت صادقہ میں کفار سے جنگ کرتے ہوئے جو مٹی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کے نتھنوں میں پڑ گئی تھی وہ بھی عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے ہزار درجہ افضل ہے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی اقتدا میں نمازیں ادا کیں۔ آپ جب "سمع اللہ لمن حمدہ" کہتے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ "ربنا لک الحمد" کہتے تھے اس کے بعد اس سے بڑھ کر اور شرف کیا ہو سکتا ہے؟"

اس روایت کو علمائے متعصبین پڑھیں اور محدب شیشہ لگا کر پڑھیں اور اسی روایت پر صحابہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ پوری امت کے اعاظم اور آج کے نام نہاد اعاظم کا تمین حق، باطل پرست، مولویان عباد البطن کو پرکھیں اور پھر اپنی حیثیت بھی پہچانیں کہ جب ان کا کسی ایک رائے پر جمع ہو جانا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے برابر نہیں ہو سکتا تو وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے گرد پا کو کیسے پہنچیں گے؟ ان کی نام نہاد بزرگی ہمارے سامنے تو ٹمٹمائے گی مگر ان کی مشیخت وفضیلت کا چراغ بے فراغ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت وحقانیت کے سامنے کیسے چلے گا؟

ان کے تمام مطاعن...... تاریخ، تجزیہ، روایت، درایت اور عقل سلیم ان کے منہ پر مارتی ہے۔ یہ ظالم، مارق سبائی ہوں، رافضی ہوں، خارجی ہوں، چک والی ہوں، محدث ہزاروی ہوں، مودودی ہوں یا ریڈ بلڈ شاہی، ان کے دجل و کذب اور وضع و دساست کی تاریکی انھی کے حصے میں آئے گی۔ اور ان ہی اعمال و افکار رذیلہ کے ساتھ یہ گروہ مجرمین اپنے رب کے حضور پیش کیا جائے گا۔

معیار حق صحابہ ہیں جو اللہ کے چنے ہوئے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا تزکیہ کیا، ان کے ظاہر و باطن کو اجالا، ان کی عدالت کی تصدیق کی، ان کو راشد و ہادی بتایا، ان کو مؤمن حقیقی کہا، ان ہی کو مفلحین و فائزین کہا، ان کی دنیا کو معیار قرار دیا، عین دین فرمایا، ان کی آخرت پر اللہ کی رضا کی مہر لگا دی، انھیں شک و ارتیاب سے، وہم و گمان سے ماورا کر دیا اور ان کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پرتو بنا دیا، صحابہ ہی لفظ امت کے پہلے اور حقیقی مصداق و مظہر اور رضوان و جنت کی تمام بشارات کے اولین اور واقعی مستحق ہیں۔ یہی حضرات مقدمہ نبوت کی مسل ہیں۔ ان کی تصدیق سے ہی قرآن و حدیث اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق ہے۔ اور معاذ اللہ ان کی تکذیب سے ہی سب کی تکذیب۔ ان ہی حضرات کے ایمان و حقانیت کا اقرار بحکم اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لیے مدار اسلام و ایمان ہے اور ذریعہ ہدایت و نجات بھی۔ اور یہی حضرات باوجود غیر معصوم و غیر نبی ہونے کے بہ فرمان رسول لا تتخذوھم من بعدی غرضا ہر قسم کی تنقید و تردید اور تغلیط و تنقیص سے ہمیشہ کے لیے بالاتر ہیں اور ان کا بدگو و بدخواہ دین و دنیا میں ہمیشہ کے لیے ذلیل و مردود ہو کر رہے گا۔ امام اول بلا فصل سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لے کر جناب وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ تک جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قابل صد ہزار احترام و تکریم اور بعد از نبی سب سے زیادہ واجب الاطاعت ہیں۔

اور جن لوگوں کو یہ لوگ معیار بناتے ہیں ان کی عاقبت کا فیصلہ ہونا ابھی باقی ہے، ان کے اعمال تولے جائیں گے۔ پھر کون ہے جو آفتاب رسالت کے ایسے ماہ مبین کے سامنے عجم کے چراغ جلا سکے۔ دیوبندی، بریلوی، مودودی اور سلفی غیر مقلد علماء معیار حق نہیں بلکہ معیار حق تو صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ یہ سارے عجمی طبقے بتاتے پڑھاتے یہی ہیں کیونکہ ان کا رزق اسی اظہار عقیدت سے وابستہ ہے۔ مگر جوں ہی ان کی اس ژولیدہ فکر کی تردید کی جاتی ہے ان عجمی سکہ بند ڈبوں اور ڈبہ پیروں کو تنقید کی سان پر چڑھایا جاتا ہے تو یہ اعجام واسقام بزرگی کی دہائی ڈال دیتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کیا سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو حق سمجھ کر خلافت دی یا عنادی و خاطی سمجھ کے؟ خلیفہ رسول سمجھ کے ان کی بیعت کی یا بادشاہ سمجھ کے؟

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد وہ واحد صحابی ہیں جن کی صحابہ رضی اللہ عنہم کے تمام طبقات نے بیعت کی۔ کیا انھوں نے بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو عنادی یا خاطی سمجھ کے بیعت کی؟ کیا کسی بڑے بڑ

چھوٹے صحابی نے انھیں خاطی کہا؟ کیا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد مطلق نہ تھے؟ کیا ان کے اجتہاد کے سامنے کسی عجمی غیر مجتہد کی بات کو معتبر و مستند مانا جائے گا؟ میں پوچھتا ہوں کیا صحابی کے اجتہاد کے مقابلے میں ائمہ اربعہ کے اجتہاد کو فوقیت دی جا سکتی ہے؟ اور ایسا کبھی کسی نے کیا ہے؟ اگر کیا ہے تو دلیل کیا ہے؟

تمھارے عجمی سازشی بزرگوں کی بات نہ مانی جائے تو بزرگوں کی گستاخی ہو جاتی ہے اور تم عجمی مریدین اور تمھارے عجمی بزرگ صحابہ کے اجتہاد و اجماع سے روگردانی بھی کریں تو تمھارا کچھ نہیں بگڑتا؟ تمھیں کچھ نہیں ہوتا؟ تمھارا ٹائٹل نہیں بدلتا؟ جو ہفوات تم عجمی لوگ لکھتے ہو یہی کوئی اور لکھے تو وہ شیعہ، رافضی، ملحد، زندیق لیکن تم دیوبندی، بریلوی، مودودی، سلفی جو چاہو کہتے لکھتے رہو۔ تم کیے اہل سنت والجماعت؟ سنت تو ان کے رشد و ہدایت کو تسلیم کرنا ہے۔ اللہ کا حکم تو یہ ہے کہ ان کی اتباع کرو اور بغیر دلیل پوچھے اتباع کرو۔ تم یہ سب رویے چھوڑ کر، سنت مبارک ترک کر کے پھر سنی کے سنی اور تابعدار سنی؟ جماعت صحابہ کی مخالفت و مزاحمت کر کے پھر بھی اہل سنت والجماعت؟ واہ ری جماعت ترا کیا کہنا؟

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت فرماتے ہیں کہ ”اے ابوذر! تو دو آدمیوں پر بھی امیر نہ بننا، تو ضعیف ہے“ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا ان ولیت امرا فاتق الله واعدل (تطہیر الجنان ص ۱۵) ”اگر تجھے امت کی امارت سونپی جائے تو تقویٰ اختیار کرنا اور عدل کرنا۔“ غور طلب بات یہ ہے کہ عدل کی تلقین کی لیکن امارت کا مستحق سمجھا اور اس کا اہل جانا۔ مگر یہ امام باڑوی اور محرم الحرامی مولوی نہیں مانتا، یہ کیڑے نکالتا ہے، عیب چنتا ہے، خامیاں تلاش کرنے میں لگا ہوا ہے۔ ۵ ربیع الاوّل ۴۱ھ میں سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی بیعت معاویہ ان عجمی سازشی ملاؤں اور ذاکروں کو مطمئن نہیں کرتی۔ انھیں یہ حق نظر نہیں آتا۔ ان کا حال زار تو دہلی کے اس مخنث جیسا ہے جسے وجد میں

مجنوں نظر آتی تھی لیلیٰ نظر آتا تھا

زیر نظر کتاب ”سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ“ محترم پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی کی شبانہ روز عرق ریزی کا نتیجہ ہے۔ موصوف اب علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں رہے۔ اس سے قبل ان کی مندرجہ ذیل کتب ”اصلاح معاشرہ، تعارف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، اہل بیت رسول کون؟ فرقہ مسعودیہ نام نہاد جماعت المسلمین کا علمی محاسبہ، اور تذکرہ خلیفہ راشد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ“ اہل علم سے داد تحسین وصول کر چکی ہیں۔

موصوف کی یہ نئی کاوش دفاع معاویہ کے سلسلے میں اب تک لکھی جانے والی تمام کتب سے سبقت لے گئی ہے کیونکہ انھیں براہِ راست آٹھ برس تک عدالت کے کٹہرے میں بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع کی توفیق نصیب ہوئی۔

اس کتاب میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ حلیم و جواد پر معاندین کی طرف سے عائد کیے گئے نئے اور پرانے

اٹھاسی اعتراضات کے قرآن، حدیث، تاریخ اور اسماء الرجال کے حوالے سے کافی، شافی، دندان شکن، مسکت اور مدلل جوابات دے کر حقائق کو الم نشرح اور ''اعاظم کا تمین حق'' کی خوب نقاب کشائی کی گئی ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی بزرگ عالم یا پیر کی رائے کو غلط قرار دینے سے آدمی دین کے دائرے سے ذرا بھی خارج نہیں ہوتا۔ اگر دفاع صحابہ میں کسی کی مشیخت مجروح ہوجائے اور صحابی کی ذات اور ان کا کردار نکھر کر سامنے آجائے تو یہ سودا سستا ہے اور اسی میں ایمان کی سلامتی اور نجات دارین ہے۔

محترم قاضی صاحب کا لب و لہجہ علمی، انداز تخاطب عالمانہ و غیورانہ اور اعتراضات و مطاعن کا رد جس طرح کرنا چاہیے تھا ویسا ہی ہے۔ قاضی صاحب کی اس محنت کو اللہ پاک شرف قبولیت سے نوازے، اس کتاب باصواب کے حرف حرف پر اجر وثواب عطا فرمائے اور لغزشوں کو معاف کرے۔ (آمین)

دریا میں پانی کے بہاؤ کے ساتھ بہنا بہت آسان ہے اور بہاؤ کے خلاف بہنا تیراکی کہلاتا ہے۔ قاضی صاحب نے اپنے عہد کی روش بد کے خلاف قلمی جہاد کیا ہے۔ اذہان و افکار کی تبدیلی اور دلوں کی دنیا آباد کرنا تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے مگر قلمی صداقتیں ابھارنا تو انسانی بس میں ہے۔ موصوف نے اپنا اختیار پورا کیا ہے اور کشتی بحر مشیت میں ڈال دی ہے۔

یہ امر باعث اطمینان و مسرت ہے کہ محترم قاضی صاحب نے زیر نظر کتاب میں اہل سنت والجماعت کی وکالت اور ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے۔ انھوں نے موضوع کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا ہے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی، نقلی، عقلی اور تاریخی تجزیہ کرتے ہوئے معاندین کے تمام مطاعن کا منہ توڑا ہے۔ اس کتاب کی اشاعت سے نہ تو کسی کی دل آزاری مقصود ہے اور نہ بحث و مباحثہ۔ یہ تو صرف حقیقت، عقیدت اور محبت کے گلہائے رنگا رنگ ہیں۔ جنھیں براہین و دلائل سے مزین کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ قاضی صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور بحر تاریخ سے اعماق جاں کو مہکانے والے موتی تلاش کر لانے کی بیش از بیش توفیق عطا فرمائے، کتاب پڑھنے والوں کے افکار و اذہان کو مثبت تبدیلی سے نوازے، معاندین کو ہدایت دے، ان کے دلوں کے قفل کھولے، انھیں صحابہ کے منہ آنے کی جرأت سے بچائے اور ہم سب کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی غیر مشروط اتباع، احترام اور دفاع کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا الٰہ العالمین۔

گدائے کوئے معاویہ

ابن امیر شریعت سیدنا عطاء المحسن حسنی قادری بخاری

دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

یوم السبت ۵ صفر المظفر ۱۴۱۷ھ۔ ۲۲ جون ۱۹۹۶ء

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات

(۱) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبغوض قبیلے سے تھا

دشمنان معاویہ اس اعتراض کی تائید میں مندرجہ ذیل آیات اور احادیث پیش کرتے ہیں:

① ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا......﴾ (ابراهیم: ۲۸)

''کیا تو نے ان کی طرف نظر نہیں ڈالی جنھوں نے اللہ کی نعمت کے بدلے ناشکری کی۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد قریش کے دو فاجر قبیلے ہیں: بنو امیہ اور بنو مغیرہ۔ بنو مغیرہ نے اپنی قوم کو بدر میں لا کھڑا کیا اور انھیں ہلاکت میں ڈالا اور بنو امیہ نے احد والے دن اپنے کنبے والوں کو غارت کیا۔ بدر میں ابوجہل تھا اور احد میں ابوسفیان اور ہلاک کے گھر سے مراد جہنم ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جب ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا یہ دونوں قریش کے بدکار ہیں۔ میرے ماموں اور تیرے چچا۔ میرے ممیال والے تو بدر کے دن ناپید ہو گئے۔ اور تیرے چچا والوں کو خدا نے مہلت دے رکھی ہے یہ جہنم میں جائیں گے جو بری جگہ ہے۔ انھوں نے خود شرک کیا دوسروں کو شرک کی طرف بلایا...... (تفسیر ابن کثیر تحت الآیہ)

② ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ﴾ (بنی اسرائیل: ۶۰)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ وقيل المراد بالشجرة الملعونة بنو امية۔ یعنی درخت سے مراد بنو امیہ ہے۔ (خصائل معاویہ ص ۱۴)

③ ((عن عمران بن حصين قال مات النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهو يكره ثلثة احياء ثقيف و بنی حنيفة وبنی امية)) (مشکوۃ باب ذکر مناقب قریش)

''حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال میں وفات پائی کہ آپ تین قبیلوں سے ناراض و ناخوش تھے: قبیلہ بنو ثقیف، قبیلہ بنو حنیفہ اور قبیلہ بنو امیہ۔''

④ ((عن حمران بن جابر...... سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول ويل لبنی امية

ثلاث مرات)) (الاصابہ مع الاستیعاب ص۴۵۳ ج۲ تحت عمران بن جابر)

''حمران بن جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تین مرتبہ یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بنو امیہ کے لیے ''ویل'' ہے۔''

⑤ ((عن ابی برزة الاسلمی قال کان ابغض الاحیاء الی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بنو امیة و بنو حنیفة و بنو ثقیف))

(مستدرک حاکم ص۴۸۱ ج۴ تحت کتاب الفتن والملاحم ذکر ابغض الاحیاء الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

''ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مبغوض ترین قبیلے بنو امیہ، بنو حنیفہ اور بنو ثقیف تھے۔''

⑥ پیر سید نصیر الدین نصیر گولڑوی بروایت امام حاکم ارشاد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام نقل کرتے ہیں:

((اهل بیتی سیلقون بعدی من امتی قتلا وتشدید وانَّ اشدّ قومنا لنا بُغضًا بنو اميّة و بنو مخزوم)) (رواہ الحاکم)

پیر صاحب نے براہِ راست ''مستدرک'' کا حوالہ دینے کے بجائے اس حدیث کو ''اسعاف الراغبین'' برحاشیہ نور الابصار مصنفہ علامہ الشیخ محمد الصبان ص۱۷۵، مطبوعہ مصر سے نقل کیا ہے اور اس سے پہلے یہ یقین دہانی بھی کرائی ہے کہ:

''یاد رہے کہ ان کے ناقل شیعہ نہیں، خالص سنی ہیں مگر آپ کہیں گے کہ سنی بھی آدھے شیعہ ہوتے ہیں مگر اہل بیت سے محبت اور عقیدت شیعیت ہے مگر سنی ضرور شیعہ ہیں مگر بفضلہ تعالیٰ خارجی نہیں ہو سکتے۔''

(نام ونسب ص۵۱۲ بار سوم ۲۰۰۱ء، مطبوعہ گیلانی پبلشرز، درگاہ گولڑہ شریف)

مندرجہ بالا اور اس قسم کی دیگر روایات کی روشنی میں یہ کہا جاتا ہے کہ قبیلہ بنو امیہ کی قرآن وحدیث میں مذمت بیان کی گئی ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا۔ لہٰذا وہ بھی آپ کے مبغوض ٹھہرے۔

جواب: یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جس قبیلے سے نفرت، کراہت، بغض اور ناراضی ہو اسے قرب عطا نہیں کیا جاتا۔ خود آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے طرزِ عمل ہی میں اس کا جواب بآسانی تلاش کیا جا سکتا ہے۔

جہاں تک قرآن مجید میں بنو امیہ کی مذمت کا تعلق ہے تو پہلے امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی اپنی توضیح ملاحظہ فرمالیں:

''مراد ان لوگوں سے بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما کفار اہل مکہ ہیں اور قول ہے کہ مراد اس سے جبلہ بن ایہم اور اس کی اطاعت کرنے والے وہ عرب ہیں جو رومیوں سے مل گئے تھے۔ لیکن مشہور اور صحیح قول ابن عباس

رضی اللہ عنہما کا اول ہی ہے گو الفاظ اپنے عموم کے اعتبار سے تمام کفار کو شامل ہوں...... اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر اور کل لوگوں کے لیے نعمت بنا کر بھیجا ہے۔ جس نے اس رحمت کی قدردانی کی وہ جنتی ہے۔ اور جس نے ناقدری کی وہ جہنمی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ایک قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پہلے قول کی موافقت میں مروی ہے۔ ابن کوا کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا تھا کہ یہ بدر کے دن کے کفار قریش ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ ایک شخص کے سوال پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مراد اس سے منافقین قریش ہیں۔

اور روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ مجھ سے قرآن کی بابت کوئی کچھ بات دریافت نہیں کرتا؟ واللہ میرے علم میں اگر کوئی آج مجھ سے زیادہ قرآن کا عالم ہوتا تو گو سمندر پار ہو لیکن میں ضرور اس کے پاس پہنچتا۔ یہ سن کر عبداللہ بن کوا کھڑا ہو گیا اور کہا یہ کون لوگ ہیں جن کے بارے میں فرمان خدا ہے کہ انھوں نے خدا کی نعمت کو کفر سے بدلا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈال دیا آپ نے فرمایا یہ مشرکین قریش ہیں۔ ان کے پاس اللہ کی نعمت ایمان پہنچی لیکن اس نعمت کو انھوں نے کفر سے بدل دیا۔"

(تفسیر ابن کثیر اردو پ۱۳ص۶۷ تحت الآیۃ)

اسی طرح الشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ کی تفسیر میں موصوف لکھتے ہیں کہ:

"نفرتی درخت سے مراد زقوم کا درخت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خبر دی اور قرآن میں آیت اتری کہ دوزخیوں کو زقوم کا درخت کھلایا جائے گا اور آپ نے اسے دیکھا بھی تھا تو کافروں نے اسے سچ نہ مانا اور ابوجہل ملعون مذاق اڑاتے ہوئے کہنے لگا لاؤ کھجور اور مکھن اور اس کا زقوم کرو۔ یعنی دونوں کو ملا دو اور خوب شوق سے کھاؤ بس یہی زقوم ہے پھر اس خوراک سے گھبرانے کے کیا معنی؟

ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد بنو امیہ ہیں لیکن یہ قول بالکل ضعیف اور غریب ہے۔ پہلے قول کے قائل تمام وہ مفسر ہیں جو اس آیت کو معراج کے بارے میں مانتے ہیں۔ جیسے ابن عباس رضی اللہ عنہما، مسروق، ابومالک، حسن بصری وغیرہم رحمہم اللہ۔

سہل بن سعید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں قبیلے والوں کو اپنے منبر پر بندروں کی طرح ناچتے ہوئے دیکھا اور آپ کو اس سے بہت رنج ہوا۔ پھر انتقال تک آپ پوری ہنسی سے ہنستے ہوئے دکھائی نہیں دیے اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔ (ابن جریر) لیکن یہ سند بالکل ضعیف ہے۔ محمد بن حسن بن زبالہ متروک ہیں اور ان کے استاد بھی بالکل ضعیف ہیں۔ خود امام ابن جریر کا پسندیدہ قول بھی یہی ہے کہ مراد اس سے شب معراج ہے اور شجرۃ الزقوم ہے کیونکہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے۔"

امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی اس توضیح میں ﴿الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا﴾ سے کفار قریش مراد لیے

گئے ہیں بنوامیہ کی تخصیص محض سینہ زوری ہے۔

مستدرک حاکم کے حوالے سے اوپر نمبر ۵ کے تحت جو روایت نقل ہوئی ہے اس کے راوی ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ان کی تمام مرویات اپنی مسند میں نقل کی ہیں مگر زیر بحث روایت میں بنو امیہ کے الفاظ نہیں پائے جاتے۔ صرف بنوحنیفہ اور بنوثقیف کا ذکر ہے۔

(مسند احمد ج ۴ تحت مسندات ابی برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ ص ۴۲۰)

امام حاکم کی کتاب مستدرک کتب حدیث کے طبقہ اولیٰ میں شامل ہے اور کہا جاتا ہے کہ موصوف نے اسے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی شرائط پر ضبط کیا ہے لیکن اس کے باوجود اس میں کچھ روایات ایسی بھی جگہ پا گئی ہیں جو مذہب اہل تشیع کی تقویت کا باعث ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تقریباً تمام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ حقیقت میں مستدرک حاکم تیسرے درجے سے تعلق رکھتی ہے۔ کیونکہ امام حاکم تصحیح حدیث میں متساہل واقع ہوئے ہیں اور انھوں نے نہ صرف ضعیف اور منکر بلکہ موضوع احادیث تک کو صحیح قرار دے دیا ہے۔ ابوسعید المالینی رحمہ اللہ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ مستدرک میں ایک حدیث بھی صحیح نہیں۔ بہرحال ان کے متعلق اتنی بات تو مسلمہ ہے کہ اس کا ایک چوتھائی حصہ انتہائی ضعیف منکر اور موضوع احادیث پر مشتمل ہے۔ اور بعض روایات تو عقائد اہل سنت کے صراحتاً خلاف ہیں۔

اسی لیے بعض محدثین نے امام حاکم پر تشیع کا الزام عائد کیا ہے اور بعض نے کہا کہ روافض کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے انھیں بہت سی احادیث کے ضعف کا احساس نہ ہو سکا۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی ایک روایت کے تحت یہ الفاظ لکھے کہ "قلت قبح الله رافضيا افتراه" میں کہتا ہوں کہ اس رافضی کا اللہ ناس کرے اس نے اس روایت کو گھڑ لیا ہے۔

شیعہ علماء نے بھی اس بات کی تائید کی ہے کہ:

((يميل الى التشيع...... رافضى خبيث...... كان شديد التعصب للشيعة فى الباطن)) (اعیان الشیعہ ص ۳۶۱ ج ۹ تحت ابوعبداللہ حاکم)

((و هو من ابطال الشيعة وسدنته للشريعة...... وكان ابن البيع يميل الى التشيع...... رافضى خبيث...... كان شديد التعصب للشيعة فى الباطن و...... وكان منحرفا عن معاوية واله متظاهرا بذالك ولا يعتذر منه...... وذكر ابن شهر اشوب فى معالم العلماء وصاحب الرياض فى القسم الاول فى عداد الامامية على ما نقل عنهما......)) (الکنی والالقاب ص ۱۷۰ ج ۲)

"امام حاکم بہت بڑے شیعوں میں سے ہیں اور ان کی شریعت کے ستون ہیں۔ ان کا میلان شیعیت

کی طرف تھا۔ رافضی خبیث ہے۔ باطنی طور پر متعصب شیعہ تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی آل سے منحرف تھا۔ اور یہ بات اس کی علانیہ تھی اور اس کا کوئی عذر اس کی طرف سے نہیں کیا گیا۔ ابن شہر آشوب نے معالم العلماء میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اور صاحب الریاض نے قسم اول میں اس کا تذکرہ کیا ہے جہاں اس نے شیعہ علماء کی تعداد بیان کی ہے۔ یہی ان سے منقول ہے۔''

امام حاکم کے متعلق امام ذہبی رحمہ اللہ نے بھی بعینہ یہی الفاظ نقل کیے ہیں:

((وكان منحرفًا عن معاوية واله متظاهرًا بذلك ولا يعتذر منه))

(تذکرۃ الحفاظ ج ۳ تحت ابو عبداللہ الحاکم)

بلکہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی ایک دوسری کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

''امام حاکم، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب سے سخت بیزار اور منحرف تھے۔ اسی وجہ سے ایک جماعت (اس وقت کی سپاہ صحابہؓ) نے اس رویہ سے تنگ آ کر امام حاکم جس منبر پر تبرا کرتے تھے اسے توڑ دیا اور آیندہ کے لیے انھیں خطبہ دینے سے روک دیا۔ ان حضرات کا یہی مطالبہ تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول ہیں، ان کے خلاف بدزبانی نہ کی جائے۔ چنانچہ عبدالرحمٰن السلمی نے یہ مطالبہ امام حاکم تک پہنچایا اور کہا کہ آپ اپنے سابقہ رویہ سے معذرت کریں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کریں تاکہ آپ کے مسجد کی طرف نکلنے کی پابندی ختم ہو لیکن امام حاکم نے ''تقیہ'' کا سہارا لیے بغیر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تبرا نہ کرنے اور ان کی فضیلت بیان کرنے سے معذوری ظاہر کر دی۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: سیر اعلام النبلاء ج ۱۷ ص ۱۷۴-۱۷۵

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ امام حاکم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

((ثم هو شيعي مشهور بذلك...... وقد قال ابن طاهر سالت ابا اسمعيل عبدالله الانصارى عن الحاكم ابى عبدالله فقال امام فى الحديث رافضى خبيث...... قلت ان الله يحب الانصاف ما الرجل برافضى بل شيعى فقط))

(لسان المیزان ص ۲۳۲ ج ۵۔ میزان الاعتدال (ذہبی) ج ۳ ص ۶۰۸)

''پھر وہ مشہور شیعہ ہے ابن طاہر نے کہا کہ میں نے ابو اسماعیل عبداللہ انصاری رحمہ اللہ سے حاکم کے متعلق پوچھا تو کہنے لگے کہ حدیث کا امام اور خبیث رافضی ہے۔ میں کہتا ہوں اللہ انصاف کو پسند کرتا ہے حاکم رافضی نہیں صرف شیعہ تھا۔''

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا کہ ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی روایت میں (جسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے) صرف بنو حنیفہ اور بنو ثقیف کا ذکر تھا لیکن امام حاکم نے اپنے رفض، تشیع اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

کے ساتھ کینہ کی بنا پر اس میں بنو امیہ کا اضافہ کر دیا۔

جہاں تک پیر نصیر الدین گولڑوی کی محولہ امام حاکم ؒ روایت کا تعلق ہے تو اس کی نسبت نبی اکرم ﷺ کی طرف کرنے والا یقیناً اس ارشاد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مصداق ہے کہ "من كذب علی متعمدًا فليتبوا مقعده من النار" (جس نے میری طرف جان بوجھ کر جھوٹ کی نسبت کی تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم سمجھ لے)۔ کیونکہ اس روایت کے متن میں سخت کثافت و عداوت پائی جاتی ہے جبکہ اس کے راویوں میں ایک راوی اسماعیل متروک ہے، دوسرا راوی "فضل" کذاب اور غالی شیعہ ہے، تیسرا راوی "نعیم بن حماد" ضعیف اور واضع الحدیث ہے، چوتھا راوی "ولید بن مسلم" مدلس ہے۔ ملاحظہ ہو تلخیص المستدرک ج ۴ ص ۴۷۸۔ کتاب الفتن والملاحم۔ میزان الاعتدال ج ۳ ص ۳۵۸-۳۴۷۔ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۵۳۰۔

سخت تعجب ہے کہ پیر صاحب نے شیعوں، رافضیوں اور کذابوں کی اس روایت کو صحیح اور اس کے ناقل امام حاکم شیعی کو "خالص سنی" قرار دے دیا۔

ترمذی مشکوٰۃ اور الاصابہ کی روایت کا بھی یہی حال ہے امام ترمذی نے تو یہ صراحت کر دی ہے کہ هذا حديث غريب لا نعرفه الا من هذا الوجه یہ حدیث غریب ہے ہم اس ایک سند کے علاوہ اسے نہیں جانتے۔ ایسی ضعیف، منکر اور موضوع روایات کی بنا پر قبیلہ بنو امیہ کے مبغوض ہونے کا ایک مسلمان تصور بھی نہیں کر سکتا۔

علیٰ سبیل التنزل اگر ان روایات کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی ان کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ان قبائل کا ہر شخص اور فرد ناپسند اور مبغوض ہے۔ اسی طرح کسی قبیلے جگہ یا شہر کو پسند کرنے کا بھی یہ مطلب نہیں کہ اس قبیلے اور شہر کا ہر شخص محبوب اور پسند ہے۔ قبیلہ قریش آپ کا محبوب قبیلہ اور مکہ و مدینہ پسندیدہ شہر ہیں۔ لیکن ابولہب، ابوجہل اور دیگر کفار قریش جو مکہ کے رہائشی ہیں اور یہود و منافقین جو مدینہ کے باشندے ہیں آپ کو سخت ناپسند ہیں۔

اگر آنحضرت ﷺ کو بنو امیہ سے نفرت اور بغض تھا تو پھر انھیں اپنے قرب سے کیوں نوازا؟ انھیں کلیدی مناصب پر کیوں فائز فرمایا اور ان کے ساتھ نسبی تعلقات کیوں قائم کیے؟

آپ کی دو پھوپھیاں اور تین صاحبزادیاں بنو امیہ میں بیاہی ہوئی تھیں۔ اور خود آپ کے نکاح میں بنو ہاشم کی تو کوئی خاتون نہیں تھی۔ جبکہ بنو امیہ کی ایک خاتون کو ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔ راقم الحروف نے اپنی کتاب "تذکرہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ" میں ص ۲۶ سے ص ۲۸ تک بنو امیہ اور بنو ہاشم کے مابین نسبی تعلقات کے تحت ۳۳ رشتوں کا ذکر کیا ہے۔ کیا جس قبیلے کے ساتھ بروایت مشکوٰۃ موت تک نفرت ہو وہ اس قسم کے سلوک کا مستحق ہو سکتا ہے؟

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں بنوامیہ کو عامل بنایا اور قبائل قریش میں سے ایسا کوئی قبیلہ نظر نہیں آتا جس کے عمال بنوعبد شمس سے زیادہ ہوں کیونکہ ایک تو ان کی تعداد زیادہ تھی۔ دوسری چیز ان میں شرف و سیادت تھی۔ لہٰذا آپ نے غلبہ اسلام کے وقت افضل الارض مکہ پر عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو عامل بنایا۔ اور نجران کا حاکم ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اور خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو بنی مذحج کے صدقات اور صنعاء اور یمن کا عامل بنایا اور عثمان بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو تیما اور خیبر اور عرینہ کی بستیوں پر عامل بنایا۔ اور ابان بن سعید رضی اللہ عنہ کو پہلے بعض لڑائیوں میں امیر بنایا اور پھر بحرین کا حاکم بنایا۔ وہ علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک اسی منصب جلیلہ پر فائز رہے۔

پھر آپ کے بعد ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے بنوامیہ کو اعلیٰ مناصب پر فائز کیا اور یہ حضرات بنوامیہ کی قرابت سے متہم نہ تھے۔'' (منہاج السنۃ ص ۱۷۵،۱۷۶ ج ۳)

مزید برآں بنوامیہ اور بنو ہاشم دونوں خاندانوں کے درمیان تعلقات مصاحبت بھی قائم رہے۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے والد حرب بن امیہ جن کے پاس جملہ قبائل قریش کی سپہ سالاری کا عہدہ تھا جناب عبدالمطلب کے دوست ہمدم اور ہم نشین تھے۔ ان دونوں کی باہمی دوستی بعد میں ان کی اولاد میں بھی قائم رہی اور جاہلیت میں ابوطالب کے مراسم مسافر بن ابی عمرو بن امیہ کے ساتھ تھے ان دونوں کو باہم ندیم و ہم نشین کہا جاتا تھا۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ہم نشین و دوست تھے۔ ان دونوں کا تاجرانہ کاروبار بھی مشترک تھا۔ اور مل کر تجارت کیا کرتے تھے۔ بنوامیہ اور بنو ہاشم کے درمیان ان تعلقات کی رو سے دونوں خاندانوں میں مؤدت و محبت بخوبی واضح ہوتی ہے۔ پھر اسلام قبول کرنے کے بعد وحدت دینی کی وجہ سے ان تعلقات میں مزید اضافہ ہوگیا۔

مشہور محدث اور فقیہ علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی (متوفی ۹۷۴ھ) اس اعتراض کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

''اس حدیث سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کوئی نتیجہ نکالنا، اس نتیجہ نکالنے والے کی جہالت پر اور اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کو مبادی علوم کی بھی درایت نہیں ہے چہ جائیکہ غوامض علوم کیونکہ اس نتیجہ سے لازم آتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بھی خلافت کے قابل نہ ہوں اور معاذ اللہ اشرار میں سے ہو جائیں اور یہ اجماع مسلمین کے خلاف ہے اور صریح الحاد ہے..... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے صحیح ہونے پر اور اسی طرح عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خلافت کی صحت پر اور نیز بعد امام حسن رضی اللہ عنہ

کے ترک خلافت کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحت خلافت پر اجماع ہے...... پس یہ نتیجہ باطل ہے، اس نتیجہ کا نکالنے والا جاہل یا معاند ہے جس کے کلام کی طرف التفات نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کی فہم ناقص ہے اور اس کا کذب ثابت ہے...... پس اس پر غور کرو اور غفلت مت کرو تا کہ ملحدین کے فریب اور معاندین کے دھوکہ سے بچو۔'' (تطہیر الجنان مع الصواعق المحرقہ ص۳۰-۳۱ مطبوعہ مکتبہ مجیدیہ ملتان۔ تنویر الایمان ترجمہ تطہیر الجنان از امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ ص ۷۳-۷۴ مطبوعہ المکتبۃ العربیہ اردو بازار لاہور)

لہٰذا وہ تمام روایات جن میں قبیلہ بنو امیہ کے ساتھ عداوت کراہت اور بغض کا ذکر پایا جاتا ہے روایتاً و درایتاً غلط، منکر، موضوع اور ساقط الاعتبار ہیں۔

(۲) والد معاویہ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ اسلام اور پیغمبر کے بدترین دشمن تھے

دشمنان صحابہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ پر طرح طرح کے الزامات عائد کرتے ہیں کہ وہ تمام زندگی اسلام کے مخالف رہے۔ فتح مکہ کے موقع پر ڈر کر اسلام قبول کیا حتیٰ کہ بعض صحابہ اور تابعین بھی ان کے نفاق کے قائل تھے۔ اس پروپیگنڈے سے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ جیسی شخصیت بھی متاثر ہوگئی:

((قد اتفقوا الناس علی ان معاویة کان احسن اسلاما من ابیه ولم یتهم احد من الصحابة والتابعین معاویة بنفاق واختلفوا فی ابیه)) (منہاج السنۃ ج ۴ ص ۱۷۹)

جواب: یہ سبائی اور یہودی پروپیگنڈا ہے کہ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے اور انھوں نے فتح مکہ کے موقع پر ڈر کر اسلام قبول کیا تھا اہل سنت میں سے کچھ لوگ اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے اور بعض حضرات عدم تحقیق کی بنا پر ان کے دام فریب میں آگئے۔ حتیٰ کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ جیسے محقق (جو ساری زندگی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دفاع اور رافضیت و یہودیت کا مقابلہ کرتے رہے) بھی یہ لکھ گئے کہ

"لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اسلام اپنے والد سے اچھا تھا۔ اور صحابہ و تابعین میں سے کسی نے بھی انھیں "نفاق" کے ساتھ متہم نہیں کیا "واختلفوا فی ابیه" جبکہ ان کے والد کے بارے میں اختلاف ہے۔"

حالانکہ امام موصوف پیچھے یعنی صفحہ ۲۱۵ جلد دوم پر حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے لیے یہ لکھ آئے ہیں کہ

((وقد صاروا من المومنین))

"کہ تحقیق وہ مومنین میں سے ہوگئے۔"

کچھ لوگ ابو سفیان دشمنی میں اس قدر آگے بڑھ گئے ہیں کہ بغیر کسی موقع اور ربط کے بھی آں محترم پر تبرا کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔

"حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے ۳۱ھ، ۳۲ھ، ۳۴ھ میں علیٰ اختلاف الاقوال وفات پائی۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی جبکہ واقعہ کربلا ۱۰ محرم ۶۱ھ میں پیش آیا۔ ظاہر ہے کہ واقعہ کربلا کا حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں لیکن شاہ معین الدین ندوی کس "خوبصورتی" کے ساتھ آں موصوف کو زیر بحث لا رہے ہیں:

"اللہ اللہ یہ بھی نیرنگی دہر اور انقلاب زمانہ کا کیسا عجیب اور کیسا عبرتناک منظر ہے کہ جس کے نانا کے

گھر کی پاسبانی ملائکہ کرتے تھے، آج اس کا نواسہ بے برگ ونوا، بے یارومددگار کربلا کے دشت غربت میں کھڑا ہے......ایک وقت وہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تھے۔ دشمنان اسلام کی ساری قوتیں پاش پاش ہوچکی تھیں......اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن ابوسفیان جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے ساتھ بغض وعداوت اور دشمنی اور کینہ توزی کا کوئی دقیقہ اٹھانہیں رکھا تھا، بے بس ولاچار دربار رسالت میں حاضر کیے گئے تھے۔ ایک طرف ان کے جرائم کی طویل فہرست تھی۔ دوسری طرف رحمۃ للعالمین کی شان رحمت وکرم۔ تاریخ کو معلوم ہے کہ سرکار رسالت سے اس سنگین اور اشتہاری مجرم کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا تھا۔ قتل کی دفعہ عائد نہیں کی گئی، جلاوطنی کی سزا تجویز نہیں ہوئی، قید خانہ کی چار دیواری میں بند نہیں کیا گیا۔ بلکہ من دخل دار ابی سفیان فھو امن کے اعلان کرم سے ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ کی عملی تفسیر فرمائی گئی۔

ایک طرف یہ رحمت یہ عفو وکرم اور یہ درگزر تھا۔ دوسری طرف ٹھیک باون برس کے بعد زمانہ کا رخ بدلتا ہے اور ایک دوسرا منظر پیش کرتا ہے۔ ایک طرف ان ہی ابوسفیان کے پوتے کی طاغوتی طاقتیں ہیں۔ دوسری طرف رحمۃ للعالمین کی ستم رسیدہ اولاد ہے۔ نبوت کا سارا کنبہ ابوسفیان کی ذریات کے ہاتھوں تہ تیغ ہوچکا ہے۔ کربلا کا میدان اہل بیت کے خون سے لالہ زار بنا ہوا ہے۔ جگر گوشہ رسول کی آنکھوں کے سامنے گھر بھر کی لاشیں تڑپ رہی ہیں۔ اعزہ کے قتل پر آنکھیں خون بار ہیں۔ بھائیوں کی شہادت پر سینہ وقف ماتم ہے۔ جواں مرگ لڑکوں اور بھتیجوں کی موت پر دل فگار ہے۔ لیکن اس حالت میں بھی وحوش وطیور تک کے لیے امان ہے لیکن جگر گوشہ رسول کے لیے امان نہیں۔ اور آج وہی تلواریں جو فتح مکہ میں ٹوٹ چکی تھیں، دشت کربلا میں نوجوانان اہل بیت کا خون پی کر بھی سیر نہیں ہوئیں اور حسین رضی اللہ عنہ کے خون کی پیاس میں زبانیں چاٹتی ہیں...... یہ اسی رحمۃ للعالمین کا تشنہ لب نواسہ ہے کہ جب مکہ میں خشک سالی ہوتی تھی......تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسلام کے سب سے بڑے دشمن ابوسفیان آتے تھے اور کہتے تھے کہ محمد تم صلہ رحمی کی تعلیم دیتے ہو، تمھاری قوم خشک سالی سے ہلاک ہوئی جارہی ہے خدا سے پانی کی درخواست کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس سب سے بڑے دشمن کی درخواست پر پانی کے لیے دعا فرماتے تھے......ٹھیک باون برس کے بعد اسی رحمت عالم اور دوست ودشمن کے سیراب کرنے والے کا نواسہ ایک قطرہ پانی کے لیے ترستا ہے اور ان ہی ابوسفیان کی ذریات کے حکم سے پانی کی ایک بوند اس کے خشک حلق تک نہیں پہنچنے پاتی ہے آہ! صاحب اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ کا نواسہ اور یوں تشنہ کام ہے۔

ع تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو!

(سیر الصحابہ حصہ ششم ص ۲۰۳، ۲۰۸ مطبوعہ ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور)

اپنوں اور بیگانوں کے اس زہریلے پراپیگنڈے سے ایک عام مسلمان کیونکر محفوظ رہ سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بنوامیہ کے ایک ممتاز فرد تھے۔ ان کا نام صخر بن حرب اور کنیت ابوسفیان تھی۔ یہ عام الفیل سے دس سال پہلے مکہ میں پیدا ہوئے۔ بعض ازاں قریش کے قومی نظام میں ''عقاب'' یعنی علمبرداری کے عہدے پر فائز رہے۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے سے قبل سپہ سالار قریش ہونے کی حیثیت سے اسلام کے مخالف تھے۔ لیکن ان کی مخالفت اتنی شدید نہ تھی جتنی کہ ابوجہل کی۔ اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ذاتی وخاندانی محبت رکھنے کے علاوہ مشرکین مکہ کی طرف سے آپ کے ساتھ بدسلوکی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ میں مسلمانوں کی ایذا دہی میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اوران کی اولاد کا نام شامل نہیں ہے۔ بلکہ اس کے برعکس آپ کے ساتھ ان کی ہمدردی ثابت ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے وقت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر کو دار الامن قرار دیا تھا۔ کیونکہ وہ گھر مکی دور میں آپ کے لیے امن گاہ تھا۔'' (الاصابہ ص۱۷۹ ج۲)

ابوجہل نے ایک دفعہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تھپڑ مارا تو سیدہ نے آپؐ کے ارشاد کے مطابق حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے اس کی شکایت کی تو انھوں نے سیدہ کو ابوجہل سے انتقام دلوایا۔ (نقوش رسول نمبر ج۲ ص۹۵)

غزوۂ احزاب کے بعد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے قلبی رجحان میں نمایاں تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ اس کے بعد ان کا رجحان اسلام کی طرف ہو چکا تھا یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ان کا کوئی کردار نہیں رہا بلکہ اس دوران میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اوران کے درمیان تحائف کا تبادلہ بھی ہوتا رہا ہے۔

صلح حدیبیہ کی تجدید کے لیے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ جب مدینہ منورہ آئے تو کافی دن ٹھہرے رہے اس دوران میں قریش نے اس خیال کا اظہار کیا کہ انھوں نے درپردہ اسلام قبول کرلیا ہے۔

بعد میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ سے پہلے مکہ سے باہر جا کر مر الظہران کے مقام پر علی الاعلان اسلام قبول کرلیا۔ اس طرح "الاسلام یھدم ما کان قبلہ" کے تحت ان کے دور کفر کی مخاصمت اور مخالفت کی بنا پر طعن وتشنیع کا باب ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اس عداوت کو مودت ومحبت میں تبدیل کرنے کا اعلان فرما دیا تھا:

﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَ اللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (الممتحنہ: ۷)

''عجب نہیں کہ اللہ تم میں اوران لوگوں میں جن سے تم دشمنی رکھتے ہو دوستی پیدا کردے۔ اور اللہ قادر ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اسلام قبول کرنے سے بہت زیادہ خوش ہوئے اور ان کے لیے اس اعزاز کا اعلان فرمایا

((من داخل دار ابی سفیان فھو امن))

''جو شخص ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) کے گھر میں داخل ہوگا اس کے لیے امن ہے۔''

(صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب فتح مکہ)

بعد ازاں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غزوات حنین وطائف میں حصہ لیا۔ غزوۂ طائف میں ایک تیر کے لگنے سے ایک آنکھ ضائع ہوگئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا:

((ان شئت دعوت فردت علیك وان شئت فالجنة قال الجنة)) (الاصابہ ص ۱۷۹ ج ۲)

''اور اگر آپ چاہیں تو میں دعا کروں اور آپ کو آنکھ واپس مل جائے۔ اور اگر چاہو تو اس کے عوض جنت پاؤ۔ انھوں نے کہا کہ جنت چاہیے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک حکم کی تعمیل میں انھوں نے قبیلہ ثقیف کے بت کو پاش پاش کیا۔ آپ نے انھیں نجران کا عامل بنایا۔ آپ کی رحلت کے بعد سب سے پہلے انھوں نے ایک مرتد کو قتل کیا۔ عہد فاروقی میں جنگ یرموک میں پورے کنبے کے ساتھ شرکت کی۔ جس میں ان کی دوسری آنکھ بھی اللہ کے راستے میں قربان ہوگئی۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ پکے، سچے اور کامل مومن تھے۔ ان کی نسبی شرافت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت اور اپنے قبیلے کی سرداری کی وجہ سے تمام صحابہ ان کا اعزاز و اکرام فرماتے تھے۔ ان حقائق کے باوجود جو لوگ انھیں مطعون کرتے ہیں۔ ان کے ایمان میں اظہار شک کرتے ہیں۔ اور انھیں اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا اور بدترین دشمن قرار دیتے ہیں وہ خود موذی رسول اور اسلام کے بدترین دشمن ہیں۔

(۳) والد معاویہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت سے انکار

دشمنان صحابہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جدی پشتی دشمن اسلام ثابت کرنے کے لیے ان کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ پر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ انھوں نے قبائلی عصبیت کے پیش نظر نہ صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت سے انکار کیا بلکہ ایک ہولناک قبائلی فساد کو جنم دینے کی فکر میں سیاسی جوڑ توڑ اور خلیفہ اول کے لیے حالات بگاڑنے شروع کر دیے۔ تاکہ اپنے ناپاک قبائلی اور خاندانی منصوبوں کو عملی جامہ پہنایا جا سکے۔

(سیاست معاویہ ص ۱۳ مؤلفہ مہر حسین بخاری آف اٹک)

جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو بھی عصبیت ہی کی بنا پر ان کی خلافت ناگوار ہوئی تھی۔ اور انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جا کر کہا تھا کہ قریش کے سب سے چھوٹے قبیلے کا آدمی کیسے خلیفہ بن گیا۔ تم اٹھنے کے لیے تیار ہو تو میں وادی کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دے کر ان کا منہ بند کر دیا کہ تمھاری یہ بات اسلام اور اہل اسلام کی دشمنی پر دلالت کرتی ہے۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ تم کوئی سوار اور پیادے لاؤ۔ مسلمان سب ایک دوسرے کے خیر خواہ اور آپس میں محبت کرنے والے ہوتے ہیں۔ خواہ ان کے دیار اور اجسام ایک دوسرے سے کتنے ہی دور ہوں البتہ منافقین ایک دوسرے کی کاٹ کرنے والے ہوتے ہیں۔ ہم ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس منصب کا اہل سمجھتے ہیں اور اگر وہ اہل نہ ہوتے تو ہم لوگ انھیں کبھی اس منصب پر مامور نہ ہونے دیتے۔'' (خلافت وملوکیت ص ۹۷)

وفاقی شرعی عدالت کے جج پیر کرم شاہ صاحب رقمطراز ہیں کہ:

''جب تمام لوگ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت پر متفق ہو گئے تو ابوسفیان بن حرب کو یارائے صبر نہ رہا۔ اور اس نے حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کو طعن و تشنیع سے بھڑکانا چاہا۔ کہنے لگا ابوبکر کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ تمھارا سربراہ اور امیر بنے وہ دونوں کمزور کہاں ہیں؟ وہ دونوں ذلیل کہاں ہیں؟ (یعنی علی اور عباس رضی اللہ عنہما) کیا وجہ ہے قریش میں جو سب سے چھوٹا قبیلہ ہے اس کا ایک فرد تمھارا حاکم بن جائے۔ پھر وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مکان پر آیا اور کہنے لگا کہ ہاتھ آگے بڑھایئے میں آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ بخدا اگر آپ حکم دیں تو میں ابوبکر سے مقابلہ کرنے کے لیے اس میدان کو شہسواروں اور پاپیادہ سپاہیوں سے بھر دوں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ باتیں سن کر اسے جھڑکتے ہوئے کہا اے ابوسفیان تو بغیر غرض کے حرکت نہیں کرتا۔ تیرا مقصد صرف اسلام کو نقصان پہنچانا ہے میں تیری باتوں سے ہرگز مغرور نہیں ہوں گا۔ اور تو مجھے

اپنے دام فریب میں پھنسا نہیں سکتا۔ آپ کا ابوسفیان کی اس پیش کش کو مسترد کر دینا اور اس کی اس حرکت کو اسلام دشمنی پر محمول کرنا اس امر کا کھلا ثبوت ہے کہ آپ نے صدق دل سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت فرمائی تھی۔'' (مقالات ج ۱ ص ۳۰۷، زیر عنوان اسلام کا سیاسی نظریہ اور بیعت صدیقی)

مذکورہ بالا اقتباسات سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ یہ نام نہاد سنی کس طبقے کی وکالت اور ترجمانی کا فریضہ ادا کر رہے ہیں۔ کیونکہ یہ مشن سبائیوں اور یہودیوں کے سوا کسی اور کا نہیں ہو سکتا۔

جس داستان کی بنیاد پر سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو اسلام اور مسلمانوں کا دشمن قرار دیا جاتا ہے۔ وہ روایتاً و درایتاً ہر اعتبار سے باطل ہے اگرچہ اسے صاحب الاستیعاب اور صاحب کنز العمال نے نقل کیا ہے مگر اس کا ماخذ جناب محمد ابن جریر طبری ہیں۔ جن پر تشیع کے الزام کو آج تک صاف نہیں کیا جا سکا۔ اور خود مودودی صاحب کے قول کے مطابق بھی موصوف شیعہ ہی ثابت ہوتے ہیں کہ ''بعض فقہی مسائل اور حدیث غدیر خم کے معاملے میں شیعہ مسلک سے اتفاق کی بنا پر بعض لوگوں نے انھیں خواہ مخواہ شیعہ قرار دے ڈالا۔ اور ایک بزرگ نے تو ان کو ''امام من ائمۃ الامامیہ'' تک قرار دیا ہے۔ حنبلی ان کی زندگی ہی میں ان کے دشمن ہو گئے تھے۔ ان کے پاس جانے سے لوگوں کو روکتے تھے۔ اور ان کی وفات کے بعد انھوں نے مقابر مسلمین میں ان کو دفن تک نہ ہونے دیا حتیٰ کہ وہ اپنے گھر میں دفن کیے گئے۔'' (خلافت وملوکیت ص ۳۱۳)

مودودی صاحب کے اس اقرار کہ ''طبری'' حدیث غدیر خم میں شیعہ مسلک سے متفق تھے'' کے بعد تا قیام قیامت موصوف کو ہرگز سنی ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ جناب طبری شیعیت میں غلو رکھنے والے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا حقیقی بھانجا ابوبکر محمد بن عباس خوارزمی ایک بلند پایہ ادیب، ہجو گو شاعر اور غالی رافضی تھا۔ اس نے اپنے ننھیال میں (طبری کے والدین کے پاس) پرورش پائی اور آخر میں آل بویہ جیسے غالی شیعہ امراء کی سرپرستی میں رہا۔

جناب طبری کی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بغض وعداوت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اپنی تاریخ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ واضح طور پر لعنة الله علیه کے الفاظ لکھے ہیں۔ (تاریخ طبری ص ۲۴، ۲۸ ج ۱۳)

امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

((کان یضع للروافض)) (میزان الاعتدال ص ۳۵ ج ۳)

''طبری روافض کے لیے روایات گھڑا کرتا تھا۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

''ابن جریر طبری کی وفات بعمر پچاسی یا چھیاسی سال ہوئی۔ اپنے گھر ہی میں دفن کیے گئے۔ کیونکہ حنبلی

حضرات نے دن کے وقت انھیں دفن کرنے سے روک دیا تھا اور انھیں رفض کی طرف منسوب کیا تھا۔"

(البدایہ والنہایہ ص ۱۴۷ ج ۱۱)

مودودی صاحب نے یہ تو تسلیم کیا کہ طبری حدیث غدیرخم کے قائل تھے لیکن الزام رفض کی تردید میں لکھتے ہیں کہ

"دراصل سب سے پہلے حنابلہ نے ان پر رفض کا الزام اس غصے کی بنا پر لگایا تھا کہ وہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو صرف محدث مانتے تھے فقیہ نہیں مانتے تھے۔" (خلافت وملوکیت ص ۳۱۳)

یہ سراسر موصوف کی عیاری اور فریب دہی ہے۔ ان کی اس توجیہ کو ان کے اندھے مقلد ہی تسلیم کر سکتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ محدث اور فقیہ ماننے یا نہ ماننے کا رفض کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ الزام رفض کی جو اصل وجہ تھی وہ موصوف نے ابتداء میں بڑے نرم، دھیمے اور پیارے انداز میں نقل کر کے اپنے روحانی مرشد پر سے رفض کے الزام کی نفی کر دی کہ "بعض فقہی مسائل اور حدیث غدیرخم کے معاملے میں شیعہ مسلک سے اتفاق کی بنا پر بعض لوگوں نے خواہ مخواہ انھیں شیعہ قرار دے ڈالا۔"

حالانکہ شیعہ اور سنی مسلک میں اختلاف کا بنیادی نکتہ ہی "حدیث غدیرخم" ہے۔ جو اس کا قائل ہے وہ یقیناً شیعہ ہے کیونکہ اس کے اقرار کے بغیر کوئی شخص شیعہ کہلا ہی نہیں سکتا۔ جب طبری اپنے وکیل صفائی مودودی صاحب کے بقول بھی "حدیث غدیرخم" کے قائل ثابت ہو گئے ہیں تو پھر ان کا سنی ہونا کیوں کر ممکن ہے؟

زیر بحث روایت اگر صحیح ہوتی اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ قبائلی عصبیت کی بنا پر ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ناکام بنانا چاہتے تھے تو پھر اتنی طاقت اور قوت رکھنے کے باوجود انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیوں کیا؟ اموی اور قبائلی عصبیت کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ اپنی یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کی دعوت دیتے۔

علاوہ ازیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی پیش کش کو اسلام دشمنی پر محمول کرتے ہوئے انھیں ڈانٹ پلا دی یا بقول مودودی صاحب "حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دے کر ان کا منہ بند کر دیا" پھر تو انھیں خود وادی کو شہسواروں اور پیادوں سے بھر دینا چاہیے تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اس پیش کش کو مسترد کر دینا ہی محل نظر ہے کیونکہ بموجب بعض روایات وہ خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت سے شاکی تھے۔ ان کے گھر میں بنو ہاشم کا اجتماع ہوتا رہتا تھا۔ اور صحیح بخاری کی روایت کے مطابق انھوں نے چھ ماہ تک بیعت بھی نہیں کی تھی۔ ایسے وقت میں ایسی پیشکش کو ٹھکرا دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ نہ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلافت صدیقی سے شاکی تھے اور نہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اس قسم کی کوئی پیشکش کی تھی۔

پھر مودودی صاحب اور پیر کرم شاہ صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے بااخلاق اور باکردار و متقی شخص کی زبان سے کیا الفاظ کہلوا رہے ہیں کہ ''تمھاری یہ بات اسلام اور اہل اسلام کی دشمنی پر دلالت کرتی ہے..... البتہ منافقین ایک دوسرے کی کاٹ کرنے والے ہوتے ہیں'' کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک عمر رسیدہ شخص، سالار قریش اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خسر کو (جن کی شرعاً تعظیم و تکریم لازم ہے) اسلام دشمن اور منافق کہہ سکتے تھے؟ کم از کم کوئی ''سنی'' تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ تصور نہیں کر سکتا کہ انھوں نے ایسے الفاظ کہے ہوں گے۔

مزید برآں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ حضرت ابوسفیان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے مابین یہ ''مکالمہ'' کب ہوا تھا؟ بیعت صدیقی کے چھ ماہ بعد تک حضرت علی رضی اللہ عنہ تو گوشہ نشین رہے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد انھوں نے بیعت کی اب مذکورہ ''مکالمہ'' کے متعلق دو ہی صورتیں ممکن ہیں یا تو یہ گفتگو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے سے پہلے ہوئی تھی یا بعد میں۔ ان ہر دو صورتوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرض تھا کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے جذبے کے پیش نظر اس گفتگو سے خلیفہ اول بلا فصل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آگاہ کرتے مگر وہ آخر تک یہ فرض ادا نہ کر سکے۔

جبکہ یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بیعت صدیقی کے وقت حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں موجود ہی نہیں تھے۔ وہ اس وقت نجران میں تھے وہیں انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کی خبر سنی اور بعد میں واپس تشریف لائے تو اس صورت میں ان دونوں کے مابین گفتگو کس طرح ممکن ہے؟

اور اگر بالفرض محال حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ ''اسلام دشمن'' اور ''منافق'' تھے تو ان کے لیے اسلامی خلافت ہی کو ختم کرنے کا اس سے بہتر اور کون سا موقع ہو سکتا تھا جب پورا عرب اور سارے مسلمان مانعین زکوٰۃ، مدعیان نبوت اور ارتداد کے فتنوں کی لپیٹ میں تھے۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت علی اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہما دونوں کا اس الزام سے کوئی تعلق نہیں جو زیر بحث روایت میں ان پر عائد کیا گیا ہے۔ یہ روایت لغو، بے بنیاد، خلاف واقعہ اور کسی سبائی کی گھڑی ہوئی ہے۔ نہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اس قسم کی کوئی پیش کش کی اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ جواب دیا جو مودودی صاحب اور پیر کرم شاہ صاحب نے سبائی و مجوسی مورخین کی اتباع و پیروی میں بغیر تحقیق کے نقل اور اس کی تشہیر کر کے امت مسلمہ کو خسر رسول حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ جیسے ایک جلیل القدر اور مجاہد صحابی سے سوء ظن میں مبتلا کرنے کی سعی نا مشکور فرمائی۔

(۴) معاویہ......ابن آکلۃ الاکباد ہے

سبائی مورخین نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے لیے ''جگر خوارہ'' کا لقب ایجاد کیا جب ان متبعین کو معلوم ہوا کہ یہ تو فارسی کا لفظ ہے تو انھوں نے اس کمی کو پورا کرتے ہوئے ''جگر خوارہ'' کے بجائے ابن آکلۃ الاکباد لکھنا شروع کر دیا۔ چنانچہ فیڈرل گورنمنٹ ڈگری کالج اسلام آباد کے شعبہ تاریخ کے پروفیسر سید محمد ذوالقرنین زیدی الہماء لکھتے ہیں کہ:

''ان کی والدہ ہندہ بنت عتبہ تھیں جنھوں نے بدر کے مشرک مقتولین کا بدلہ لینے کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے لاشے کا مثلہ کرکے آپ کا جگر چبایا تھا۔ اسی لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ابن آکلہ الاکباد (جگر چبانے والی کا فرزند) بھی کہا جاتا ہے۔'' (حضرت امیر معاویہؓ تاریخ کے آئینے میں ص ۳۲)

اس عربی اصطلاح کے سبائی واضعین نے تو اپنے آباء واجداد کے بھی کان کتر دیے۔ انھوں نے تو صرف حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جگر چبانے کا الزام عائد کیا تھا۔ مگر بعد کے سبائیوں نے یہ تاثر دیا کہ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کا معمول ومشغلہ ہی جگر چبانا تھا۔ اسی لیے انھوں نے (بصیغہ جمع) اکباد کا لفظ استعمال کیا۔

اس کہانی کی اصل حقیقت ملاحظہ فرمائیں:

چونکہ غزوہ بدر نے قریش اور مشرکین مکہ کی عزت خاک میں ملا دی تھی لہٰذا انھوں نے اپنا وقار بحال کرنے اور انتقام لینے کے لیے بھرپور تیاری کے ساتھ مدینہ منورہ پر چڑھائی کر دی۔ جسے غزوۂ احد کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جنگ بدر میں ستر رؤسائے قریش مارے گئے تھے۔ اس لیے ہر فرد نے اس جنگ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ستر صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے۔

ابن ہشام کی روایت کے مطابق ان شہداء میں مہاجرین میں چار اور انصار کی تعداد ۶۵ تھی۔ جبکہ مشرکین کے مقتولین کی تعداد بائیس تھی۔ ان چار مہاجر صحابہ میں سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ لیکن ان تمام شہداء میں سے صرف حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں سبائی مورخین کی دسیسہ کاریوں کی وجہ سے یہ مشہور کر دیا گیا کہ انھیں سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے شہید کرا کر اپنے والد، چچا اور بھائی کا انتقام لیا۔ نیز ان کا مثلہ کیا اور پیٹ چاک کرکے جگر نکال کر اسے کچا چبایا۔

مورخین اور سیرت نگاروں کے اقوال کی روشنی میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل کی حسب ذیل تفصیل سامنے آتی ہے:

① حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی بن حرب (رضی اللہ عنہ) ہیں۔

② حضرت وحشی رضی اللہ عنہ جبیر بن مطعم (رضی اللہ عنہ) کے غلام تھے۔

③ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل پر ان کی آزادی موقوف تھی۔

④ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل پر بقول بعض مورخین جبیر بن مطعم (رضی اللہ عنہ) نے اور بقول بعض سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے آمادہ کیا تھا۔

⑤ بقول بعض مورخین سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے وحشی رضی اللہ عنہ سے یہ وعدہ کر رکھا تھا کہ اگر تو حمزہ (رضی اللہ عنہ) کو قتل کر دے گا تو میں تجھے آزاد کر دوں گی۔ جبکہ وہ ہند رضی اللہ عنہا کے غلام ہی نہ تھے۔ بلکہ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کے غلام تھے اور جبیر رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کو انھیں آزاد کرنے کا اختیار ہی حاصل نہ تھا۔

⑥ اس کے علاوہ یہ بات بھی غور طلب ہے کہ کیا خواتین میں سے صرف سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے ہی شرکت کی تھی؟ جبکہ مندرجہ ذیل خواتین کے نام بھی تاریخ میں محفوظ ہیں:

ہند بنت عتبہ، ام حکیم بنت حارث، فاطمہ بنت ولید، برہ بنت مسعود، ریطہ، سلافہ بنت سعد، خناس بنت مالک اور عمرہ بنت علقمہ...... یہ آٹھ خواتین تو وہ ہیں جو سرداران مکہ کے ساتھ آئی تھیں اور جو دیگر افراد کے ہمراہ شریک ہوئی تھیں وہ ان کے علاوہ ہیں۔

مسلمانوں کی طرف سے بھی مندرجہ ذیل خواتین نے شرکت کی:

سیدہ عائشہ صدیقہ، سیدہ ام سلیم، سیدہ فاطمہ، سیدہ ام سلیط، سیدہ ام عمارہ، سیدہ ہند بنت اثاثہ، اور سیدہ ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہن۔

⑦ بقول مورخین مردوں اور عورتوں نے مل کر نہ صرف حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کا بلکہ دیگر لاشوں کا بھی مثلہ کیا تھا۔ مگر معاندین صرف سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کا ذکر کرتے ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ انھیں سارے لشکر میں تنہا سیدہ ہند رضی اللہ عنہا ہی کیوں نظر آتی ہیں؟ جبکہ دیگر خواتین بھی قریش کی مقتدر عورتیں تھیں۔

⑧ اس جنگ میں بنو مخزوم کے متعدد مشہور جنگجو شریک تھے مثلاً عکرمہ بن ابی جہل، خالد بن ولید اور حارث بن ہشام۔ اور ان کی بیویاں بھی ساتھ تھیں۔ یہ سب افراد ابو جہل کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن ان میں سے کسی فرد کے بارے میں معاندین یہ تفصیل پیش نہیں کرتے۔

⑨ تمام مورخین حتیٰ کہ امام بخاری رحمہ اللہ بھی اس بات پر متفق ہیں کہ جب وحشی رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان سے فرمایا کہ کیا تو اپنا چہرہ مجھ سے نہیں چھپا سکتا؟ جس کے بعد وحشی رضی اللہ عنہ آپ کے سامنے دوبارہ نہیں گئے۔ آپؐ نے یہ اس لیے فرمایا کیونکہ آپؐ جانتے تھے کہ میرے چچا کو وحشی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا ہے۔

⑩ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا جنھوں نے بہ نسبت وحشی رضی اللہ عنہ کے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا تھا (وحشی رضی اللہ عنہ کو ان

کے قتل پر آمادہ کیا، ان کا مثلہ کیا، ان کا جگر چبایا) مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ وحشی والا سلوک نہیں کیا۔ بلکہ ان کا ''مرحبا بک'' کے الفاظ کے ساتھ استقبال کیا۔ ان کے پیش کردہ ہدایا وتحائف قبول کیے۔ ان کے ہاں آمد ورفت جاری رکھی، ان کے خاوند کو عامل مقرر کیا، ان کے بیٹے کو کاتب وحی بنایا، ان کے لیے ہادی اور مہدی ہونے کی دعا کی، انھیں جنت کی بشارت دی، اور حلفا اس سارے خاندان کے ساتھ محبت کے اقرار کے علاوہ ان کے معزز ہونے کی دعا بھی فرمائی۔

حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کا جرم تو معمولی تھا کیونکہ جب دو فوجیں لڑنے کے لیے میدان میں اترتی ہیں تو دونوں کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ کسی طریقے سے اپنے مدمقابل پر غلبہ پائیں اور انھیں قتل کریں۔ لیکن بدترین جرم تو یہ ہے کہ قتل کے بعد لاش کی بے حرمتی کی جائے، اس کا مثلہ کیا جائے، اس کے اعضاء کاٹے جائیں، اس کا جگر نکال کر چبایا جائے اور پھر ان بوٹیوں کا ہار بنا کر گلے میں لٹکایا جائے۔ کم از کم ایسا بدترین مجرم قابل معافی نہیں ہوسکتا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کم تر ''مجرم'' کو اپنے سامنے آنے سے منع کیا اور بدترین مجرم کے ساتھ اعزاز و اکرام کے ساتھ پیش آئے اس کی کیا وجہ ہے؟

⑪ جبیر بن مطعم (رضی اللہ عنہ) جو وحشی (رضی اللہ عنہ) کے مالک تھے۔ جنھوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل پر انھیں آمادہ کیا۔ اور پھر اس قتل کی خوشی میں انھیں آزاد بھی کر دیا۔ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبیر بن مطعم (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ بھی وحشی (رضی اللہ عنہ) والا سلوک نہیں کیا بلکہ انھیں معاف کر دیا اور ان کے اسلام پر مہر تصدیق ثبت فرمائی۔

⑫ تاریخ و حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ مشرکین مکہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ بعض دیگر لاشوں کا بھی مثلہ کیا تھا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان مثلہ کرنے والوں کے ساتھ وحشی رضی اللہ عنہ والا سلوک ثابت نہیں ہے۔ صحیح بخاری سے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتنی بات ثابت ہے کہ انھوں نے جنگ کے آخر میں یہ اعلان کیا تھا ''تجدون مثلة لم آمر بها ولم تسؤنی'' کہ میدان میں مثلہ شدہ لاشیں ملیں گی۔ یہ حکم میں نے نہیں دیا تھا۔ اور نہ مجھے اس کا افسوس ہے۔ یہ روایت بھی ابن اسحاق سے مروی ہے۔ یہ شخص متعدد ائمہ حدیث کے نزدیک کذاب، مدلس اور مجوسی شیعہ تھا۔ اس کے باوجود حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے قول میں اس بات کی کوئی وضاحت نہیں ہے کہ مثلہ کرنے والے کون تھے۔ کیا یہ سب مرد تھے؟ کیا سب عورتیں تھیں؟ کیا عورتیں اور مرد دونوں تھے؟ کیا ایک ہی عورت سیدہ ہند رضی اللہ عنہا اس کام میں شریک تھیں؟

تمام سبائی ومجوسی قطعاً یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ یہ کام ''سیدہ ہند رضی اللہ عنہا'' کا ہے۔ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا۔

ابن ہشام نے یہ کہانی اس طرح بیان کی ہے کہ

''ہند بنت عتبہ چند عورتوں کو ساتھ لے کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی لاشوں کے پاس آئی۔ اور ان کے ناک کان انھوں نے کاٹنے شروع کیے۔ یہاں تک کہ ہند رضی اللہ عنہا نے ان کانوں اور ناکوں کے ہار بنا کر اپنے گلے میں پہنے اور اپنا سارا زیور اتار کر وحشی کو حمزہ رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کے انعام میں دیا۔ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے جگر مبارک کو نکال کر اس نے اپنے منہ میں لے کر چبایا۔ مگر وہ اس کو نگل نہ سکی۔ تب اس کو اگل دیا۔''

(سیرت ابن ہشام اردو ص ۴۳۸، مقبول اکیڈمی لاہور)

دراصل سیرت ابن ہشام ابو محمد عبدالملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ھ کی اپنی تصنیف نہیں ہے۔ بلکہ سیرت ابن اسحاق کی نئی ترتیب ہے۔ جب یہ کتاب سامنے آئی تو اس کتاب کے بعض واقعات پر اہل علم نے اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی۔ اور ان اعتراضات کی وجہ سے سیرت النبیؐ پر یہ کتاب اپنے زمانے میں مقبولیت حاصل نہ کر سکی۔ جسے بعد میں ابن ہشام نے بعض قابل اعتراض واقعات خارج کر کے اور بعض واقعات کا اضافہ کر کے نئے سرے سے مرتب کیا۔ لیکن اس کوشش کے باوجود بعض قابل اعتراض واقعات کتاب میں شامل کر دیے گئے۔

یہ کہانی رافضی مورخ ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں محمد بن اسحاق سے نقل کی ہے۔ ابن اسحاق سے اسے روایت کرنے والا سلمہ الابرش اور پھر اس سے نقل کرنے والا محمد بن حمید ہے۔ یہ دونوں افراد قطعاً ناقابل اعتبار ہیں۔ ابن اسحاق نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس نے یہ روایت صالح بن کیسان سے سنی لیکن یہ ۷۰ھ کے بعد پیدا ہوئے اور ۱۴۰ھ میں انتقال کیا۔ یہ محمد بن اسحاق سے کچھ بڑے ہیں مگر انھوں نے اوپر کی کوئی سند بیان نہیں کی۔ حالانکہ جنگ احد صالح بن کیسان کی پیدائش سے ستر سال پہلے واقع ہوئی تھی۔ ان کا قول اس سلسلے میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ وہ خود چشم دید گواہ نہیں بلکہ ممکن ہے کہ محمد بن اسحاق نے یہ کہانی وضع کر کے ان کی جانب منسوب کی ہو۔ اگر واقعتاً انھوں نے یہ کہانی بیان بھی کی تب بھی روایت منقطع ہوئی اور منقطع روایت قابل قبول نہیں ہوتی۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس روایت کے صالح کے علاوہ دیگر راوی سب ایرانی ہیں۔ اور تمام محدثین کے نزدیک ناقابل اعتبار ہیں۔ اس لحاظ سے بھی اگر اس کہانی پر غور کیا جائے کہ صالح کے علاوہ اسے کوئی دوسرا بیان نہیں کرتا۔ پھر ان سے ابن اسحاق کے علاوہ کوئی دوسرا راوی نہیں۔ پھر اس سے سلمہ الابرش، سلمہ سے محمد بن حمید رازی اور محمد بن حمید سے ابن جریر کے علاوہ اسے کوئی نقل کرنے والا نہیں ہے۔ اور ابن جریر کا انتقال ۳۱۰ھ میں ہوا۔ گویا ۷۰ھ کے بعد اس کہانی کی ابتدا ہوئی اور ۳۱۰ھ تک ہر زمانے میں صرف ایک فرد کے سینے میں محفوظ رہی اور اس فرد واحد کے علاوہ کوئی دوسرا اس کہانی کو جانتا تک نہ تھا۔ اگر حقیقتاً یہ واقعہ پیش آتا تو اول تو اس کے متعدد چشم دید گواہ ہوتے پھر جوں جوں زمانہ بڑھتا جاتا لوگوں کی زبان پر

واقعہ عام ہو جاتا۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ خالص مجوسی کہانی ہے۔

مزید برآں وہ صحابہ جو جنگ احد میں شریک تھے ان میں سے کوئی ایک فرد بھی اس واقعہ کی طرف اشارہ نہیں کرتا۔ اور قریش مکہ فریق مخالف میں سے بھی متعدد افراد نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ جن میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں لیکن ان میں سے کوئی شخص بھی یہ کہانی بیان نہیں کرتا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری باب قتل حمزہ (رضی اللہ عنہ) میں یہ واقعہ خود وحشی رضی اللہ عنہ کی زبانی بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جسے ''اقبالی بیان'' کہا جا سکتا ہے اور بیان بھی اس شخص سے کر رہا ہے جس کے بھائی کے قصاص میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت عمل میں آئی لیکن اس میں سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے کلیجہ چبانے کا کوئی ادنیٰ اشارہ بھی نہیں پایا جاتا۔ صحیح بخاری کی اس روایت سے بھی حسب ذیل امور کی نشاندہی ہوتی ہے:

① وحشی بن حرب (رضی اللہ عنہ) جبیر بن مطعم (رضی اللہ عنہ) کے غلام تھے انھوں نے انھیں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل پر آمادہ کیا تھا اور اس انعام کا وعدہ کیا تھا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی صورت میں انھیں آزاد کر دیا جائے گا۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس قتل سے حضرت ہند رضی اللہ عنہا کا کوئی تعلق نہیں۔ نہ انھوں نے وحشی (رضی اللہ عنہ) کو قتل پر آمادہ کیا اور نہ وحشی (رضی اللہ عنہ) کی آزادی ان کے ہاتھ میں تھی۔

② اگر آزادی کے علاوہ اسے کوئی اور انعام دیا گیا ہوتا تو وحشی (رضی اللہ عنہ) اسے ضرور بیان کرتے۔ اس سے اس بات کا بھی رد ہو گیا کہ حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے اپنے گلے کا ہار اتار کر اسے بطور انعام دیا تھا۔

③ وحشی (رضی اللہ عنہ) ابتداء سے آخر تک جنگ کے دوران میں کفار کے ساتھ رہے اور ان ہی کے ساتھ مکہ واپس لوٹے لیکن وہ ناک کان کے ہار بنانے اور کلیجہ چبانے کی کوئی کہانی بیان نہیں کرتے۔

④ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحشی (رضی اللہ عنہ) کا اپنے سامنے آنا پسند نہیں فرمایا۔

⑤ قتل حمزہ رضی اللہ عنہ میں بقول مورخین تین آدمی برابر کے شریک ہیں۔ ایک وحشی (رضی اللہ عنہ) جو قاتل ہیں دوسرے جبیر بن مطعم (رضی اللہ عنہ) جنھوں نے قتل پر آمادہ کیا اور آزادی کا وعدہ کیا۔ تیسری ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا جنھوں نے ناک کان کاٹے اور کلیجہ چبایا۔

⑥ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحشی (رضی اللہ عنہ) کا سامنے آنا گوارہ نہیں کیا۔ جبیر بن مطعم (رضی اللہ عنہ) کا جرم وحشی (رضی اللہ عنہ) کی نسبت کم تر تھا۔ لہٰذا فتح مکہ کے دن ان سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا اور نہ اس قسم کی کوئی پابندی عائد کی گئی۔ مگر حضرت ہند رضی اللہ عنہا کا جرم تو سنگین ترین تھا۔ اس جرم کی موجودگی میں ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو جن چند افراد کے قتل کا اعلان کیا ان میں سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کا نام بھی شامل ہوتا لیکن بجائے اس کے کہ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے قتل کا اعلان کیا جاتا یا اظہار بیزاری کیا جاتا، ان کے گھر کو دارالامن بنا دیا۔ یہ اعلان خود اس بات کی شہادت ہے کہ قتل حمزہ رضی اللہ عنہ سے سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کا کوئی تعلق نہ

تھا۔

علاوہ ازیں جب سیدہ ہند رضی اللہ عنہا سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لیتے وقت یہ فرمایا کہ اپنی اولاد کو قتل نہ کروگی تو سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ ہم نے انھیں بچپن میں پالا تھا اور جب بڑے ہوئے تو آپ نے انھیں قتل کر دیا اس جواب پر بھی آپ نے انھیں قتل حمزہ یا مثلہ یا کلیجہ چبانے کے بارے میں کوئی یاددہانی نہیں کرائی حالانکہ یہ اس بات کا بہترین موقع تھا۔ بلکہ آپ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کا یہ جواب سن کر مسکرا گئے۔ یہ بات بھی اس کی واضح دلیل ہے کہ جگر چبانے کی کہانی بہت بعد کی وضع کردہ ہے۔

دراصل سبائیت و مجوسیت کا پراپیگنڈا معاشرے میں اس قدر سرایت کر گیا ہے کہ آج اکثر واعظین، نام نہاد گدی نشینان، کالجوں یونیورسٹیوں کے فضلاء اور سبائیوں کے ایجنٹ اس کہانی کو دہراتے چلے جا رہے ہیں۔

اسلام کا عام اور بنیادی اصول تو یہ ہے کہ "ان الاسلام یھدم ما کان قبلہ" اسلام پہلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے لیکن ستم بالائے ستم یہ کہ خاندان بنوامیہ کو اس اسلامی قانون سے بھی مستثنیٰ سمجھا گیا اور زبردست پراپیگنڈے کے ذریعے سے یہ بات ذہن نشین کرا دی کہ ان کی زمانہ کفر کی برائیاں بھی جوں کی توں آج تک قائم ہیں۔ فیا اسفا۔ فیا حسرتا۔

(۵) والدہ معاویہ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے ڈر کر اسلام قبول کیا

سید مہر حسین بخاری آف اٹک لکھتے ہیں کہ:

''یہ جگر خوارہ ہند بھی فتح مکہ کے بعد بادل نخواستہ مسلمان ہونے کے لیے آتی ہے...... بالآخر ہبل کے یہ پجاری چار و ناچار بظاہر مسلمان ہوئے کیونکہ موت یا اسلام کے سوا دوسرا کوئی ذریعہ بقا نہ تھا''

(سیاست معاویہ ص ۱۶، ۱۷)

جناب مودودی صاحب کے معتمد نعیم صدیقی سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے قبول اسلام پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''جیسا کچھ قبول اسلام یہ تھا ظاہر ہے، پھر یہ گستاخانہ انداز کلام، کوئی بھی دوسرا ہوتا تو اسے گوارا نہ کرتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بے پایاں حلم تھا جس سے ناجائز فائدہ اٹھایا جا رہا تھا۔'' (محسن انسانیت ص ۴۴۶)

صدیقی صاحب کے اس تبصرے سے بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سبائیت کا یہ مسموم پراپیگنڈا ''مدعیان اہل سنت'' کو کس طرح متاثر کر چکا ہے۔

سیدہ ہند رضی اللہ عنہا بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن مناف چوتھی پشت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں شامل ہو جاتی ہیں۔ وہ صاحب رائے، زیرک و ہوشمند، خود دار، نہایت فصیح اور قریش کی سردار عورتوں میں سے تھیں۔ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے بھائی ابو حذیفہ بن عتبہ اور بیٹی سیدہ رملہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا (ام المومنین) کا شمار سابقین اولین میں ہوتا ہے ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں اپنے والد عتبہ کے خلاف لڑے۔

سیدہ زینب بنت رسول رضی اللہ عنہا سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کی بھاوج لگتی تھیں۔ غزوۂ بدر کے بعد جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا مدینہ جانے لگیں تو سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے باوجود اسلام سے عداوت رکھنے کے رواداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے پاس جا کر کہا اگر کچھ زادِ راہ وغیرہ کی ضرورت ہو تو بے تکلف کہہ دو میں مہیا کر دوں گی۔ فتح مکہ کے دن اسلام قبول کرنے کی غرض سے جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ میں ایک ایسی عورت ہوں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئی ہوں اور اس کے رسول کو سچا مانتی ہوں۔ پھر انھوں نے اپنے چہرے سے نقاب الٹ دیا اور کہا میں ہوں ہند بنت عتبہ ''فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم مرحبا بك'' تو آپ نے مرحبا (خوش آمدید) فرمایا۔ (طبقات ابن سعد اردو ص ۳۱۹ ج ۸ تحت ذکر ہند بنت عتبہ)

امام بخاری رحمہ اللہ صحیح بخاری میں کتاب المناقب باب ذکر ہند بنت عتبہ میں یہ روایت لائے ہیں کہ:

''ہند بنت عتبہ آئیں اور کہا یا رسول اللہ! آج سے پہلے زمین پر کوئی ایسا گھرانہ نہیں تھا جو میرے

نزدیک آپ کے گھر سے زیادہ ذلیل اور ناپسند ہو۔ مگر آج صفحہ ہستی پر کوئی ایسا گھرانہ نہیں جو میرے نزدیک آپ کے گھرانے سے زیادہ محبوب اور معزز ہو اس کے جواب میں آپ ؐ نے فرمایا:

((وَاَیْضًا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ))

''اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یہی کیفیت اپنی بھی ہے۔''

جو خاتون بھری محفل میں علی الاعلان کہے کہ آج سے پہلے روئے زمین پر کوئی ایسا گھرانہ نہیں تھا جو میرے نزدیک آپ کے گھر سے زیادہ ذلیل و ناپسند ہو وہ ڈر کر اسلام کیسے قبول کر سکتی ہے؟

اسلام قبول کرنے کے بعد سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے گھر آ کر کلھاڑے کے ساتھ گھر میں رکھے ہوئے بت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کہا کنا منك فی غرور کہ تیری وجہ سے ہم دھوکے اور فریب میں مبتلا تھے۔ بنو ثقیف جیسے جنگجو اور بہادر اپنے بت کو پاش پاش نہ کر سکے۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے جا کر اس بت کے ٹکڑے کیے یہاں ایک خاتون ہیں جو ٹکڑے کرتے وقت اسے جھاڑ بھی پلا رہی ہیں۔ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کا یہ واقعہ اور آپ ؐ کا یہ ارشاد ''وایضا والذی نفسی بیدہ'' ان کے حسن اسلام اور ایمان کی پختگی کی واضح دلیل ہے۔

جنگ یرموک میں سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کا پورا گھرانہ شریک تھا شوہر حضرت ابوسفیان، صاحبزادے حضرت یزید اور حضرت معاویہ، صاحبزادی سیدہ جویرہ اور داماد رضی اللہ عنہم سبھی دشمنان اسلام کے خلاف برسر پیکار تھے۔ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا رومیوں کے خلاف مسلمانوں کو جنگ پر ابھارتی تھیں اور جوش دلاتے ہوئے فرماتی تھیں

((عضدوا الغلفان بسیوفکم))

''اپنی تلواروں سے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔''

ایسی کامل الایمان خاتون جنھیں رسول اکرم ﷺ مرحبا فرمائیں ان کے حق میں دعائے خیر فرمائیں اور ان کی عزت کی تمنا و آرزو کریں جبکہ ان کے نام نہاد نام لیوا سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے ایمان میں شک کریں اور نفاق کا طعن دیں۔ اگر ان میں نفاق ہوتا تو پیغمبر ﷺ اس وقت جب سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے آپ ؐ کے سامنے یہ کہا تھا کہ آج روئے زمین پر کوئی گھرانہ ایسا نہیں جو میرے نزدیک آپ کے گھرانے سے زیادہ محبوب ہو۔ یقیناً تردید فرما دیتے کہ آپ کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے۔ یا اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی اصل حقیقت سے پردہ اٹھا دیتے۔ لہٰذا سیدہ ہند رضی اللہ عنہا پر یہ الزام غلط اور بے بنیاد ہے۔

(۶) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام پر اعتراض

دشمنان صحابہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''اس کا معنی کتے کا بھونکنا، گیدڑ اور لومڑی کا چیخنا وھو الانثیٰ من الکلاب کتے کی مادہ یعنی کتیا کے ہیں۔'' (سیاست معاویہ ص ۸، خصائل معاویہ ص ۵۳۶)

علامہ سعد الدین تفتازانی ایک مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "رکب علی وھرب معاویہ" علی سوار ہوئے اور معاویہ بھاگ گیا۔

((فالتعظیم ماخوذ من لفظ علیّ لاخذه من العلوّ والاھانة ماخوذ من لفظ معاویة لانه ماخوذ من العوٰی وھو صراح الذئب والکلب))

(مختصر المعانی ص ۷۱ تحت احوال المسند الیہ، تعریفہ بالعلمیہ)

''پس تعظیم لفظ علی سے ماخوذ ہے کہ اس میں علو (سربلندی) کا مفہوم پایا جاتا ہے اور اہانت لفظ معاویہ سے ماخوذ ہے کیونکہ وہ ''عویٰ'' سے لیا گیا ہے اور وہ بھیڑیے اور کتے کا بھونکنا ہے۔''

دار العلوم دیوبند کے ایک جلیل القدر مفسر، محدث اور استاذ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ تفتازانی کی اس مکروہ مثال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

((وَلا یَخفٰی ما فیه من سُوء الادب فی حق سیّدنا معاویة رضی اللہ عنہ والجرأة علیه بما لا یلیق)) (حاشیہ مختصر المعانی ص ۷۱)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں جو جرأت، بے ادبی اور گستاخی اس مکروہ مثال میں پائی جاتی ہے وہ مخفی اور پوشیدہ نہیں یہ بے ادبی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بلند پایہ منصب کے بالکل خلاف اور نامناسب ہے۔''

بلکہ اگر ہم اس کو ایک فرضی مثال پر محمول کرتے ہوئے علی و معاویہ نام والے دوسرے اشخاص مراد لیں تب بھی اس مثال میں ضرور بے ادبی پائی جاتی ہے۔

ازروئے لغت لفظ معاویہ کے حسب ذیل معنی ہیں:

① کسی چیز کو موڑنا یا مروڑنا

② عالم شباب میں قوت سے مدمقابل کا پنجہ مروڑ ڈالنا۔

③ کسی کی مدافعت کرنا۔

④ حمایت یا جنگ وغیرہ کے لیے لوگوں کو بلانا اور جمع کرنا۔

⑤ آواز دے کر پکارنا۔ (منتہی الادب ص ۲۱۵، لسان العرب ج ۸ ص ۱۰۹، القاموس ص ۸۹۶، تاج العروس ج ۱۰ ص ۲۶۰)

اہل لغت نے خود ہی یہ وضاحت بھی کر دی ہے کہ معاویہ کا لفظ اگر معرف باللام (المعاویہ) ہو تو اس کا معنی مادہ سگ یعنی کتیا کے ہیں۔ اور بغیر الف لام کے لوگوں کے علم (نام) کے طور پر ہو تو یہ معنی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اعلام میں ابتدائی لفظی معنی مراد نہیں لیے جاتے۔ خصوصاً ان اعلام میں جو منقول عنہ کے درجے میں ہوں کیا آنحضرت کے نسب مبارک میں چھٹی پشت میں ''کلاب'' کا لفظی معنی مراد لینے کی کوئی جرأت کر سکتا ہے؟

لغت میں ''فاطمہ'' کے معنی اونٹنی جس کا بچہ دودھ سے چھڑا دیا گیا ہو (مصباح اللغات ص ۱۳۹)، ''الباقر'' کا معنی ہے گایوں کا ریوڑ (حوالہ مذکور)، ''الجعفر'' دریا، ندی اور بہت دودھ دینے والی اونٹنی (حوالہ مذکور ص ۹۰)، ''اویس'' بھیڑیا (حوالہ مذکور ص ۲۰) ''عباس'' عبوسیت کا لغوی معنی برامنہ بنانا اور تیوری چڑھانا ہے (حوالہ مذکور ص ۵۴۸)۔ ''جریر'' کا معنی ہے گھسیٹا۔ ''ابن جریر'' کا معنی ہے گھسیٹے کا بیٹا۔ جس طرح ان اسماء کا لغوی معنی مراد نہیں لیا جاتا اسی طرح بالفرض اگر معاویہ کے نام میں کوئی قباحت پائی بھی جاتی ہو تو پھر بھی لغوی معنی مراد نہیں لیا جائے گا۔

عویٰ کے معنی آواز دینے کے ہیں۔ عاوھم کے معنی ہیں اس نے لوگوں کو آواز دی۔ تو معاویہ کے معنی ہوئے: ایسا ہر دلعزیز، مقبول ومحبوب اور صاحب اثر سردار جو لوگوں کو جب بلائے تو لوگ اس کی آواز پر فوراً حاضر ہو جائیں۔ یا وہ جو خلافت راشدہ کے تقدس کی ''مدافعت'' میں کھڑا ہو جائے۔ جسے بلوائیوں، مفسدوں اور سبائیوں نے پامال کیا تھا۔

جانشین امیر شریعت سید عطاء المنعم شاہ بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''ایک نے کہا کہ معاویہ کا ترجمہ ہے ''کتا''...... میں نے کہا معاویہ کا لفظ مختلف جانداروں کے لیے مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ حیوانات میں معاویہ کا ترجمہ چیتا بھی آتا ہے، بھیڑیا بھی آتا ہے، کتا بھی آتا ہے، لومڑی بھی آتی ہے، گیدڑ بھی آتا ہے یعنی ہر وہ جانور جو چیخ پکار کر بولے عربی میں اسے ''معاویہ'' کہہ دیتے ہیں۔

اور انسانوں میں جو آدمی نوجوان ہو، نعرہ زن ہو، بہادر ہو، اس کو معاویہ کہتے ہیں..... عرب میں ایک آدمی گزرا ہے، بہت بڑے قبیلے کا دادا ہے، اس کا نام تھا ''کلب''۔ کلب کے معنی کتے کے بھی ہیں، اور چیتے اور ریچھ کے بھی ہیں۔ جو جانور چیر پھاڑ کر رکھ دے وہ بہادر ہوتا ہے۔ کلب کے معنی صرف کتا نہیں اس کے کئی معنی ہیں۔ ہاں کتے کا مفہوم ذرا زیادہ عام ہے۔ اب عرب کے ایک پورے قبیلے کے دادا کا نام کلب ہے۔ کیا خیال ہے سارے کتے ہی تھے وہ؟

انگریزی میں فوکس (Fox) لومڑ کو کہتے ہیں۔ لومڑ بھی کوئی نام ہوتا ہے؟ لومڑ کہیں گے کسی چالاک مکار

ادی کو "Leopard" (لیوپرڈ) بڑے شیر کو کہتے ہیں۔ ہر زبان میں ایسے نام ہوتے ہیں۔ عربی میں بھی ہیں۔ ''اسد'' عربی میں شیر کو کہتے ہیں۔ ''غضنفر'' حملہ آور شیر کو کہتے ہیں۔ ''لیث'' حملہ کے لیے تیاری کرنے والے شیر کو کہتے ہیں۔ ''اسامہ'' مطلقاً جنس شیر کو کہتے ہیں۔'' (طلوع سحر، ص ۱۷۷-۱۷۸)

دشمنانِ معاویہ لفظ معاویہ کے آخر میں ''ۃ'' سے مغالطہ دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ ''ۃ'' تانیث کے لیے ہے..... جبکہ حقیقت یہ ہے کہ بعض دفعہ اسماء اور اعلام میں ''ۃ'' تانیث کے لیے نہیں ہوتی۔ یہاں اسم معاویہ میں بھی ''ۃ'' ہرگز تانیث کے لیے نہیں ہے۔ جس طرح عکرمة ، طلحة ، جارية ، سارية ، حمزة وغیرہ سے کوئی بھی ''ۃ'' تانیث کے لیے مراد نہیں لیتا۔

معاویہ نام عہد جاہلیت ہی سے عرب میں رائج چلا آ رہا ہے (کتب انساب میں اس کی بیسیوں مثالیں پائی جاتی ہیں) اور اہل زبان نے کبھی اس نام کو برا اور معیوب قرار نہیں دیا۔ بالفرض اگر عہد جاہلیت میں یہ نام لغوی معنی کے اعتبار سے برا بھی سمجھا جاتا تو لازم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عہد اسلام میں اس کو تبدیل فرما دیتے کیونکہ آپ نے نام رکھنے کے متعلق امت کو یہ ہدایت دی ہے کہ

((تسموا باسماء الانبياء و احب الاسماء الى الله تعالىٰ عبدالله و عبدالرحمن)) (مشکوٰۃ باب الاسامی)

''تم انبیائے کرام کے ساتھ نام رکھا کرو اور اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔''

اسی طرح وہ نام جن کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور بندہ کی عبدیت کا اظہار ہو۔ ان کے علاوہ ایسے نام بھی رکھے جا سکتے ہیں جن سے شرک کی بو نہ آتی ہو یا جن سے بری بات کا یا بری عادت کا اظہار نہ ہو۔

حدیث میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کے نام رکھنے سے منع فرماتے تھے۔ اگر کوئی برا سا نام ہوتا تو آپ اسے اچھے نام سے بدل دیتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

((ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم كان يغير الاسم القبيح)) (مشکوٰۃ)

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم برے نام تبدیل کر دیا کرتے تھے۔''

جاہلیت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ایک لڑکی کا نام ''عاصیہ'' تھا تو آپ نے ان کا نام تبدیل کر کے ''جمیلہ'' رکھا۔ ایک لڑکی کا نام ''برہ'' تھا آپ نے فرمایا اس کا نام زینب رکھو۔ اسی طرح کسی نے ''غراب، حاص اور اصرم'' نام رکھے تو آپ نے انھیں بدل دیا۔

ایک شخص ''عبد شر'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا تیرا نام ''عبد خیر'' ہے۔

(ابوداود کتاب الادب باب فی تغییر الاسم القبیح)

سعید بن مسیب رحمہ اللہ اپنے دادا کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ ان کا نام ''حزن'' تھا جب وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دریافت فرمایا کیا نام ہے؟ کہا ''حزن'' آپ نے فرمایا "بل انت سهل" بلکہ تمھارا نام سہل ہے۔ (مشکوٰۃ)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نواسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت کی اطلاع پا کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ نومولود کو دیکھا، پوچھا کیا نام رکھا؟ عرض کیا گیا ''حرب'' فرمایا نہیں اس کا نام ''حسن'' ہے۔ (سیر الصحابہ ص۱۳ ج ٦)

بعد میں جب دوسرے نواسے تولد ہوئے تو آپ نے بچے کو دیکھ کر فرمایا کیا نام رکھا گیا؟ بتایا گیا ''حرب''، لیکن آپ کو یہ نام پسند نہ آیا تو آپ نے بدل کر ''حسین'' رکھا۔ (حوالہ مذکور ص ۱۴۷)

حرب کے معنی جنگ کے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ نام پسندیدہ تھا اسی لیے وہ بار بار یہی نام تجویز کرتے رہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دادا کا نام بھی حرب تھا۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم برے نام تبدیل فرما دیا کرتے تھے۔ لیکن معاویہ نام کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے افصح العرب سے کوئی ممانعت اشارتاً کنایتاً بھی ثابت نہیں ہے۔ بلکہ عہد رسالت سے لے کر آج تک یہ نام اہل اسلام میں بدستور رائج چلا آ رہا ہے۔

علاوہ ازیں نام تبدیل کرنے کے بجائے آپ بار بار پیار و شفقت کے ساتھ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اسی نام سے پکارتے، بلاتے اور دعائیں دیتے ہیں۔

(تفصیل راقم کی کتاب ''تذکرہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ'' ص ۹۷ تا ۱۰۹ میں ملاحظہ فرمائیں)

کتب تاریخ و حدیث میں اس کی بیسیوں مثالیں موجود ہیں۔ اگر اس نام میں ذرا بھی کوئی قباحت ہوتی تو آپؐ، صحابہ کرام، تابعین اور صلحائے امت کبھی اس نام سے محبت نہ رکھتے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے "ذکر من اسم معاویه" کے تحت مندرجہ ذیل اکابرین کا ذکر کیا ہے:

① معاویہ بن انس اسلمی
② معاویہ بن ثور بن عبادہ
③ معاویہ بن جاہمہ
④ معاویہ بن حارث بن مطلب بن عبد مناف
⑤ معاویہ بن خدیج
⑥ معاویہ بن حزن
⑦ معاویہ بن حکم اسلمی
⑧ معاویہ بن حیدہ بن معاویہ
⑨ معاویہ بن ابی ربیعہ
⑩ معاویہ بن سفیان بن عبد الاسد مخزومی
⑪ معاویہ بن ابی سفیان صخر بن حرب
⑫ معاویہ بن سوید

(۱۳) معاویہ بن صعصعہ
(۱۴) معاویہ بن عبادہ بن عقیل
(۱۵) معاویہ بن عبداللہ
(۱۶) معاویہ بن عروہ
(۱۷) معاویہ بن عفیف مزنی
(۱۸) معاویہ بن عمرو احوزی
(۱۹) معاویہ بن عمرو الدیلی
(۲۰) معاویہ بن قرمل
(۲۱) معاویہ بن محصن
(۲۲) معاویہ بن مرداس بن ابی عامر
(۲۳) معاویہ بن معاویہ مزنی
(۲۴) معاویہ بن مغیرہ
(۲۵) معاویہ بن مقرن مزنی
(۲۶) معاویہ بن نفیع
(۲۷) معاویہ ثقفی
(۲۸) معاویہ عذری
(۲۹) معاویہ لیثی
(۳۰) معاویہ ہذلی
(۳۱) معاویہ والد نوفل

(الاصابہ مع الاستیعاب ص۴۳۰، ۴۳۸ ج۳)

دیگر کتب تاریخ وانساب میں بھی ان کے علاوہ کچھ مزید نام ملتے ہیں:

(۱) معاویہ بن یزید بن معاویہ
(۲) معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب
(۳) معاویہ بن عباس بن علی ابن ابی طالب
(۴) معاویہ بن عبداللہ افطح بن محمد بن باقر بن زین العابدین بن حسین بن علی بن ابی طالب۔
(۵) معاویہ نمیری
(۶) معاویہ بن قرہ
(۷) معاویہ بن مسلم
(۸) معاویہ بن مروان

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک داماد کا نام معاویہ تھا۔ آپ کی صاحبزادی رملہ پہلے ابوالہیاج کے نکاح میں تھیں۔ ان کی وفات کے بعد ان کا نکاح حضرت مروان بن حکم رضی اللہ عنہ کے بیٹے معاویہ کے ساتھ ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں ایک شخص معاویہ بن صعصعہ تھا لیکن انھوں نے اس کا نام تبدیل نہیں کیا۔ اسی طرح حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے شاگردوں میں بھی معاویہ بن سعید الکندی الکوفی اور معاویہ بن سلمہ نفری موجود ہیں۔ (تنقیح المقال، مقامانی ص۲۲۳ ج۳)

الغرض کتب تاریخ، انساب اور اسماء الرجال میں ''معاویہ'' نام کی بیسیوں شخصیات موجود ہیں۔ جن میں صحابہ، تابعین، دیگر بزرگان امت، بنو امیہ، بنو ہاشم اور دوسرے قبائل کے افراد شامل ہیں جن کے علمی اور عملی کارناموں سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔

ان میں سے کسی کے نام میں کوئی نقص اور عیب نہیں نکالا گیا۔ ان کے ناموں کو کبھی ہدف طعن نہیں بنایا

گیا۔ یہ ساری دشمنی و عداوت، طعن و تشنیع اور بغض و عناد صرف اور صرف سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ کیا دشمنان معاویہ میں سے کوئی جرأت کر سکتا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی معاویہ بن حارث بن عبدالمطلب جن کی وفات پر ابو طالب نے مرثیہ پڑھا تھا

فابکی معاویه لا معاوی مثله
نعم الفتی فی العرف لا فی المنکر

یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پوتے معاویہ بن عباس یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے داماد معاویہ بن مروان یا ان کے شاگرد معاویہ بن صعصعہ، یا حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے بھتیجے معاویہ بن عبداللہ یا حضرت باقر رحمہ اللہ کے پوتے معاویہ بن عبداللہ افطح یا حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے شاگرد معاویہ بن سعید الکندی اور معاویہ بن سلمہ نفری کا معنی لغت کا سہارا لیتے ہوئے لومڑی کا بچہ، کتیا اور کتے کا بھونکنا وغیرہ سے کرے؟ کیا یہاں پہنچ کر لغت تبدیل ہو جاتا ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو پھر سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے اسم مبارک پر طعن و تشنیع کا کیا جواز ہے؟

علامہ ابن منظور افریقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((العوا اسم نجم...... وقال ابن كنّاسة هی اربعة كواكب ثلاثة مثفاة متفرقة والرابع قريب منها كانه من الناحية الشامية وبه سميت العوٰى كانه يعوى اليها من عواء الذئب)) (لسان العرب ج۸ ص۱۰۹)

''العوا ایک ستارے کا نام ہے اور ابن کناسہ نے کہا کہ وہ چار ستارے ہیں تین یکے بعد دیگرے الگ الگ ہیں اور چوتھا ان کے قریب ہے اور اسی وجہ سے اس کا نام العوا رکھا گیا ہے۔ گویا ان کی طرف منہ کر کے بھیڑیے آواز دیتے ہیں۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق "اصحابی کالنجوم" صحابہ ستاروں کی طرح ہیں تو ان ستاروں میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ایک اہم ستارہ ہیں۔ اور جس طرح العوا ستارے کی طرف رخ کر کے بھونکنے والے بھونکتے ہیں۔ اسی طرح آسمان رشد و ہدایت کے اس اہم اور مرکزی ستارے پر بھی بھونکا جاتا ہے۔

دشمنان معاویہ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بغض و عناد کی وجہ ان کا ''معاویہ'' نام رکھا جانا ہرگز نہیں ہے۔ وہ اس نام کی حامل دیگر شخصیات کی طرح انھیں بھی برداشت کر سکتے تھے اگر وہ اپنے دور مسعود میں نصرانیت، یہودیت، سبائیت اور مجوسیت کو لوہے کے چنے نہ چبواتے...... اگر وہ اسلامی سلطنت کا رقبہ پینسٹھ لاکھ مربع میل تک نہ بڑھاتے...... اگر وہ منصب امارت و خلافت قبول نہ کرتے...... اگر وہ اسلام کا تحفظ اور

مخالفت نہ کرتے۔ اگر وہ اسلام کی تبلیغ اور نشر و اشاعت نہ کرتے...... اگر وہ مغرب اقصیٰ سے لے کر چین تک اسلام کا پرچم نہ لہراتے...... اگر وہ عبداللہ بن سبا کو لاتیں مار کر شام سے ملک بدر نہ کرتے...... اور اگر وہ خارجیت اور سبائیت کا قلع قمع نہ کرتے......

لیکن صد آفرین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو نہ تو وہ باطل سے دبے نہ باطل کے سامنے جھکے، نہ انھوں نے باطل کے ساتھ مفاہمت اور کوئی سمجھوتہ کیا اور نہ وہ کبھی باطل اور سبائیت کی توقعات پر پورے اترے۔ کیونکہ ان کے نام ''معاویہ'' کے لغوی معنی یہ بھی ہیں کہ ''کسی چیز کو موڑنا یا مروڑنا'' اس لیے انھوں نے اسلام اور اپنے نام کی لاج رکھتے ہوئے نصرانیت، یہودیت، مجوسیت، سبائیت اور خارجیت کو اپنے آہنی شکنجے میں کستے ہوئے مروڑ مروڑ کر ان کے بل کس نکال دیے جس کی ٹیسیں آج تک ان کی ذریت محسوس کر رہی ہے اور تا قیام قیامت کرتی رہے گی۔

(۷) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اسلام نفاق پر مبنی تھا

دشمنان معاویہ کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ انھیں زیادہ سے زیادہ بدنام کیا جائے۔ اوران کے ساتھ کسی فضیلت کو جمع نہ ہونے دیا جائے۔ چنانچہ انھوں نے یہ مشہور کر دیا کہ وہ فتح مکہ کے موقع پر حالات سے مجبور ہو کر اسلام لائے۔ جن کے بارے میں قرآن نے یہ اعلان کر دیا کہ:

﴿قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ﴾ (السجدة: ۲۹)

''آپ کہہ دیجیے کہ یوم الفتح کو کافروں کا ایمان لانا نفع نہ دے گا اور نہ انھیں مہلت دی جائے گی۔''

(محمود شاہ محدث ہزاروی نے عدالت میں دوران جرح میں یہ سوال کیا تھا)

یہ اعتراض بھی ''بغض معاویہ'' کا کرشمہ ہے۔ محولہ بالا آیت کفار کے متعلق نازل ہوئی۔ اور ''یوم الفتح'' سے مراد مفسرین کرام نے قیامت کا دن لیا ہے۔ اگر بقول معترض اس سے فتح مکہ کا دن مراد ہے اور آیت کی زد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والدین آتے ہیں تو آیت کے آخری الفاظ ﴿وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ﴾ اس باطل اور مردود دعویٰ کی شدید تردید کر رہے ہیں...... آیت میں یہ کہا جا رہا ہے کہ ان لوگوں کو ''فتح مکہ'' کے دن ان کا ایمان لانا نفع نہ دے گا اور نہ انھیں اس دن کے بعد مہلت ملے گی۔ یعنی وہ زندہ نہ چھوڑے جائیں گے۔

اگر بقول معترض اس آیت کا یہی مفہوم ہے تو پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والدین کو فتح مکہ کے بعد مہلت نہ ملتی اور ان کے قتل کا اعلان کر دیا جاتا مگر سب کچھ اس کے برعکس ہوا۔ نہ صرف ان کا ایمان قبول کیا گیا بلکہ ان کے گھر کو ''دار الامن'' بھی قرار دیا گیا۔

اگر آیت کا تعلق فتح مکہ کے دن اسلام قبول کرنے والوں کے ساتھ ہی ہے تو پھر اس دن دو ہزار افراد اسلام لائے۔ ان میں آپ ؐ کے چچا زاد بھائی ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہن ام ہانی رضی اللہ عنہا بھی ہیں۔ کیا وہ سب بھی العیاذ باللہ کافر ہی ٹھہرے اور ان کے ایمان نے انھیں کوئی نفع نہیں دیا؟ (تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو)

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ دعوت اسلام کے آغاز ہی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھرانے میں اسلام کی آواز پہنچ چکی تھی۔ اور اس آواز پر آپ کی بہنیں سیدہ ام حبیبہ، سیدہ فارعہ، ماموں ابو حذیفہ بن عتبہ کے علاوہ دیگر قریبی رشتہ دار لبیک کہہ چکے تھے۔ رضی اللہ عنہم

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان حالات کا بغور جائزہ لیتے رہے۔ جبکہ ان کے باقی افراد خاندان دیگر مشرکین کے ساتھ اسلام کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ عظیم خصوصیت ہے کہ انھوں نے

اسلام قبول نہ کرنے کے باوجود کبھی کسی موقع پر اور کسی جنگ میں مسلمانوں کے خلاف حصہ نہیں لیا۔

غزوۂ بدر کے بعد مشرکین مکہ کی قیادت حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پاس آ گئی تھی۔ جنگ احد خالص ایک انتقامی جذبے کے تحت لڑی گئی۔ باپ قائد تھے حتیٰ کہ خواتین نے بھی اس میں شرکت کی۔ مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باوجود بہادری اور شجاعت کے اس میں شامل نہیں ہیں۔ جبکہ غزوۂ بدر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ کے داماد ابو العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ابوجہل کی قیادت میں شرکت کرتے ہیں لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام کسی معرکے میں نہیں ملتا۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ وہ ابتدا ہی سے اسلام کی طرف مائل ہو چکے تھے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((ومعاویة لم یعرف له قبل الاسلام اذی للنبی ﷺ لا بید ولا بلسان))

(منہاج السنة الجزء الثانی ص ۲۱۴)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے ان کی طرف سے آپ کی ایذا وہی کا کوئی واقعہ ثابت نہیں ہے۔ نہ ہاتھ سے اور نہ زبان سے۔''

موصوف مزید لکھتے ہیں کہ:

((ولا یعرف عنه ولا عن اخیه یزید بن ابی سفیان انهما اذیا النبی کما یؤذیه بعض المشرکین)) (حوالہ مذکور ص ۲۱۷)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ دونوں کی طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانا ثابت نہیں ہے جیسا کہ بعض مشرکین انھیں ایذا دیا کرتے تھے۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے بعد عمرة القضاء کے موقع پر ۷ھ میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ابن سعد، امام ذہبی، ابن حجر عسقلانی، ابن اثیر جزری، ابن کثیر، ابن حجر ہیتمی مکی، امام اہل سنت عبدالشکور لکھنوی، مفتی احمد یار خان بریلوی اور ڈاکٹر احمد عبدالرحمٰن عیسیٰ امام جامعہ امام محمد بن سعود نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایمان نفاق سے پاک تھا۔ اسی لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کتابت وحی کا منصب سونپا ان کے ہادی اور مہدی ہونے کی دعائیں فرمائیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں کفر کے خلاف جہادی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے لیے ایک لشکر کا امیر مقرر کر کے شام کی طرف روانہ کیا۔ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے انھیں پورے صوبہ شام کا گورنر مقرر کر دیا۔ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ سلوک آں محترم کے نفاق کو ثابت کرتا ہے؟

اس کی مزید تفصیل کتاب کے آخر میں زیر عنوان ''موت بحالت نفاق'' آ رہی ہے۔

(۸) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ طلقاء میں سے تھے

دشمنان صحابہ حقارتاً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ طلقاء میں سے تھے اور ''طلیق ابن طلیق'' تھے۔ چنانچہ سید ابوالاعلیٰ صاحب لکھتے ہیں کہ

''اس خاندان کے جو لوگ دور عثمانی میں آگے بڑھائے گئے وہ سب طلقاء میں سے تھے۔ ''طلقاء'' سے مراد مکہ کے وہ خاندان ہیں جو آخر وقت تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دعوت اسلامی کے مخالف رہے۔ فتح مکہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معافی دی اور وہ اسلام میں داخل ہوئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، ولید بن عتبہ، مروان بن الحکم ان ہی معافی یافتہ خاندانوں کے افراد تھے۔'' (خلافت وملوکیت ص ۱۰۹)

''طلقاء'' کی یہ تعریف کذب، افتراء، جہالت، ضد، تعصب اور عناد پر مبنی ہے اسلام کسی خاندان کا نام نہیں تھا کہ دوسرے خاندان اس سے لڑ رہے تھے جس طرح اسلام میں تمام خاندانوں کے افراد شامل تھے اسی طرح کفر میں بھی سب کی نمائندگی تھی۔ اس اسلام اور کفر کے تصادم میں باپ بیٹا، داماد خسر، چچا بھتیجا، بھائی بھائی اور ماموں بھانجا ایک دوسرے کے مقابلے میں صف آراء تھے۔ شرکائے بدر پر ہی ایک نظر ڈال لیں:

① رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (بھتیجا)	حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) (چچا)
② رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (خسر)	ابو العاص (رضی اللہ عنہ) (داما)
③ ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ (بیٹا)	عتبہ (باپ)
④ حضرت علی رضی اللہ عنہ (بھائی)	عقیل (رضی اللہ عنہ) (بھائی)
⑤ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (بھانجا)	ابوجہل (ماموں)

تاریخ میں اس طرح کی بیسیوں مثالیں پائی جاتی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام اور کفر کے تصادم کو قبائلی اور خاندانی تصادم قرار دینا واقع کے خلاف اور نری جہالت ہے۔

فتح مکہ کے دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام معافی کا اعلان خاندانوں اور قبیلوں کے لیے نہیں کیا تھا بلکہ مکہ کے تمام باشندگان کے لیے تھا۔ ان میں اکثر خاندان اور قبائل ایسے تھے جن کے بعض افراد ضرور پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔ لیکن ان میں سے باقی ماندہ افراد فتح مکہ کے دن یا اس کے کچھ عرصہ بعد مسلمان ہوئے۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ جو سابقین اولین میں سے تھے ان کے خاندانوں کے بہت سے ایسے افراد ہیں جنھوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا۔ حتیٰ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسے شخص کے والد بھی فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔ تو کیا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی معافی یافتہ خاندان کے فرد تھے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی حضرت عقیل رضی اللہ عنہ اور ان کی بہن سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا تو کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی معافی یافتہ خاندان کے فرد تھے؟ اس طعن کو وسعت دیتے جائیں تو اس کی زد سے کون سا خاندان اور قبیلہ بچ سکتا ہے؟

''طلقاء'' کی اصطلاح جس واقعے سے ماخوذ ہے وہ کچھ یوں ہے کہ:

''فتح مکہ کے بعد جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طواف فرما چکے تو حرم میں قریش کو منتظر پایا۔ آپ نے باب کعبہ کے دونوں بازو تھام کر فرمایا ایک اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کیا۔ اپنے بندے کی مدد کی اور تمام جتھوں کو تنہا شکست دی۔ یاد رکھو کہ تمام مفاخر، تمام انتقامات، خون بہا سب میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ صرف کعبہ کی تولیت اور حجاج کی آب رسانی اس سے مستثنیٰ ہیں:

((یا معشر قریش ان الله قد اذهب عنکم نخوة الجاهلية وتعظيمها بالآباء الناس من ادم وادم من تراب))

''اے قوم قریش! اب جہالت کا غرور اور نسب کا افتخار اللہ نے مٹا دیا۔ تمام لوگ آدم (علیہ السلام) کی نسل سے ہیں اور آدم (علیہ السلام) مٹی سے بنے تھے۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾

''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور تمھاری قوم اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔ اور اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا اور سب سے خبردار ہے۔''

اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے قریشیو! تمھیں کیا توقع ہے کہ اس وقت میں تمھارے ساتھ کیا سلوک کروں گا۔ انھوں نے جواب دیا ہم اچھی امید رکھتے ہیں۔ آپ کریم النفس اور شریف بھائی ہیں اور کریم و شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

((اقول لکم کما قال یوسف لاخوته لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اذهبوا فانتم الطلقاء))

(زاد المعاد ص ۴۲۴ ج ۱)

''میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف (علیہ السلام) نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا آج تم پر کوئی الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔''

یہ واقعہ ۸ھ کا ہے۔ آپ نے اس موقع پر خاندان معاویہ بنی امیہ کو نہیں بلکہ پورے قریش (بنو تیم، بنو عدی، بنو مخزوم، بنو خزیمہ، بنو اسد، بنو نوفل، بنو زہرہ، بنو امیہ اور بنو ہاشم) کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ تم سب کو

معافی دے دی گئی تم آزاد ہو۔ طلقاء کا معنی یہ ہے کہ اب تم پر کوئی گرفت نہیں تم مکمل طور پر آزاد ہو۔ آپ نے اس خطاب میں بار بار ''یا معشر قریش'' فرمایا۔ یہ خطاب خود بتلا رہا ہے کہ طلقاء صرف بنو امیہ نہ تھے۔ مولود کعبہ حکیم بن حزام، ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب ہاشمی، عکرمہ بن ابوجہل، حضرت علی کے بھائی حضرت عقیل ہاشمی اور بہن ام ہانی رضی اللہ عنہم اور تقریباً دو ہزار افراد نے بھی اسی موقع پر اسلام قبول کیا تھا۔ اور یہ سب طلقاء میں سے تھے۔

قریش کے لیے ''طلقاء'' یعنی معافی کا لفظ دراصل ان کی عظمت، منقبت اور فضیلت کا باعث ہے۔ یہ لفظ کسی طور پر بھی مذمت اور تحقیر کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔ مگر جن لوگوں کے دلوں میں ''بیماری'' ہے وہ اس لفظ کو برا معنی پہناتے ہوئے بطور تحقیر اور مذمت استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی ''طلقاء'' کو بڑے بڑے اہم مناصب عطا فرمائے۔ عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ کا والی بنایا اور وہ تا زیست اس منصب پر قائم رہے۔ عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو کعبہ کا کلید بردار رہنے دیا۔ حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو بنی فراس کے صدقات پر عامل بنا کر بھیجا۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا حضرت معاویہ اور ان کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہما ''طلقاء'' میں سے تھے؟

تعجب ہے کہ مولانا محمد نافع صاحب (جنھوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت پر دو جلدوں میں کتاب لکھی اور دشمنان معاویہ کے اعتراضات کے جوابات تحریر کیے) بھی خلاف واقعہ ان دو بزرگوں کو ''طلقاء'' میں لکھ گئے۔

''ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ جو طلقاء میں سے تھے اور بنی امیہ کے رؤساء میں سے تھے۔ ان کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی اہم مناصب عنایت فرمائے...... حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما جو طلقاء میں سے ہیں ان کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر کاتبان وحی مثلاً زید بن ثابت وغیرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کتابت وحی کے منصب پر فائز فرمایا...... مختصر یہ ہے کہ طلقاء حضرات عہد نبوی میں حقارت و ذلت کی نگاہ سے ہرگز نہیں دیکھے جاتے تھے۔ بلکہ اسلام اور اہل اسلام کی نظروں میں صاحب وقار اور باعزت افراد تھے۔ اسی بنا پر طلقاء کو یہ مناصب عطا فرمائے گئے۔'' (سیرت حضرت امیر معاویہ ص ۵۴، ۵۶ ج ۲)

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابوسفیان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما پر ''طلقاء'' کا اطلاق ہرگز صادق نہیں آتا۔ اگرچہ ''طلقاء'' کا لفظ کسی صورت میں بھی باعث مذمت نہیں مگر پھر بھی یہ دو بزرگ اس لفظ کے مخاطبین میں قطعاً شامل نہیں ہیں۔ کیونکہ اس خطبہ سے بہت پہلے وہ اسلام قبول کر چکے تھے۔ اور مکہ میں آپ کے داخل ہوتے وقت ان کے لیے اس اعزاز کا بھی اعلان کر دیا گیا تھا کہ ''من دخل دار ابی سفیان فھو امن'' جو شخص ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہو گا اس کے لیے امن ہے۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ (مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور) کے مقالہ نگار لکھتے ہیں کہ:

''ابوسفیان اور حکیم بن حزام رضی اللہ عنہما نے شہر سے باہر آ کر اور علی الاعلان مسلمان ہو کر اطاعت قبول کر لی۔'' (ج۱ص ۸۲۷)

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تو اس سے بہت پہلے عمرۃ القضاء کے موقع پر اسلام قبول کر لیا تھا۔ (تفصیل اگلے جواب میں ملاحظہ فرمائیں)

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہما خطبہ مکہ (جس میں طلقاء کا لفظ استعمال ہوا ہے) کے مخاطبین میں شامل نہیں ہیں۔ اور انھیں ''طلقاء'' یا ''طلیق ابن طلیق'' کے الفاظ سے مخاطب کرنا غلط، خلاف واقعہ، ضد، تعصب، عناد اور جہالت پر مبنی ہے۔

(۹) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار مؤلفۃ القلوب میں ہوتا ہے

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ وہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انھیں مالی امداد دیتے رہتے۔ جیسا کہ غزوۂ حنین کے مال غنیمت میں سے ۱۰۰ اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطا کی تاکہ وہ اسلام سے پھر نہ جائیں۔ اس لیے ان کا شمار مؤلفۃ القلوب میں ہوتا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ نوازش کرنے والوں میں علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ بھی شامل ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

''ابوعبدالرحمٰن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے والد فتح مکہ کے دن ایمان لائے حنین میں شریک ہوئے۔ (اسلام لانے سے قبل) آپ مؤلفۃ القلوب میں شامل تھے۔ لیکن بعد میں پکے اور سچے مسلمان ہو گئے۔''

(تاریخ الخلفاء اردو ص ۲۸۷)

صاحب مشکوٰۃ نے بھی انھیں مولفۃ القلوب میں شامل کیا ہے۔ (الاکمال فی اسماء الرجال تحت معاویہ بن ابی سفیان)

سید محمد ذوالقرنین زیدی لکھتے ہیں کہ:

''غرض کہ فتح مکہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے والدین نے اسلام قبول کیا اور آپ مولفۃ القلوب میں سے تھے۔ آپ نے مولفۃ القلوب حضرات کو خوش کرنے کی حکمت عملی اختیار فرمائی تاکہ ان لوگوں کے دلوں سے بغض اور عناد نکل جائے اور یہ حضرات ماضی کی تلخیوں اور شکستوں کے احساس کا گلا گھونٹ کر خدمت اسلام میں سچے دل سے لگ جائیں۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو فتح مکہ کے مسلمانوں میں شمار کرنا خلاف حقیقت ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ آپ عمرۃ القضاء کے موقع پر فتح مکہ سے ایک سال پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔ چنانچہ علامہ محمد بن سعد رحمہ اللہ (متوفی ۲۳۰ھ) لکھتے ہیں کہ

((وکان یذکر انہ اسلم عام الحدیبیة)) (طبقات ابن سعد ص ۴۰۶ ج ۳)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خود بیان کرتے تھے کہ وہ حدیبیہ کے سال اسلام لائے۔''

مصعب زبیری رحمہ اللہ (متوفی ۲۳۶ھ) نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کی روایت باسند نقل کی ہے:

((قال ابن سعد حدثنا محمد بن عمرو حدثنی ابوبکر بن سبرة عن عمر بن عبداللہ العنسی قال معاویة لما کان عام الحدیبیة و صدوا رسول اللہ ﷺ عن البیت وکتبوا بینهم القضیة وقع الاسلام فی قلبی فذکرت لامی ایاك ان تخالف اباك

فاخفيت اسلامی فو الله لقد رحل رسول الله ﷺ من الحديبية وانی مصدق به ودخل مكة عام عمرة القضية وانا مسلم وعلم ابوسفيان فقال لی يوما لكن اخوك خير منك وهو علٰی دينی فقلت لم ال نفسی خيرا......)) (نسب قریش ص۱۲۴ تحت اولاد ابی سفیانؓ)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حدیبیہ کے سال جب کفار نے رسول اکرم ﷺ کو عمرہ کرنے سے روکا اور اس کی ادائیگی کا معاملہ ان کے درمیان آیندہ سال طے پا گیا تو اسلام میرے دل میں گھر کر گیا تھا۔ میں نے اس کا ذکر اپنی ماں سے کیا تو انھوں نے مجھے تاکید کی کہ اپنے والد کی مخالفت سے اجتناب کرو۔ اس پر میں نے اپنے اسلام کو مخفی رکھا۔ اللہ کی قسم! جب آپؐ نے حدیبیہ سے کوچ فرمایا تو میں ان کی تصدیق کرنے والا تھا۔ اور جب آپ آیندہ سال عمرۃ القضاء کے موقع پر مکہ میں داخل ہوئے میں اس وقت مسلم تھا۔ میرے والد ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے ایک دن مجھ سے کہا کہ تمھارا بھائی تم سے بہتر ہے جو میرے دین پر ہے۔ تو میں نے کہا کہ میں نے اپنی ذات کے لیے بہتری حاصل کرنے میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کی۔''

ابن اثیر جزری رحمہ اللہ (متوفی ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں کہ:

((وكان معاويه يقول انه اسلم عام القضية وانه لقی رسول الله ﷺ مسلما وكتم اسلامه من ابيه وامه)) (اسد الغابہ ص۳۸۵ ج۴ تحت تذکرہ معاویہؓ)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ عمرۃ القضاء کے موقع پر اسلام لائے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اسلام کی حالت میں ملاقات کی۔ اور اپنے اسلام کو والدین سے مخفی رکھا۔''

امام ذہبی رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں کہ:

((كان معاوية يقول اسلمت عام القضية)) (دول الاسلام ص۲۸ ج۱)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے عمرۃ القضاء کے موقع پر اسلام قبول کیا۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں کہ:

((اسلمت يوم القضية ولكن كتمت اسلامی من ابی ثم علم فقال لی هذا اخوك يزيد وهو خير منك علی دين قومه...... قال معاويه ولقد دخل رسول الله ﷺ مكة فی عمرة القضاء وانی لمصدق به)) (البدایہ والنہایہ ص۱۱۷ ج۸)

''میں (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) نے عمرۃ القضاء کے دن اسلام قبول کیا لیکن والد سے اپنے اسلام کو مخفی رکھا۔ پھر انھیں اس کا علم ہو گیا تو مجھ سے کہا تمھارا بھائی یزید تم سے بہتر ہے جو اپنی قوم کے دین پر قائم ہے...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب آپ عمرۃ القضاء کے موقع پر مکہ میں داخل ہوئے تو میں ان کی تصدیق کرنے والا تھا۔''

شیخ الاسلام علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (متوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ:

((لقد اسلمت قبل عمرة القضية)) (الاصابہ ص۴۳۳ ج۳)

''میں (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) نے عمرۃ القضاء سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔''

ابن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ (متوفی ۹۷۵ھ) لکھتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے واقعہ حدیبیہ کے بعد اسلام قبول کیا...... ایمان لانے کے وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عمرۃ القضاء میں شریک تھے۔ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو امام احمد رحمہ اللہ نے محمد باقر بن علی زین العابدین بن حسین رضی اللہ عنہ کے طریق سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے آپ کے مروہ کے پاس بال تراشے تھے۔ یہ روایت اس بات کی تائید کرتی ہے کہ وہ عمرۃ القضاء کے موقع پر مسلمان تھے۔ کیونکہ بال تراشنے کا واقعہ عمرہ کے موقع پر ہوا تھا۔ حجۃ الوداع میں تو آپؐ نے بالا جماع منیٰ میں سر منڈایا تھا۔'' (تطہیر الجنان ص ۷ فی اسلام معاویہ)

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ (م ۱۳۸۱ھ) لکھتے ہیں کہ:

''معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما قرشی اموی صلح حدیبیہ کے سال اسلام لائے۔'' (ازالۃ الخفاء، اردو ص ۲۷۲ ج۱)

مفتی احمد یار خان صاحب بریلوی لکھتے ہیں کہ:

''صحیح یہ ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خاص صلح حدیبیہ کے دن اسلام لائے مگر مکہ والوں کے خوف سے اپنا اسلام چھپائے رہے، پھر فتح مکہ کے دن اپنا اسلام ظاہر فرمایا۔ جن لوگوں نے کہا ہے کہ وہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے وہ ظہور ایمان کے لحاظ سے کہا جیسے حضرت عباس رضی اللہ عنہ درپردہ جنگ بدر کے دن ہی ایمان لا چکے تھے مگر احتیاطاً اپنا ایمان چھپائے رہے اور فتح مکہ میں ظاہر فرمایا تو لوگوں نے انھیں فتح مکہ کے مومنوں میں شمار کر دیا......

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حدیبیہ میں ایمان لانے کی دلیل وہ حدیث ہے جو امام احمد رحمہ اللہ نے امام باقر رضی اللہ عنہ سے روایت فرمائی۔ نیز وہ حدیث بھی دلیل ہے جو بخاری شریف نے بروایت طاؤس عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت فرمائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حجامت کرنے والے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ یہ حجامت عمرۃ القضاء میں واقع ہوئی...... کیونکہ حجۃ الوداع میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قران کیا تھا۔ اور قارن مروہ پر حجامت نہیں کرواتے بلکہ منیٰ میں دسویں ذی الحجہ کو کراتے ہیں۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج وداع میں بال نہ کٹوائے تھے بلکہ سر منڈایا تھا، ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے حجامت کی تھی۔ تو لامحالہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر شریف کے بال تراشنا عمرۂ قضاء میں فتح مکہ سے پہلے ہوا۔ معلوم ہوا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے پہلے اسلام لا چکے تھے ہماری اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نہ فتح مکہ کے مومنین میں سے ہیں نہ مؤلفۃ القلوب سے

ہے۔" (امیر معاویہ ص ۳۸،۴۰)

سید مصطفیٰ نجیب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"جہاں تک سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا تعلق ہے ان کا معاملہ ویسا ہی ہے جیسا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا...... رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جو جنگ بدر کے قریب مسلمان ہو گئے لیکن اپنے اسلام کا اظہار فتح مکہ سے پہلے کیا۔ چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی صلح حدیبیہ سے متصل حلقہ بگوش اسلام ہو گئے لیکن اظہار فتح مکہ کے موقع پر کیا۔" (حماۃ الاسلام ص ۱۶۳ ج ۱)

ڈاکٹر احمد بن عبدالرحمٰن عیسیٰ رحمہ اللہ استاذ جامعہ امام محمد بن سعود لکھتے ہیں کہ:

((ویقول انه اسلم عام عمرة القضاء سنه ۷ھ وانه لقی رسول الله بمكة مسلمًا ولكن كتم اسلامه عن ابيه وامه وليس هذا ببعيد)) (کُتّاب الوحی ص ۳۰۶)

"اور وہ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ انھوں نے عمرۃ القضاء کے سال ۷ھ میں اسلام قبول کیا اور انھوں نے مکہ میں آپ سے بحیثیت مسلمان ملاقات کی لیکن اپنے اسلام کو اپنے والدین سے پوشیدہ رکھا اور یہ بات کوئی بعید نہیں ہے۔"

دراصل ہمارے مورخین اور سبائیت زدہ علماء کا اس پر بس نہیں چل رہا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی پوزیشن کو کس طرح گرایا جائے۔ کبھی تو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔ کبھی ایمان کا قبل از فتح مکہ اقرار کرنے کے ساتھ ساتھ کتمان ایمان کا الزام عائد کر دیا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرۃ القضاء کے موقع پر بمقام مروہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال تراشے (اور بروایت مصعب زبیری وابن کثیر رحمہ اللہ ان کے اسلام کا ان کے والدین کو بھی علم ہو گیا) تو اخفائے ایمان کہاں باقی رہا؟

گویا ان کا ایمان بھی سانپ کے منہ میں چھچھوندر کی مثل ہو گیا ہے نہ اگلتے بنتی ہے اور نگلتے بنتی ہے۔ اس لیے سمجھدار حضرات نے یہ کہہ کر جان چھڑالی کہ وہ فتح مکہ سے قبل اسلام لائے۔

علاوہ ازیں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا مدینہ منورہ میں مستقل قیام بھی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ انھوں نے فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔ کیونکہ فتح مکہ کے بعد آپ نے اعلان فرما دیا تھا کہ "لا هجرة بعد الفتح" فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں۔ جبکہ آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کو ہجرت کی اجازت نہیں دی تھی۔

مزید برآں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین وانصار کے درمیان مواخات قائم کی تو اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت حتات بن بشر انصاری رضی اللہ عنہ کا بھائی قرار دیا۔

(رحمۃ للعالمین ص ۳۶۸ ج ۳ مولفہ قاضی سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ)

شیعہ مورخین نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی پوزیشن گرانے، انھیں ہجرت سے محروم رکھنے اور انہیں مولفۃ القلوب میں داخل کرنے کے لیے یہ کہانی بھی وضع کی کہ غزوۂ حنین کے مال غنیمت میں سے انھیں سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطا کی گئی۔ غزوۂ حنین میں مال غنیمت کا حصول یہ بھی طبری اور مسعودی جیسے شیعہ مورخین کی کارستانی ہے۔ ورنہ صحیح مسلم میں حنین کے مال غنائم میں سے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو سو اونٹ دیے جانے کا تو صراحتاً ذکر ہے لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی اشارہ تک نہیں پایا جاتا۔

(صحیح مسلم کتاب الزکوۃ باب اعطاء المولفۃ.....)

اور نہ کسی دوسری حدیث ہی میں انھیں مال دینے کا ذکر ہے۔

اس کہانی کی تردید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ جو صحیح مسلم اور اکثر کتب حدیث میں موجود ہے کہ جب فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو ان کے خاوند نے طلاق دی اور ان کی عدت گزر گئی تو انھوں نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کی کہ معاویہ بن ابی سفیان اور ابوجہم (رضی اللہ عنہما) نے انھیں نکاح کا پیغام بھیجا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ابوجہم تو اپنے کندھے سے اپنی لاٹھی کو علیحدہ نہیں کرتے یعنی سخت آدمی ہیں۔ اور معاویہ مفلس ہیں ان کے پاس مال وغیرہ کچھ نہیں۔ تم اسامہ بن زید سے نکاح کرلو...... (صحیح مسلم کتاب الطلاق باب المطلقۃ ثلاثا لا نفقۃ لھا)

ایسی صورت میں وہ مال غنیمت کہاں چلا گیا تھا؟ اور پھر جس وقت انھوں نے اسلام قبول کیا تھا انھیں کیا محتاجی تھی وہ ایک رئیس کے صاحبزادے تھے ان کی کمائی کہاں رہ گئی تھی؟ اگر وہ فتح مکہ کے بعد آ کر مدینہ آباد ہوتے تو اس وقت وہ اپنے مال ومتاع کو ساتھ لے جا سکتے تھے۔ ایسی صورت میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو فی الواقع امیر ہونا چاہیے تھا۔ یہ تمام صورت حال اس بات کی وضاحت کر رہی ہے کہ آپ فتح مکہ سے قبل جب اسلام لائے تھے تو سب کچھ مکہ چھوڑ کر ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے۔ اور حنین کے مال غنیمت میں سے انصار ومہاجرین کو کوئی مال عطا نہیں کیا گیا تھا۔ لہٰذا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا فقیر ہونا لازمی تھا۔

اس تفصیل سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ''مولفۃ القلوب'' میں سے ہرگز نہیں تھے۔ بلکہ ان کا تعلق قبل فتح مکہ کے مسلمین میں سے تھا۔ اور اگر علی سبیل التنزل یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مال غنیمت میں سے تالیف قلب کے لیے حصہ دیا گیا تھا تو پھر بھی ان کا مولفۃ القلوب سے ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بحرین کے غنائم میں سے اتنا مال عطا فرمایا تھا جسے وہ تنہا اٹھا بھی نہ سکتے تھے۔ اس عطائے مال کی وجہ سے کوئی بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو مولفۃ القلوب میں شمار نہیں کرتا۔

علاوہ ازیں تاریخ میں ''مولفۃ القلوب'' کے تحت دیگر قبائل کے افراد کے نام بھی ملتے ہیں مثلاً قبیلہ بنی اسد سے ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ اور آپ ﷺ کے چچا زاد بھائی حضرت

ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب ہاشمی رضی اللہ عنہ۔ اگر مولفۃ القلوب میں سے ہونا باعث تحقیر اور طعن و ملامت ہے تو صرف بنوامیہ ہی کو مطعون ٹھہرانا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔

قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ مالکی ابن العربی رحمہ اللہ نے واضح طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مولفۃ القلوب ہونے کی تردید کی ہے:

((اما معاوية فبعيد ان يكون منهم فكيف يكون منهم؟))

(احکام القرآن ص ۳۹۵ ج ۱ تحت مولفۃ القلوب)

''یعنی یہ بات بعید ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ''مولفۃ القلوب'' میں سے ہوں۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے بہت خوش ہوئے انھیں ''مرحبا'' کہا، انھیں کاتب وحی مقرر کیا اور انھیں اپنے مہمانوں کی خدمت پر مامور فرمایا تو ایسے مخلص اور معتمد شخص کی تالیف قلب کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔

اصطلاح مولفۃ القلوب: قرآن کریم نے مصارف صدقات کے تحت ''مولفۃ القلوب'' کا ذکر کیا ہے:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَٰتُ لِلْفُقَرَآءِ...... الى قوله تعالىٰ...... وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ﴾ (التوبہ: ۶۰)

اس سے یہ اصطلاح مشہور ہوگئی۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''مولفۃ القلوب جن کے اسلام لانے کی امید ہو یا اسلام میں کمزور ہوں وغیرہ ذالک من الانواع۔ اکثر علماء کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ مد نہیں رہی۔'' (تفسیر عثمانی تحت الآیہ)

علمائے کرام نے اس کی چھ قسمیں بیان کی ہیں۔ دو کا تعلق کافروں سے ہے (جن سے بھلائی کی امید ہو یا جن سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو) اور چار قسمیں مسلمانوں سے متعلق ہیں۔

دشمنان صحابہ کا اس طعن سے یہ مقصد ہوتا ہے کہ چونکہ یہ لوگ کافر تھے اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دفع شر اور انھیں اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے عطا فرمایا کرتے تھے۔ اور سنی نما رافضی وسبائی معترضین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلام کو ضعیف و کمزور ثابت کرنے کے لیے اس طعن کا سہارا لیتے ہیں جبکہ یہ چیز خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے طرز عمل سے باطل ثابت ہوتی ہے۔

علیٰ سبیل التنزل اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مولفۃ القلوب میں سے تھے تو پھر انھیں ''مولفۃ القلوب'' کی اس قسم میں شامل کرنا ہوگا جس کے متعلق علماء نے یہ وضاحت کی کہ ''ایسے لوگ جن کا اسلام اچھا اور پختہ ہوا نھیں اس لیے مال دیا جائے تاکہ وہ عساکر المسلمین کی اعانت کریں۔''

پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ جن لوگوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اکرام فرمائیں۔ ان کی تالیف قلب اور دل دہی

اور دل جوئی کا خیال رکھیں تو ایسے لوگوں کی اذیت قلبی اور ان پر طعن و تشنیع کسی بدترین دشمن رسول کا ہی کام ہو سکتا ہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا محمد اسحاق ندوی صدیقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

''مولفۃ القلوب'' کا یہ غلط مفہوم عام طور پر مشہور ہے کہ یہ وہ حضرات تھے جنھیں اسلام پر قائم رکھنے کے لیے عطیات دیے جاتے تھے۔ یہ مفہوم بالکل غلط اور خلاف حقیقت ہے۔ بلکہ شاید سبائی پراپیگنڈے کا اثر ہے۔ ظاہر ہے کہ اسلام مال کا لالچ دے کر نہیں پھیلایا گیا۔ نہ اس کا کوئی اعتبار ہے جس کی بنیاد سونے چاندی پر قائم ہو۔ اسلام میں یہ روا بھی نہیں کیا جا سکتا...... درحقیقت یہ وہ حضرات تھے جنھوں نے قبل اسلام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مسلمانوں کو سخت ایذائیں پہنچائی تھیں۔ اسلام لانے کے بعد انھیں بجا طور پر یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں اس رنج کا شائبہ موجود ہو گا۔ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی طرف خصوصی توجہ فرما کر اور عطایا دے کر ان کے دل سے یہ شک مٹانا چاہتے تھے۔ محبت میں اس قسم کے شبہات کا پیدا ہونا صریحاً ناگزیر ہے خصوصاً اعزہ و اقارب میں اور یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزہ و اقارب ہی تھے۔''

(اظہار حقیقت بجواب خلافت وملوکیت ص ۱۶۱ ج ۱)

مولفۃ القلوب کی اس تعریف کا اطلاق بھی حضرت ابوسفیان، حضرت معاویہ اور حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم پر نہیں ہوتا۔ کیونکہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا گھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مکی دور میں بھی جائے پناہ تھا۔ اور آپ کی ایذا دہی کے متعلق ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((ومعاویه لم یعرف له قبل الاسلام اذی للنبی صلی اللہ علیہ وسلم لا بید ولا بلسان...... ولا یعرف عنه ولا عن اخیه یزید بن ابی سفیان انهما اذیا النبی کما کان یوذیه بعض المشرکین)) (منہاج السنۃ ص ۲۱۴، ۲۱۷ ج ۲)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی حضرت یزید رضی اللہ عنہ کی طرف سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانا ثابت نہیں ہے......''

اس تفصیل سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار ''مولفۃ القلوب'' میں ہرگز نہیں ہوتا لہٰذا ان پر یہ الزام لغو اور باطل ہے۔

(۱۰) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی نہیں تھے

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ وہ کاتب وحی نہیں تھے بلکہ آپ کے خطوط لکھا کرتے تھے۔ صاحب مشکوٰۃ نے ان کے تذکرہ میں یہ بات بھی لکھی ہے کہ

((وقیل لم یکتب له من الوحی شیئا انما کتب له کتبة))

(الاکمال فی اسماء الرجال تحت معاویہ بن ابی سفیانؓ)

غلام حسین نجفی لکھتا ہے کہ:

''قرآن لکھنا اور بات ہے اور قرآن پاک پر ایمان لانا اور بات ہے۔'' (خصائل معاویہ ص ۴۶۲)

پیر سید نصیر الدین گولڑوی رقم طراز ہیں کہ:

''امیر معاویہؓ بن ابی سفیانؓ: امارت بنو امیہ کے بانی، بعض خطوط نبویہ کے کاتب تھے البتہ صحیح قول کے مطابق کاتب وحی نہ تھے۔'' (نام ونسب تحت ''اعلام متن کتاب کے سنین وفات ص ۱۸۱، مطبوعہ گیلانی پبلشرز، دربار گولڑہ شریف)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کتابت وحی کی خدمات سرانجام دینا جہاں ایک ناقابل انکار تاریخی حقیقت ہے وہاں ان کے لیے ایک بہت بڑا اعزاز بھی ہے۔

قرآن مجید کی حفاظت کے لیے جو اسباب وجود میں آئے ان میں سے کتابت وحی ایک اہم سبب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب بھی کوئی وحی نازل ہوتی تو آپ اسے فوری طور پر اپنے کاتبین سے لکھوا لیتے۔ اسی لیے آپؐ نے کتابت وحی کا ایک باقاعدہ شعبہ قائم کر رکھا تھا۔ قریش کے سترہ افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ ان میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت ان کے گھرانے کے سات دیگر افراد بھی تھے۔ گویا کہ فن کتابت ان کا گھریلو شعبہ تھا بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس فن میں ایک جدید طرز کتابت بھی پیدا کر لیا تھا۔ جسے خط دیوان کہا جاتا ہے۔ (چند مکاتیب از مولانا عبدالقدوس ہاشمی)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتماد کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے انھیں کتابت وحی کے نازک، حساس اور اہم ترین منصب پر فائز فرمایا اور وہ ہمیشہ آپ کے اعتماد پر پورے اترے۔ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آں محترم پر اس اعتماد کا اظہار ان کی صلاحیت، قابلیت، دیانت اور ایمان کی عظیم شہادت ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت وحی کے لیے ایک جماعت منتخب کی جو خاص اہتمام کے ساتھ وحی کی کتابت کرتی تھی۔ جسٹس مولانا تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''کاتبین وحی کی تعداد چالیس تک شمار کی گئی ہے لیکن ان میں سے زیادہ مشہور حضرات یہ ہیں.....
حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی......اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم۔''
(علوم القرآن ص ۱۷۹)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ گو دیر سے ایمان لائے تاہم وہ اپنی شبانہ روز محنت اور انتھک لگن سے ان سعادت مند حضرات میں بھی شامل ہو گئے جنھیں قرآن مجید ازبر یاد تھا۔ حافظ ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کتابت وحی پر سب سے زیادہ ذمہ داری کے ساتھ لگے رہے۔ فتح مکہ کے بعد پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس کام کو لازمی درجے میں اختیار کر لیا۔ فکانا ملازمین الکتابة بین یدیہ ﷺ فی الوحی وغیر ذلك۔ یہ دونوں حضرات حضور ﷺ کے سامنے کتابت کے لیے ہر وقت موجود رہے خواہ وحی میں سے ہو یا اس کے علاوہ (حضور ﷺ کی کوئی بات) اس کے علاوہ ان کا کوئی اور کام نہ تھا۔''
(جوامع السیرۃ ص ۲۷)

علامہ محمد خضری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''ان کاتبین وحی میں جو لوگ زیادہ مشہور ہیں ان کے نام حسب ذیل ہیں: زید بن ثابتؓ، معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما، یہ دونوں بزرگ ہمیشہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں وحی وغیرہ کی کتابت کیا کرتے تھے۔ اس کے سوا ان کا کوئی کام نہ تھا۔'' (تاریخ التشریع الاسلامی مترجم ص ۱۰)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی کتاب میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعارف ہی ان الفاظ سے کراتے ہیں:

((وهو معاويه بن ابى سفيان صخر بن حرب بن اميه بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصى القرشى الاموى ابو عبدالرحمن خال المومنين و كاتب وحى رسول رب العالمين...... وصحب معاوية رسول الله ﷺ وكتب الوحى بين يديه مع الكتاب......)) (البدایہ والنہایہ ص ۱۱۷ ج ۸)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مومنوں کے ماموں اور اللہ تعالیٰ کی وحی کے کاتب ہیں۔ انھیں آنحضرت ﷺ کی صحبت نصیب ہوئی اور دیگر کاتبین کے ساتھ آپ کے سامنے وحی کی کتابت کرتے رہے۔''

ابن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((كان زيد بن ثابت يكتب الوحى وكان معاوية يكتب للنبى ﷺ فيما بينه وبين العرب اى من وحى وغيره فهو امين رسول الله ﷺ على وحى ربه......))
(تطہیر الجنان ص ۱۰)

''حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ صرف وحی لکھا کرتے تھے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وحی کے ساتھ ساتھ

حضرت ﷺ اور اہل عرب کے درمیان خطوط بھی لکھا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ اللہ کے رسول اور ان کے رب کی وحی کے امین ہیں۔"

ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن لکھتے ہیں کہ

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایمان و اخلاص میں بڑھے ہوئے تھے۔ دعوت محمدیہ سے وابستگی اور اس کی طرف سے مدافعت میں بہتوں سے آگے تھے۔ رسول کریم ﷺ کا ان پر بڑا اعتماد تھا۔ آپ نے انھیں بلا کر کتابت وحی کی خدمت سپرد کی۔" (اعلام الاسلام ص ۳۶۵)

موصوف اپنی ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ

"صدر اسلام میں حضرت عمر، حضرت علی، حضرت زید بن ثابت اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم ممتاز کاتب گزرے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی طرف سے یہ بزرگ قرآن اور ان خطوط کی کتابت پر مامور تھے جو آپ ملوک اور امراء کے نام لکھواتے تھے۔" (النظم الاسلامیہ مترجم ص ۱۶۲)

علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے کاتب تھے۔ امام مفتی حرمین احمد بن عبداللہ بن طبری نے خلاصۃ السیر میں ذکر کیا ہے کہ آپ کے تیرہ کاتب تھے۔ خلفائے اربعہ...... اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان۔ "وکان معاویه و زید الزمهم لذلك واخصهم به" ان میں سے حضرت معاویہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کو اس بارے میں زیادہ خصوصیت حاصل تھی۔ اور یہ دونوں اس کے زیادہ پابند تھے۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ ان کا کاتب وحی ہونا ثابت نہیں تو یہ امام احمد بن محمد قسطلانی رحمہ اللہ کے اس قول جو انھوں نے اپنی کتاب شرح صحیح بخاری میں بیان کیا ہے سے مردود ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں: "معاويه بن ابی سفيان كاتب الوحی لرسول الله ﷺ۔" معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے کاتب وحی ہیں۔"

(الناہیہ عن طعن امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ ص ۱۶ مطبوعہ استنبول ترکی)

شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"ان ہی کاتبان بارگاہ رسالت میں سے ایک حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ہیں۔"

(مدارج النبوۃ مترجم ص ۹۳۰ ج ۲)

حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمہ اللہ نے زیر عنوان "اسامی نویسندگان آنحضرت ﷺ" حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام ان کے کاتبوں میں لکھا ہے۔ (تحقیق الحق ص ۲۲۲)

علامہ سید محمود احمد رضوی بحوالہ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں کہ:

"ایمان لانے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خدمت نبوی سے جدا نہ ہوئے، ہمہ وقت پاس رہتے اور

وحی الٰہی کی کتابت کرتے۔ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے دل میں جو احترام تھا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد بھی جاری رہا۔" (شان صحابہ ص۲۲)

ڈاکٹر احمد عبدالرحمٰن عیسیٰ رحمہ اللہ استاذ جامعہ امام محمد بن سعود نے "کتاب الوحی" کے نام سے ایک مختصر کتاب تحریر کی ہے جو دار اللواء ریاض سعودی عرب سے شائع ہوئی۔ اس میں فاضل مولف نے کاتبین وحی کے دو گروہ ذکر کیے ہیں۔ وہ الفریق الاول کے تحت لکھتے ہیں:

((وهم كتاب التنزيل وغيره وهم ستة...... معاوية بن ابى سفيان يكتب فى التنزيل الحكيم وفيما بين النبى ﷺ وبين العرب...... وكان هو (معاوية وزيد بن ثابت) ملازمين الكتابة بين يدى رسول الله ﷺ فى الوحى وغيره لا عمل لهما غير ذلك)) (کتاب الوحی ص ٦٦)

"حضرت معاویہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہمیشہ پابندی کے ساتھ وحی وغیرہ کی کتابت کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کا کوئی کام نہ تھا۔"

بعض متعصب حضرات ایک قول کا سہارا لے کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی نہ تھے۔ بلکہ وہ آپ کے مکاتیب وفرامین لکھا کرتے تھے۔ اول تو اس قول کی مندرجہ بالا اقوال کی روشنی میں کوئی حیثیت نہیں۔ اور اگر علیٰ سبیل التنزل یہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ صرف آپ کے خطوط لکھا کرتے تھے تو کیا آپ کے مکاتیب مقدسہ کی کتابت کرنا اور وہ بھی آپ کے حکم کی تعمیل میں، کوئی معمولی شرف وسعادت ہے؟ کیا آپ کے اقوال وارشادات وحی خفی نہیں ہیں؟

صاحب مشکوٰۃ نے اکمال فی اسماء الرجال میں لکھا ہے کہ:

((وهو احد الذين كتبوا الرسول الله ﷺ وقيل لم يكتب له من الوحى شيئا انما كتب له كتبة)) (مشکوٰۃ ص ٦١٧)

"اور وہ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) ان لوگوں میں سے ایک ہیں جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کتابت وحی کے فرائض انجام دیے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انھوں نے وحی سے کچھ بھی نہیں لکھا اور وہ صرف آپ کے خطوط لکھا کرتے تھے۔"

اس عبارت میں صاحب مشکوٰۃ نے اپنی تحقیق تو یہ پیش کی ہے کہ وہ کاتبین وحی میں سے تھے۔ اور اس کے مخالف قول کو انھوں نے "قیل" سے شروع کیا ہے۔ معلوم نہیں کہ اس "قیل" کے قائل سبائی ہیں یا سبائیت زدہ۔

اس تفصیل سے واضح طور پر یہ ثابت ہو گیا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی ہیں۔ جب انھیں

شرف حاصل ہو گیا تو ان کا مومن اور امین ہونا بھی خود بخود ثابت ہو گیا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بعید ہے کہ وہ یہ اہم ترین اور خالص دینی ذمہ داری کسی غیر مومن اور بددیانت شخص کو سپرد کرتے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

((ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم استکتبه وهو لا يستكتب الا عدلا امينا)) (ازالۃ الخفاء ص ۵۷۳ ج ۱)

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کاتب وحی بنایا تھا اور آپ اسی کو کاتب بناتے تھے جو ذی عدالت اور امانت دار ہوتا۔''

کتابت وحی وہ شرف اور فضیلت ہے جس کے متعلق ارشادِ باری ہے:

﴿فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۙ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۙ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۙ كِرَامٍۢ بَرَرَةٍ ۭ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ﴾ (عبس ۱۳، ۱۷)

''قرآن مجید ان صفحات میں لکھا ہوا ہے جن کی تعظیم کی جاتی ہے۔ بلند (مقام پر) رکھا جاتا ہے اور جو پاک ہے اور ان کاتبوں کے ہاتھوں میں ہے جو ذی مرتبہ اور پاک باز ہیں۔ مارا جائے انسان کیسا ناشکرا ہے؟''

شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''قرآن تو وہ ہے جس کی آیتیں آسمان کے اوپر نہایت معزز بلند مرتبہ اور صاف ستھرے ورقوں میں لکھی ہوئی ہیں اور زمین پر مخلص ایمان دار بھی اس کے اوراق نہایت عزت و احترام اور تقدیس و تطہیر کے ساتھ اونچی جگہ رکھتے ہیں...... یعنی وہاں اس کو فرشتے لکھتے ہیں اسی کے موافق وحی اترتی ہے اور یہاں بھی اوراق لکھنے اور جمع کرنے والے دنیا کے بزرگ ترین، پاکباز، نیکوکار اور فرشتہ خصلت بندے ہیں۔ جنھوں نے ہر قسم کی کمی بیشی اور تحریف و تبدل سے اس کو پاک رکھا ہے...... یعنی قرآن جیسی نعمت عظمیٰ اور کاتبین کی کچھ قدر نہ کی اور اللہ تعالیٰ کا حق کچھ نہ پہچانا۔'' (تفسیر عثمانی ص ۷۸۸)

اہل تشیع نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کاتب وحی ہونا تسلیم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

(احتجاج طبرسی ص ۹۳، معانی الاخبار ص ۳۴۶، تنقیح المقال ص ۲۲۲، ابن ابی الحدید ص ۳۳۸ ج ۱)

بہر حال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کاتب وحی ہونا مفسرین، محدثین، مورخین، اہل سنت اور اہل تشیع کے نزدیک ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔ تو اب سوال یہ ہے کہ کیا ایک بددیانت، فاسق، باغی، طاغی، غیر مومن، منافق، مشرک اور کافر کو ایسے اہم ترین، نازک ترین اور انتہائی حساس منصب پر فائز کیا جا سکتا ہے؟

اہل تشیع کے نزدیک مشرکین نجس العین ہوتے ہیں جیسے کتا اور خنزیر وغیرہ اور قرآن مجید میں بھی مشرکین کو نجس قرار دیا گیا ہے ﴿اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ......﴾ اسی طرح یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ ﴿لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا

الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ قرآن پاک کو صرف پاک افراد ہی ہاتھ لگائیں۔ ظاہر ہے کہ ظاہری نجاست وضو، غسل اور دھونے سے زائل ہو جاتی ہے جبکہ باطنی نجاست کفر اور شرک پانی سے زائل نہیں ہوسکتی۔ جب اللہ تعالیٰ نے مشرک اور کافر کو مسجد حرام کے قریب آنے سے منع فرمایا اور بغیر طہارت ظاہری و باطنی قرآن کو چھونے سے بھی منع فرمایا تو کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایسے شخص سے جو ظالم، باغی، فاسق، فاجر، منافق، مشرک، کافر، غرض ظاہری ہی نہیں باطنی نجاست سے بھی آلودہ ہو اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرتے ہوئے قرآن مجید لکھوا سکتے ہیں؟

غیر مومن، بددیانت اور خائن ہرگز کاتب وحی نہیں ہوسکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس منصب جلیلہ پر فائز کرنا ان کے کامل الایمان، اعلیٰ درجے کے امین، انتہائی قابل اعتماد صحابی و رفیق اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہونے کا واضح ثبوت ہے۔

(۱) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا دی کہ اللہ ان کا پیٹ نہ بھرے

دشمنان صحابہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کرتے ہیں کہ ایک دفعہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لکھوانے کے لیے معاویہ کو طلب کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے معاویہ کو اطلاع دی۔ اور معاویہ نے کہا کہ آتا ہوں کھانا کھا لوں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے واپس دربار نبوی میں اطلاع دی۔ کچھ وقفہ کے بعد پھر بلانے گئے۔ پھر وہی جواب ملا۔ تیسری بار گئے تب بھی یہی جواب تھا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا دی "لا اشبع الله بطنه" اللہ اس کا پیٹ نہ بھرے۔ (سیاست معاویہ ص ۱۱۰)

جواب: امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ روایت اس طرح بیان کی ہے:

((عن ابن عباس قال كنت العب مع الصبيان فجاء رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فتواريت خلف باب قال فجاء فحطاني خطأة وقال اذهب ادع لی معاوية قال فجئت فقلت هو يأكل قال ثم قال لی اذهب فادع لی معاوية قال فجئت فقلت هو ياكل فقال لا اشبع الله بطنه)) (صحیح مسلم کتاب البر والصلة والادب، باب من لعنه النبی ولیس هو اهلا لها فهی له زکوة واجر)

''ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ میں ایک دروازے کے پیچھے چھپ گیا۔ آپؐ نے ہاتھ سے مجھے تھپکا اور فرمایا جاؤ معاویہ کو بلا لاؤ۔ میں گیا پھر لوٹ کر آیا اور میں نے کہا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ آپ نے پھر فرمایا جاؤ اور معاویہ کو بلا لاؤ۔ میں پھر لوٹ کر آیا اور کہا وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اللہ اس کا پیٹ نہ بھرے۔''

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کی روایت سے اس واقعہ کو بالفاظ ذیل نقل کیا ہے:

((قال اذهب فادع لی معاوية وكان كاتبه قال فسعيت فقلت اجب نبی الله صلی اللہ علیہ وسلم فانه علی حاجته)) (مسند امام احمد ص ۲۹۱ ج ۱ تحت مسندات ابن عباسؓ)

''(نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا) کہ جاؤ معاویہ کو میرے پاس بلا لاؤ۔ اور وہ ان کے کاتب تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں میں جلدی گیا اور ان سے کہا اللہ کے نبی کسی کام کے لیے آپ کو بلا رہے ہیں آپ ان کے پاس جائیں۔''

امام مسلم رحمہ اللہ نے ''کتاب البر والصلة والادب'' (نیکی، سلوک اور ادب کے مسائل) کے تحت یہ باب قائم کیا ہے: "من لعنه النبی وليس هو اهلا لها فهی له زكوٰة واجر" (جس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی اور وہ لعنت کا مستحق نہ تھا تو اس کے لیے یہ چیز باعث رحمت اور اجر ہوگی) موصوف نے اس

باب کی ابتداء میں حسب ذیل روایات نقل کی ہیں:

1 حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ دو شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ معلوم نہیں کہ انھوں نے آپ سے کیا باتیں کیں۔ آپ کو غصہ آیا۔ آپ نے ان دونوں پر لعنت کی اور ان کو برا بھلا کہا۔ جب وہ باہر نکلے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان دونوں کو کچھ فائدہ نہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا کیوں؟ میں نے عرض کیا اس وجہ سے کہ آپ نے ان پر لعنت کی اور ان کو برا بھلا کہا آپ نے فرمایا کہ تجھے معلوم نہیں میں نے اپنے رب سے یہ شرط کر رکھی ہے کہ اے اللہ! میں ایک بشر ہوں تو جس مسلمان پر میں لعنت کروں یا اس کو برا کہوں تو اس کو پاک کر اور ثواب دے۔

2 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ! میں ایک آدمی ہوں تو جس مسلمان کو میں برا کہوں یا لعنت کروں یا ماروں تو اس کو پاک کر دے اور اس پر رحمت کر۔

3 حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس ایک یتیم لڑکی تھی۔ آپؐ نے اس لڑکی کو دیکھ کر فرمایا اللہ کرے تیری عمر بڑی نہ ہو۔ وہ لڑکی یہ سن کر ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس روتی ہوئی گئی...... تو ام سلیم رضی اللہ عنہا نے آپ سے عرض کیا کہ آپ نے میری یتیم لڑکی کو بددعا دی۔ آپ نے پوچھا کیا بددعا؟ ام سلیم رضی اللہ عنہا بولیں وہ کہتی ہے کہ آپ نے فرمایا اس کی عمر دراز نہ ہو۔ یہ سن کر آپ ہنسے اور فرمایا اے ام سلیم تو نہیں جانتی میں نے شرط کی ہے اپنے رب سے کہ میں ایک آدمی ہوں خوش ہوتا ہوں جیسے آدمی خوش ہوتا ہے اور غصہ ہوتا ہوں جیسے آدمی غصہ ہوتا ہے تو جس کسی پر میں ایسی بددعا کروں جس کے وہ لائق نہیں تو اس کے لیے اسے سبب پاکی اور طہارت بنا اور قیامت کے دن اپنی قربت کا باعث بنا۔

اس کے بعد امام مسلم رحمہ اللہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں "لا اشبع اللہ بطنہ" کی روایت لائے ہیں۔ جس کے متعلق امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''امام مسلم رحمہ اللہ نے اس حدیث سے یہ سمجھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس بددعا کے مستحق نہ تھے۔ اس لیے انھوں نے اسے اس باب میں نقل کیا۔ لیکن ان کے علاوہ دیگر محدثین نے اسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں شمار کیا۔ کیونکہ حقیقت میں یہ بددعا ان کے حق میں دعائے خیر ہوگئی۔'' (شرح مسلم، نووی ص ۳۲۵ ج ۲)

ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''یہ ایسی بددعا ہے جس کا وقوع مراد نہیں ہوتا۔ عربوں کی عادت ہے وہ ایسی بات ازراہ تلطف کہتے ہیں اس ارادہ سے نہیں کہ اس کا مدلول اصلی واقع ہو نہ ایسا واقع ہونا ان کی تمنا ہوتی ہے۔'' (مرقاۃ ص ۳۷۲ ج ۵)

امام ابن اثیر جزری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''امام مسلم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ذکر کیا اور اس کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بھی نقل کیا کہ میں نے رب پر یہ شرط کر رکھی ہے کہ میں بھی ایک بشر ہوں میں خوش ہوں

ہوں جیسے دوسرا انسان خوش ہوتا ہے اور ناراض ہوتا ہوں جیسے دوسرا انسان ہوتا ہے۔ تو میں اپنی امت میں سے جسے بددعا دوں تو اسے اس کے حق میں قیامت کے دن پاکیزگی اور اپنے قرب کا باعث بنا دے۔''

(اسد الغابہ ص۳۸۶ ج۴)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس حدیث کی یہی تشریح کرنے کے بعد مزید لکھتے ہیں کہ:

''امام مسلم رحمہ اللہ نے حدیث اول کے ساتھ دوسری حدیث اس لیے ذکر کی تاکہ اس کو فضیلت معاویہ سمجھا جائے۔'' (البدایہ والنہایہ ص۱۲۰ ج۸)

علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''اس حدیث سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بالکل ہی کوئی نقص و اعتراض واقع نہیں ہوتا کیونکہ

اولاً، اس میں کہیں یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی ہو کہ آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلا رہے ہیں تو انھوں نے کھانا ترک نہ کیا ہو جبکہ اس میں یہ احتمال ضرور موجود ہے کہ جب ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انھیں کھانا کھاتے ہوئے دیکھا اور پیغام پہنچائے بغیر از روئے حیا واپس آ کر آپ کو اطلاع کر دی ہو اور اسی طرح دوسری مرتبہ بھی ہوا ہو۔

ثانیاً، اگر بالفرض ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا بھی ہو تو اس بات کا بھی احتمال ہے کہ انھوں نے اس حکم میں گنجائش سمجھی ہو کہ یہ حکم فوری حاضری کا متقاضی نہیں ہے۔ (اصولیین اور فقہاء نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے) اور وہ اس وقت معذور ہوں۔

ثالثاً، اس بددعا میں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ الفاظ آپ کی زبان مبارک پر بلا قصد جاری ہو گئے ہوں۔

رابعاً، امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں خود صراحت کر دی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس دعا کے مستحق نہیں اور اسی لیے انھوں نے اس حدیث کو اس باب کے تحت ذکر کیا ہے کہ جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے برا کہا ہو یا اس پر بددعا کی ہو اور وہ اس کا اہل نہ ہو تو اس کے لیے یہ چیز باعث اجر اور رحمت ہو گی۔''

(تطہیر الجنان ص ۲۸، ۲۹، الفصل الثالث مطبوعہ مکتبہ مجیدیہ ملتان)

صحیح مسلم کی روایت میں اس بات کا کوئی اشارہ نہیں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اطلاع کی ہو اور وہ نہ آئے ہوں۔ جبکہ مسند احمد کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے انھیں اطلاع دی لیکن اصل واقعہ میں بار بار بھیجنے کا کوئی ذکر نہیں۔ اور نہ اس روایت میں آپ کے اس جملے ''لا اشبع اللہ بطنہ'' کا کوئی ذکر ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ قابل اعتراض جملہ کسی راوی نے اپنی مخصوص ذہنیت کے پیش نظر شامل کر دیا ہے۔

اب اس ذات شریف کو تلاش کیجیے تو اصل عقدہ کھل جائے گا لیجیے وہ بزرگ ''عمران بن ابی عطاء اسدی واسطی قصاب ابوحمزہ'' ہیں جن پر ائمہ رجال نے نقد اور جرح کی ہے۔

ابو زرعہ اسے کمزور اور ضعیف کہتے ہیں۔ عقیلی کے نزدیک اس کی حدیث پر متابعت نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس نے جو روایت نقل کی ہے اس کا کوئی متابع نہیں ملتا اور یہ روایت اس کے علاوہ کسی دوسرے راوی سے نہیں ملتی۔

(میزان الاعتدال، ذہبی ص ۲۳۹ ج ۳۔ کتاب الضعفاء الکبیر، عقیلی ص ۲۹۹ ج ۳ تحت عمران بن ابی عطاء)

امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((ولیس له عن ابن عباس عن النبی ﷺ غیر هذا الحدیث هذا القصاب له فی مسلم هذا الحدیث وحده ولا ذکر له فی البخاری))

(شرح مسلم، نووی ص ۳۲۵ ج ۲ تحت باب من لعنه النبی ﷺ)

''یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس قول کو نقل کرنے والے ابوحمزہ قصاب متفرد، ضعیف اور کمزور ہیں۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اس کے علاوہ اس کی کوئی اور حدیث نقل نہیں کی اور نہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو ذکر کیا ہے۔ تو ایسے راوی کے قول کا کیا اعتبار؟

اگر ''لا اشبع الله بطنه'' کا جملہ فی الواقع بددعا ہوتا اور آنحضرت ﷺ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوتے تو اس کا کبھی تو اظہار فرماتے۔ بلکہ آنحضرت ﷺ کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسن سلوک اور طرز عمل سے اس بات کی نفی ثابت ہو رہی ہے۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس بددعا اور آپ ﷺ کی ناراضی کا صحابہ کو علم ہی نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ ضرور کسی موقع پر اس بددعا کا ذکر کرتے۔

جہاں تک زیر بحث حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ذکر ہے (بشرطیکہ ابوحمزہ قصاب کی کارستانی نہ ہو) خود انھوں نے بھی کبھی اس جملے کو بددعا نہیں سمجھا کیونکہ وہ باوجود ہاشمی ہونے کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے علم و فضل اور اوصاف حمیدہ کے معترف رہے۔

ایک دفعہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کے غلام نے شکایتاً کہا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو ایک رکعت وتر پڑھتے ہیں تو فرمایا:

((دعه فانه قد صحب رسول الله ﷺ قال اصاب انه فقیه))

(صحیح بخاری باب ذکر معاویہ)

''ان کی بات کو رہنے دیجیے کیونکہ انھوں نے آنحضرت ﷺ کی صحبت کا شرف اٹھایا ہے انھوں نے درست عمل کیا ہے اس لیے کہ وہ دینی مسائل میں فقیہ ہیں۔''

اور ایک دوسری روایت میں فرمایا:

((اصاب ای بنی لیس احد منا اعلم من معاویة)) (السنن الکبریٰ، بیہقی ص ۲۶ ج ۳ باب الوتر)

''اے بیٹے! انھوں نے درست کام کیا ہے ہم میں معاویہ (رضی اللہ عنہ) سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی انتظامی صلاحیت کے بارے میں فرمایا:

((ما رأیت احدا کان اخلق للملك من معاویة)) (البدایہ والنہایہ ص ۱۳۵ ج ۸)

''کہ میں نے حکمرانی کے لائق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی آدمی نہیں دیکھا۔''

اگر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس بددعا کا حامل سمجھتے تو پھر صرف ابوحمزہ قصاب جیسا ضعیف اور ناقابل اعتبار شخص ہی اس کا راوی نہ ہوتا بلکہ بہت سے قوی، ثقہ اور صدوق حضرات اسے روایت کرتے۔

اگر بالفرض زیر بحث روایت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بار بار طلب کیا جانا صحیح ہے تو یہ بھی ان کی منقبت کی دلیل ہے کیونکہ جب دو تین مرتبہ طلب کیے جانے کے بعد بھی حاضر نہ ہو سکے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام کسی دوسرے کاتب سے کیوں نہ لے لیا۔ آپ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کو بار بار طلب کرنا آں محترم کی حسن کارگزاری کی دلیل ہے کہ آپ ان کے کام سے انتہائی مطمئن تھے۔

اگر بالفرض "لا اشبع اللہ بطنہ" کا کلمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زبان مبارک سے جاری ہوا ہے تو بھی اس کے حقیقی معنی مراد نہیں لیے جا سکتے۔ کیونکہ عربوں کا اسلوب ہے کہ جب وہ خلاف توقع کوئی عمل دیکھیں تو بات کا رخ موڑنے کے لیے کوئی ایک آدھ سخت جملہ استعمال کر دیا کرتے ہیں۔ اور اس سے اس کا مدلول اصلی مراد نہیں ہوتا اور نہ اس کی تمنا کی جاتی ہے بلکہ اس قسم کے الفاظ پیار و محبت کے موقع پر بھی بولے جاتے ہیں۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ "انا لمؤاخذون بما نتکلم به" جو کچھ ہم بولتے ہیں کیا ہم اس پر پکڑے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا "ثکلتك امك یا معاذ" (مشکوۃ ص ۱۴) تجھے تیری ماں روئے (یا گم کر دے) اے معاذ...... ظاہر ہے کہ آپ کی یہ تمنا ہرگز نہیں تھی کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی والدہ ان پر روئے۔ اس قسم کی بات میں اس کے واقع ہونے کی آرزو نہیں ہوتی۔

ام سلیم رضی اللہ عنہا کی یتیم لڑکی کو آپ کا یہ فرمانا کہ اللہ کرے تیری عمر بڑی نہ ہو۔

(صحیح مسلم باب من لعنہ النبی ولیس ہو اہلا لہا فہی لہ زکوۃ واجر)

ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا جو آدمی کلمہ پڑھ لیتا ہے وہ جنتی ہے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کی اگرچہ وہ زانی اور چور ہو؟ اس کے جواب میں تین مرتبہ آپ نے فرمایا اگرچہ وہ زانی اور چور ہو۔ اور پھر فرمایا علی رغم انف ابی ذر۔ ابوذر کی ناک خاک آلود ہو۔

یہ ان کے لیے بددعا نہ تھی بلکہ آپؐ نے یہ جملہ ازراہ شفقت و پیار فرمایا۔ اسی لیے ابوذر رضی اللہ عنہ جب بھی یہ روایت بیان کرتے، ساتھ ہی "رغم انف ابی ذر" کے الفاظ بھی دہراتے۔

کسی کے لیے آپ نے فرمایا "قاتله الله" اللہ اسے غارت کرے، کسی کے لیے فرمایا "تربت یمینك، تربت یداك" تیرے ہاتھ سوکھ جائیں اور بعض امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے لیے فرمایا "عقرٰی، حلقٰی" (منڈی، بانجھ وغیرہ)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کی موجودگی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تورات کے اوراق پڑھتے ہوئے دیکھا تو ان سے فرمایا "ثکلتك الثواکل" تجھے رونے والیاں روئیں۔ (مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

مذکورہ تمام الفاظ وکلمات سے بددعا مراد نہیں بلکہ پیار و شفقت کا اظہار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے الفاظ غیر ارادی کلمات کے زمرہ میں آتے ہیں اور یہ عربوں کا اسلوب بلاغت ہے کہ وہ ایسے مواقع پر ایسی بات کہہ جاتے ہیں روٹی کھانا یا آہستہ آہستہ کھانا شرعاً بھی ممنوع نہیں تو ایک جائز فعل پر آپ بددعا کیسے دے سکتے تھے؟ اگر یہ روایت صحیح ہے تو اسے بھی عرب اسلوب پر محمول کرنا چاہیے ورنہ آپؐ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے یہ دعا نہ فرماتے:

((کان معاویة ردف النبی ﷺ فقال یا معاویة ما یلینی منك قال بطنی قال اللهم املأه علما وحلما)) (التاریخ الکبیر، امام بخاری ص ۱۸۰ ج ۴)

"ایک دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے پیچھے سوار تھے تو آپ نے فرمایا اے معاویہ! آپ کے جسم کا کون سا حصہ میرے نزدیک ہے۔ انھوں نے کہا میرا پیٹ۔ تو آپ نے فرمایا اے اللہ! اسے علم اور حلم سے بھر دے۔"

اس روایت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پیٹ کے لیے "علم وحلم" کی دعائے خیر کی گئی ہے۔ یہ زیر بحث روایت کے بالمقابل ہے کیونکہ اسی "پیٹ" کو اس روایت میں بددعا دی جا رہی ہے۔ اور اس روایت میں اس کے لیے علم وحلم سے بھرنے کی دعا کی گئی ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ جیسے اخلاق مجسم جب گالیاں دینے والوں، پتھر مارنے والوں اور غلاظت پھینکنے والوں کو بھی بددعا نہیں دیتے تو وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بغیر کسی غلطی اور قصور کے کیوں کر بددعا دے سکتے ہیں؟

اہل تشیع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے رسول اکرم ﷺ کی اس دعا کہ "اے اللہ ان کا پیٹ علم وحلم سے بھر دے" پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ روایت غلط ہے کیونکہ علم کا مقام پیٹ نہیں بلکہ دل و دماغ ہیں تو حضور ﷺ یہ دعا کیسے کر سکتے ہیں؟

اس دعائے نبوی میں "بطن" کا لفظ بطور محاورہ استعمال ہوا ہے۔ مراد یہی ہے کہ انھیں علم وحلم سے وافر

حصہ عطا کر۔ دشمنان معاویہ کے علاوہ اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ انھیں اس دعا کے مطابق یہ دونوں چیزیں (یعنی علم اور حلم) کتنی وافر مقدار میں عطا کی گئیں۔ آں محترم کا چالیس برس تک امارت و خلافت پر فائز رہنا ہی اس کی بین دلیل ہے۔

علاوہ ازیں...... اہل تشیع کے نزدیک یہی دعا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے بھی فرمائی گئی۔ تو جو اعتراض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کیا جاتا ہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کیوں نہیں ہوسکتا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کرنے کا ارادہ فرمایا تو سیدہ نے شکایت کی کہ ''علی کا پیٹ بڑا ہے۔'' اس کے جواب میں آپ نے فرمایا "اما علمت انه قد ملئى علما" کیا تو نہیں جانتی کہ وہ علم سے بھرا ہوا ہے۔ (بحار الانوار ص ۳۲ ج ۱۱ از ترجمان سبائیت ملا باقر مجلسی)

مجلسی کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پیٹ علم سے بھرا ہوا تھا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا پیٹ علم سے کیوں نہیں بھر سکتا؟

اس روایت پر درایتاً بھی یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق "صعلوك" یعنی مفلس تھے (صحیح مسلم) ان کے پاس اتنا کھانا ہوتا ہی نہیں تھا جس پر اس قدر وقت لگتا۔ نیز اہل عرب تو لکھنؤ اور دہلی والوں کی طرح تناول کرنے میں ابھی تک تکلفات کے عادی نہیں۔ صحیح بخاری کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ:

''حضرت بلال رضی اللہ عنہ رات میں اذان دیتے تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کھاؤ پیو جب تک ابن ام مکتوم (رضی اللہ عنہ) اذان نہ دیں پس بے شک وہ اس وقت تک اذان نہیں دیتے جب تک فجر نہ طلوع ہو جائے۔''

قاسم بن محمد (راوی) نے کہا:

((ولم يكن بين اذانهما الا ان يرقىٰ ذا وينزل ذا))

''ان دونوں اذانوں کے درمیان بس اتنا ہی فرق ہوتا تھا کہ یہ چڑھے اور وہ اترے۔''

جب اتنے کم وقت (کہ ''یہ چڑھے اور وہ اترے'') میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سحری تناول فرما لیا کرتے تھے تو کیا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بار بار آنے جانے کے دوران میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کھانے سے فارغ نہیں ہوسکتے تھے؟

اس تفصیل سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ "لا اشبع الله بطنه" کا جملہ کسی راوی کا اضافہ ہے۔ اور اگر بشرط صحت روایت آپ نے ارشاد بھی فرمایا ہو تو بھی یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بددعا نہیں ہوسکتا۔ بلکہ بطور اظہار تلخیٔ محبوب اور بتقاضائے بشریت ہے جو آپ ہی کی مبارک دعا سے طہارت و پاکیزگی اور رحمت و مغفرت میں تبدیل ہوگیا۔

(۱۲) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں

مشہور دشمن معاویہ مہر حسین بخاری لکھتے ہیں کہ:

''نواصب نے معاویہ کو ایک جلیل القدر اور صاحب فضیلت صحابی ثابت کرنے کے لیے حدیثیں وضع کیں اور اس مقصد سے دفاتر کے دفاتر بھر دیے...... بنو امیہ کا جابرانہ دور حکومت تقریباً نوے سال رہا۔ تو اس کا اثر کافی لوگوں میں سرایت کر گیا اور معاویہ کو بدقسمتی سے ایک جلیل القدر صحابی تسلیم کر لیا گیا۔ جو اس امت کا بہت بڑا المیہ ہے۔ مگر جاننا چاہیے کہ ہر زمانہ میں بعض حق پرست لوگ بھی موجود رہے ہیں۔ چنانچہ محدثین کا اتفاق ہے کہ معاویہ کی فضیلت میں پورے ذخیرہ حدیث میں ایک روایت بھی صحیح نہیں ہے۔''

(سیاست معاویہ ص۱۹)

پیر سید نصیر الدین گولڑوی لکھتے ہیں کہ:

''چونکہ خارجی فضائل اہل بیت کی احادیث موضوع اور ضعیف قرار دیتے ہیں اس لیے مناسب ہے کہ جن احادیث کو وہ صحت کا اعلیٰ معیار سمجھتے ہیں ان احادیث کے متعلق محدثین کی رائے بھی پیش کر دی جائے چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

((عن اسحٰق بن راھویه انه قال لم یصح فی فضائل معاویة شیء...... وقدورد فی فضائل معاویة احادیث کثیرة لکن لیس فیھا ما یصح من طریق الاسناد وبذلك جزم اسحق بن راھویه والنسائی وغیرھما))

''اسحاق بن راہویہ سے مروی ہے انھوں نے کہا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے فضائل کی روایت میں کوئی روایت صحیح نہیں ہے...... اور فضائل معاویہ میں بہت سی احادیث مروی ہیں لیکن ان میں سے کوئی روایت ایسی نہیں جو اسناد کے لحاظ سے صحیح ہو اور اسحاق بن راہویہ (استاد امام بخاری)، نسائی وغیرہما نے بھ یاسی بات کو پختہ ثابت کیا ہے۔'' (نام ونسب ص۵۱۴-۵۱۵ مطبوعہ گیلانی پبلشرز درگاہ گولڑہ شریف)

مہر حسین بخاری اور دیگر معترضین کے الفاظ میں کذب، تضاد اور سخت فریب پایا جاتا ہے ''بعض حق پرست'' اور ''محدثین کا اتفاق'' اسے کیا کہیے؟

اسحٰق بن راہویہ اور امام نسائی کے علاوہ بقول لعل شاہ بخاری (واہ کینٹ) عجلونی، شوکانی، ابن جوزی، ملا علی قاری جبکہ علامہ عبدالعزیز فرہاروی کی تصریح کے مطابق صاحب سفر السعادۃ مجد الدین شیرازی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی یہ لکھا ہے کہ ''لم یصح فی فضائله حدیث'' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت

میں کوئی حدیث صحیح نہیں۔ (الناہیہ ص ۳۴)

ممکن ہے کہ ان بزرگوں کو صحیح روایات نہ ملی ہوں۔ کسی محدث کا حدیث سے بے خبر رہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حدیث موجود نہیں ہے۔ پھر یہ قول (لم یصح فی فضائلہ حدیث) نہ آیت ہے نہ حدیث، نہ صحابہ و تابعین کا ارشاد ہے اور نہ جمہور محدثین کا۔ جو خود ہی ثابت نہیں تو دوسرے کے لیے کیا مثبت ہو سکتا ہے؟ پھر امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی اور دیگر اکابر امت رحمہم اللہ کے مقابلے میں ان کی حیثیت ہی کیا ہے؟

فضائل کے باب میں عندالمحدثین کسی حدیث کا کمزور یا ضعیف ہونا عیب نہیں سمجھا جاتا۔ اگر ایسا ہوتا تو خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے باب فضائل میں سے کتنی ہی احادیث کو خارج کرنا پڑتا اور موضوع احادیث کا تو ذکر ہی کیا ہے؟

علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((فان ارید بعدم الصحة عدم الثبوت فهو مردود لما امر بين المحدثين فلا ضير فان فسحتها ضيقة وعامة الاحكام والفضائل انما تثبت بالاحاديث الحسان لعزة الصحاح ولا ينحط ما في المسند والسنن عن درجة الحسن وقد تقرر في فن الحديث جواز العمل بالحديث الضعيف في الفضائل فضلا عن الحسن وقد رايت في بعض الكتب المعتبرة من كلام الامام مجد الدين ابن الاثير صاحب ميزان الجامع حديث مسند احمد في فضيلة معاوية صحيح الا اني لا استحضر الكتاب في الوقت۔ ولم ينصف الشيخ عبدالحق الدهلوي في شرح سفر السعادة فانه اقر كلام المصنف ولم يتعقبه كتعقبه على سائر تعصباته)) (الناہیہ ص ۴۳)

"پس اگر عدم صحت سے مراد عدم ثبوت ہے تو یہ قول مردود ہے اور اگر صحت سے صحت مصطلحہ عند المحدثین مراد ہے تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اس کا دائرہ تنگ ہے اور احادیث صحیحہ کی قلت کی وجہ سے بیشتر احکام و فضائل احادیث حسان ہی سے ثابت ہوتے ہیں اور مسند احمد اور سنن کی حدیث درجہ حسن سے کم تر نہیں اور فن حدیث میں طے ہو چکا ہے کہ فضائل کے باب میں حدیث ضعیف پر بھی عمل جائز ہے۔ حدیث حسن کی تو بات ہی اور ہے اور میں نے کسی معتبر کتاب میں امام مجد الدین بن اثیر رحمہ اللہ صاحب میزان الجامع کا قول دیکھا تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں مسند احمد کی حدیث صحیح ہے مگر وہ کتاب اس وقت ذہن میں نہیں رہی...... اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے شرح سفر السعادۃ میں انصاف نہیں کیا کیونکہ انھوں نے مصنف کے اس فقرے پر تعقب نہیں کیا جیسا کہ اس کے دوسرے تعقبات پر تعقب کیا ہے۔"

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں چند روایات ملاحظہ فرمائیں:

①((عن عبدالرحمن بن ابی عمیرة عن النبی ﷺ انه قال لمعاویة اللهم اجعله هادیا مهدیا واهدبه)) (جامع ترمذی کتاب المناقب باب مناقب معاویہؓ)

''عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ارشاد فرمایا کہ اے اللہ انھیں ہادی اور مہدی بنا اور ان کے ذریعے سے دوسروں کو ہدایت کر۔''

②((عن عمیر بن سعید قال لا تذکروا معاویة الا بخیر فانی سمعت رسول الله ﷺ یقول اللهم اهده)) (جامع ترمذی)

''عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر خیر و خوبی کے ساتھ ہی کیا کرو۔ کیونکہ میں نے آنخضرت ﷺ کو ان کے حق میں فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اے اللہ! انھیں ہدایت فرما۔''

③ ((اللهم علم معاویة الکتاب والحساب وقه العذاب))

(مسند امام احمد ص ۱۲۷ ج ۴ تحت مسندات عرباض بن ساریہؓ)

''حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آنخضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اے اللہ! معاویہ کو کتاب وحساب کا علم عطا کر اور انھیں عذاب سے محفوظ فرما۔''

④ ((کان معاویة ردف النبی ﷺ فقال یا معاویة ما یلینی منك قال بطنی قال اللهم املأه علما وحلما)) (التاریخ الکبیر، امام بخاری ص ۱۸ ج ۴)

''ایک دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آنخضرت ﷺ کے پیچھے سوار ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا اے معاویہ! تمھارے جسم کا کون سا حصہ میرے قریب تر ہے۔ تو انھوں نے کہا میرا پیٹ آپ نے فرمایا اے اللہ اسے علم اور حلم سے بھر دے۔''

⑤ ((ومعاویة بن ابی سفیان احلم امتی واجودها)) (تطہیر الجنان ص ۱۲)

''اور معاویہ بن ابی سفیان میری امت میں سب سے زیادہ بردبار اور سخی ہیں۔''

⑥ ((اول جیش من امتی یغزون البحر قد اوجبوا قالت ام حرام قلت یا رسول الله ﷺ انا فیهم قال انت فیهم)) (صحیح بخاری کتاب الجهاد باب ما قیل فی قتال الروم)

''میری امت کا سب سے پہلا لشکر جو بحری جہاد کرے گا اس کے لیے جنت واجب ہوگی۔ سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا میں بھی اس لشکر میں شامل ہوں آپ نے فرمایا تو بھی ان میں شامل ہے۔''

شارحین صحیح بخاری، دیگر محدثین اور مورخین کے نزدیک یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس بحری جنگ میں جنت کے بشارت یافتہ لشکر کے قائد کی حیثیت سے شریک ہوئے۔

یہ حدیث حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مستقل فضیلت ہے جسے تمام مورخین نے روایت کیا ہے اور اس کی صحت میں بھی کوئی شک نہیں ہے۔ لہٰذا یہ قول "لم یصح فی فضائله حدیث" یا "لم یصح فی فضائل معاویه شیء" غلط ثابت ہوگیا۔

بعض معاندین امام نسائی رحمہ اللہ کے واقعہ کو بھی اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کوئی فضیلت ثابت نہیں ہے۔

اہل شام نے محدث جلیل ابوعبدالرحمٰن احمد نسائی رحمہ اللہ سے مطالبہ کیا کہ انھیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی حدیث سنائیں تو آپ نے کہا کہ "لا اشبع الله بطنه" کے علاوہ مجھے کوئی حدیث معلوم نہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ امام نسائی رحمہ اللہ نے کہا "اما یرضی معاویة بان یکون راسا براس ویطلب الفضل" کیا معاویہ (رضی اللہ عنہ) اس پر راضی نہیں کہ برابر سرابر چھوٹ جائیں وہ فضیلت ڈھونڈتے ہیں پس اہل شام نے انھیں مارا حتیٰ کہ وہ بیمار پڑ گئے اور اسی سے ان کی موت واقع ہوئی۔

(النابیہ ص ۳۹)

"لا اشبع الله بطنه" پر تفصیلی بحث پیچھے گزر چکی ہے۔

امام نسائی رحمہ اللہ کا قول اگر صحیح ہے تو اس کی نہ تو کوئی شرعی حیثیت ہے اور نہ وہ حجت ہے۔ امام نسائی رحمہ اللہ جیسے کروڑوں محدث حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خاک پا کے برابر بھی نہیں ہیں۔ کہاں ایک صحابی اور کہاں امام نسائی؟

علامہ ابن خلکان رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۲ھ) نے امام نسائی رحمہ اللہ کے حالات میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

((وفی روایة اخری ما عرف له فضیلة الا لا اشبع الله بطنك وكان یتشیع))

(وفیات الاعیان ص ۷۷ ج ۱)

"اور دوسری روایت میں ہے کہ امام نسائی رحمہ اللہ نے کہا کہ میں معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی کوئی فضیلت نہیں جانتا مگر یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اللہ تیرا پیٹ نہ بھرے، اور امام نسائی رحمہ اللہ میں شیعیت تھی۔"

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب "بستان المحدثین" میں امام نسائی رحمہ اللہ کا یہ واقعہ نقل کیا ہے جسے معاندین خوب اچھالتے ہیں۔ لیکن اس میں شاہ صاحب کا یہ تبصرہ بھی موجود ہے

"یہ شافعی المذہب تھے، صوم داودی پر ہمیشہ عمل پیرا رہتے تھے بایں ہمہ کثیر الجماع تھے۔ چنانچہ چار عورتیں آپ کے نکاح میں تھیں اور ہر ایک کے پاس ایک ایک شب رہتے تھے ان کے علاوہ لونڈیاں بھی موجود تھیں۔" (بستان المحدثین ص ۱۸۹)

علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((الا انه جاوز الحد فتكلم بما يتوهم طعنا على الصحابي والبشر قد يخطى))

(الناہیہ ص ۳۹)

''مگر یہ کہ وہ (امام نسائی رحمہ اللہ) حد سے نکل گئے اور ایسی بات کہہ دی جس سے صحابی پر طعن کا وہم ہوتا ہے خیر آدمی کبھی غلطی بھی کر جاتا ہے۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا صحابی ہونا بذات خود ایک عظیم فضیلت ہے اور بیسیوں احادیث اور آیات اس پر شاہد ہیں۔ ان کا صحابی ہونا اس قدر مسلمہ ہے کہ جناب مودودی صاحب باوجود انتہائی تعصب اور بغض کے یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ

''صحابی کی تعریف میں اگرچہ سلف میں اختلاف ہے مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہر تعریف کے لحاظ سے شرف صحابیت حاصل ہے۔'' (سیرت اصحاب رسول ص ۱۵۳)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کتابت وحی کے منصب پر فائز ہونا ان کی وہ امتیازی فضیلت ہے جس میں سوائے چند حضرات کے کوئی اور شریک نہیں۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غزوات حنین، طائف اور تبوک میں شرکت، آں محترم کے بعض انتظامی امور پر فائز ہونا اور آپ کے ساتھ نسبی تعلقات کی فضیلت اس پر مستزاد ہے۔ علاوہ ازیں ان فضائل کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا فقیہ ہونا بھی ایک عظیم فضیلت ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے باب ''ذکر معاویہ'' کے تحت نقل کیا ہے۔

معاندین صحابہ کی نکتہ رسی کی بھی داد دینی پڑتی ہے کہ انھوں نے امام بخاری رحمہ اللہ کے باب ''ذکر معاویہ'' قائم کرنے سے ایک مستقل طعن پیدا کر لیا کہ:

''امام موصوف نے دیگر صحابہ کے متعلق فرمایا ''مناقب فلاں'' یا ''فضل فلاں'' مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا ''باب ذکر معاویہ'' اس سے معلوم ہوا کہ ان کی کوئی فضیلت ثابت نہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں کتاب المناقب میں بہت سے باب قائم کیے ہیں بعض کے ساتھ ''مناقب فلاں''، بعض کے ساتھ ''فضل فلاں'' اور بعض کے ساتھ ''ذکر فلاں'' تحریر کیا۔ موصوف نے صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ ''قابل اعتراض'' رویہ اختیار نہیں کیا۔ بلکہ دیگر کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کے اسماء کے ساتھ بھی وہی الفاظ لکھے مثلاً: باب ذکر عباس بن عبدالمطلب، باب ذکر عبداللہ بن عباس، باب ذکر حذیفہ بن یمان، باب ذکر اسامہ بن زید، باب ذکر عبداللہ بن سلام، باب ذکر جبیر بن مطعم۔

کیا ان جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی کوئی فضیلت ثابت نہیں؟

کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کے نام کے ساتھ ''مناقب'' کے بجائے ''ذکر'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔

دراصل یہ عبارت کا تفنن ہے کہ کہیں مناقب اور فضائل فرمایا اور کہیں ذکر فرمایا۔ نیز ذکر سے مراد ''ذکر بالخیر'' ہے اور ذکر بالخیر بھی فضیلت ہی ہوتی ہے۔

علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ نے بھی یہی بات بیان کی ہے:

((واما الجواب عما فعله البخاری فانه تفنن فی الکلام فانه فعل کذا فی اسامه بن زید وعبدالله بن سلام و جبیر بن مطعم بن عدی فذکر لهم فضائل جلیلة معنونة بالذکر)) (الناہیہ ص ۳۴)

''اور امام بخاری رحمہ اللہ کے طرز عمل کا جواب یہ ہے کہ یہ تفنن فی الکلام ہے چنانچہ انھوں نے اسامہ بن زید، عبداللہ بن سلام اور جبیر بن مطعم بن عدی کے فضائل جلیلہ ''ذکر فلاں'' کے ہی عنوان سے ذکر کیے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''جاننا چاہیے کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ایک شخص تھے اصحاب رسول میں سے اور زمرۂ صحابہ میں بڑے صاحب فضیلت تھے۔ تم کبھی ان کے حق میں بدگمانی نہ کرنا اور ان کی بدگوئی میں مبتلا نہ ہونا ورنہ تم حرام کے مرتکب ہوگے۔'' (ازالۃ الخفا مترجم ص ۱۷۵ ج ۱)

اس تفصیل سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ''عدم فضیلت'' کا طعن باطل ہے۔

(۱۳) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا تھا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ واجب القتل تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اذا رأیتم معاویة یخطب علی منبری فاقتلوہ))

''جب تم معاویہ کو میرے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے دیکھو تو اس کو قتل کر دینا۔''

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے مروان سے فرمایا تھا کہ ''میرے نانا نے فرمایا تھا کہ جب معاویہ کو میرے منبر پر دیکھو تو اس کا پیٹ پھاڑ دینا۔'' (خصائل معاویہ ص ۱۲۰)

نجفی نے اس روایت کے لیے گیارہ کتب کے حوالے دیے جن میں سے بعض کتب کے مولف پکے شیعہ اور رافضی ہیں اور جن کتب اہل سنت کا حوالہ دیا تو ان بے چارے سنی مولفین نے اس قول کو محض جواب دینے کے لیے نقل کیا۔ نجفی امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے جواب میں لکھتا ہے کہ

''ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ مذکورہ حدیث کتب اسلام میں نہیں ہے سفید جھوٹ ہے کیونکہ ہم نے اسے دس عدد کتب اہل سنت سے ثابت کر دیا ہے اور اس دشمن خدا کی روحانی ذریت کا جگر کباب کر دیا ہے۔''

(حوالہ مذکور ص ۱۲۱)

اس دشمن رسول نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بدنام کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا اور جھوٹ باندھا تو ایسوں کے لیے ''لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ'' کے علاوہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ فرمان کافی ہے کہ:

((من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار)) (مشکوۃ، کتاب العلم)

''جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ باندھا تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے۔''

امام ذہبی رحمہ اللہ نے زیر بحث روایت کو تاریخ میں نقل کر کے یہ وضاحت بھی کر دی ہے کہ ''یہ موضوع یعنی گھڑی ہوئی ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔''

اس قسم کی روایات محض سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بدنام کرنے اور انھیں نگاہِ نبوت میں مقہور و مبغوض ظاہر کرنے کے لیے وضع کی گئی ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

((وھذا الحدیث لیس لھا اصول ولم یثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم)) (تاریخ صغیر ص ۷۰)

''یعنی ان روایات کی کوئی اصل نہیں اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی صحابی کے بارے میں اس طرح فرمان ثابت ہے۔''

محدث جلیل احمد بن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((زعم بعض الملحدة الكذبة الجهلة الاغبياء الاشقياء اخوان الضلالة والعناد والبهتان والفساد ان النبی ﷺ قال اذا رايتم معاوية على منبری فاقتلوه وان الذهبی صحح هذا الحديث وليس الامر كما زعم بل ضل وافترى لم يصححه الذهبی انما ذكره فی تاريخه ثم بين انه كذب موضوع لا اصل له)) (تطہیر الجنان ص ۲۹)

''بعض ملحدوں، جھوٹوں، جاہلوں، غبیوں، بدبختوں، فسادیوں، بہتان تراشوں، عناد اور ضلالت کے بھائیوں نے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں یہ خیال کیا کہ انھوں نے یوں فرمایا جب تم میرے منبر پر معاویہ کو دیکھو تو اسے قتل کر دو۔ اور یہ کہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ حقیقت یہ نہیں ہے جیسا کہ انھوں نے گمان کیا بلکہ انھوں نے گمراہی پھیلائی اور جھوٹ باندھا۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے اسے ہرگز صحیح قرار نہیں دیا۔ انھوں نے اسے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے پھر یہ بھی واضح کر دیا کہ یہ جھوٹی، گھڑی ہوئی ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔''

اگر بالفرض محال اسے بقول شیعہ حضور ﷺ ہی کی حدیث قرار دیا جائے تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اس ''حکم رسول'' کے مخالف گردانے جائیں گے کہ انھوں نے آپ کے ارشاد کی تعمیل کیوں نہیں کی؟ حیرت ہے کہ تمام صحابہ اور تابعین نے یہ حدیث سنی مگر کسی نے عمل نہیں کیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں ایک لشکر کا امیر مقرر کر کے شام کی طرف روانہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں ان کے بھائی حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی وفات کے بعد شام کا گورنر مقرر کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نہ صرف انھیں سابقہ پوزیشن پر بحال رکھا بلکہ کچھ دیگر علاقے بھی ان کی ماتحتی میں دے دیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی واقعہ تحکیم کے بعد اسی پوزیشن پر بحال کرتے ہوئے ان سے باقاعدہ مصالحت بھی کر لی۔

یہ ممکن ہے کہ ان تمام ادوار میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ منبر رسول پر نہ بیٹھے ہوں۔ لیکن حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے منبر رسول پر بیٹھنے کی راہ ہموار کی ان کے حق میں منصب خلافت سے دستبردار ہوئے اور ان کے ہاتھ پر اپنے چھوٹے بھائی کے ہمراہ بیعت کر لی۔

اب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا منبر رسول پر جلوہ افروز ہونا ملاحظہ فرمائیں:

((عن حميد بن عبدالرحمن انه سمع معاوية بن ابی سفيان عام الحج على المنبر فتناول قصة من شعر وكانت فی يدی حرسی فقال يا اهل المدينة اين علماءكم سمعت النبی ﷺ ينهى عن مثل هذا و يقول انما هلكت بنو اسرائيل حين اتخذ نساءهم)) (صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب بلا عنوان کتاب اللباس باب الوصل فی الشعر)

''حمید بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو جس سال انھوں نے حج کیا منبر پر بیان کرتے ہوئے سنا اور آپ نے مصنوعی بالوں کا ایک گچھا پاسبان کے ہاتھ میں سے لے کر فرمایا کہ اے اہل مدینہ تمھارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس (مصنوعی بالوں کو اپنے بالوں کے ساتھ جوڑنے) سے منع فرماتے ہوئے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ بنی اسرائیل اس وقت ہلاک ہو گئے جب ان کی عورتوں نے اس کو اختیار کیا۔''

((عن حمید بن عبدالرحمن بن عوف انه سمع معاویة بن ابی سفیان یوم عاشوراء عام حج وهو علی المنبر یقول یا اهل المدینة این علماءکم سمعت رسول الله ﷺ یقول لهذا الیوم هذا یوم عاشوراء ولم یکتب علیکم صیامه وانا صائم فمن شاء فلیصم ومن شاء فلیفطر)) (موطا امام مالک کتاب الصیام باب صیام یوم عاشوراء)

''حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حج کے سال عاشوراء کے دن منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا اے اہل مدینہ! تمھارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دن کے متعلق فرماتے ہوئے سنا کہ یہ دن عاشوراء کا ہے اس کا روزہ تم پر فرض نہیں کیا گیا اور میں روزے سے ہوں سو جس کا جی چاہے روزہ رکھے اور جس کا جی چاہے نہ رکھے۔''

صحیح بخاری اور موطا امام مالک سے یہ دو روایتیں پیش کی گئی ہیں جن میں واضح طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے منبر رسول پر کھڑے ہو کر نہ صرف خطبہ دیا بلکہ عوام سے استفسار کیا کہ تمھارے علماء کہاں ہیں؟

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما بھی ان مخاطبین میں شامل ہیں کیونکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ دستبرداری کے بعد مدینہ منورہ میں مقیم ہو گئے تھے۔ اور اگر بالفرض حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یہ خطبہ دیا گیا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ جو بقول نجفی اس حدیث کے راوی ہیں جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا تھا تو انھوں نے حکم رسول کی تعمیل کیوں نہیں کی؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما انھیں قتل کرنے کے بجائے ان کے علم وعمل اور ان کی امامت وخلافت کی تعریفیں کر رہے ہیں۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ زیر بحث روایت بہت بعد میں گھڑی گئی ہے۔

(۱۴) رسول اکرم ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جہنمی کہا ہے

دشمنان صحابہ کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے کندھے پر یزید کو اٹھائے لے جا رہے تھے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جہنمی پر جہنمی جا رہا ہے تو معلوم ہوا کہ یزید بھی جہنمی ہے اور معاویہ بھی۔

دشمنان صحابہ ہمیشہ بڑی عیاری اور مکاری کے ساتھ اس قسم کی وضعی داستانوں کو بزرگان ملت کی طرف منسوب کر کے اپنے مقصد و مشن میں کامیاب ہوتے رہے۔ یہ داستان بھی کسی یہودی، سبائی اور قرمطی نے شیخ فریدالدین گنج شکر رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر دی۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ اہل تشیع کی روایت میں ''جہنمی پر جہنمی سوار ہے'' کے الفاظ ہیں جبکہ اہل سنت کی روایت میں ''جنتی پر جہنمی سوار ہے'' کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ نے اپنے پیر و مرشد حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر رحمہ اللہ کے ملفوظات نقل کر کے انھیں ''راحت القلوب'' کے نام سے شائع کیا۔ جس میں کسی دشمن کی سازش سے یہ کہانی بھی جگہ پا گئی ملاحظہ فرمائیں:

''ایک دن آنحضرت ﷺ باجمیع صحابہ کبار رضی اللہ عنہم بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یزید پلید کو اپنے کندھے پر بٹھائے سامنے سے گزرے۔ آنحضرت ﷺ ہنسے اور فرمایا سبحان اللہ ایک دوزخی ایک بہشتی کے کندھے پر سوار ہو کر جا رہا ہے۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات سن کر کہا یا رسول اللہ! یہ تو معاویہ کا بیٹا ہے دوزخی از کجا است۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا یا علی یہ یزید بدبخت وہ ہے جو حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) اور میری تمام آل کو شہید کرے گا۔ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے تلوار نیام سے نکالی کہ ''ایشاں را بکشد'' مگر آنحضرت ﷺ مانع ہوئے کہ اے علی ایسا مت کر کہ اللہ کی تقدیر یہی فیصلہ کر چکی ہے یہ سن کر علی رضی اللہ عنہ رونے لگے اور پوچھا یا رسول اللہ! آپ اس وقت ہمارے سر پر (زندہ) ہوں گے؟ فرمایا نہیں۔ پھر پوچھا یاروں میں سے کوئی زندہ ہوگا؟ کہا نہیں۔ پھر پوچھا فاطمہ ہوں گی؟ کہا نہیں۔ پھر پوچھا یا رسول اللہ! میرے غریبوں کا ماتم کون کرے گا؟ جواب دیا میرے امتی۔ اس کے بعد علی رضی اللہ عنہ اور رسول خدا ﷺ دونوں روئے اور شہزادوں کو سینے سے لگا کر بآواز بلند کہا کہ اے غریبو! ہم نہیں جانتے اس دشت میں تمھارا کیا حال ہوگا۔''

(انتہیٰ بلفظہ راحت القلوب ص ۸۵ مطبوعہ ۱۳۰۹ھ)

اس کہانی کے ناقل ہیں سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ اور ملفوظات ہیں حضرت فرید الدین شکر گنج رحمہ اللہ کے...... اب وہ کون سا چشتی ہوگا جسے ان خرافات کی صحت میں شک ہو سکتا ہے؟ جبکہ اس

داستان و کہانی کے بے سرو پا، کذب و افتراء، الزام و بہتان اور وضعی و جعلی ہونے میں کسی شک و شبہ کی قطعاً کوئی گنجائش ہی نہیں۔ کیونکہ بالاتفاق آنحضرت ﷺ کی وفات اصح روایت کے مطابق یکم ربیع الاول ۱۱ھ میں ہوئی تھی جبکہ امیر یزید کی ولادت بعہد عثمانی ۲۶ھ میں ہوئی۔

یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ واقعہ سراسر جھوٹا ہے کسی سبائی اور مجوسی نے یہ لغو اور من گھڑت داستان ملفوظات میں شامل کر دی ہے تا کہ مسلمان بالعموم اور چشتی حضرات بالخصوص اس شخص کو دوزخی تسلیم کر لیں جس کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے یہ بشارت دی تھی کہ "اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لهم" (صحیح بخاری کتاب الجہاد) ''میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر حملہ آور ہوگا ان سب کے حق میں مغفرت ثابت ہو چکی ہے۔''

ظاہر ہے یہ بشارت آپ نے وحی الٰہی کی بنا پر دی تھی اس لیے اس کی صداقت میں کوئی شک نہیں ہے۔ اکثر کتب ملفوظات میں (جو بزرگان دین کی طرف منسوب ہیں) میں اس قسم کی بے سرو پا، لغو اور جھوٹی کہانیاں بکثرت پائی جاتی ہیں جو سبائیوں کی دسیسہ کاری کا نتیجہ ہے۔

علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((واشتهر فی العامة ان النبی ﷺ رای یزید یحمله معاویه فقال اهل الجنة یحمل اهل النار ولیس بصحیح فان یزید ولد فی خلافة عثمان کما ذکره ابن الاثیر فی الجامع)) (الناہیہ ص۳۰)

''عام لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یزید کو دیکھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اس کو اٹھائے ہوئے ہیں تو آپ نے فرمایا ایک جنتی ایک دوزخی کو اٹھائے ہوئے ہے۔ مگر یہ افسانہ غلط ہے اس لیے کہ یزید کی ولادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ہوئی ہے جیسا کہ ابن اثیر رحمہ اللہ نے الجامع میں ذکر کیا ہے۔''

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ طعن بالکل لغو، بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے۔ بلکہ خود رسول اکرم ﷺ پر افتراء اور بہتان ہے۔

(۱۵) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ گانے کے شوقین تھے

دشمنان معاویہ نے ان کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں چھوڑا جسے ہدف ملامت نہ بنایا گیا ہو اور اس پر طعن و تشنیع کی بوچھاڑ نہ کی ہو۔ سابقہ کہانیوں کی طرح ایک مزید کہانی ملاحظہ فرمائیں:

''حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ معاویہ اور عمرو بن عاص گانا گا رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ان کی آواز سنی تو فرمایا اے اللہ! تو ان دونوں کو خوب اچھی طرح فتنہ میں مبتلا کر اور انھیں اچھی طرح آگ میں جھونک۔'' (بحوالہ مذہبی داستانیں ج ۱ ص ۴۶۲)

یہ روایت جہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بدنام کرنے کے لیے گھڑی گئی ہے وہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی شدید افتراء ہے۔ اس مفتری اور روایت کی صحت پر یقین کرنے والوں کا ٹھکانا یقیناً جہنم ہوگا۔ روایت کے الفاظ خود بتا رہے ہیں کہ یہ جھوٹی اور من گھڑت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنی نوع انسان کی ہدایت اور اصلاح کے لیے مبعوث ہوئے تھے اگر بالفرض ان سے یہ غلطی ہو بھی گئی تھی تو آپ کو اصلاح کرنی چاہیے تھی۔ انھیں سمجھانا چاہیے تھا کہ اسلام میں اس کی ممانعت ہے۔ آیندہ اس کا اعادہ نہ ہو اور اس گناہ پر توبہ واستغفار کرو...... نہ کہ یہ بددعا کرنی چاہیے تھی کہ ''اے اللہ! تو ان دونوں کو خوب اچھی طرح فتنہ میں مبتلا کر اور انھیں اچھی طرح آگ میں جھونک۔''

اس کہانی کو بیان کرنے والے ''یزید بن ابی زیاد'' ہیں۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے یہ روایت اسی یزید کے تعارف اور اس کی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے نقل کی۔ یزید نے اس روایت کو سلیمان بن عمرو سے روایت کیا ہے اور ان کا تعارف کچھ اس طرح ہے کہ

''سلیمان بن عمرو نخعی، اس کی کنیت ابوداود ہے یہ اپنے دور کا مشہور کذاب ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں اس کے پاس گیا تو مجھ سے حدیث بیان کرنے لگا کہ مجھ سے یزید بن ابی حبیب نے بیان کی۔ میں نے سوال کیا آپ کی اس سے کہاں ملاقات ہوئی تھی؟ بولا اے احمق! میں بات سے قبل اس کا جواب تیار کر لیتا ہوں میری اس سے ملاقات باب الابواب یعنی آبنائے ہرمز پر ہوئی تھی۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ یحییٰ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ وضع حدیث میں مشہور زمانہ ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر کوئی کذاب نہیں گزرا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں متروک الحدیث ہے۔ قتیبہ اور اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں کذاب ہے۔ یزید بن ہارون رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس کی روایت بیان کرنا حلال نہیں۔

ابن عدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ حدیث وضع کیا کرتا تھا۔ ابن حبان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ بغداد کا باشندہ تھا۔ ظاہر میں بہت نیک تھا لیکن برملا احادیث وضع کرتا۔ حاکم لکھتے ہیں کہ یہ اپنے زہد و عبادت کے باوجود احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ حتیٰ کہ شریک بن عبداللہ نخعی جو کوفہ کا ایک شیعہ ہے وہ بھی یہ تسلیم کرتا ہے کہ ہمارے چچا کا بیٹا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولتا ہے۔'' (میزان الاعتدال ص ۲۱۶ ج ۲)

ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سلیمان تو اللہ کا ایک عذاب ہے۔ (الجرح والتعدیل ص ۱۳۲ ج ۴)

یہ حال تو اس روایت میں یزید بن ابی زیاد کے استاد کا تھا اب ان کے ہونہار شاگرد کا حال بھی ملاحظہ فرمائیں۔ کیونکہ زیر بحث روایت یزید سے آگے اس نے نقل کی ہے۔ ان حضرت کا ''اسم گرامی'' محمد بن فضیل بن غزوان ہے یہ بہت ہی مشہور شخصیت ہے۔ اور تمام کتب صحاح میں ان کی روایات موجود ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کی حدیث اچھی ہوتی ہے لیکن ہے شیعہ۔ ابوداود رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ تو آگ لگانے والا شیعہ ہے۔ ابن سعد رحمہ اللہ کہتے ہیں بعض محدثین اسے حجت نہیں سمجھتے۔ نسائی رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کی روایت میں کوئی حرج نہیں۔

حاصل کلام یہ کہ اس روایت کے دو راوی شیعہ اور ایک کذاب زمانہ۔ اس پر تمام اہل سنت کا اتفاق ہے کہ یہ روایت موضوع ہے اور اغلب گمان یہ ہے کہ سلیمان بن عمرو نے وضع کی ہوگی لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ بعد کے سبائیوں نے وضع کر کے اس بے چارے ''سنی'' کی جانب منسوب کر دی ہو لیکن ابن عدی اور امام ذہبی رحمہ اللہ کی تحریر سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اس کا مجرم یزید بن ابی زیاد کو قرار دیا ہے کیونکہ انھوں نے اس کے ترجمے میں اس روایت کا ذکر کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی اور برادر نسبتی ہیں۔ آپ نے مختلف مواقع پر انھیں اپنی دعاؤں سے نوازا۔ جن میں بعض دعائیں گزشتہ صفحات میں نقل کی جا چکی ہیں۔ آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ارشاد فرمایا:

((اللھم اجعله هادیا مهدیا واهدبه)) (جامع ترمذی باب مناقب معاویہؓ)

''اے اللہ! انھیں ہادی و مہدی بنا اور ان کے ذریعے سے دوسروں کو ہدایت کر۔''

ملا علی قاری رحمہ اللہ اس دعا کے تحت لکھتے ہیں کہ:

((ولا ارتیاب ان دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم مستجاب فمن کان هذا حاله کیف یرتاب فی حقه)) (مرقاۃ ص ۲۳۸ ج ۱۱)

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا یقیناً مستجاب ہے سو جس شخص کی یہ حالت ہو اس کے بارے میں شک کیے جانے کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے؟''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو ان کے حق میں آگ سے محفوظ رہنے کی دعائیں فرما رہے ہیں اور یہ ملعون و مردود آپ پر افتراء اور جھوٹ باندھتے ہوئے ''بددعائیں'' نقل کر رہے ہیں۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((اللهم علم معاوية الكتاب والحساب وقه العذاب)) (مسند احمد ص ۱۲۷ ج ۴)

''اے اللہ! معاویہ کو کتاب اور حساب کا علم عطا کر اور انھیں عذاب سے محفوظ فرما۔''

اس روایت کو دیگر محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ دشمنان صحابہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام کہ وہ گانے کے شوقین تھے سراسر لغو، بے بنیاد اور سبائیوں ہی کا وضع کردہ ہے۔

(۱۶) حضرت معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کے ہمراہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ سے بائیکاٹ کیا

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ایک شیعہ مصنف کا یہ الزام نقل کیا ہے کہ:

''معاویہ اپنے بیٹے یزید کو لے کر چل دیے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ نہ سنا۔'' (المنتقیٰ ص ۳۷۷)

ظاہر ہے کہ یہ الزام ایک شیعہ مصنف نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے تا کہ لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس کردار سے بھی آگاہ ہو جائیں کہ انھیں اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر محبت تھی؟ یہ کہنا تو بہت ہی مشکل ہے کہ وہ شیعہ ان پڑھ یا جاہل ہوگا کیونکہ وہ تو خیر سے ''مصنف'' ہے۔ اور ہر مصنف کے لیے کچھ نہ کچھ شرائط تو ہوتی ہی ہیں۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ شیعہ مصنف ہر شرط حتیٰ کہ شرم و حیا سے بھی مستثنیٰ ہوتا ہے۔ انھیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہوتا کہ ان کی بات حقیقت اور عقل ونقل کے خلاف سمجھی جائے گی۔ ان کا تو بس ایک ہی مقصد ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو زیادہ سے زیادہ بدنام کیا جائے تا کہ اسلام پر سے ہی اعتماد اٹھ جائے۔

معترض نے یہ نہیں بتایا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کس خطبے کے دوران میں سے اٹھ کر باہر نکل گئے تھے کیونکہ آپ کے خطبات جمعہ، عیدین اور حج و جہاد کے موقع پر ہوا کرتے تھے اور یہ بائیکاٹ یا واک آؤٹ کس خطبہ سے ہوا؟ اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہر خطبے سے اٹھ کر چلے جاتے تھے؟ ظاہر ہے کہ یہ چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے سخت موجب اہانت ہے کہ ہمیشہ دو شخص باپ بیٹا آپ کے خطبے کے دوران میں مجلس سے واک آؤٹ کرتے رہے اور آپ نے کبھی ان کی سرزنش بھی نہیں کی۔ بلکہ الٹا ایسے شخص کو اپنے ذاتی خطوط اور وحی کا کاتب بھی مقرر کر لیتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بڑے، بردبار، حلیم اور صابر تھے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ سفر و حضر میں ساتھ رہے۔ غزوۂ حنین، طائف اور تبوک میں شریک رہے۔ وفود اور مہمانوں کی خاطر مدارات اور طعام و قیام کا اہتمام کرتے رہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ انھیں حضرت وائل رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک قطعہ اراضی دینے کے لیے بھیجا۔ حضرت وائل رضی اللہ عنہ اونٹنی پر سوار تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حکم رسول کی تعمیل میں تپتی ہوئی ریت پر ننگے پاؤں طویل سفر کرتے رہے۔ یہ بات آپ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت و اطاعت کی واضح دلیل ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تو مشکل سے مشکل کام سرانجام دیے۔ خطبہ سننا تو اتنا مشکل کام نہیں تھا۔

جہاں تک شیعہ مصنف کے اس اعتراض کا تعلق ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کا ہاتھ

پڑا اور باہر چل دیے...... تو یہ صریح کذب ہے۔ اس سے بڑا جھوٹ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ یزید کی ولادت عہد عثمانی ۲۶ھ میں ہوئی۔ عہد رسالت میں تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شادی ہی نہیں کی تھی تو کسی بچے کی ولادت کا کیا سوال؟ حافظ ابوالفضل ابن ناصر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عہد رسالت میں رشتہ طلب کیا تھا مگر مفلس ہونے کی بنا پر ان کی آرزو پوری نہ ہوئی۔ آپ کی شادی خلافت فاروقی میں ہوئی اور یزید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۲۷ھ میں پیدا ہوا۔''

علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((فان یزید ولد فی خلافة عثمان کما ذکره ابن الاثیر فی الجامع)) (الناہیہ ص ۳۰)

''یزید کی ولادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ہوئی جیسا کہ ابن اثیر نے الجامع میں ذکر کیا ہے۔''

حیرت ہے کہ ایک بچہ جو پندرہ بیس سال بعد پیدا ہوتا ہے اسے شیعہ حضرات عالم ارواح سے اٹھا کر محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبے سے واک آؤٹ کرانے کے لیے کس طرح مسجد نبوی میں پہنچا دیتے ہیں۔ ان هذا من اعاجیب الزمن۔

(۱۷) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سود خوار تھے

دشمنان صحابہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک یہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ سود کھاتے تھے۔ لہٰذا وہ قرآن مجید کی ان آیات و احادیث کا (جن میں سود کی مذمت بیان ہوئی ہے) مصداق ہو کر ملعون، مغضوب اور جہنمی ہو گئے۔ (سیاست معاویہ مؤلفہ مولوی مہر حسین بخاری ص ۱۱۴، خصائل معاویہ مؤلفہ غلام حسین نجفی ص ۴۳۳)

اب ملاحظہ فرمائیں وہ روایت جس کی رو سے ''سود خواری'' کا الزام عائد کیا گیا ہے:

((حدثنا یونس قال اخبرنا ابن وهب قال اخبرنی ابن لهیعة عن عبدالله بن هبیرة السبائی عن ابی تمیم الجیشانی قال اشتری معاویة بن ابی سفیان قلادة فیها تبر و زبرجد و لؤلؤ ویاقوت بستمأة دینار فقام عبادة بن صامت حین طلع معاویة المنبر او حین صلی الظهر فقال الا ان معاویة اشتری الربوا واکله الا انه فی النار الی حلقه)) (شرح معانی الآثار، طحاوی، کتاب الصرف باب القلادة ص ۲۶۲ ج ۲)

''(بحذف اسناد) حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے ایک ہار چھ سو دینار میں خریدا جس میں سونے کے ٹکڑے، زبرجد، موتی اور یاقوت لگے ہوئے تھے جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے یا ظہر کی نماز ادا کی تو عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور کہا آگاہ ہو جاؤ معاویہ نے سود خریدا اور اسے کھایا۔ آگاہ ہو جاؤ وہ حلق تک آگ میں ہے۔''

سود کی حرمت پر پوری امت کا اجماع ہے لیکن اس کی بعض جزئیات میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے مگر اس اختلاف کی بنا پر کسی نے بھی ان پر سود کی حلت اور ان کے جہنمی ہونے کا فتویٰ صادر نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سود کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام مجمل ہیں۔ اور معاملات کی تمام جزئی صورتوں کی ان میں تصریح نہیں ہے۔ اس لیے بہت سی جزئیات میں یہ شک واقع ہو سکتا ہے کہ آیا وہ ربوا کی تعریف میں شامل ہیں یا نہیں۔ اسی بات کی طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا ہے کہ:

((ان اية الربوا من اٰخرما نزل من القران وان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبض قبل ان یبینه لنا فدعوا الربوا والریبة))

''آیت ربوا قرآن کی ان آیات میں سے ہے جو آخر زمانہ میں نازل ہوئی ہیں، اور نبی کا وصال ہو گیا قبل اس کے کہ آپ اس کے تمام احکام ہم پر واضح فرماتے لہٰذا تم اس چیز کو بھی چھوڑ دو جو یقیناً سود ہے اور اس چیز کو بھی جس میں سود کا شبہ ہو۔''

فقہائے کرام کے ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ ربوا صرف ان چھ اجناس میں ہے جن کا ذکر نبی کریم ﷺ نے فرما دیا ہے یعنی سونا، چاندی، گیہوں، جو، کھجور اور نمک۔ ان کے سوا دوسری چیزوں میں تفاضل کے ساتھ بلا قید کے ہم جنس اشیاء کا لین دین ہوسکتا ہے۔ یہ مذہب قتادہ، طاؤس، عثمان البتی، ابن عقیل حنبلی اور ظاہریہ کا ہے۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ یہ حکم ان تمام چیزوں میں جاری ہوگا جن کا لین دین وزن اور پیمانہ کے حساب سے کیا جاتا ہے۔ یہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے اور ایک روایت کی رو سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔

تیسرا گروہ کہتا ہے کہ یہ حکم سونے اور چاندی اور کھانے کی ان چیزوں کے لیے ہے جن کا لین دین پیمانہ اور وزن کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ یہ سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ اور ایک روایت اس باب میں امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ سے بھی منقول ہے۔

چوتھا گروہ کہتا ہے کہ یہ حکم مخصوص ہے ان چیزوں کے ساتھ جو غذا کے کام آتی ہیں اور ذخیرہ کرکے رکھی جاتی ہیں۔ یہ امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔

درہم و دینار کے بارے میں امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کا مذہب یہ ہے کہ ان میں علت تحریم ان کا وزن ہے۔ اور امام شافعی و امام مالک رحمہما اللہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ قیمت اس کی علت ہے۔

مذاہب کے اس اختلاف سے جزئی معاملات میں حکم تحریم کا اجرا بھی مختلف ہوگیا ہے۔ ایک چیز ایک مذہب میں سرے سے سودی جنس ہی نہیں ہے۔ اور دوسرے مذہب میں اس کا شمار سودی اجناس میں ہوتا ہے۔ ایک مذہب کے نزدیک علت تحریم کچھ ہے اور دوسرے مذہب کے نزدیک کچھ اور۔ اس لیے بعض معاملات ایک مذہب کے لحاظ سے سود کی زد میں آجاتے ہیں۔ اور دوسرے مذہب کے لحاظ سے نہیں آتے۔ لیکن یہ تمام اختلافات ان امور میں نہیں ہیں جو کتاب و سنت کے صریح احکام کی رو سے ربوا کے حکم میں داخل تھا بلکہ ان کا صرف مشتبہات سے تعلق ہے اور ایسے امور سے ہے جو حلال و حرام کی درمیانی سرحد پر واقع تھا۔ امام نووی رحمہ اللہ نے بھی شرح صحیح مسلم میں باب الربوا کے تحت اس اختلاف کا ذکر کیا ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے ایک دوسرے طریق سے حضرت معاویہ اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما کے اختلاف کو اس طرح بیان کیا ہے کہ:

''ابو الاشعث کہتے ہیں کہ ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت ایک جنگ میں تھے تو اس جنگ میں ہمیں بہت سا سونا اور چاندی ہاتھ آیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا ''ان یبیعها الناس فی

عطیاتھم" کہ لوگوں سے عطیات کے بدلے میں ان کے پاس یہ فروخت کیا جائے تو اس سے لوگوں میں جھگڑا پیدا ہو گیا۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انھیں اس سے منع کر دیا تو لوگوں نے سونا چاندی واپس کر دیا۔ اس شخص نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس کی شکایت کی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے کہا کہ لوگوں کا کیا حال ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے حدیثیں بیان کرتے ہیں اور اس میں وہ آپ پر جھوٹ باندھ رہے ہوتے ہیں۔ ہم نے وہ احادیث نہیں سنیں تو حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمایا اللہ کی قسم! ہم آپ سے احادیث بیان کریں گے "وان کرہ معاویہ" اگر چہ معاویہ ناپسند کریں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گندم گندم کے بدلے، جو جو کے بدلے، کھجوریں کھجوروں کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے برابر برابر اور دست بدست بیچے جائیں۔"

(طحاوی، باب القلادہ ص ۲۶۳ ج ۲)

امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی اپنی صحیح مسلم میں باب الربوا میں اسی طرح نقل کیا ہے۔

مذکورہ دونوں اور دیگر روایتوں میں بھی حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ نہیں پائے جاتے "الا ان معاویہ اشترٰی الربوا واکلہ الا انہ فی النار الی حلقہ"

امام طحاوی رحمہ اللہ نے ان الفاظ کو بروایت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے۔ معلوم نہیں امام موصوف کو قابل اعتراض الفاظ پر مشتمل روایت کہاں سے مل گئی؟ جبکہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی تمام مرویات نقل کی ہیں لیکن ان میں یہ روایت موجود نہیں ہے۔ راقم نے متعلقہ حصہ بار بار دیکھا لیکن اس میں "الا انہ فی النار الی حلقہ" کے الفاظ نہیں مل سکے جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اختلاف کا ذکر موجود ہے۔ (مسند احمد، جلد ۵ ص ۳۱۳ تا ۳۳۰ تحت عبادہ بن صامتؓ)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قابل اعتراض الفاظ کسی راوی کی کارستانی ہے آگے اس کی بھی نقاب کشائی ہو رہی ہے (انتظار فرمائیں)۔

جہاں تک حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی زیر بحث روایت کا تعلق ہے تو اس کے بعد امام طحاوی رحمہ اللہ خود کہتے ہیں:

((فقد یجوز ان یکون تلک القلادۃ کان فیھا من الذھب اکثر مما اشتریت بہ فکان من عبادۃ ما کان لذلک ویجوز ان یکون بیعت بنسیئۃ فانہ قد روی عن معاویۃ انہ لم یکن یری بذلک بأسا)) (شرح معانی الآثار باب القلادہ ص ۲۶۲ ج ۲)

واقعہ کی صورت خود امام طحاوی رحمہ اللہ نے بیان کی ہے کہ حضرت معاویہ اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہما کے درمیان ایک جزئی مسئلہ دست بدست کی شرط میں اختلاف پیدا ہوا۔ ورنہ نفس مسئلہ میں دونوں متفق تھے۔ یہ ہو سکتا ہے

کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو حدیث سنی ہو اس میں "یدا بید" یعنی دست بدست کی قید نہ ہو، اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وہ شرط موجود ہو۔ کیونکہ اس وقت اس مسئلے میں احادیث عام نہ ہوئی تھیں۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے علم میں یہ حدیث ہی نہیں تھی تو جہنم میں جانے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟ نیز مسئلہ کا تعلق ادھار سے تھا۔ اور یہ مسئلہ خود مختلف فیہ ہے۔

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی وضاحت کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خاموشی خود اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ اجتہادی اختلاف اسی وقت ختم ہو گیا تھا۔

اس قسم کی بعض دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اختلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا اور انھوں نے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے مسئلے کی توثیق کر دی جس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے رجوع کر لیا۔

((ثم رجع معاوية عن ذالك الى ما قاله عباده وابوالدرداء حين كتب اليه عمر بما قالاه)) (شرح المہذب ص ۳۱ ج ۱۰)

شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((حتى بلغ ذلك عمر فكتب الى معاوية ينهاه عن ذلك فرجع ......))

(اعلاء السنن ص ۲۹۱ ج ۱۴)

اس رجوع کے بعد وہ ''تہدیدی فتویٰ'' بھی خود بخود کالعدم ہو گیا۔ یہ رجوع فیصلہ فاروقی کے احترام میں اور رفع اختلاف کے لیے تھا ورنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اجتہاد اور اس کی مقبولیت کی اہمیت اپنی جگہ مسلمہ ہے۔ فقہ حنفی میں بھی اس کی صراحت ہے کہ اگر ہار میں سونا، چاندی، موتی اور یاقوت وغیرہ لگے ہوں تو اس ہار کو ایسی چیز کے بدلہ میں خریدنا جائز ہے جس کی قیمت سونے چاندی سے زائد ہوتا کہ سونے کے برابر سونا اور بقیہ اشیاء کے لیے بھی کچھ عوض بن جائے۔

((الاول ان يكون وزن الفضة المفردة ازيد من وزن الفضة التى مع غيرها وهو جائز لان مقدارها يقابلها والزائد يقابل الغير فلا يفضى الى الربوا))

(عنایہ شرح ہدایہ بر حاشیہ فتح القدیر ص ۳۷۵ ج ۵)

''اول صورت یہ ہے کہ چاندی اکیلی کا وزن اس چاندی سے زیادہ ہو جس کے ساتھ دوسری چیزیں بھی لگی ہوئی ہیں اور یہ جائز ہے کیونکہ چاندی کے بدلے میں چاندی ہو جائے گی اور زائد دیگر اشیاء کے مقابلے میں آ جائے گا۔ لہٰذا اس پر سود کا اطلاق نہیں ہوگا۔''

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس بات کی کوئی تصریح نہیں ملتی کہ اس میں سونا چھ سو دینار کے وزن

کے برابر تھا یا کم وبیش۔ اس لیے ممکن ہے کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے ہار میں لگے سونے کو چھ سو دینار سے زائد یا کم سمجھ کر اسے ربوا قرار دیا ہو اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ سوچا ہو کہ ہار کے سونے کے بدلے میں سونا اور زائد اشیاء کے مقابلے میں زائد رقم۔

اسی اصول کی تائید طحاوی کی حسب ذیل عبارت سے بھی ہوتی ہے کہ:

((انه كان لا يرى باسا ان يباع السيف المفضض بمالدراهم باكثر مما فيه تكون لفضة والسيف بالفضل)) (طحاوی ج ۲ باب القلادۃ)

''(حسن بصری رحمہ اللہ) اس خرید وفروخت میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ کوئی شخص ایسی تلوار بیچے جس پر چاندی چڑھی ہوئی ہو اور اس کے بدلے میں اسے اتنے درہم عطا کرے جو وزن میں اس سے زائد ہو۔ یہ اس لیے جائز ہے کہ چاندی کے بدلے چاندی ہو جائے اور زائد درہم تلوار کا معاوضہ بن جائے لہٰذا یہ سود نہیں ہوگا۔''

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اجتہادی اصول تسلیم کیا ہے اگرچہ مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا رد کیا ہے ملاحظہ ہو:

((اعلاء السنن ج ۱۴ ص ۲۸۸ تحت "الرد على شيخ الاسلام ابن تيميه رحمہ اللہ فى قوله بجواز بيع ما يتخذ من الفضة للتحلى متفاضلا بجعل الزائد مقابلا للصنعة" ذهب شيخ الاسلام ابن تيميه رحمہ اللہ الى جواز بيع ما يتخذ من الفضة للتحلى متفاضلا وجعل الزائد مقابلا للصنعة وقد اطال الكلام فى ادلة شيخنا العلامة الفقيه خاتمة المحققين السيد نعمان الشهير بابن الآلوسى البغدادى فى كتابه جلاء العينين فى محاكمة الاحمدين)) (اعلاء السنن ص ۲۸۸ ج ۱۴، عون المعبود شرح سنن ابی داود ص ۲۵۵ ج ۳ مطبوعہ ہند)

مگر اس کے باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت کو سلام ہے کہ انھوں نے اس باب میں بحث و مناظرہ کا دروازہ بند کرتے ہوئے حضرت ابودرداء، حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کے نقطہ نظر کو تسلیم کر کے اپنے موقف سے رجوع کر لیا۔

اس پوری تفصیل سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت ورفعت دھندلانے کے بجائے مزید روشن اور نکھر کر سامنے آتی ہے (ان كان فى القلب ايمان واسلام) یہی وجہ ہے کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت ''قبرص'' کے غزوہ میں شریک ہوئے جو سب سے پہلا بحری حملہ تھا اور جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی۔ اس غزوہ میں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ تو غازی بن کر لوٹے مگر ان کی اہلیہ سیدہ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا نے شہادت پائی۔

مزید برآں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہمیشہ معاون رہے اور انھیں دشمنوں کی سازشوں سے آگاہ کرتے رہے۔ جب عبداللہ بن سبا نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف مشتعل کیا۔ پھر اس نے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کو بھی بھڑکانا چاہا تو حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ ابن سبا کو پکڑ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے اور فرمایا "هذا والله الذی بعث علیك اباذر" (ابن اثیر، ص ۵۷ ج ۳)

اس تعاون سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اختلاف ''رجوع معاویہ'' کے بعد رفع ہو گیا تھا۔

علاوہ ازیں ''فرار من الطاعون'' کے مسئلے سے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے رجوع کیا تھا جب دوران خطبہ میں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر غلطی کی نشان دہی کی۔ بعد میں جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنی غلطی کا یقین ہوا تو عصر کی نماز کے بعد منبر سے خود اعلان فرمایا کہ میں نے تم سے ایک حدیث ذکر کی تھی گھر جا کر پتا چلا کہ حدیث اسی طرح ہے جس طرح عبادہ کہتے ہیں لہٰذا ان ہی سے استفادہ کرو کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ فقیہ ہیں۔ (ابن عساکر ص ۲۱۱ ج ۷ تحت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ)

فقہاء اور محدثین نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ابوسعید خدری، عبادہ بن صامت اور ابو درداء رضی اللہ عنہم کی روایت ''ربوا'' کے رواۃ میں بھی شمار کیا ہے۔ مبسوط سرخسی میں ہے کہ:

((مدار هذا الحدیث علی اربعة من الصحابة عمر بن الخطاب وعبادة بن صامت وابی سعید و معاویه)) (ص ۱۱۰ ج ۱۲)

اسی طحاوی کے حاشیہ پر مولانا محمد حسن سنبھلی رحمہ اللہ کا یہ اعتراف موجود ہے:

((اعلم ان حدیث الربوا مشهور عن ستة عشر من الصحابة وهم عمر و عبادة بن صامت وابو سعید و معاویة وبلال......))

علاوہ ازیں سود کے مسئلے میں ابتدائی حکم صرف یہ تھا کہ قرض کے معاملات میں جو سودی لین دین ہوتا ہے وہ قطعاً حرام ہے چنانچہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے جو حدیث مروی ہے اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ:

((انما الربوا فی النسیئة اوفی بعض الالفاظ لا ربوا الا فی النسیئة))

''یعنی سود صرف قرض کے معاملات میں ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی حدیث کی بنا پر ابتداء میں یہ فتویٰ دیا تھا کہ سود صرف قرض کے معاملات میں ہے۔ دست بدست لین دین میں نہیں ہے۔ لیکن بعد میں جب انھیں متواتر روایات سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نقد معاملات میں بھی تفاضل کو منع فرمایا ہے تو انھوں نے اپنے پہلے قول سے رجوع کر لیا۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ "رجع ابن عباس عن قوله فی الصرف وعن

قوله فی المتعة" اسی طرح حاکم نے حیان عدوی کے طریق سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بعد میں اپنے سابق فتویٰ پر توبہ و استغفار کی۔ اور نہایت سختی کے ساتھ ربوا الفضل سے منع کرنے لگے۔ مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے بھی ''رجوع ابن عباس'' سے متعلق تفصیل ذکر کی ہے۔ ملاحظہ ہو: اعلاء السنن ص ۴۴۴ ج ۱۴۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ ابتدا میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی سوائے قرض کے معاملات کے دست بدست لین دین میں کمی بیشی کو جائز سمجھتے تھے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے جب یہ روایت پیش کی تو انھوں نے رجوع کر لیا۔ یہ پوری تفصیل اسی طحاوی میں کتاب الصرف کی بالکل ابتداء میں موجود ہے۔ لیکن ان کے بارے میں کسی نے وہ فتویٰ نہیں دیا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں دیا گیا۔ اگر اتنی خطرناک بات کہنے پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بغیر تبرا کیے ہوئے برداشت کیا جا سکتا ہے تو اس سے بہت چھوٹی بات پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ناقابل برداشت کیوں ہیں؟ (حالانکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اختلاف واجتہاد سونے کے ساتھ ساتھ موتی اور جواہرات کی شمولیت کا تھا جس کے جواز کا فتویٰ فقہاء نے بھی دیا) پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی رجوع ثابت ہے۔

اب یہ معلوم کرنا باقی رہ گیا ہے کہ زیر بحث حدیث کے یہ الفاظ "الا ان معاوية اشترى الربوا واكله الا انه فى النار الى حلقه" حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے ہیں یا کسی سبائی، کذاب اور دروغ گو راوی کا اضافہ۔

اوپر یہ گزر چکا ہے کہ امام مسلم اور امام طحاوی رحمہم اللہ نے دیگر طرق سے یہ روایت بیان کی تو اس میں قابل اعتراض الفاظ موجود نہیں ہیں اور مسند احمد میں بھی حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی مرویات میں ان الفاظ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ (مسند احمد ص ۳۱۳، ۳۲۰ ج ۵، تحت حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ) جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی دروغ گو اور سبائی نے ان الفاظ کو حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے اپنے خبث باطن کا مظاہرہ کیا ہے ورنہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ اپنے قائد سردار، امیر اور امام کے بارے میں ایسے الفاظ کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ بس ایک وقتی اختلاف تھا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ''رجوع'' سے ختم ہو گیا تھا۔

مولانا محمد حسن سنبھلی رحمہ اللہ طحاوی کی زیر بحث روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

((لا يتوهم ان عباده وهو صحابى جليل نسب اكل الربوا وهى كبيرة من اكبر الكبائر الى معاوية وهو من كبائر الصحابة خيارهم وفقهاءهم مع ان الصحابة كلهم عدول مجتهدون على ما قالوا)) (شرح معانی الآثار ص ۲۶۲ ج ۲ حاشیہ)

''یہ وہم ہرگز نہ کیا جائے کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی سود جیسے اکبر الکبائر گناہ کو حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں جو خود کبار، خیار اور فقہاء صحابہ میں سے ہیں جبکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل اور مجتہد ہیں۔''

لہٰذا حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب قابل اعتراض الفاظ یقیناً کسی سبائی اور رافضی راوی کا کرشمہ ہے۔

اب زیر بحث حدیث کا سلسلہ سند ملاحظہ فرمائیں:

((حدثنا یونس قال اخبرنا ابن وهب قال اخبرنی ابن لهیعة عن عبدالله بن هبیرة السبائی عن ابی تمیم الجیشانی))

اس سلسلہ سند میں صرف ''ابن لہیعہ'' کی ذات شریف کا تعارف پیش خدمت ہے جس سے روایت کی حقیقت بخوبی واضح ہو جائے گی۔

ابن لہیعہ ۹۶ھ میں پیدا ہوا اور ۱۷۴ھ میں اس کی وفات ہوئی۔ پورا نام عبداللہ بن لہیعہ بن عقبہ حضرمی ہے۔ اس کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے۔ منصور عباسی نے ۱۵۵ھ میں اسے مصر کا قاضی مقرر کیا اور نو ماہ تک قاضی رہا۔ تیس دینار اس کی ماہانہ تنخواہ مقرر کی گئی۔ امام ابوداود، امام ابن ماجہ اور امام ترمذی رحمہم اللہ نے اس سے روایات لی ہیں۔ لیکن امام بخاری، امام مسلم اور امام نسائی رحمہم اللہ نے اس سے کوئی روایت نہیں لی۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کی روایت نقل کر کے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ امام حمیدی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں ''کان یحیی بن سعید لا یراہ شیئا'' یحیٰی بن سعید اس کو کچھ نہیں سمجھتے تھے...... ابن مدینی رحمہ اللہ ابن مہدی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ ''لا احمل عنه قلیلا ولا کثیرا'' میں ابن لہیعہ سے تھوڑی یا زیادہ احادیث لینے کو تیار نہیں ہوں...... نعیم بن حماد کہتے ہیں کہ میں نے ابن مہدی کو کہتے ہوئے سنا کہ ''لا اعتد بشیء سمعته من حدیث ابن لهیعة'' مجھے اس حدیث پر کوئی اعتبار نہیں جو ابن لہیعہ بیان کرتا ہو۔

ابن قتیبہ نے کہا کہ ''کان یقرا علیه ما لیس من حدیثه یعنی فضعف بسبب ذلك'' یعنی ابن لہیعہ کے سامنے کچھ ایسی روایات پڑھی جاتی تھیں جو اس کی روایت کردہ احادیث نہ ہوتیں۔ اسی وجہ سے ابن قتیبہ نے اس کی حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

ابن مدینی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے بشر بن سری نے کہا ''لو رایت ابن لهیعه لم تحمل عنه'' اگر تو ابن لہیعہ کو دیکھے تو اس کی کسی روایت کو مت لینا۔

ابن معین رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ''کان ضعیفا لا یتحج بحدیثه کان من شاء یقول له حدثنا'' وہ ضعیف ہے اور اس کی کسی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جا سکتی کیونکہ وہ جو چاہتا ہے کہہ دیتا ہے۔

(تہذیب التہذیب، ابن حجر عسقلانی ص ۳۷۴ ج ۵)

امام ذہبی رحمہ اللہ نے اس کی بہت سی روایات کو منکر قرار دیا ہے...... ابن حبان رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ اس سے آخر میں جن لوگوں نے روایات لی ہیں ان میں سے بہت سی خلط ملط ہیں۔ اور ضعیف راویوں کو گرا کر ثقہ رواۃ کی جانب منسوب کیا کرتا ہے اور اسی طرح موضوع روایات بھی اس کی روایات میں داخل ہو گئیں..... ابن عدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ وہ غالی شیعہ تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں احادیث وضع کرتا تھا۔

(میزان الاعتدال ص ۴۷۵ ج ۲)

حاصل کلام یہ ہے کہ ابن لہیعہ ضعیف ہے اور احادیث میں سے ضعیف رواۃ کو گرا کر ثقہ رواۃ کی طرف منسوب کرتا رہتا ہے۔ اس کی اکثر روایات منکر ہیں اس کی حدیث پر کوئی اعتبار نہیں۔ اس سے قلیل و کثیر کسی طور پر بھی کوئی روایت ذکر کرنا درست نہیں۔ اور اس کی کسی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جا سکتی۔

اس تفصیل سے واضح طور پر یہ ثابت ہو گیا ہے کہ زیر بحث روایت جس کی رو سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر سود کا الزام عائد کیا گیا ہے اور انہیں حلق تک آگ میں دکھایا گیا ہے قطعاً حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت نہیں بلکہ اسی ابن لہیعہ کی کارستانی ہے۔ جس نے یہ قابل اعتراض الفاظ خود گھڑ کر انہیں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا۔

(۱۸) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا انداز زیست کسروانہ تھا:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انھوں نے اسلامی طرز زندگی ترک کر کے کافروں کا انداز اپنا لیا تھا۔ چنانچہ ایک شیعہ پروفیسر سید محمد ذوالقرنین زیدی لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عمر کی اس درویشانہ روش اور حکمت عملی نے حضرت معاویہ کو بڑی کڑی آزمائش میں مبتلا کیا۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ جوں جوں امیر معاویہ کی گرفت حالات اور اقتدار پر مضبوط ہوتی گئی ویسے ویسے ان کی روش بدلتی گئی۔ وہ شان قیصر و کسریٰ پر للچائی ہوئی نگاہیں ڈالنے لگے۔ فلک بوس محلات ان کے ذہن کو پراگندہ کرنے لگے دولت اور اقتدار کی ہوس تیز سے تیز تر ہونے لگی۔ اب وہ ٹھاٹھ سے رہنے لگے...... اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے ان پر کسروی رنگ غالب آ گیا۔ یہاں تک کہ انھیں عرب کا کسریٰ کہا جانے لگا۔''

(حضرت امیر معاویہ تاریخ کے آئینے میں، ص ۴۱)

جناب مودودی صاحب بھی اسی نوعیت کا یہ مرثیہ پڑھتے ہیں:

''دوسری نمایاں تبدیلی یہ تھی کہ دور ملوکیت کے آغاز ہی سے بادشاہ قسم کے خلفاء نے قیصر و کسریٰ کا سا طرز زندگی اختیار کر لیا اور اس طریقے کو چھوڑ دیا جس پر نبی اور چاروں خلفائے راشدین زندگی بسر کرتے تھے...... لیکن ملوکیت کا دور شروع ہوتے ہی اس نمونے کو چھوڑ کر روم و ایران کے بادشاہوں کا نمونہ اختیار کر لیا گیا اس تبدیلی کی ابتداء حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہو چکی تھی۔'' (خلافت و ملوکیت ص ۱۶۰، ۱۶۱)

یہ اعتراض بھی ضد، تعصب، عناد اور بغض پر مبنی ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے طرز زندگی میں ایسی کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی جس کا مرثیہ مودودی صاحب نے پڑھا ہے۔ بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا طرز زندگی مودودی صاحب سے بھی بدرجہ ہا زیادہ سادہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کی بار بار پناہ چاہتا ہوں اس تقابل پر

فاین الثریا و این الثری

و این مودودی من معاویہ

ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک

مودودی صاحب کی حیثیت تو کچھ بھی نہیں تھی۔ صدارت و وزارت کا تو وہ پوری زندگی خواب ہی دیکھتے رہے۔ انھیں اپنے محلے کی چودھراہٹ بھی نہ مل سکی۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قطع نظر مذہبی رفعت و بلندی کے پینسٹھ لاکھ مربع میل پر اور حجاز مقدس سے افریقہ اور بحر روم سے بحر اوقیانوس تک پھیلی ہوئی وسیع و

عریض اسلامی ریاست کے متفق علیہ اور ہر دلعزیز خلیفہ راشد تھے۔ پھر بھی مودودی صاحب کی ایک شیروانی اور اچکن آں محترم کے سارے لباس پر بھاری تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طبیعت میں بہت تواضع اور انکساری پائی جاتی تھی۔ ایک وسیع و عریض سلطنت کی فرماں روائی نے ان کے اندر تمکنت اور غرور پیدا نہیں ہونے دیا۔ انھوں نے کم درجے کے لوگوں کو بھی کبھی نظر استخفاف سے نہیں دیکھا اور نہ کبھی اپنے اور عام مسلمانوں کے درمیان کوئی فرق وامتیاز روا رکھا...... وہ عوام کے ہجوم میں بیٹھتے، ان کی فریادیں سنتے اور ان کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے تھے۔ معمولی خچر پر سواری کرتے اور پھٹا ہوا کپڑا پہنے بازاروں میں گھومتے تھے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''یونس بن میسرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دمشق کے بازار میں دیکھا ان کے پیچھے ایک غلام ہوتا تھا، ان کی قمیص پیوند لگی ہوتی تھی اور وہ وہی قمیص پہنے دمشق کے بازاروں میں گھومتے پھرتے تھے۔''

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی کتاب الزہد کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''علی بن ابی حملہ کہتے ہیں کہ "رایت معاویة علی منبر بدمشق یخطب الناس وعلیہ ثوب مرقوع" کہ میں نے دمشق کی جامع مسجد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو منبر پر خطبے دیتے ہوئے دیکھا اس وقت انھوں نے پیوند لگے کپڑے پہن رکھے تھے...... آپ کے وزراء اور دیگر معززین حکومت آپ کے پیوند لگے کپڑے حاصل کرنا چاہتے تھے جب کبھی آپ کا کوئی وزیر پیوند لگے کپڑے پہنے ہوئے مدینہ منورہ آتا تو لوگ فوراً انھیں پہچان لیتے اور منہ مانگے پیسے دے کر انھیں خریدنے پر تیار ہو جاتے۔

دارقطنی نے محمد بن یحییٰ سے بیان کیا کہ ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ آئے اور مسجد نبوی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور قبر کے درمیان نماز پڑھی۔ ان پر ایک چادر تھی جسے پیوند لگے ہوئے تھے اور وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے لی ہوئی تھی۔ جب ابوالحسن براد نے دیکھا تو فوراً پہچان لیا کہ یہ چادر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔'' (العواصم من القواصم ص ۲۰۹)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ''کسرویت'' کا الزام اس واقعہ کی بنا پر لگایا جاتا ہے کہ:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ صوبہ شام کے دورہ پر تشریف لے گئے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کس قدر شان وشوکت کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ تو آپ نے اس کی وجہ پوچھی تو انھوں نے عرض کیا ہم ایک ایسے علاقے میں رہتے ہیں جہاں دشمن کے جاسوس بہت ہیں یہاں کے حالات کا تقاضا ہے کہ ہم دشمن کو مرعوب کرنے اور مسلمانوں کے وقار کو قائم رکھنے کے لیے ظاہری شان وشوکت سے رہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو اس عمل کو جاری رکھیں اور اگر آپ منع فرمائیں تو بند کر دیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جو اس موقع

موجود تھے فرمایا کہ دیکھیں معاویہ نے اپنے آپ کو کس قدر خوبصورتی اور حکمت کے ساتھ بچا لیا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کی ان صلاحیتوں ہی کی وجہ سے ہم نے انھیں اتنی بڑی ذمہ داری سونپ رکھی ہے۔''

(البدایہ والنہایہ ص ۱۲۵ ج ۸، استیعاب مع الاصابہ ص ۳۹۷ ج ۳)

علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جواب میں خاموش ہوگئے اور انھیں غلط کار نہیں ٹھہرایا۔ کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایسا کرنے سے وہی مقصد تھا جو مذہب کا ہے۔''

(مقدمہ ابن خلدون فصل انقلاب الخلافہ الی الملک ص ۳۶۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس خاموشی سے یہ واضح ہوتا ہے کہ انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی قیصریت اور کسرویت کو محمود قرار دیا۔ کیونکہ اس سے ان کا مقصد فی الواقع کسرویت کی پیروی نہ تھی بلکہ اس سے بھی ان کا اصل مقصد دین اسلام کی سربلندی، اللہ کی رضا اور مسلمانوں کی خدمت ہی تھی۔ اگر فی نفسہٖ اس میں کوئی قباحت ہوتی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسا سخت گیر حاکم اس پر خاموشی وسکوت اختیار نہ کرسکتا تھا...... کیونکہ انھوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جیسے جرنیل کو معزول کر دیا۔ کوفہ کے گورنر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے از عشرہ مبشرہ کو معزول کر دیا۔ عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ گورنر مصر کو بالوں کا لباس پہنا کر بکریاں چرانے پر مجبور کر دیا۔ گورنروں کے لیے ہدایات جاری کیں کہ اعلیٰ گھوڑے پر سوار نہ ہوں، باریک لباس سے احتراز کریں، چھنا ہوا آٹا استعمال نہ کریں، دربان نہ رکھیں اور اہل حاجت کے لیے دروازہ کھلا رکھیں۔ (طبری ص ۲۰۷ ج ۴)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھرے مجمع میں خطبہ دیا کہ:

''اے اللہ! تو گواہ رہنا یہ گورنر اس لیے ہیں کہ لوگوں کو قرآن سکھائیں، تیرے نبی کے طریقے کی تعلیم دیں، وظائف تقسیم کریں، انصاف کریں اور مشکل میں میری طرف رجوع کریں۔''

(محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ص ۹ ج ۲)

لوگوں سے فرمایا میں نے گورنر اس لیے نہیں بھیجے کہ وہ تمھیں ماریں پیٹیں، تم سے تمھارے مال چھینیں بلکہ میں نے انھیں اس لیے بھیجا ہے کہ تمھیں تمھارا دین سکھلائیں، تمھیں تمھارے نبی کی سنت کی تعلیم دیں، جس شخص کے ساتھ اس کے خلاف عمل کیا گیا ہو وہ مجھ سے شکایت کرے۔ رب کعبہ کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں اس گورنر سے ضرور بدلہ لوں گا۔ (کتاب الخراج، قاضی ابو یوسف ص ۹۶۰)

اس قسم کے منتظم، مدبر، محتسب اور سخت گیر خلیفہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جواب پر خاموشی اختیار کرنا دراصل ان کے طرز عمل کی تائید اور تصویب ہے۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کسرویت اور قیصریت کی پیروی کیسے کر

سکتے تھے جبکہ ان کا سارا دور امارت وخلافت ان کے خلاف جہاد میں گزرا۔ قیصر کے خلاف بھرپور جنگوں کے زمانہ میں صرف ایک پوشاک (جو فی نفسہ جائز اور مباح امور میں شامل ہے) کے استعمال سے ان پر کسروی رنگ کیسے غالب آ گیا؟ اور پھر پوشاک کا استعمال بھی ملی ضرورت کے پیش نظر کیا گیا تا کہ کفر اہل اسلام کی انتہائی سادگی کو ان کی غربت اور افلاس کی دلیل نہ بنا سکے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی اس شوکت کے اظہار میں منفرد نہیں تھے بلکہ روم اور ایران کی پرشکوہ سلطنتوں کے خلاف سردھڑ کی بازی لگانے والے سارے ہی سربراہان فوج حضرت خالد بن ولید، حضرت ابوعبیدہ بن جراح، حضرت یزید بن ابی سفیان، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم اور ان کے دوسرے رفقاء سب کے ہاں ہی اس کا اہتمام موجود تھا۔ ورنہ جہاں تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے معمول کا تعلق ہے تو (ابن کثیر اور ابن العربی رحمہ اللہ کے حوالے اوپر گزر چکے ہیں) آپ ہمیشہ کئی کئی پیوند لگا لباس پہنتے تھے اور آپ کی درویشی کا یہ نشان پورے ملک میں پہچانا جاتا تھا۔ اور بسا اوقات لوگ تبرک کے طور پر ان سے یہ لباس مانگ لیتے تھے۔

لہٰذا دشمنان صحابہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کہ انھوں نے قیصر وکسریٰ کا طرز زندگی اختیار کر لیا تھا محض تعصب، ضد اور بغض وعناد پر مبنی ہے۔

(۱۹) عہد عثمانی میں حضرت معاویہ نے اپنی طاقت، اختیارات اور دولت میں اضافہ کیا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نرم مزاجی اور کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی طاقت، اختیارات اور دولت میں خوب اضافہ کیا۔ چنانچہ سید محمد ذوالقرنین زیدی لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عثمان کی خلافت نے حضرت معاویہ کو وہ سنہری مواقع فراہم کر دیے جن کا انھیں مدتوں سے انتظار تھا..... حضرت عثمان کے عہد میں ان کے اقتدار اور دبدبہ میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ وہ شاہانہ زندگی تو حضرت عمر کے دور میں ہی شروع کر چکے تھے۔ اور اب حضرت عثمان کی نرم مزاجی اور مشفقانہ سلوک سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انھوں نے بڑے خوبصورت طریقے سے اپنے اختیارات، اپنی طاقت اور دولت میں اضافہ کرنا شروع کر دیا..... وہ حضرت عمر کے عہد میں صرف دمشق کے والی تھے۔ لیکن حضرت عثمان کے عہد میں ان کی حکومت کی حدود دمشق سے نکل کر سرحد روم تک اور الجزیرہ سے ساحل ابیض تک پھیل گئیں۔ اس طرح امیر معاویہ شام، دمشق، حمص، فلسطین، اردن اور اسرائیل کے تمام علاقوں کے والی تھے۔''

(حضرت امیر معاویہ ص ۴۹، ۵۰)

یہی اعتراض جناب مودودی صاحب بار بار دہراتے ہیں:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں صرف دمشق کی ولایت پر تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی گورنری میں دمشق، حمص، فلسطین، اردن اور لبنان کا پورا علاقہ جمع کر دیا۔''

(خلافت وملوکیت ص ۱۰۸)

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مسلسل بڑی طویل مدت تک ایک ہی صوبے کی گورنری پر مامور کیے رکھا۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں چار سال سے دمشق کی ولایت پر مامور چلے آ رہے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایلہ سے سرحد روم تک اور الجزیرہ سے ساحل بحر ابیض تک کا پورا علاقہ ان کی ولایت میں جمع کر کے اپنے پورے زمانۂ خلافت میں ان کو اسی صوبے پر برقرار رکھا۔ یہی چیز ہے جس کا خمیازہ آخر کار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھگتنا پڑا..... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس صوبے کی حکومت پر اتنی طویل مدت تک رکھے گئے کہ انھوں نے یہاں اپنی جڑیں پوری طرح جمالیں اور وہ مرکز کے قابو میں نہ رہے بلکہ مرکز ان کے رحم و کرم پر منحصر ہو گیا۔'' (حوالہ مذکور ص ۱۱۵)

یہ اعتراض انتہائی لچر قسم کا ہے۔ حیرت ہے کہ جو چیز آں محترم کی صلاحیت اور قابلیت کی دلیل تھی، اس

کو دشمنان صحابہ نے مورد طعن ٹھہرالیا۔

حقیقت یہ ہے کہ خاندان معاویہ کا شام کے ساتھ دور جاہلیت سے گہرا تعلق چلا آ رہا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دادا (حرب) کے دادا (عبد شمس) کا قیام زیادہ تک شام ہی میں رہا۔ وہ مکہ میں بہت کم قیام کرتے تھے۔ اس سے قبل ان کے دادا قصی کی پرورش بھی ان کے ننھیال بنی قضاعہ میں ہوئی تھی۔ یہ قبیلہ شام کی طرف آباد تھا۔ ان کے بیٹے اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے دادا امیہ تو دس سال تک مسلسل شام میں ٹھہرے رہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بغرض تجارت اکثر شام جایا کرتے تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی وہ شام گئے ہوئے تھے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ان اسفار میں بسا اوقات اپنے والد کے ہمراہ رہے۔ اور گھر میں بزرگوں کی زبانی بھی شام کے حالات سے گہری واقفیت حاصل کر چکے تھے۔ قبول اسلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقربین میں شامل ہو گئے۔ آپ نے انھیں کتابت وحی کے علاوہ دیگر انتظامی امور بھی سونپ رکھے تھے۔

خاندان معاویہ کی لیاقت و قابلیت اور شام کے حالات سے آگاہی کی بنا پر ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حج سے فارغ ہو کر ۱۲ھ میں مدینہ پہنچتے ہی شام کی مہم کے لیے جن خاص حضرات کو سپہ سالار بنا کر فوجوں کو روانہ کیا ان میں سب سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی حضرت یزید رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر بنا کر بھیجا۔

کان اول الامراء الذین خرجوا الی الشام۔ (طبری ص ۲۸ ج ۴)

اس کے فوراً بعد ہی انھوں نے حضرت یزید رضی اللہ عنہ کی کمک کے لیے ایک اور لشکر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ کیا۔ (البدایہ والنہایہ ص ۴ ج ۷)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دور صدیقی میں شام کے بعض علاقوں کے فتح کرنے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بڑا قابل قدر حصہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظیم صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ ابتداء میں انھوں نے اپنے بھائی کی ماتحتی میں صیدا، عرقہ اور بیروت وغیرہ شام کے ساحلی علاقوں کی مہم میں مقدمۃ الجیش کے کمانڈر کی حیثیت سے شرکت کی۔ عرقہ تمام تر ان ہی کی کوششوں سے فتح ہوا۔ اس کے علاوہ ساحلی علاقوں کے بہت سے قلعے بھی فتح کیے۔ پورا شام فتح ہو چکا تھا۔ صرف قیساریہ کا نہایت آباد اور پر رونق شہر باقی رہ گیا تھا۔ جسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زبردست جدوجہد کے بعد فتح کر کے فتح شام پر مہر ثبت کر دی۔ مولانا عبدالقیوم ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بہت سے مضبوط قلعے اور کفر کی پناہ گاہوں کو اسلام کے قدموں میں لا ڈالا۔ قیساریہ کا عظیم الشان معرکہ جس میں اسی ہزار رومی مارے گئے تھے آپ ہی کی شجاعت، تدبر اور عظیم الشان جنگی و ملکی قابلیتوں کا رہین منت ہے۔'' (تاریخ ملت حصہ سوم ص ۲۶)

حضرت یزید رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ محسوس کیا کہ روم جیسی عظیم الشان، متمدن اور بحر سیاست کی شناور طاقت و حکومت سے مقابلہ آسان نہیں۔ لہٰذا انھوں نے ان کے مقابلے کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسی عظیم و عبقری شخصیت کو ان کی جگہ شام کا گورنر مقرر کر دیا۔ جغرافیائی اعتبار سے شام کا خطہ بڑا ہی نازک اور حساس تھا چونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے داخلی معاملات و انتظامات اور رومی سیاست کے خصوصی ماہر تھے۔ اس لیے انھوں نے اپنی بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے دور فاروقی میں مسلسل چار برس تک انتہائی کامیابی و کامرانی کے ساتھ اپنے فرائض سرانجام دیے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے علاقے پر حکمران بنائے رکھا جو ایک اہم سرحد تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہاں نظم و ضبط اور انتظام حکومت کا پورا حق ادا کر دیا۔ اور لوگ ان کی سخاوت اور بردباری سے شاداں و فرحاں رہے...... اصحاب رسول میں سے بہت سے حضرات اگرچہ ان سے بہتر اور افضل تھے۔ لیکن یہ مرد آہن اپنے کمال عقل، افراط حلم، وسعت نفس اور تدبیر و رائے کی بے پناہ قوت کے اعتبار سے صحیح معنوں میں سردار اور امور جہانبانی کے لائق تھے۔ ملک شام کی بیس سالہ گورنری اور اس کے بعد بیس سالہ خلافت کے دوران میں اپنی پوری رعیت میں وہ ہر دلعزیز محبوب رہے۔'' (سیر اعلام النبلاء ص ۸۸ ج ۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعد میں حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے حمص کی گورنری پر بھی انھیں مقرر کر دیا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت شرحبیل بن حسنہ کو معزول کر کے ان کا علاقہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا۔ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شرحبیل رضی اللہ عنہ کو کسی ناراضی کے سبب معزول نہیں کیا گیا البتہ ایک مضبوط سیاسی گورنر کی ضرورت کے تحت ایسا کیا گیا۔ (الفاروق از محمد حسین ہیکل ص ۲۹۸ ج ۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر جب ملک سے باہر پہنچی تو شکست خوردہ قوموں نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ مخالف طاقتیں مملکت اسلامیہ پر ٹوٹ پڑیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے علاقے پر رومی فوجوں نے ایسی یورش کر دی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جو دوسروں کی مدد کیا کرتے تھے اس وقت خود مرکز سے امداد لینے پر مجبور ہوئے۔ چنانچہ کم و بیش دس ہزار مجاہدین کی فوج ان کی امداد کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے بھیجی گئی۔

(تاریخ طبری ص ۴۶ ج ۵)

اب معاملہ صرف دفاع کا نہ رہا بلکہ یہ سوال پیدا ہو گیا کہ دشمن کی موجودہ پوزیشن ختم کرنے کے بعد کیا ہماری جدوجہد صرف سرحدوں کی حفاظت کے انتظام تک محدود رہنی چاہیے؟ یا ایسا اقدام کرنا چاہیے کہ جس سے دشمنوں کی ہمتیں پست ہو جائیں اور وہ آیندہ اس طرح کی یورش کرنے کا تصور بھی نہ کر سکیں؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اولوالعزم کارناموں اور مدبرانہ و دلیرانہ اقدامات سے تمام سرحدوں کو

رومیوں کے قبضے سے چھین کر اسلام کو دوبارہ بطور نذرانہ پیش کیا۔ اور ہمیشہ کے لیے رومی خطرات سے ملک کو محفوظ و مامون کر دیا۔

چنانچہ آپ نے بہترین اور آزمودہ کار جرنیلوں کو فوج کی کمان سپرد کر کے مختلف مقامات پر فوج کشی کا حکم دیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود بھی ایک لشکر لے کر رومی علاقے پر چڑھائی کر دی۔ رومی لشکر خوف زدہ ہو کر انطاکیہ وطرطوس کے تمام درمیانی قلعے چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ طرابلس، شام، عموریہ، شمشاط، ملطیہ، انطاکیہ، طرطوس، ارواڈ، روڈس اور صقلیہ آپ ہی کے عہد میں حدود نصرانیت سے نکل کر اسلامی سلطنت میں داخل ہوئے۔

اب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل میں فتح قبرص کی تڑپ انگڑائیاں لے رہی تھی کہ آپ کی فطرت عالمگیر تھی۔ آپ کی ہمت عالی کا تقاضا یہ تھا کہ عرب سے نکل کر یورپ اور افریقہ وغیرہ کو اسلام کے زیر نگین کر کے اشاعت اسلام کی راہیں پیدا کی جائیں۔ لہٰذا آپ کی دور اندیشی، فراست و بصیرت کا یہ فیصلہ تھا کہ اگر اسلام کو بحیثیت ایک نظام حیات کے دنیا میں غالب کرنا اور روم کی غیر اسلامی شوکت وسطوت پارینہ کو اپنے پاؤں تلے کچلنا ہے تو اس کے لیے اسلامی بحری بیڑے کو وجود میں لانا پڑے گا۔ چنانچہ آپ نے عہد فاروقی میں ہی اس حقیقت و ادراک کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بحری بیڑے کی تیاری اور بحری جنگ کی اجازت طلب کی۔ مگر چونکہ وہ بری مہمات میں زیادہ مصروف تھے اس لیے نیا محاذ کھولنے کی اجازت نہ دی۔ پھر آپ نے عہد عثمانی میں دربار خلافت سے بحری جنگ کی باقاعدہ اجازت طلب کر لی۔

ظاہر ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسا مدبر اس اقدام کی اجازت طلب کر رہا ہے تو لامحالہ اقدام کے لوازم سے بھی بخوبی آگاہ ہو گا۔ اور پیش آنے والے ''متوقع'' خطرات کا بھی اسے پورا پورا اندازہ ہو گا۔ لہٰذا قیصر روم کی طاقت سے ٹکرانے اور تمام خطرات سے نمٹنے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نہ صرف ان کی عسکری قوت اور مالی معاونت میں اضافہ کیا بلکہ ''ایلہ سے سرحد روم تک اور الجزیرہ سے ساحل بحر ابیض تک کا پورا علاقہ ان کی ولایت میں جمع کر دیا۔''

اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طاقت، اختیارات اور ولایت میں توسیع نہ کرتے تو پھر انھیں بحری جنگ کی اجازت ہی نہ دیتے۔ اس کی مثال تو ایسی ہے کہ بحری جنگ کا ذمہ دار گورنر سندھ کو بنایا جائے اور کراچی کو اس کے حوالے نہ کیا جائے...... تو وہ کس طرح بحری جنگ لڑ سکتا ہے؟ اسی طرح دمشق تک محدود رہ کر بحری جنگ لڑی ہی نہیں جا سکتی۔

حیرت ہے کہ مودودی صاحب نے کھلی آنکھوں کس طرح یہ اعتراض داغ دیا کہ

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی گورنری میں دمشق، حمص، فلسطین، اردن اور لبنان کا پورا علاقہ جمع کر

دیا...... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایلہ سے سرحد روم تک اور الجزیرہ سے ساحل بحر ابیض تک کا پورا علاقہ ان کی ولایت میں جمع کر دیا۔'' (خلافت وملوکیت ص۱۰۸،۱۱۵)

اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مودودی صاحب کی ہمدردیاں یہودیت اور عیسائیت کے ساتھ ہیں۔ نہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بحری جنگ کی اجازت دیتے نہ ان کے اختیارات میں اضافہ کرتے اور نہ رومی مقبوضات پر اسلام کا پرچم لہرایا جاتا۔

موصوف کی خواہش تو یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو تو سرے سے کوئی ذمہ داری سونپی ہی نہ جاتی اور اگر کوئی عہدہ دینا ناگزیر ہوتا تو پھر صرف دمشق کے ایس، ایچ، او بنا دیے جاتے اور کسی سبائی کو ڈی، آئی، جی مقرر کر دیا جاتا تاکہ وہ آزادی کے ساتھ دشمنان اسلام پر یلغار نہ کر سکتے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے بحری جنگ کی اجازت دینے کے بعد بحیثیت خلیفہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی قوت اور اختیارات میں اضافہ کرنا فرض اور واجب تھا۔

علاوہ ازیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طاقت اور اختیارات میں توسیع خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش اور منشا کے مطابق ہے تو پھر یہ بات کس طرح مورد طعن و اعتراض بن سکتی ہے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد گرامی ہے:

((اول جیش من امتی یغزون البحر فقد اوجبوا))

(صحیح بخاری، کتاب الجهاد باب ما قیل فی قتال الروم)

''کہ میری امت کا سب سے پہلا لشکر جو بحری جہاد کرے گا اس پر جنت واجب ہو چکی ہے۔''

اس حدیث سے تو واضح طور پر یہ ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت شام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ امارت تھی۔ کیونکہ ان ہی کے مبارک دور میں اور ان ہی کی زیر قیادت وہ بحری غزوہ واقع ہوا جس پر آپ نے خواب اور بیداری دونوں حالتوں میں اظہار مسرت فرمایا۔

ظاہر ہے کہ جس کام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوں تو اس پر کوئی دشمن رسول ہی ناراض ہو سکتا ہے۔

(۲۰) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کنز اور ذخیرہ اندوزی کو جائز سمجھتے تھے

دشمنان صحابہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ شاہانہ زندگی بسر کرنے کے علاوہ قرآن وحدیث کے برخلاف سونے چاندی کی ذخیرہ اندوزی کے قائل تھے۔ جس کی بنا پر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف آواز بلند کی اور غریبوں کے حقوق امیروں کے قبضے سے نکلوانے کے لیے جہاد شروع کر دیا۔ (حضرت امیر معاویہ ص ۵۱ مؤلفہ سید محمد ذوالقرنین زیدی)

یہ طعن اور اعتراض بھی بالکل بے اصل اور خلاف واقعہ ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا شمار اکابر صحابہ میں ہوتا ہے۔ وہ فطری طور پر درویش منش اور سادگی پسند تھے۔ ترک دنیا اور زہد وتقویٰ ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ یہی فطری اوصاف تھے کہ انھوں نے دربار رسالت سے ''مسیح الاسلام'' کا لقب پایا۔ موصوف خود تارک الدنیا تھے۔ جمع زر کو مطلقاً (اس پر زکوۃ دی گئی ہو یا نہ دی گئی ہو) حرام جانتے تھے اور قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے استدلال کرتے تھے:

﴿وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ (التوبہ: ۳۴)

''جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انھیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیں۔''

جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ موصوف کے اس طرز استدلال کو درست نہ سمجھتے تھے۔ اور فرماتے کہ اس آیت سے قبل یہود ونصاریٰ کا ذکر ہے اس لیے اس آیت کا تعلق بھی ان سے ہے۔ اسی طرح حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ﴿وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ سے یہ مراد لیتے تھے کہ تمام کا تمام مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہیے۔ لیکن اس کے برعکس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس سے صرف زکوۃ وصدقاتِ واجبہ مراد لیتے تھے کہ ان کی ادائیگی کے بعد دولت جمع ہو جائے تو وہ حرام نہیں۔

اس اختلاف کے پیش نظر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سختی کے ساتھ نہ صرف اپنے نظریہ کی تبلیغ واشاعت کرتے بلکہ ہر اس آدمی کو طعن وتشنیع کا نشانہ بناتے جو ان کا حامی نہ ہوتا۔ ان کی سختی کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں ایک شخص کو صرف اس بات پر کہ جس نے زکوۃ ادا کر دی اس نے اپنا فرض ادا کر دیا زخمی کر دیا تھا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ سپر ان سے لے کر فرمایا ابوذر! اللہ کا خوف کرو اور اپنے ہاتھ اور اپنی زبان قابو میں رکھو۔ (طبری ص ۲۸۴ ج ۴)

ملا باقر مجلسی نے بھی اس واقعہ کا ذکر کیا ہے ملاحظہ ہو: بحار الانوار ص ۴۲۶ ج ۲۲

انھوں نے اپنا معمول یہ بنالیا کہ وہ امیروں کے پاس جاتے اور فرماتے: اے لوگو! تم فقیروں کی خبر گیری کرو۔ اور جن آیات میں جمع زر کی مذمت کی گئی ہے انھیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور عذاب آخرت سے ڈراتے تھے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی ان برملا تقریروں کا اثر یہ ہوا کہ غرباء نے امراء پر دست اندازی شروع کر دی جس سے ان کی زندگی اجیرن ہوگئی۔ اور شام جیسے مستحکم، متحد اور متفق صوبے کے امن کو اندرونی طور پر خطرہ لاحق ہوگیا۔

جب عبداللہ بن سبا کو اس اختلاف کا علم ہوا تو وہ فوراً دمشق پہنچا اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے بار بار ملاقات کر کے انھیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف مزید اکسایا۔ (ابن اثیر ص ۵۷ ج ۳) اس کے بعد ابن سبا حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے بھی وہی باتیں کی۔ تو انھوں نے اس کی باتیں سن کر فرمایا "من انت؟ اظنك والله يهوديا" تم کون ہو؟ اللہ کی قسم! تم تو یہودی معلوم ہوتے ہو۔ (حوالہ مذکور) اس نے دیکھا کہ ابودرداء رضی اللہ عنہ مجھے بھانپ گئے ہیں چنانچہ وہ وہاں سے اٹھ کر حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ بھی اس خبیث یہودی کی فطرت کو بھانپ گئے۔ لہٰذا وہ اسے پکڑ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے اور کہا کہ "هذا والله الذى بعث عليك اباذر" اللہ کی قسم! یہی وہ شخص ہے جس نے ابوذر کو برانگیختہ کر کے آپ کے پاس بھیجا تھا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعرض نہیں چاہتے تھے کیونکہ وہ ایک جلیل القدر صحابی رسول تھے۔ اور ان کا یہ نظریہ معیشت ان کے لیے تو مفید ہوسکتا تھا لیکن اسے اسلام کا نظریہ معیشت ہرگز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مگر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اپنے نظریے پر ڈٹے رہے اور اس کی نشر و اشاعت میں مصروف رہے جس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ اگر یہ جذبہ یوں ہی بڑھتا رہا تو عجب نہیں کہ شام میں کوئی فتنہ رونما ہو جائے۔ لہٰذا انھوں نے تمام صورت حال سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آگاہ کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ فتنہ نے اپنی سونڈ ہلانی شروع کر دی ہے اس لیے تم اغماض اور مصالحت سے کام لو اور ابوذر (رضی اللہ عنہ) کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ میرے پاس بھیج دو۔ (البدایہ والنہایہ ص ۱۵۵ ج ۷)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے اس نظریے کو امت میں قبولیت حاصل نہیں ہوسکی۔ کیونکہ وہ اسلام کی روح کے مطابق نہ تھا۔ اگر ذخیرہ اندوزی کو جائز سمجھنے کا الزام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر عائد ہوسکتا ہے تو اس سے جمہور صحابہ اور امت مسلمہ کیسے محفوظ رہ سکتی ہے؟

موصوف کے اس نظریہ کے پیش نظر بعض مورخین انھیں مزدک کی تحریک اور اس کے مکتب خیال سے جڑا سمجھتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے انھیں "اول اشتراكى فى الاسلام" یعنی اسلام میں سب سے پہلا کمیونسٹ قرار دیا ہے۔

(فجر الاسلام، امین احمد ص ۱۱۱۔ خیر الدین زرکلی، اعلام الرجال ص ۱۳۶ ج ۲۔ الدولۃ العربیۃ الاسلامیہ، علی حسن خربوطلی ص ۱۰۳)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کی توہین اور تنقیص اس سے زیادہ اور کیا ہوسکتی ہے کہ ان کے کسی نظریہ کو زمانہ قدیم کے کسی باطل مذہب کے نظریہ سے مستفاد اور متاثر بتایا جائے؟

اس اختلافی مسئلے میں اہل تشیع کا نظریہ بھی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے خلاف اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تائید میں ہے۔ حیرت ہے کہ پھر بھی آں محترم پر مذکورہ طعن کیا جاتا ہے شیعہ مفسر محمد بن مرتضٰی المعروف فیض کاشانی لکھتے ہیں کہ:

((لما نزلت هذه الاية وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ...... قال رسول الله ﷺ كل ما تؤدّى زكوته فليس بكنز وان تحت سبع ارضين وكل مال لا تؤدّى زكوته فهو كنز وان كان فوق الارض)) (تفسیر صافی ص۶۹۹ ج۱)

"جب یہ آیت ﴿وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ﴾ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر وہ مال جس کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی ہو وہ کنز نہیں اگرچہ وہ ساتوں زمینوں کے نیچے ہو اور ہر وہ مال جس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی گئی اگرچہ وہ زمین کے اوپر ہی کیوں نہ ہو وہ کنز میں داخل ہے۔"

ملا فتح علی کاشانی (شیعہ مفسر) لکھتے ہیں کہ:

مراد بعدم انفاق عدم زکوٰۃ است۔ یعنی زکوٰۃ نمی دہند چہ در خبر آمدہ است کہ "ما ادّى زكوٰته فليس بكنز" آنچہ زکوٰۃ آں دادہ اند گنج نیست و نیز از آنحضرت مروی است کہ "كل ما لم تؤد زكوٰته فهو كنز وان كان ظاهرا او كل ما اديت زكوٰته فليس بكنز وان كان مدفونا فى الارض۔" وابن عباس وحسن وشعبی وسدی نیز برآیند وجبائی دریں باب دعویٰ اجماع کردہ۔"

(تفسیر منہج الصادقین ص۲۶۱ ج۴)

"اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے مراد زکوٰۃ کی عدم ادائیگی ہے یعنی وہ لوگ جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔ حدیث میں آیا ہے کہ وہ مال جس کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے وہ کنز نہیں۔ نیز آپؐ سے یہ بھی مروی ہے "ہر مال جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے وہ کنز ہے اگرچہ وہ مال ظاہر ہو۔ اور ہر وہ مال جس کی زکوٰۃ ادا کی گئی ہو وہ کنز نہیں اگرچہ زمین میں دفن شدہ ہو۔ حضرت ابن عباس، حسن، شعبی اور سدی سے بھی یہی تفسیر مذکور ہے اور جبائی نے تو اس مفہوم پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔"

اس تفصیل سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ حضرت معاویہ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما کے درمیان باعث نزاع یک تفسیری اختلاف تھا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے نظریہ کو کسی نے قبول نہیں کیا۔ جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نظریہ کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد مال و دولت کا جمع کرنا کنز نہیں بالاتفاق اسلام کا نظریہ معیشت قرار دیا گیا۔ پھر اس بنیاد پر آں محترم پر مذکورہ الزام عائد کرنا سوائے خبث باطن کے اور کچھ نہیں۔

ع تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

(۲۱) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو سیاسی مخالفت کی بنا پر سزائے موت دی

دشمنان معاویہ کا یہ عجیب و غریب اعتراض ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے اختلاف کو برداشت نہ کرتے ہوئے انھیں ایک ایسے اونٹ پر سوار کر کے مدینہ روانہ کیا جس کا پالان تکلیف دہ تھا۔ (حضرت معاویہ تاریخ کے آئینے میں ص ۵۴)

روزنامہ جنگ کے جمعہ میگزین میں کسی ''حامد میر'' کا ایک مضمون ''زہر کے پیالے سے پھانسی کے پھندے تک'' شائع ہوا۔ جس میں سزائے موت کے مختلف طریقے بیان کیے گئے چنانچہ مضمون نگار لکھتے ہیں کہ:

''طلوع اسلام کے فوراً بعد سیاسی مخالفت کی بنا پر ایک صحابی کو نئے انداز میں سزائے موت دینے کا واقعہ موجود ہے۔ جن دنوں امیر معاویہ شام میں ''کاخ خضریٰ'' کی تعمیر میں مصروف تھے تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے اور امیر معاویہ سے کہا کہ اگر تم اس محل کو اپنے پیسے سے بنوا رہے ہو تو یہ فضول خرچی ہے اور اگر بیت المال سے خرچ کر رہے ہو تو خیانت ہے اس کے بعد حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے شہر کی ایک مسجد میں بھی تقریر کرتے ہوئے کہا کہ لوگو! جو کچھ ہو رہا ہے وہ اسلام کے منافی ہے۔ چنانچہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو شام سے نکال دیا گیا۔

شامی حکومت نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو ایک ایسے اونٹ پر سوار کروایا جس کی پشت پر کھردری لکڑی کا کجاوہ رکھا گیا تھا تاکہ دوران سفر میں انھیں مسلسل تکلیف ہوتی رہے۔ اونٹ کے ساتھ پانچ وحشی نسل کے غلام بھیجے گئے اور انھیں حکم دیا گیا کہ وہ شام سے مدینہ تک کا راستہ بغیر تکان کے مکمل کریں گے۔ چنانچہ مسلسل سفر اور اونٹ کی تیز رفتاری کے باعث ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی رانوں کا گوشت ادھڑ گیا۔ اور وہ بے ہوش بھی رہے۔ مدینہ پہنچتے ہی حضرت کو ان کے خاندان سمیت ''ربذہ'' کے مقام پر نظر بند کر دیا گیا۔ ''ربذہ'' ایک ویران اور بے آب و گیاہ علاقہ تھا بھوک اور پیاس کے باعث یہاں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی نے دم توڑ دیا اور بعد میں خود حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بھی چل بسے۔ سیاسی مخالفت کی بنا پر ایک صحابی کو سزائے موت دینے کا یہ واقعہ تاریخ اسلام میں منفرد حیثیت کا حامل ہے۔''

(روزنامہ جنگ راولپنڈی، جمعہ میگزین ص ۱۴۔ ۳۰ جون تا ۶ جولائی ۱۹۸۹ء)

مضمون نگار جناب حامد میر صاحب تو بلاشک وشبہ بے حیائی، ڈھٹائی اور جہالت کی تمام حدوں کو پار کر گئے تھے۔ لیکن روزنامہ جنگ کا ادارہ یقیناً اس ''علمی، تحقیقی اور منفرد'' مضمون کی اشاعت پر قابل ''مبارک باد'' ہے؟ معلوم

نہیں کہ کتنے ہی سادہ لوح مسلمان اور قارئین اس ''تبرائی'' اور ملعون مضمون سے متاثر ہوئے ہوں گے۔

اس اعتراض کو پیش نظر رکھتے ہوئے اب اصل واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

پیچھے یہ گزر چکا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ابوذر کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ میرے پاس بھیج دو۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس حکم کی تعمیل کی اور انھیں نہایت عزت و احترام کے ساتھ خدام کے ہمراہ مدینہ بھیج دیا۔ جب ابوذر رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے تو یہاں کے معاشرتی اور تہذیبی حالات میں کافی تبدیلی آ چکی تھی۔ مدینہ منورہ میں جو سادگی اور بے تکلفی عہد نبوت اور دور شیخین میں تھی اس میں بڑا فرق آ چکا تھا۔ اب یہاں شاندار عمارتیں اور مکانات بن گئے تھے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے یہ رنگ دیکھا تو بولے اے مدینہ والو! ڈرو اس لوٹ مار سے اور ضرب و حرب سے جس کا ہنگامہ یہاں برپا ہونے والا ہے پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی لیکن انھوں نے یہاں بھی ماحول اپنے لیے سازگار نہ پایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں بہت سمجھایا اور کہا کہ آپ یہاں میرے پاس رہیں آپ کو یہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی۔ اے ابوذر! آپ کے زہد و تقویٰ، نیک نیتی اور اخلاص کا ہر شخص اور خود میں بھی معترف ہوں۔ لیکن آپ لوگوں پر بے جا سختی نہ کریں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ تم لوگ بھی غنی اور تونگر لوگوں سے اس وقت تک راضی نہ ہوں جب تک وہ اپنا مال و متاع غرباء پر خرچ نہ کر دیں۔ اس موقع پر کعب الاحبار نے کہا کہ جو شخص اپنے مال میں سے زکوٰۃ ادا کر دے اس کو مال جمع کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ یہ سن کر غضب ناک ہو گئے اور کعب کو مارنا شروع کر دیا اور کہا اے یہودن کے بیٹے تو اس قسم کی باتیں کرتا ہے تیری حیثیت ہی کیا ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ حالت دیکھ کر فرمایا اے ابوذر! اللہ سے ڈرو اور اپنی زبان اور ہاتھ کو روکو۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو یہاں بھی اجنبی محسوس کرتے تھے لہٰذا انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ:

((تاذن لی فی الخروج من المدینة فان رسول الله ﷺ امرنی بالخروج منها اذا بلغ البناء سلعا))

''مجھے مدینہ سے باہر جانے کی اجازت دیجیے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے مجھے حکم دیا تھا کہ جب مدینہ کی آبادی سلع تک پہنچ جائے تو اس وقت مدینہ سے باہر چلے جانا۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا آپ کہاں جانا چاہتے ہیں؟ عرض کیا کہ ''ربذہ'' میں جو ایک چھوٹا سا سرسبز و شاداب گاؤں تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بڑی خاطر و مدارات کے ساتھ رخصت کیا اور دو غلام، کچھ اونٹنیاں اور کچھ نقدی بھی عطا کی تا کہ وہ آرام کے ساتھ ''ربذہ'' میں اپنی زندگی کے باقی ماندہ دن گزار سکیں۔

(ابن اثیر ص ۵۷ ج ۳۔ البدایہ والنہایہ ص ۱۵۵ ج ۷۔ طبقات ابن سعد ص ۲۲۷ ج ۴)

امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے ساتھیوں میں رہیں۔ ورنہ مجھے آپ کے بارے میں جاہل لوگوں کی طرف سے اندیشہ ہے۔'' (سیر اعلام النبلاء ص۵۲ ج۲)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے ربذہ میں منتقل ہو جانے کو ابن سبا اور اس کی ذریت نے خوب اچھالا۔ اور اس واقعہ کو خوب ہوا دی کہ انھیں جلاوطن کر دیا گیا۔ اس سلسلے میں اہل عراق کا ایک وفد ابوذر رضی اللہ عنہ سے ملا اور یہ کہہ کر بھڑکانے کی کوشش کی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا آپ کے ساتھ نہایت ظالمانہ سلوک ہے۔ آپ کو پہلے شام میں نہیں رہنے دیا پھر مدینہ بلا کر وہاں سے بھی باہر نکال دیا۔ لہٰذا اگر آپ حضرت عثمان کے خلاف تحریک چلائیں تو ہم ہر طرح سے آپ کا ساتھ دیں گے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا تم اس معاملہ میں دخل نہ دو اپنے حاکم کو بدنام نہ کرو۔ کیونکہ جس نے اپنے حاکم کو ذلیل کیا وہ توبہ کی قبولیت سے محروم رہا۔ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مجھے تختہ دار پر بھی لٹکا دیتے تو مجھے کوئی عذر نہ ہوتا۔ (طبقات ابن سعد ص ۲۲۸ ج۴)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نہایت صراحت کے ساتھ لکھتے ہیں کہ:

''اللہ کی قسم! حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو جلاوطن نہیں کیا تھا بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ابوذر جب مدینہ کی تعمیرات سلع تک پہنچ جائیں تو تم مدینہ چھوڑ دینا۔ ایک شخص نے حسن بصری رحمہ اللہ سے پوچھا کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو جلاوطن کیا تھا؟ انھوں نے فرمایا پناہ بخدا!! ایسا کیوں ہوتا؟'' (سیر اعلام النبلاء ص۵۲ ج۲)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کے باقی ایام ''ربذہ'' ہی میں گزارے ماہ ذی الحجہ ۳۲ھ میں انتقال سے قبل بیٹی کو وصیت کی کہ میرے انتقال کے بعد تمھیں چند آدمیوں کا ایک قافلہ جاتے ہوئے ملے گا تم اس قافلہ کو میرے انتقال کی خبر دینا۔ پھر جب وہ قافلہ میری تکفین و تدفین سے فارغ ہو کر جانے لگے تو تم میری طرف سے ان کو قسم دے کر اس بکری کو ذبح کر کے ان سب کو کھانا کھلانا۔ بیٹی نے وصیت پر عمل کیا۔ اتفاق سے یہ قافلہ جن حضرات پر مشتمل تھا ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انھیں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر ہوئی تو بے ساختہ رو پڑے اور بولے سچ فرمایا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ابوذر تنہائی کے عالم میں مرے گا اور اسی حالت میں قیامت میں اٹھایا جائے گا۔ اس کے بعد قافلے نے میّت کو غسل دیا، تکفین و تدفین کی پھر جب واپس جانے لگے تو صاحبزادی نے باپ کا پیغام پہنچا کر سب کو کھانا کھلایا۔ جب یہ قافلہ جو حج کرنے جا رہا تھا مکہ پہنچا اور وہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس حادثہ فاجعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ کو سخت صدمہ اور ملال ہوا۔ مکہ سے واپسی میں ربذہ کا راستہ اختیار کیا۔ اور وہاں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے لواحقین کو ہمراہ لے کر مدینہ پہنچے اور اپنے متعلقین کے ساتھ ہی ان سب کے قیام کا انتظام فرمایا۔'' (طبری ص ۳۰۸ ج۸)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس واقعہ کے آخر میں یہ لکھا کہ:

((وقد ارسل عثمان بن عفان الى اهله فضمهم مع اهله)) (البدایہ والنہایہ ص۱۶۵ ج۷)

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک کارندہ بھیجا تاکہ وہ مقام ربذہ سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے اہل وعیال کو ان کے پاس لے آئے۔ جب وہ لے آیا تو آپ نے ان کو بھی اپنے اہل وعیال کے ساتھ ملا لیا۔''

یہ تھی واقعہ کی اصل صورت مگر دشمنان صحابہ نے اسے کس قدر بگاڑ کر اور مسخ کر کے جہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر یہ الزام لگایا کہ انھوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو شام سے مدینہ بلا کر پھر ربذہ کی طرف جلا وطن کر دیا اور وہاں وہ تنگ دستی کے عالم میں انتقال کر گئے۔ وہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بھی انتہائی گھناؤنا اور بالکل بے بنیاد اعتراض کیا کہ انھوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو محض سیاسی مخالفت کی بنا پر ایک انوکھے اور منفرد طریقے سے موت کی سزا دی۔ لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ۔

(۲۲) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اقتدار کی طمع میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی امداد سے گریز کیا

سید محمد ذوالقرنین زیدی زیر عنوان ''حضرت معاویہ کا حضرت عثمان کی امداد سے گریز کرنا'' لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عثمان نے اس عالم تنہائی میں حضرت معاویہ کو شام میں یہ خط لکھ کر بھیجا کہ اہل مدینہ نافرمان ہوگئے ہیں اور بیعت توڑ دی ہے۔ اس لیے آپ اپنی طرف سے شام کے جنگجو سپاہی تیز رفتار سواریوں پر جلد بھیجیں۔

حضرت عثمان نے ان کی امداد میں تاخیر محسوس کی تو انھوں نے یزید بن اسد بن کرز اور دیگر اہل شام کے نام خطوط تحریر کیے۔ جن میں ان سے امداد طلب کی گئی تھی کہ اگر تم کچھ امداد بھیج سکتے ہو تو بہت جلد بھیجی جائے کیونکہ یہ لوگ بہت جلد میرا خاتمہ کرنے والے ہیں...... لیکن اس تمام تلخ حقیقت میں سب سے المناک چیز حضرت معاویہ کی مصلحت آمیز روش تھی۔ حضرت عثمان نے ان پر ان گنت احسانات کیے تھے لیکن انھوں نے اپنے محسن خلیفہ کے احسانات کا بدلہ بے مروتی اور حیلے سے دیا۔

حضرت معاویہ کا رویہ اور ان کی روش اس بات کا بین ثبوت ہے کہ وہ حضرت عثمان کی موت کے ذمہ دار تھے اور دل سے چاہتے تھے کہ ان کا جلدی خاتمہ ہو جائے تاکہ اپنے لیے راستہ ہموار کر سکے۔''

(حضرت امیر معاویہ ص ۶۳-۶۷)

اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے کوسوں دور شام میں بیٹھے محض اس لیے قتل عثمان کے ذمہ دار ٹھہرائے جا سکتے ہیں کہ انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی امداد کے لیے فوجی دستہ روانہ نہیں کیا تھا تو کیا ''شیر خدا، مشکل کشا'' حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم جو مدینہ میں موجود تھے جن کے سامنے مفسدین نے قصر خلافت کا طویل محاصرہ کیا ہوا تھا اور بالآخر ان کے خون سے اپنے ہاتھ بھی رنگین کر لیے کیوں نہیں ذمہ دار ٹھہرائے جا سکتے؟

حقیقت یہ ہے کہ نہ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس سانحہ کے ذمہ دار ہیں اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم جو مدینہ میں مقیم تھے اس واقعہ کے ذمہ دار ٹھہرائے جا سکتے ہیں۔ بلکہ یہ تمام کارروائی سبائیوں، مفسدوں اور شورش پسندوں کی ہے جنھوں نے پہلے ملک بھر میں عمال عثمانی کے مظالم کا جھوٹا پراپیگنڈا کیا اور بعد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقدس خون سے اپنے ہاتھ رنگین کیے۔

جہاں تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی امداد سے گریز کرنے کا تعلق ہے تو وہ سراپا لغو

اور بے بنیاد ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مدینہ منورہ میں انتہائی اصرار اور لجاجت کے ساتھ عرض کیا تھا کہ امیر المومنین! یہاں کی حالت انتہائی غیر اطمینان بخش ہے اس لیے آپ میرے ساتھ شام تشریف لے چلیے۔ وہاں آپ کا کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔ آپ نے فرمایا معاویہ! ساری زندگی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں گزری اب خواہ میرا سرتن سے جدا ہو جائے پھر بھی میں جوار رسول کو نہیں چھوڑوں گا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دوسری تجویز یہ پیش کی کہ میں آپ کی حفاظت کے لیے شام سے کچھ فوج بھیج دیتا ہوں...... آپ نے فرمایا معاویہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں رہنے والوں پر مدینہ رسول کو تنگ نہیں کرنا چاہتا...... سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے چلتے چلتے پھر کہا مجھے ناگہانی حادثے کا شدید خطرہ ہے...... آپ نے جواب دیا ﴿حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ﴾ (طبری ص ۳۸۲ ج ۳، ابن اثیر ص ۷۹ ج ۳، البدایہ والنہایہ ص ۱۶۹ ج ۷)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے رخصت ہو کر جب واپس تشریف لے جا رہے تھے تو راستے میں چند مہاجرین سے ان کی ملاقات ہوئی۔ جن میں حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے۔ اس وقت سامان سفر آپ کے ساتھ تھا۔ تلوار گلے میں اور کمان کندھے پر رکھی ہوئی تھی۔ ان حضرات کو سلام کر کے کمان کے سہارے کھڑے ہو گئے اور ان حضرات کو مخاطب کر کے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ باتیں کیں اور ان کی حفاظت کے متعلق بعض تجاویز دینے کے بعد کہا:

((انی قد خلفت فیکم شیخا فاستوصوا به خیرا)) (ابن اثیر ص ۷۹ ج ۳)

''میں ایک ضعیف بزرگ کو آپ کے پاس چھوڑ کر جا رہا ہوں ان کی بھلائی کا ہر ممکن خیال رکھنا۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس گفتگو کو بالفاظ ذیل نقل کیا ہے:

((وتکلم بکلام بلیغ یشتمل علی الوصاة بعثمان بن عفان والتحذیر من اسلامه الی اعدائه ثم انصرف ذاهبا)) (البدایہ والنہایہ ص ۱۶۹ ج ۷ تحت ۳۴ھ)

''ان حضرات کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس نازک مسئلے پر انتہائی بلیغ کلام کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت اور انھیں ان کے دشمنوں سے بچانے کی تاکیدات کیں اور پھر اس کے بعد سفر شام پر روانہ ہو گئے۔''

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس فتنہ اور شورش کو دبانے اور مٹانے کے لیے سب سے زیادہ سرگرم رہے۔ اور بار بار امیر المومنین سے فوجی کارروائی کی اجازت طلب کرتے رہے۔ انھیں شام منتقل ہونے کی دعوت دی اور پھر واپس جاتے ہوئے اہل مدینہ اور کبار صحابہ کو ان کی حفاظت کرنے کی تاکید کی۔ حیرت ہے کہ ایسے شخص پر قتل عثمان کی ذمہ داری ڈال دی گئی ہے۔

جہاں تک اس روایت کا ذکر ہے کہ حضرت عثمان ؓ نے حالات کے انتہائی سنگین اور ابتر ہو جانے کے بعد گورنروں اور امرائے عساکر سے امداد طلب کی لیکن حضرت معاویہ ؓ قصداً تاخیر سے کام لیتے رہے۔

اس روایت کے آخری حصہ کے لغو اور باطل ہونے میں تو کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں کہ حضرت معاویہ ؓ نے مصلحت سے کام لیا ہو بلکہ وہ تو دربار خلافت سے اجازت کے منتظر تھے تاخیر کیسے کر سکتے تھے؟

اگر یہ روایت صحیح ہے کہ حضرت عثمان ؓ نے امداد طلب کی تھی تو اسی روایت کے آخر میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ حضرت معاویہ ؓ نے تعمیل کرتے ہوئے ایک لشکر روانہ کر دیا تھا جیسا کہ امام ابن کثیر ؒ نے اسے نقل کیا ہے:

''جب حضرت عثمان ؓ نے دیکھا کہ مختلف علاقوں کے خوارج اور مفسدین نے ان کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور ان کا مسجد تک نکلنا بھی دشوار ہو گیا تو انھوں نے والی شام حضرت معاویہ ؓ، والی بصرہ حضرت عبداللہ بن عامر ؓ اور اہل کوفہ سے ان مفسدین کو مدینہ سے نکالنے کے لیے لشکر طلب کیا اس پر حضرت معاویہ ؓ نے حضرت مسلمہ بن حبیب ؓ کی قیادت میں ایک لشکر بھیجا۔ یزید بن اسد قشیری اور اہل کوفہ نے بھی دستے روانہ کیے۔ پھر جب ان مفسدین کو امدادی لشکر کی آمد کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے محاصرہ تنگ کر دیا۔ یہ لشکر ابھی مدینہ کے قریب نہیں پہنچے تھے کہ ان کے پاس حضرت عثمان ؓ کی شہادت کی خبر پہنچ گئی۔''

(البدایہ والنہایہ ص ۱۸۰ ج ۷، تحت ذکر حصر امیر المومنین عثمان ؓ ۳۵ھ)

حضرت عثمان ؓ کا اپنے گورنروں سے امدادی لشکر طلب کرنا ہی محل نظر ہے۔ اگرچہ امام ابن کثیر ؒ اور دیگر مورخین نے اسے نقل کیا ہے۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی ؒ اس امداد طلبی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''امیر المومنین نے گورنروں اور امرائے افواج کو خطوط لکھ کر ان کو صورت حال سے مطلع کیا اور امداد طلب کی۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ اس امداد کا مقصد جنگ اور قتل و قتال ہرگز نہیں تھا۔ کیونکہ امیر المومنین ایک لمحہ کے لیے بھی اس کے روادار نہیں ہو سکتے تھے کہ ان کی وجہ سے کسی ایک مسلمان کی بھی خونریزی ہو۔ بلکہ مقصد صرف یہ تھا کہ یہ سب لوگ آئیں گے تو باغی جان بچانے کی غرض سے خوف زدہ ہو کر خود بخود بھاگ جائیں گے۔'' (عثمان ذوالنورین ؓ ص ۲۵۰)

لیکن اس توجیہ میں کوئی وزن نہیں ہے اور نہ حضرت عثمان ؓ کا اس آخری مرحلے میں امداد طلب کرنا درست معلوم ہوتا ہے۔ موصوف خود گھرے ہوئے ہیں غذا اور پانی تک اندر نہیں پہنچنے دیا جاتا۔ اور خطوط شام، مصر و اور اہل کوفہ کو لکھے جا رہے ہیں جبکہ محاصرہ کرنے والوں میں بھی بصری اور کوفی شامل ہیں۔

مزید برآں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اہل مدینہ سے امداد کیوں طلب نہیں کی۔ جبکہ وہ بار بار آپ سے درخواست بھی کر رہے تھے۔ ایسے نازک اور سنگین موقع پر قریب کے رفقاء کو چھوڑ کر دور دراز کے لوگوں سے امداد طلب کرنا بجائے خود ایک معما ہے۔ اسی لیے دشمنان صحابہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل اہل مدینہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی رضامندی کے ساتھ عمل میں آیا۔

سوال یہ ہے کہ ایسے موقع پر جب امیر المومنین کی بانگ وہل توہین کی جا رہی تھی، آں محترم پر سنگ باری ہوتی رہی اور اس عصا کو بھی توڑ دیا گیا جس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرات شیخین اور خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ گیارہ سال سے استعمال کر رہے تھے..... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا کردار ادا کیا؟ کیا وہ ان باغیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے؟ کیا یہ سب کچھ "منکر" میں داخل نہیں تھا؟ کیا منکر کو ہاتھ، قوت اور زبان کے ساتھ ختم کرنے کا ابھی موقع نہیں آیا تھا؟

اس کے جواب میں یہی کہا جاتا ہے کہ انھیں امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس قسم کی کارروائی سے روک دیا تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل مدینہ بار بار اجازت طلب کرتے ہیں لیکن موصوف فرماتے ہیں کہ میں اپنی ذات کی حفاظت کے لیے قتال کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اور قتال کی اجازت طلب کرنے والوں کو قسمیں دے کر واپس کرتے رہے۔ تلوار سے قتال کی اجازت طلب کرنے والوں میں زید بن ثابت، عبداللہ بن عمر، ابوہریرہ، سلیط بن سلیط وغیرہم رضی اللہ عنہم کے اسماء مورخین اور محدثین نے ذکر کیے ہیں۔ بلکہ ایک موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت باغیوں کے ساتھ لڑنے کے لیے باہر نکلی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا پتا چلا تو "فبعث اليهم يقسم عليهم لما كفوا ايديهم وسكنوا حتى يقضى الله ما يشاء" آپ نے ان کی طرف ایک آدمی بھیجا اور انھیں قسم دیتے ہوئے کہا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھیں اور کسی سے کوئی تعرض نہ کریں اور امن وسکون سے رہیں یہاں تک کہ امر الٰہی پورا ہو۔ یہ حکم سن کر وہ سب اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب بعض صحابہ رضی اللہ عنہم مسلح ہو کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدافعت کے لیے آئے تو آپ نے انھیں مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

"اگر تم لوگ مجھ پر حق سمجھتے ہوئے میری اطاعت کرنا چاہتے ہو تو اپنی تلواروں کو نیام میں کر کے واپس چلے جاؤ۔ کیونکہ ہم قتل وقتال نہیں چاہتے۔" (التمہید والبیان فی مقتل الشہید عثمان ص ۱۱۳، از محمد بن یحییٰ بن ابی بکر اندلسی)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر عرض کیا: انصار مدینہ کی ایک جماعت دروازے پر حاضر ہے۔ اگر ارشاد ہو تو وہ جان تک کی بازی لگانے اور دوبارہ اللہ کی راہ میں اپنی تلواروں کے جوہر دکھانے کو تیار ہے۔ لیکن آپ نے فرمایا میں جنگ کی ہرگز اجازت نہیں دوں گا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے خدمت

اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا: آپ کے حامیوں اور جاں نثاروں کی ایک مضبوط اور طاقتور جماعت مدینہ طیبہ میں موجود ہے آپ مقابلے کی اجازت دیں......اسی طرح فرداً فرداً حضرت ابو ہریرہ، حضرت سعد بن ابی وقاص اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم اجازت طلب کرتے ہیں بلکہ ایک موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کی منت کی کہ ہمیں مدافعت کی اجازت دی جائے تو آپ نے فرمایا اس وقت میرا سب سے بڑا حمایتی اور مددگار وہ ہے جو میری مدافعت میں تلوار نہ اٹھائے۔ (طبقات ابن سعد ص ۶۹ ج ۳)

مشہور تابعی محمد بن سیرین رحمۃ اللہ کا بیان ہے کہ جس وقت باغیوں نے قصر خلافت کا محاصرہ کیا ہوا تھا اس وقت سات سو کے قریب صحابہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس قصر خلافت میں موجود تھے۔ امیر المومنین اگر انہیں اجازت دیتے تو وہ باغیوں کو کیفر کردار تک پہنچا دیتے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے عرض کیا امیر المومنین اس وقت قصر خلافت میں جاں نثاروں کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔ ہم وہی لوگ ہیں کہ خراسان سے افریقہ تک کوئی شخص ہماری تلواروں کی تاب نہ لا سکا۔ اگر اجازت ہو تو ان باغیوں کو ان کی شر پسندی کا مزا چکھائیں آپ نے جواب میں فرمایا اگر تم میں سے کسی ایک شخص کا بھی لڑنے کا ارادہ ہو تو میں اس کو اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ وہ میرے لیے اپنا خون نہ بہائے۔ (طبقات ابن سعد ص ۷۰ ج ۳)

ان لوگوں کے علاوہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ اور غیر آزاد کردہ غلاموں کی اتنی بڑی تعداد وہاں موجود تھی کہ اگر ان کو اجازت مل جاتی تو وہ دشمن کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کے لیے بھی یہ جواب تھا کہ اگر تم لوگ میرا حق نمک ادا کرنا چاہتے ہو تو تمام ہتھیار اتار دو اور تم میں سے جو ہتھیار اتار دے گا وہ آزاد ہے۔ (حوالہ مذکور)

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"جس شخص پر میرا کوئی حق ہے میں اسے اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں وہ اپنا ہاتھ روکے رکھے اور اپنے گھر چلا جائے۔ اور اس وقت آپ کے پاس اکابر صحابہ اور ان کے صاحبزادوں کی کثیر تعداد موجود تھی۔ اور آپ نے اپنے غلاموں سے فرمایا "من اغمد سیفه فهو حر" جس نے اپنی تلوار کو نیام میں رکھ لیا وہ آزاد ہے۔" (البدایہ والنہایہ ص ۱۸۲ ج ۷)

الغرض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی ذات کی حفاظت کی خاطر مسلمانوں کے گروہوں میں جنگ و قتال کی اجازت نہیں دی اور امت مسلمہ کو اپنی ذات کے لیے خون ریزی سے بچا لیا اور خود شہید ہو گئے۔ اہل اسلام کے حق میں خیر خواہی کا یہ جذبہ بے مثال ہے۔

اس تفصیل کی روشنی میں کیا یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے موقع پر موجود ان جاں نثاروں کی پیش کشوں کو ٹھکرا کر شام، بصرہ اور کوفہ والوں سے امداد طلب کی تھی؟ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قصداً کسی

مصلحت کے تحت امداد سے ہاتھ روک لیا تھا؟ یا قتل عثمان میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سازش کارفرما تھی؟

اور اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے گورنروں سے امداد طلب کی تھی جس کے جواب میں انھوں نے بطور امداد فوجی دستے روانہ کر دیے تھے مگر ان کے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے جس کی وجہ سے یہ فوجی دستے اپنے علاقوں کو واپس ہو گئے۔

اب سوال یہ ہے کہ فوجی دستے واپس کیوں ہوئے؟ انھیں تو مدینہ میں داخل ہو کر ان قاتلوں کو ٹھکانے لگانا چاہیے تھا ان فوجی دستوں کی آمد کا مقصد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زندگی یا موت کی اطلاع حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ خلیفہ کی حفاظت اور مفسدین کو مدینہ سے باہر نکالنا تھا۔ قتل عثمان کے بعد تو ان دستوں کی ذمہ داری میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ اگر وہ فوجی دستے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جان کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے تو کم از کم انھیں ان کی لاش کی حفاظت اور ان کی تکفین و تدفین کے عمل میں اپنا بھرپور کردار ادا کرنا چاہیے تھا۔

اگر یہی دستے اس وقت مدینہ میں داخل ہو جاتے تو تاریخ میں ''جمل اور صفین'' کا کوئی نام نہ ملتا۔۔۔۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا گورنروں سے امدادی لشکر طلب کرنے کا افسانہ بعد میں وضع کیا گیا۔ کیونکہ یہ روایت ''محمد بن سائب کلبی'' کی ہے۔ (طبری ص ۱۱۵ ج ۵) اور محدثین اور علمائے رجال کے نزدیک یہ ذات شریف انتہائی دروغ گو اور کذاب ہے۔ (میزان الاعتدال ص ۵۵۶ ج ۳)

لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام کہ انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی امداد سے گریز کیا تھا سراسر لغو، بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے۔

(۲۲) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت اور بیعت سے انکار

دشمنان معاویہ اور ان کے ایجنٹ اس اعتراض کے ذریعے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر خوب طعن و تشنیع اور تبرا کرتے ہیں چنانچہ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''یہ اس بات کا صاف نوٹس تھا کہ شام کا صوبہ نئے خلیفہ کی اطاعت کے لیے تیار نہیں ہے......اس کے صاف معنی یہ تھے کہ شام کا گورنر صرف اطاعت ہی سے منحرف نہیں ہے بلکہ اپنے صوبے کی پوری فوجی طاقت مرکزی حکومت سے لڑنے کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہے اور اس کے پیش نظر قاتلین عثمان سے نہیں بلکہ خلیفہ وقت سے خون عثمان کا بدلہ لینا ہے یہ سب کچھ اس چیز کا نتیجہ تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مسلسل ۱۶، ۱۷ سال ایک ہی صوبہ اور وہ بھی جنگی نقطہ نظر سے انتہائی اہم صوبے کی گورنری پر رکھے گئے۔ اسی وجہ سے شام خلافت راشدہ کے ایک صوبہ کی بہ نسبت ان کی ریاست زیادہ بن گیا تھا۔'' (خلافت وملوکیت ص ۱۳۴)

یقیناً حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے مسلسل سترہ سال تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جنگی نقطہ نظر سے انتہائی اہم صوبے کی گورنری پر برقرار رکھ کر جناب حضرت مودودی صاحب اور ان جیسے ہزاروں سبائیوں کے جذبات ''مجروح'' کیے ہیں۔ اگر وہ اتنے عرصہ تک گورنر نہ بنائے جاتے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے مشکلات نہ پیدا ہوتیں، عبداللہ بن سبا کو لاتیں مار کر شام بدر نہ کیا جاتا۔ کاش مودودی صاحب حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما پر کسی درجے میں اعتماد کر لیتے کہ جو کچھ انھوں نے کیا وہ درست اور صحیح فیصلہ تھا۔

موصوف جس صوبے کو جنگی نقطہ نظر سے انتہائی اہم قرار دے رہے ہیں کیا حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اس کی اہمیت سے بے خبر تھے؟ اسی اہمیت کے پیش نظر ہی تو انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے مدبر اور غیر معمولی قابلیت کے حامل شخص کا تقرر کیا تھا۔

رہا آں محترم کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت اور اطاعت نہ کرنا تو اس کی وجہ شام کی گورنری نہیں تھی بلکہ قاتلین عثمان کا رویہ تھا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کن حالات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت منعقد ہوئی تھی؟ اور کیا صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی نے بیعت سے انکار کیا تھا یا دیگر صحابہ بھی بیعت نہ کرنے میں شامل تھے؟ ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انتخاب کے موقع پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شام میں تھے۔ لیکن جو لوگ مدینہ میں موجود تھے کیا ان سب نے بیعت کر لی تھی؟ کیا اس عدم بیعت سے وہ لوگ دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے؟

معتبر روایات کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ میں جمعہ کے دن عصر کی نماز

کے وقت بحالت صوم ہوئی۔ (البدایہ والنہایہ ص۱۹۰ ج۷)

اور ہفتہ کی رات مغرب اور عشاء کے درمیان ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی پھر انھیں جنت البقیع کے قریب حش کوکب میں دفن کر دیا گیا۔ (طبقات ابن سعد ص۵۴ ج۳)

مختلف روایات کے مطابق ان کی نماز جنازہ حضرت زبیر، مروان، جبیر بن مطعم یا حکیم بن حزام نے پڑھائی۔ رضی اللہ عنہم (مسند احمد ص۷۴ ج۱ کتاب التمہید والبیان ص۱۴۲)

اس دردناک اور المناک واقعہ کے بعد ان ہی باغیوں اور سبائیوں کا سرغنہ غافقی بن حرب پانچ دن تک مسند خلافت پر فائز رہا۔ پورے شہر کا نظم ونسق اس کے احکام کے تحت چلتا رہا۔ اور یہ شخص نمازوں میں امامت کے فرائض بھی سر انجام دیتا رہا۔ ان ہی سبائیوں نے خلیفہ کے تقرر کے لیے دوڑ دھوپ شروع کر دی۔ اور حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم پر اس منصب کو قبول کرنے کے لیے زور ڈالنا شروع کر دیا۔ لیکن ان سب نے انکار کر دیا۔ پھر انھیں یہ خدشہ لاحق ہوا کہ اگر وہ اس معاملے کو طے کیے بغیر واپس چلے گئے تو وہ محفوظ نہیں رہیں گے...... چنانچہ وہ دوبارہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اس دفعہ مالک اشتر نخعی بھی ان کے ساتھ تھا اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کر لی اس کے بعد اس کے سب ساتھیوں نے بھی بیعت کر لی۔ (البدایہ والنہایہ ص۲۲۶ ج۷)

خلیفہ کے انتخاب کے لیے باغیوں کی تحریک اور اس میں ان کی حد درجہ دلچسپی کی بنا پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس منصب کے قبول کرنے سے منع کیا۔ بہر حال حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امت مسلمہ کی خیر خواہی کے پیش نظر یہ منصب قبول کر لیا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ آپ کے ہاتھ پر سب سے پہلے ان ہی لوگوں نے بیعت کی جو قتل عثمان میں پیش پیش تھے۔ بلکہ بعض صحابہ کو تلواروں کی نوک پر بھی بیعت کے لیے مجبور کیا گیا۔ باغی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو بیعت کے لیے بجبر پکڑ کر لے گئے۔ (طبری ص۴۳۵ ج۴)

لہٰذا یہ دعویٰ باطل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا انتخاب آزادانہ ماحول میں ہوا۔ اسی وجہ سے بہت سے لوگ بیعت علی سے کنارہ کش رہے۔ شام کا پورا صوبہ الگ رہا۔ مدینہ سے بھی بعض افراد بیعت سے بچنے کے لیے دوسرے علاقوں کی طرف منتقل ہو گئے۔ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ شہادت عثمان کے وقت اکثر اہل مدینہ وہاں موجود ہی نہیں تھے۔ (البدایہ والنہایہ ص۱۹۷ ج۷)

گویا بیعت علی کے وقت خود باشندگان مدینہ کی اکثریت غیر حاضر تھی۔ کوفہ، بصرہ اور مصر کے صوبوں میں بھی ایک گروہ آپ کی بیعت سے کنارہ کش رہا۔ مصر کے ایک شہر ''خربتا'' کے دس ہزار افراد نے بیعت نہیں کی۔ (طبری ص۵۵۳ ج۳)

حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے مجبوراً اور مشروط بیعت کی جسے بعد میں توڑ دیا۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیعت سے گریز کیا۔ اسامہ بن زید، ابوسعید خدری، قدامہ بن مظعون، صہیب، زید بن ثابت، محمد بن مسلمہ، حسان بن ثابت، کعب بن مالک، مسلمہ بن مخلد، سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر، نعمان بن بشیر، فضالہ بن عبید، عبداللہ بن سلام، رافع بن خدیج اور مغیرہ بن شعبہ وغیرہم رضی اللہ عنہم مشہور ہیں۔

(طبری ص ۴۵۲ ج ۳، البدایہ والنہایہ ص ۲۲۷ ج ۷)

اس فہرست سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ صرف ان ہی چند صحابہ نے بیعت سے گریز کیا تھا بلکہ مورخین نے بطور مثال یہ نام پیش کیے ہیں۔ اس لیے انھوں نے اس فہرست کے آخر میں واضح طور پر یہ لکھ دیا وغیرھم امثالھم من اکابر الصحابۃ یعنی ان جیسے دیگر اکابر صحابہ نے بھی بیعت نہیں کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بالمقابل شرکائے جمل وصفین کی تعداد سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں غیر جانب دار افراد کی بھی اچھی خاصی تعداد تھی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت اور اطاعت میں داخل نہیں تھے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((فان اکثر من المسلمین اما النصف واما اقل او اکثر لم یبایعوہ ولم یبابعوا سعد بن ابی وقاص ولا ابن عمر ولا غیرھما)) (منہاج السنہ ص ۲۳۷ ج ۲)

''مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد نصف یا اس سے کم یا زیادہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی اور سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر، اور نہ ان کے علاوہ کئی دوسرے صحابہ نے بیعت کی۔''

مودودی صاحب نے بھی مجبوراً اس قدر تسلیم کیا ہے کہ:

''صحابہ میں سے ۱۷ یا ۲۰ ایسے بزرگ تھے جنھوں نے بیعت نہیں کی...... بعض اکابر صحابہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے الگ رہنا یہ طرزِ عمل اگرچہ ان بزرگوں نے انتہائی نیک نیتی کے ساتھ فتنے سے بچنے کی خاطر اختیار فرمایا تھا وہ بہرحال امت کے نہایت بااثر لوگ تھے۔ ان میں سے ہر ایک ایسا تھا جس پر ہزاروں مسلمانوں کو اعتماد تھا۔ ان کی علیحدگی نے دلوں میں شک ڈال دیے۔'' (خلافت وملوکیت ص ۱۲۲، ۱۲۳)

بیعت نہ کرنے والے صحابہ کی تعداد کو بہت کم ظاہر کرنے کے لیے مودودی صاحب نے اپنی مخصوص اور متعصبانہ ذہنیت کے پیش نظر یہ لکھا ہے کہ وہ ۱۷ یا ۲۰ تھے۔ لیکن اگلے ہی صفحہ پر بادلِ نخواستہ یہ لکھ دیا کہ وہ ایسے بااثر تھے کہ ان میں سے ہر ایک پر ہزاروں لوگوں کو اعتماد تھا۔ گویا کہ بقول مودودی صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ ہزاروں مسلمانوں کی حمایت سے محروم ہو گئے۔ ایسا کیوں ہوا؟ ان کی وجہ بھی خود ان ہی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے میں ان لوگوں کی شرکت تھی جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش برپا

کرنے کے لیے باہر سے آئے ہوئے تھے ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جنھوں نے بالفعل جرم قتل کا ارتکاب کیا تھا اور وہ بھی جو قتل کے محرک اور اس میں اعانت کے مرتکب ہوئے تھے۔ اور ویسے مجموعی طور پر اس فساد کی ذمہ داری ان سب پر عائد ہوتی تھی۔ خلافت کے کام میں ان کی شرکت ایک بہت بڑے فتنے کی موجب بن گئی۔'' (خلافت وملوکیت ص۱۲۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت اور امور خلافت میں قاتلین عثمان کی شمولیت اور دخل اندازی ہی کی وجہ سے اکابر صحابہ نے بیعت سے گریز کیا۔ اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تنہا نہیں تھے جنھیں سب سے زیادہ مطعون کیا جاتا ہے۔

علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ ان واقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''شہادت عثمان کے زمانے میں مسلمان مختلف شہروں میں بکھرے ہوئے تھے۔ اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کے وقت موجود نہ تھے۔ لیکن جو صحابہ موجود تھے ان میں سے کسی نے تو بیعت کر لی تھی اور کوئی غیر جانب دار تھا۔ اور صحابہ کے اجتماع کے بعد ان کا کسی امام پر متفق ہونے کا منتظر تھا۔ جیسے سعد، سعید، ابن عمر، اسامہ بن زید، مغیرہ بن شعبہ، عبداللہ بن سلام، قدامہ بن مظعون، ابوسعید خدری، کعب بن مالک، نعمان بن بشیر، حسان بن ثابت، مسلمہ بن مخلد، فضالہ بن عبید وغیرہم رضی اللہ عنہم جو صحابہ غیر موجود تھے وہ بھی انتقام عثمان لینے سے پہلے بیعت پر راضی نہ تھے اور خلافت کا مسئلہ یوں ہی چھوڑے ہوئے تھے جب تک مسلمانوں کے اجتماع میں باہمی مشورہ سے کوئی امام مقرر نہ کیا جائے۔ ان کا گمان تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ انتقام عثمان کے بارے میں خاموشی اختیار فرما کر نرمی برت رہے ہیں۔ معاذ اللہ صحابہ کو یہ گمان نہ تھا کہ خدانخواستہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قتل عثمان میں شریک ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد صحابہ میں اختلاف پیدا ہوتا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے میں ان کی بیعت منعقد ہو چکی تھی اس کے برعکس بعض لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت ناتمام اور غیر صحیح ہے۔ کیونکہ ان کے ارباب حل وعقد مختلف شہروں میں بکھر جانے کی وجہ سے موجود نہ تھے۔ جس قدر موجود تھے وہ تھوڑے سے تھے اور مسئلہ بیعت اسی وقت صحیح ہوتا ہے جب اس پر تمام ارباب حل وعقد کا اتفاق ہو جائے۔ غیر ارباب حل وعقد کی موجودگی میں یا بعض کی موجودگی میں کسی کی بیعت سے دوسروں کو تسلیم کرنا واجب نہیں۔ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم بے داغ اور بری ہیں۔ اگر تم نگاہِ انصاف سے دیکھو تو تمھیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اور آپ کے بعد صحابہ میں جو اختلاف پیدا ہوئے ان میں صحابہ کو مجبور ہی ماننا پڑے گا۔''

(مقدمہ ابن خلدون اردو ص۳۳، ۳۴ ج۲ نفیس اکیڈمی کراچی)

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اگرچہ منعقد ہو گئی تھی لیکن اس کی

مسلمانوں کا اتفاق نہ ہو سکا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ جن دیگر صحابہ اور تابعین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی انھیں آپ کی ذات سے کوئی اختلاف نہیں تھا۔ وہ صرف خون عثمان کے قصاص کے خواہاں تھے۔ بدقسمتی سے یہی قاتلین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت میں پیش پیش تھے۔

جب وہ دیکھتے کہ وہی مالک اشتر نخعی، وہی عبداللہ بن سبا، وہی محمد بن ابی بکر، وہی کنانہ بن بشر اور وہی غافقی بن حرب وغیرہم جو کل تک قاتلین عثمان میں سے تھے۔ آج حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقربین اور اصحاب شوریٰ میں سے ہیں (جنھوں نے آگے چل کر سپہ سالاری اور گورنری کے عہدے حاصل کیے) تو ان سے قاتلین کی دربارِ خلافت سے یہ حوصلہ افزائی اور پذیرائی برداشت نہیں ہوتی تھی۔

یہی وجہ ہے کہ جن صحابہ نے ابتدا میں مشروط بیعت کی تھی وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر باقاعدہ قصاص کا مطالبہ کرتے رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہی جواب تھا "انی لست اجهل ما تعلمون ولكن كيف اصنع بقوم يملكوننا ولا نملكهم" جس چیز کو آپ جانتے ہیں میں بھی اس سے بے خبر نہیں ہوں لیکن میں اس قوم سے کیسے نمٹ سکتا ہوں جس کو ہم پر قابو ہے اور ہمیں اس پر قابو نہیں۔"

(ابن اثیر ص۱۰۰ ج ۳)

لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بحیثیت ایک خلیفہ یہ عذر انتہائی کمزور تھا اور وہ صرف قصاص چاہتے تھے۔ ان حضرات کے مطالبہ قصاص سے ہی یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ انھیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بن جانے پر قطعاً کوئی اعتراض نہیں تھا۔ اگر انھیں اعتراض ہوتا تو پھر ان سے قصاص کا مطالبہ ہی کیوں کرتے؟ وہ تو صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صفوں سے قاتلین کی علیحدگی اور انعقاد خلافت میں ارباب حل وعقد کا اتفاق چاہتے تھے۔

اس بحث کا مقصد صرف وہ حالات پیش کرنے ہیں جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بطور خلیفہ انتخاب ہوا تھا اور جن کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر عدم بیعت واطاعت کا اعتراض کیا جاتا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ العیاذ باللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت منعقد نہیں ہوئی۔ ان کی خلافت بالکل اسی طرح برحق ہے جس طرح اس سے پہلے حضرات ثلاثہ کی خلافت تھی۔ بعد کے مسلمانوں کو اس سے اختلاف کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اس وقت موجود صحابہ کو بھی اس سے اختلاف کا حق نہیں تھا۔ وہ بلاشبہ صاحب رائے تھے۔ تمام حالات ان کے سامنے پیش آئے۔ لہٰذا انھوں نے طریق انتخاب سے اور وہ بھی قاتلین عثمان کی شمولیت کی وجہ سے اختلاف کیا اور اس کا انھیں پورا پورا حق حاصل تھا۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت ہنگامی حالات میں منعقد ہوئی تھی۔

صحابہ اور ارباب حل وعقد غیر موجود تھے اور بیعت میں بھی قاتلین عثمان نے جبر واکراہ سے کام لیا تھا۔ لہٰذا عدم مبایعین پر طعن وتشنیع اور الزام تراشی ضد اور تعصب پر مبنی ہے۔

تعجب ہے کہ ان حقائق کی موجودگی میں سپاہ صحابہ کے سرپرست اعلیٰ مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی رحمہ اللہ نے یہ کیسے لکھ دیا کہ:

''مدینہ منورہ کے تمام ارباب حل وعقد نے باہمی مشاورت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت میں تمام اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ کچھ لوگوں کا اصرار تھا کہ خلافت کے بعد سب سے پہلا کام قاتلین عثمان سے انتقام ہونا چاہیے۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلافت کے استحکام پر انتقام کو موقوف کر دیا۔'' (خلافت وحکومت ص ۱۴۰)

موصوف کا یہ تبصرہ بالکل خلاف حقیقت ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ عدم استحکام بیعت نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوا تھا یا عدم قصاص کی وجہ سے؟ امور خلافت میں قاتلین عثمان کی شمولیت ہی کی وجہ سے خلافت کو عدم استحکام لاحق ہوا تھا۔ اگر قصاص کو ترجیح دی جاتی اور اسے موقوف نہ کیا جاتا تو جمل وصفین کا تاریخ میں کہیں نام ونشان نہ ملتا۔ فریقین کے مابین نزاعی مسئلہ ''قصاص عثمان'' کا تھا۔ خلافت کو خطرہ صحابہ سے نہیں بلکہ قاتلین عثمان سے تھا۔ جو پہلے بھی خلافت کا تقدس بری طرح پامال کر چکے تھے۔

ارباب حل وعقد کو مسئلہ خلافت میں باہمی مشاورت کا موقع ہی کب ملا تھا؟ اور پھر مدینہ میں ان کی تعداد کتنی تھی؟ کیا طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما ارباب حل وعقد میں سے نہیں تھے؟ کیا ارباب حل وعقد کو بھی تلوار کی نوک پر مجبور کیا جاتا ہے؟ کیا قاتلین عثمان ارباب حل وعقد میں سے تھے؟

جناب فاروقی صاحب کا یہ لکھنا کہ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت میں تمام اکابر صحابہ شامل تھے'' تو جن صحابہ کے نام عدم مبایعین میں شامل ہیں۔ کیا ان کا شمار ''اکابر صحابہ'' میں نہیں ہوتا؟ لہٰذا فاروقی صاحب کا یہ تبصرہ حقائق سے چشم پوشی کے مترادف ہے۔

(۲۴) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مطالبہ قصاص کا حق حاصل نہیں تھا

آں موصوف پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ خونِ عثمان کے قصاص کے مطالبہ کا حق شرعاً مقتول کے بیٹوں کو حاصل تھا نہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو۔

جناب مودودی صاحب نے اپنی مخصوص ذہنیت کے پیش نظر اس اعتراض میں خوب رنگ بھرے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

"اس (حضرت عائشہ، حضرت زبیر، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم) سے بدرجہا زیادہ غیر آئینی طرزِ عمل دوسرے فریق یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تھا۔ جو معاویہ بن ابی سفیان کی حیثیت سے نہیں بلکہ شام کے گورنر کی حیثیت سے خونِ عثمان کا بدلہ لینے کے لیے اٹھے۔ مرکزی حکومت کی اطاعت سے انکار کیا۔ گورنری کی طاقت اپنے اس مقصد کے لیے استعمال کی۔ اور مطالبہ بھی یہ نہیں کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قاتلین عثمان کو مقدمہ چلا کر انھیں سزا دیں۔ بلکہ یہ کیا کہ وہ قاتلین عثمان کو ان کے حوالے کر دیں۔ تاکہ وہ خود انھیں قتل کر دیں۔ یہ سب کچھ دورِ اسلامی کی نظامی حکومت کے بجائے زمانہ قبل اسلام کی قبائلی بدنظمی سے اشبہ ہے۔ خونِ عثمان کے مطالبے کا حق اول تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بجائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شرعی وارثوں کو پہنچتا تھا تاہم اگر رشتہ داری کی بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس مطالبہ کے مجاز ہو بھی سکتے تھے تو اپنی ذاتی حیثیت میں نہ کہ شام کے گورنر کی حیثیت میں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا رشتہ جو کچھ بھی تھا معاویہ بن ابی سفیان سے تھا۔ شام کی گورنری ان کی رشتہ دار نہ تھی۔" (خلافت وملوکیت ص ۱۲۵، ۱۲۶)

موصوف نے اپنے خبث باطن کی وجہ سے اس عبارت میں جو زہر گھولا ہے اسے برداشت کرنے کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسی حوصلہ مندی اور بردباری درکار ہے۔ ورنہ ایسے لوگ غافقی بن حرب، حکیم بن جبلہ اور اشتر نخعی جیسے سلوک کے مستحق تھے۔

اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مطالبہ قصاص کا حق حاصل نہ ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی بے کسی، بے بسی، کمزوری اور مجبوری ظاہر کرنے کے بجائے ابتداء ہی میں اس معاملے کو یہ کہہ کر ختم کر دیتے کہ آپ کو شرعاً مطالبہ قصاص کا حق حاصل ہی نہیں ہے اس کا حق تو مقتول کے شرعی وارثوں کو ہے۔ افسوس ہے کہ جو شرعی نکتہ اس وقت "باب علم" حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہیں سوجھا وہ چودہ سو سال بعد مودودی صاحب جیسے "مفکر اسلام" کو سوجھ گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تو یہ نکتہ سب سے پہلے حضرت زبیر، حضرت طلحہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کے موقف کے جواب میں اٹھانا چاہیے تھا۔ پھر جب حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے مکہ جانے سے پہلے حضرت علی

رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ہم نے آپ کے ہاتھ پر صرف اس لیے بیعت کی ہے کہ آپ قاتلین عثمان سے انتقام لیں گے۔ ہم یاد دہانی کے لیے ایک مرتبہ پھر حاضر ہوئے ہیں۔ تو اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس اس ''زریں نکتے'' کو اٹھانے کا سنہری موقع تھا کہ آپ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کیا رشتہ ہے؟ مقتول کے شرعی وارثوں کو میرے پاس آنا چاہیے تھا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بقول مودودی صاحب یہ جواب دیا:

''بھائیو جو کچھ آپ جانتے ہیں اس سے میں بھی بے خبر نہیں ہوں مگر ان لوگوں کو کیسے پکڑوں جو اس وقت ہم پر قابو یافتہ ہیں نہ کہ ہم ان پر۔ خدا کی قسم! میں بھی وہی خیال رکھتا ہوں جو آپ کا ہے۔ ذرا حالات سکون پر آنے دیجیے تا کہ لوگوں کے حواس برجا ہو جائیں، خیالات کی پراگندگی دور ہو اور حقوق حاصل کرنا ممکن ہو جائے۔'' (خلافت وملوکیت ص ۱۲۷، ۱۲۸)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ وضاحت خود مودودی صاحب کا مسکت جواب ہے۔ موصوف کو یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل ایک عام شخص اور فرد واحد کا قتل ہے۔ جس کے مطالبہ قصاص کا حق مقتول کے شرعی وارثوں کو ہے۔ یہ غلط فہمی نہیں بلکہ ''کج فہمی و غلط اندیشی'' ہے۔ اور ''خود فریبی'' نہیں بلکہ ''فریب دہی'' ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین تھے۔ اور خلیفہ عام رعایا کا ولی ہوتا ہے۔ لہٰذا خون عثمان کے قصاص کا مطالبہ مملکت کا ہر فرد اور ہر مسلمان کر سکتا ہے۔ ورنہ پھر کسی خلیفہ یا حاکم کا خون محفوظ نہیں رہے گا۔ اسی لیے اس وقت مسلمانوں نے قصاص کی آواز بلند کی۔ حجاز، مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ اور شام سب علاقوں سے یہ صدا گونجنے لگی کہ ان قاتلین کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ اس سے بڑھ کر اس بات کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بجا طور پر خون عثمان کے مطالبے کے حق دار تھے۔

مودودی صاحب بتکرار یہ لکھتے ہیں کہ اگر بالفرض ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رشتہ داری کی بنا پر اس مطالبے کے مجاز بھی ہو سکتے تھے تو اپنی ذاتی حیثیت میں نہ کہ شام کے گورنر کی حیثیت میں'' ......

اجی حضرت! جب پوری مملکت میں مطالبہ قصاص کی آواز گونج رہی تھی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بحیثیت گورنر بھی اس عوامی آواز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وجہ جواز پوری طرح موجود تھی۔ مگر پھر بھی انھوں نے بحیثیت گورنر یہ مطالبہ ہرگز نہیں کیا وہ پر امن طریقے سے خود بھی اور وفود کے ذریعے سے بھی مطالبہ قصاص کرتے رہے تا آنکہ انھیں اپنے دفاع میں تلوار اٹھانے پر مجبور کر دیا گیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو وہ شخص تھے کہ جن کی محض ''افواہِ قتل'' پر قصاص کی خاطر خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو مہاجرین و انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کو داؤ پر لگا دینے کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ اس ''بیعت رضوان'' میں ایک واضح اشارہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون اتنا ارزاں نہیں کہ جب وہ بہے تو لوگ خاموش بیٹھے رہیں کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل نہ صرف ایک مسلمان کا، ایک صحابی کا بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سربراہ اور خلیفہ راشد کا

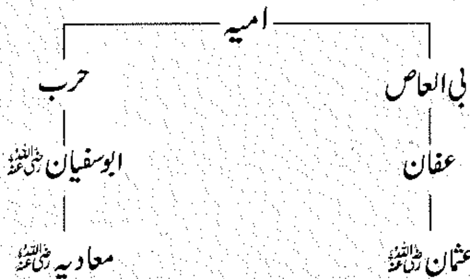
قتل ہے بغیر کسی وجہ کے قتل ہے۔ مرکز اسلام مدینہ منورہ میں روضۂ رسول کے سایہ میں قتل ہے قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے ایک روزہ دار کا قتل ہے۔

مزید برآں اس سانحہ فاجعہ سے نہ صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ذاتی بے حرمتی ہوئی بلکہ ایک امام اور منصب خلافت کی بھی بے حرمتی ہوئی۔ جس کا سارا دبدبہ وجلال خاک میں ملا دیا گیا۔ ان وجوہات کی بنا پر خون عثمان کے قصاص کی اہمیت کس قدر زیادہ ہو جاتی ہے؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اسی خون عثمان کے قصاص کا مطالبہ تھا جس کے لیے چودہ سو قدسی صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر موت کی بیعت کی تھی۔ جس کی تائید رب کائنات نے فرمائی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ خون عثمان کا قصاص لینا آیت کریمہ ﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ﴾ کی نص صریح کے مطابق بھی فرض تھا لیکن آہ! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے (یہ اعتراض کر کے) مطالبہ قصاص کا حق بھی چھینا جا رہا ہے۔ یقیناً چودہ سو سال بعد قاتلین عثمان کی اس سے بڑھ کر اور کیا حوصلہ افزائی ہو سکتی ہے؟

اس تفصیل سے مذکورہ اعتراض تو ختم ہو ہی گیا ہے مگر پھر بھی ممکن ہے کہ کسی ''دشمن صحابہ'' کے مروڑ ابھی تک ختم نہ ہوئے ہوں اور وہ پھر یہی رٹ لگائے کہ مطالبہ قصاص کا حق صرف مقتول کے شرعی وارثوں کو ہے آیئے ایک نگاہ اس پہلو پر بھی ڈالتے جائیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے نسبی تعلق



یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دادا ابی العاص اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دادا حرب دونوں حقیقی بھائی تھے۔ علاوہ ازیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیدہ رملہ رحمہا اللہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے جناب عمرو رحمہ اللہ کے نکاح میں تھیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ولی تسلیم کیا ہے۔ شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھیجے گئے ایک وفد نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنے کو کہا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا...... میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کرلوں گا بشرطیکہ وہ یا تو خود قصاص عثمان میں قاتلوں کو قتل کر دیں یا (اگر وہ خود نہ کر سکیں تو) ان کو میرے حوالے کر دیں۔ اور دلیل کے طور پر یہ آیت

پڑھی: ﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا﴾ اور جو شخص ظلماً مار دیا جائے تو ہم نے بنا رکھا ہے اس کے والی وارث کے لیے مضبوط حق۔ پھر وہ وارث (بدلہ لیتے وقت) مارنے میں زیادتی نہ کرے تو بلاشک وہی مدد یافتہ و غالب اور کامیاب رہے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے اسی وقت یقین ہو گیا تھا کہ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص نہ لیا گیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ضرور غالب ہوں گے۔'' (براءۃ عثمان ص ۴۸)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس مطالبہ کی حمایت کی اور اس آیت سے استدلال فرمایا۔

اوپر تفصیل سے یہ بیان ہو چکا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس مطالبہ میں تنہا نہیں تھے ان کے ساتھ جہاں دیگر صحابہ و تابعین شریک تھے۔ وہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے بھی شامل تھے۔ ایک صاحبزادے کا نام ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ ہے۔ ان کے نکاح میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی پوتی سیدہ ام کلثوم بنت عبداللہ بن جعفر رحمہا اللہ تھیں۔ یہ ابان رحمہ اللہ بحیثیت ولی قصاص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ چونکہ خاندان میں بڑے تھے اس لیے سب نے مل کر مطالبہ قصاص کی ذمہ داری انھیں سونپ دی تھی اور یہ کوئی بعید بات نہیں ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس بات کو حضرت ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ (جو اس مسئلے پر بات چیت کے لیے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ان کے پاس گئے ہوئے تھے) پر خود بھی واضح کر دیا تھا۔

((انا ابن عمه وانا اطلب بدمه وامره الی)) (البدایہ والنہایہ ص ۱۲۹ ج ۸)

''میں حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے چچا کا بیٹا ہوں میں ان کے خون کے قصاص کا طالب ہوں اور یہ کام والیوں کی طرف سے میرے ہی سپرد ہے۔''

اہل تشیع نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس حق کو تسلیم کیا ہے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد سلیم بن قیس کوفی ہلالی عامری شیعی لکھتے ہیں کہ:

((ان معاويه يطلب بدم عثمان ومعه ابان بن عثمان وولد عثمان))

(کتاب سلیم بن قیس شیعی ص ۱۵۳، طبع نجف اشرف)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے قصاص کا مطالبہ کیا تو ان کے ساتھ ابان بن عثمان رحمہ اللہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دوسرے بیٹے بھی تھے۔''

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک شہری، ایک مسلمان، ایک بھائی ایک ولی، ترجمان خاندان، صاحب رائے، ایک صحابی اور حتیٰ کہ ایک گورنر کی حیثیت سے بھی مطالبہ قصاص کے قانوناً اور شرعاً بجا طور پر حق دار تھے۔

(۲۵) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نظام کفر و شرک کے تحت قاتلین کی طلبی کا مطالبہ کیا

دشمنان صحابہ نے پہلے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مطالبہ قصاص کا حق دار ہی نہیں سمجھا۔ اور پھر یہ الزام عائد کر دیا کہ انھوں نے قرآن و حدیث کے برخلاف نظام کفر و شرک اور ٹھیٹھ جاہلیت قدیمہ کے طریقے پر یہ مطالبہ کر دیا کہ قاتلین عثمان کو ان کے حوالے کر دیا جائے۔ چنانچہ سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''اس (حضرت عائشہ، حضرت زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہم) سے بدرجہا زیادہ غیر آئینی طرز عمل دوسرے فریق یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تھا...... مطالبہ بھی یہ نہیں کیا کہ وہ قاتلین عثمان پر مقدمہ چلا کر انھیں سزا دیں بلکہ یہ کیا کہ قاتلین عثمان کو ان کے حوالے کر دیں تاکہ وہ خود انھیں قتل کریں۔ یہ سب کچھ دور اسلام کی نظامی حکومت کے بجائے زمانہ قبل اسلام کی قبائلی بدنظمی سے اشبہ ہے...... (انھیں کوئی حق نہیں تھا کہ) وہ ٹھیٹھ جاہلیت قدیمہ کے طریقے پر یہ مطالبہ کرتے کہ قتل کے ملزموں کو عدالتی کارروائی کے بجائے مدعی قصاص کے حوالے کر دیا جائے تاکہ وہ خود ان سے بدلہ لے۔'' (خلافت و ملوکیت ص ۱۲۵، ۱۲۶)

پچھلے اعتراض کے جواب میں یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مطالبہ قصاص کا حق حاصل تھا۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ کیا انھوں نے یہ مطالبہ ٹھیٹھ جاہلیت قدیمہ کے طریقے پر زمانہ قبل اسلام کی قبائلی بدنظمی کے تحت اور اسلامی احکام کو نظر انداز کرتے ہوئے کیا؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی پر ''ٹھیٹھ جاہلیت قدیمہ'' کا الزام ایک ناپاک اور غلیظ جسارت ہے۔ جیسا کہ یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ اس معاملہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تنہا نہیں تھے۔ ان کے ساتھ ان کے مؤقف کی حمایت میں بیسیوں جلیل القدر اصحاب تھے۔ مودودی صاحب نے دو فریق بتائے ہیں ایک حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کا اور دوسرا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا۔ انھوں نے پہلے فریق کے طرز عمل کو بھی ''غیر آئینی'' اور دوسرے فریق کے طرز عمل کو بھی ''بدرجہا'' زیادہ غیر آئینی قرار دیا۔ مذکورہ اعتراض کے تحت ہر دو فریق آتے ہیں کہ ان دونوں فریقوں نے ''ٹھیٹھ جاہلیت قدیمہ، زمانہ قبل اسلام کی قبائلی بدنظمی اور اسلامی احکام کے برعکس'' یہ مطالبہ کیا...... پھر اس اعتراض کی زد میں غیر جانب دار صحابہ رضی اللہ عنہم بھی آتے ہیں کہ انھوں نے اس نظام کفر و شرک، قبائلی بدنظمی اور ٹھیٹھ جاہلیت قدیمہ کے مقابلے میں حق (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی حمایت نہیں کی اور وہ گوشہ نشین ہو گئے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''اے برادر! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس معاملے میں اکیلے نہیں ہیں بلکہ کم و بیش نصف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس معاملے میں ان کے شریک ہیں اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑنے والے حضرات کافر یا فاسق سمجھے جائیں

تو گویا نصف دین سے اعتماد اٹھ جائے گا جو ان کی تبلیغی سرگرمیوں سے ہم تک پہنچا ہے۔ اس قسم کی بات وہی بے دین کہہ سکتا ہے جس کا مقصود ہی ابطال دین ہو۔" (مکتوبات امام ربانی ص ۵۸۰ ج ۲)

اگر یہ روش ٹھیٹھ جاہلیت قدیمہ تھی تو پھر اس کے خلاف جہاد کرنا فرض اور واجب تھا۔ یہ "فرض" تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور قاتلین عثمان نے ادا کیا۔ جبکہ فریق ثانی حضرت عائشہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت معاویہ اور ان کے رفقاء رضی اللہ عنہم ٹھیٹھ جاہلیت قدیمہ کو اپنا کر اور فریق ثالث (غیر جانبدار صحابہ) حق کے ساتھ عدم تعاون کی بنا پر کس مقام پر پہنچ گئے؟ اس منطقی نتیجے کے اخذ و اظہار پر قلم میں سکت نہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اس غیظ و غضب کا اظہار اس لیے کیا گیا کہ انھوں نے قصاص کی دو صورتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیں:

ایک یہ کہ آپ خلیفہ منتخب ہو چکے ہیں تو اب آپ کا پہلا کام یہ ہونا چاہیے کہ اپنے پیش رو مظلوم، شہید خلیفہ راشد کے خون کا قصاص لیں۔

اور دوسری صورت یہ کہ اگر آپ کو کوئی مجبوری در پیش ہے تو قاتلین کو مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دیں۔ یہ مطالبہ اس لیے کیا جا رہا تھا کہ قاتلین خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پناہ اور تحفظ میں تھے۔ بلکہ ان کی فوج اور شوریٰ میں شامل تھے۔ اور مزید ترقی کر کے سپہ سالار اور گورنر تک بن گئے تھے۔ اگر قاتل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس نہ ہوتے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے ہرگز یہ مطالبہ نہ کرتے۔ (اس کی مزید تفصیل اگلے اعتراض کے جواب میں آ رہی ہے)

اب یہ بات حل طلب ہے کہ کیا قصاص کی مذکورہ دو صورتیں خلاف اسلام اور ٹھیٹھ جاہلیت قدیمہ کے تحت آتی ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ شریعت میں حسب حالات دونوں طریقوں کی گنجائش ہے یعنی قاتل کو حکومت اپنے اہتمام میں بھی قتل کر سکتی ہے اور اسے مقتول کے ورثاء کے بھی سپرد کر سکتی ہے تاکہ وہ خود اسے قتل کر دیں۔ قاتل کا مقتول کے ورثاء کے سپرد کرنا نہ تو "قبائلی بدنظمی" سے "اشبہ" ہے اور نہ یہ "ٹھیٹھ جاہلیت قدیمہ" کی پیروی ہے۔ اس کی مثال عہد رسالت اور عہد خلافت راشدہ دونوں زمانوں میں ملتی ہے۔ چند روایات ملاحظہ فرمائیں:

① علقمہ بن وائل رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ان کے باپ نے کہا کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا اتنے میں ایک شخص دوسرے کو رسّی سے کھینچتا ہوا لے آیا اور کہا کہ اس نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے آپ نے اس سے پوچھا کیا تو نے اسے قتل کیا ہے؟ اس نے کہا نعم قتلتہ جی ہاں میں نے اسے قتل کیا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ تو نے اسے کس طرح قتل کیا ہے؟ اس نے کہا میں اور وہ دونوں درخت کے پتے

رہے تھے تو اس نے مجھے گالی دی مجھے غصہ آیا میں نے کلہاڑی اس کے سر پر ماری جس سے وہ مر گیا آپ نے فرمایا تیرے پاس دیت دینے کے لیے کچھ مال ہے؟ اس نے کہا میرے پاس اس کلہاڑی اور چادر کے علاوہ کچھ نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تیری قوم کے لوگ تجھے چھڑوا لیں گے؟ اس نے کہا میری قوم کے پاس اتنی قدر نہیں ہے اَنَا اَهْوَنُ عَلٰى قَوْمِيْ یعنی میں اپنی قوم پر بہت ہلکا ہوں فَرَمٰى اِلَيْهِ بِنَسْعَتِهٖ وَقَالَ دُوْنَكَ صَاحِبَكَ آپ نے وہ رسّی (جس سے قاتل کو باندھ کر لایا گیا تھا) مقتول کے وارث کی طرف پھینکی کہ اسے لے جاؤ اور بھائی کے قصاص میں قتل کر دو۔ فَانْطَلَقَ بِهِ الرَّجُلُ پھر وہ اسے لے کر چلا۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَانْطَلَقَ بِهٖ وَفِيْ عُنُقِهٖ نَسْعَةٌ يَجُرُّهَا کہ وہ اسے گلے میں بندھی رسّی کے ساتھ کھینچتا ہوا لے گیا (بعد میں جب اس وارث کو معاف کرنے کے درجہ وفضیلت کا علم ہوا) فَرَمٰى بِنَسْعَتِهٖ وَخَلّٰى سَبِيْلَهٗ تو اس نے وہ رسّی پھینک دی اور اس کو چھوڑ دیا۔ (صحیح مسلم، کتاب القسامہ والمحاربین والقصاص والدیات، باب صحۃ الاقرار بالقتل وتمکین ولی القتیل من القصاص واستحباب طلب العفو منہ)

یعنی یہ باب قتل کے صحیح اقرار اور قاتل کو مقتول کے حوالے کرنے اور اس سے معافی کی درخواست کے استحباب کے بیان میں ہے۔

④ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ قَتَلَ مُتَعَمِّدًا اُدْفِعَ اِلٰى اَوْلِيَاءِ الْمَقْتُوْلِ فَاِنْ شَاءُوْا قَتَلُوْا وَاِنْ شَاءُوْا اَخَذُوا الدِّيَةَ......)) (رواہ الترمذی بحوالہ مشکوۃ کتاب القصاص ص ۳۰۱، الفصل الثانی)

''جو کسی کو قصداً اور عمداً قتل کرے تو اسے مقتول کے وارثوں کے سپرد کر دیا جائے پھر اگر وہ چاہیں تو اسے قصاص میں قتل کر دیں اور اگر چاہیں تو اس سے دیت وصول کر لیں۔''

⑤ علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''کوئی مسلمان اگر کسی ذمی کو قتل کر ڈالتا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوراً اس کے بدلے مسلمان کو قتل کرا دیتے تھے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کی ہے کہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھ بھیجا کہ قاتل مقتول کے وارثوں کو دے دیا جائے۔ چنانچہ وہ شخص مقتول کے وارث کو جس کا نام حنین تھا حوالہ کیا گیا اس نے اس کو قتل کر ڈالا۔'' (الدرایہ فی تخریج الہدایہ ص ۳۶۰ بحوالہ ''الفاروق'' ص ۳۴۶)

⑥ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں سب سے پہلا مقدمہ جو پیش ہوا وہ عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا تھا۔ جو ہرمزان کے قتل میں پکڑا گیا۔ جرم ثابت ہونے پر ایک قول کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں ہرمزان کے بیٹے کے سپرد کر دیا۔ (طبری ص ۴۴ ج ۵)

⑦ حضرت امام مالک رحمہ اللہ ایک روایت نقل فرماتے ہیں کہ:

''ایک شخص نے دوسرے شخص کو لاٹھی کی ضرب سے قتل کر دیا تو اس پر امیر المومنین عبدالملک کے حکم سے قاتل کو مقتول کے حوالے کر دیا گیا جس نے اس کو لاٹھی کی ضرب سے ہی قصاص میں قتل کر دیا۔''

(موطا امام مالک باب ما یجب فی العمد)

معلوم نہیں کہ مودودی صاحب جیسے ''مفکر اسلام'' نے کس طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ''قبائلی بدنظمی اور ٹھیٹھ جاہلیت قدیمہ'' جیسا مکروہ اور گھناؤنا الزام عائد کر دیا۔ کیا موصوف مذکورہ بالا روایات سے آگاہ نہیں تھے؟

اس تفصیل سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ قاتل کو حکومت اپنے اہتمام میں بھی قتل کر سکتی ہے اور اسے ورثاء کے سپرد بھی کیا جا سکتا ہے۔

اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قاتلین عثمان کی طلبی کا مطالبہ کیا بھی ہے تو وہ ہرگز اسلام کے خلاف نہیں تھا۔ اسے نہ تو ''زمانہ قبل اسلام'' کی قبائلی بدنظمی کے ساتھ تشبیہ دی جا سکتی ہے اور نہ اسے ''ٹھیٹھ جاہلیت قدیمہ'' کا طریقہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

(۲۶) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر قتل عثمان کا الزام عائد کرنے کے لیے جھوٹے گواہ تیار کیے

جناب سید مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''انھوں نے ایک صاحب کو اس کام پر مامور کیا کہ کچھ گواہ ایسے تیار کریں جو اہل شام کے سامنے یہ شہادت دے دیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے ذمہ دار ہیں۔ چنانچہ وہ صاحب پانچ گواہ تیار کر کے لائے اور انھوں نے لوگوں کے سامنے یہ شہادت دی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے۔'' (خلافت وملوکیت ص ۱۳۵)

موصوف نے یہ الزام عائد کرنے کے لیے ''الاستیعاب'' کا سہارا لیا ہے۔ اگر مودودی صاحب نے اپنی فکر و دانش اور اہلیت و صلاحیت کو صحابہ کی کردار کشی اور ان پر الزام تراشی اور بہتان طرازی ہی کے لیے وقف نہ کیا ہوتا تو اس روایت کی حقیقت بھی ان پر واضح ہو جاتی۔ لیکن دفاع صحابہ ان کا مقصود ہی کب رہا ہے؟

اس زیر بحث روایت کے ذریعے سے مودودی صاحب نے صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ہی الزام عائد نہیں کیا بلکہ ایک دوسرے صحابی پر بھی انتہائی گھناؤنا الزام عائد کر دیا۔ کیونکہ وہ شخص جسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے گواہ ڈھونڈ لانے کی عظیم ذمہ داری سونپی تھی۔ وہ بھی ایک صحابی ہی تھے۔ چنانچہ اسی روایت میں اس شخص کا نام (جسے موصوف نے ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا) شرحبیل بن سمط ہے۔ اس میں ان کی صحابیت کی بھی تصریح موجود ہے۔ (الاستیعاب ص ۵۸۹ ج ۲)

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (متوفی ۴۶۳ھ) صاحب استیعاب نے اس روایت کی کوئی سند بیان نہیں کی۔ محض اسی ایک بات سے روایت کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ مودودی صاحب بھی جانتے تھے کہ پانچویں صدی ہجری کا ایک شخص بغیر کسی سند کے اسے نقل کر رہا ہے تو اس روایت کی کوئی حیثیت ہی نہیں مگر پھر بھی انھوں نے اپنی ''بھرپور صلاحیتوں'' کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک لغو، ساقط الاعتبار اور بے سند روایت کے ذریعے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابہ پر جھوٹا اور بالکل بے بنیاد الزام عائد کر کے عبداللہ بن سبا کی روح کو راحت پہنچائی اور اپنے اندھے مقلدین کو مطمئن کرنے کے لیے ''الاستیعاب'' کا وزنی اور بھاری حوالہ دے ڈالا۔

علاوہ ازیں اس تگ و دو کے بعد جو پانچ گواہ تیار کر کے لائے گئے۔ ان میں بھی چار گواہ صحابی ہیں۔ (۱) یزید بن اسد (۲) بسر بن ارطاۃ (۳) حابس بن سعد (۴) ابو الاعور سلمی۔ انھیں صاحب استیعاب نے

صحابہ میں شمار کیا ہے۔ اور ابو حاتم رازی رحمہ اللہ کے حوالے سے عدم صحابیت کا قول بھی نقل کیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ ان کی صحابیت مختلف فیہ کہی جا سکتی ہے۔

اس الزام سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا کتنا مکروہ کردار سامنے آتا ہے جو صرف اہل تشیع کے ہاں ہی پایا جاتا ہے۔ ایک صحابی (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ) نے دوسرے صحابی (شرحبیل بن سمط رضی اللہ عنہ) کو جھوٹے گواہ تیار کرنے کا حکم دیا۔ اور اس غلط اور خلاف شرع حکم کی تعمیل میں چار صحابہ نہ صرف جھوٹی گواہی کے لیے تیار ہو گئے بلکہ انھوں نے علی الاعلان لوگوں کے سامنے جھوٹی گواہی بھی دے دی۔ کیا صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ کردار کسی ''مسلمان'' کے نزدیک قابل تسلیم ہو سکتا ہے؟

اس روایت کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ بات بھی کافی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ سب کام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سفیر حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی دمشق میں جاری سرگرمیوں سے ڈر کر کیا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ کیا ایک سفیر آزادانہ ایسی سرگرمیاں جاری رکھ سکتا ہے؟ کیا سفارتی آداب کو نظر انداز کر کے ایک سفیر مخالف فریق کے ہاں جا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں رائے عامہ ہموار کر سکتا ہے؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو تو جھوٹے گواہ تیار کرنے کے بجائے اس سفیر پر ہی پابندی لگانی چاہیے تھی۔ حیرت ہے کہ آں موصوف اپنے ہی ملک میں ایک شخص سے خائف ہو کر خلاف شرع امور کے مرتکب ہو گئے۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یہی سفیر جو دشمن کے شہر دمشق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں اتنی سرگرمی دکھاتے ہیں۔ لیکن واپس آ کر ان سے علیحدگی اور کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں۔ بلکہ طبری، ابن اثیر، ابن کثیر اور ابن خلدون رحمہ اللہ کے بیان کے مطابق وہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آ کر مل گئے۔

گویا کہ ایک اور صحابی حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ دیدہ دانستہ سب کچھ جانتے بوجھتے خلیفہ راشد کو چھوڑ کر جھوٹ کی حمایت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے معاون بن گئے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس تکلف کی آخر ضرورت ہی کیا تھی؟ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر قتل عثمان کا الزام ہی کب عائد کیا؟ ان کا مطالبہ تو صرف یہ تھا کہ یا تو قاتلین کو خود سزا دیں یا پھر انھیں مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دیا جائے۔

بہر حال جس روایت کے سہارے مودودی صاحب نے صحابہ پر ایک مکروہ الزام عائد کیا ہے وہ روایتاً درایتاً اور نقلاً ہر لحاظ سے لغو، بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے۔

(۲۷) حضرت معاویہؓ نے قصاص عثمان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کرنے کا بہانہ بنایا

جناب مودودی صاحب نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام بھی عائد کیا ہے کہ انھوں نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے مشورے سے یہ فیصلہ کیا کہ:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خون عثمان کا ذمہ دار قرار دے کر ان سے جنگ کی جائے۔''

(خلافت وملوکیت ص ۱۳۴)

موصوف نے اس الزام سے یہ تاثر دینے کی مذموم کوشش کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بہرصورت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑنا چاہتے تھے۔ اس لیے انھوں نے قصاص عثمان کو بہانہ بنایا اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے مشورے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خون عثمان کا ذمہ دار قرار دے دیا۔ کیا حضرت عائشہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور دیگر ہزاروں صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی قصاص عثمان کو بہانہ بنا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کی تھی؟

موصوف ''بغض معاویہ'' میں اندھے ہو چکے تھے۔ اس لیے وہ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہے۔ حالانکہ زیر بحث عبارت سے چند سطور پہلے اسی صفحہ پر یہ اقرار کر چکے ہیں کہ:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے (نئے گورنر کو چارج نہ دینے کے) بعد شام پر چڑھائی کی تیاری شروع کردی۔ اس وقت ان کے لیے شام کو اطاعت پر مجبور کر دینا کچھ بھی مشکل نہ تھا۔ کیونکہ جزیرۃ العرب، عراق اور مصران کے تابع فرمان تھے۔ تنہا شام کا صوبہ ان کے مقابلے پر زیادہ دیر نہ ٹھہر سکتا تھا..... لیکن عین وقت پر ام المومنین حضرت عائشہ اور حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم کے اس اقدام نے جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں حالات کا نقشہ یکسر بدل دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شام کی طرف بڑھنے کے بجائے ربیع الثانی ۳۶ھ میں بصرے کا رخ کرنا پڑا۔ (حوالہ مذکور)

موصوف کے اپنے قول کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تو بعد میں جنگ کرنے کا مشورہ کیا جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو پہلے ہی شام پر چڑھائی کی تیاری کر چکے تھے۔ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا درمیان میں حائل نہ ہو جائیں تو نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔ کیا جنگ صفین کے موقع پر جزیرۃ العرب، عراق اور مصران کے تابع فرمان نہ تھے؟ کیا اس موقع پر صوبہ شام تنہا نہیں تھا؟

حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان نزاعی مسئلہ صرف یہ تھا کہ امت کے متفق علیہ خلیفہ کو جن لوگوں نے ظلماً اور بغیر کسی حجت کے شہید کیا ہے وہ سب لوگ احکام الٰہی کے مطابق واجب القتل ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اس سے زیادہ کوئی مطالبہ نہ تھا کہ قاتلین عثمان سے قصاص لیا جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی طالبین قصاص کے اس موقف کو اصولی طور پر درست سمجھتے تھے۔ صرف تعجیل و تاخیر کا اختلاف تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بارہا قتل عثمان سے اپنی براءت کا اعلان فرمایا "واللہ ما قتلت عثمان ولا امرت بقتلہ ولکن غلبت" (مصنف عبدالرزاق ص۴۵۰ ج۱۱)

''اللہ کی قسم! میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل نہیں کیا نہ ان کے قتل کا حکم دیا اور بات صرف یہ ہے کہ میرے پاس ان قاتلوں کو روکنے کی طاقت نہ تھی۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ روایت آپ سے اتنے طرق سے مروی ہے کہ بہت سے ائمہ حدیث کے نزدیک یہ تواتر اور قطعیت کو پہنچتی ہے اس کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قاتلین عثمان پر لعنت بھی فرمائی ہے۔ "لعن اللہ قتلۃ عثمان فی السھل والجبل والبر والبحر" (البدایہ والنہایہ ص۱۹۳ ج۳)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مطالبہ تو بڑا صاف اور واضح تھا کہ آپ خلیفہ منتخب ہو چکے ہیں تو آپ کا پہلا کام یہ ہونا چاہیے کہ اپنے پیش رو مظلوم شہید خلیفہ کے خون کا قصاص لیں اور اگر قصاص نہیں لے سکتے تو قاتلین کو مقتول کے ورثاء کے سپرد کر دیں۔ قبل ازیں حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے مطالبہ قصاص پر فرما چکے تھے کہ بھائیو! جو کچھ آپ جانتے ہیں اس سے میں بھی بے خبر نہیں ہوں مگر ان لوگوں کو کیسے پکڑوں جو اس وقت ہم پر قابو یافتہ ہیں نہ کہ ہم ان پر۔ (خلافت وملوکیت ص۱۲۷)

لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے اس قضیہ کے حل کی دو ہی صورتیں تھیں:

اول یہ کہ ہر ممکن طریقے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قصاص پر مجبور کیا جائے اور دوسری صورت یہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشکل سے بچانے کے لیے ان سے درخواست کی جائے کہ وہ یا تو خود قاتلین کو مقتول کے ورثاء کے سپرد کر دیں اور یا ان کا تحفظ واپس لے لیں اب سوال یہ ہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے قصاص نہیں لیتے یا نہیں لے سکتے تو پھر قصاص کی کیا صورت ہو؟ کیا مطالبہ قصاص ترک کر دیا جائے؟ کیا خلیفہ کو بے بس اور مجبور پا کر مقتول کے وارث رو دھو کر چپ ہو جائیں یا قصاص کی کسی متبادل صورت پر غور کیا جائے؟ آخر سٹیٹ کو کیا حق ہے کہ وہ جرم کو جرم بھی سمجھے اور مجرم کو سزا بھی نہ دے؟ اس کا نتیجہ تو یہ نکلتا ہے کہ حکومت مجرم کی طرف دار ہے۔ اور اگر حکومت مجرم کو سزا دینے پر قادر نہیں ہے تو ایسے کمزور اور بے بس خلیفہ کی کیا ضرورت ہے؟ اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بار بار درخواست کی گئی کہ آپ قصاص لیں یا قاتلین کو تحفظ فراہم نہ کریں اور انھیں اپنی صفوں سے الگ کر دیں۔ اس مطالبہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کس حد تک قصور وار ہیں اور ان پر یہ الزام کیسے عائد ہو سکتا ہے کہ وہ قصاص کو بہانہ بنا کر ہر حال میں جنگ پر ہی تلے ہوئے ہیں؟

طالبین قصاص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس دعویٰ کو (کہ میرا قتل عثمان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں) درست تو سمجھتے تھے لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی مشاہدہ کر رہے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قتل عثمان کا الزام قبول کرنے کے

لیے تو تیار نہیں ہیں مگر انھوں نے قاتلین کو اپنے ہاں پناہ بھی دے رکھی ہے وہ قاتلین سے قصاص لینے پر تو قادر نہیں لیکن مطالبہ قصاص کرنے والوں سے ضرور برسر پیکار ہیں وہ مقتول خلیفہ کے ورثاء اور متعلقین کو تو بے دست و پا کرنے میں مصروف ہیں لیکن انھوں نے قاتلوں کو فوج میں سپہ سالاری اور گورنری تک کے عہدے بھی دے رکھے ہیں وہ حضرت معاویہ ؓ کو مقتول خلیفہ کے ولی الدم ہونے کی حیثیت سے بھی برداشت نہیں کر رہے لیکن قاتلین عثمان کو بقول مودودی صاحب ''بادلِ نخواستہ'' برداشت کر رہے ہیں۔

''جنگ جمل کے بعد انھوں نے قاتلین عثمان کے بارے میں اپنا رویہ بدل لیا۔ جنگ جمل تک وہ ان لوگوں سے بیزار تھے۔ بادل نخواستہ ان کو برداشت کر رہے تھے اور ان پر گرفت کرنے کے لیے موقع کے منتظر تھے..... لیکن اس کے بعد بتدریج وہ لوگ ان کے ہاں تقرب حاصل کرتے گئے جو حضرت عثمان ؓ کے خلاف شورش برپا کرنے اور بالآخر انھیں شہید کرنے کے ذمہ دار تھے۔ حتیٰ کہ انھوں نے مالک اشترنخعی اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کے عہدے تک دے دیے درآں حالے کہ قتل عثمان میں ان دونوں صاحبوں کا جو حصہ تھا وہ سب کو معلوم ہے۔'' (خلافت وملوکیت ص ۱۴۶)

اب سوال یہ ہے کہ جب حضرت علی ؓ کو ان بلوائیوں و باغیوں کا قاتل، مفسد اور فتنہ پرداز ہونا معلوم تھا تو پھر انھیں اپنے ساتھ لشکر میں کیوں شامل کیے رکھا؟ اور باغی فتنہ محمد بن ابی بکر اور مالک اشترنخعی کی پوزیشن کو اتنا کیوں مضبوط کیا کہ وہ ہر جگہ، ہر مجلس اور ہر سیاسی و جنگی مہم میں آپ کے ساتھ رہتے بلکہ پیش پیش نظر آتے تھے۔ حتیٰ کہ انھیں گورنری تک کے عہدے سونپ دیے گئے۔ جس کی صفائی سے جناب مودودی صاحب نے بھی بالفاظ ذیل اپنی معذوری کا اعلان کر دیا:

''مالک اشترنخعی اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کا عہدہ دینے کا عمل ایسا تھا کہ جس کو کسی تاویل سے بھی حق بجانب قرار دینے کی گنجائش مجھے نہ مل سکی۔ اسی بنا پر میں نے اس کی مدافعت سے اپنی معذوری ظاہر کر دی..... حضرت علی ؓ کے پورے زمانہ خلافت میں ہم کو صرف یہی ایک کام ایسا نظر آتا ہے جس کو غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔'' (خلافت وملوکیت ص ۱۴۶،۳۴۵)

حضرت علی ؓ کے اس طرز عمل سے چودہ سو سال بعد مودودی صاحب جیسے ''محبّ علی'' بھی مطمئن نہیں ہیں تو طالبین قصاص جن کی نگاہوں کے سامنے یہ سب کچھ ہو رہا تھا وہ کیونکر مطمئن ہو سکتے تھے؟

شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت علی ؓ نے ان بلوائیوں کو نیچا دکھانے کے بجائے اونچا کر دیا۔ یہ اسلام کے کس آئین و قانون کے موافق تھا کہ بلوائیوں اور باغیوں کی حوصلہ افزائی کی جائے؟ اس صورت حال نے فریق اول کو راست اقدام پر مجبور کیا۔ ان کو ہرگز گوارہ نہ ہوا کہ خلیفہ مظلوم کے قاتل یوں دندناتے پھریں کہ حکومت ان پر

نہ کوئی دار و گیر کرتی ہے اور نہ جرم کی تحقیق کر کے سزا دیتی ہے۔ ایسی حالت میں خود حکومت کا فرض ہوتا ہے کہ بلوائیوں اور قاتلوں کی تحقیق کر کے ان کو سزا دے۔ اگر مقتول کا وارث قصاص کا مطالبہ نہ کرے جب بھی حکومت بلوہ اور بغاوت کا جرم کسی طرح نظر انداز نہیں کر سکتی...... ان بلوائیوں کا بلوائی ہونا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا ان کی قتل و غارت گری کا منظر بھی ان کے سامنے تھا۔ پھر کسی کے دعویٰ اور مطالبہ کی شرعاً کوئی حاجت نہ تھی۔ حکومت کا فرض تھا کہ ان سب کو گرفتار کر کے جیل خانہ میں ڈال دیتی۔ پھر قاتلین کو قتل کیا جاتا اور بقیہ کو ہاتھ پیر کاٹنے یا جیل ہی میں سختی جھیلنے کی سزا دی جاتی۔'' (براءۃ عثمان ص ۴۹، ۵۰)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کرنے کا شوق ہوتا تو پھر کسی درجے میں یہ کہا جا سکتا تھا کہ انھوں نے قصاص عثمان کو محض ایک بہانہ بنایا لیکن کوئی شخص ہرگز یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جنگ کے لیے کبھی پیش قدمی کی ہو آں محترم کے لیے بہت آسان تھا کہ وہ جنگ جمل کے وقت اپنی فوجیں لے آتے اور اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے ان کا مقابلہ کرنا بہت ہی مشکل ہوتا۔ یا پھر وہ جنگ جمل کے ختم ہوتے ہی اپنی فوجیں حرکت میں لے آتے مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ وہ اگر چاہتے تو جنگ نہروان کے بعد عراق پر حملہ کر دیتے لیکن انھوں نے یہ کام بھی نہیں کیا۔

وہ اگر چاہتے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اپنی خلافت کا اعلان کر کے کوفہ پر حملہ کر دیتے لیکن انھوں نے اس سے بھی گریز کیا اور ہر موقع پر صبر و تحمل سے کام لیا اور ہمیشہ اس بات کی کوشش کی کہ جنگ کی آگ نہ بھڑکے۔

جنگ صفین کے موقع پر بھی انھوں نے ہرگز ابتداء نہیں کی اور مدافعانہ جنگ لڑی بلکہ اس جنگ کو بند کرانے کی سعادت بھی انھیں ہی حاصل ہوئی۔

اس تفصیل کی روشنی میں اس الزام کی کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مطالبہ قصاص کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ کرنے کے لیے ایک بہانے کے طور پر استعمال کیا۔ یقیناً آں محترم پر یہ الزام عائد کرنا کسی مجوسی، سبائی اور اشتری کا ہی کام ہو سکتا ہے۔

(۲۸) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر دریائے فرات کا پانی بند کر دیا

جناب مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا لشکر فرات کے پانی پر پہلے قابض ہو چکا تھا انھوں نے لشکر مخالف کو اس سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہ دی۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج نے لڑ کر ان کو وہاں سے بے دخل کر دیا۔''

(خلافت وملوکیت ص ۱۳۵)

شیعہ مورخین نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بدنام کرنے کی خاطر یہ واقعہ نقل کیا ہے جسے مودودی صاحب نے ''بغض معاویہ'' کی بنا پر قبول کر لیا۔

ابو حنیفہ دینوری نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پہلے سے جا کر دریائے فرات کے پانی پر قبضہ کر لیا تھا اور انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کا پانی بند کر دیا اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکریوں کو زیادہ پیاس لگی تو انھوں نے اشعث بن قیس الکندی کی قیادت میں ایک جماعت کو بھیجا تا کہ وہ پانی لائے لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر نے کہا ''موتوا عطشا کما منعتم العثمان الماء'' پیاسے مرو جس طرح تم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر پانی بند کیا تھا۔ پھر فریقین میں جنگ ہوئی جس میں سیکڑوں آدمی قتل ہو گئے۔ اور پانی پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قبضہ ہو گیا۔ (اخبار الطوال ص ۱۶۸۔ طبری ص ۲۴۰ ج ۵۔ مسعودی ص ۱۸۶ ج ۲)

یہ عجیب اتفاق ہے کہ باپ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) نے لشکر علی پر دریائے فرات کا پانی بند کیا اور بیٹے نے لشکر حسین پر۔

یہ داستان روایتاً و درایتاً لغو، بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے۔ بڑے ہی ظالم ہیں وہ لوگ جو ایسی لغو، بے بنیاد، بے سند، من گھڑت اور باطل روایات پر یقین کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تنقیص و توہین کا ارتکاب کرتے ہیں۔

جس شخص کی طرف بندش آب کا یہ واقعہ منسوب کیا جاتا ہے اس کی دانائی، فیاضی، عفو و درگزر اور حلم ضرب المثل کے طور پر مشہور ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حد درجے تحمل مزاج اور انتہائی بردبار تھے۔ بارہا لوگ آتے، سخت سے سخت باتیں کہتے مگر آپ ذرا پروانہ کرتے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ غصہ پی جانے سے زیادہ لذیذ اور شیریں چیز میرے لیے کوئی نہیں۔ علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''رؤسائے عرب اور سرداران کے ساتھ کریمانہ برتاؤ رکھتے تھے ان کی سخت و ناملائم باتوں کو برداشت

کرتے ان کے ساتھ اخلاق سے پیش آتے۔ ان کے تحمل اور بردباری کی حد نہ تھی۔''

(تاریخ ابن خلدون ص ۲۴ ج ۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا تھا "احلم من امتی واجودھا" (تطہیر الجنان ص ۱۲) کہ معاویہ میری امت میں سے سب سے زیادہ بردبار اور سخی ہے۔ اللھم املاءہ علما و حلما۔ اے اللہ ان کے سینے کو علم اور حلم سے بھر دے۔ (التاریخ الکبیر، امام بخاری ص ۱۸۰ ج ۴)

ایسے حلیم اور بردبار شخص سے اس بات کی کیونکر توقع کی جاسکتی ہے کہ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اور وہ بھی دریا کا پانی بند کر دیا ہوگا؟ نہ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس قدر ناعاقبت اندیش تھے اور نہ دریا ہی اتنا چھوٹا تھا کہ صرف گھاٹ پر قبضہ کرنے سے سارا دریا ہی ان کے قبضے میں آ جاتا۔

علاوہ ازیں یہ روایت جن لوگوں نے وضع کی ہے انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ فرات کے پانی پر قبضہ کرنے کا مشورہ انھیں عبداللہ بن سعد اور ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہما نے دیا تھا۔ جبکہ یہ دونوں حضرات جنگ صفین میں شریک ہی نہیں تھے۔ (ابن اثیر ص ۲۸۲ ج ۳۔ استیعاب ص ۳۸۲ ج ۱، ص ۶۰۵ ج ۲۔ البدایہ والنہایہ ص ۳۱۱ ج ۷، ص ۲۱۴ ج ۸)

بلکہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے تو عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کے متعلق واضح طور پر لکھا ہے کہ وہ اس مشاجرت کے زمانہ میں دونوں سے الگ رہے۔ ھو معتزل علیا و معاویة۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو حضرات پانی پر قبضہ کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں وہ موقع پر موجود ہی نہیں۔ لیکن مودودی صاحب اور ان کے ہم نوا پھر بھی ایسی روایات کے ذریعے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزام تراشی کر رہے ہیں۔

مزید برآں اس روایت کا ماخذ تاریخ طبری ہے۔ اور اس کے راوی جناب ابومخنف لوط بن یحیٰی ہیں اس ذات شریف کے متعلق امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''لوط بن یحیٰی اخباری قصہ گو ہے "لا یوثق به" اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ ابو حاتم نے اسے متروک قرار دیا ہے۔ دارقطنی کہتے ہیں ضعیف ہے ابن معین کہتے ہیں "لیس بثقة ولیس بشیء" یہ ثقہ نہیں اور کچھ بھی نہیں۔ ابن عدی کا قول ہے "شیعی محرق صاحب اخبارھم" یہ تو جلا بھنا اور آگ لگانے والا شیعہ ہے اور شیعوں کا قصہ گو ہے۔'' (میزان الاعتدال ص ۲۴۰ ج ۳ تحت لوط بن یحیٰی)

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں کہ

''ابوعبید الآجری کا بیان ہے کہ میں نے ابو حاتم رازی سے اس کے بارے میں پوچھا تو "فنفض یدہ" انھوں نے اپنے ہاتھ کو جھاڑ دیا۔ یعنی نفرت وحقارت کا اظہار کیا۔ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا اس کے متعلق پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟'' (لسان المیزان ص ۴۹۲ ج ۴)

اس پر مستزاد یہ کہ لوط بن یحیٰی ہشام بن کلبی کا استاد اور جابر جعفی کا شاگرد ہے۔ یہ جعفی ملعون سبائی اور

رافضی ہے۔ "رافضی یشتم اصحاب النبی" اصحاب رسول کو گالیاں بکتا تھا۔ امام شافعی رحمہ اللہ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے جابر جعفی سے کوئی بات سنی پھر نکلنے میں جلدی کی۔ "خفت ان یقع علینا السقف" میں ڈرا کہ کہیں چھت ہمارے اوپر نہ گر پڑے۔ (میزان الاعتدال تحت جابر بن زید جعفی)

اس سیرت اور کردار کے حامل راوی پر اعتماد کر کے جناب مودودی صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزام عائد کیا ہے۔ لیکن موصوف کو راوی کی سیرت و کردار سے کیا غرض؟ ان کا مقصد تو صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مطعون ٹھہرانا ہے۔

(۲۹) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزام بغاوت

دشمنان صحابہ کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک سنگین ترین الزام یہ عائد کیا جاتا ہے کہ آں موصوف نے خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کا ارتکاب کیا۔ کسی نے انھیں صورتاً اور کسی نے حقیقۃً باغی قرار دیا۔ مودودی صاحب نے تو ان کی بغاوت پر اجماع اور اتفاق نقل کر دیا چنانچہ وہ بڑی تحدی کے ساتھ لکھتے ہیں کہ

''میرے علم میں کوئی ایک بھی فقیہ یا محدث ایسا نہیں ہے جس نے اس سے مختلف کوئی رائے ظاہر کی ہو۔ خصوصیت کے ساتھ علمائے حنفیہ نے تو بالاتفاق یہ کہا ہے کہ ان ساری لڑائیوں میں حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اور ان کے خلاف جنگ کرنے والے بغاوت کے مرتکب تھے۔'' (خلافت وملوکیت ص ۳۳۸)

جواب: علامہ ابن منظور رحمہ اللہ بغاوت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''بغاوت کا لغوی معنی زیادتی ہے اور محاورہ ہے کہ ''آدمی نے ہم پر بغاوت کی'' یہ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی شخص حق سے پھر جائے۔ اور ''بغی'' کا اصل مفہوم حد سے بڑھنا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث میں ہے کہ انھوں نے ایک آدمی کو کہا میں تجھ سے ناراض ہوں۔ اس نے کہا کیوں؟ ''قال لانك تبغی فی اذانك'' فرمایا اس وجہ سے کہ تو اذان میں بغاوت کرتا ہے۔'' (لسان العرب ص ۷۸ ج ۱۴)

ازروئے لغت ''بغی'' درمیانہ روی کی حد سے بڑھ جانے کی خواہش کو کہتے ہیں (خواہ حد سے تجاوز کر سکے یا نہ کر سکے) نیز بہت زیادہ بارش کو بھی کہتے ہیں ''بغت السماء'' بادل اپنی حد سے بڑھ گیا۔ یعنی بہت زیادہ برسا۔ ابن فارس نے کہا کہ ''بغی'' کے معنی کسی شے کے طلب کرنے کے ہیں اور ''الباغی'' طلب کرنے والے کے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((یا باغی الخیر اقبل ویا باغی الشر اقصر)) (معارف الحدیث ص ۹۴ ج ۴)

''اے خیر اور نیکی کے طلبگار آگے بڑھ اور اے برائی کے چاہنے والے باز آ جا۔''

بغاوت کی تعریف میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے مالکیہ کے نزدیک قائم بالامر امام کی جائز باتوں کی طاقت کے بل بوتے پر نافرمانی کے ہیں۔ (التشریع الجنائی ص ۶۷۳ ج ۲)

شوافع کہتے ہیں کہ بغاوت مسلمانوں کا حاکم برحق کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے، ترک انقیاد اور اظہار قوت کا نام ہے۔ خواہ باغی کسی قسم کی توجیہ یا تاویل کریں۔ حنابلہ کے نزدیک امام خواہ غیر عادل ہی کیوں نہ ہو پھر بھی طاقت کے بل بوتے پر اس کی اطاعت سے خروج بغاوت ہے۔ احناف کے نزدیک بغاوت امام برحق

کی اطاعت سے ناحق خروج کرنے کو کہتے ہیں۔ (شرح فتح القدیر ص۴۸ ج۴)

بہر حال فقہ کی اصطلاح میں بغاوت کسی تاویل کی بنا پر ایک طاقتور جماعت کا خلیفہ کے خلاف خروج (یعنی ایسی مسلح اور جارحانہ مخالفت) کا نام ہے جس کا مقصد خلیفہ کو اس کے منصب سے معزول کرنا ہو۔

امام نیشاپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

((اعلم ان الباغية فى اصطلاح الفقهاء فرقة خالفة الامام بتاويل باطل))

(غرائب القرآن تحت الآیہ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ ...... الحجرات)

''واضح رہے کہ فقہاء کی اصطلاح میں باغیوں سے مراد ایسا گروہ ہے جو امام کی مخالفت باطل تاویل کی بنا پر کرے مگر اس کا بطلان ظنی ہو قطعی نہ ہو۔''

بغاوت کی حقیقت یہ ہے کہ رعیت کی طرف سے تشدد کے ذریعے سے مملکت کا تختہ الٹنے کی کوشش کی جائے۔ سربراہ مملکت سے کسی معاملہ میں اختلاف رائے یا کسی جزوی معاملے میں اس کی اطاعت سے انکار یا آئینی ذرائع سے حکومت کو تبدیل کرنے کا مطالبہ یا اس کی کوشش کا نام بغاوت نہیں ہے۔ صرف آئین اسلام ہی نہیں بلکہ دنیا کے کسی آئین میں بھی ان امور کو بغاوت میں شمار نہیں کیا جاتا۔

ارکان بغاوت تین ہیں:

① حاکم کے خلاف خروج کرنا ② خروج میں طاقت کا استعمال ③ بدنیتی

باغیوں کی اقسام: امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک باغیوں کی چار قسمیں ہیں:

① ایک تو وہ باغی جن کے پاس اپنی بغاوت کے لیے کوئی توجیہ نہ ہو۔ خواہ وہ صاحب شوکت ہوں یا نہ ہوں۔

② دوسرے وہ باغی جن کے پاس ان کی بغاوت کے لیے توجیہ تو ہو لیکن وہ صاحب شوکت وقوت نہ ہوں۔

③ تیسرے وہ باغی جن کے پاس توجیہ بھی ہو اور طاقت وشوکت بھی جیسے کہ خوارج اور وہ لوگ جو خوارج جیسے عقائد رکھتے ہوں جو مسلمانوں کے خون کو حلال سمجھتے ہوں۔ ان کے مال کو لوٹنا جائز سمجھتے ہوں ان کی عورتوں کو باندی بناتے ہوں اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر کرتے ہوں۔

④ چوتھے وہ باغی جن کے پاس ان کی بغاوت کے لیے توجیہ ہو اور وہ صاحب شوکت بھی ہوں لیکن ان کے عقائد خوارج کی طرح نہ ہوں۔ (المغنی ص۴۸ ج۱۰)

توجیہ سے مراد یہ ہے کہ باغی اپنی بغاوت کا کوئی سبب بتلائیں اور اس پر دلائل قائم کریں۔ اس وقت یہ دیکھنا ہوگا کہ ان کا بیان کردہ سبب بغاوت صحیح ہے یا فاسد۔ اگر صحیح ہے تو اسے دور کرنے کی کوشش کی جائے گی اور اگر فاسد ہو تو پہلے مذاکرات کے ذریعے سے ان کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اس کے باوجود اگر وہ نہ مانیں اور مسلح مزاحمت کا راستہ اختیار کریں تو پھر ان کی تادیب کے لیے ان سے قتال کیا جائے گا۔

اس تفصیل کی روشنی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا طرز عمل قانونِ شریعت کی نگاہ میں قطعاً بغاوت نہیں ہے۔ جن حضرات نے ان پر بغاوت کا اطلاق کیا ہے انھوں نے عدم اطاعت و بیعت، خلیفہ برحق کے ساتھ جنگ اور حدیث عمار بن یاسر میں "الفئة الباغية" کے الفاظ سے غلط استدلال کرتے ہوئے کیا ہے۔ (حدیث عمار پر مفصل گفتگو آگے آ رہی ہے)

جہاں تک عدم اطاعت کا تعلق ہے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلیفہ کی اطاعت سے نہیں بلکہ دیگر صحابہ کی طرح خلافت کی آئینی حیثیت سے انکار کیا ہے۔ وہ ان کی خلافت کو آئینی طور پر صحیح نہیں سمجھتے تھے۔ ان کو خلیفہ بنانے میں بھی زیادہ تر دخل باغیوں کا تھا۔ ان کے ہاتھ پر سب سے پہلے باغیوں کے سردار اور مفسدین کے سرغنہ مالک اشتر نخعی نے بیعت کی۔ جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے صاف کہہ دیا تھا کہ ''خلافت چھوڑ دو ورنہ ہم تمھیں قتل کر دیں گے'' یہی وہ شخص تھا جو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو بیعت کے لیے پکڑ کر لے گیا تھا۔ اور انھیں یہ دھمکی دی تھی کہ اگر بیعت نہ کرو گے تو ایک وار میں پیشانی کے دو ٹکڑے کر دوں گا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بیعت کے لیے پکڑ کر لایا گیا تو انھوں نے انکار کر دیا۔ حضرت اسامہ بن زید اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بھی مجبور کر دیا گیا انھوں نے مہلت مانگی۔ اشتر نخعی بولا ضامن لاؤ ورنہ تلوار سے سر قلم کر دوں گا۔

یہی شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مشیر خاص بنا ہوا تھا۔ یہ شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا سخت ترین دشمن تھا اور چاہتا تھا کہ سب سے پہلے انھیں شام کی گورنری سے برطرف کیا جائے۔ اس کی مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ وہ کوفہ کی سبائی پارٹی کا لیڈر تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے عمال کے خلاف فتنہ پھیلاتا تھا۔ جس کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے اور اس کی پارٹی کے دس افراد کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام بھیج دیا۔ جہاں انھیں بہت سمجھایا گیا کہ وہ مسلمانوں کی یکجہتی میں خلل انداز نہ ہوں۔ مگر وہ اپنی ضد پر قائم رہے۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں خلیفہ کی منظوری سے امیر جزیرہ کے پاس بھیج دیا۔ جس نے انھیں سخت سزائیں دیں بعد میں انھوں نے ''تقیہ'' کر کے اپنی جانیں آزاد کرائیں۔

اشتر نخعی نے عہد عثمانی میں بہت بلوے کیے تھے وہ صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے خائف تھا۔ اسی لیے انھیں سب سے پہلے شام کی گورنری سے ہٹا دینا چاہتا تھا۔ جبکہ حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت حسن اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو انھیں معزول نہ کرنے کا مشورہ دیا۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تمام عمال عثمانی کو معزول کر دیا۔ ان حالات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سمجھتے تھے کہ آئینی طور پر خلیفہ بننے والا شخص ایسا فیصلہ نہیں کر سکتا بلکہ اسے تو سب سے پہلے قصاص عثمان کو ترجیح دینی چاہیے تھی۔ اس لیے اس فیصلہ میں ان ہی باغیوں کا ہاتھ ہے جنھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا ہے۔ اور اس حکم کی تعمیل باغیوں کی اطاعت قبول کرنا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول کرانے کے لیے باغیوں نے ہی حضرت علی

رضی اللہ عنہ پر دباؤ ڈالا تھا۔

ان حالات کے پیش نظر بحثیت انسان حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خدشہ صحیح تھا کہ خلافت کی پالیسی پر سبائی اور باغی اثر انداز ہیں۔ لہٰذا انھوں نے اپنی بیعت کو قصاص عثمان کے ساتھ مشروط کر دیا۔

علاوہ ازیں تعمیل حکم کی آئینی پابندی تو اس وقت عائد ہوتی ہے جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم کر چکے ہوتے حالانکہ انھوں نے تو ان کی بیعت ہی نہیں کی تھی۔ بہرحال بیعت سے انکار کسی طور پر بھی بغاوت کے ہم معنی نہیں۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی چھ ماہ تک بیعت صدیقی میں تاخیر کی (صحیح بخاری) بعض دیگر باا‌ثر، جلیل القدر اور اکابر صحابہ و تابعین نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی...... اور ان حضرات کی عدم بیعت کو کسی نے بھی بغاوت قرار نہیں دیا۔ کیونکہ عدم اطاعت اور حکومت کا حکم ماننے سے انکار کر دینا ہمیشہ بغاوت کے مترادف نہیں ہوتا۔ مطلق اطاعت سے خروج کو بھی بغاوت نہیں کہا جاتا بلکہ اطاعت واجبہ سے خروج کو بغاوت کہا جاتا ہے اور پیش آمدہ صورت جس میں ایک گمراہ اور باغی گروہ (جس کے ہاتھ خون عثمان سے رنگین ہیں) نظام خلافت میں شریک ہو، حکومت کے نظم و نسق اور اس کی پالیسی پر حاوی ہو، یا حاوی تو نہ ہو مگر اسے مرکزی اور کلیدی حیثیت حاصل ہو۔ اگر ایسی صورت میں مسلمانوں کی جماعت خلیفہ کی رائے اور اس کی پالیسی سے اختلاف کرے تو اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اقدام پر بھی بغاوت کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان کا مقصد حکومت کا تختہ الٹنا نہیں تھا اور نہ انھوں نے حکومت کے خلاف ہتھیار اٹھائے، بلکہ جنگ ان پر مسلط کی گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج جب شام کے قریب صفین میں پہنچ گئی تو اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہوا اور انھوں نے اپنے دفاع میں تلوار اٹھائی۔

اگر جنگ کی ابتداء حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہوئی ہوتی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت سے معزول کرنے یا خود اپنی خلافت کا دعویٰ کرنے یا ان کی بیان کردہ توجیہ فاسد ہوتی یا ان کا مطالبہ قصاص غلط ہوتا یا وہ امام کی اطاعت میں داخل ہو کر خروج کرتے تو ان پر بغاوت کا اطلاق درست ہوتا۔ مگر ان کے خلاف تو ان میں سے کوئی بات بھی ثابت نہیں کی جا سکتی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جنگ میں پہل نہیں کی۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((لم یکن معاویة ممن یختار الحرب ابتداء بل کان من اشد الناس حرصا ان لا یکون قتال)) (منہاج السنۃ ص ۲۲۰ ج ۲)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جنگ کی ابتداء نہیں کی بلکہ وہ تو اس بات کے شدید حریص تھے کہ مسلمانوں کے باہم قتال و خونریزی نہ ہو۔''

بہر حال یہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو میدان جنگ میں اپنے دفاع میں مجبوراً آنا پڑا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا﴾

''جن لوگوں پر ظلم ہوا ہے انھیں جنگ کی اجازت دی جاتی ہے۔''

اس آیت میں مظلوم کو اپنی مدافعت میں جنگ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ یہ آیت اگرچہ کفار کے متعلق ہے مگر اذن جنگ کی علت کفر نہیں بتائی گئی بلکہ ظلم اور زیادتی بتائی گئی ہے۔ جس کا مآل یہ ہے کہ مسلمانوں پر جہاں بھی اور جو بھی ظلم و زیادتی کرے تو مسلمانوں کو اپنی مدافعت میں جنگ کرنے کی اجازت ہے بشرطیکہ مسلمانوں کی اس جماعت میں مدافعت کی قوت ہو اور کسی بڑے فتنہ و فساد کا اندیشہ نہ ہو۔ یہ بھی ثابت رہے کہ جن اصحاب رسول نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف کیا وہ صاحب معاملہ تھے۔ حالات ان کے سامنے تھے۔ الصحابة کلهم عدول میں شامل تھے۔ فقیہ و مجتہد تھے اور انھیں امام عادل و خلیفہ راشد سے جنگ کرنے کا مسئلہ بھی معلوم تھا۔

پس اگر انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف کیا یا ان کے مقابلے میں آئے تو ان کے نزدیک اس چیز کی شرعاً گنجائش موجود ہوگی۔ بعد کے کسی بھی ''مفکر'' کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مسئلہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ فریقین کے درمیان یہ جنگ صرف قصاص عثمان کے مسئلے پر ہوئی۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے ایک گشتی مراسلے میں اس کا اقرار کیا:

((والظاهر ان ربنا واحد ونبينا واحد ودعوتنا فى الاسلام واحدة لا نستزيدهم فى الايمان بالله والتصديق برسوله ولا يستزيدوننا الامر واحد الا ما اختلفنا فيه من دم عثمان ونحن منه براء)) (نہج البلاغہ ص۱۱۴ ج۲)

''یعنی صفین میں ہمارے اور اہل شام کے درمیان جو جنگ ہوئی اس سے کوئی غلط فہمی نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ ہمارا رب ایک ہے، ہمارے نبی ایک ہیں اور ہماری دعوت اسلام ایک ہے۔ ہم اللہ پر ایمان لانے اور اس کے رسول کی تصدیق کرنے میں نہ ان سے زیادہ ہیں اور نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں۔ ہماری اور ان کی دینی حالت ایک جیسی ہے۔ مگر خون عثمان کے بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے حالانکہ ہم اس سے بری ہیں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس گشتی مراسلے سے درج ذیل امور ثابت ہو گئے ہیں:

① حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نہ تو خلافت کے امیدوار تھے اور نہ انھوں نے اقتدار ہی کی خاطر جنگ لڑی۔ بلکہ اس جنگ کی وجہ صرف خون عثمان کا قصاص تھا اور یہ ان کا انسانی، قانونی اور مذہبی حق تھا۔

② حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس امر کی بھی وضاحت کر دی کہ ان کے اور ہمارے ایمان میں کوئی فرق نہیں۔

اس میں برابر ہیں۔ جو لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایمان کی نفی کرتے ہیں وہ درحقیقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایمان کی نفی کرتے ہیں۔

اب قابل غور یہ بات ہے کہ جب فریقین تسلیم کر رہے ہیں کہ یہ جنگ قصاص عثمان کی وجہ سے ہوئی تو کسی تیسرے فریق کو قطعاً یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اسے بغاوت کا نام دے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب ایک حامی کی زبان سے اہل شام کے متعلق نازیبا کلمات سنے تو فرمایا:

((لا تقولوا فانهم زعموا انا بغينا عليهم وزعمنا انهم بغوا علينا فقاتلناهم))

(تاریخ ابن عساکر ص ۳۲۹ ج ۱، منہاج السنۃ ص ۶۱ ج ۳)

"کہ ایسے مت کہو کوئی کلمہ خیر ہی کہو۔ ان لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ ہم نے ان کے خلاف بغاوت (زیادتی) کی ہے اور ہم نے یہ گمان کیا ہے کہ انھوں نے ہمارے خلاف بغاوت (زیادتی) کی ہے۔ سو اس پر قتال ہوا۔"

یہاں بغاوت کی وضاحت بھی خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرما دی کہ اس سے شرعی یا اصطلاحی بغاوت مراد نہیں۔ ورنہ وہ خود اپنے بارے میں کیسے فرما سکتے تھے کہ "انھوں نے یہ گمان کیا ہے کہ ہم نے ان کے خلاف بغاوت کی ہے" تو حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کس طرح کر سکتے تھے؟

علاوہ ازیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا شرعی یا اصطلاحی باغی نہ ہونا خود قرآن مجید سے بھی ثابت ہے ارشاد باری ہے:

﴿فَإِنْ بَغَتْ إِحْدٰهُمَا عَلَى الْأُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ إِلٰٓى أَمْرِ اللّٰهِ﴾ (الحجرات: ۹)

"پھر اگر ان میں سے ایک جماعت دوسری جماعت کے خلاف بغاوت کا ارتکاب کرے تو ان سے اس وقت تک لڑو جب تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ نہیں آتے۔"

اس آیت کریمہ کی روشنی میں حالات کا جائزہ لیجیے:

اول...... جنگ شروع ہوئی جس کا سبب مطالبہ قصاص عثمان تھا۔

دوم...... جنگ ختم ہوگئی جس کی بنیاد صلح و مصالحت تھی۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے مطالبہ سے دستبردار ہو گئے تھے؟ اگر وہ دستبردار نہیں ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ بندی کیوں قبول کی؟ انھوں نے حکم الٰہی کی خلاف ورزی کیوں کی؟ از روئے قرآن ان کا فرض تھا کہ وہ اس وقت تک جنگ جاری رکھتے جب تک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بغاوت ترک کر کے ان (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی بیعت و اطاعت قبول نہ کر لیتے۔ لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جنگ بندی اور مصالحت کو قبول کر لینے سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوگئی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہرگز باغی نہ تھے۔

سوم...... حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی آزاد مرضی سے امور خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سونپ کر یہ ثابت کر دیا کہ وہ باغی تو کجا ہوئے بلکہ ''خلیفہ منصوص'' ثابت ہو گئے۔ باقی رہ گئے جناب مودودی صاحب کی یہ بڑھک:

''خصوصیت کے ساتھ علمائے حنفیہ نے بالاتفاق یہ کہا ہے کہ ان ساری لڑائیوں میں حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اور ان کے خلاف جنگ کرنے والے بغاوت کے مرتکب تھے۔'' (خلافت وملوکیت ص ۳۳۸)

تو مذکورہ بالا تفصیل سے ہی یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بغاوت کا اطلاق ہرگز درست نہیں۔ قرآن کریم سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اور حضرت علی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما کے طرز عمل سے بھی آں محترم کا باغی نہ ہونا ہی ثابت ہوتا ہے۔ اگر بالفرض محال علمائے حنفیہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے باغی ہونے پر اتفاق بھی ہو جاتا ہے تو قرآن، حدیث اور صحابہ کے طرز عمل کے مقابلے میں اس ''اتفاق'' کی حیثیت ہی کیا ہے؟ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ علمائے حنفیہ کے اتفاق کا دعویٰ ہی باطل ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسحاق صدیقی سندیلوی رحمہ اللہ اس دعویٰ کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

''دیدہ دلیری کی حد کر دی...... اصحاب جمل وصفین کو باتفاق علمائے حنفیہ باغی کہنا اتنا بڑا جھوٹ اور افتراء ہے کہ جسے بولنے کے لیے جرأت کی بہت بڑی مقدار درکار ہے۔ معلوم نہیں کہ معترض نے یہ ''اتفاق'' کس ذریعے سے معلوم کیا ہے۔ لطیفہ یہ ہے کہ اپنی غلط بیان کی تردید انھوں نے خود کر دی۔ چنانچہ شرح فقہ اکبر سے ملا علی قاری رحمہ اللہ کی طویل عبارت انھوں نے اپنی کتاب کے صفحہ ۳۳۹ تا صفحہ ۳۴۱ نقل کی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے:

''اہل سنت والجماعت میں اس امر پر اختلاف ہے کہ انھیں باغی کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔'' ان اہل سنت میں حنفی، شافعی وغیرہ کی کوئی تقسیم نہیں کی گئی ہے۔ یہی نہیں بلکہ امام ابن ہمام رحمہ اللہ جن کے قول کو معترض نے بطور سند پیش کیا ہے دوسری جگہ خود اس کے خلاف کہتے ہیں۔ درحقیقت فتح القدیر میں انھوں نے صاحب ہدایہ کے قول کی تشریح کر دی ہے۔ اپنا مسلک نہیں لکھا۔ اپنا مسلک اپنی مشہور کتاب ''مسایرہ'' میں ظاہر فرمایا ہے۔ کتاب مذکورہ مطبوعہ مطبعہ السعادۃ مصر ۱۳۴۷ھ ص ۱۵۸ میں تحریر فرماتے ہیں:

"وما جری بین معاویة وعلی رضی اللہ عنہما کان مبنیا علی الاجتهاد ولا منازعة من معاویة فی الامامة"، یعنی حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما میں اختلاف اجتہادی نوعیت کا تھا۔ خلافت کے بارے میں کوئی نزاع نہ تھی۔ جب خلافت کے بارے میں نزاع نہ تھی تو بغاوت کے کیا معنی؟'' (اظہار حقیقت ص ۴۲۷ ج ۲)

اس تفصیل سے یہ ثابت ہو گیا ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اصحاب جمل وصفین کو مطالبہ قصاص عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف دفاعی جنگ کرنے کی بنا پر ''باغی'' کہنا بالکل بے بنیاد اور لغو و باطل ہے۔

(۳۰) قتل عمار کی وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا باغی اور باطل پر ہونا ثابت ہوگیا

دشمنان صحابہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی، طاغی، فاسق اور جہنمی ثابت کرنے کے لیے اس حدیث سے استناد کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ پیشین گوئی دی تھی کہ انھیں باغی گروہ قتل کرے گا۔ چونکہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقابلے میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تھے اس لیے قاتل گروہ ازروئے حدیث باغی ٹھہرا۔

چنانچہ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''اس جنگ کے دوران میں ایک واقعہ ایسا پیش آ گیا جس نے نص صریح سے یہ بات کھول دی کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں شامل تھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد صحابہ میں مشہور و معروف تھا اور بہت سے صحابیوں نے اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سنا تھا کہ ''تقتلك الفئة الباغیه''، تم کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ متعدد صحابہ و تابعین نے جو حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی جنگ میں مذبذب تھے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کو یہ معلوم کرنے کے لیے ایک علامت قرار دے لیا تھا کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون؟'' (خلافت وملوکیت ص ۱۳۶، ۱۳۷)

اس الزام کا جواب ایک مستقل کتاب کا متقاضی ہے مگر یہاں اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے چند باتیں ہدیہ قارئین کی جاتی ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ:

((حدثنا مسدد قال حدثنا عبدالعزیز بن مختار قال حدثنا خالد الحذاء عن عکرمه قال لی ابن عباس...... کنا نحمل لبنة لبنة وعمار لبنتین لبنتین فراٰه النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجعل ینفض التراب عنه ویقول ویح عمار تقتله الفئة الباغیة یدعوهم الی الجنة ویدعونه الی النار)) (صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ باب التعاون فی بناء المسجد)

''مسدد، عبدالعزیز بن مختار، خالد حذاء عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے کہا...... (مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کی تعمیر کے سلسلے میں) ہم ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے اور عمار دو دو اینٹیں اٹھاتے تھے۔ تو انھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال میں دیکھا تو ان کے جسم سے مٹی جھاڑنے لگے اور یہ فرماتے تھے کہ عمار پر مصیبت آئے گی۔ انھیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ یہ ان کو جنت کی طرف بلاتے ہوں گے اور وہ

انھیں دوزخ کی طرف بلائیں گے۔''

صحیح بخاری ہی کی ایک دوسری روایت میں بسند ابراہیم بن موسیٰ، عبدالوہاب، خالد، عکرمہ، ابن عباس "یدعوھم الی الجنة" کے بجائے "یدعوھم الی اللہ" کے الفاظ آئے ہیں۔

(کتاب الجہاد والسیر باب مسح الغبار عن الرأس فی سبیل اللہ)

یہ حدیث مختلف کتب حدیث وسیر اور تاریخ میں نقل ہوئی ہے لیکن ان میں سب سے زیادہ صحیح روایت اصح الکتب صحیح بخاری کی ہے۔ اس کے متعلق علامہ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''اس کا جواب یہ ہے کہ الزام مذکورہ مکمل اس وقت ہوگا جب حدیث صحیح ہو اور اس کی کوئی تاویل نہ کی جاسکتی ہو۔ لیکن یہ اگر صحیح نہ ہو تو پھر اس سے استدلال درست نہ ہوگا۔ "والامر کذلك فان فی سنده ضعفا یسقط الاستدلال به" اور معاملہ کچھ ایسا ہی ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں ضعف ہے جس کی وجہ سے اس سے استدلال ساقط ہوگیا۔ رہی یہ بات کہ ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے تو ان کی توثیق اس کی تضعیف کرنے والوں کے ہم پلہ نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ ابن حبان "معروف عندھم بالتساھل فی التوثیق" توثیق میں بہت سست شمار ہوتے ہیں۔'' (تطہیر الجنان ص ۳۵)

اس حدیث کی سند میں مندرجہ ذیل راوی ہیں:

مسدد، عبدالعزیز بن مختار، خالد الحذاء اور عکرمہ۔

① مسدد...... امام ذہبی رحمہ اللہ ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ

''قال القطانی فیه تساھل'' قطانی نے کہا کہ مسدد میں تساہل پایا جاتا ہے۔

(میزان الاعتدال ص۱۶۲ ج۳)

محدثین کے نزدیک تساہل کی صفت روایت کو ناقابل اعتبار ٹھہراتی ہے۔

② عبدالعزیز بن مختار...... امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''احمد بن زہیر کہتے ہیں کہ "انه لیس بشیء" وہ کچھ بھی نہیں۔'' (میزان الاعتدال ص ۱۳۹ ج ۲)

شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''ابن ابی خیثمہ یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ "لیس بشیء" یہ کچھ بھی نہیں۔''

(تہذیب التہذیب ص ۳۵۶ ج ۶)

③ خالد الحذاء...... امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

''ابو حاتم نے کہا "لَا یُحْتَجُّ بِهٖ" یہ قابل احتجاج نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابن علیہ سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا گیا کہ خالد اس کی روایت کرتا رہا اور ہم نے اس کی طرف کوئی توجہ

نہیں دی۔ "ضعف ابن علیه امر خالد" ابن علیہ نے خالد کو ضعیف کہا ہے۔'' (میزان الاعتدال ص ۳۰۱ ج ۱)

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے حماد بن زید سے خالد الحذاء کے متعلق پوچھا تو انھوں نے کہا کہ وہ شام سے ہمارے پاس آیا۔ ہمیں اس کے حفظ پر انکار ہوا...... عقیلی نے احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے طریق سے بیان کیا ہے کہ ابن علیہ سے کہا گیا کہ جب ان کے سامنے خالد الحذاء حدیث بیان کرتا "فلم یلتفت الیه ابن علیه و ضعف امر خالد" تو وہ اس کی طرف کوئی توجہ نہ دیتے۔ اور اس کو ضعیف کہتے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ ان حضرات کا کلام بظاہر اس وجہ سے ہے کہ حماد بن زید نے خالد حذاء کے حفظ میں تبدیلی کا ذکر کیا اور یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس نے سلطان کے عمل میں شرکت کر لی تھی۔

(تہذیب التہذیب ص ۱۲۲ ج ۳)

④ عکرمہ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما...... اس کا نام عکرمہ البربری ابو عبداللہ المدنی مولیٰ ابن عباس ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یحییٰ بکاء کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو اپنے شاگرد نافع سے یہ کہتے ہوئے سنا اے نافع! تجھ پر افسوس! اللہ سے ڈرو "لا تکذب علی کما کذب عکرمة علی ابن عباس" مجھ پر جھوٹ نہ باندھنا جیسا کہ عکرمہ نے ابن عباس (رضی اللہ عنہما) پر باندھا ہے...... سعید بن مسیّب رحمہ اللہ بھی اپنے غلام سے اسی طرح کہا کرتے تھے۔ یزید بن ابی زیاد کہتے ہیں کہ میں علی بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گیا تو دیکھا کہ عکرمہ دروازے پر بندھا ہوا ہے۔ میں نے پوچھا اس کو کیا ہوا؟ کہنے لگے "انه یکذب علی ابی" یہ میرے باپ پر جھوٹ باندھتا ہے۔ عطاء خراسانی کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے پوچھا عکرمہ کا خیال ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو آپ اس وقت حالت احرام میں تھے۔ وہ کہنے لگے اس خبیث نے جھوٹ کہا ہے۔

سعید بن مسیّب، عطاء اور یحییٰ بن سعید انصاری رحمہم اللہ عکرمہ کو کذاب کہتے تھے۔ امام مالک رحمہ اللہ سے بیان کیا گیا ہے کہ وہ "لا یریٰ عکرمه ثقة و یامر ان لا یؤخذ عنه" عکرمہ کو ثقہ نہیں سمجھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اس کی کوئی روایت نہ لی جائے۔ ابن معین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ عکرمہ کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتے تھے اور کہا کہ "لا اریٰ لاحدٍ ان یقبل حدیثه" میں اس کی حدیث کو قبول کرنے والا کوئی نہیں دیکھتا۔ (تہذیب التہذیب ص ۲۶۷ ج ۷)

امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن حارث، علی بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گئے تو دیکھا کہ عکرمہ دروازے پر بندھا ہوا ہے۔ تو میں نے ان سے کہا کہ اللہ کا خوف کریں تو انھوں نے کہا "ان هذا الخبیث یکذب علی ابی" یہ خبیث میرے والد پر جھوٹ باندھتا ہے۔ مصعب زبیری نے کہا کہ "کان عکرمة یریٰ رای الخوارج" عکرمہ خوارج کا نظریہ رکھتا تھا۔ (میزان الاعتدال ص ۲۰۸ ج ۲)

علمائے رجال نے عکرمہ کے متعلق مندرجہ ذیل آراء کا بھی اظہار کیا ہے:

((قال علی بن مدینی کان عکرمة یری رای نجدة الحروری...... کان عکرمة یرٰی رای الاباضیه (ای فرقة من الخوارج تنسب الی عبدالله ابن اباض)) (کتاب المعرفة والتاریخ، بسوی ص ۷، ۱۲، ج ۲ تحت عکرمہ مولیٰ ابن عباس، ولکنه کان یری رای الخوارج رای الصفریه۔ الکامل لابن عدی تحت عکرمۃ مولیٰ ابن عباس)

یعنی عکرمہ حروریہ، صفریہ، اباضیہ اور خوارج کے نظریات رکھتا تھا۔

اس تفصیل سے زیر بحث حدیث کے رواۃ کی اصلیت وحقیقت اور سیرت وکردار واضح ہو گیا ہے۔ جو راوی نا قابل اعتبار، لیس بشیء، نا قابل احتجاج، غیر ثقہ، جھوٹے، کذاب، حروری، صفری، اباضی اور خارجی ہوں تو ان کی روایت سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے؟

مودودی صاحب نے اس حدیث کے رواۃ میں ایک نام حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا بھی نقل کیا ہے۔ (خلافت وملوکیت ص ۱۳۷) علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے پوری سند کے ساتھ اس روایت کو نقل کر کے اسے موضوع قرار دیا ہے:

''علقمہ اور اسود رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ ہم ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے جب وہ جنگ صفین سے واپس تشریف لائے تھے۔ انھوں نے فرمایا کہ ''سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یقول لعمار یا عمار تقتلك الفئة الباغیه'' میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عمار (رضی اللہ عنہ) کے متعلق یہ کہتے ہوئے سنا کہ اے عمار! تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔''

علامہ سیوطی رحمہ اللہ اس روایت کے آخر میں لکھتے ہیں کہ ''موضوع والمعلی متروك یضع وابو ایوب لم یشهد صفین'' (کتاب اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ، ص ۲۱۲ ج ۱)

کہ یہ سب من گھڑت روایت ہے کیونکہ اس روایت کی سند میں ''معلیٰ بن عبدالرحمٰن'' ایسا راوی ہے جس کی روایت کو متروک کہا گیا ہے کیونکہ یہ اپنی طرف سے احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ اور دوسری بات یہ کہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ جو اس روایت کے مرکزی کردار ہیں سرے سے جنگ صفین میں شامل ہی نہیں ہوئے اور غیر جانب دار صحابہ رضی اللہ عنہم کے گروہ میں شامل رہے۔ وہ کس طرح جنگ صفین سے واپسی پر یہ حدیث بیان کر سکتے تھے؟

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ معلیٰ بن عبدالرحمن کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اسے موت کے وقت استغفار کے لیے کہا گیا تو اس نے کہا مجھے اپنی مغفرت کی کوئی امید نہیں کیونکہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ستر احادیث گھڑی ہیں۔ یا مجھے

مغفرت طلب کرنے کی کیا ضرورت ہے کیونکہ میں نے ستر احادیث فضیلت علی میں گھڑی ہیں۔ الا ارجوا ان یغفرلی وقد وضعت فی فضل علی سبعین حدیث۔ یعنی اتنی بڑی ''نیکی'' کے ہوتے ہوئے مجھے استغفار کی کیا ضرورت ہے؟

عبداللہ بن علی المدینی اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ یہ ضعیف الحدیث ہے۔ اور اس کی روایت کوئی حقیقت نہیں اور "کان یضع الحدیث" احادیث گھڑا کرتا تھا...... ابن ابی حاتم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ "ضعیف الحدیث کَاَنَّ حدیثه لا اصل له" یہ ضعیف الحدیث ہے اور اس کی روایت کی کوئی حقیقت نہیں۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "ضعیف کذاب" یہ ضعیف اور کذاب ہے۔''

(تہذیب التہذیب ص ۲۳۸ ج ۱۰)

صحیح بخاری کی زیر بحث حدیث میں دو مضمون بیان ہوئے ہیں:

ایک "تقتله الفئة الباغیه" عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا۔ اور دوسرا یہ کہ "یدعوهم الی الجنة ویدعونه الی النار" وہ تو باغی گروہ کو جنت کی طرف دعوت دیتے ہوں گے جبکہ باغی گروہ انھیں جہنم کی طرف بلا رہا ہوگا۔ یہ دوسرا جملہ اگر فی الواقع آپؐ ہی کا ارشاد ہے یعنی "یدعوهم الی الجنة (وفی روایة الی الله) ویدعونه الی النار" تو اس جملے کا تعلق حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے سابقہ ابتدائی اور آزمائش دور کے ساتھ ہے۔ جسے راویوں نے اپنی کرشمہ کاریوں کی بنا پر جنگ صفین کے ساتھ جوڑ دیا۔ علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے نزدیک بھی یہ جملہ جنگ صفین سے متعلق نہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''یہ جملہ مستانفہ ہے جو قریش عرب اور مشرکین کے حال کو بیان کرنے کے لیے ہے۔ "واشارة الی المصائب التی اتت علیه من جهة قریش" اور وہ مصائب جو قریش کی طرف سے ان پر دین توحید اختیار کرنے پر ڈھائے گئے تھے ان کی طرف اشارہ ہے کہ وہ لوگ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو اپنے رب کے ساتھ کفر پر مجبور کرتے تھے اور وہ انکار کرتے ہوئے کہتے تھے ''اَللّٰهُ اَحَدٌ'' اللہ ایک ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ جملہ صحیح بخاری کے اصل متن و نسخے میں موجود ہی نہیں۔ اسے بعد میں کسی راوی نے اپنی مخصوص ذہنیت کے پیش نظر اصل حدیث کا حصہ بنا دیا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ مذکورہ الفاظ کی زیادتی حمیدی نے اپنی ''جمع'' میں ذکر نہیں کی۔ اور کہا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے بالکل ہی ذکر نہیں کیا اور یوں ہی ابو مسعود نے بھی کہا۔ حمیدی کا کہنا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کو یہ زیادتی ملی ہی نہ ہو۔ یا ملی ہو لیکن جان بوجھ کر اسے حذف کر دیا ہو۔ ہاں اسماعیلی اور برقانی نے اس حدیث میں مذکورہ زیادتی کی ہو۔ میں کہتا ہوں کہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے جان بوجھ کر حذف کیا ہے اور ایسا انھوں نے ایک باریک نکتے کی بنا پر کیا ہے وہ یہ کہ ابو سعید

رضی اللہ عنہ نے یہ اعتراف کیا کہ یہ زیادتی میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنی۔ "فدل علی انها فی هذه الروایة مدرجة" تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ مذکورہ زیادتی اس روایت میں بعد میں درج کی گئی۔ اور جس روایت میں یہ زیادتی ذکر کی ہے وہ بخاری کی شرط پر پوری نہیں اترتی اس زیادتی کو بزار نے داود بن ابی ہند عن ابی نضرہ عن ابی سعید کی سند سے ذکر کیا ہے۔ یہ حدیث مسجد کی تعمیر میں ایک ایک اینٹ اٹھاتے وقت ذکر ہوئی۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے ساتھیوں نے یہ زیادتی بیان کی "ولم اسمعه من رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم انه قال یابن سمیة تقتلك الفئة الباغیه" اور میں نے اسے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا کہ آپ نے فرمایا ہو اے ابن سمیہ تجھے باغی گروہ قتل کرے گا...... امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی قدر الفاظ حدیث پر اقتصار فرمایا جس قدر ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے تھے۔ ان کے علاوہ الفاظ کو ذکر نہیں کیا۔ "وهذا دال علی دقة فهمه وتبحر فی الاطلاع علی علل الحدیث" اور یہی چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ کتنے زیرک تھے اور حدیث کی علتوں پر انھیں کتنا عبور تھا۔" (فتح الباری ص ۵۴۲، ۵۴۳ ج ۱ کتاب الصلوۃ باب التعاون فی بناء المسجد)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کے بموجب بات صرف اتنی ہی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو دوسرے سب لوگوں سے زیادہ مشقت کرتے پایا جبکہ ان کے کپڑے بھی مٹی سے آلودہ تھے اور زیادہ تھکے ماندے معلوم ہوتے تھے تو آپ کی محبت نے جوش مارا اور ازراہِ ہمدردی آگے بڑھ کر ان کے کپڑوں سے مٹی جھاڑتے ہوئے فرمایا اف اف عمار نے یہ اپنا کیا حال بنا رکھا ہے؟ اور بس۔ اس سے آگے عبارت الحاقی ہے اب اس راوی کو تلاش کرنا ہے جس نے قابل اعتراض الفاظ حدیث میں اپنی طرف سے بڑھا دیے ہیں تو تلاش اور جستجو کے بعد اس ذات شریف کا نام عکرمہ مولیٰ ابن عباس ہے۔ کیونکہ یہ الفاظ "یدعوهم الی الجنة ویدعونه الی النار" صرف عکرمہ کی روایت میں ہی پائے جاتے ہیں اس کے علاوہ کوئی دوسرا راوی یہ الفاظ نقل نہیں کرتا۔ اس ذات شریف یعنی عکرمہ مولیٰ ابن عباس کا تعارف اوپر کرایا جا چکا ہے۔

قابل اعتراض الفاظ کے مدرج اور الحاقی ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ "یدعوهم الی الجنة ویدعونه الی النار" اس جملے میں تو یہ بتایا جا رہا ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ اپنے مخالفین کو جنت کی طرف اور وہ انھیں جہنم کی طرف دعوت دیں گے اب سوال یہ ہے کہ کیا حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن عاص اور ان کے حامی دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی دعوت جنت یا اللہ کی طرف نہیں تھی؟ کیا ان کی دعوت قرآن اور اسلام کے خلاف تھی؟ یا کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے مخالف تھے؟ یا وہ تمام صحابہ و تابعین جو جنگ جمل اور صفین میں ان کے مقابلے میں آئے؟ ظاہر ہے کہ یہ اپنے ہم

مخالف کو جنت کی طرف بلاتے رہے۔ کیا ایک لمحہ کے لیے بھی یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص وغیرہم رضی اللہ عنہم جہنم کی طرف دعوت دیتے رہے؟ یدعوھم اور یدعونہ کے الفاظ ہی اس کے موضوع ہونے کی شہادت دے رہے ہیں۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک سپاہی تھے۔ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اپنے مخالفین کو جہنمی اور ناری سمجھتے رہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مقتولین صفین کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا "قتلانا وقتلھم فی الجنۃ" (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۰۳ ج ۱۵) ہمارے مقتولین اور ان (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کے مقتولین دونوں جنتی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے گشتی مراسلے میں بھی وضاحت فرمائی کہ

''ظاہر ہے کہ ہمارا رب ایک ہے ہمارے نبی ایک ہیں اور ہماری دعوت اسلام ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کے رسول کی تصدیق کرنے میں نہ ہم ان سے زیادہ ہیں اور نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں ہماری اور ان کی دینی حالت ایک جیسی ہے۔'' (نہج البلاغہ ص ۱۱۴ ج ۲)

مخالفین کے متعلق خود حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا اپنا قول یہ ہے کہ:

''زید بن حارث کہتے ہیں کہ میں جنگ صفین میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے پہلو میں تھا اس طرح کہ میرا گھٹنا ان کے گھٹنے سے ٹکراتا تھا۔ ایک آدمی نے کہا "کفر اھل الشام" شامیوں نے کفر کیا۔ تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا:

((لا تقولوا ذلك نبینا ونبیھم واحد وقبلتنا وقبلتھم واحدۃ))

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۹۰ ج ۱۵)

''ایسا مت کہو ہمارا اور ان کا نبی ایک اور ہمارا اور ان کا قبلہ بھی ایک ہے۔''

امام بخاری رحمہ اللہ بروایت سعد بن عامر قرظی ام عمار (جس نے ان کی پرورش کی تھی) کا یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو انھوں نے کہا میں اس بیماری میں نہیں مروں گا کیونکہ مجھ سے میرے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "انی لا اموت الا قتلا بین فئتین مومنین" کہ میں نہیں مروں گا مگر مومنوں کے دو گروہوں کے درمیان بصورت قتل۔

(تاریخ الصغیر، امام بخاری ص ۴۲ تحت من مات بعد عثمان فی خلافۃ علی)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اس قول میں بھی اپنے فریق مخالف کو مومن گروہ قرار دیا۔ شیعہ محدث ابو العباس عبداللہ بن جعفر حمیری قمی ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ

''امام جعفر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی اپنے ساتھ جنگ کرنے والوں کے متعلق

فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے ان سے ان کے کفر کی بنا پر جنگ نہیں کی اور نہ انھوں نے ہمارے کفر کی وجہ سے ہمارے ساتھ جنگ کی۔ "ولكنا رأينا انا على حق ورأوا انهم على حق۔" "لیکن ہم اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے اور وہ اپنے آپ کو برحق سمجھتے تھے۔" (قرب الاسناد، ص ۴۵ ج ۱)

ان حوالہ جات کی رو سے بھی زیر بحث حدیث کا دوسرا جملہ غلط ثابت ہوتا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"بعض محدثین نے اس حدیث پر جرح کی ہے بعض نے اس کی تاویل کی ہے اور باغی سے طالب (قصاص عثمان) مراد لیا ہے...... امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے رفقاء میں باغی لشکر کے شرائط نہیں پائے جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آغاز کار میں ان سے لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ ارشاد ہوا کہ جب دو فریق لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دی جائے۔ پھر جو جماعت ظلم اور تعدی کی مرتکب ہو اس سے لڑا جائے۔ اسی بنا پر امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ اسے "جنگ فتنہ" قرار دیتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ باغیوں سے اس وقت لڑنا جائز ہے جب وہ حاکم وقت کے خلاف نبرد آزما ہوں۔ مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جنگ کا آغاز نہیں کیا تھا۔

اہل سنت کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ امام حق کے لیے معصوم ہونا شرط نہیں۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر اس شخص سے لڑا جائے جو اس کی اطاعت کے دائرہ سے خارج ہو۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ معصیت میں بھی اس کی اطاعت کی جائے۔ اس حالت میں اس کا ساتھ چھوڑ دینا افضل ہے۔ اسی بنا پر صحابہ کی ایک جماعت نے اہل شام کے خلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف نبرد آزما ہوئے تھے وہ تین حال سے خالی نہیں:

① وہ عاصی ہوں گے۔
② خطا کار مجتہد ہوں گے۔
③ یا اپنے اجتہاد میں صحت وصواب کے حامل ہوں گے۔

بہر کیف کوئی بھی صورت ہو اس سے ان کے ایمان میں اور جنتی ہونے میں قدح وارد نہیں ہوتی۔ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا عمار کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔ صحیح حدیث صرف اتنی ہے باقی اضافہ سب جھوٹ ہے۔" (المنتقی، ذہبی اردو ص ۳۶۶، ۵۷۶)

زیر بحث حدیث کے نیچے کے راویوں سے قطع نظر یہ حدیث جن اصحاب رسول سے مروی ہے ان میں سے چار حضرات عثمان، حذیفہ، ابن مسعود اور ابو رافع رضی اللہ عنہم تو جنگ صفین سے پہلے وفات پا چکے تھے چار حضرات ابو ایوب انصاری، ابو ہریرہ، ابو سعید خدری اور ام سلمہ رضی اللہ عنہم غیر جانب دار رہے۔ اب حضرت عمار رضی اللہ عنہ

کے علاوہ باقی پانچ حضرات میں سے تین ابوقتادہ، خزیمہ بن ثابت اور ابوالیسر رضی اللہ عنہم جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور دو عمرو بن عاص اور عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔

اب قابل غور بات یہ ہے کہ جن تین حضرات نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا تو کسی صحیح باسند روایت سے یہ ثابت نہیں کہ انھوں نے محض اس حدیث کی بنا پر حق و باطل کا اندازہ لگا کر ان کا ساتھ دیا ہو اور نہ ان سے یہ ثابت ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد انھوں نے حدیث کو مدار استدلال بنا کر دوسرے فریق کو باغی کہا ہو حالانکہ ان تین حضرات میں سے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ دو ۵۵ھ اور ۵۴ھ تک زندہ رہے۔ اگر بقول مودودی صاحب قتل عمار ''حق و باطل'' کے لیے نص صریح تھا تو پھر کیا وجہ ہے کہ ان غیر جانب دار صحابہ نے حق کا ساتھ کیوں نہیں دیا؟ اور غیر جانب دار ہی رہ کر باطل کو کیوں تقویت پہنچاتے رہے؟ اور نہ ان دو حضرات عمرو بن عاص اور عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے باطل (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) سے علیحدگی اختیار کر کے حق کا ساتھ دیا۔

پھر سب سے زیادہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا طرز عمل باعث الجھن ہے جب ''نص صریح'' کے ذریعے ''حق و باطل'' واضح ہو گیا تھا تو

اولاً...... انھوں نے جنگ بندی کیوں قبول کی؟ اور قرآن کا بھی یہ حکم ہے کہ باغی گروہ جب تک اپنی بغاوت سے باز نہ آ جائے اس وقت تک اس سے قتال جاری رکھا جائے۔

ثانیاً...... جب شہادت عمار نے حق و باطل واضح کر دیا تھا تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تحکیم (ثالثی) کیوں قبول کی؟

ثالثاً...... جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا باغی اور باطل پر ہونا نص صریح سے ثابت ہو گیا تھا تو ان سے قتال کرنے کے بجائے حضرت حسن رضی اللہ عنہ ان کے حق میں دستبردار کیوں ہوئے؟

رابعاً...... اگر نص صریح سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا باغی ہونا واضح ہو گیا تھا تو تمام مسلمانوں کو ان سے علیحدگی اختیار کر لینی چاہیے تھی۔ لیکن ہوا یہ کہ سب نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کی تائید و تصدیق کی اور اس سال کا نام ہی ''عام الجماعۃ'' پڑ گیا۔ یعنی قبل ازیں نظم حکومت میں جو انتشار اور خلفشار پیدا ہو گیا تھا وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بنتے ہی نظم و ضبط اور اتحاد و اتفاق میں تبدیل ہو گیا۔ کیا باغی اور باطل ایسے ہی سلوک کا مستحق ہوا کرتا ہے؟

خامساً...... رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سے بھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کی تحسین و تصویب ثابت ہوتی ہے: "ان ابنی هذا سید لعل الله ان یصلح به بین فئتین عظیمتین من المسلمین" (صحیح بخاری کتاب الصلح) میرا یہ بیٹا سردار ہے شاید اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو

عظیم گروہوں میں صلح کرا دے۔ اس حدیث میں آپؐ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ کو مسلمانوں کا ایک عظیم گروہ فرما رہے ہیں۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ ۳۷ھ میں شہید ہوئے۔ حدیث میں ان کے قاتل گروہ کو "فئة باغية" کہا گیا ہے اور صلح حسن ۴۱ھ میں ہوئی۔ "فئتين عظيمتين من المسلمين" سے بالاتفاق حضرت حسن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے گروہ مراد ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ پر "فئة باغية" کا اطلاق نص صریح "فئة عظيمة" کے خلاف ہے۔

سادساً...... صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث میں یہ روایت آئی ہے کہ

((لا تقوم الساعة حتى تقتتل فئتان دعواهما واحدة))

(صحیح بخاری، کتاب استتابۃ المرتدین والمعاندین وقتالہم، باب قول النبیؐ لا تقوم الساعة حتى تقتتل فئتان دعواهما واحدة)

''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں قتال نہ کریں۔ ان دونوں جماعتوں کی دعوت ایک ہوگی۔''

شارحین کے نزدیک دو عظیم جماعتوں سے مراد حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی جماعتیں ہیں اور آپ نے ان دونوں کی دعوت کو ایک قرار دیا ہے۔ (نووی شرح مسلم ص ۳۹۰ ج ۱) اس حدیث سے بھی واضح ہوا کہ دونوں جماعتیں حق پر تھیں۔

سابعاً...... صحیح مسلم میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ

((تمرق مارقة عند فرقة من المسلمين يقتلهما اولى الطائفتين بالحق))

(صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب اعطاء المولفۃ ومن یخاف علیٰ ایمانہ...... ج ۱ ص ۳۴۲)

''مسلمانوں کے باہمی اختلاف کے وقت ایک گروہ امت سے نکل جائے گا اور اس کو وہ گروہ قتل کرے گا جو مسلمانوں کے دونوں گروہوں میں حق سے زیادہ قریب ہوگا۔''

اس حدیث میں امت سے نکل جانے والے فرقے سے مراد بالاتفاق خوارج ہیں۔ آپ کے اس ارشاد سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کا اختلاف حق اور باطل کا نہیں تھا بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی برحق تھے۔

اس تفصیل سے روایتاً و درایتاً یہ ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ پر "فئة باغية" کا اطلاق لغو، بے بنیاد، خلاف واقعہ اور واضح تبرا ہے۔

اب یہ معلوم کرنا باقی رہ گیا ہے کہ جب زیر بحث حدیث کے الفاظ (بشرط صحت روایت) کا مصداق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہرگز نہیں ہیں تو پھر کون سا گروہ اس حدیث کا مصداق ہوگا؟ آئیے اس گروہ کی نقاب

کشائی بھی کرتے چلیں۔

علامہ محبّ الدین خطیب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ جنگ صفین میں آپ کی حیثیت ایک باغی کی نہ تھی۔ کیونکہ آپ نے اس کا آغاز نہیں کیا تھا اور جنگ کے لیے اس وقت آئے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفے سے نکل کر شام پر حملہ کرنے کے لیے نخیلہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا عمار کے قتل کی ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو ان کو یہاں لائے۔ (خطیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں) میری ذاتی رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں جو مسلمان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد مارے گئے ان کے قتل کے ذمہ دار قاتلین عثمان ہیں۔ اس لیے کہ انھوں نے فتنہ کے دروازہ کو کھولا اور عرصہ مدید تک اس کو ہوا دیتے رہے۔ اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے مابین جذبات حقد و عناد کے بھڑکانے کا موجب ہوئے اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا سانحہ فاجعہ پیش نہ آتا تو جنگ جمل و صفین وقوع پذیر نہ ہوتیں۔ جس طرح یہ فتنہ پرداز احمق قتل عثمان کے مرتکب ہوئے اسی طرح اس واقعہ کے بعد تہ تیغ ہونے والے مسلمانوں کے قاتل بھی یہی لوگ ہیں۔ مقتولین میں نہ صرف حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما بلکہ ان سے افضل لوگ بھی شامل ہیں مثلاً طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما۔ اس فتنہ پردازی کا انجام یہ ہوا کہ ان لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے دم لیا۔ حالانکہ یہ آپ کے لشکر میں شامل تھے۔

مذکورہ صدر بیان سے عیاں ہے کہ ذکر کردہ حدیث نبوی اعلام نبوت میں سے ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ صفین میں لڑنے والے دونوں فریق زمرۂ مومنین میں شامل تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بلاشبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے افضل تھے۔ تاہم دونوں صحابہ رسول اور دین اسلام کے رکن رکین تھے۔ اس دور میں جس قدر فتنے بپا ہوئے اس کی ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جنھوں نے اس آگ کو ہوا دی۔ آنے والے ادوار میں تاقیام قیامت جو لوگ ان کے فعل کو سراہتے ہیں وہ ان کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔ یہ ایک مسلمہ صداقت ہے کہ قاتلین عثمان ہی وہ باغی ہیں جو بعد میں قتل ہونے والے سب مسلمانوں کے ذمہ دار ہیں۔ اسی طرح بعد ازاں جو فتنے بپا ہوئے اس کا اصل سرچشمہ وہی فتنہ پرداز لوگ ہیں۔''

(حاشیہ العواصم من القواصم ص ۱۷۰۔ المنتقی اردو ص ۳۶۶)

علامہ محبّ الدین خطیب رحمہ اللہ کی اس توضیح سے یہ ثابت ہو گیا کہ "فئة باغية" کے مصداق قاتلین عثمان ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں شامل تھے یہ گروہ امت مسلمہ میں افتراق و انتشار کا بیج بو کر دعوت الی النار کا فریضہ سرانجام دے رہا تھا۔ یہی گروہ ہے جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کا ارتکاب کیا ان کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کیے۔ جس نے جنگ جمل برپا کی۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو قتل

کیا۔ پھر اسی گروہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف لشکر کشی کی۔ اور یقیناً حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا قاتل بھی یہی گروہ ہے۔ حدیث میں بھی (بشرط صحت روایت) باغی گروہ ہی کو قاتل عمار بتایا گیا ہے۔ یعنی وہ قتل کی وجہ سے باغی نہیں ہوگا بلکہ وہ باغی تو پہلے سے ہوگا اور قتل بعد میں کرے گا۔ اور یہاں بھی یہی ہوا کہ انھوں نے بغاوت تو پہلے کی اور قتل کا ارتکاب بعد میں کیا۔

ایک دوسری روایت میں زیر بحث حدیث کے الفاظ اس طرح بھی آئے ہیں:

((یا عمار لا تقتلك اصحابی تقتلك الفئة الباغیة)) (وفاء الوفاء بحوالہ براءۃ عثمان ص ۶۲)

''اے عمار تجھے میرے صحابہ میں سے کوئی قتل نہیں کرے گا بلکہ تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔''

اس حدیث میں "فئة باغية" کو صحابہ کے مقابلے میں لایا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ جماعت باغیہ صحابہ کے علاوہ کوئی اور جماعت تھی۔ جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا صحابی ہونا قطعی ہے۔ لہٰذا انھیں قاتل عمار کہنا ایسے ہی غلط ہے جیسے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قاتل عثمان کہنا اسلام میں اولاً بالذات باغی جماعت وہی ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی مرتکب ہوکر "فئة باغية" کی حقیقی مصداق بنی اور اس گروہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو بھی قتل کیا تھا۔ اسی لیے بعض حضرات نے مودودی صاحب کے محبوب مورخ جناب طبری کی ایک روایت کی رو سے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی جنگ صفین میں شمولیت کو ہی غلط قرار دیا ہے اور وہ اس طرح کہ:

''جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو تحقیقات کی غرض سے مصر بھیجا تھا تو ملعون باغی گروہ نے انھیں کسی شبہ کے سبب مصر سے مدینہ جاتے ہوئے راستہ میں قتل کر دیا اور پھر آگے چل کر اسی ملعون گروہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی شہید کیا۔'' (طبری ص ۱۰۴ ج ۵)

باغیوں کے لیے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو راستے سے ہٹانا نہایت ضروری تھا کیونکہ وہ باغیوں کی سازشوں سے آگاہ ہونے کے ساتھ ساتھ خود باغیوں کو بھی اچھی طرح جانتے تھے۔ باغی یہ سمجھتے تھے کہ فریقین میں جب بھی صلح ہوگی تو قاتلین کا پتا چلانے میں یہ اہم کردار ادا کریں گے۔ اسی لیے انھوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو اپنے راستے سے ہٹایا۔

مودودی صاحب بھی قاتلین عثمان کو باغی اور بلوائی مانتے ہیں اور مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر بھی انھیں بالاتفاق باغی ہی سمجھتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ انھیں حدیث "فئة باغية" کا مصداق قرار نہیں دیا جاتا۔

بعض حضرات نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کر کے ان پر خوب طنز کیا کہ جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع انھیں ملی تو انھوں نے فوراً یہ تاویل کی کہ کیا ہم نے عمار کو قتل کیا ہے؟ انھیں تو اس نے قتل کیا ہے جو انھیں میدان جنگ میں ساتھ لایا اس پر یہ طعن کیا جاتا ہے کہ پھر اس طرح تو شہدائے بدر واحد کے

قاتل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہرے جو انھیں ساتھ لائے تھے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول اگر سبائیوں کا وضع کردہ نہیں ہے تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ فعل کی نسبت کبھی سبب فعل کی طرف کی جاتی ہے۔ جیسے ﴿إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ﴾ (ابراھیم :۳۶)

ظاہر ہے کہ بے جان پتھر کسی کو کیا گمراہ کر سکتے ہیں مگر چونکہ یہ بت انسانوں کی گمراہی کا سبب بنے اس لیے گمراہی کی نسبت ان کی طرف کر دی گئی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ان کی بصیرت کا واضح ثبوت ملتا ہے کہ مختصر ترین تبصرہ میں اصل قاتلوں کی نشاندہی کر دی کہ نہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ظلماً قتل کیا جاتا، نہ سبائی خلافت مرتضوی پر حاوی ہوتے، نہ جمل وصفین میں مصالحت کی فضا پیدا ہونے کے بعد جنگ چھڑتی اور نہ بے وجہ مسلمانوں کا کشت وخون ہوتا۔ لہٰذا ان تمام واقعات، تنازعات، اختلافات اور سانحات کا سبب "الفئة الباغية" یعنی قاتلین عثمان ہیں۔

شہدائے بدر واحد کے قتل کے ذمہ دار بھی وہ کفار تھے جو ان جنگوں کا سبب بنے نہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو صلح جو، امن اور عدل کے قیام کے لیے تشریف لائے تھے۔ لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ تاویل (بشرط صحت روایت) درست ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کا سبب یہی گروہ تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ تاویل بعد میں سبائیوں نے اپنی سیاسی اغراض کے تحت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی ثابت کرنے کے لیے ان کی طرف منسوب کی۔

اس تمام تفصیل سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو اسی گروہ نے قتل کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں قاتلین عثمان کی شمولیت کی بنا پر اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم نے نہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا اور نہ ان کی بیعت کی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قتل عمار کے بعد بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دینا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہرگز باغی نہ تھے۔ نیز لشکر علی میں شامل صحابہ نے بھی انھیں باغی قرار نہیں دیا۔ لہٰذا یہ کہنا قطعاً غلط نہ ہوگا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے باغی نہ ہونے پر صحابہ کا اجماع ہے اور اجماع صحابہ حجت شرعیہ ہے۔ جو حضرات سبائی پراپیگنڈے سے متاثر ہو کر انھیں باغی سمجھتے ہیں اس کی رو سے اول تو یہ لازم آتا ہے کہ صحابہ کا قول وعمل حجت نہیں۔ اور دوسری جانب صحابہ کا العیاذ باللہ گمراہ ہونا لازم آتا ہے۔ حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء (سوائے قاتلین عثمان کے) کا بھی۔ اس لیے کہ انھوں نے کبھی بھی صحابہ سے یہ نہیں کہا کہ قتل عمار سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باغی ہیں۔ اب غیر جانب داری کی آخر کیا وجہ ہے؟ حضرات حکمین (ابوموسیٰ اشعری اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما) کے سامنے بھی یہ نکتہ نہ اٹھایا گیا اور پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بھی یہ بات کسی کے سامنے پیش نہیں کی بلکہ ان کے حق میں دستبردار ہو کر اپنے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ و دیگر احباب سمیت ان کے ہاتھ پر بیعت بھی کر لی۔

حیرت ہے کہ صحابہ و تابعین کو تو یہ دلیل نہ سوجھی لیکن سبائی مورخین ابومخنف، کلبی، واقدی، دینوری، طبری، مسعودی اور ان کے ہم خیال لوگوں کو صدیوں بعد سینہ بہ سینہ علم باطن کے ذریعے سے یہ دلیل نظر آ گئی اور بعد کے ''سنی علماء'' نے طبری وغیرہ کو مفسر، محدث، مورخ اور محقق گردانتے ہوئے اس پر ایمان لانا ضروری سمجھا اور تاویل در تاویل کے ذریعے سے آں محترم کو باغی اور طاغی تک کہہ دیا کہ وہ اس بغاوت میں معذور و مجبور تھے، ان سے خطا ہوگئی اور وہ زیر بحث حدیث کی رو سے مصالحت علی و حسن رضی اللہ عنہما (۴۰-۴۱ھ) تک یقیناً باغی تھے۔

جن ''اسلافِ متاخرین'' نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''باغی، طاغی، فاسق و جائر'' کے القاب سے یاد کیا ہے تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں ان ''اسلاف'' کی حیثیت ہی کیا ہے؟ ان ''اسلاف'' نے تو یہ بھی کہا ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بدترین دشمن تھے، وہ بلوائیوں اور باغیوں کے ہمدرد تھے حتیٰ کہ ان ہی کتب میں ان سے منسوب یہ الفاظ بھی پائے جاتے ہیں:

''حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انھوں نے کہا ''عثمان صراحتاً کافر ہو گئے تھے۔'' حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے عمار رضی اللہ عنہ کی یہ بات ناپسند کی تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انھوں نے کہا اے عمار! کیا آپ اس خدا سے منکر ہیں جس پر عثمان ایمان لائے تھے؟'' (المنتقیٰ ص ۵۷۵ تحت مشاجرات صحابہ میں کف لسان کی افضلیت)

یہ عنوان خود بتا رہا ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ چنانچہ باقی روایات کے بارے میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ روایت موضوع ہے لیکن یہاں تو اسے تسلیم کرتے ہوئے یہ لکھ رہے ہیں کہ:

''ہم اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ بعض اوقات ایک ولی اللہ اور مومن شخص دوسرے ولی کی ازراہِ خطا تکفیر کرتا ہے۔ مگر اس کے باوصف دونوں کے ایمان میں قدح وارد نہیں ہوتی۔'' (حوالہ مذکور)

''ولیوں'' کا آخر ''تکفیر'' کے علاوہ اور کام ہی کیا رہ گیا ہے؟

اگر زیر بحث حدیث کی رو سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی کہا جا سکتا ہے تو کیا حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کے بموجب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو العیاذ باللہ کافر کہا جائے گا؟

ہمارے نزدیک تو یہ سب قاتلین عثمان ہی کی کارستانی ہے۔ اگر حضرت عمار رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد کے دشمن ہوتے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان پر اعتماد کر کے تحقیقات کی غرض سے سبائیوں بلوائیوں اور باغیوں کے پاس کیوں بھیجتے؟

محقق اہل سنت مولانا ابوریحان عبدالغفور صاحب لکھتے ہیں کہ:

''قاتل عمار کی یہ سات نشانیاں ہیں جو کسی اور نے نہیں بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہیں

اور ارشاد بھی اس حدیث میں فرمائی ہیں جس کے حوالہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو قاتل عمار اور پھر باغی بنایا جاتا ہے۔ ان نشانیوں کی روشنی میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا قاتل وہ گروہ بنتا ہے جو (۱) غیر صحابی ہو (۲) باغی ہو (۳) داعی الی النار ہو (۴) فی النار ہو (۵) بدبخت ہو (۶) شریر ہو (۷) نانہجار ہو...... اور یہ سب نشانیاں بیدہ سبائی مفسدوں میں پائی جاتی ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں میں ان میں سے کوئی ایک نشانی بھی نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا حدیث قتل عمار کے حوالے سے ہی اگر کوئی قاتل عمار اور "الفئة الباغية" کا مصداق بنتا ہے تو وہ سبائیوں مفسدوں کا گروہ ہی بنتا ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نہ قاتل عمار بنتے ہیں اور نہ "الفئة الباغية" کا مصداق ہی۔ کیونکہ ان کو یہ کچھ بنانے کے لیے اسی حدیث کی رو سے ہی ضروری ہے کہ پہلے

① ان کی صحابیت کا انکار کیا جائے۔ ② ان کا باغی ہونا ثابت کیا جائے ③ ان کو زیادہ نہیں تو کم از کم ان کے صفینی مؤقف کی حد تک تو ضرور ہی داعی الی النار کہا جائے ④ ان کو فی النار مانا جائے ⑤ ان کو یکے از اشقیاء واشرار ⑥ اور یکے از فجار قرار دیا جائے...... اور اس کی جرأت کوئی سبائی تبرائی تو کر سکتا ہے کسی صحیح العقیدہ سنی سے اس کی توقع ہرگز نہیں رکھی جا سکتی۔ کیونکہ اہل سنت کے عقیدے کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (۱) صحابی ہیں نہ کہ غیر صحابی (۲) عادل ہیں نہ کہ باغی (ورنہ ان کو باغی کہنے والے ہی پھر ان کی بغاوت کی تاویلیں کرنے پر مجبور نہ ہوتے) (۳) داعی الی الجنہ ہیں نہ کہ داعی الی النار (۴) فی الجنہ ہیں نہ کہ فی النار (۵) یکے از سعداء ہیں نہ کہ یکے از اشقیاء (۶) یکے از شرفاء ہیں نہ کہ یکے از اشرار (۷) یکے از ابرار ہیں نہ کہ یکے از فجار۔ لہٰذا حدیث قتل عمار کی رو سے ہی وہ قاتل عمار نہ ہوئے اور باغی ان کو اسی بنا پر بتایا جا رہا تھا۔ جب وہ بنیاد ہی بے بنیاد ثابت ہوئی اور ثابت بھی اسی حدیث سے ہوئی تو ان کا باغی طاغی ہونا خود بخود بے بنیاد ہو گیا......

الغرض جس حدیث کے حوالے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو قاتل عمار بنا کر "الفئة الباغية" کا مصداق بنایا جا رہا ہے اسی حدیث سے علیٰ وجہ الکمال یہ بات ثابت ہو گئی کہ وہ حضرات نہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل تھے اور نہ "الفئة الباغية" کے ہی مصداق۔ بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل اور باغی سبائی مفسد ہی حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل بھی تھے اور "الفئة الباغية" کا مصداق بھی۔

(ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان، نومبر ۱۹۹۴ء)

(۳۱) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شکست سے بچنے کے لیے نیزوں پر قرآن بلند کرایا

جناب مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ

''حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دوسرے روز ۱۰ صفر کو سخت معرکہ برپا ہوا۔ جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج شکست کے قریب پہنچ گئی۔ اس وقت حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ اب ہماری فوج نیزوں پر قرآن اٹھا لے اور کہے کہ "هذا حكم بيننا وبينكم" یہ ہمارے اور تمھارے درمیان حکم ہے۔ اس کی مصلحت حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے خود یہ بتائی کہ اس سے علی (رضی اللہ عنہ) کے لشکر میں پھوٹ پڑ جائے گی...... اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ یہ محض ایک جنگی چال تھی قرآن کو حکم بنانا سرے سے مقصود ہی نہ تھا۔ اس مشورے کے مطابق لشکر معاویہ میں قرآن نیزوں پر اٹھایا گیا۔ اور اس کا وہی نتیجہ ہوا جس کی حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو امید تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عراق کے لوگوں کو لاکھ سمجھایا کہ اس چال میں نہ آؤ اور جنگ کو آخری فیصلے تک پہنچ جانے دو مگر ان میں پھوٹ پڑ کر رہی اور آخر کار حضرت علی رضی اللہ عنہ مجبور ہو گئے کہ جنگ بند کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے تحکیم کا معاہدہ کر لیں۔'' (خلافت وملوکیت ص ۱۳۹)

اس عبارت میں مودودی صاحب نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین میں حد کر دی۔ ان کے جذبہ اخلاص اور نیت پر شبہ کیا۔ سبائیت کی نہ صرف بھرپور ترجمانی کی بلکہ ''حق نمک'' بھی ادا کر دیا۔

موصوف نے یہ کہانی کس کتاب سے نقل کی اور اس کا راوی کون ہے؟ اس کا ذکر تو آگے آرہا ہے یہاں تو صرف اس بات پر اظہار افسوس کرنا ہے کہ اس کہانی کو موصوف نے قرآن ہی کی طرح یقینی خیال کرتے ہوئے اپنے خبث باطن کا بھی اظہار کر دیا کہ ''اس کا صاف معنی یہ ہے کہ یہ محض ایک جنگی چال تھی۔ قرآن کو حکم بنانا سرے سے مقصود ہی نہ تھا'' اگر موصوف پوری کہانی نقل کر دیتے تو اس مکروہ اور زہریلے تبصرے کی قطعاً کوئی گنجائش نہ پاتے۔ اسی لیے انھوں نے خیانت اور بددیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حذف اور اختصار سے کام لیا اور اس میدان میں اپنے روحانی ''اب وجد'' کو بھی مات دے دی۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں وہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مشرف باسلام ہوئے جب وہ دولت ایمان سے سرفراز ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مکہ نے اپنے دل کے ٹکڑے مدینہ کو پیش کر دیے ہیں۔ آپ نے ان کے اسلام قبول کرنے پر ایک ایسا جملہ ارشاد فرمایا جو ان کی سیرت وکردار پر بہترین تبصرہ ہے کہ "اسلم الناس وامن عمرو بن العاص" (مسند احمد ص ۱۵۵ ج ۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ان پر اعتماد کیا ہے۔ انھوں نے اپنے آپ کو اسلام کی خدمت کے لیے

وقف کیے رکھا۔ صدیق، فاروق اور عثمان رضی اللہ عنہم کے معتمد رہے۔ مصر کا ملک ان ہی کی تیغ زنی کی یادگار ہے۔ افسوس ایسے جلیل القدر صحابی مودودی صاحب کے ''معیار اور کسوٹی'' پر پورے نہیں اتر سکے یا پھر موصوف کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور صحابہ رضی اللہ عنہم پر کوئی اعتماد نہیں رہا۔

یہ پیچھے گزر چکا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صرف کفر کے مقابلے کے لیے پیدا ہوئے انھیں باہمی جھگڑوں سے سخت نفرت تھی۔ ان کی شدید خواہش تھی کہ مسلمان باہمی خون ریزی سے بچ جائیں۔ امت کی خیر خواہی کے جذبے کے پیش نظر انھوں نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے ایک شخص کے ذریعے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس قرآن بھیجا اور یہ بھی غلط ہے کہ قرآن کو نیزوں پر اٹھایا گیا کیونکہ اس طریقے میں قرآن کی توہین اور بے حرمتی پائی جاتی ہے۔ اور اس کی توقع صحابہ سے ہرگز نہیں ہوسکتی...... مودودی صاحب اگر اس روایت کے نقل کرنے میں بھی بددیانتی کا مظاہرہ نہ کرتے تو اس روایت میں بھی یہ الفاظ موجود تھے کہ ''اہل شام کے ختم ہو جانے کے بعد وہاں کے قلعوں کی کون حفاظت کرے گا؟ اور اہل عراق کے فنا ہو جانے کے بعد وہاں کے قلعوں کی نگہبانی کون کرے گا؟'' (تاریخ طبری تحت ۳۷ھ)

اس کذاب راوی نے تو یہ الفاظ نقل کر دیے مگر مودودی صاحب نے اپنی مخصوص ذہنیت کے پیش نظر انھیں حذف کر دیا۔ موصوف کو ''درد اور مروڑ'' اس لیے اٹھ رہے ہیں کہ اس تدبیر سے جنگ کیوں ختم ہوگئی؟ مسلمانوں کی باہمی خونریزی کیوں بند ہوئی؟ جب معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج شکست کے قریب پہنچ چکی تھی اسے ازسرنو زندگی کیوں مل گئی؟

اجی حضرت! یہ معلومات آپ کو اسی تاریخ طبری سے مل جائیں گی کہ کون فتح کے قریب تھا اور کون شکست کے قریب؟ اگر شامی شکست کے قریب ہوتے تو لشکر علی میں کبھی پھوٹ نہ پڑتی۔ کیونکہ بقول مودودی صاحب ''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عراق کے لوگوں کو لاکھ سمجھایا کہ اس چال میں نہ آؤ اور جنگ کو آخری فیصلے تک پہنچ جانے دو'' کیا اس حکم علیؓ پر صرف اشتر نخعی نے عمل کیا اور جنگ جاری رکھی؟ باقی وفادار اور مخلص افراد نے اس حکم پر عمل کیوں نہیں کیا؟

اس سے تو یہی واضح ہوتا ہے کہ عراقی شامیوں کے مقابلے سے عاجز آ گئے تھے۔ اگر عراقی اتنے ہی سورما ہوتے تو ضرور حکم علی کی تعمیل میں جنگ کو آخری فیصلے تک پہنچا کر دم لیتے۔ یا پھر واقعہ تحکیم کے بعد تازہ دم ہو جانے کے بعد دوبارہ مقابلے پر آ جاتے۔ جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بار بار اپنی فوجوں کو فریق مخالف پر حملہ کرنے کا حکم بھی دیا تھا۔ چنانچہ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ واپس پہنچ کر شام پر چڑھائی کی پھر تیاریاں شروع کر دیں۔ اس زمانے میں انھوں نے جو تقریریں کیں ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ امت پر ملوکیت کے مسلط ہو جانے کا خطرہ کس شدت کے ساتھ محسوس کر رہے تھے۔ اور خلافت راشدہ کے نظام کو بچانے کے لیے کس طرح ہاتھ

پاؤں مار رہے تھے۔ ایک تقریر میں وہ فرماتے ہیں ”خدا کی قسم! اگر یہ لوگ تمھارے حاکم بن گئے تو تمھارے درمیان کسریٰ اور ہرقل کی طرح کام کریں گے۔“ ایک دوسری تقریر میں انھوں نے فرمایا ”چلو ان لوگوں کے مقابلے میں جو تم سے اس لیے لڑ رہے ہیں کہ ملوک جبابرہ بن جائیں اور اللہ کے بندوں کو اپنا غلام بنالیں۔“ مگر عراق کے لوگ ہمت ہار چکے تھے۔“ (خلافت وملوکیت ص ۱۴۴، ۱۴۵)

مودودی صاحب...... اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ نہ بھی ہوتے اور ایسی پر درد اور پرسوز تقریریں کرتے تو بھی اہل عراق کو فوراً اپنی جانیں قربان کر دینی چاہییں تھیں مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک قائد، حاکم، سردار اور خلیفہ راشد کی حیثیت سے حکم صادر کر رہے ہیں اور امت کو پیش آمدہ خطرات سے آگاہ کر رہے ہیں تو انھوں نے حکم عدولی کیوں کی؟

موصوف خود اعتراف کرتے ہیں کہ

”مگر عراق کے لوگ ہمت ہار چکے تھے“......سوال یہ ہے کہ جب وہ پہلے ہی فتح کے قریب تھے، انھیں جنگ میں آزما بھی چکے تھے تو دوبارہ مقابلہ کرنے میں کون سی رکاوٹ تھی؟ پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جب حملہ کا حکم دیا تو ان ہی عراقیوں میں بھگدڑ کیوں مچ گئی؟ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ فتح کے قریب تھے تو واقعہ تحکیم کے بعد غیر جانب دار حضرات پر اس کا یہ اثر ہونا چاہیے تھا کہ وہ ان کی خلافت کو قبول کر لیتے۔ لیکن ہوا یہ کہ مصر جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم تھی۔ تحکیم کے بعد اہل خربتا نے گورنر علی کے خلاف تلوار اٹھالی اور اسے قتل کر کے مصر کا شام کے ساتھ الحاق کر دیا۔ اس کے علاوہ کچھ دیگر علاقے بھی آزاد ہو گئے۔ یہ عجیب فتح تھی کہ بجائے مزید غلبہ اور تسلط حاصل کرنے کے اپنے زیر تسلط علاقوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ حقیقت یہ ہے کہ عراقی شامی تلواروں کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے تھے۔ یہاں کسی کی فتح و شکست کا معاملہ نہیں تھا بلکہ امت مسلمہ کو خون ریزی سے بچانا مقصود تھا۔

اگر لشکر معاویہ کا قرآن بلند کرنا، اسے حکم بنانا بدنیتی اور جنگی چال پر مبنی ہوتا تو کیا (معاذ اللہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اسی جذبے کے پیش نظر جنگ جمل کے دوران میں قرآن بلند کرایا تھا؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تو اس موقع پر کوئی نئی تدبیر نہیں نکالی بلکہ انھوں نے سنت مرتضوی پر ہی عمل کیا تھا۔

اگر بالفرض محال یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ لشکر معاویہ نے بطور چال قرآن بلند کرایا تھا اور اس سے ان کا مقصد دعوت الی القرآن اور قرآن کو حکم بنانا نہیں تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے فوجیوں کو لاکھ سمجھاتے رہے۔ کیا ایک لمحے کے لیے بھی یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود قرآنی ہدایت کو نظر انداز کر دیا تھا؟ مودودی صاحب تو ”بغض معاویہ“ کے جوش میں یہ سب کچھ کہہ گئے مگر وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ اس طرح تو خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی توہین کا بھی ارتکاب ہو گیا۔ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ دعوت الی القرآن کے جواب میں یہ طرز عمل اختیار کر سکتے ہیں؟ جبکہ قرآن نے تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

﴿وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ وَاِنْ يُّرِيْدُوْۤا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ﴾ (الانفال: ۶۱-۶۲)

''کہ صلح کی طرف اگر کافر بھی مائل ہوں تو ہرگز انکار نہ کیجیے اور صلح کے لیے فوراً آمادہ ہو جائیے اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا جانتا ہے اگر وہ آپ سے دھوکا اور غداری کریں گے تو فکر نہ کیجیے اللہ آپ کے لیے بالکل کافی ہے۔''

قرآن تو کافروں کی صلح کی پیش کش کو مسترد کرنے سے منع کر رہا ہے اور مودودی صاحب تو یہ ثابت کر رہے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی پیش کش کو بھی ٹھکرا دیا تھا۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ اولاً...... قرآن کا نیزوں پر بلند کرانا بالکل غلط اور قرآن کی توہین ہے اور ثانیاً ارسال قرآن کی تجویز امت مسلمہ کی خیر خواہی کے جذبے کے پیش نظر پیش کی گئی۔ اور اس میں ہرگز کوئی چال، فریب اور دھوکا نہیں تھا۔

مودودی صاحب نے یہ کہانی تاریخ طبری سے نامکمل نقل کی ہے اس کے راوی موصوف کے روحانی مرشد جناب ابومخنف لوط بن یحییٰ ہیں۔ اس ذات شریف کا حدود اربعہ اور اس کے متعلق علمائے رجال کی آراء پیچھے زیر عنوان ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر دریائے فرات کا پانی بند کر دیا تھا'' گزر چکی ہیں۔ یہ شخص کذاب، مفتری اور آگ لگانے والا شیعہ ہے۔ یہ شخص ۱۷۰ھ میں فوت ہوا، جنگ صفین ۳۷ھ میں ہوئی۔ اس موقع پر اس کا باپ بھی پیدا نہیں ہوا تھا۔ حیرت ہے کہ مودودی صاحب نے ایسے کذاب اور اخبث راوی پر اعتماد کر کے صحابہ کی کردار کشی کی ہے۔ اس روایت میں ابومخنف کا موجود ہونا ہی اس کہانی کے جھوٹا اور وضعی ہونے کے لیے کافی ہے اور اس روایت کے اگلے حصے میں جلیل القدر اصحاب رسول کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان سے جو کچھ کہلوایا گیا ہے وہ بھی اس کے موضوع ہونے کی واضح دلیل ہے جسے مودودی صاحب نے نظر انداز کر کے اپنے الفاظ میں یوں ادا کیا کہ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عراق کے لوگوں کو لاکھ سمجھایا کہ اس چال میں نہ آؤ اور جنگ کو آخری فیصلے تک پہنچ جانے دو۔'' جبکہ اس روایت کی رو سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کو اس ''جنگی چال'' کی حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

''یہ معاویہ، عمرو بن عاص، عقبہ بن ابی معیط، حبیب بن مسلمہ، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اور ضحاک بن قیس ''لیسوا باصحاب دین ولا قرآن انا اعرف بھم منکم'' ان کو نہ دین سے کوئی سروکار ہے اور نہ قرآن سے کوئی تعلق۔ میں تم سے زیادہ ان لوگوں کو جانتا ہوں۔ میری آنکھ کے سامنے یہ جوان ہوئے۔ یہ جب بچے تھے تب بھی بدتر تھے اور اب جبکہ یہ جوان مرد ہو چکے ہیں بدترین مرد ہیں۔ انھوں نے قرآن نیزوں پر اس لیے نہیں اٹھائے کہ اس پر عمل کریں مگر یہ محض ان کی دھوکا دہی اور چال بازی ہے...... مگر شیعان علی نے کہا اے علی جب آپ کو کتاب اللہ کی دعوت دی جا رہی ہے تو اسے قبول کرو...... ہمیں شامیوں کی یہ

دعوت قبول ہے۔ اللہ کی قسم! یا تو آپ کو اس پر ضرور عمل کرنا ہوگا یا پھر ہم آپ کا بھی ضرور وہی حشر کریں گے (یعنی عثمان جیسا حشر)۔'' (طبری ص ۳۵۸ ج ۳)

یہ تھی وہ روایت جس کی بنا پر مودودی صاحب نے حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص ؓ پر چال بازی کا الزام عائد کیا۔ کون تصور کرسکتا ہے کہ حضرت علی ؓ جیسی شخصیت نے ان اصحاب رسول کے متعلق مذکورہ کلمات ادا کیے ہوں گے؟ کیا وہ نہیں جانتے تھے کہ حضرت معاویہ ؓ کو پیغمبر نے کاتب وحی مقرر کیا تھا؟ کیا جس کا قرآن سے کوئی تعلق نہ ہو اسے یہ منصب سونپا جا سکتا ہے؟ کیا یہ لوگ ہمیشہ شریر رہے؟ کیا یہ جلیل القدر حضرات بدترین بچے اور بدترین مرد تھے؟ کیا حضرت علی ؓ نے ان کے ساتھ صرف اس لیے جنگ کی کہ وہ قرآن کو چھوڑ بیٹھے تھے؟ کیا ان حضرات نے قرآن دھوکا دہی کے لیے بھیجا تھا؟

افسوس مودودی صاحب نے جذبۂ ''بغض معاویہ'' سے مغلوب ہو کر حضرت علی ؓ کی سیرت و کردار سے مطابقت رکھنے والی روایات کو نظر انداز کر دیا۔ ابومخنف کذاب کی اس غلط اور من گھڑت روایت کے مقابلے میں امام ابن کثیر ؒ نے امام احمد ؒ سے ایک باسند روایت نقل کی ہے جس سے صحیح صورت حال سامنے آتی ہے..... حضرت ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ:

''ہم لوگ صفین میں تھے۔ جب اہل شام کے ساتھ جنگ زور پکڑ گئی تو شامی فوج کا ایک دستہ ایک ٹیلہ پر چڑھ گیا۔ اس موقع پر حضرت عمرو بن عاص ؓ نے حضرت معاویہ ؓ سے کہا:

((ارسل الی علی بمصحف فادعه الی کتاب الله فانه لم یأبی علیك فجاء به رجل فقال بیننا وبینکم کتاب الله..... فقال علی نعم انا اولی بذلك بیننا وبینکم کتاب الله)) (البدایہ والنہایہ ص ۲۷۲ ج ۷)

''کہ حضرت علی ؓ کے پاس ایک قرآن بھجوا دیں اور انھیں کتاب اللہ کی دعوت دیں مجھے امید ہے کہ وہ ہرگز اس سے انکار نہیں کریں گے۔ چنانچہ ایک شخص نے حضرت علی ؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ ہمارے اور آپ کے درمیان اللہ کی کتاب ہے۔ انھوں نے فرمایا ہاں میں لوگوں کو اس کی دعوت دینے کا زیادہ حق دار ہوں۔ ٹھیک ہے ہمارے اور تمھارے درمیان اللہ کی کتاب فیصلہ کرے گی۔''

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ:

''حبیب بن ثابت کہتے ہیں کہ میں ابو وائل کے پاس کچھ پوچھنے کے لیے آیا تو انھوں نے کہا:

((کنا بصفین فقال رجل اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ فقال علی نعم.....))

(صحیح بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۃ الفتح باب قولہ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ)

''کہ ہم جنگ صفین میں شریک تھے۔ تو ایک شخص نے کہا کیا تم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جو اللہ کی کتاب کی طرف بلائے جاتے ہیں تو حضرت علی ؓ نے فرمایا: ہاں۔''

تیسیر القاری شرح صحیح بخاری میں ہے کہ

''مسند احمد اور نسائی کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب کتاب اللہ پر عمل کی دعوت دی جائے تو میں اسے قبول کرنے کا زیادہ حقدار ہوں۔'' (ص ۷۰ ۵ ج ۴)

ان روایات سے وہ تمام شکوک وشبہات دور ہو گئے جو ایک عام قاری کے ذہن میں حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے متعلق پیدا ہوئے تھے اور طبری کی اس روایت کی قلعی بھی کھل گئی جسے طبری (متوفی ۳۱۰ھ) نے اپنی مخصوص شیعی ذہنیت کے پیش نظر ابومخنف لوط بن یحیٰی (متوفی ۱۷۰ھ) کذاب رافضی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

افسوس ہے کہ مودودی صاحب نے ابومخنف کذاب کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے یہ لکھ دیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو جنگ جاری رکھنا چاہتے تھے لیکن سبائیوں کا ایک گروہ جنگ بند کرنے پر مصر تھا۔ جبکہ حقیقت یہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قرآن کی دعوت قبول کرنے پر زور دے رہے تھے اور سبائیوں کا ایک گروہ اشترنخعی کی قیادت میں جنگ جاری رکھنے پر مصر تھا۔ اور یہی بات صحیح بخاری، مسند احمد، سنن نسائی اور ابن کثیر کی صحیح روایات سے ثابت ہے۔

حضرت علی، حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن عاص سب اصحاب رسول رضی اللہ عنہم جنگ کرنے سے گریز کرتے رہے۔ جب سبائیوں کی سازش سے جنگ زور پکڑ گئی تو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے امت کی خیر خواہی کے پیش نظر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ مشورہ دیا۔ انھوں نے فوراً اس پر عمل کرتے ہوئے ایک آدمی کو قرآن دے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور آں محترم نے اس دعوت کو قبول کر کے جنگ بندی کا حکم دے دیا۔ لیکن اشترنخعی نے اس حکم کی مخالفت کرتے ہوئے جنگ جاری رکھی۔ جسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سختی کے ساتھ واپس بلا لیا۔ مگر مودودی صاحب نے اس حقیقت کے برعکس یہ لکھ دیا کہ

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عراق کے لوگوں کو لاکھ سمجھایا کہ اس چال میں نہ آؤ...... مگران میں پھوٹ پڑ کر رہی اور آخر کار حضرت علی رضی اللہ عنہ مجبور ہو گئے کہ جنگ بند کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے تحکیم کا معاہدہ کر لیں۔''

(خلافت وملوکیت ص ۱۴۰)

مودودی صاحب! اگر خلافت وملوکیت جیسی غلیظ اور زہریلی کتاب لکھنے پر آج تک جماعت اسلامی میں کوئی پھوٹ نہیں پڑ سکی تو دعوت الی کتاب اللہ سے کیوں کر پھوٹ پڑ سکتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اہل عراق میں پھوٹ محض اس لیے پڑی کہ ان کا ایک گروہ شدید زخم خوردہ تھا اور دوسرا گروہ جنگ بندی میں اپنی موت تصور کرتا تھا۔

(۳۲) واقعہ تحکیم میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے چال بازی سے کام لیا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ انھوں نے واقعہ تحکیم میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت سے معزول کرایا، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بے وقوف بنایا، اپنی خلافت کا اعلان کرا کر معاہدہ ثالثی کی خلاف ورزی کرائی اور بہت بڑا دھوکا کیا۔

مودودی صاحب نے اپنی کتاب خلافت وملوکیت میں ص ۱۴۰ تا ۱۴۵ چھ صفحات میں اس واقعہ پر خوب تبصرہ کیا، صحابہ پر تبرا کیا، ان کی خوب غلطیاں گنوائیں، انھیں مخالف قرآن قرار دیا، اور غدار اور فاجر کہا اور کہلوایا...... غرض کہ صحابہ کی توہین میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور اس مہم میں نہ صرف اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں سے خوب کام لیا بلکہ دیگر دشمنان صحابہ کی خدمات سے بھی بھرپور استفادہ کیا۔

پھر جب انھیں یہ خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں کوئی شخص ان امور کو ''اجتہاد'' کا نام دے کر صحابہ کی صفائی نہ بیان کر دے تو انھوں نے ''حفظ ما تقدم'' کے طور پر اس کا بھی دروازہ بند کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

''جو انصاف پسند آدمی بھی نیزوں پر قرآن اٹھانے کی تجویز سے لے کر اس وقت تک کی روداد پڑھے گا وہ مشکل ہی سے مان سکتا ہے کہ یہ سب کچھ ''اجتہاد'' تھا...... مگر یہ بھی کچھ کم زیادتی نہیں ہے کہ اگر ان میں سے کسی نے کوئی غلط کام کیا ہو تو ہم محض صحابیت کی رعایت سے اس کو اجتہاد قرار دینے کی کوشش کریں۔ بڑے لوگوں کے غلط کام اگر ان کی بڑائی کے سبب سے اجتہاد بن جائیں تو بعد کے لوگوں کو ہم کیا کہہ کر ایسے ''اجتہادات'' سے روک سکتے ہیں...... جان بوجھ کر ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق غلط کام کرنے کا نام اجتہاد ہرگز نہیں ہو سکتا کوئی غلط کام محض شرف صحابیت کی وجہ سے مشرف نہیں ہو جاتا۔ بلکہ صحابی کے مرتبہ بلند کی وجہ سے وہ غلطی اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے۔ لیکن اس پر رائے زنی کرنے والے کو لازماً یہ احتیاط ملحوظ رکھنی چاہیے کہ غلط کو صرف غلط سمجھنے اور کہنے پر اکتفا کرے۔ اس سے آگے بڑھ کر صحابی کی ذات کو بحیثیت مجموعی مطعون نہ کرنے لگے۔'' (خلافت وملوکیت ص ۱۴۳)

موصوف کے خرافات اور ہذیانات سے قطع نظر واقعہ تحکیم کی حقیقت ملاحظہ فرمائیں:

''فریقین میں جنگ بند ہو جانے کے بعد باہمی مشورہ سے یہ طے پایا کہ دونوں طرف سے ایک ایک ثالث مقرر کیا جائے۔ اہل شام کی طرف سے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا نام تجویز ہوا۔ جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو ثالث مقرر کرنا چاہتے تھے۔ مگر اہل عراق نے سخت مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ ''لا نرضی الا بابی موسیٰ'' (البدایہ والنہایہ ص ۲۷۶ ج ۷) ہم ابوموسیٰ کے علاوہ کسی پر راضی نہیں ہیں۔

آخران کے اصرار پر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو حکم بنانا پڑا، حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان پر مطمئن نہ تھے۔"
(خلافت وملوکیت ص ۱۴۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے تمام مخلص رفقاء کو تو ان پر اعتماد تھا۔ مگر مودودی صاحب مطمئن نہ ہو سکے۔ انھیں تو صرف اشتر نخعی پر اعتماد تھا جس کا نام جب بطور حکم پیش ہوا تو مخلصین نے سخت مخالفت کی کہ یہ جنگ کی آگ تو اسی کی لگائی ہوئی ہے...... بہرحال حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ثالث مقرر ہو گئے۔ جہاں تک ان کی قابلیت کا تعلق ہے تو ابوالاسود ابن یزید فرماتے ہیں "لم اری بالکوفة اعلم من علی وابی موسیٰ" میں نے کوفہ میں حضرت علی اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہما سے زیادہ عالم کسی کو نہیں دیکھا۔ (تذکرۃ الحفاظ ص ۱۰۶ ج ۴)

امام مسروق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((کان القضاء فی اصحاب رسول الله ﷺ فی ستة عمر و علی وابن مسعود وابی ابن کعب و زید بن ثابت و ابی موسیٰ)) (تاریخ اسلام، ذہبی ص ۲۵۷ ج ۲)

"آنحضرت ﷺ کے چھ اصحاب میں قضا منحصر تھی ان میں حضرت ابوموسیٰ بھی رضی اللہ عنہ ہیں۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے متعلق فرمایا:

((صبغ فی العلم صبغة ثم خرج منه)) (حوالہ مذکور)

"وہ علم میں رنگ کر نکالے گئے تھے۔"

امام احمد رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو لوگوں کو قرآن سکھانے کے لیے یمن بھیجا۔ (صفوۃ الصفوۃ ص ۲۲۵ ج ۱)

امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

((کان من اجلاء الصحابة وفضلاءهم)) (تاریخ اسلام ص ۲۵۵ ج ۲)

"حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ جلیل القدر اور فضلائے صحابہ میں سے تھے۔"

دوسرے حکم حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہیں جنھیں اہل شام نے متفقہ طور پر مقرر کیا تھا۔ یہ بھی ایک جلیل القدر صحابی ہیں آپ نے ان کے متعلق فرمایا "اسلم الناس وامن عمرو بن العاص" (مسند احمد ص ۱۵۵ ج ۴) لوگ اسلام لائے اور عمرو ایمان لائے ہیں...... آپ نے یہ بھی فرمایا "ان عمرو بن العاص من صالحی قریش" (البدایہ والنہایہ ص ۲۶ ج ۸) یقیناً عمرو قریش کے صلحاء میں سے ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

((کان النبی یقربه ویدینه لمعرفة وشجاعة)) (الاصابہ تحت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ)

"نبی اکرم ﷺ ان کے علم وعرفان اور شجاعت کی وجہ سے انھیں اپنے قریب رکھتے تھے۔"

ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: "ابناء العاص مومنان یعنی هشام و عمرو" (مسند احمد ص ۳۵۳ ج ۴) عاص کے دونوں بیٹے ہشام اور عمرو مومن ہیں..... آنحضرت ﷺ نے انھیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: تم اسلام میں ایک صائب الرائے آدمی ہو۔ (کنز العمال ص ۱۸۶ ج ۶) چنانچہ ان کی اسی زیرکی اور تدبر کی وجہ سے آپ اکثر مہمات ان کے سپرد فرماتے بلکہ بعض مرتبہ ابوبکر اور عمر ؓ پر بھی انھیں امیر بنایا گیا۔

(تہذیب التہذیب ص ۵۶ا ج ۸)

حضرت عمر بن خطاب ؓ جیسا ذہین، عبقری اور صاحب تدبر انسان بھی ان کی اصابت رائے اور عقل و دانش کا معترف اور مداح تھا۔ (استیعاب و اصابہ تحت عمرو بن العاص ؓ) حضرت قبیصہ بن جابر ؒ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے زیادہ قرآن بیان کرنے والا، ان سے زیادہ شریف الخلق اور ان سے زیادہ یکساں ظاہر و باطن والا نہیں دیکھا۔ (حوالہ مذکور)

الغرض یہ دونوں حکم جلیل القدر صحابی ہیں۔ عہد رسالت سے خلافت عثمان تک اہم مناصب پر فائز چلے آتے رہے۔ جنگی فتوحات میں بھی ان کا نمایاں حصہ ہے۔ اور ملک و قوم کے انتظامی معاملات بھی ان کے سپرد رہے۔ یہ زہد و عبادت اور علم و ورع کے ساتھ ساتھ ماہر حرب و ضرب اور سیاست کے میدان کے بھی شہسوار تھے۔ ہزاروں افراد ان کی ماتحتی میں کئی کئی سال گزار چکے تھے۔ ان کے اسی کردار کے پیش نظر انھیں ثالث تسلیم کیا گیا۔

اس وقت مخالف و موافق میں سے کسی نے بھی انھیں مغفل، ناسمجھ، کم عقل، بے شعور، مکار اور عیار نہیں کہا۔ اور نہ ان پر کسی قسم کا کوئی اعتراض ہی کیا ہے اگر ''مورخین'' کے بقول حضرت ابوموسیٰ ؓ کو ناسمجھ قرار دیا جائے تو اس سے حضرت علی ؓ پر بھی الزام عائد ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسے آدمی کو ثالث بنانے پر آمادہ ہو گئے جو اس قدر سادہ کم عقل اور بے وقوف تھا کہ فریق مخالف کی سازش کا شکار ہو گیا۔

ان حضرات کے ثالث مقرر ہو جانے کے بعد بالاتفاق حسب ذیل معاہدہ مرتب ہوا:

''یہ ہے وہ معاہدہ جو علی بن ابی طالب اور معاویہ بن ابی سفیان کے مابین ہوا۔ حضرت علی ؓ نے یہ معاہدہ تمام اہل کوفہ اور اپنے سب ساتھیوں مسلمانوں اور مومنین کی طرف سے اور حضرت معاویہ ؓ نے یہ معاہدہ تمام اہل شام اور اپنے سب ساتھیوں مسلمانوں اور مومنین کی طرف سے کیا ہے۔ ہم اللہ رب العزت اور اس کی کتاب قرآن حکیم کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں اور اس کے علاوہ کسی اور چیز پر متحد نہیں ہوں گے۔ پس یہ دونوں ثالث جو کچھ کتاب اللہ میں پائیں گے اس کے مطابق عمل کریں گے۔ اور کتاب اللہ میں نہ پانے کی صورت میں نبی اکرم ﷺ کی سنت عادلہ جامعہ غیر مفرقہ پر عمل کریں گے۔ اس کے بعد دونوں ثالثوں نے حضرت علی اور حضرت معاویہ ؓ سے یہ عہد و پیمان لیا کہ وہ اس کی پابندی کریں گے اور دونوں

ثالث جو فیصلہ کریں گے تمام افراد امت اس میں ان کی مدد کریں گے......

جانبین کے مومنین و مسلمین پر اللہ کی طرف سے اس بات کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس معاہدہ کو مانیں اور اس کے مطابق عمل درآمد کریں۔ نیز راست روی اور حالت امن برقرار رکھیں۔ ہتھیاروں کے استعمال سے اجتناب کریں۔ مسلمان جہاں چاہیں آئیں جائیں۔ ان کی جان، مال، اہل وعیال اور حاضر و غائب سب محفوظ ہیں۔ دونوں ثالثوں پر اللہ کی عائد کردہ ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس امت کے درمیان صحیح صحیح فیصلہ کریں۔ اور امت کو دوبارہ جنگ یا تفرقے میں مبتلا کر کے معصیت کا ارتکاب نہ کریں۔ مدت فیصلہ رمضان تک ہے۔ اگر مزید تاخیر چاہیں تو دونوں ثالثوں کی باہمی رضامندی سے اس میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

ثالثوں میں سے اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو ہر گروہ کا سربراہ کسی دوسرے صاحب عدل و انصاف ثالث کا تقرر کر سکتا ہے...... مقام فیصلہ جہاں وہ سنایا جائے اہل کوفہ اور اہل شام کے درمیان مساوی ہو۔ ثالثوں کی مرضی کے بغیر کوئی شخص ان کے پاس نہ جائے۔ ثالث حضرات جن لوگوں سے چاہیں گواہی لیں انہیں اجازت ہے لیکن ان کی گواہیاں معاہدہ کے کاغذ پر ثبت ہونی چاہییں۔ پھر اس معاہدہ کی رو سے وہ اپنا فیصلہ قلم بند کریں اور جو آدمی معاہدے کی خلاف ورزی کر کے ہیر پھیر اور ظلم کا مرتکب ہو تو تمام اہل اسلام اس کے خلاف دوسرے فریق کی مدد کریں۔'' (تاریخ طبری ص ۲۱ ج ۶)

اس معاہدہ پر دونوں جانب سے دستخط ہو گئے اور بہت سے گواہوں نے اپنی گواہیاں بھی ثبت کر دیں۔ اس معاہدے کے بعد دونوں لشکر اپنے اپنے علاقے میں چلے گئے۔ اپنی فوجیں منتشر کر کے حالت جنگ یکسر ختم کر دی گئی فیصلے کے لیے حکمین کو چھ ماہ کی مدت دی گئی۔ خضری کے مطابق معاہدہ میں یہ شرط بھی تھی کہ فیصلہ سنانے کے وقت دونوں گروہوں کے امیر وہاں نہیں آئیں گے بلکہ ان کی طرف سے چار چار سو نمائندے حاضر ہوں گے۔

اس کے بعد دونوں ثالث چھ ماہ تک امت کی بہتری کے لیے مسلسل شب و روز غور و فکر کرتے رہے۔ اس دوران میں سیکڑوں لوگوں سے ملاقاتیں کیں حتیٰ کہ غیر جانب دار حضرات سے بھی مل کر ان سے مشورے حاصل کیے اور پھر دونوں نے معاہدہ کے مطابق "ثم یکتبان شهادتهما علی ما فی هذه الصحیفة" متفقہ فیصلہ تحریر کیا۔

معاہدہ تحکیم ۱۳ صفر ۳۷ھ کو لکھا گیا اور چھ ماہ بعد شعبان ۳۷ھ میں بمقام اذرح فیصلہ سنانے کا تعین ہوا۔ فریقین کے چار چار سو نمائندے اور فیصلے کی اہمیت کے پیش نظر چند غیر جانب دار صحابہ بھی اس اہم فیصلے کو سننے کے لیے تشریف لائے۔ فیصلے کا اصل متن سبائی و مجوسی مورخین کی منشا و مرضی کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے تاریخ کے صفحات سے غائب کر دیا گیا۔ اور اس کی جگہ گالی گلوچ، سب و شتم، لعن طعن، ہاتھا پائی اور مار

دھاڑ کو داخل کر دیا گیا...... لیکن قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام باتیں لغو، بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہیں۔ فیصلہ سنائے جانے کے بعد کسی قسم کی ہنگامہ آرائی یا غل غپاڑہ نہیں ہوا اور تمام حضرات (ماسوائے دشمنان اسلام) سکھ کا سانس لیتے ہوئے اپنے اپنے علاقوں کو واپس چلے گئے۔ کیونکہ اگر فیصلے کی وہ صورت ہوتی جو مودودی صاحب نے مجوسی اور سبائی راویوں اور مورخین کے تعاون سے بیان کی ہے تو بعد کے حالات اتنے پرسکون نہ رہتے۔ صرف گالیوں کا تبادلہ نہ ہوتا بلکہ تلواریں اپنا کام دکھاتیں اور معمولی خراشیں نہ آتیں بلکہ لاشوں کے ڈھیر لگ جاتے...... اور یہ امر واقع ہے کہ حکمین کے فیصلہ کے بعد خانہ جنگی رک گئی۔ جو اس چیز کی علامت ہے کہ فیصلہ صحیح ہوا تھا اور فریقین اس فیصلے پر مطمئن تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد بھی اس بات کی تصدیق کرتا ہے:

((ایها الناس لا تکرهوا امارة معاویة فانکم لو فقدتموه رایتم الرؤس تندرعن کواهلها کانها الحنظل)) (البدایہ والنہایہ ص ۱۳۱ ج ۸)

''اے لوگو! امارت معاویہ کو ناپسند نہ کرنا کیونکہ اگر تم نے انہیں کھو دیا تو تم سروں کو شانوں پر سے حنظل کی طرح گرتے ہوئے دیکھو گے۔''

مختلف روایات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ثالثوں نے اس فیصلے میں فریقین کے موقف کو اصولاً درست تسلیم کیا کہ دونوں فریق حق پر ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا قصاص واجب ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بالفعل درست ہے لیکن خلافت کے مستقل حل کو صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے کے ساتھ مشروط کر دیا...... نیز جب تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا متفقہ فیصلہ سامنے نہیں آتا اس وقت تک دونوں فریق اپنے اپنے زیرنگین علاقوں کا نظم ونسق بدستور چلاتے رہیں۔ قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ نے بھی یہی متن جاری کیا ہے:

''خلافت کا مسئلہ بڑے بڑے صحابہ پر چھوڑ دیا جائے۔ جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری دم تک راضی رہے۔ سردست حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما اپنے اپنے مقبوضہ علاقوں کا نظم ونسق علیحدہ علیحدہ چلاتے رہیں اور آپس میں امن وسلامتی سے رہیں'' اسی فیصلہ پر دونوں ثالثوں کا اتفاق تھا اور اسی پر فریقین بھی متفق ہو گئے...... ان ثالثوں کا امت مسلمہ پر یہ عظیم احسان تھا کہ انھوں نے حسن ذہانت، خداداد بصیرت اور اپنی بھرپور صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے مسلمانوں کی باہمی جنگ وجدال اور باہمی خوں ریزی کا قصہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ کسی قسم کا کوئی دھوکا اور چال بازی نہیں ہوئی۔ بلکہ ان کے موقف کو قابل فخر قرار دیا گیا۔ ذوالرمتہ شاعر نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پوتے بلال بن ابی بردہ رحمہ اللہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: آپ کے باپ نے لوگوں کی خواہش کے مطابق دین کو بچا لیا جبکہ دین کا محل گر رہا تھا۔

آپ نے اذرح کے دنوں میں دین کی بنیادیں مضبوط کر دیں اور ان جنگوں کو ناکارہ کر دیا جو خون بہا رہی تھیں۔'' (العواصم من القواصم ص۲۹۲ اردو)

سبائیوں کے لیے یہ فیصلہ انتہائی ناقابل برداشت تھا۔ لہٰذا انھوں نے بعض علاقوں میں چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ جس کی وجہ سے چند واقعات رونما ہوئے۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ۴۰ھ میں باقاعدہ مصالحت کر لی۔ جس کی رو سے ملک شام اور اس کے ملحقات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماتحت قرار دیے گئے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس مصالحت کے گواہ تھے۔ ''وانه كان شاهدا للصلح''

(البدایہ والنہایہ ص۳۲۲ ج۷)

لیکن افسوس ہے کہ حضرات حکمین جناب مودودی صاحب کے مرتب کردہ ایجنڈے پر عمل نہ کر سکے لہٰذا ان کے معتوب ہو گئے۔ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں کہ:

''لیکن دومۃ الجندل میں جب دونوں حکم مل کر بیٹھے تو سرے سے یہ امر زیر بحث ہی نہ آیا کہ قرآن و سنت کی رو سے اس قضیہ کا فیصلہ کیا ہو سکتا ہے۔ قرآن میں صاف حکم موجود تھا کہ مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان اصلاح کی صحیح صورت طائفہ باغیہ کو راہ راست پر آنے کے لیے مجبور کرنا ہے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نص صریح نے متعین کر دیا تھا کہ اس قضیہ میں طائفہ باغیہ کون سا ہے۔ ایک امیر کی امارت قائم ہو جانے کے بعد اس کی اطاعت نہ کرنے والے کے بارے میں بھی واضح احادیث موجود تھیں۔ خون کے دعویٰ کا بھی شریعت میں صاف ضابطہ موجود تھا۔ جس کی رو سے دیکھا جا سکتا تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خون عثمان کے متعلق اپنا دعویٰ ٹھیک طریقے سے اٹھایا ہے یا غلط طریقے سے۔ اور معاہدہ تحکیم کی رو سے دونوں صاحبوں کے سپرد یہ کام سرے سے کیا ہی نہیں گیا تھا کہ وہ خلافت کے مسئلے کا جو فیصلہ بطور خود مناسب سمجھیں کر دیں...... مگر جب دونوں بزرگوں نے بات چیت شروع کی تو ان سارے پہلوؤں کو نظر انداز کر کے یہ بحث شروع کر دی کہ خلافت کا مسئلہ اب کیسے طے کیا جائے؟ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ کے نزدیک اس معاملے میں کیا صورت مناسب ہوگی؟ انھوں نے کہا میری رائے یہ ہے کہ ہم ان دونوں حضرات (علی و معاویہ رضی اللہ عنہما) کو الگ کر کے خلافت کے مسئلے کو مسلمانوں کے باہمی مشورہ پر چھوڑ دیں تاکہ وہ جسے چاہیں منتخب کر لیں۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا ٹھیک بات یہی ہے جو آپ نے سوچی ہے اس کے بعد دونوں صاحب مجمع عام میں آئے جہاں دونوں طرف کے چار چار سو اصحاب اور کچھ غیر جانب دار بزرگ موجود تھے۔

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا آپ ان لوگوں کو بتا دیجیے کہ ہم ایک رائے پر متفق ہو گئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر آپ دونوں ایک رائے پر متفق

ہو گئے ہیں تو اس متفقہ فیصلے کا اعلان عمرو بن عاص کو کرنے دیجیے مجھے اندیشہ ہے کہ آپ دھوکا کھا گئے ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے اس کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ہم نے بالاتفاق ایک فیصلہ کیا ہے پھر وہ تقریر کے لیے اٹھے اور اس میں اعلان کیا کہ میں اور میرے یہ دوست (یعنی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ) ایک بات پر متفق ہو گئے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ہم علی اور معاویہ کو الگ کر دیں اور لوگ باہمی مشورہ سے جس کو پسند کریں اپنا امیر بنا لیں لہٰذا میں علی اور معاویہ کو الگ کرتا ہوں اب آپ لوگ اپنا معاملہ خود اپنے ہاتھ میں لیں اور جسے اہل سمجھیں اپنا امیر بنا لیں۔

اس کے بعد حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے کہا ان صاحب نے جو کچھ کہا ہے وہ آپ لوگوں نے سن لیا۔ انھوں نے اپنے آدمی (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کو معزول کر دیا ہے میں بھی ان کی طرح انھیں معزول کرتا ہوں اور اپنے آدمی (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کو قائم رکھتا ہوں کیونکہ وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ولی اور ان کے خون کے دعوے دار اور ان کی جانشینی کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنتے ہی کہا "ما لك لا وفقك الله غدرت وفجرت" یہ تم نے کیا کیا؟ خدا تمھیں توفیق نہ دے تم نے دھوکا دیا اور عہد کی خلاف ورزی کی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بولے افسوس تمھارے حال پر اے ابو موسیٰ! تم عمرو کی چالوں کے مقابلے میں بڑے کمزور نکلے۔ (حقیقت یہ ہے کہ حضرت سعد دومۃ الجندل تشریف ہی نہیں لے گئے تھے)۔ (البدایہ والنہایہ ص ۲۸۲ ج ۷)

(معلوم نہیں کہ مودودی صاحب کی یہ جہالت ہے یا مکاری)...... حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ یقیناً بڑے مرتبہ کے بزرگ ہیں اور انھوں نے اسلام کی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ البتہ ان سے یہ دو کام ایسے سرزد ہو گئے ہیں جنھیں غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں...... یہ پوری کارروائی جو دومۃ الجندل میں ہوئی معاہدہ تحکیم کے بالکل خلاف اور اس کے حدود سے قطعی متجاوز تھی۔ ان حضرات نے غلط طور پر یہ فرض کر لیا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے کے مجاز ہیں...... پھر انھوں نے یہ بھی غلط فرض کر لیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے مقابلے میں خلافت کا دعویٰ لے کر اٹھے ہیں...... مزید برآں ان کا یہ مفروضہ بھی غلط تھا کہ وہ خلافت کے مسئلے کا فیصلہ کرنے کے لیے حکم بنائے گئے ہیں...... اسی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے فیصلے کو رد کر دیا اور اپنی جماعت میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا سنو یہ دونوں صاحب جنھیں تم لوگوں نے حکم مقرر کیا تھا انھوں نے قرآن کے حکم کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور خدا کی ہدایت کے بغیر ان میں سے ہر ایک نے اپنے خیالات کی پیروی کی اور ایسا فیصلہ دیا جو کسی واضح حجت اور سنت ماضیہ پر مبنی نہیں ہے اور اس فیصلے میں دونوں نے اختلاف کیا ہے اور دونوں ہی کسی صحیح فیصلے پر نہیں پہنچے ہیں۔

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ واپس پہنچ کر شام پر چڑھائی کی پھر تیاریاں شروع کر دیں۔ اس

زمانے میں انھوں نے جو تقریریں کیں ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ امت پر ملوکیت کے مسلط ہو جانے کا خطرہ کس شدت کے ساتھ محسوس کر رہے تھے۔ اور خلافت راشدہ کے نظام کو بچانے کے لیے کس طرح ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ ایک تقریر میں وہ فرماتے ہیں خدا کی قسم! اگر یہ لوگ تمھارے حاکم بن گئے تو تمھارے درمیان کسریٰ اور ہرقل کی طرح کام کریں گے...... ایک دوسری تقریر میں انھوں نے فرمایا: چلو ان لوگوں کے مقابلے میں جو تم سے اس لیے لڑ رہے ہیں کہ ملوک جبابرہ بن جائیں اور اللہ کے بندوں کو اپنا غلام بنالیں...... مگر عراق کے لوگ ہمت ہار چکے تھے۔'' (خلافت وملوکیت ص ۱۴۱-۱۴۵)

مودودی صاحب نے واقعہ تحکیم کی یہ داستان تاریخ طبری سے نقل کی ہے اور اپنی چالاکی سے بعض الفاظ حذف کر دیے۔ طبری کی یہ روایت بھی خیر سے جناب ابومخنف لوط بن یحییٰ رافضی کذاب کی وضع کردہ ہے۔ اس ذات شریف کا حال پیچھے بیان ہو چکا ہے۔ محض اسی بات سے روایت کی حقیقت تو واضح ہوگئی ہے لیکن یہاں حذف شدہ ریمارکس پیش کیے جاتے ہیں تاکہ عام قاری بھی موصوف کی مکاری اور چالبازی سے آگاہ ہو جائے۔ جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنی باری پر سیکڑوں افراد مخالفین وموافقین کی موجودگی میں فیصلہ سنایا تو ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ چلائے کہ یہ بے ایمانی اور مکاری ہے اور کہا:

((انما مثلك الكلب ان تحمل عليه يلهث او تتركه يلهث قال له عمرو انما مثلك مثل الحمار يحمل اسفارا)) (طبری ص ۵۲ ج ۴)

''تیری مثال بالیقین کتے کی سی ہے اگر اس پر بوجھ لادو تب بھی ہانپتا ہے یا اسے چھوڑ دو تب بھی ہانپتا ہے۔''

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جواباً کہا: تیری مثال گدھے کی سی ہے جس پر بہت سی کتابیں لدی ہوئی ہوں...... اس کے بعد دونوں گروہوں کی آپس میں گالم گلوچ ہوئی اور ہاتھا پائی تک نوبت جا پہنچی۔

اس قسم کا کردار تو کسی عام مسلمان کے بھی شایان شان نہیں چہ جائیکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتگان اور امت کے راہنما اس کردار کے مالک ہوں...... اگر بغض صحابہ کا جذبہ کارفرما نہ ہو تو معمولی سی سوجھ بوجھ رکھنے والا بھی پکار اٹھے گا ''هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ'' یہ بہت بڑا بہتان ہے اور یہ کسی دشمن اسلام، دشمن رسول اور دشمن صحابہ کی کارروائی ہے لیکن صد آفرین ہو مودودی صاحب کو جنھوں نے ایسے دشمنان اسلام کی روایات پر اعتماد ویقین کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کردار کشی کی ہے۔ اور شاید ان ہی خدمات کے صلے میں موصوف کو جماعت اسلامی کی امارت اور ''مفکر اسلام'' کا خطاب عطا ہوا ہے اللہ تعالیٰ ایسی غلیظ سوچ اور فکر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔

اگر ذرا بھی عقل وشعور سے کام لیا جائے تو ان روایات کی حقیقت بالکل بے غبار ہو جاتی ہے اور

دشمنان اسلام کے مکر و فریب کا پتا چل جاتا ہے کہ انھوں نے ہماری تاریخ مسخ کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف غلط اور مکروہ واقعات کی نسبت کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی (اور اگر کہیں کوئی کمی محسوس ہوئی تو اسے مودودی صاحب نے بطریق احسن پورا کر دیا) تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں صحابہ کی عقیدت نہ رہے بلکہ ان کے دل و دماغ میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ صحابہ تو بے وقوف، کم عقل، مکار، فریبی اور قرآن و حدیث کے مخالف تھے۔ جب لوگوں کے دلوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کے نقوش باقی نہ رہیں گے تو نئی نسل کا اسلام پر سے اعتماد اٹھ جائے گا اور اسے کفر و الحاد کی طرف لے جانا آسان ہو جائے گا۔

ایسی مسخ شدہ تاریخ کے حوالے سے مودودی صاحب یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ حکمین نے اپنے فیصلے زبانی سنائے اور آناً فاناً یہ کارروائی مکمل ہوگئی۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مکاری اور چالبازی سے کام لیتے ہوئے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو پہلے تقریر کی دعوت دی اور خود بعد میں تقریر کر کے دھوکا اور غداری سے کام لیا۔ حالانکہ یہ عقل و دانش اور اصول اسلام کے خلاف ہے۔ اس سے قبل جب بھی کہیں ایسے اہم فیصلے ہوئے وہ باقاعدہ لکھے جاتے اور وقت پر پڑھ کر سنا دیے جاتے تھے۔ معاہدہ حدیبیہ اور اسی طرح دیگر معاہدے تحریری طور پر ہی ہوتے رہے۔..... حیرت ہے کہ واقعہ تحکیم کا اتنا عظیم اور اہم فیصلہ بغیر تحریر کے زبانی سنا دیا جائے۔ ہرگز قرین قیاس نہیں بلکہ یہ ایک اہم فیصلہ تھا جس کے لیے تحریر لازمی تھی۔ اس پر گواہوں کے دستخطوں کا ثبت ہونا بھی ضروری تھا۔ اور پھر اسے اپنے اپنے سربراہ کے سامنے پیش کر کے ان سے اس کی منظوری حاصل کرنی بھی ضروری تھی۔ تاکہ فریقین آیندہ اس کے ہر جز کی پابندی کریں (جیسا کہ معاہدہ تحکیم کی شرائط سے واضح ہے) اور کسی فریق کی طرف سے اس فیصلے کی خلاف ورزی کا امکان ہی ختم ہو جائے۔

اگر چند درہموں کے لین دین کا معاملہ ہو تو اسے بھی قرآن کریم ضبط تحریر میں لانے کا حکم دیتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ۚ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ...... ﴾ (البقرہ : ۲۸۲)

''اے ایمان والو! جب تم ایک مدت مقرر تک ادھار کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لو اور چاہیے کہ تمھارے درمیان کوئی لکھنے والا ٹھیک لکھے۔''

یہ عجیب المیہ ہے کہ امت مسلمہ کے دو عظیم گروہوں کے درمیان ایک بڑی جنگ (جس میں بقول مورخین فریقین کے ستر ہزار سے زائد افراد مارے گئے) کے بعد اور چھ ماہ کی طویل مدت کے غور و خوض کے نتیجے میں ایک فیصلہ ہو رہا ہے۔ نہ ثالث اسے تحریر کرتے ہیں اور نہ فریقین ہی اسے ضبط تحریر میں لانے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ بس ان دونوں ثالثوں کو چار چار سو افراد پر مشتمل لشکر دے کر مقام اذرح میں اچانک لا بٹھا دیا جاتا ہے اور ایک فریق ان سے اپنے حسب منشاء فیصلے کا اعلان کرا دیتا ہے۔

سبائی فتنہ پردازوں اور مجوسی گویوں نے تاریخ کے صفحات سے فیصلے کا متن ہی حذف کر دیا تاکہ ان کی طرف بے ہودہ اور من گھڑت واقعات منسوب کر کے مسلمانوں کو صحابہ کی عقیدت سے منحرف کرنے کی جو کوشش کی جائے اس میں وہ متن حائل نہ ہو سکے اور چودھویں صدی کے مسلمانوں کے دلوں سے صحابہ کی عظمت، محبت اور عقیدت مٹانے کے لیے انھوں نے جناب ''مفکر اسلام'' سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب اور ان کی جماعت کی خدمات حاصل کر لیں۔

اس بات کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ جماعت اسلامی نے اس وقت تک خلافت و ملوکیت جیسی ''تبرائی'' اور زہریلی کتاب (کے متعدد ایڈیشن) ستر ہزار سے زائد کی تعداد میں شائع کرا کر ملک اور بیرون ملک پھیلا دی۔

اس تفصیل سے واضح ہو گیا ہے کہ حکمین کا وہ فیصلہ اچانک اور زبانی نہیں تھا بلکہ تحریری تھا۔ اور اس پر باقاعدہ گواہوں کے دستخط بھی لیے گئے جس پر فریقین کو اس قدر اطمینان ہوا کہ پھر کبھی ان کے درمیان کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

(۳۴) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قاتل مومنین ہیں

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ انھوں نے ہزار ہا مسلمانوں کا خون کیا اور کرایا۔ نہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرتے اور نہ مسلمانوں کی اتنی خون ریزی ہوتی جبکہ ایک مومن کو قتل کرنے والا دائمی جہنمی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا﴾ (النساء: ۹۳)

''جو شخص کسی بھی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے گا اس کی سزا جہنم ہے وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ اس پر اللہ کا غضب ہو اور اس کی لعنت ہو اور اس نے اس کے لیے عظیم عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

غلام حسین نجفی لکھتا ہے کہ

''قرآن پاک میں ایک ادنیٰ مسلمان کو قتل کرنے کی سزا جہنم ہے اور معاویہ نے حضرت علی کے ساتھ جنگوں میں اور آنجناب کے بعد اپنے ظالم گورنروں کے ذریعے سے عام مسلمان اتنے قتل کیے ہیں کہ ان کی صحیح تعداد خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے۔'' (خصائل معاویہ ص ۲۵۲)

اس بات کی پیچھے وضاحت گزر چکی ہے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو جنگ ہوئی اس کی بنیاد مطالبہ قصاص عثمان تھا۔ پھر فریقین نے معاہدہ تحکیم قبول کر کے ثالثوں کا فیصلہ تسلیم کر لیا۔ اس جنگ میں جو حضرات قتل ہوئے ان کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے:

((سئل علی عن قتال یوم الصفین فقال قتلانا وقتلاهم فی الجنة))

(کنز العمال ص ۸۷ ج ۶)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا گیا جو جنگ صفین میں قتل ہوئے تو انھوں نے فرمایا ہمارے اور ان (معاویہ) کے مقتولین جنت میں جائیں گے۔''

مکحول رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خود ان کے ساتھیوں نے ان لوگوں کے متعلق پوچھا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے قتل ہو گئے تھے تو فرمایا "هم المومنون" وہ مومن ہیں۔ عربی روایة عن من قتل بصفین ما هم؟ قال هم المومنون" (منهاج السنة ص ۶۱ ج ۲) عقبہ بن علقمہ کہتے ہیں کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین میں حاضر تھا۔ تو ان کی خدمت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے پندرہ قیدی گرفتار کر کے لائے گئے۔ "فکان من مات منهم غسله وکفنه وصلی

علیہ"۔ تو ان میں سے جو فوت ہو گیا اسے غسل اور کفن دیا گیا اور اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنازہ کی نماز پڑھی۔ (تلخیص ابن عساکر ص ۴۷ ج ۱)

ان حوالہ جات سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشادات ہی کی روشنی میں فریقین مومن تھے اور مقتولین جنتی۔ نیز یہ قتال سورۂ نساء کی محولہ بالا آیت (نمبر ۹۳) کے تحت نہیں آتا۔

اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو قاتل تسلیم کر لیا جائے کہ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہزاروں مومن رفقاء کو قتل کیا ہے تو کیا یہی الزام خود حضرت علی رضی اللہ عنہ پر عائد نہیں ہو سکتا کہ انھوں نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہزاروں مومن ساتھیوں کو قتل کیا ہے؟ جبکہ ان کا مومن ہونا خود حضرت علی رضی اللہ عنہ تسلیم کر چکے ہیں۔ معترض کے اصول پر تو دونوں حضرات مومنوں کے قاتل ٹھہرے۔ جو سزا ایک قاتل کے لیے مقرر کی ہے تو دوسرا قاتل اس سزا سے کیونکر مستثنیٰ ہو سکتا ہے؟

بعض مورخین نے جنگ صفین میں طرفین کی فوجوں کی تعداد ایک جیسی بتائی ہے اور بعض نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج کو زیادہ بتایا ہے۔ ابن کثیر رحمہ اللہ نے دو روایتیں نقل کی ہیں ایک کی رو سے دونوں کی تعداد پچاس ہزار سے کچھ زائد تھی اور دوسری روایت کی رو سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کی تعداد ایک لاکھ سے کچھ زیادہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج ایک لاکھ تیس ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ (البدایہ والنہایہ ص ۲۶۰ ج ۷)

ایک دوسری روایت کے مطابق اہل شام کی کل تعداد ساٹھ ہزار اور اہل عراق کی ایک لاکھ بیس ہزار تھی۔ "فقتل منهم عشرون الفا ومن اهل العراق ستون الفا" (حوالہ مذکور ص ۲۷۴ ج ۷) کہ اہل شام کی ساٹھ ہزار فوج میں سے بیس ہزار اور اہل عراق کی ایک لاکھ بیس ہزار میں سے ساٹھ ہزار افراد قتل کی بھینٹ چڑھ گئے۔

اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہزاروں مومنوں کے قاتل ہیں تو کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہزاروں مومنوں کا قاتل نہیں ٹھہرایا جا سکتا؟

پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ کیا محولہ بالا آیت کا اطلاق جنگ جمل کے مقتولین پر نہیں ہو سکتا؟ وہاں بھی فریقین کے ہزاروں افراد قتل کیے گئے۔ جو حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے قتل ہوئے ان کے قاتل حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم ہیں تو کیا ان قاتلوں کے بارے میں بھی وہی فتویٰ ہو گا؟ کیا کوئی مسلمان اس کا تصور بھی کر سکتا ہے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جنتی ہونا یقینی ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں ان کے جنتی ہونے کی نص قطعی وارد ہو چکی ہے۔ اسی طرح حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما بھی یقیناً جنتی ہیں۔ کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں نام بنام جنت کی بشارت دی اسی لیے ان کا شمار "عشرہ مبشرہ" میں ہوتا ہے۔

محولہ بالا آیت کا تحقیقی جواب یہ ہے کہ مومن کے قتل کی تین صورتیں ہیں:

ایک تو اس لیے اسے قتل کرنا کہ یہ کیوں مسلمان ہوا ہے؟ یہ کفر ہے کہ اس میں ایمان سے ناراضی پائی جاتی ہے۔ اس آیت مذکورہ میں قتل مومن کی یہی صورت مراد ہے کیونکہ جہنم میں ہمیشہ رہنا صرف کافر کے لیے ہے۔

دوسری صورت عناداً (یعنی کسی مسلمان کو دنیوی عناد اور ذاتی دشمنی کی وجہ سے) قتل کرنا جیسے اکثر ہوتا رہتا ہے یہ فسق اور گناہ ہے۔

تیسری صورت غلط فہمی کی بنا پر مسلمانوں میں جنگ واقع ہو جائے اور مسلمان قتل ہو جائیں..... تو نہ یہ فسق ہے اور نہ کفر بلکہ غلط فہمی ہے۔ اس تیسری قسم کے لیے یہ آیت کریمہ ہے:

﴿ وَ اِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا...... ﴾ (الحجرات: ۹)

''اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں جنگ کر بیٹھیں تو ان میں صلح کرا دو۔''

اس آیت کریمہ میں قتال کے باوجود دونوں گروہوں کو مومن کہا گیا ہے اور ان کے درمیان صلح کرا دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ قتال کی وجہ سے طرفین میں سے لوگ قتل بھی ہو سکتے ہیں۔

مزید برآں جنگ جمل و صفین کے مقتولین کے قتل کی ذمہ داری قاتلین عثمان پر عائد ہوتی ہے۔ چنانچہ علامہ محب الدین خطیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''میری ذاتی رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں جو مسلمان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد مارے گئے ان کے قتل کے ذمہ دار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل ہیں اس لیے کہ انھوں نے فتنہ کے دروازوں کو کھولا اور عرصہ مدید تک اس کو ہوا دیتے رہے۔ اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے مابین جذبات حقد و عناد کے بھڑکانے کا موجب ہوئے۔ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا سانحہ فاجعہ پیش نہ آتا تو جمل و صفین وقوع پذیر نہ ہوتے۔ جس طرح یہ فتنہ پرداز احمق قتل عثمان کے مرتکب ہوئے اسی طرح اس واقعہ کے بعد تہ تیغ ہونے والے دونوں فریق زمرۂ مومنین میں شامل تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بلاشبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے افضل تھے۔ تاہم دونوں صحابہ رسول اور دین اسلام کے رکن رکین تھے۔ اس دور میں جتنے فتنے بپا ہوئے۔ اس کی ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جنھوں نے اس آگ کو ہوا دی۔ یہ ایک مسلمہ صداقت ہے کہ قاتلین عثمان ہی وہ باغی ہیں جو بعد میں قتل ہونے والے سب مسلمانوں کے ذمہ دار ہیں۔ اسی طرح بعد ازاں جو فتنے بپا ہوئے ان کا اصل سر چشمہ بھی وہی فتنہ پرداز لوگ ہیں۔'' (العواصم من القواصم ص ۱۷۰ بر حاشیہ)

اس تفصیل سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ کو قاتل مومنین ٹھہرانا بالکل لغو، بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے۔

(۴۴) حدیث میں وارد لفظ ''امیر عامہ'' سے مراد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں

مشہور دشمن معاویہ سید مہر حسین بخاری آف اٹک لکھتے ہیں کہ:

''ان احادیث نبویہ کی رو سے عمرو بن عاص اور معاویہ جنھوں نے امام برحق جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے غداری کی اور واقعہ تحکیم میں عہد شکنی اور غدر کیا۔ تو قیامت کے دن معاویہ صاحب اور عمرو بن عاص کی مقعدوں میں غدر کا جھنڈا نصب کیا جائے گا۔'' (سیاست معاویہ ص ۳۹)

عصر حاضر کے ایک اور بدترین دشمن معاویہ محمود شاہ محدث ہزاروی لکھتے ہیں کہ:

''مشکوٰۃ باب امر بالمعروف فصل دوم ابوسعید خدری کی مروی حدیث میں قیامت تک ہونے والے واقعات بیان فرمانا مذکور ہے جس میں ہے کہ ہر غادر عہد شکن کا قیامت کے دن ایک علم نشان ہوگا، جو بقدر اس کی دنیا میں عہد شکنی کے ہوگا اور کوئی بدعہدی عوام کے بل بوتے امیر عامہ کی غداری و غدرت کے برابر نہیں ہو گی...... (یہاں محدث ہزاروی نے امیر عامہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو قرار دیا) پھر امیر عامہ کے اپنے نامزد کردہ جانشین مکہ پر حملہ آور باغی یزید نے......'' (بحوالہ اثنا عشریہ شیعہ ڈائجسٹ کراچی ص ۴۹، تعارفی شمارہ ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء)

صاحب مشکوٰۃ نقل کرتے ہیں کہ:

① ((ان لکل غادر لواء یوم القیامة بقدر غدرته فی الدنیا و لا غدر اکبر من غدر امیر العامة یغرز لواءہٗ عند استه)) (مشکوٰۃ باب الامر بالمعروف ص ۴۳۷)

② ((ان الغادر ینصب له لواء یوم القیامة فقال هذه غدرة فلان بن فلان))
(حوالہ مذکور، کتاب الامارۃ باب ما علی الولاۃ من التیسیر ص ۳۲۳)

③ ((لکل غادر لواء یوم القیامة یعرف به)) (حوالہ مذکور)

④ ((لکل غادر لواء عند استه یوم القیامة وفی روایة لکل غادر لواء یوم القیامة یرفع له بقدر غدره الا و لا غادر اعظم غدرا من امیر عامّة)) (حوالہ مذکور)

یہی حدیث امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہی سے ابواب الفتن باب ما اخبر النبی ﷺ اصحابه بما هو کائن الی یوم القیامه میں نقل کی ہے۔ تقریباً ان تمام روایات کو امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح مسلم میں کتاب الجہاد والسیر باب تحریم الغدر میں جمع کیا ہے۔

⑤ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو امیر یزید کی بیعت توڑنے والوں کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ جب اہل مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ دی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کے اس اقدام کی مذمت کی اور

اپنے خاندان والوں کو جمع کر کے فرمایا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

((ینصب لکل غادر لواء یوم القیمة وانا قد بایعنا هذا الرجل (ای یزید) علی بیع الله ورسوله وانی لا اعلم غدرا اعظم من ان یبایع رجل علی بیع الله ورسوله ثم ینصب له القتال وانی لا اعلم احدًا منکم خلعه ولا بایع فی هذا الامر کانت الفیصل بینی وبینه)) (صحیح بخاری کتاب الفتن باب اذا قال عند قوم شیئا ثم خرج فقال بخلافه)

''قیامت کے دن ہر بدعہد کے لیے ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا ہم نے اس شخص (یزید) کے ہاتھ پر اللہ اور رسول کی بیعت کی ہے۔ میری نظر میں اس سے زیادہ بدعہدی اور کوئی نہیں کہ ایک شخص کی اللہ اور رسول کے نام پر بیعت کی جائے پھر آدمی اس کے خلاف اٹھ کھڑا ہو۔ میں نہیں جانتا کہ تم میں سے جو شخص اس کو تخت خلافت سے معزول کرے گا اور اس کی اطاعت سے روگردانی کرے گا تو میرے اور اس کے درمیان کوئی تعلق باقی رہے گا۔''

ان احادیث کا مفہوم یہ ہے کہ قیامت کے دن ہر دغا باز کے لیے ایک جھنڈا ہوگا جس سے وہ پہچانا جائے گا اور امیر عامہ سے بڑھ کر کوئی غادر نہیں ہوگا جو خلق اللہ کا حاکم ہو کر دغا بازی کرے۔

لیکن امیر عامہ سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کیسے مراد لیے جا سکتے ہیں؟ انھوں نے کس سے غداری کی؟ اور کیا غداری کی؟

اگر عدم بیعت کو غداری کا نام دیا جاتا ہے تو اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے پھر وہ اس عدم بیعت میں بھی اکیلے نہیں۔ ہزاروں صحابہ وتابعین ان کے ساتھ اس کام میں شامل ہیں۔ پھر ان صحابہ میں بھی بعض ایسے ہیں جنھوں نے بیعت کر کے توڑ دی جیسے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما۔ بظاہر ان کا ''جرم'' تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر ہے کیونکہ وہ تو شروع سے ہی اطاعت میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ قصاص عثمان کی وجہ سے فریقین میں اختلاف واقع ہوا جو بعد میں مصالحت پر ختم ہو گیا۔

زیر بحث حدیث کے راوی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں خود ان کا عمل اس حدیث کے خلاف ہے کیونکہ اگر عدم بیعت کو بغاوت، عہد شکنی اور غداری سمجھا جاتا تو خود ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بھی عدم بیعت کی وجہ سے بغاوت اور غداری کے مرتکب ہو گئے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ ص ۲۲۷ ج ۷)

یہی نہیں بلکہ انھوں نے جنگ جمل اور صفین میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہیں دیا۔ جبکہ انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت بھی کی اور ان کے معاون بھی رہے علاوہ ازیں جب ان سے ان اختلافات وتنازعات کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

((اقوام سبقت لهم سوابق واصابتهم فتنة وردوا امرهم الى الله))

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۷۵ ج ۱۵)

''یہ وہ لوگ ہیں کہ ان سے بہت سے نیک اعمال پہلے ہی صادر ہو چکے ہیں۔ اب ان پر آزمائش آن پڑی ہے۔ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔''

اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوسعید خدری اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک ''امیر عامہ'' سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہرگز مراد نہیں ہیں۔ یہ حدیث صحابہ کو معلوم تھی لیکن انھوں نے کسی موقع پر اس کا اشارہ تک نہ کیا۔ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس حدیث سے یقیناً آگاہ ہوں گے۔ مگر وہ بھی اس بات کو کبھی زبان پر نہ لا سکے بلکہ اس وقت کے سبائیوں اور بلوائیوں کو بھی یہ ''علمی بات'' نہیں سوجھ سکی۔ ورنہ اس سنہری موقع کو کب ضائع جانے دیتے تھے۔

امام نووی رحمہ اللہ شرح صحیح مسلم میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ:

''عرب کا قاعدہ تھا کہ مشہور کرنے کے لیے بازار میں جھنڈا کھڑا کرتے تھے۔ دغا باز وہی ہے جو وعدہ کرے پھر اس کو پورا نہ کرے اور اس حدیث سے دغا بازی کی حرمت نکلی۔ خاص کر اس شخص کے لیے جو حاکم ہو کیونکہ اس کی دغا بازی سے ہزاروں خلق اللہ کو نقصان پہنچتا ہے...... قاضی عیاض رحمہ اللہ نے کہا دونوں دغا بازیاں مراد ہو سکتی ہیں۔ ایک امام اور حاکم کی جو اپنی رعیت سے دغا بازی کرے...... یا جو امانت اللہ تعالیٰ نے اس کو دی ہے اس کے حق کو ادا نہ کرے یعنی عدل اور انصاف نہ کرے۔ خلق اللہ کو آسائش اور راحت نہ دے۔ ان کے جان اور مال اور حق پر ناحق ستم کرے۔ دوسری رعیت کی امام کے ساتھ کہ وہ بیعت کو توڑ ڈالیں اور بلاوجہ شرعی اس کی مخالفت کریں۔''

اس تشریح کی رو سے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ''امیر عامہ'' کا اطلاق ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ انھوں نے کسی سے بھی کوئی عہد شکنی نہیں کی۔ نہ انھوں نے اپنی رعایا پر کوئی ظلم کیا۔ (چوروں، ڈاکوؤں، باغیوں، قاتلوں اور مفسدوں کے خلاف شرعی کارروائی کو کوئی کافر ہی ظلم سے تعبیر کر سکتا ہے) نہ ان کے حق غصب کیے، نہ ان کے ساتھ کوئی ناانصافی کی اور نہ ان کے چالیس سالہ دور امارت ہی میں رعیت میں سے کسی نے ان کی بیعت توڑی......

ان کے ایفائے عہد کی ایک مثال خود صاحب مشکوٰۃ نے نقل کی ہے:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل روم کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا اس دوران میں آپ اپنی فوجوں کو ان کی سرحدوں کے قریب اکٹھا کرتے رہے کہ جب مدت معاہدہ ختم ہو تو ان پر حملہ کر دیا جائے۔ جیسے ہی معاہدہ ختم ہوا آپ نے ان پر یلغار کر دی۔ اتنے میں ایک شخص گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور اللہ اکبر اللہ اکبر

کہتے ہوئے کہا مومن کا شیوہ وفا ہے غدر نہیں۔ جب انھوں نے اس شخص کی طرف دیکھا تو وہ عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے اس کے متعلق پوچھا تو انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جب دو قوموں میں کوئی صلح کا معاہدہ ہو تو اس معاہدہ کی مدت میں نہ تو کوئی قوم عہد کھولے اور نہ باندھے یہاں تک کہ مدت گزر جائے۔ راوی کہتے ہیں "فرجع معاویة بالناس" تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی فوجوں کے ساتھ واپس آ گئے۔'' (مشکوۃ باب الامان ص ۳۴۷)

مشکوۃ کی اس حدیث میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایفائے عہد کی ایسی حیرت انگیز مثال بیان ہوئی ہے جس کی نظیر ملنی بہت ہی مشکل ہے۔ عین اس وقت جبکہ تمام فوجیں فتح کے نشہ میں چور ہوں صرف ایک جملہ سن کر سارا علاقہ خالی کرنے کا حکم دے دیا اور سارا لشکر بغیر کسی حیل و حجت کے واپس لوٹ گیا۔

جہاں تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عدل و انصاف اور رعیت کے ساتھ حسن سلوک کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((ما رأیت احدا بعد عثمان اقضی بحق من صاحب هذا الباب یعنی معاویة))

''میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ حق کو پورا کرنے والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔'' (البدایہ والنہایہ ص ۱۳۳ ج ۸)

جلیل القدر تابعی اور محدث اعمش رحمہ اللہ کی مجلس میں ایک دفعہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور ان کے عدل و انصاف کا تذکرہ ہوا تو امام اعمش رحمہ اللہ نے فرمایا:

((فكيف لو ادركتم معاوية قالوا فی حلمه قال لا والله بل فی عدله))

(منہاج السنۃ ص ۱۸۵ ج ۳)

''کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے حلم میں نہیں بلکہ اللہ کی قسم! عدل و انصاف میں فائق تھے۔''

امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

((وفضائل معاوية فی حسن السيرة والعدل والاحسان كثيرة)) (المنتقی ص ۳۸۸)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حسن سیرت اور عدل و احسان کے بارے میں کثیر الفضائل ہیں۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((والجهاد فی بلاد العدو قائم وكلمة الله عالية والغنائم ترد اليه من اطراف الارض والمسلمون معه فی راحة وعدل وصفح و عفو)) (البدایہ والنہایہ ص ۱۱۹ ج ۸)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں دشمنوں کے ممالک میں جہاد جاری رہا اللہ کا کلمہ سر بلند رہا اور

اطراف واکناف میں غنائم کی ریل پیل رہی اور مسلمان ان کے زیر سایہ راحت وعدل اور عفو و درگزر کی زندگی بسر کرتے رہے۔''

مسعودی جیسا شیعہ مورخ بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو گیا ہے کہ:

''حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے اخلاق میں ایک یہ بات بھی تھی کہ وہ دن رات میں پانچ مرتبہ لوگوں کو ملاقات کی اجازت دیتے تھے...... کمزور، بدو، مریض، عورتیں اور بے سہارا لوگ ان کے پاس جاتے۔ کوئی کہتا مجھ پر ظلم ہوا۔ وہ کہتے اس کی مدد کرو۔ دوسرا کہتا مجھ پر زیادتی ہوئی ہے۔ وہ کہتے اس کے ساتھ آدمی بھیجو۔ تیسرا کہتا میرے ساتھ برا سلوک ہوا ہے وہ کہتے اس کے معاملے کی تحقیق کرو۔ پھر فرماتے لوگ ہم تک نہیں پہنچ سکتے ان کی ضروریات کو ہم تک پہنچاؤ تو کوئی آدمی کھڑا ہو کر کہتا کہ فلاں شخص شہید ہو گیا ہے وہ کہتے اس کے بچے کا وظیفہ مقرر کر دو۔ دوسرا آدمی کہتا فلاں آدمی اپنے گھر سے غائب ہو گیا ہے۔ وہ کہتے ان کا خیال رکھو اور ان کی ضرریات کو پورا کرو اور ان کی خدمت کرو۔'' (تاریخ مسعودی اردو ص ۵۵ ج ۳)

کیا اس طرح کی سیرت وکردار کے حامل شخص پر ہی ''امیر عامہ'' کا اطلاق ہوا کرتا ہے؟

ع تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

سید مہر حسین بخاری لکھتے ہیں کہ:

''روز قیامت سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لواء الحمد ہو گا جو لوگ اس جھنڈے کے نیچے جمع ہوں گے شفاعت کے حق دار ہوں گے اور یہ لواء الحمد جناب علی المرتضی کرم اللہ وجہہ اٹھائیں گے۔ جبکہ معاویہ اور عمرو بن عاص کے پاخانہ کے مقام میں غدر کے جھنڈے لواء الغدر نصب ہوں گے۔ حضرت علی کو ماننے والے لواء الحمد کے نیچے ہوں گے اور جنت میں جائیں گے اور معاویہ صاحب کے پیروکار اور حامی لواء الغدر کے نیچے ہوں گے اور اپنے ٹھکانے پر اپنے مقتداؤں کے پیچھے جائیں گے۔'' (سیاست معاویہ ص ۳۹)

یہ تو اوپر وضاحت ہو چکی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تو کسی صورت میں ''امیر عامہ'' کا اطلاق نہیں ہو سکتا...... اب سوال یہ ہے کہ پھر اس لفظ کا مصداق کون ہے؟

تاریخ اسلام میں سب سے پہلے سبائیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑی۔ ان کے خلاف غدر کیا، قصر خلافت کا محاصرہ کیا، خلیفہ وقت کو اذیتیں دی، ان کا حق نہ پہچانا حتی کہ انتہائی بے دردی کے ساتھ انھیں شہید کر دیا گیا۔ تو ان سے بڑا ''غدار اعظم'' کوئی اور ہر گز نہیں ہو سکتا۔ زیر بحث حدیث میں یہی گروہ اور اس کے اگلے پچھلے تمام حمایتی مراد ہیں۔ ان ہی کے مقعد اور دبر میں روز قیامت لواء الغدر نصب ہو گا جن میں معترضین، ناقدین اور طاعنین بھی یقیناً شامل ہوں گے اور دنیا کی کوئی طاقت انھیں اس سے مستثنیٰ نہیں کر سکتی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسی دنیا میں حدیث کی تعبیر کو بطور ریہرسل ان ظالموں، سبائیوں، باغیوں،

مفسدوں، غنڈوں، اچکوں اور اشتریوں کو دبر اور مقعد پر لاتیں مار مار کر پورا کر دکھایا۔ (فجزاه الله احسن الجزاء)

جہاں تک ''لواء الحمد'' کا تعلق ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہوگا تو اس کا عملی مظاہرہ بھی خود انھوں نے اسی دنیا میں کر دیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت کر کے پھر بعد میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت سے دستبردار ہوکر ''لواء الحمد'' میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے تمام محبّین اور متبعین کو شامل کر دیا ہے کہ یہ لوگ کل قیامت کے دن بھی اسی لواء الحمد کے نیچے ہوں گے۔

الحمد للہ محبّین معاویہ حاملین ''لواء الحمد'' ہیں اور دشمنان معاویہ حاملین ''لواء الغدر'' ہیں جسے اس جہاں میں بھی ان کی دبر اور مقعد میں ٹھوکا گیا اور اس جہاں میں اولین و آخرین کے مجمع میں بھی اس کا بھرپور عملی مظاہرہ ہوگا۔

(۳۵) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اختلاف عنادی تھا

اہل سنت والجماعت کے نزدیک حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے اختلاف کی نوعیت ''اجتہادی'' ہے۔ اہل تشیع کا تو ذکر ہی کیا لیکن بعض نام نہاد اہل سنت نے بھی فریقین میں سے صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف نہ صرف خطائے اجتہادی کی نسبت کی بلکہ اس خطا کو عنادی اور منکر قرار دے کر آں محترم پر باغی، طاغی اور فاسق کا اطلاق کیا ہے۔

مولوی سید لعل شاہ بخاری آف واہ کینٹ لکھتے ہیں کہ:

''جمہور اہل سنت کا پہلا قول...... حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد مخطی ہیں اور خطا ان کی اجتہادی ہے۔'' (استخلاف یزید ص ۱۷۴)

''جمہور اہل سنت کا دوسرا قول کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باطل پر تھے یعنی خطا ان کی عنادی تھی۔'' (حوالہ مذکور، ص ۱۸۰)

''دلائل کے لحاظ سے یہ دوسرا قول کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے بظاہر راجح معلوم ہوتا ہے۔ جمہور اہل سنت کا پہلا قول کہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ الحق المصیب اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ المخطی المعذور تھے) راجح سمجھا جائے مگر قوت دلائل کے لحاظ سے دوسرا قول بظاہر راجح معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باطل پر تھے۔'' (حوالہ مذکور، ص ۱۸۸)

پیر سید نصیر الدین گولڑوی رقم طراز ہیں کہ:

''اس میں شک نہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ خلیفہ برحق تھے اور اس پر اجماع امت ہے۔ جناب امیر معاویہؓ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف جو رویہ اختیار کیا وہ کسی بھی لحاظ سے پسندیدہ نہ تھا۔ ان کے اس رویے کو محض خطائے اجتہادی قرار دے کر، موجب اجر وثواب سمجھنا محل نظر ہے۔ کسی شرعی مسئلہ میں حتی الوسع جدوجہد کے بعد اجتہادی غلطی کا معاملہ کچھ اور ہے مگر دنیوی اور ملکی امور میں ایسی اجتہادی خطا کو جو موجب فتنہ بنے، باعث اجر وثواب قرار دینا قرین دانش مندی وانصاف نہیں۔ ہمیں درجہ صحابیت کا لحاظ ہے اور ہم جناب امیر معاویہؓ کے بارے میں کوئی عناد نہیں رکھتے مگر اتنی بات ضرور ہے کہ اس کے اس طرز عمل کو اجتہادی کارنامہ سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ہم اپنے اس نقطہ نظر کی تائید میں اہل السنّت والجماعت کی چند نامور اور معتبر شخصیات کی عبارات ونظریات پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

مشہور عاشق رسول اور عارف حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی نقشبندی فرماتے ہیں:

جمعے از بیعتش ابا کردند
وندراں سرکشی خطا کردند

''ایک جماعت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے انکار کیا اور اس جماعت نے سرکشی میں خطا کی۔''

اپنی اسی تصنیف میں مولانا جامی ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

واں خلافے کہ داشت با حیدر
در خلافت صحابیِ دیگر
حق در آنجا بدست حیدر بود
جنگ با او خطائے منکر بود

''اور وہ دوسرا صحابی جو بسلسلہ خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف رکھتا تھا (یعنی جناب معاویہ رضی اللہ عنہ) اس وقت حق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف تھا اور ان سے جنگ کرنا خطائے منکر تھا یعنی ناپسندیدہ خطا تھی۔'' (نام ونسب ص۵۳۲-۵۳۳ زیر عنوان ''اجتہادی خطا کی حقیقت'')

جناب مودودی صاحب بھی حق اور باطل کے درمیان کسی تیسری چیز کے قائل نظر نہیں آتے۔ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو نہ صرف خود باطل پر کہتے ہیں بلکہ بڑی سختی کے ساتھ دوسروں سے بھی منوانا چاہتے ہیں۔ مشاجرات صحابہ میں ان کے ہاں ''خطائے اجتہادی'' کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

''لیکن جو انصاف پسند آدمی بھی نیزوں پر قرآن اٹھانے کی تجویز سے لے کر اس وقت تک کی روداد پڑھے گا وہ مشکل ہی سے یہ مان سکتا ہے کہ یہ سب کچھ اجتہاد تھا...... یہ بھی کچھ کم زیادتی نہیں ہے کہ اگر ان میں سے کسی نے کوئی غلط کام کیا ہو تو ہم محض صحابیت کی رعایت سے اس کو اجتہاد قرار دینے کی کوشش کریں بڑے لوگوں کے غلط کام اگر ان کی بڑائی کے سبب سے اجتہاد بن جائیں تو بعد کے لوگوں کو ہم کیا کہہ کر ایسے اجتہادات سے روک سکتے ہیں...... لیکن جان بوجھ کر ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق غلط کام کرنے کا نام اجتہاد ہرگز نہیں ہو سکتا...... کوئی غلط کام محض شرف صحابیت کی وجہ سے مشرف نہیں ہو جاتا بلکہ صحابی کے مرتبہ بلند کی وجہ سے وہ غلطی اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے۔'' (خلافت وملوکیت ص۱۴۳)

مودودی صاحب کے وکیل صفائی ملک غلام علی مزید بھڑاس نکالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''واقعہ یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے رونے سے تو دراصل یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کا ضمیر خود جانتا تھا کہ خلیفہ وقت سے لڑ کر انھوں نے کس خطائے عظیم کا ارتکاب کیا تھا۔''

(خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ص۱۰۶)

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد تھے۔ ان کا مجتہد ہونا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی

شہادت سے بھی واضح ہوتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ شہادت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہی گروہ کے ایک فرد عظیم کی شہادت ہے جو اس جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے لڑ رہے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ:

''ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک رکعت وتر پڑھتے ہیں تو انھوں نے جواب دیا

((دعه فانه قد صحب رسول الله ﷺ...... قال اصاب انه فقيه))

(صحیح البخاری باب ذکر معاویہ)

''ان کی بات کو رہنے دیجیے کیونکہ انھوں نے آنحضرت ﷺ کی صحبت کا شرف اٹھایا ہے انھوں نے درست عمل کیا ہے۔''

فقیہ کے معنی عارف بالفقه مع الدلائل کے ہیں جسے دوسرے لفظوں میں مجتہد کہتے ہیں۔ چنانچہ اس کی شرح میں امام بدرالدین عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وانه عارف بالفقه يعني يعرف ابواب الفقه)) (عمدۃ القاری ص ۲۴۸ ج ۱۶)

''کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فقہ کے ماہر یعنی مجتہد ہیں۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما جیسے عظیم شخص کی اس عظیم شہادت کے بعد ان کے مجتہد ہونے میں کسی سبائی اور مجوسی ہی کو شک ہو سکتا ہے۔

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((وما وقع من المخالفات والمحاربات (بين على ومعاويه) لم يكن من نزاع في خلافته بل عن خطاء في الاجتهاد)) (شرح عقائد ص ۱۰۹)

''حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین جو لڑائی جھگڑا ہوا وہ ان کی خلافت میں اختلاف کی وجہ سے نہ تھا بلکہ خطائے اجتہادی سے تھا۔''

علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:

''اور جو لڑائیاں (جمل اور صفین) اور جھگڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان ہوئے۔ جیسے حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا جھگڑا جو خلافت عمر میں بنی نضیر کی زمین کے بارے میں ہوا تو ان کے لیے اچھی توجیہات اور تاویلات ہیں اور وہ توجیہ یہ ہے کہ بے شک وہ حضرات حق کے طلبگار تھے۔ لیکن بعض ان میں سے اپنے اجتہاد میں مصیب ہوئے اور بعض مخطی۔ اور اجتہادی خطا والے پر کوئی مواخذہ نہیں۔ بلکہ وہ بھی اجر و ثواب کا مستحق ہے۔ سلف صالحین کی یہی عادت رہی ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے افعال کو نیک مقاصد پر محمول کرتے ہیں۔'' (النبراس شرح لشرح العقائد، ص ۵۴۹)

یہ ملحوظ رہے کہ مشاجرات میں کسی جانب بھی غلطی کا تعین کرنا ہی غلط ہے علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کی لڑائی میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی غلطی کو متعین کر دینا غلط ہے کیونکہ اجماع کا جو یہ فیصلہ ہے کہ اجتہاد میں صحیح و غلط دونوں کا احتمال ہوتا ہے غلطی کے تعین کی صورت میں باقی نہیں رہتا۔''

(مقدمہ ابن خلدون ص ۳۷ ج ۲ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی)

پھر یہ بھی کوئی ضروری اور لازمی نہیں کہ جسے مجتہد مصیب کہا جائے وہ حقیقت میں بھی مصیب ہو اور جسے مجتہد مخطی قرار دیا جائے وہ حقیقت میں مخطی ہو کیونکہ مصیب قرار دیے جانے کے باوجود خطا کا احتمال باقی رہتا ہے۔ اور مخطی کہنے کے باوجود صواب کا احتمال ہوسکتا ہے یعنی صواب محتمل الخطا اور خطا محتمل الصواب۔ لہٰذا کسی صورت میں کسی ایک فریق کو مجتہد مخطی کہنا، کہلوانا اور دوسروں سے جبراً منوانا محض سینہ زوری اور ذہنی ورزش ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

''لازم نیست کہ امیر در جمیع امور خلافیہ محقق باشد و مخالف ایشاں بر خطا.....''

(مکتوبات ص ۵۵ ج ۲ مکتوب نمبر ۳۶)

''یہ ضروری نہیں کہ حضرت امیر (یعنی علی رضی اللہ عنہ) تمام اجتہادی و اختلافی امور میں حق پر ہوں اور ان کے مخالف خطا پر.....''

علامہ خفاجی رحمہ اللہ شرح شفا میں لکھتے ہیں کہ:

((انها امور وقعت باجتهاد منهم لا لاغراض النفسانية ومطامع دنيوية كما يظنه الجهلة)) (نسیم الریاض ص ۴۶۷ ج ۳)

''یہ کچھ ایسے امور تھے جو ان سے اجتہاداً صادر ہوئے ان کا منشا کوئی اغراض نفسانیہ نہ تھیں نہ ان کا مطمع نظر کوئی دنیوی امور تھے۔ جیسا کہ جاہلوں نے سمجھ رکھا ہے۔''

امام نووی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

((واما معاوية فهو من العدول الفضلاء والصحابة النجباء واما الحروب التى جرت فكانت لكل طائفة شبهة اعتقدت تصويب انفسها وكلهم عدول ومتأولون فى حروبهم وغيرها......)) (نووی شرح مسلم ص ۲۷۲ ج ۲)

''اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عادل، فاضل اور نجیب صحابہ میں سے ہیں مگر جو جنگیں آپس میں لڑی گئیں تو ان میں سے ہر ایک گروہ کو ایک شبہ لاحق تھا جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کے صواب پر ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے۔ اور سب صحابہ عادل ہیں اور ان جنگوں وغیرہ کے اختلاف میں تاویل کرنے والے ہیں۔ اور ان میں

ے کوئی چیز بھی ان میں سے کسی کو وصف عدالت سے خارج نہیں کرتی کیونکہ وہ مجتہد ہیں۔''

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''اور ان لڑائی جھگڑوں کو جو ان کے درمیان واقع ہوئے ہیں نیک محمل پر محمول کرنا چاہیے اور ہوا و تعصب سے دور سمجھنا چاہیے کیونکہ وہ مخالفتیں تاویل واجتہاد پر مبنی تھیں نہ ہوا و ہوس پر۔ یہی اہل سنت کا مذہب ہے...... شیخ ابن حجر رحمہ اللہ نے صواعق میں کہا ہے کہ حضرت معاویہ اور امیر رضی اللہ عنہما کے درمیان جھگڑے از روئے اجتہاد کے ہوئے ہیں اور اس قول کو اہل سنت کے معتقدات سے فرمایا ہے۔ اور شارح مواقف نے جو یہ کہا ہے کہ ہمارے بہت سے اصحاب اس بات پر ہیں کہ وہ تنازعات از روئے اجتہاد کے نہیں ہوئے...... معلوم نہیں اصحاب سے ان کی مراد کون سا گروہ ہے جب کہ اہل سنت اس کے برخلاف حکم دیتے ہیں اور قوم کی کتابیں خطائے اجتہادی سے بھری پڑی ہیں...... اور حضرت مولانا جامی نے جو خطائے منکر کہا ہے انھوں نے بھی زیادتی کی ہے۔ خطا پر جو کچھ زیادہ کریں خطا ہے...... اے برادر اس فتنہ کے برپا ہونے کا منشا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل اور ان کے قاتلوں سے ان کا قصاص طلب کرنا ہے...... اے برادر اس امر میں بہتر طریق یہ ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کے لڑائی جھگڑوں سے خاموش رہیں...... ان کی خطا کو بھی زبان پر نہ لانا چاہیے اور ان کے ذکر خیر کے سوا اور کچھ نہ بیان کرنا چاہیے۔'' (مکتوبات امام ربانی ص ۵۷۷، ۵۸۲ ج ۲)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جن کے بارے میں اہل تشیع بھی نرم گوشہ رکھتے ہیں، فرماتے ہیں کہ

''یہ وہ معاملہ ہے جن سے اللہ نے تمھارے ہاتھوں کو دور رکھا پھر تم اپنی زبانوں کو اس میں کیوں ملوث کرتے ہو؟''

امام قرطبی رحمہ اللہ مشاجرات صحابہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے صحابہ کے باہمی قتال کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا صحابہ اس وقت موجود تھے اور ہم غیر حاضر۔ وہ اس بات کو ہم سے بہتر جانتے تھے ہم نہیں جانتے۔ صحابہ جن امور میں متفق تھے ان میں ہم ان کی پیروی کرتے ہیں اور جن میں ان کا اختلاف تھا ان میں ہم توقف کرتے ہیں......''

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

((تلك دماء طهر الله عنها ايدينا فلنطهر عنها السنتنا))

''یہ وہ خون ہیں جن سے ہمارے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ نے پاک رکھا۔ پس ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی زبانوں کو بھی ان سے بچائے رکھیں۔''

امام قرطبی رحمہ اللہ نصیحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

((لا یجوز ان ینسب الی احد من الصحابة خطاء))

''صحابہ میں سے کسی ایک کی طرف متعین طور پر خطا کی نسبت کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ انھوں نے ان امور میں اجتہاد سے کام لیا تھا۔ وھم کلھم لنا ائمة اور وہ سب ہمارے مقتداء ہیں اور ہمیں ان کے باہمی تنازعات کے متعلق رکنے کا حکم ہے لا نذکرھم الا باحسن الذکر اور ہم پر لازم ہے کہ ہم ان کا ذکر خیر کے ساتھ کریں۔'' (الجامع لاحکام القرآن ص ۳۲۱،۳۲۲ ج ۱۶)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

''مشاجرات صحابہ کے بارے میں کف لسان کرنے اور ان کے عیوب بیان کرنے سے رکنے پر اور ان کے فضائل و محاسن کے اظہار پر اہل سنت کا اتفاق ہے اور ان کا معاملہ جس طریقے پر واقع ہوا اللہ کے سپرد ہے۔'' (غنیۃ الطالبین)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت امیر معاویہ و حضرت امیر علیہ السلام کا معاملہ حضرت ہارون و حضرت موسیٰ علیہما السلام جیسا تھا...... ہم کو تو اب یہی لازم ہے کہ ان کی عیب چینی نہ کریں اور یوں سمجھیں کہ حضرت امیر علیہ السلام امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ میں اگر باہم کچھ مناقشہ ہوا بھی تو وہ ایسا ہی تھا جیسا حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں اور حضرت موسیٰ و حضرت خضر علیہما السلام میں یہ جھگڑے اور قضیے ہوئے۔ یہ سب قصے کلام اللہ میں موجود ہیں انکار کی گنجائش نہیں...... مناقشات صحابہ نہ تو کلام اللہ میں مذکور ہے نہ حدیث میں ذکر ہے۔ تاریخ میں ان افسانوں کا بیان ہے سو تاریخوں کا ایسا کیا اعتبار اور وہ بھی شیعوں کی تاریخوں کا اعتبار؟''

(اجوبہ اربعین ص ۱۸۸)

علامہ سید محمود احمد رضوی لکھتے ہیں کہ:

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آپس میں جو لڑائیاں ہوئیں ایک مسلمان پر ان پر تنقید کرنا بہت ہی غیر مناسب ہے۔ ان کے جھگڑوں میں ہمیں حکم اور منصف بننے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ یوں بھی ان کی شان میں جو مناقب و فضائل بیان ہوئے ہیں اس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معاملے میں زبان کو بدگوئی و طعن سے بہرحال روکا جائے یہی اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے۔'' (شان صحابہ ص ۴۰)

یہ ملحوظ رہے کہ ''مشاجراتِ صحابہ'' کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا اصل مذہب سکوت و توقف ہے۔ اسی میں سلامتی اور صحابہ کے بارے میں ہر طرح کی بدظنی سے حفاظت ہے۔ اس کے بالمقابل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تخطیہ و تصویب اہل سنت کا اصل مذہب نہیں بلکہ ایک رخصت اور ''مَخْلَصْ'' ہے۔ یعنی اصل تو یہی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشاجراتی اجتہادی صواب و خطا کو بھی زبان پر نہ لایا جائے لیکن اگر کسی وقت کسی

ضرورت شرعیہ وشدیدہ کی وجہ سے اس موضوع پر کلام کرنا پڑ جائے تو اجتہادی صواب و خطا سے زائد کوئی لفظ ہرگز نہ کہا جائے۔ مشاجراتی اجتہادی خطا کو خطائے منکر یا عنادی کہنا صحابہ رضی اللہ عنہم سے بدظنی اور شیعیت کی حد میں داخل ہونا ہے جو انتہائی خطرناک ہے۔ شفیق مکرم، محقق اہل سنت مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی، شیخ الحدیث دارالعلوم فاروقیہ راولپنڈی نے اپنی مایۂ ناز کتاب ''سبائی فتنہ'' جلد اول (ضخامت ۷۰۱ صفحات) طبع دوم میں اس مسئلہ پر انتہائی جامع اور مکمل بحث کی ہے۔ تفصیل کے متلاشی قارئین اس کتاب کی طرف رجوع فرمائیں۔

ان تصریحات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ صحابہ کے باہمی اختلافات وتنازعات کسی عناد اور عداوت کی بنا پر نہ تھے اور نہ یہ معرکے حق و باطل اور کفر و اسلام کے تھے۔ بلکہ یہ اجتہادی اختلافات تھے۔

(۳۶) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابی بکر کو قتل کرایا

دشمنان صحابہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقبوضات پر تسلط حاصل کرنے کی غرض سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد کو قتل کرا کر ان کی لاش کو گدھے کی کھال میں لپیٹ کر آگ میں جلا دیا۔ (سیاست معاویہ ص ۴۶)

جناب مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''ایسا ہی وحشیانہ سلوک مصر میں محمد بن ابوبکر کے ساتھ کیا گیا۔ جو وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گورنر تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا جب مصر پر قبضہ ہوا تو انھیں گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا اور پھر ان کی لاش ایک مردہ گدھے کی کھال میں رکھ کر جلائی گئی۔'' (خلافت وملوکیت ص ۱۷۸)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف تحریک میں بصرہ، مصر اور کوفہ کے مفسدین نے حصہ لیا تھا۔ مصر میں اس تحریک کے روح رواں عبداللہ بن سبا، محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ تھے۔ ابن سبا اور محمد بن ابی بکر مفسدین کے ہمراہ حج بیت اللہ کے بہانے مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔ جبکہ محمد بن ابی حذیفہ پروگرام کے مطابق مصر میں ٹھہر گیا۔ اس وقت مصر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح گورنر تھے۔ جنھوں نے دربار خلافت کو ان کی سرگرمیوں سے آگاہ کر دیا۔ اس کے بعد والی مصر خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لیے روانہ ہو گئے۔ مگر ان کے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی انھیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی اطلاع ملی۔ چنانچہ وہ راستہ ہی میں رک گئے اور مدینہ طیبہ نہ آئے۔

اسی دوران میں مصر میں قتل عثمان کے سانحہ سے پہلے ہی محمد بن ابی حذیفہ (جو سبائیوں کا سرغنہ تھا) مصر پر زبردستی قبضہ کر لیا۔ بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مصر پر ایک جلیل القدر صحابی حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو والی مقرر کر دیا۔

دیگر صوبوں کی طرح مصر میں بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حامی کثیر تعداد میں موجود تھے۔ اور انھوں نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کو قصاص کے ساتھ مشروط کر دیا کہ جب تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ نہیں لیا جاتا وہ بیعت نہیں کریں گے۔ مگر گورنر مصر نے اپنی بصیرت، دور اندیشی اور حکمت عملی سے حالات قابو میں رکھا اور موقع کی نزاکت کے تحت اہل خربتا سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ اس لیے کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔ نیز انھوں نے اہل خربتا کے ساتھ ایک معاہدہ کر لیا تھا کہ اگر وہ حکومت کے خلاف کسی کارروائی میں حصہ نہ لیں تو حکومت ان کی عدم بیعت پر اعتراض نہیں کرے گی۔ اس معاہدہ کی رو سے حضرت علی رضی اللہ عنہ

ہزار غیر جانب دار یا حامیان عثمان کی بالواسطہ طور پر حمایت حاصل ہوگئی اس سے والی مصر کی حکمت و بصیرت بھی واضح ہوتی ہے۔ لیکن سبائی حامیان عثمان کو تہ تیغ کیے بغیر چین کے ساتھ کیسے بیٹھ سکتے تھے؟ لہٰذا انھوں نے والی مصر کے نام حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک فرمان جاری کرایا کہ اہل خربتا کو بیعت پر مجبور کیا جائے اور بصورت دیگر ان سے جنگ کی جائے۔

والی مصر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی پالیسی، حکمت عملی اور اپنے دلائل و موقف سے آگاہ کیا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابی بکر اور محمد بن جعفر کے مشورے پر حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کو گورنری سے معزول کر دیا اور ان کی جگہ محمد بن ابی بکر کو گورنر مقرر کر دیا۔ نئے گورنر نے چارج سنبھالتے ہی مشہور فتنہ پرداز اور قاتل عثمان کنانہ بن بشر کے مشورہ پر اہل خربتاء کو نوٹس بھیج دیا کہ یا اطاعت میں داخل ہو جاؤ اور یا پھر ملک چھوڑ دو۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہمارے ساتھ جنگ کرنے میں جلدی نہ کریں۔ بالفعل ہم کو چند دنوں کی مہلت دیں، ہم انجام کار پر غور کر لیں محمد بن ابی بکر نے ان کو مہلت نہ دی۔ (تاریخ ابن خلدون ص ۵۱۲ ج ۱)

نئے گورنر نے ان پر متعدد مرتبہ حملے کیے لیکن ہر دفعہ اسے شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس دوران میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی محمد بن ابی بکر کو خط لکھا کہ ان حامیان عثمان کو امن سے رہنے دو۔ ان کے ساتھ چھیڑ چھاڑ مت کرو اور انھیں اپنے مظالم کا نشانہ مت بناؤ۔ لیکن اس نے تو اسی مقصد کے لیے گورنری حاصل کی تھی۔ اپنی حرکتوں سے کیسے باز آ سکتا تھا؟ تو مجبوراً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک دستہ اہل خربتا کی مدد کے لیے بھیجا، اور انھیں اللہ سے ڈرنے، نرمی اور حوصلہ مندی کی ہدایت فرمائی۔ مقاتلہ کرنے والے کے خلاف قتال کرنے اور پیٹھ پھیرنے والے کو معاف کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ آپ لوگوں کو صلح اور جماعت کے ساتھ رہنے کی دعوت دیں۔ (البدایہ والنہایہ ص ۳۱۳ ج ۷ تحت ۳۸ھ)

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے والی مصر کو بہت سمجھانے کی کوشش کی مگر بے سود۔ اس کے جواب میں محمد بن ابی بکر فوج لے کر میدان میں آ گیا اور اس کے مقدمۃ الجیش کی کمان قاتل عثمان کنانہ بن بشر کے ہاتھ میں تھی۔ علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''کنانہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا جنگ شروع ہوگئی۔ کنانہ گھبرا کر پیادہ پا ہو کر لڑنے لگا اور لڑتے لڑتے کام آ گیا...... محمد بن ابی بکر جبلہ بن مسروق کے مکان پر جا کر چھپے۔ حضرت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ نے اپنے ہمراہیوں کے پہنچ کر محاصرہ کیا محمد بن ابی بکر جوش مردانگی میں مکان سے نکل کر میدان میں آئے اور راہ آخرت اختیار کی۔'' (تاریخ ابن خلدون اردو ص ۵۴۴ ج ۱)

طبری کی ایک روایت سے بھی اس واقعہ کی تائید ہوتی ہے اور طبری کی وہ روایت جسے مودودی صاحب نے نقل کیا ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ان کی لاش کو ایک مردہ گدھے کی کھال میں رکھ کر جلا دیا گیا اس کے

راوی جناب ابو مخنف لوط بن یحییٰ ہیں۔ ان کا تعارف پیچھے گزر چکا ہے تو ایسے کذاب اور رافضی کی روایت کا کیا اعتبار؟ علامہ خیر الدین زرکلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((لم يحرق ودفنت جثته مع راسه فى مسجد يعرف بمسجد "زمام" خارج مدينة الفسطاط قال ابن سعيد وقد ذرت قبره فى الفسطاط)) (الاعلام ص۷۹ ج۷)

''محمد بن ابی بکر کو جلایا نہیں گیا بلکہ اس کے جسم کو اس کے سر کے ساتھ ایک مسجد میں دفن کیا گیا۔ جس کو مسجد زمام کہتے ہیں اور جو فسطاط شہر سے باہر ہے ابن سعید کہتے ہیں کہ میں نے اس کی قبر فسطاط میں دیکھی۔''

یہ جنگ قاتلین عثمان کی شدید خواہش کے مطابق ان کے خلاف لڑی گئی۔ جس میں محمد بن ابی بکر، کنانہ بن بشر اور ان کے دیگر ہمراہی جو قتل عثمان میں براہِ راست شریک تھے اپنے انجام کو پہنچے۔

محمد بن ابی بکر کی والدہ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ہیں۔ یہ پہلے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ غزوۂ موتہ میں ان کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں آئیں اور ۱۰ھ میں ان کے بطن سے محمد تولد ہوئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت ان کی عمر تقریباً تین سال تھی۔ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ایک مرتبہ پھر بیوہ ہوگئیں۔ عدت کے بعد ان کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا اور یہ محمد بن ابی بکر اپنی والدہ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر منتقل ہو گئے۔ جوان ہو کر یہ سبائی ٹولہ کا آلہ کار بن گیا اور قتل عثمان میں اس نے بھر پور کردار ادا کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر جن لوگوں نے براہِ راست حملہ کیا تھا۔ ان میں بھی یہ شامل تھا۔ بلکہ آں محترم کو داڑھی سے پکڑا۔ ان کے زخمی ہونے کے بعد گستاخانہ کلام کیا۔

((على ایّ دين انت يا نعثل؟ غيّرت كتاب الله...... فتقدم اليه واخذ بلحيته...... وشطحه بيده من البيت الى بيت الدار)) (البدایہ والنہایہ ص۱۸۵ ج۷)

''اے نعثل (عثمان)! تم کس دین پر ہو؟ تم نے کتاب اللہ کو تبدیل کر دیا ہے۔ آگے بڑھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی داڑھی پکڑ لی پھر اس نے کمرے سے نکال کر حویلی کے دروازے تک گھسیٹا۔''

ازالۃ الخفا میں ہے کہ

((واخذ بلحيته حتى سمعت وقع اضراسه)) (ص۳٦۱ ج۴)

''داڑھی سے پکڑ کر خوب جھنجھوڑا یہاں تک کہ ان کے دانت آپس میں بجنے لگے۔''

حافظ ابن عبدالبر اندلسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((وكان ممن حضر قتل عثمان و قيل انه شارك فى دمه...... وقيل انه اشار على من كان معه فقتلوه)) (الاستیعاب مع الاصابہ ص۳۴۹ ج۳)

''محمد بن ابی بکران لوگوں میں سے ہے جو قتل عثمان کے وقت موجود تھے اور کہا گیا ہے کہ یہ ان کی خون ریزی میں بھی شامل تھا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے اشارے پر لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا۔''

طبری کی جس روایت سے مودودی صاحب نے اعتراض کیا ہے اسی روایت میں محمد بن ابی بکر کے یہ الفاظ بھی موجود ہیں کہ جب اس سے کہا گیا کہ میں تجھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بدلہ میں قتل کرنا چاہتا ہوں تو محمد بن ابی بکر نے کہا

((وما انت وعثمان؟ ان عثمان عمل بالجور ونبذ حکم القرآن وقد قال الله تعالیٰ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ فنقمنا ذالك علیه فقتلنا...... فغضب معاویة (ابن خدیج) فقدمه فقتله ثم القاه فی جیفة حمار ثم احرقه بالنار))

(طبری ص ۵۹ ج ۶ تحت ۳۸ھ)

''کہاں تم اور کہاں عثمان! بے شک عثمان نے ظلم کا راستہ اپنایا اور احکام کو پھینک دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ فیصلہ نہیں کرتا وہ فاسق ہے۔ ہم نے تو عثمان سے اسی لیے انتقام لیا ہے اور اسے قتل کر دیا ہے...... ادھر تو اور تیرے ساتھی عثمان کے اس طریقہ کو اچھا سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمیں اس گناہ سے بری کر دے گا اور تو اس کے گناہ میں شریک ہے اور اس کے گناہ کو بڑا کرنے والا ہے اور اپنے آپ کو اسی طریقے پر ڈالنے والا ہے...... یہ سن کر حضرت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ غضبناک ہوئے اور آگے بڑھ کر اسے قتل کر دیا۔ پھر ایک مردہ گدھے کی کھال میں ڈال کر جلا دیا۔''

مودودی صاحب نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی وحشیانہ کارروائیاں ثابت کرنے کے لیے اس واقعے کا سہارا لیا ہے۔ لیکن اپنے مطلب کی آخری بات نقل کر دی اور بقیہ کہانی پر پردہ ڈال دیا...... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بھی یہ شخص اپنے مخالفین کے سامنے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ظالم، جائر، فاسق اور حکم قرآن کو پس پشت ڈالنے والا کہہ رہا ہے اور ندامت کے بجائے فخراً ان کے قتل کا اقرار کر رہا ہے اور پھر اس توقع پر کہ ہم نے یہ کام ثواب سمجھ کر کیا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کر دیں گے۔

محمد بن ابی بکر کے قتل عثمان کے جرم میں شریک ہونے کی وجہ سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اس کا نام لینے کے بجائے ''یا فاسق'' کہتے تھے۔ ''وکان الحسن لا یسمیه باسمه انما کان یسمیه الفاسق''

(طبقات ابن سعد ص ۸۳ ج ۳)

خود محمد بن ابی بکر کے بیٹے حضرت قاسم رحمہ اللہ قتل عثمان میں شرکت کی وجہ سے اپنے باپ کے لیے مغفرت کی دعا کیا کرتے تھے۔

((وکان القاسم بن محمد یقول فی سجوده اللهم اغفر لابی ذنبه فی عثمان))

(ابن خلکان ص ۵۹ ج ۴)

''حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر رحمہ اللہ سجدے کی حالت میں کہا کرتے تھے اے اللہ! میرے باپ کا وہ گناہ معاف کر دے جو عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے۔''

جناب مودودی صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں کہ محمد بن ابی بکر کا قتل عثمان میں اہم کردار تھا:

''لیکن اس کے بعد بتدریج وہ لوگ ان کے ہاں تقرب حاصل کرتے چلے گئے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش برپا کرنے اور بالآخر انھیں شہید کرنے کے ذمہ دار تھے۔ حتیٰ کہ انھوں نے مالک بن حارث الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کے عہدے تک دے دیے۔ درآں حالے کہ قتل عثمان میں ان دونوں صاحبوں کا جو حصہ تھا وہ سب کو معلوم ہے...... مالک الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کا عہدہ دینے کا فعل ایسا تھا جس کو کسی تاویل سے بھی حق بجانب قرار دینے کی گنجائش مجھے نہ مل سکی۔'' (خلافت وملوکیت ص ۱۴۶، ۳۴۸)

اس عبارت میں مودودی صاحب نے بظاہر اپنے غیر جانب دار ہونے کا تاثر دیا ہے جبکہ یہ بھی ایک فریب اور دھوکا ہے۔ موصوف نے تاریخ طبری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا بیان پڑھ لیا تھا اس لیے انھیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس فعل کی تغلیط کی جرأت ہوئی:

''ایک روز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ محمد بن ابی بکر پر رحم کرے وہ ایک نوجوان لڑکا تھا۔ خدا کی قسم! کاش میں مصر پر ہاشم بن عتبہ کو امیر بنا دیتا تو وہ عمرو بن عاص اور ان کے فاجر مددگاروں کے لیے میدان خالی نہ چھوڑتا۔ وہ اگر قتل بھی ہوتا تو اس حالت میں قتل ہوتا کہ اس کے ہاتھ میں تلوار ہوتی اور وہ محمد بن ابی بکر کی طرح خون بہائے بغیر قتل نہ ہوتا۔''

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ محمد بن ابی بکر کو قتل عثمان سے کسی طور پر بھی بری الذمہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ حضرت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ نے اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جس کا وہ مستحق تھا۔ لہٰذا (بشرط صحت روایت) گدھے کی کھال میں ڈال کر جلا دینا اگر فی الواقع ہوا بھی ہو تو پھر بھی اس سے کسی قسم کا الزام عائد نہیں ہو سکتا۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس کے قتل میں حضرت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ شریک تھے نہ کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما۔ مگر مودودی صاحب کے ''انصاف'' کو داد دینی پڑتی ہے کہ اس واقعہ کو پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وحشیانہ کارروائیوں میں شامل کر دیا۔

(۳۷) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اشتر نخعی کو دھوکے کے ساتھ قتل کرایا

سید مہر حسین بخاری لکھتے ہیں کہ:

''آپ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) نے اشتر نخعی کو ان (محمد بن ابی بکر) کی مدد کے لیے بھیجا لیکن معاویہ نے انھیں راستے میں ہی شہید کروا دیا۔'' (سیاست معاویہ ص ۴۶)

غلام حسین نجفی لکھتا ہے کہ

''مالک اشتر کو حضرت علی نے مصر پر اپنا گورنر بنا کر بھیجا...... معاویہ پر یہ بات گراں گزری...... حضرت مالک اشتر کو معاویہ نے قتل کیا ہے اور حضرت مالک اشتر مومن کامل تھے۔ اور قرآن پاک کا فیصلہ ہے کہ جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے اس کی سزا جہنم ہے پس معاویہ کے ظالم ہونے میں شک نہ رہا۔''

(خصائل معاویہ ص ۱۹۵، ۱۹۶)

علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''لوگ چاروں طرف سے محمد بن ابی بکر پر ٹوٹ پڑے۔ امیر المومنین کو یہ خبر معلوم ہوئی...... آپ نے اشتر کو لکھ بھیجا کہ جزیرہ میں کسی کو اپنا نائب مقرر کر کے مصر فوراً چلے جاؤ۔ تمھارے سوا کوئی شخص مصر کی اصلاح کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس خبر سے مصر کے قبضے کی ناامیدی ہوگئی۔ کیونکہ اشتر کی چالوں سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو واقفیت تھی۔ اتفاق پیش آیا کہ اشتر کوچ اور قیام کرتا جونھی قلزم کے افسر مال کے پاس پہنچا اشتر کا انتقال ہوگیا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سازش سے حاکم خراج قلزم نے اشتر کو زہر دیا تھا۔ طمع یہ دلائی گئی تھی کہ خراج معاف کر دیا جائے گا۔ لیکن یہ دور از قیاس اور خلاف واقعہ روایت ہے۔

محمد بن ابی بکر کو بھی اشتر کا حاکم مصر ہو کر آنا شاق تھا اور اس وجہ سے ذرا کشیدہ ہو گئے تھے۔ جب اشتر کے انتقال کی خبر امیر المومنین کو پہنچی تو آپ نے اِنَّا لِلّٰہِ پڑھ کر اس کے حق میں دعائے مغفرت کی اور محمد بن ابی بکر کو معذرت کا خط لکھا کہ میں نے اشتر کو حاکم مصر اس وجہ سے نہیں مقرر کیا تھا کہ تمھاری طرف سے مجھے کچھ بدظنی تھی بلکہ اس کی سیاست دانی اور کار آزمودہ ہونے کی وجہ سے میں نے مصر کی گورنری دی تھی لیکن اتفاق سے اس نے سفر آخرت اختیار کر لیا۔ ہم اس سے بے حد خوش تھے اللہ تعالیٰ بھی اس سے راضی ہو اور ثواب دو چند عطا کرے......'' (تاریخ ابن خلدون اردو ص ۵۴۳ ج ۱)

پہلے یہ بتایا جا چکا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں محمد بن ابی بکر اور اشتر نخعی کا اہم کردار تھا۔ حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ تو یہی مطالبہ کر رہے تھے کہ ان قاتلین کو حضرت علی رضی اللہ عنہ خود سزا دیں یا ہمارے حوالے کر دیں کیونکہ قاتلین حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کی حفاظت میں تھے۔ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان قاتلین میں سے کوئی مل جاتا تو وہ ضرور انھیں ایسی عبرتناک سزا دلواتے جس کا ذکر طبری نے (بشرط صحت روایت) محمد بن ابی بکر کے قتل کے تحت کیا ہے۔ زہریلے شہد کے ذریعے سے قتل کرانے کی کوئی تک نہیں ہے۔ اسی لیے علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ نے یہ لکھا کہ ''یہ دور از قیاس اور خلاف واقعہ روایت ہے۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ بھی اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''في هذا نظر'' (البدایہ والنہایہ ص ۳۱۲ ج ۷ تحت ۳۸ھ) یہ واقعہ قابل تامل ہے اور اس کی صحت میں شک و شبہ ہے۔

طبقات ابن سعد میں سازش کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

((وولاه علي عليه السلام مصر فخرج اليهما فلما كان بالعريش شرب شربة عسل فمات)) (طبقات ابن سعد ص ۱۴۸ ج ۶)

''یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اشتر کو مصر کا والی بنا کر بھیجا جب وہ العریش کے مقام پر پہنچا تو اس نے شہد کا شربت پیا اور فوت ہو گیا۔''

قدیم مورخ خلیفہ ابن خیاط رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

((وفيها (۳۸هـ) ولى عليّ الاشتر المصر فمات بالقلزم من قبل ان يصل اليها))

(تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۷۴ ج ۱)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اشتر کو مصر کا والی بنایا مگر وہ قلزم کے مقام پر مصر پہنچنے سے قبل ہی فوت ہو گیا۔''

تاریخی روایات سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اشتر کی موت مسموم شہد پینے سے واقع ہوئی اب غور طلب بات یہ ہے کہ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اشتر کو مصر بھیجا تھا؟ اور کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے سازش کے تحت قتل کرایا؟

اوپر یہ بتایا جا چکا ہے کہ اگر اشتر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قابو میں آ جاتا تو اس کے سابقہ کردار کے پیش نظر آں محترم یہ سلوک ہرگز نہ کرتے کہ اسے مسموم شہد پیش کرتے بلکہ اسے عبرت ناک سزا دیتے تاکہ آیندہ کسی کو خلیفہ راشد کے قتل کی ہمت نہ ہوتی۔ لہٰذا آں محترم پر اس سازش کا الزام ہی بالکل لغو، بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے۔ جیسا کہ ابن سعد، ابن خیاط، ابن کثیر اور ابن خلدون نے روایت کیا ہے۔

اگر بالفرض اشتر مصر پہنچنے میں کامیاب ہو جاتا اور محمد بن ابی بکر سے چارج بھی لے لیتا تو اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کیا نقصان ہوتا؟ جب اشتر صفین میں سپہ سالار ہو کر ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکا تو مصر کی

امارت ملنے پر وہ کیا کر لیتا؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس کا گورنر ہونا کیوں شاق گزرتا؟ آخر باقی علاقوں میں بھی تو ایسی انتظامی اور سیاسی تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔

ابن خلدون رحمہ اللہ کے بیان سے اس معمے کے حل میں کچھ مدد ملتی ہے وہ یہ کہ:

''محمد بن ابی بکر کو بھی اشتر کا حاکم مصر ہو کر آنا شاق تھا اور اس وجہ سے ذرا کشیدہ ہو گئے تھے۔''

ظاہر ہے جو اس کی آمد سے متاثر ہو سکتا تھا اور جس پر اس کا آنا شاق گزرا وہی یہ کام کر سکتا ہے۔ جس طریقے سے اسے منظر سے غائب کیا گیا وہ کسی ''دوست'' کا ہی کام ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اگر یہ درست ہے کہ اشتر کی موت کسی سازش کے تحت ہوئی ہے تو اس میں محمد بن ابی بکر ہی کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہرگز اس طریقے سے اسے انجام تک نہ پہنچاتے۔

اب یہ بات حل طلب ہے کہ کیا اشتر کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مصر بھیجا تھا؟ اور اگر انھوں نے ہی بھیجا تھا تو کس حیثیت میں؟ بحیثیت گورنر یا بحیثیت معاون؟ تو سوال یہ ہے کہ اگر اسے بحیثیت گورنر ہی بھیجا گیا تو اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کیا فائدہ حاصل کرنا مقصود تھا؟ حامیان عثمان اور اہل خربتا کے خلاف تو کارروائی جاری ہی تھی محض اشتر کی وجہ سے اس میں کیا شدت آ سکتی تھی؟ جن مورخین نے اشتر کی گورنری کا فرمان نقل کیا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس کی عبارت اور مضمون خود اس کے جعلی اور وضعی ہونے کا اعلان کر رہا ہے کیونکہ اس میں فضول اور لایعنی باتوں کے علاوہ بے مقصد طوالت بھی ہے۔ خضری جیسے مورخ نے بھی اس فرمان کے متعلق یہ لکھ دیا ہے کہ:

((والظاهر ان هذا العهد قد كتب بعد ذلك بازمان))

''یہ بات صاف ظاہر ہے کہ تقرری کا یہ فرمان بعد کے دور کا لکھا ہوا ہے۔''

(محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ص ۷۷ ج ۲)

یہ بھی ایک ناقابل انکار تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مصر میں کوئی فوج نہیں بھیجی۔ اشتر نخعی از خود وہاں گیا لیکن پہنچ نہ سکا۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ اسے بھیجتے تو مصر کو بچانے کے لیے اسے اکیلا بھیجنے کے بجائے اس کے ساتھ کوئی مضبوط اور طاقتور لشکر روانہ کرتے جبکہ محمد بن ابی بکر نے دربار خلافت سے امداد کی باقاعدہ درخواست بھی کی تھی کہ یہاں کے حالات اچھے نہیں ہیں۔ اور شہر کے سب لوگ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل گئے ہیں تو ایسی صورت میں اشتر کو ایک فوج دے کر بھیجنا چاہیے تھا۔ لیکن تاریخ سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔

لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اشتر نخعی کے قتل کا الزام بالکل لغو، بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے۔

(۳۸) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عامل بسر بن ارطاۃ کے مظالم

دشمنان صحابہ نے بہت سی داستانیں وضع کر کے انھیں صحابہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ جنھیں بعض ''سنی'' مورخین نے بھی مکھی پر مکھی مارتے ہوئے اپنی کتب میں نقل کر دیا ہے...... ان ہی داستانوں میں ایک داستان حضرت بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ کے مظالم کے متعلق بھی شامل ہے جو بدقسمتی سے استیعاب، اسد الغابہ اور الاصابہ میں بھی جگہ پا گئی ہے۔ جس سے دشمنان اسلام نے خوب فائدہ اٹھایا ہے۔

سید مہر حسین شاہ بخاری لکھتے ہیں کہ

''واقعہ تحکیم کے بعد یوں تو معاویہ نے بیت المال کی لوٹ کھسوٹ، قتل و غارت گری اور فساد فی الارض کو نقطہ عروج تک پہنچا دیا۔ جس کی بنا پر معاویہ کا شمار دنیا کے چند معروف دہشت گردوں، مفسدین اور تخریب کاروں میں ہونے لگا...... ۴۰ھ میں معاویہ نے بسر بن ارطاۃ کو لوٹ مار اور قتل و غارت گری کی غرض سے خصوصی ہدایات کے ساتھ روانہ کیا...... بسر نے تقریباً تیس ہزار آدمیوں کو قتل کیا۔ یہ تعداد ان لوگوں کے علاوہ ہے جنھیں جلا کر پھونک ڈالا تھا۔'' (سیاست معاویہ ص ۴۷، ۴۸)

شیعہ مجتہد غلام حسین نجفی لکھتا ہے کہ:

''معاویہ نے بسر بن ارطاۃ کو تخریب کاری اور فساد فی الارض کی خاطر یمن کی طرف بھیجا...... بسر لعین کے تمام مظالم پہلے معاویہ کی گردن میں ہیں کیونکہ قرآن میں بنی اسرائیل کے کم سن بچوں کے قتل کا فرعون کو ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے اور فرعون بھی ان بچوں کو اپنے ہاتھ سے قتل نہیں کرتا تھا۔ جس طرح فرعون کی فوج کے تمام مظالم کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ نے فرعون کو ٹھہرایا ہے اسی طرح معاویہ بھی اپنی فوج کے مظالم کا ذمہ دار ہے۔''
(خصائل معاویہ ص ۲۲۵)

شاہ معین الدین ندوی لکھتے ہیں کہ:

''۴۰ھ میں امیر معاویہ نے مشہور جفا کار بسر بن ارطاۃ کو تین ہزار سپاہ کے ساتھ حجاز اور یمن روانہ کیا۔ وہ سیدھا مدینہ پہنچا...... اس کے بعد بسر اہل مدینہ کے دلوں میں ہیبت بٹھانے کے لیے چند گھروں کو مسمار کرا کے مکہ پہنچا...... پھر یمن روانہ ہوا...... اور عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے دو صغیر السن بچوں کو قتل کیا۔ یہ مظالم ڈھانے کے بعد شام واپس ہوا۔'' (تاریخ اسلام ص ۳۰۵ ج ۱)

جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب رقمطراز ہیں کہ:

''اس سے بڑھ کر ظالمانہ افعال بسر بن ابی ارطاۃ رضی اللہ عنہ نے کیے جسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پہلے حجاز و

یمن کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قبضہ سے نکالنے کے لیے بھیجا تھا اور پھر ہمدان پر قبضہ کرنے کے لیے مامور کیا تھا۔ اس شخص نے یمن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گورنر عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے دو چھوٹے چھوٹے بچوں کو پکڑ کر قتل کر دیا۔ ان بچوں کی ماں اس صدمے سے دیوانی ہوگئی۔ بنی کنانہ کی ایک عورت جو یہ ظلم دیکھ رہی تھی چیخ اٹھی کہ مردوں کو تو تم نے قتل کر دیا اب ان بچوں کو کس لیے قتل کر رہے ہو؟ بچے تو جاہلیت میں بھی نہیں مارے جاتے تھے۔ اے ابن ارطاۃ جو حکومت بچوں اور بوڑھوں کے قتل، بے رحمی اور برادر کشی کے بغیر قائم نہ ہوسکتی ہو اس سے بری کوئی حکومت نہیں......'' (خلافت وملوکیت ص۱۷۶)

ایک معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا شخص بھی ان واقعات کو پڑھ کر پکار اٹھے گا ''سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ'' لیکن دشمنان اسلام کا تو مقصد ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بدنام کرنا ہے۔ یہ واقعات عہد صحابہ اور خیر القرون کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں رکھتے...... حضرت بسر بن ارطاۃ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور کسی صحابی کے بارے میں کوئی دشمن اسلام ہی مظالم کے یہ فرضی واقعات مشہور کر سکتا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''بسر بن ارطاۃ یا ابن ابی ارطاۃ...... ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے۔ جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

((كنا مع بسر بن ابى ارطاة فى البحر فاتى بسارق فقال سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول لا تقطع الايدى فى السفر))

''ہم دریا کے سفر میں بسر بن ارطاۃ کے ہمراہ تھے۔ ایک چور ان کے سامنے لایا گیا تو بسر نے کہا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا سفر میں چور کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں......''

یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ "مات النبى صلی اللہ علیہ وسلم وهو صغير" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت وہ کم سن تھے۔ دارقطنی کہتے ہیں کہ "له صحبة" ان کے لیے صحبت ثابت ہے۔ ابن یونس کہتے ہیں کہ "كان من اصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم" یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ "وله اخبار شهيرة فى الفتن لا ينبغى التشاغل فيها" زمانہ فتن میں ان کے متعلق بہت سے قصے کہانیاں مشہور ہیں ان داستانوں کے ساتھ تشاغل نہیں رکھنا چاہیے۔'' (الاصابہ ص۱۴۸ ج۱ تحت بسر بن ارطاۃ)

علامہ ابن اثیر جزری رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں کہ:

''یہ من جملہ ان لوگوں کے ہیں جنھیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے فتح مصر کے وقت بھیجا تھا۔'' (اسد الغابہ تحت بسر بن ارطاۃ)

حقیقت یہ ہے کہ سبائیوں، بلوائیوں اور مفسدوں نے واقعہ تحکیم کے بعد حضرت علی اور حضرت معاویہ

رضی اللہ عنہما کی مصالحت کو اپنے لیے پیغام موت سمجھا اور مملکت کے مختلف اطراف میں حامیان عثمان اور طالبین قصاص کے ساتھ چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ تا کہ ایک مزید جنگ جمل وصفین بپا ہو جائے۔ لیکن انھیں اپنے عزائم میں مکمل ناکامی ہوئی۔ اکا دکا اگر کوئی کارروائی ہوئی بھی تو وہ قاتلین عثمان کے خلاف تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ہرگز نہیں تھی۔ صاحب استیعاب نے حضرت بسر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جب وہ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا:

((یا اهل المدینة! والله لو لا ما عهد الیّ معاویة ما ترکت فیها محتلما الا قتلته))

''اے اہل مدینہ اللہ کی قسم! اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے عہد نہ کیا ہوتا تو میں مدینہ میں ایک بالغ بھی نہ چھوڑتا۔''

اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں سختی اور غارت گری سے منع کر کے بھیجا تھا اس بات کی تاریخ طبری کی ایک روایت سے بھی تائید ہوتی ہے:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مامور بسر بن ابی ارطاۃ جب مدینہ میں داخل ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ عامل ابو ایوب رضی اللہ عنہ مدینہ سے بھاگ گئے۔ بسر کو پتہ چلا تو انھوں نے منبر نبوی پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ اے اہل مدینہ! تمھارے لیے خوف کا کوئی مقام نہیں ہے۔ مجھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تمھیں قتل کرنے یا تم پر کسی قسم کی سختی روا رکھنے سے منع کر رکھا ہے...... بسر جب مکہ معظّمہ میں داخل ہوئے تو ان کے خوف کی وجہ سے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے وہاں سے نکل جانے کی کوشش کی۔ بسر کو اطلاع ہوئی تو انھیں پیغام بھیجا آپ کسی قسم کا خوف نہ کریں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی سے کوئی بدسلوکی نہیں کر سکتا۔''

(تاریخ طبری ج ۳ حصہ دوم باب ۲۳)

حضرت بسر رضی اللہ عنہ پر حضرت عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے صغیر السن بچوں کے قتل کا الزام بالکل ہی بے بنیاد ہے۔ جسے بڑھا چڑھا کر مودودی صاحب نے بیان کیا ہے کہ ''بچے تو جاہلیت میں بھی نہیں مارے جاتے تھے بنی کنانہ کی ایک عورت نے انھیں اس ظلم سے متنبہ کیا'' اس قصے کے وضعی اور من گھڑت ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ گورنر اور دیگر بہادر لوگ بسر رضی اللہ عنہ کا نام سنتے ہی بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ لیکن ایک صنف نازک خاتون انتہائی جرأت کے ساتھ بسر رضی اللہ عنہ کو لعن طعن اور ملامت کر رہی ہے اور وہی ''ظالم'' شخص جس کے ہاتھ سے بے قصور بوڑھے اور بچے بھی محفوظ نہیں رہے لیکن یہ جری اور بہادر عورت مودودی صاحب کو ''اصل واقعہ'' بتانے کی غرض سے محفوظ رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

''اگرچہ مورخین اور سیرت نگاروں کے ہاں یہ خبر بہت مشہور ہے لیکن ''وفی صحتہ عندی نظر'' اس کی صحت میرے نزدیک نادرست، مشتبہ اور قابل تامل ہے۔ یعنی ان روایات کے صحیح ہونے میں مجھے کلام ہے۔

قدیم مورخ خلیفہ ابن خیاط نے اس واقعے کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا۔ حیرت ہے کہ اتنا مشہور، اہم اور سنگین واقعہ انھوں نے کیوں نظر انداز کر دیا۔ (تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۸۲ ج ۱ تحت ۴۰ھ)

صغیر السن بچوں کے قتل کی روایت جناب طبری نے بیان کی ہے جو شیعہ ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتبار ہے۔ نیز وہ روایت بھی منقطع ہے کسی صحابی پر ایک صحیح السند روایت سے بھی الزام قائم نہیں کیا جا سکتا چہ جائیکہ ایک منقطع اور وہ بھی مودودی یا طبری رافضی کی روایت سے؟

صاحب استیعاب نے اس روایت کو ابو مخنف کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

(الاستیعاب مع الاصابہ ص ۱۵۶ ج ۱)

اس ذات شریف کا گزشتہ صفحات میں متعدد مرتبہ تعارف کرایا جا چکا ہے کہ مودودی صاحب کا یہ بزرگ اور مرشد جلا بھنا، کذاب اور آگ لگانے والا شیعہ تھا۔

اگر فی الواقع یہ ظلم ہوا تھا اور بچوں کی ماں ''دیوانی'' ہو گئی تھی تو ان بچوں کے باپ پر بھی اس کا کچھ اثر ہونا چاہیے تھا۔ اور باپ بھی ایک صاحب حیثیت، طاقتور گورنر اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا چچا زاد بھائی...... بسر رضی اللہ عنہ سے اس ظلم کا انتقام لینا یا اس کا مطالبہ کرنا تو رہا ایک طرف، اس ظلم عظیم پر محض زبانی بھی احتجاج نہیں کیا گیا۔ مورخین یہ بھی بتاتے ہیں کہ ان واقعات کے بعد حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان ۴۰ھ میں باقاعدہ مصالحت ہوئی اور اس کی رو سے ملک عراق اور اس کے ملحقات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماتحت قرار پائے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے مطابق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس مصالحت کے گواہ تھے۔ ''وانہ (ابن عباس) کان شاھدا للصلح''۔ (البدایہ والنہایہ ص ۳۲۲ ج ۷)

تعجب بالائے تعجب یہ کہ انھوں نے اس موقع پر بھی اپنے دو کم سن بھتیجوں کے قتل پر احتجاج نہیں کیا...... پھر آگے چل کر جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہو گئے تو اس موقع پر بھی یہ ظلم کی داستان سامنے نہیں آئی۔ حالانکہ حضرت عبداللہ بن عباس، عبیداللہ بن عباس اور دیگر ہاشمی حضرات (رضی اللہ عنہم) کی موجودگی میں فریقین میں یہ معاہدہ طے پایا۔ اور اس کے بعد ان حضرات نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ دوستانہ و برادرانہ تعلقات قائم رکھے۔ ان کے ہاں آمد و رفت جاری رکھی اور آں محترم سے تحائف، ہدایا اور عطایا بھی وصول کرتے رہے۔

ابن اثیر جزری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((وانما کان الذی شهد صلح الحسن عبیدالله بن عباس))

(الکامل، ابن اثیر جزری ص ۱۹۴ ج ۳)

''عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما صلح حسن کے وقت حاضر اور موجود تھے۔''

اس موقع پر بھی ایک باپ نے اپنے مظلوم و مقتول بچوں کے اہم ترین اور نازک ترین معاملے (جس کے صدمے سے چودہ سو سال بعد بھی مودودی صاحب ''دیوانے'' ہو گئے) کو نہیں اٹھایا بلکہ اس ''قاتل اور ظالم'' فریق کے ساتھ بخوشی و رضا اتحاد کر لیا۔

شیعہ علماء نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما صلح حسن سے پہلے ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل گئے تھے۔ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لشکر کو بلا قائد تنہا چھوڑ کر آ گئے تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے چچا عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو ایک پرچم دے کر بطور امیر جیش ایک مقام کی طرف روانہ کیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف ایک لاکھ درہم ارسال کیے اس کے بعد عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وہی پرچم لے کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف چلے گئے اور ان کے ساتھ شامل ہو گئے اور اس طرح ان کا لشکر بلا قائد اور سردار کے رہ گیا۔ (رجال کشی ص ۷۴ تحت عبیداللہ بن عباس)

اگر ان کے بچے قتل ہوئے ہوتے تو کیا وہ ایک لاکھ درہم لے کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر اپنے مخالف سے مل سکتے تھے؟ کیا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کہہ سکتے تھے ''لیس احد منا اعلم من معاوية'' ہم میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں۔

(بیہقی ص ۲۶ ج ۳ باب الوتر)

اور امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق انھوں نے کہا ''قد صحب رسول الله ﷺ...... اصاب انه فقيه'' وہ صحابی اور فقیہ ہیں۔ (صحیح بخاری باب ذکر معاویہ) ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''ما رايت للملك اعلىٰ من معاوية'' (تطہیر الجنان ص ۲۴) اور بروایت ابن کثیر رحمہ اللہ ''ما رايت اخلق للملك من معاوية'' (البدایہ والنہایہ ص ۱۳۵ ج ۸) کہ میں نے حکمرانی کے لائق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی آدمی نہیں دیکھا۔ اور فرمایا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہم پر بیس سال کے قریب حکمران رہے۔

((فما اذانا على ظهر منبر ولا بساط صيانته منه لعرضه و اعراضنا ولقد كان يحسن صلتنا ويقضى حوائجنا)) (انساب الاشراف، بلاذری ص ۶۸ ج ۴)

''انھوں نے نہ منبر پر اور نہ فرش پر کبھی کوئی اذیت دی۔ اپنی عزت اور ہماری عزت کی حفاظت کے طور پر آپ ہمارے تعلق کا پورا لحاظ کرتے اور ہماری ضرورتیں پوری کرتے۔''

علاوہ ازیں علمائے انساب نے دونوں خاندانوں کے درمیان ایک رشتہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی صاحبزادی سیدہ لبابہ رحمہا اللہ کا نکاح پہلے جناب عباس بن علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا۔ کربلا میں حضرت عباس رحمہ اللہ کی شہادت کے بعد سیدہ لبابہ رحمہا اللہ کا نکاح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے برادرزادے ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کے ساتھ ہوا۔ (کتاب نسب قریش، مصعب زبیری ص ۳۲، تحت اولاد عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما)

اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں اس قدر ظلم ہوا ہوتا تو اس قسم کے تعلقات قائم ہو سکتے تھے؟ اور کیا سیدہ لبابہ رحمہا اللہ اپنے بھائیوں کے قاتل خاندان میں نکاح کر سکتی تھیں؟

اگر حضرت بسر رضی اللہ عنہ کے اقدامات کی بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزام عائد کیا جا سکتا ہے تو کیا حضرت جاریہ بن قدامہ رضی اللہ عنہ کی کارروائی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر وہی اعتراض قائم نہیں ہو سکتا؟ اسی طبری میں یہ روایت بھی تو موجود ہے کہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بسر بن ارطاۃ کے مقابلے کے لیے جاریہ بن قدامہ اور وہب بن مسعود کو دو دو ہزار کا لشکر دے کر روانہ کیا۔ جاریہ نے نجران کی پوری بستی کو جلا کر بھسم کر ڈالا۔ اور بہت سے حامیان عثمان کو الگ تہ تیغ کر دیا۔ پھر یہ صاحب مدینہ آئے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جو مسجد نبوی میں نماز پڑھانے میں مشغول تھے جاریہ کی آمد کی خبر پاتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ جاریہ نے حسرت بھرے لہجے میں کہا "واللہ لو اخذت ابا سنور لضربت عنقه" کہ اللہ کی قسم! اگر بلی والا میرے قابو میں آ جاتا تو میں اس کی گردن اڑا دیتا۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے کس جرم کی پاداش میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپہ سالار نے اس سزا کا اعلان کیا؟

بصرہ میں جاریہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کو جو چالیس سے زیادہ تھے زندہ جلا دیا تھا...... جاریہ نے عبداللہ بن عمرو حضرمی کا تعاقب کیا۔ اسے اور اس کے ساتھیوں کو ایک جگہ محصور کر لیا اور پھر انھیں آگ سے جلا دیا۔ (البدایہ والنہایہ ص ۳۱۶ ج ۷)

امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "جس گھر میں عبداللہ بن عمرو حضرمی اور اس کے ساتھی مقیم تھے اس کو جاریہ نے جلا ڈالا۔ جس سے بہت سے لوگ جل گئے...... اس شخص نے یمن پہنچ کر ہر اس شخص کو قتل کر کے آگ میں جلا دیا جو بیعت علی سے منحرف تھا۔ اس لیے جاریہ کا نام ہی "محرق" یعنی جلا ڈالنے والا ہو گیا۔"

(تاریخ اسلام، ذہبی ص ۲۱۴ ج ۲)

اگر حضرت بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ کے مظالم کی وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مورد الزام ٹھہرائے جا سکتے ہیں تو حضرت جاریہ بن قدامہ رضی اللہ عنہ کے مظالم کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر وہی الزام کیوں نہیں عائد ہو سکتا؟

حقیقت یہ ہے کہ حضرت جاریہ بن قدامہ اور حضرت بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہما دونوں صحابی ہیں، ظالم اور شقی نہیں بلکہ مجاہد اور غازی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کی فتوحات میں حضرت بسر بن ارطاۃ

رضی اللہ عنہ کا بھی بہت حصہ ہے۔

افسوس کہ دورِ فتن کے ان فرضی مظالم کی تو خوب تشہیر کی جاتی ہے لیکن معلوم نہیں اس کے بعد دور معاویہ میں حضرت بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ کے مجاہدانہ کارناموں سے کیوں آنکھیں بند کر لی جاتی ہیں؟ جو رومیوں اور کافروں کے خلاف عمل میں آئے تھے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ، امام ذہبی رحمہ اللہ اور دیگر مورخین نے واضح طور پر لکھا ہے کہ ۴۳ھ میں حضرت بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ نے روم میں جہاد کیا اور دور تک چلے گئے۔ حتیٰ کہ قسطنطنیہ تک جا پہنچے پھر موسم سرما میں بھی حضرت بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ نے جہاد جاری رکھا اور ارض روم میں قیام کیا۔

(البدایہ والنہایہ ص۲۴ ج ۸۔ تاریخ اسلام، ذہبی ص ۲۱۰ ج ۲)

اگر بالفرض دور فتن میں ان سے کوئی ناپسندیدہ فعل بھی سرزد ہو گیا ہو تو کیا بعد میں خالص کفر کے خلاف یہ جہادی سرگرمیاں رائیگاں جائیں گی؟

دراصل ان فرضی مظالم پر مشتمل روایات ملحدوں، زندیقوں اور سبائیوں نے محض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بدنام کرنے کی خاطر وضع کی ہیں۔ اگر ان وضعی داستانوں میں ذرا بھی حقیقت ہوتی تو پورے عالم اسلام میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف نفرت پھیل جاتی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کبھی ان کے حق میں دستبردار نہ ہوتے۔ اور نہ امت مسلمہ ہی ایسے شخص کو متفقہ طور پر خلیفہ مقرر کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کرتی۔

(۳۹) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں مسلم خواتین کو لونڈیاں بنایا گیا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک الزام یہ بھی عائد کیا جاتا ہے کہ ان کے فرستادہ عامل بسر نے دیگر مظالم کے علاوہ مسلم خواتین کو گرفتار کر کے لونڈیاں بنایا۔ یہ شرعی احکام کی واضح خلاف ورزی ہے۔

(خصائل معاویہ ص ۲۴۶ مؤلفہ غلام حسین نجفی)

جناب مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''اس کے بعد اسی ظالم شخص کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہمدان پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ جو اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قبضے میں تھا۔ وہاں اس نے دوسری زیادتیوں کے ساتھ ایک ظلم عظیم یہ کیا کہ جنگ میں جو مسلمان عورتیں پکڑی گئی تھیں انھیں لونڈیاں بنا لیا۔ حالانکہ شریعت میں اس کا قطعاً کوئی جواز نہیں۔ یہ ساری کارروائیاں گویا اس بات کا عملاً اعلان تھیں کہ اب گورنروں اور سپہ سالاروں کو ظلم کی کھلی چھوٹ ہے اور سیاسی معاملات میں شریعت کی کسی حد کے وہ پابند نہیں ہیں۔'' (خلافت وملوکیت ص ۱۷۶، ۱۷۷)

مودودی صاحب نے یہ روایت الاستیعاب کے حوالے سے نقل کی ہے۔ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (متوفی ۴۶۳ھ) صاحب استیعاب نے ایک بلا سند اور دوسری باسند روایت بیان کی ہے:

① ((وفی هذه الخرجة التی ذکر ابو عمرو الشیبانی اغار بسر بن ارطاة علی همدان وسبی نساءهم فکن اول مسلمات سبین فی الاسلام وقتل احیاء من بنی سعد))

② ((نا احمد ابن عبدالله بن محمد بن علی قال نا ابی قال ثنا عبدالله بن یونس قال نا بقی بن محمد قال نا ابو بکر بن ابی شیبه قال نا زید بن الحباب قال حدثنی موسیٰ بن عبیدة قال نا زید بن عبدالرحمن بن ابی سلامةابو سلامة عن ابی الرباب وصاحب له انهما سمعا اباذر...... فان نساء من المسلمات یسبین فیکشف عن سوقهن فایّتهن کانت اعظم ساقا اشتریت علی عظم ساقها فدعوت الله ان لا یدرکنی هذا الزمان...... ثم ارسل معاویة بسر بن ارطاة الی الیمن فسبی نساء مسلمات فاقمن فی السوق)) (الاستیعاب مع الاصابہ ص ۱۵۷ ج ۱، تحت بسر بن ارطاۃ)

مودودی صاحب کے وکیل صفائی ملک غلام علی صاحب نے بجائے معذرت کے بڑی تحدی کے ساتھ اعلان کیا ہے کہ مسلمان عورتوں کو لونڈیاں بنانے کا واقعہ صحیح ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

''میں سمجھتا ہوں کہ حافظ ابن عبدالبر اور حافظ ابن اثیر جزری دونوں اتنے بلند پایہ محدث و مورخ ہیں کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کا اس واقعہ کو نقل کر دینا اثبات مدعا کے لیے کافی ہے۔''

موصوف اپنے مدعا کو تقویت پہنچانے کے لیے ابن حجر رحمہ اللہ کا حوالہ دیتے ہیں کہ انھوں نے تہذیب التہذیب میں بسر کے حالات میں لکھا ہے:

((فعل بمكة والمدينة واليمن افعالا قبيحة ولاه المعاوية اليمن وكانت بها اٰثار غير محمودة))

پھر اس عبارت سے غلط نتیجہ نکالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''یہی افعال قبیحہ اور آثار غیر محمودہ تھے جن کی تفصیل استیعاب اور اسد الغابہ میں بیان ہوئی ہے۔'' (خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ص ۲۲۹)

اگر ملک صاحب ضد، عناد، بغض اور تعصب کی عینک اتار کر خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ہی کے کلام میں ان الفاظ کا معنی و مفہوم تلاش کر لیتے تو وہ راہِ صواب کو پا سکتے تھے لیکن یہ جماعت اسلامی کا مقصود و مطلوب ہی کب ہے؟

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات پر ایک مستقل اور ضخیم کتاب تحریر کی ہے ''الاصابہ فی تمییز الصحابہ'' اس کتاب کی جلد اول میں ''حضرت بسر بن ابی ارطاۃ رضی اللہ عنہ'' کے حالات قلمبند کیے ہیں۔ اس میں مسلم خواتین کا لونڈیاں بنایا جانا تو رہا ایک طرف، سرے سے حضرت عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے کم سن بچوں کے قتل کا بھی کوئی ذکر نہیں ہے۔ تہذیب التہذیب میں ان کے الفاظ ''افعال قبیحہ اور آثار غیر محمودہ'' کی تشریح وتوضیح کا حق ملک صاحب کو ہرگز حاصل نہیں ہے۔ انھوں نے خود الاصابہ میں یہ وضاحت کر دی ہے کہ

((وله اخبار شهيرة فى الفتن لا ينبغى التشاغل بها)) (الاصابہ ص ۱۴۸ ج ۱ تحت بسر بن ارطاۃ)

''بسر بن ارطاۃ کے متعلق دور فتن میں کئی تاریخی قصے (افعال قبیحہ اور آثار غیر محمودہ) مشہور ہیں لیکن ان کے ساتھ مشغول ہونا مناسب نہیں۔ یعنی ان خبروں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔''

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ صاحب استیعاب (متوفی ۴۶۳ھ) کی پہلی روایت بے سند اور خود ان کا اپنا قول ہے لیکن ملک صاحب اسے بزور پوری امت سے یوں منوانا چاہتے ہیں کہ ''حافظ ابن عبدالبر کا محض اس واقعہ کو نقل کر دینا اثبات مدعا کے لیے کافی ہے'' دراصل ملک صاحب سے قصداً یا سہواً یہاں مودودی صاحب کا نام رہ گیا ہے۔ ورنہ ان کے لیے ابن عبدالبر اور ابن کثیر رحمہما اللہ سے بھی زیادہ بلند پایہ اور معتبر خود مودودی صاحب کی ذات گرامی ہے۔ جنھوں نے خلافت وملوکیت میں اسے نقل کیا ہے کیونکہ اگر وہ روایت صحیح نہ ہوتی تو مودودی صاحب جیسے ''مجتہد، مجدد اور مفکر'' کبھی اسے نقل نہ کرتے۔

... ری طویل روایت جس میں مختلف راوی ہیں۔ ان میں سے اکثر کے حالات سے کتب رجال خالی

ہیں۔ یہاں صرف دو راویوں کے حالات پیش کیے جاتے ہیں:

① زید بن حباب: امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ نے اس کے متعلق کہا ہے "صدوق کثیر الخطا" سچا تو ہے لیکن غلطیاں بہت کرتا ہے۔ (میزان الاعتدال ص ۳۶۲ ج ۱) ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "قال ابن حبان و فیه نظر" ابن حبان نے کہا اس میں نظر ہے۔ یعنی اس کی روایت مشتبہ اور قابل تأمل ہے۔ (لسان المیزان ص ۵۰۳ ج ۲) "کان کثیر الخطاء...... واما روایته عن المجاهیل ففیها المناکیر" (تہذیب التہذیب ص ۴۰۳ ج ۳) ''یہ بکثرت غلطیاں کرتا ہے اور اس کی جو روایات مجہول لوگوں سے ہیں تو ان میں مناکیر ہیں۔'' یعنی ان کا کیا اعتبار؟ لیکن زیر بحث روایت زید بن حباب، موسیٰ بن عبیدہ سے نقل کر رہا ہے۔ ایک تو زید بن حباب کا اپنا کردار اوپر بیان ہوا، اور دوسری بات یہ ہے کہ جس شخصیت سے وہ روایت کر رہا ہے وہ مجہول نہیں بلکہ مجروح ہے۔

② موسیٰ بن عبیدہ: موسیٰ بن عبیدہ کے متعلق یحییٰ بن سعید قطان رحمہ اللہ کا ارشاد ہے ''ہم اس کی حدیث سے بچتے ہیں'' امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "لا تحل الروایة عندی" میرے نزدیک اس کی روایت حلال نہیں۔ ابن معین رحمہ اللہ کا قول ہے کہ "لیس بشیء" وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں "لا احدث عنه" میں اس سے کوئی حدیث بیان نہیں کرتا۔

(میزان الاعتدال ص ۲۱۳ ج ۴۔ تہذیب التہذیب ص ۳۵۶ ج ۱۰)

دو معروف راویوں کا حال تو بیان ہو چکا ہے جبکہ باقی راوی مجہول الحال ہیں۔ جس روایت کی سند کا یہ حال ہو تو اس سے یقیناً کوئی دشمن صحابہ ہی استدلال کر سکتا ہے۔ لیکن ملک صاحب نے بڑی عیاری کے ساتھ راوی کے ضعف سے نظریں بچاتے ہوئے اپنی تائید میں ایک اور روایت پیش کر دی:

''لوگوں کا یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد ہے کہ یہ بات استیعاب کے سوا کسی کتاب میں درج نہیں ہے۔ سردست اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ص ۱۸۱، ج ۱ کا ایک اقتباس حاضر ہے...... اس شخص (بسر) نے یمن میں ہمدان کو تاخت و تاراج کیا اور وہاں کی عورتوں کو لونڈیاں بنا لیا اسلام میں یہ پہلی عورتیں تھیں جنھیں لونڈیاں بنایا گیا...... باقی رہا کسی راوی کا ضعیف یا متکلم فیہ ہونا تو تاریخی بحث میں ہر قدم پر راوی کی خیریت معلوم کرنے کی کوشش کرنا نہ ممکن ہے نہ آج تک کسی سے یہ ہو سکا ہے۔'' (خلافت و ملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ص ۲۲۸، ۲۲۹)

ملک صاحب کی ذہانت و فطانت کو داد دینی پڑتی ہے۔ بحث یہ تھی کہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی روایت میں موسیٰ بن عبیدہ راوی ضعیف، مجروح ہے اور اس سے روایت کرنا حلال نہیں ہے۔ ملک صاحب اس جرح کا انکار یا تردید نہیں کرتے بلکہ ایک دوسری کتاب کا حوالہ دے مارتے ہیں۔ اب ان سے کون پوچھے کہ اجی حضرت! اگر ایک ''جھوٹ'' کو سو کتابوں میں نقل کر دیا جائے تو کیا وہ ''سچ'' کا درجہ اختیار کر لے گا۔

ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا سن وفات ۴۶۳ھ ہے جبکہ ابن اثیر جزری رحمہ اللہ کا سن وفات ۶۳۰ھ ہے۔ زیر بحث واقعہ ۴۰ھ کا ہے۔ گویا پانچ سو نوے سال تک کے عرصے میں ابن اثیر رحمہ اللہ کے پاس کوئی راوی نہیں تو کیا ایسی بے سند روایت سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ ابن اثیر رحمہ اللہ کا ماخذ بھی استیعاب ہی ہے اسی لیے ملک صاحب خطیبانہ انداز میں بڑھک مارتے ہیں کہ

''حافظ ابن عبدالبر اور حافظ ابن اثیر جزری دونوں اتنے بلند پایہ محدث و مورخ ہیں کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کا اس واقعہ کو نقل کر دینا اثبات مدعا کے لیے کافی ہے۔''

اس دلیل سے صرف جماعت اسلامی کے بھکشو ہی مطمئن ہو سکتے ہیں۔ ملک صاحب راوی کے ضعف و کردار کو زیر بحث لانا ہی نہیں چاہتے۔ اسی لیے وہ لکھتے ہیں کہ ''تاریخی بحث میں ہر قدم پر راوی کی خیریت معلوم کرنے کی کوشش کرنا نہ ممکن ہے نہ آج تک کسی سے یہ ہو سکا ہے'' تو کیا پھر یہ ضروری ہے کہ ایسے بدکردار، بدطینت، کذاب، دروغ گو، رافضی اور سبائی راوی پر اعتماد کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جائے۔ ملک صاحب راوی کے ضعف کا اقرار بھی کرتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہوئے صحابہ رضی اللہ عنہم پر بہتان اور الزام بھی عائد کرتے ہیں۔

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی روایت پر معمولی غور کرنے سے ہی اس کے من گھڑت اور موضوع ہونے کا علم ہو جاتا ہے ''ان گرفتار شدہ عورتوں کو خرید و فروخت کے لیے منڈی میں لایا گیا اور ان کے حسن و جمال کے مطابق خود مسلمانوں نے ان کی بولیاں لگائیں۔'' ایک مسلمان ایک لمحے کے لیے بھی اس واقعہ کو تسلیم نہیں کر سکتا۔

کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی کردار تھا؟ کیا اس دور پر خیر القرون کا اطلاق ہو سکتا ہے؟ کیا کسی مسلم معاشرے میں آج بھی یہ ممکن ہے کہ مسلمان خواتین کو گرفتار کر کے بازار میں لایا جائے اور ان کے حسن کے مطابق ان کی بولیاں لگائی جائیں؟ اس واقعہ کو دیکھنے اور بیان کرنے والے سیکڑوں ہونے چاہییں تھے..... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور امارت میں اگر ایسا واقعہ ہوا ہوتا تو وہ ایک دن کے لیے بھی خلافت کے منصب پر فائز نہیں ہو سکتے تھے۔

یہ مودودی صاحب اور ملک غلام علی صاحب ہی کا حوصلہ ہے جنھوں نے ایسے کذاب، مجروح اور مجہول الحال راویوں پر اعتماد کرتے ہوئے حضرت بسر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما پر ایسا گھناؤنا الزام عائد کیا ہے۔

نیز یہ وابستگانِ جماعت اسلامی ہی کی اندھی عقیدت ہے جنھوں نے ''خلافت و ملوکیت'' جیسی زہریلی اور کذب و افتراء پر مبنی کتاب کو مودودی صاحب کے دنیا سے رحلت کر جانے کے بعد بھی ہزاروں کی تعداد میں شائع کرا کر عام کیا۔

(۴۰) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سلطان جائر تھے

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ وہ ''سلطان جائر'' تھے۔ صاحب ہدایہ نے ان کے متعلق یہی الفاظ استعمال کیے ہیں۔ چنانچہ مودودی صاحب بحوالہ ہدایہ لکھتے ہیں کہ:

((ثم یجوز التقلد من السلطان الجائر کما یجوز من العادل لان الصحابة تقلدوه من معاویة والحق کان بید علی فی نوبته))

''پھر سلطان جائر کی طرف سے عہدہ قضا قبول کرنا اسی طرح جائز ہے جس طرح سلطان عادل سے قبول کرنا جائز ہے۔ کیونکہ صحابہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عہدۂ قضا قبول کیا تھا۔ حالانکہ اپنی خلافت کی نوبت آنے پر حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔''

علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ اس عبارت کی شرح کرتے ہوئے فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

''یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جور کی تصریح ہے اور اس سے مراد عدالتی فیصلوں میں ان کا جور نہیں بلکہ ان کا خروج ہے۔'' (خلافت وملوکیت ص ۳۳۸، ۳۳۹)

دراصل صاحب ہدایہ امام علی بن ابی بکر مرغینانی (متوفی ۵۹۳ھ) نے یہ بات (سلطان جائر) ایک مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھی ہے کہ جس طرح ''سلطان عادل'' سے عہدہ قبول کرنا جائز ہے۔ اسی طرح ''سلطان جائر'' سے بھی عہدہ ومنصب قبول کرنا جائز ہے۔ اور اس کی دلیل میں یہ بات پیش کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ عہدے اور مناصب صحابہ نے قبول کیے تھے باوجود اس کے کہ حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف تھا۔

صاحب ہدایہ خود امام اعظم رحمہ اللہ کے اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

((وقوله (ای قول ابی حنیفة) وهو ظلم "ای میل عن سواء السبیل و هکذا یکشف عن مذهبه رحمه الله ان المجتهد یخطی ویصیب لا کما ظنه البعض)) (ہدایہ، کتاب ادب القاضی ص ۱۱۷ ج ۳)

''امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول "وهو ظلم" میں ظلم سے مراد سیدھے راستے سے ایک طرف ہٹ جانا ہے۔ اور اس سے ان کا مذہب ظاہر ہوتا ہے کہ مجتہد خطا پر بھی ہوتا ہے اور صواب پر بھی۔ نہ جیسا کہ بعض نے گمان کیا ہے۔''

اس سے واضح ہو گیا کہ ''ظلم'' سے خود صاحب ہدایہ نے خطائے اجتہادی ہی مراد لی ہے اور خطائے

اجتہادی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی صادر ہوسکتی ہے۔ چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''لازم نیست امیرؓ در جمیع امور خلافیہ محقق باشد و مخالف ایشاں بر خطا.....'' (مکتوبات ص ۵۵ ج ۲، مکتوب نمبر ۳۶)

''یہ لازم نہیں کہ امیر یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام اجتہادی و اختلافی امور میں حق پر ہوں اور ان کے مخالف خطا پر۔''

اہل سنت نے تو ان اختلافات کو اجتہادی قرار دیا اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف ''خطا'' کی نسبت کرنے کے لیے تیار نہیں۔ لیکن مودودی صاحب نے تو واضح طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف غلطی کی نسبت کر دی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پورے زمانہ خلافت میں ہم کو صرف یہی ایک کام (قاتلین عثمان کو گورنری کا عہدہ دینا) ایسا نظر آتا ہے جس کو غلطی کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں...... مالک الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری دینے کا فعل ایسا تھا جس کو کسی تاویل سے بھی حق بجانب قرار دینے کی گنجائش مجھے نہ مل سکی۔''

(خلافت وملوکیت ص ۱۴۶، ۳۴۸)

مودودی صاحب نے تو یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ''خطائے اجتہادی'' نہیں بلکہ صرف ''خطا'' ثابت کی ہے جبکہ صاحب ہدایہ ''ظلم و جور'' سے خطائے اجتہادی مراد لے رہے ہیں۔ اگر خطائے اجتہادی کے مرتکب پر مودودی صاحب، صاحب ہدایہ کے فتویٰ کی روشنی میں ''جائر'' کا حکم لگا رہے ہیں تو صرف ''خطا'' کے مرتکب پر کیا ''جائر'' سے زائد حکم نہیں لگے گا؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''سلطان جائر'' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ''سلطان عادل'' کہا گیا ہے...... مودودی صاحب کے نزدیک بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عدالتی فیصلوں میں ''جائر'' نہیں بلکہ خروج کی وجہ سے جائر ہیں۔ اور اسی بات کو انھوں نے فتح القدیر کے حوالے سے ثابت کیا ہے۔

امام ابن ہمام رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((هذا تصريح بجور معاوية والمراد فی خروجه لا فی اقضيته ثم انما يتم اذا ثبت انه ولی القضاء قبل تسليم الحسن له واما بعد تسليمه فلا))

(فتح القدیر شرح ہدایہ ص ۴۶۱ ج ۵)

اس عبارت میں دو باتیں بیان ہوئی ہیں۔ ایک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج۔ اس وجہ سے ان پر جائر کا اطلاق کیا گیا ہے...... دوسری بات یہ ہے کہ ان کا یہ ''جور'' تازیست نہیں تھا بلکہ صلح حسن تک تھا۔ اس سے پہلے جو عہدے قبول کیے گئے وہ ''سلطان جائر'' کی طرف سے ہیں اور ان کا قبول کیا جانا بھی جائز ہے...... لیکن صلح حسن کے بعد ان کی حیثیت ''سلطان جائر'' کی بھی نہ رہی بلکہ سلطان

عادل کی ہوگئی ہے۔ یعنی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دستبرداری سے قبل آں محترم ''جائر'' تھے اور دستبرداری کے بعد ''جائر'' نہ رہے۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ امام ابن ہمام رحمہ اللہ کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دستبرداری سے پہلے ''جائر'' ہونا بھی اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس دور میں عہدے دیے تھے۔

موصوف صاحب ہدایہ کی عبارت کی تشریح کر کے ان کے استدلال کو غیر تام بتا رہے ہیں یعنی صاحب ہدایہ نے جو دور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جور کا فرض کیا ہے اس میں انھوں نے نہ کسی کو عہد قضاء دیا، نہ کسی نے لیا اور جس دور میں یہ لینا، دینا باقاعدہ پایا گیا تو وہ دور مصالحت حسنؓ کے بعد کا ہے جسے بالاتفاق و بالاجماع ''دورِ عدل'' قرار دیا گیا ہے۔

صاحب ہدایہ نے اگرچہ ''ظلم'' کا معنی ''میل عن سواء السبیل'' (یعنی سیدھے راستے سے ایک طرف ہٹ جانے کے) لیے ہیں اور اسے مجتہد کی خطا وصواب پر محمول کیا ہے لیکن ان کی یہ تاویل صحیح نہیں بنتی کیونکہ ''سلطانِ عادل'' کے مقابلے میں ''سلطان جائر'' کا ذکر کیا ہے اور سلطان عادل کے مقابلے میں سلطان جائر بمعنی مجتہد مخطی دنیا کے کسی لغت میں بھی نہیں ہے۔ یہ درست ہے کہ ''جور'' کا معنی صرف ظلم ہی نہیں بلکہ ''میل عن الاستواء والاعتدال'' بھی ہے لیکن بات تو مطلق جور کی نہیں ہو رہی بلکہ سلطان عادل کے بالمقابل سلطان جائر کے ''جور'' کی ہو رہی ہے جس کا معنی ظلم ہی بنتا ہے۔ اللہ صاحب ہدایہ کی اس خطا کو معاف فرمائے۔

مودودی صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جائر ثابت کرنے کے لیے صاحب ہدایہ اور صاحب فتح القدیر کی آڑ لے رہے ہیں یہ بزرگ تو صلح حسن کے بعد بظاہر اس جور کے الزام سے دستبردار ہو گئے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے نزدیک اب سلطان عادل اور خلیفہ عادل ہو گئے لیکن مودودی صاحب کے نزدیک تو آں محترم آخر وقت تک سلطان جائر ہی رہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''اور یہ جو بعض فقہاء کی عبارتوں میں جور کا لفظ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں واقع ہوا ہے اور کہا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جور کرنے والے امام تھے۔ تو اس جور سے مراد یہ ہے کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں وہ خلافت کے حق دار نہ تھے نہ کہ وہ جور جس کا انجام فسق و ضلالت ہے تاکہ اہل سنت کے اقوال کے موافق ہو۔ اور نیز استقامت والے لوگ ایسے الفاظ بولنے سے جن سے مقصود کے برخلاف وہم پیدا ہو پرہیز کرتے ہیں

((کیف یکون جائرا وقد صح انه کان اماما عادلا فی حقوق الله وحقوق المسلمین کما فی الصواعق))

''وہ کس طرح جائر ہو سکتے ہیں جبکہ یہ بات صحیح ثابت ہو چکی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق اور مسلمانوں کے حقوق میں امام عادل تھے جیسے کہ صواعق میں ہے۔'' (مکتوبات امام ربانی دفتر اول حصہ چہارم)

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر صلح حسن سے قبل بھی ''جائر'' کا الزام عائد کرنا بجائے خود ایک ''جور'' ہے۔ اسلافِ متاخرین کی یہ حیثیت ہرگز نہیں ہے کہ وہ مشاجرات صحابہ کے مسئلے پر حکم اور قاضی بنیں۔ ان کے ہاں صرف یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ کیا ''سلطان جائر'' کی طرف سے عہدہ قضا قبول کیا جا سکتا ہے؟ اس کا جواب بھی انھوں نے دے دیا کہ ہاں ایسا ہو سکتا ہے...... لیکن اس جواب کی دلیل میں انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو درمیان میں لا کر مشاجرات صحابہؓ سے متعلق اہل سنت والجماعت کے قوی ترین، راجح ترین اور مقبول ترین مسلک ''امساک، سکوت و توقف'' کو نظر انداز کیا ہے اور یہ یقیناً تجاوز عن الحدود کے زمرے میں آتا ہے۔ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کوئی مثال نہیں دی جا سکتی تھی؟ کیا ''جائر'' وہی کہلا سکتا ہے جو امام عادل کے مقابلے میں خروج کرے؟ کیا ایک مستقل امام جائر نہیں ہو سکتا؟ کیا اس ''جور'' کا تعلق خروج کے ساتھ ہی ہے؟ کیا صاحب ہدایہ کے نزدیک یزید امام عادل تھے؟ یزید کی طرف سے جن صحابہ نے عہدے اور مناصب قبول کیے تو کیا ان کا مناصب قبول کرنا غلط تھا؟

اسی زیر بحث عبارت کے بعد صاحب ہدایہ نے یہ لکھا ہے کہ "والتابعین تقلّدوا من الحجاج وهو کان جائرا" (ہدایہ، کتاب ادب القاضی ص ۱۰۴ ج ۳) کیا اس دلیل سے مسئلے کا جواز ثابت نہیں ہو سکتا تھا؟ یہ تو پھر ''فرضی'' ظالم ہیں جبکہ تاریخ میں حقیقی ظالموں کی بھی کمی نہیں ہے۔ صاحب ہدایہ اگر فرضی یا حقیقی ظالموں سے ہی دلیل اخذ کر لیتے تو کم از کم ایک جلیل القدر صحابی (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) مودودی صاحب جیسے لوگوں کا تختۂ مشق تو نہ بنتے......

مزید برآں...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نہ تو خروج ثابت کیا جا سکتا ہے اور نہ ان کا دعویٰ خلافت ہی، وہ تو صرف طالب قصاص عثمان تھے۔ اور وہ یہ مطالبہ کرنے میں بھی حق بجانب تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور دیگر جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ ان کے موقف کی حمایت میں تھے۔ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ثالثوں نے بھی اس موقف کو درست تسلیم کیا۔ وہ ایک عبوری دور تھا۔ ہر فریق اپنے آپ کو حق پر سمجھتا تھا...... دشمنان اسلام کی سازش سے وقتی طور پر اختلاف رونما ہو گیا۔ جس پر حکمین کی دانش مندی سے قابو پا لیا گیا اور ثالثوں کی متفقہ رائے (جسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تائید حاصل تھی) سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نوبت (خلافت) ہی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے زیر تسلط علاقوں میں اختیارات سونپ دیے گئے تھے۔ تو

اس طرح آں محترم پر ''سلطان جائر'' کا اطلاق کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

پھر ۴۰ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی با قاعدہ مصالحت کر کے شام اور دیگر علاقے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے تسلط میں دے دیے۔ ان حقائق کی موجودگی میں صاحب ہدایہ اور صاحب فتح القدیر کی اس بے مقصد بحث (کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صلح حسن سے پہلے ''سلطان جائر'' تھے اور صلح حسن کے بعد ایسے نہیں رہے) کی ضرورت ہی کیا باقی رہ گئی ہے؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کو ''سلطان جائر'' کہنے سے بہتر یہی ہے کہ غلطی کی نسبت خود ان اکابر ہی کی طرف کر دی جائے کیونکہ جن صحابہ کے درمیان اختلاف واقع ہوا تھا وہ اجتہادی تھا اسے انھوں نے اپنی زندگی ہی میں طے کر کے با قاعدہ مصالحت کر لی تھی۔ اور ایک دوسرے کی حیثیت بھی تسلیم کر لی تھی۔

اگر بالفرض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا، ان کی اطاعت و بیعت نہیں کی اور ان کے ''حکم معزولی'' کو تسلیم نہیں کیا تو جب اسی خلیفہ راشد نے اپنی مرضی اور اختیارات کے تحت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو نہ صرف دور عثمانی کی پوزیشن پر بحال کر دیا بلکہ ان کے ''دور جور'' کے توسیعی علاقے (مصر سمیت) ان کی تولیت میں دے دیے تو اب انھیں ''سلطان جائر'' کیوں کر قرار دیا جا سکتا ہے۔ انصاف کا تقاضا اور بین الاقوامی ضابطہ بھی یہی ہے کہ جب کسی کے مطالبات کو درست تسلیم کر لیا جائے اور اسے سابقہ پوزیشن پر بحال بھی کر دیا جائے تو اس کے سابقہ اقدامات کا تخطیہ نہیں کیا جاتا کیونکہ تخطیہ کا امکان تو ''سلطان عادل'' کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے۔

لیکن اگر بالفرض ''سلطان جائر'' کے مؤقف کو صحیح تسلیم نہ کیا جائے اور اس کی حیثیت کو غیر آئینی قرار دیا جائے تو پھر بھی اس کے اٹھائے گئے اقدامات تقرر امرائے عساکر و قضاۃ اور غیر آئینی قاضیوں کے فیصلے محض اس بنیاد پر غیر آئینی قرار نہیں دیے جا سکتے۔

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے صاحب ہدایہ کی ایک بات کو نامناسب کہا ہے جس میں ایک صحابی کے متعلق بدگمانی پائی جاتی ہے:

''جہاں تک حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا تعلق ہے اس کا جواب صاحب ہدایہ نے یہ دیا ہے کہ "وکان ما رواہ تعلیما فظنہ ترجیعا" یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کی غرض سے شہادتین کو بار بار دہرایا۔ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سمجھے یہ اذان کا جز ہے۔ لیکن صاحب ہدایہ کی یہ توجیہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی فہم سے بدگمانی پر مبنی ہے جو مناسب نہیں۔'' (درس ترمذی ص ۴۵۵ ج ۱)

اگر بدگمانی کے شبہ کی بنا پر ان کے قول کو نامناسب کہا جا سکتا ہے تو کاتب وحی اور جلیل القدر صحابی کو ''جائر'' کہنے پر انھیں اپنی حدود سے تجاوز کرنے والا کیوں نہیں کہا جا سکتا؟

(۴۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سازش سے قتل ہوئے

دشمنان صحابہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انھوں نے عبدالرحمٰن بن ملجم کو زرو دولت کا لالچ دے کر اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قتل کروایا تھا......اور ان کی موت پر خوش ہوئے تھے۔

(خصائل معاویہ ص ۹۱، ۹۴)

سید مہر حسین بخاری لکھتے ہیں کہ:

''میں علیٰ وجہ البصیرت یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی معاویہ اور اس کے ساتھیوں کی سازش کا نتیجہ ہے.....۴۰ھ میں رشد و ہدایت کا چراغ شہنشاہِ ولایت معاویہ کی سیاست کا شکار ہو کر دنیا کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔'' (سیاست معاویہ ص ۴۹)

حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین ۴۰ھ میں ایک معاہدہ اور مصالحت ہوئی۔ لیکن یہ صلح اور قیام امن کی کوشش و خواہش دشمنان اسلام کے لیے ناقابل برداشت ہوگئی۔ علاوہ ازیں جنگ نہروان میں خوارج کی قوت پارہ پارہ ہو چکی تھی اور وہ اپنے مقتولوں کا بدلہ بھی لینا چاہتے تھے۔ لہٰذا انھوں نے باہمی مشاورت کے ساتھ تینوں بزرگوں (حضرت علی، حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم) کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ فیصلہ یہ ہوا کہ ان تینوں حضرات کو ایک ہی دن (۱۷ رمضان المبارک ۴۰ھ) نماز فجر کے وقت شہید کر دیا جائے۔ چنانچہ تینوں خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو، برک بن عبداللہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اور عمرو بن بکر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لیے اپنے اپنے ٹھکانے پر روانہ ہو گئے۔

حسن اتفاق کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے علالت کے باعث حضرت خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کے لیے مسجد میں بھیجا۔ چنانچہ ان کے نائب اس حملے میں شہید ہو گئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ زخمی ہو گئے۔ جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اسی زخم سے تین دن بعد جام شہادت نوش کر گئے۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر اٹھاون برس تھی اور مدت خلافت چار سال نو ماہ۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے چار تکبیرات کے ساتھ نماز جنازہ پڑھائی اور کوفہ کے دارالامارت میں دفن ہوئے۔ (طبری ص ۱۶۶ ج ۴، البدایہ والنہایہ ص ۳۳۰ ج ۷)

اس سے اتنی بات تو واضح ہو گئی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے مرید و معتقد کے ہاتھوں دارالخلافہ کوفہ ہی میں شہید ہوئے۔ یہ سازش اور منصوبہ ان ہی لوگوں کا تھا جو امن و صلح کے دشمن تھے اور نہروان میں ان کے اعزہ و اقارب بری طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پٹ چکے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی تو خود شدید زخمی ہونے

کے باوجود کلمہ استرجاع ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ ﴾ پڑھنے کے ساتھ ساتھ بے اختیار رونے لگے۔ ان کی اہلیہ سیدہ فاختہ کہنے لگیں پہلے تو ان کی مخالفت کرتے رہے اور "الیوم تبکی علیه" آج ان پر آنسو بہا رہے ہیں تو انھوں نے فرمایا "انما ابکی لما فقد الناس من عمله وعلمه وفضله" میں اس لیے روتا ہوں کہ آج لوگ کتنے علم وفضل اور فضل و بزرگی سے محروم ہو گئے۔ (البدایہ والنہایہ ص ۱۵ ج ۸)

ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ضرار صدائی سے باصرار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اوصاف بیان کرنے کی خواہش کی۔ جس پر انھوں نے غیر معمولی الفاظ میں ان کی تعریف وتوصیف کی۔ "فبکی معاویة وقال رحمه الله ابا الحسن کان والله کذلك" تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بہت روئے اور کہا کہ اللہ ابوالحسن پر رحم کرے اللہ کی قسم! وہ ایسے ہی تھے۔ (الاستیعاب مع الاصابہ ص ۴۴ ج ۳ تحت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ)

اس واقعہ کا انکار اہل تشیع بھی نہیں کر سکے۔ چنانچہ شیعہ مجتہد سید ہاشم حسین لکھتے ہیں کہ:

((فزرفت دموع معاوية علی لحيته فما يملكها وهو ينشفها بكمه وقد احتنق القوم بالبكاء ثم قال معاوية رحمه الله ابا الحسن كان والله كذلك))

(حلیۃ الابرار ص ۳۴۵ ج ۱)

"(حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل سن کر) بے اختیار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے آنسو جاری ہو گئے۔ حتیٰ کہ آپ کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ اور وہ اپنی آستین سے انھیں خشک کرنے لگے۔ یہاں تک کہ قوم کے گلے روتے روتے بند ہو گئے۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کی قسم وہ ایسے ہی تھے۔"

اہل تشیع کی اس شہادت سے بھی یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان قصاص عثمان کے مسئلے پر ہونے والا اختلاف ختم ہو کر باہمی محبت ومودت میں تبدیل ہو گیا تھا۔

اگر بالفرض محال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتل میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا معمولی حصہ بھی ہوتا تو حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اور دیگر ہاشمی حضرات اس سے ضرور آگاہ ہوتے۔ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کبھی ان کے حق میں دستبردار نہ ہوتے اور ان کے ہاتھ پر کبھی بیعت نہ کرتے بلکہ ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خون کا انتقام لیتے۔

جب موقع پر موجود حضرات تا دم زیست اس سازش سے آگاہ نہ ہو سکے تو سید مہر حسین بخاری آف اٹک اور غلام حسین نجفی کو کس طرح "الہام" ہو گیا؟

لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتل کی سازش میں شریک تھے سراسر غلط، لغو، بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے۔

(۴۲) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت منافقت پر مبنی تھی

دشمنان صحابہ اس مصالحت کا انکار تو نہیں کر سکتے البتہ وہ اس صلح کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی مجبوری اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیادتی، منافقت اور صلح حدیبیہ کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔ چنانچہ غلام حسین نجفی لکھتا ہے کہ:

''معاویہ کی بوقت صلح نیت صحیح نہ تھی۔'' (خصائل معاویہ ص ۱۱۰)

سید مہر حسین بخاری لکھتا ہے کہ:

''اگر چہ امام حسن علیہ السلام نے بعض مصالح کے پیش نظر معاویہ بن ابی سفیان سے صلح فرمالی تھی تاہم قلبی تصفیہ نہیں ہوا تھا اور کدورتیں باقی تھیں۔'' (سیاست معاویہ ص ۵۱)

حضرت حسن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں ہی صلح کے شدید خواہش مند تھے۔ ان کے اسی جذبے کے تحت بموقع تحکیم اور پھر ۴۰ھ میں بھی مصالحت ہوگئی تھی۔ لیکن یہ مصالحت سبائیوں اور مفسدوں کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ لہٰذا انھوں نے ایک اور صفین بپا کرنے کی کوششیں شروع کر دیں لیکن وہ ان دونوں بزرگوں کی بصیرت سے ناکام ہوگئیں۔

یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ثالثوں کے تقرر کے بعد سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مستقلاً شام ہی میں رہے۔ اور یہ ہرگز ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ انھوں نے کبھی فوجی ضرورت کے تحت دمشق سے نکلنا ضروری سمجھا ہو یا عراق کی سرحد پر کوئی فوج متعین کی ہو...... جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ عراقی دوبارہ جنگ چھیڑنا چاہتے ہیں تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کہا اے عمرو! اگر اِس طرف کے لوگوں نے اُن لوگوں کو اور اُس طرف کے لوگوں نے اِن لوگوں کو قتل کر دیا تو لوگوں کے معاملات کی دیکھ بھال کون کرے گا؟

چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دو بزرگ صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہما کو صلح کی پیش کش کے ساتھ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا بالآخر ان دو بزرگ صحابہ کی ضمانت پر صلح کا معاملہ بخیر وخوبی طے پا گیا۔ (صحیح بخاری کتاب الصلح)

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

((وكان معهما صحيفة بيضاء مختوم على اسفلها وكتب اليه وان اكتب الى فى هذه الصحيفة التى ختمت فى اسفلها بما شئت هو لك)) (ارشاد الباری تحت الحدیث)

''اور ان دونوں کے ساتھ ایک سفید کاغذ تھا جس کے نیچے مہر لگی ہوئی تھی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی

طرف یہ لکھا کہ اس سفید کاغذ پر جس کے نیچے میری مہر ثبت ہے جو شرائط آپ چاہیں لکھ دیں وہ آپ کے لیے ہوں گی۔"

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی فراست وبصیرت اور سابقہ تجربے اور مشاہدے سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ ان مفسدین (جو شہادت عثمان، جنگ جمل، صفین، نہروان، شہادت علی اور دیگر فسادات کا باعث بنے) سے صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کی شخصیت نبرد آزما ہوسکتی ہے۔ تو کیوں نہ زمام خلافت انھیں سونپ کر قصاص عثمان کی تکمیل اور اپنے شفیق نانا پیغمبر انسانیت کی پیشین گوئی کا مصداق بن جاؤں اسی دوران میں ان کی فوج نے ان کے خلاف بغاوت کرتے ہوئے آں محترم پر حملہ کر دیا۔ چادر اتار لی، مصلیٰ کھینچ لیا، جراح بن قبیصہ نے ران زخمی کر دی حتیٰ کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اسی زخمی حالت میں قصر ابیض میں مقیم ہو گئے۔

مختار بن ابی عبید نے اپنے چچا سعد بن مسعود سے کہا جو مدائن کے گورنر تھے۔ کیا تم کو دولت وعزت حاصل کرنے کا راستہ بتاؤں؟ کہا کیا مطلب؟ کہا حسن کو پکڑو اور قید کر کے معاویہ کے پاس بھیج دو۔ سعد بن مسعود نے کہا خدا تجھے غارت کرے کیا میں نواسۂ رسول سے دھوکا بازی کروں؟ (البدایہ والنہایہ ص ۱۴ ج ۸)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنی فوج سے بیزار اور مایوس ہو گئے اور اس پر بالکل اعتماد نہ رہا اور حق یہ ہے کہ یہ لوگ اعتماد کے قابل ہی نہ تھے۔ کیونکہ یہ لوگ زبان سے وفادار اور عمل سے بے وفا ثابت ہو چکے تھے۔ جلد ہی حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر ان کی سازش اور ان کے اصلی مقاصد کھل گئے۔ لہٰذا انھوں نے اپنا تاریخی کردار ادا کرنے کا حتمی فیصلہ کر لیا اور صلح کی پیش کش کو قبول کرتے ہوئے اعلان کر دیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میرے لیے بہتر ہیں۔ شیعہ مجتہد طبرسی لکھتے ہیں کہ:

"یزید بن وہب جہنی کہتا ہے کہ جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو مدائن میں نیزہ سے زخمی کیا گیا تو میں آپ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ درد کی تکلیف میں مبتلا تھے۔ میں نے عرض کیا اے ابن رسول لوگ اس معاملہ (مجوزہ صلح) میں حیران ہیں آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟ تو امام نے فرمایا:

((اری واللہ معاویۃ خیر لی من ھؤلاء یزعمون انھم لی شیعۃ ابتغوا قتلی وانتھبوا ثقلی واخذوا مالی......)) (الاحتجاج، طبرسی ص ۱۴۸ تحت احتجاج حسن بن علی علیہ السلام)

""اللہ کی قسم! میں خیال کرتا ہوں کہ ان لوگوں سے معاویہ میرے لیے بہتر ہیں۔ جو لوگ میرے شیعہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں انھوں نے تو میرے قتل کا ارادہ کیا اور میرے مال ومتاع کو لوٹ لیا۔"

تاریخ اسلام میں صلح وجنگ کے بہت سے واقعات ہیں لیکن یہ صلح بڑی تاریخی، یادگار اور بہت ہی اہم تھی۔ جس کی پیش گوئی اللہ کے رسول نے کی تھی۔ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی سعادت اور خوش بختی کہ اس کی

تکمیل کا شرف انھیں حاصل ہوا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے اس اقدام سے اب سارے مسلمان ایک خلیفہ اور ایک ہی مرکز کے تحت پھر اکٹھے ہو گئے۔ اس لیے اس سال کا نام ہی ''عام الجماعۃ'' رکھا گیا۔ یعنی وہ سال جس میں عالم اسلام کا تشتت و افتراق ختم ہوا، بچھڑے ہوئے گلے ملے اور جہاد کا تلپٹ شدہ فریضہ از سر نو شروع ہوا...... یہ عظیم مصالحت صرف اور صرف سبائیوں اور بچے کھچے قاتلین عثمان کے لیے پیغام موت تھی۔ اس عظیم الشان صلح سے یہودیوں، مجوسیوں، منافقوں، ابن ابی اور ابن سبا کے تربیت یافتہ مفسدوں کی امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ جوامت مسلمہ میں انتشار اور خلفشار باقی رکھنے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو نام کا خلیفہ بنا کر دولت و اقتدار پر قابض رہنے کے خواہش مند تھے۔ انھوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی شدید ترین توہین و تذلیل کی، ان کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے، انھیں مسود وجوہ المسلمین مذل المومنین وعار المومنین کے خطابات سے نوازا۔

دشمنان صحابہ اس صلح کو منافقت اور کدورت پر مبنی ثابت کرنے کے لیے مشکوٰۃ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ جس میں "امارة علی اقذاء وهدنة علی دخن...... اور هدنة علی دخن و جماعة علی اقذاء" کے الفاظ آئے ہیں۔ (مشکوٰۃ کتاب الفتن الفصل الثانی ص۴۶۳)

''یعنی سلطنت وحکومت ہوگی جس کی بنیاد فساد پر ہوگی اور صلح کی بنیاد کدورت پر...... اس وقت صلح ہوگی ظاہر میں اور باطن میں کدورت ہوگی اور لوگوں کا اجتماع ناخوشی کے ساتھ ہوگا۔''

یہ ایک طویل حدیث ہے جس میں قرب قیامت کی نشانیاں بیان ہوئی ہیں۔ اسی روایت میں راوی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے "هدنة علی دخن" کے متعلق پوچھا کہ "وما هی" اس سے کیا مراد ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا "لا ترجع قلوب اقوام علی الذی کانت علیه" کہ قوموں کے دل اس حال پر نہ ہوں گے جس پر پہلے تھے۔ یعنی لوگوں کے دل اتنے نرم نہ ہوں گے جیسے آغاز اسلام میں تھے۔ راوی نے پوچھا کہ بعد هذا الخیر شر۔ کیا اس خیر کے بعد پھر شر ہوگا؟ فرمایا ہاں اور وہ ایک اندھا بہرا فتنہ ہے۔ اس فتنہ کی طرف لوگوں کو بلانے والے ہوں گے۔ گویا وہ جہنم کے دروازے پر کھڑے لوگوں کو بلا رہے ہیں۔

اس حدیث کا صلح حسن کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ نہ تو اس میں کسی کا نام ہے اور نہ اس میں کسی دور کی نشاندہی کی گئی ہے۔ امت مسلمہ اور فریقین تو اس صلح سے خوش ہوئے، صرف سبائیوں نے اس پر اظہار ناراضی کیا لہٰذا منافقت اور کدورت اور بغض وعناد کا اطلاق بھی ان ہی پر ہوگا۔

حدیث میں قیامت کی ایک یہ علامت بتائی گئی ہے کہ اس دور میں کچھ لوگ فساد پر صلح کریں گے جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔ اس بات کا خیر القرون اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتگان سے کیا تعلق؟ جبکہ صلح حسن کا تعلق صحیح بخاری کی اس روایت کے ساتھ ہے جس میں صراحتاً نام لے کر اس کی پیشین گوئی کی گئی ہے۔

((ان ابنی هذا سید لعل الله ان یصلح به بین فئتین عظیمتین من المسلمین))
(صحیح بخاری کتاب الصلح، باب قول النبی ﷺ للحسن بن علی ابنی هذا سید......)

''حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو مسجد نبوی کے منبر پر اس حال میں دیکھا کہ آپ کے پہلو میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی ان کی طرف۔ پھر فرمایا بے شک میرا یہ بیٹا سید ہے اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرا دے گا۔''

آنحضرت ﷺ اس حدیث میں صراحتاً امت مسلمہ کے لیے مفید اور منفعت بخش مصالحت کی بشارت دے رہے ہیں کہ یہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے ہوگی۔ اور اسے امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح بخاری میں نقل کر رہے ہیں۔ معلوم نہیں اس صحیح اور صریح روایت کو ترک کرنے کی کیا وجہ ہے؟

علاوہ ازیں بخاری کی اس روایت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کے لیے بھی وہی الفاظ وارد ہوئے ہیں جو حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور ان کے گروہ کے لیے آئے ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا صلح کا یہ عمل اگر غلط ہوتا تو آپ اس پر انھیں ''سید'' کے اعزاز سے نہ نوازتے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے صرف صلح ہی نہیں کی بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو کر اپنے رفقاء سمیت ان کے ہاتھ پر بیعت بھی کرلی۔

حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

((ان معاویة کتب الی الحسن بن علی صلوات الله علیهما ان اقدم انت والحسین واصحاب علی فخرج معهم قیس بن سعد بن عبادة الانصاری فقدموا الشام فاذن لهم معاویة واعد لهم الخطباء فقال یا حسن قم فبایع فقام فبایع ثم قال للحسین علیه السلام قم فبایع فقام فبایع، ثم قال یا قیس قم فبایع فلتفت الی الحسین ینظر ما یامره فقال یا قیس انه امامی یعنی الحسن)) (رجال کشی ص ۱۰۲ تحت قیس بن سعد......)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا کہ آپ اپنے بھائی حضرت حسین اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے دیگر رفقاء کے ساتھ ہمارے ہاں تشریف لائیں جب یہ روانہ ہوئے تو ان کے ساتھ حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ جب شام پہنچے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں اندر آنے کی اجازت دی۔ ان کے اعزاز واستقبال کے لیے خطباء بھی بلائے۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کھڑے ہو کر بیعت فرمائیں۔ وہ کھڑے ہوئے اور بیعت کی۔ پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ بھی کھڑے ہوں اور بیعت فرمائیں انھوں نے بھی کھڑے ہو کر بیعت کی۔ پھر حضرت قیس رضی اللہ عنہ سے کہا آپ بھی

کھڑے ہوں اور بیعت کریں تو حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا کہ وہ کیا حکم دیتے ہیں تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے قیس وہ یعنی حضرت حسن رضی اللہ عنہ میرے امام ہیں جب انھوں نے بیعت کی تو آپ بھی بیعت کر لیں۔''

شیخ ابو جعفر الطوسی لکھتے ہیں کہ

((واللہ الذی صنعه الحسن بن علی کان خیرا لھذہ الامة مما طلعت علیه الشمس)) (بحار الانوار ص۱۶۴ ج۱۰، جلاء العیون تحت صلح امام دوم با معاویہ)

''حضرت حسن نے جو کچھ کیا وہ اس امت کے لیے ہر اس چیز سے بہتر تھا جس پر سورج کبھی طلوع ہوا۔''

اسی کتاب میں بیعت کے الفاظ بھی موجود ہیں ''فقام فبایع'' یعنی حضرات حسنین رضی اللہ عنہما نے کھڑے ہو کر بیعت کی۔

دونوں بھائی تا دم زیست اس بیعت پر قائم رہے۔ حجر بن عدی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاص احباب میں سے تھے انھوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو نقض بیعت پر متعدد بار آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس تجویز کو ہمیشہ مسترد کیا اور فرمایا ''انا قد بایعنا وعاھدنا ولا سبیل الی نقض بیعتنا۔'' (اخبار الطوال ص۲۲۰) ہم نے بیعت کر لی ہوئی ہے اور عہد کیا ہوا ہے اور اب ہمارے لیے بیعت توڑنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ یزید کی ولی عہدی کے مسئلے پر اختلاف کے باوجود حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں توڑی آخر تک ان کے وفادار رہے اور اپنی بیعت پر قائم رہے۔

علاوہ ازیں حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کا آخر وقت تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے تحائف و وظائف اور ہدایا و عطایا وصول وقبول کرتے رہنا بھی اس بات کی واضح شہادت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے تعلقات نہایت خوشگوار و سازگار تھے اور وہ مصالحت منافقت اور کدورت پر ہرگز مبنی نہ تھی۔

(۴۳) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شرائط صلح کی خلاف ورزی کی

دشمنان صحابہ کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ انھوں نے شرائط صلح کی خلاف ورزی کی۔ چنانچہ غلام حسین نجفی لکھتا ہے:

"صلح کے بعد معاویہ نے یہ بیان دیا تھا کہ تمام شرائط میرے قدموں میں ہیں انھیں پورا نہیں کروں گا۔" (خصائل معاویہ ص ۱۰۵)

سید آل احمد رضوی لکھتے ہیں کہ:

"مگر دوسری طرف امیر شام معاویہ نے ایک شرط کی بھی پابندی نہ کی اور کیوں کرتے؟"

(الحسن بن علی ص ۳۵)

کتب تاریخ میں شرائط کی دفعات اور تفصیلات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ جس کی وجہ یہی ہے کہ دشمنان اسلام نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر معاہدے کی خلاف ورزی کا الزام عائد کرنے کے لیے کچھ شرائط کا بعد میں اضافہ کیا۔ قدیم شیعہ مورخ احمد بن داود ابی حنیفہ دینوری (متوفی ۲۸۲ھ) کے مطابق شرائط صلح حسب ذیل ہیں:

① کسی عراقی کو محض پرانی عداوت کی بنا پر نہیں پکڑا جائے گا۔
② ہر اسود و احمر یعنی بلا استثناء سب کو امان دی جائے گی۔
③ اہل عراق کی بدزبانیوں کو برداشت کیا جائے گا۔
④ علاقہ اہواز کا مکمل سالانہ خراج حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا جائے گا۔
⑤ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بیس لاکھ درہم سالانہ وظیفہ دیا جائے گا۔
⑥ وظائف و تحائف میں بنو ہاشم کو بنو عبد شمس (بنوامیہ) پر ترجیح دی جائے گی۔

حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے یہ شرائط حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر دیں جنھیں انھوں نے بغیر کسی ترمیم کے منظور کر لیا اور اپنے قلم سے اقرار نامہ لکھ کر اس پر شہادتیں ثبت کرا کے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بھجوا دیا۔ (اخبار الطوال ص ۲۳۱ تحت مبایعہ معاویہ بالخلافہ)

طبری (متوفی ۳۱۰ھ) نے اپنے تشیع کی بنا پر ایک یہ روایت بیان کی ہے کہ:

① کوفہ کے بیت المال کی تمام رقم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دی جائے۔
② دارابجرد کا خراج آپ کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔

③ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اس طرح بر سر عام سب وشتم نہ کیا جائے کہ آپ کے کانوں تک پہنچے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ تینوں شرائط منظور کر لیں۔ (طبری ص ۲ ج ۷)

طبری کی دوسری روایت یہ ہے کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک سادہ کاغذ پر اپنی مہر لگا کر ان کے پاس بھیج دیا تھا کہ آپ جو شرائط مجھے لکھ کر بھیجیں گے وہ مجھے منظور ہوں گی۔ چنانچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی شرائط دوگنی کر کے بھیج دیں۔ مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں مسترد کر دیا۔''

طبری کی اس دوسری روایت کو تمام مورخین نے موضوع اور غلط قرار دیا۔ کیونکہ یہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان شرائط پر عمل کے علاوہ بھی وقتاً فوقتاً تحائف وعطایا سے انھیں نوازتے رہے...... نیز صحیح بخاری کی روایت کی رو سے بھی وہ غلط قرار پاتی ہے جس میں واضح طور پر لکھا ہوا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے شرائط حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیں جو انھوں نے فوراً قبول کر لیں۔

(صحیح بخاری کتاب الصلح)

طبری کی پہلی روایت کی تیسری شرط بھی بالکل من گھڑت اور موضوع ہے۔ اس کے الفاظ ہی اس کی لغویت کا واضح ثبوت ہیں۔ ''سرعام'' کی قید صاف دلالت کرتی ہے کہ یہ شرط بعد کے اذہان کی وضع کردہ ہے۔ اس کا تفصیلی ذکر آگے ''سب وشتم'' کے تحت آ رہا ہے۔

ملا باقر مجلسی نے دو مزید شرطوں کا بھی ذکر کیا ہے:

① حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور خلفائے صالحین کی سیرت کے مطابق امور خلافت چلائیں گے۔

اس شرط (السیرۃ الخلفاء الراشدین الصالحین) کو لکھ کر شیعہ مجتہد نے خلفائے ثلاثہ کی خلافت کو صحیح اور درست قرار دے دیا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ انھیں خلفائے راشدین صالحین سمجھتے تھے۔

② ولیس لمعاویۃ بن ابی سفیان ان یعھد الی احد من بعدہ عھدا بل یکون الامر من بعدہ شوریٰ بین المسلمین...... معاویہ بن ابی سفیان کو اپنے بعد کسی سے اس معاملہ میں عہد نہیں لینا ہوگا بلکہ باہمی مشاورت سے کسی کو خلیفہ بنائیں گے۔ (بحار الانوار ص ۱۲۴ ج ۱۰ تحت کیفیت مصالحت حسن بن علی)

شیعہ مجتہد نجم الحسن کراروی اس شرط کے پیش نظر لکھتے ہیں کہ:

''امیر معاویہ جو میدان سیاست میں کھلاڑی اور مکر وزور کی سلطنت کے تاجدار تھے امام حسنؑ سے وعدہ اور معاہدے کے بعد ہی سب سے مکر گئے...... معاویہ نے کسی ایک چیز کی بھی پروا نہ کی اور کسی پر عمل نہ کیا۔''

(چودہ ستارے ص ۱۹۳)

یہ شرط بھی بعد میں گھڑی گئی۔ اور حیرت ہے کہ اس پر اعتراض بھی اہل تشیع کر رہے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت کا معاملہ شوریٰ پر چھوڑنے کا عہد کیا تھا۔ لیکن انھوں نے اس شرط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے یزید کو ولی عہد بنا دیا...... اہل تشیع کے اصول سے اس شرط سے خلاف ورزی کرنے پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تو سرے سے الزام عائد ہی نہیں ہوتا کیونکہ ان کے نزدیک امامت و خلافت اصول دین میں سے ہونے کی وجہ سے منصوص من اللہ ہوتی ہے۔ شوریٰ کی صوابدید پر اسے ہرگز نہیں چھوڑا جا سکتا اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے شوریٰ پر نہیں چھوڑا تو انھوں نے کون سا غلط کام کر دیا؟

علاوہ ازیں اگر بقول شیعہ یہ شرط حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے لکھوائی تھی اور معاہدے میں بھی موجود تھی تو پھر امام دوم حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اہل تشیع کے بنیادی اصول (کہ خلافت و امامت منصوص من اللہ ہوتی ہے) کی خود ہی نفی کر دی...... اب یا امام سچے ہیں یا پھر شیعہ سچے ہیں...... اگر امام سچے ہیں تو پھر شیعہ جھوٹے ہیں کہ امامت منصوص نہیں ہوتی اور اگر شیعہ سچے ہیں تو پھر امام العیاذ باللہ جھوٹے ثابت ہوئے اور جھوٹے کی امامت کیسی؟ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام ''معصوم'' نہیں ہوتا اس طرح تو ان کا عقیدہ عصمت امام بھی غلط قرار پاتا ہے۔

باقی رہا یہ اعتراض کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ولی عہد کیوں مقرر کیا تھا تو اس کا تفصیلی جواب آگے ''ولی عہدی یزید'' کے تحت آ رہا ہے۔ اگر ولی عہد مقرر کرنا یا اپنے بعد بیٹے کو جانشین نامزد کرنا غلط کام ہے تو یہی کام حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی کیا۔

شیعہ مصنف علامہ علی بن عیسیٰ الاربلی لکھتے ہیں کہ

((ان علیا علیہ السلام اوصی بھا الیہ وافاض ردائھما علیہ))

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد اول تحت ذکر امامتہ وبیعتہ علیہ السلام)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلافت کی وصیت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لیے فرمائی اور انھیں امر خلافت کی چادر اوڑھائی۔''

کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فعل غلط تھا؟ اور اگر غلط نہیں تھا تو پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا فعل بھی قطعاً غلط نہیں ہے۔

مذکورہ بالا شرائط کے علاوہ متاخرین نے ایک شرط یہ بھی بیان کی ہے کہ:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے چنانچہ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((واشترط علیہ الحسن ان یکون لہ الامر من بعدہ فالتزم ذلک کلہ معاویۃ))

(الاستیعاب مع الاصابہ ص ۳۷۱ ج ۱، حرف الحاء)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بوقت صلح حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے یہ شرط بھی لکھوائی تھی کہ ان کے انتقال کے بعد خلافت کا معاملہ میرے سپرد ہوگا اور انھوں نے ان تمام شرائط کو قبول کرلیا۔''

اس شرط کی رو سے دشمنان صحابہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو عہد شکن ٹھہراتے ہیں کہ انھوں نے یہ شرط تسلیم کرنے کے باوجود خلافت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دینے کے بجائے اپنے بیٹے یزید کی طرف منتقل کردی۔

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (متوفی ۴۶۳ھ) نے اس روایت کو بغیر سند کے نقل کیا ہے اور ایسی بے سند روایت کا کیا اعتبار؟ البتہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اسے باسند روایت کیا ہے:

((قال ابن خيثمة حدثنا هارون بن معروف حدثنا ضمره عن ابن شوذب قال لمّا قتل على سار الحسن فى اهل العراق و معاوية فى اهل الشام فالتقوا فكره الحسن القتال وبايع معاوية على ان يجعل العهد له من بعده......)) (الاصابہ ص۳۳۰ ج۱)

اس روایت کی سند میں ابن خیثمہ کے متعلق خود ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((قال عباس عن ابن معين ليس بشیء))

(تہذیب التہذیب ص ۱۷۸ ج ۳، میزان الاعتدال ص ۳۱۴ ج ۱)

''عباس، یحییٰ ابن معین رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن خیثمہ کچھ بھی نہیں۔''

تقریب التہذیب میں اسے ''لین الحدیث'' یعنی حدیث بیان کرنے میں ضعیف کہا گیا ہے۔ اس سند کے آخر میں ایک راوی ''ابن شوذب'' ہیں یہ بزرگ ۸۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۴۴ھ میں فوت ہوئے۔ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

((قال ضمرة عنه مولدى ۸۶ھ و قال غيره مات سنة اربعة واربعين مائة))

(تہذیب التہذیب ص۲۵۶ ج۵)

''ضمرہ نے عبداللہ بن شوذب سے روایت کی کہ میری ولادت ۸۶ھ میں ہوئی اور اس کے علاوہ دوسروں نے کہا کہ وہ ۱۴۴ھ میں فوت ہوئے۔ مصالحت کی تاریخ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں:

① ربیع الاول ۴۱ھ ② ربیع الآخر ۴۱ھ ③ جمادی الاولیٰ ۴۱ھ''

(البدایہ والنہایہ ص ۱۸ ج ۸۔ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۸۷ ج۱)

زیر بحث شرط وہ شخص بیان کر رہا ہے جو ۸۶ھ میں پیدا ہوا۔ اگر بالفرض پیدا ہوتے ہی اس نے بطور ''کرامت'' سماعت کا ملکہ بھی حاصل کرلیا ہو تو پھر بھی پینتالیس سال پہلے کا واقعہ وہ کسی طرح بھی بیان نہیں کر سکتا۔ ظاہر ہے کہ ابن شوذب نے یہ شرط کسی دوسرے سے سنی ہوگی۔ وہ ذات شریف کون ہے؟ اس کا کوئی اتہ پتہ نہیں۔ اور قدیم مورخین کی بھی رسائی اس بزرگ تک نہیں ہوسکی۔ لہٰذا یہ روایت قطع نظر دیگر نقائص کے

منقطع ہے اور ایسی روایت قابل حجت نہیں ہوا کرتی۔

علاوہ ازیں قدیم شیعہ و مسلم مورخین میں سے بھی اس شرط کو کسی نے ذکر نہیں کیا۔ مثلاً یعقوبی، طبری، مسعودی، ابن اثیر، ابن کثیر، مرزا محمد تقی صاحب ناسخ التواریخ، ابو الحسن علی بن عیسیٰ الاربلی صاحب کشف الغمہ اور ہاشم بن محمد بن علی خراسانی صاحب منتخب التواریخ۔

حالانکہ یہ مورخین اپنی کتب میں ہر قسم کی رطب و یابس نقل کرنے میں ماہر ہیں۔ بدقسمتی سے ان تک بھی یہ شرط نہیں پہنچ سکی۔ یہ بات اس شرط کے من گھڑت اور موضوع ہونے کی واضح دلیل ہے۔

اگر یہ شرط صحیح ہوتی تو مصالحت کے بعد کسی موقع پر کسی کی زبان سے ضرور سنی جاتی۔ کہیں بھی اس کا ذکر نہیں ملتا۔ یزید کی ولی عہدی کی مخالفت میں عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر وغیرہ رضی اللہ عنہما نے یہ دلیل تو دی کہ یہ طریقہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے طریقہ کے خلاف ہے یا قیصر و کسریٰ کی سنت ہے۔ مگر یہ کسی نے نہیں کہا کہ آپ کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے اس لیے اب ان کی اولاد میں سے کسی کو خلیفہ ہونا چاہیے۔ خود حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے استحقاق اور یزید کی مخالفت میں بہت سے دلائل دیے۔ لیکن کسی موقع پر اس شرط کا ذکر نہیں کیا حالانکہ یزید کی مخالفت میں یہ بھی ایک دلیل ہو سکتی تھی۔

علاوہ ازیں...... شرائط صلح طے ہو جانے کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہما کو صلح کی اطلاع دے کر انھیں مدائن واپس آنے کا حکم دیا۔ انھوں نے فوج کو یہ معاہدہ پڑھ کر سنایا اور مجمع عام میں زبانی بھی اس صلح نامہ کی تصدیق کی...... حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے کوفہ آ جانے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہاں آ کر شرائط کی زبانی تصدیق بھی کر دی...... لیکن کسی موقع پر بھی زیر بحث شرط کا ذکر نہیں ہوا۔

اگر بالفرض بقول معترض کے یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ شرائط صلح میں مذکورہ شرط بھی تھی تو بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر عہد شکنی کا الزام عائد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ ان کی زندگی ہی میں فوت ہو چکے تھے۔ اس لیے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خلافت سپرد کرنے یا نہ کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور اس شرط میں یہ بات بھی نہیں تھی کہ اگر حضرت حسن رضی اللہ عنہ زندہ نہ رہے تو خلافت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سپرد کرنا ہوگی۔ اگر ایسی شرط ہوتی تو تب اس کی خلاف ورزی ہوتی۔ مگر یہ شرط نہیں تھی لہٰذا خلاف ورزی بھی نہیں ہوئی۔

مزید برآں...... حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خود یہ اعلان فرمایا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کسی امر میں مجھ سے بدعہدی نہیں کی۔ قدیم مورخ ابو حنیفہ دینوری لکھتے ہیں کہ:

((لم یری الحسن والحسین طول حیات معاویة منه سوءا فی انفسهما ولا مکروها ولا قطع عنهما شیئا کان شرطا لهما ولا تغیر لهما من بر)) (اخبار الطوال ص ۲۲۵)

"حضرات حسنین رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی میں ان کی طرف سے اپنے بارے میں

کوئی برائی نہیں دیکھی نہ کسی قسم کی خلاف طبع کوئی بات دیکھی۔ نہ انھوں نے ان سے کی گئی کسی شرط کو ختم کیا اور نہ اچھے سلوک ہی کو ان سے جدا کیا۔''

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما یہاں خود اقرار کر رہے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے معاہدے کی کسی شرط کی خلاف ورزی نہیں کی تو معلوم نہیں کہ ان کے نام نہاد محبین کے پیٹ میں کیوں مروڑ اٹھ رہے ہیں؟

اب یہ بات حل طلب ہے کہ بعد کے دشمنان اسلام کو اس شرط کے وضع کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟

دراصل اس شرط کے وضع کرنے والے وہی لوگ ہیں جنھوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے متعلق زہر خورانی کا افسانہ تراشا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی تک کے لیے خلافت سے دستبردار ہوئے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نہیں چاہتے تھے کہ خلافت دوبارہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو حاصل ہو جائے۔ اس لیے انھوں نے زہر دے کر اپنے راستے سے ہٹا دیا۔ (زہر خورانی کے الزام کا جواب آگے آ رہا ہے)

ان دلائل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ شرائط صلح میں اس زیر بحث شرط کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ دشمنان اسلام نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر عہد شکنی کا الزام عائد کرنے کے لیے یہ شرط وضع کی......

(۴۴) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جبراً حکومت پر قبضہ کیا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ انھوں نے تلوار کے زور سے عوام کی مرضی کے خلاف حکومت پر قبضہ کیا۔ چنانچہ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اس نوعیت کی نہ تھی کہ مسلمانوں کے بنانے سے وہ خلیفہ بنے ہوں اور اگر مسلمان ایسا کرنے پر راضی نہ ہوتے تو وہ نہ بنتے۔ وہ بہر حال خلیفہ ہونا چاہتے تھے۔ انھوں نے لڑ کر خلافت حاصل کی مسلمانوں کے راضی ہونے پر ان کی خلافت کا انحصار نہ تھا۔ لوگوں نے ان کو خلیفہ نہیں بنایا۔ وہ خود اپنے زور سے خلیفہ بنے اور وہ جب خلیفہ بن گئے تو لوگوں کے لیے بیعت کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اس وقت اگر ان سے بیعت نہ کی جاتی تو اس کا نتیجہ یہ نہ ہوتا کہ وہ اپنے حاصل کردہ منصب سے ہٹ جاتے۔ بلکہ اس کے معنی خون ریزی اور بدنظمی کے تھے۔ جسے امن اور نظم پر ترجیح نہیں دی جاسکتی تھی۔''

(خلافت وملوکیت ص ۱۵۸)

موصوف ایک تقریر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بغیر رضامندی عوام کے حکومت پر قابض ہو گئے تھے۔ ان کی حکومت میں مسلمانوں کی رضامندی کو کوئی دخل نہیں رہا تھا۔'' (شہادت حسین کا حقیقی مقصد ص ۲۳)

اس عبارت کو بار بار پڑھیے۔ یقین نہیں آتا کہ یہ مودودی صاحب جیسے ''مفکر اسلام'' کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن عاص اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم کے خلاف تو ان کے قلم سے بغض و عداوت اور کینہ و عداوت ٹپکتی ہی رہتی ہے۔ لیکن اس عبارت میں تو انھوں نے اس وقت موجود تمام صحابہ کی شدید توہین کر ڈالی...... ایسا کیوں نہ ہوتا کیونکہ اول الذکر کتاب تو انھوں نے اہل تشیع کے ساتھ دوستی کا ہاتھ بڑھانے کی غرض سے تحریر کی تھی۔ اور موخر الذکر تقریر خلافت وملوکیت کی تصنیف سے قبل موصوف نے ایک شیعہ لیڈر سید محمد علی زیدی ایڈووکیٹ کے مکان ۱۴ ٹیمپل روڈ لاہور میں بعنوان ''علی کا راستہ حسین کا راستہ'' جھاڑی تھی۔

کیا صحابہ کی رضامندی کے بغیر مسند خلافت پر قدم رکھا جا سکتا تھا؟ کیا صحابہ کرام اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم نے ڈر کر اور مجبور ہو کر بیعت کی تھی؟ دراصل مودودی صاحب نے یہ نظریہ خوارج سے مستعار لیا ہے۔ چنانچہ مصر کے مشہور مورخ علامہ محمد خضری لکھتے ہیں کہ

''(خوارج کے نزدیک) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت پر بزور تسلط حاصل کیا...... مسلمانوں کی

رضامندی کے بغیر اقتدار و غلبہ حاصل کر لینے کے سبب سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے براءت یعنی بے تعلقی اور علیحدگی ظاہر کرتے ہیں۔'' (تاریخ التشریع الاسلامی مترجمہ مولانا عبدالسلام ندوی ص ۱۹۴، ۲۳۷)

سوال یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کس کے ساتھ لڑ کر خلافت حاصل کی؟ جنگ صفین میں انھوں نے اپنے دفاع میں تلوار اٹھائی پھر اس جنگ کے بارے میں بھی متفقہ رائے یہ ہے کہ وہ قصاص عثمان کی خاطر لڑی گئی نہ کہ مسئلہ خلافت پر...... خلیفہ تو وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دستبرداری کے بعد بنے اور وہ بھی بغیر لڑے بھڑے...... اگر ارادۂ جنگ ثابت کر بھی دیا جائے تو اس میں بھی دفاعی پہلو ہی سامنے آئے گا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کی لشکر کشی کے جواب میں اپنی فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا تھا۔ اس نقل و حرکت کی اطلاع جوں ہی لشکر حسن میں پہنچی تو اس میں بھگدڑ مچ گئی اور انھوں نے آپس میں لوٹ مار شروع کر دی حتیٰ کہ اپنے امام اور خلیفہ کو بھی زخمی کر دیا۔ اس رویے سے بددل ہو کر اور امت کی خیر خواہی کے پیش نظر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی درخواست صلح کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے ان کے حق میں نہ صرف خلافت سے دستبرداری اختیار کی بلکہ انھوں نے باقاعدہ بیعت خلافت بھی کر لی نیز تمام صحابہ و تابعین نے بھی بغیر کسی جبر و اکراہ کے برضا و رغبت بیعت کی۔

تاریخ کے کسی کونے کھدرے سے بھی یہ بات نہیں دکھائی جا سکتی کہ کسی ''اشتر''، کسی ''حکیم بن جبلہ'' اور کسی ''غافقی بن حرب'' نے کسی کو تلوار کے زور سے بیعت معاویہ پر مجبور کیا ہو۔ صلح کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تڑپ، مراسلت، مشاورت، مذاکرات اور بالآخر شرائط کے لیے سادہ مختوم کاغذ فریق مخالف کے پاس بھیجنا خود اس بات کا بین ثبوت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لڑ کر اور بزور خلافت حاصل نہیں کی۔ کیا کسی فریق مخالف کو جنگ کی دھمکی دے کر صلح پر آمادہ کیا جا سکتا ہے؟ جنگ کی دھمکی سے صلح نہیں...... جنگ ہی ہوتی ہے۔ پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ تنہا تو نہیں تھے۔ ان کے ساتھ چالیس ہزار کی تعداد میں مخلصین اور جاں نثار موجود تھے۔ ان کے ساتھ لڑ کر خلافت کیوں کر حاصل کی جا سکتی ہے؟

مودودی صاحب کی زیر بحث عبارت میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بھی شدید توہین پائی جاتی ہے کہ وہ اس قدر قوت و طاقت رکھنے کے باوجود ظالم، جابر، مفسد اور حریص کا راستہ روکنے کے بجائے اس کے حق میں دستبردار ہو کر خلافت ان کے سپرد کر دی۔

موصوف نے اسی عبارت میں بتکرار لکھا ہے کہ

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اس نوعیت کی خلافت نہ تھی کہ مسلمانوں کے بنانے سے وہ خلیفہ بنے ہوں...... مسلمانوں کے راضی ہونے پر ان کی خلافت کا انحصار نہ تھا...... وہ بہرحال خلیفہ ہونا چاہتے تھے۔ انھوں نے لڑ کر خلافت حاصل کی۔ لوگوں نے ان کو خلیفہ نہیں بنایا، وہ اپنے زور سے خلیفہ بنے...... ان کی

حکومت میں مسلمانوں کی رضامندی کو کوئی دخل نہیں تھا۔"

معلوم نہیں موصوف اس سے کیا چیز ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ بن گئے تھے اب سوال یہ ہے کہ انھیں خلیفہ کس نے بنایا تھا؟ بقول مودودی صاحب "مسلمانوں نے تو انھیں خلیفہ نہیں بنایا تھا اور نہ مسلمان ان کے خلیفہ بننے سے راضی تھے۔" پھر کیا عیسائیوں اور رومیوں نے انھیں خلیفہ مقرر کیا تھا؟ کیا کافروں کی رضامندی سے وہ خلیفہ بنے تھے؟ یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلمان انھیں بنانا نہ چاہیں اور نہ ان کی خلافت پر راضی ہوں مگر پھر بھی وہ بزور خلیفہ بن جائیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس یہ زور اور طاقت کہاں سے آ گئی تھی؟ کیا مسلمانوں کی شمولیت اور عدم تعاون کے بغیر بھی کسی اسلامی مملکت میں خلافت پر قبضہ کیا جا سکتا ہے؟

کسی ملک و سلطنت کی امارت کو تو رہنے دیجیے، کیا "جماعت اسلامی" کی امارت بھی ایسے بھونڈے طریقے سے حاصل کی جا سکتی ہے؟ ("المرء يقيس على نفسه" کے کامل مصداق ہیں جناب مودودی صاحب!)

حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی مرضی، خواہش اور تعاون سے خلیفہ بنے۔ پوری ملت اسلامیہ نے سکھ اور سکون کا سانس لیا اور سابقہ خانہ جنگی، انتشار اور بدامنی ختم ہونے پر خوشی منائی۔ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

((واجتمع الناس عليه حين بايع له الحسن بن علي وجماعة ممن معه وذلك في ربيع او جمادى سنة احدى و اربعين فيسمى عام الجماعة...... قال الاوزاعي ادركت خلافة معاوية جماعة من اصحاب رسول الله ﷺ لم ينتزعوا يدا من طاعة ولا فارقوا جماعة)) (الاستیعاب مع الاصابہ ص ۳۹۸، ۴۰۰ ج ۳)

"حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور ان کی جماعت کے بیعت کرنے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع ہو گیا اور یہ واقعہ ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ ۴۱ھ کا ہے۔ پس اس سال کا نام ہی عام الجماعت رکھا گیا۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ نے کہا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بہت سے صحابہ نے پایا۔ لیکن نہ کسی نے ان کی اطاعت سے ہاتھ کھینچا اور نہ جماعت ہی سے علیحدگی اختیار کی۔ یہاں تک کہ غیر جانب دار صحابہ جنھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بھی بیعت نہیں کی تھی انھوں نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔"

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((وبايع معاوية كل من كان معتزلا للقتال كابن عمرو سعد بن ابي وقاص و

محمد بن مسلمة)) (فتح الباری ص ۵۳ ج ۱۳)

ملت اسلامیہ کے اس عظیم الشان اتحاد اور انتخاب کو اس وقت بھی صرف سبائیوں کی طرف سے نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھا گیا اور آج بھی ان کی اتباع و پیروی میں جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب، ان کے ہم خیال اور ان کے معتقدین و مقلدین دیکھ رہے ہیں۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ''عام الجماعۃ'' میں مدینہ منورہ آئے تو ان سے قریش کے لوگوں نے ملاقات کی اور کہا الحمد لله الذی اعز نصرك واعلی امرك تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جس نے آپ کی مدد کی اور آپ کا معاملہ بلند کر دیا۔'' (البدایہ والنہایہ ص ۱۳۲ ج ۸)

علامہ ابن حجر مکی ہیتمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''غور کیجیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حاکم بننے کی بشارت دی اور انھیں احسان کرنے کا حکم دیا۔ یہ حدیث ان کی خلافت کی صحت اور اس کے حق ہونے کو ثابت کرتی ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دستبرداری کے بعد وہ اس کے مستحق تھے اور آپ کا انھیں احسان کا حکم دینا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کی حکومت و خلافت حق تھی۔ ان کے تصرفات بھی حق تھے اور ان کے احکامات بھی خلافت کے صحیح ہونے کی وجہ سے درست تھے۔

((لا من حیث المتغلب لان المتغلب فاسق معاقب لا یستحق ان یبشر ولا ان یومر بالاحسان فی ما تغلب علیه بل انما یستحق الزجر والمقت والاعلام بقبیح افعاله و فساد احواله فلو کان معاویة متغلبا لاشار له ﷺ الی ذلك او صرح له به فلما لم یشر له فضلا عن ان یصرح الا بما یدل علی حقیقته ما هو علیه))

(صواعق محرقہ ص ۲۱۹)

''یہ نہیں کہ آپ نے ان کی تعریف اس لیے فرمائی کہ وہ بزور خلیفہ بن گئے۔ کیونکہ زبردستی خلیفہ بننے والا فاسق اور قابل سزا ہوتا ہے۔ نہ یہ کہ اسے خوش خبری کا حق دار سمجھنا چاہیے۔ اور نہ ایسے کو احسان کا حکم دیا جاتا ہے۔ بلکہ وہ تو زجر اور سزا کا حق دار ہوتا ہے اور برے کاموں اور کرتوتوں کی بنا پر اس کی تشہیر ضروری ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ زبردستی خلیفہ بنے ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف ضرور اشارہ فرماتے یا اس کی تصریح فرما دیتے اور جبکہ آپ نے اس کی طرف اشارہ نہ فرمایا چہ جائیکہ تصریح ملے بلکہ آپ ؐ نے ان کی خلافت کے حق ہونے کی طرف اشارہ فرمایا:

((علمنا انه بعد نزول الحسن له خلیفه حق و امام صدق))

اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے دستبردار ہونے کے بعد وہی خلیفہ برحق اور امام صدق تھے۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ جبراً حکومت پر قابض ہونے والا فاسق اور قابل سزا ہوتا ہے اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بقول مودودی صاحب متغلب (یعنی بزور خلافت پر قبضہ کرنے والا) قرار دیا جائے تو ان کا فاسق ہونا بھی لازم آئے گا اور تمام صحابہ و تابعین پر بھی فسق کا الزام عائد ہو گا جو سراسر قرآن کی تکذیب ہے۔

لیکن مودودی صاحب کو اس سے کیا غرض؟ انھیں تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین وتحقیر اور بدنامی و رسوائی مطلوب ہے۔ بہر حال موصوف کا زیر بحث نظریہ قرآن، حدیث، اجماع امت اور سلف صالحین کے نظریہ کے سراسر منافی اور معارض ہے جو یقیناً صحابہ کے ساتھ بے جا تعصب، ضد، عناد اور بغض پر مبنی ہے۔

(۴۵) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلافت کے اہل نہیں تھے

دشمنان صحابہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت کا نااہل قرار دیتے ہیں اور اپنی تائید میں امام ابوبکر جصاص کی آیت ﴿لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ﴾ کی تشریح پیش کرتے ہیں کہ وہ آیت کے مصداق ہیں لہٰذا ظالم خلافت کا اہل نہیں ہوسکتا۔

((ان الظالم لا یکون اماما...... فلا یجوز ان یکون الظالم نبیا ولا خلیفة النبی ولا قاضیا......)) (احکام القرآن ص ۶۹ ج ۱)

''بے شک ظالم امام نہیں ہوسکتا...... پس یہ جائز نہیں ہے کہ ظالم شخص نبی ہو یا نبی کا خلیفہ یا قاضی......''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو زندگی کی آخری سانس تک منصب خلافت پر فائز رہے۔ بیس سال تک بحیثیت گورنر اور بیس سال تک ہی بحیثیت خلیفہ اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ ان کی رعایا جصاص سے زیادہ شرعی مسائل سے آگاہ تھی۔ مگر ان میں سے کسی نے بھی یہ عظیم نکتہ نہیں اٹھایا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صفات عالیہ کے نظارۂ جمال کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے آپ کو پیدا ہی کشور کشائی و جہانگیری اور فرمانروائی و جہانبانی کے لیے کیا تھا۔ اور آپ کا خمیر اوصاف سیادت و قیادت کے مایہ سے اٹھایا گیا تھا۔ بلکہ رب العزت نے آپ کے خاندان کو بھی ان صفات سے بہرۂ وافر عطا کیا تھا۔ بنوامیہ عموماً سیاست و تدبر، سیادت و قیادت اور انتظامی صلاحیت میں ممتاز و منفرد تھے۔ چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ان صلاحیتوں کے پیش نظر اعلیٰ مناصب اور ذمہ دارانہ عہدوں پر متعین و فائز فرمایا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ صفات جلیلہ میراث میں ملی تھیں۔ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ''ظالم'' ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی خلافت و حکومت کے لیے دعائیں کیوں ارشاد فرماتے؟ نیز آپؐ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم انھیں مناصب کیوں عطا کرتے؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

① حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے فرمایا اے اللہ! انھیں کتاب اور حساب کا علم سکھا اور عذاب سے محفوظ رکھ۔

(کنز العمال ص ۸۷ ج ۷، البدایہ والنہایہ ص ۱۲۰ ج ۸)

② حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یوں فرماتے ہوئے سنا کہ اے اللہ! انھیں ''الکتاب'' کا علم سکھا اور شہروں پر تسلط عطا کر اور عذاب جہنم سے

محفوظ رکھ۔ (البدایہ والنہایہ ص ۱۲۱ ج ۸)

③ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت کی خوشخبری دی تھی...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے اس وقت خلافت کے مل جانے کی امید لگ گئی تھی جب آپ نے فرمایا کہ جب تجھے حکومت مل جائے تو احسان کرنا۔ (تطہیر الجنان ص ۱۵)

④ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف دیکھ کر فرمایا اے معاویہ! اگر تو والی امر ہو جائے تو اللہ سے ڈرنا اور انصاف کرنا۔ (حوالہ مذکور)

⑤ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو وضو کرنے کا حکم دیا جب وہ وضو کر چکے تو آپ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ اے معاویہ! جب تو والی امر ہو جائے تو تقویٰ اور عدل اختیار کرنا۔ (حوالہ مذکور)

⑥ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا چند دن اور راتیں نہیں گزریں گی تا آنکہ معاویہ والی امر ہو جائیں گے۔ (ازالۃ الخفا، اردو ص ۵۱۷ ج ۴)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دعاؤں پر ہی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ مناصب سے بھی نوازا...... جب حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو آپ نے انھیں ایک قطعہ اراضی دینے کا ارادہ فرمایا اس مقصد کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ان کے ساتھ جا کر وہاں سے ایک قطعہ زمین انھیں دے دیں۔

(تاریخ الکبیر، امام بخاری ص ۱۷۵ ج ۴۔ الاصابہ مع الاستیعاب ص ۵۹۲ ج ۳)

علامہ محب الدین خطیب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

((كان احد الذين استعملهم رسول الله ﷺ واستعان بهم......))

(العواصم من القواصم ص ۸۱ بر حاشیہ)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمال میں سے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک جماعت پر امیر بنا کر شام کی طرف روانہ کیا۔ (البدایہ والنہایہ ص ۴ ج ۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی وفات کے بعد ان کی جگہ ان کے بھائی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو گورنر مقرر فرمایا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دورِ خلافت میں اس علاقے پر انھیں برقرار رکھا۔ (الاصابہ ص ۱۲۴ ج ۳)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کوفے کی ایک جماعت سے خطاب فرماتے ہوئے کہا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معصوم تھے انھوں نے مجھے حاکم اور والی بنایا اور اپنے کام میں داخل کیا۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے انھوں نے بھی مجھے حاکم بنایا ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے انھوں نے بھی مجھے مقرر کیا ان کے بعد

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے بھی مجھے حاکم بنایا پس میں ان میں سے جس کے لیے والی بنا اور جس نے بھی مجھے والی بنایا وہ سب مجھ سے راضی رہے۔ (تاریخ طبری ص ۸۷ ج ۵)

اب امام ابوبکر جصاص حنفی کی آیت ﴿لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ﴾ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں:

''ظالم امام نہیں ہوسکتا...... یہ جائز نہیں ہے کہ ظالم شخص نبی ہو یا نبی کا خلیفہ یا قاضی...... عبدالملک سے بڑھ کر عرب اور آل مروان میں کوئی ظالم، کافر اور فاجر نہ تھا۔ اور نہ اس کے عمال میں سے حجاج سے زیادہ کوئی کافر، ظالم اور فاجر تھا......''

موصوف پھر اس دور کے صحابہ و تابعین کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''اور تمام صحابہ و تابعین ان ظالموں کے ہاتھوں سے اپنے وظائف حاصل کرتے تھے لیکن اس بنا پر نہیں کہ وہ ان سے دوستی اور محبت رکھتے ہوئے یا ان کی خلافت، امامت اور امارت کو درست سمجھتے ہوئے بلکہ وہ اس خیال سے وظائف قبول کرتے تھے کہ یہ ان کے اپنے حقوق تھے جو ظالم اور فاجر لوگوں کے قبضہ میں تھے اور یہ طرز عمل ان کے ساتھ دوستی اور محبت کی بنا پر نہیں ہوسکتا بلکہ وہ حضرات عبدالملک بن مروان کی بیعت توڑے ہوئے تھے۔ ان پر لعنت کرنے والے اور ان سے بیزار تھے۔''

((وكذلك كان سبيل من قبلهم مع معاوية حين تغلب على الامر بعد قتل على عليه السلام وقد كان الحسن والحسين ياخذ ان العطاء وكذلك من كان فى ذلك العصر من الصحابة وهم غير متولين له بل متبروٗن منه على سبيل التى كان عليها علیؑ عليه السلام الى ان توفاه الله تعالىٰ الىٰ جنته ورضوانه فليس اذا فى ولاية قضاء من قبلهم ولا اخذ العطاء منهم دلالة على توليتهم واعتقاد امامتهم)) (احکام القرآن ج ۱ ص ۶۹، ۷۱)

''اور اسی طرح ان (عبدالملک بن مروان اور حجاج) سے پہلے صحابہ و تابعین کا معاویہ کے ساتھ بھی یہی سلوک تھا جب وہ علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد خلافت پر جبراً قابض ہوگیا تھا۔ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اور جو صحابہ اس کے دور میں موجود تھے وظائف و عطایا تو قبول کرتے تھے مگر اس کے ساتھ بغیر دوستی اور محبت کے بلکہ اس سے اسی طرح بیزاری کا اظہار کرتے تھے جس طرح علی علیہ السلام کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ انھیں اپنی جنت اور رضوان میں لے گئے۔ لہٰذا اس دور کے صحابہ و تابعین کا (عبدالملک، حجاج اور معاویہ جیسے اظلم، اکفر اور افجر لوگوں کے ہاتھوں سے) عہدہ قضا اور وظائف قبول کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ حضرات ان سے دوستی اور محبت رکھتے تھے یا ان کی امامت و خلافت کے صحیح ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے۔''

مودودی صاحب نے خلافت و ملوکیت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خلافت پر بزور قبضہ کرنے کا اگرچہ کوئی واضح حوالہ نہیں دیا (ابن کثیر رحمہ اللہ کا قول مردود ہے) لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے الفاظ میں

جصاص کی ترجمانی کی ہے۔ بہر حال اس معاملے میں دونوں ''معتزلی'' یکساں نظریہ رکھتے ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خلافت پر جبراً قبضہ کرنے کا جواب پیچھے گزر چکا ہے۔ یہاں معترض کے اس اعتراض کا جواب مقصود ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ظالم تھے اور ظالم خلافت و امامت کا اہل نہیں ہوتا۔

اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ظالم ہوتے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی خلافت کے لیے دعائیں کیوں کرتے؟ پھر انھیں عہد رسالت سے لے کر عہد عثمانی تک مختلف مناصب اور ذمہ داریاں کیوں سونپی جاتیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسے اظلم، اکفر اور افجر سے مصالحت کیوں کرتے؟ حضرت حسن رضی اللہ عنہ ایسے شخص کے حق میں دستبردار ہو کر اس کے ہاتھ پر بیعت کیوں کرتے؟

اوپر بتایا جا چکا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ آں محترم کا مسئلہ قصاص عثمان پر اختلاف ہوا جو مصالحت علی و حسن کے بعد ختم ہو گیا۔ لیکن جصاص اور مودودی نے مصالحت حسن کے بعد بھی انھیں متغلب اور ظالم قرار دے کر خلافت کا نااہل ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی۔ انھیں متغلب اور ظالم کہنا پوری ملت اسلامیہ کی شدید توہین ہے۔

اگرچہ ابوبکر جصاص فقہاً حنفی ہیں لیکن عقیدتاً معتزلی ہیں جس طرح زمخشری صاحب کشاف فقہاً حنفی ہیں اور عقیدتاً معتزلی۔ اب کوئی شخص معتزلہ کی تفاسیر سے اہل سنت کے خلاف عقائد پیش کرنے لگے تو وہ ناقابل اعتبار اور قابل رد ہیں۔ عقیدہ کا مبحث معتزلہ کے حوالے سے پیش نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ کسی معتزلی، خارجی، رافضی، سبائی، جصاص اور مودودی سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق خیر اور حسن ظن کی توقع عبث ہے۔

جصاص کے اعتزال کے متعلق طبقات کی ہر کتاب میں تذکرہ موجود ہے لیکن کلیۃ الشریعہ جامعہ ازہر کے پروفیسر اور مصر کے ممتاز عالم ڈاکٹر محمد حسین ذہبی نے اپنی کتاب ''التفسیر والمفسرون'' میں قدرے تفصیل کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ پروفیسر غلام احمد حریری نے ''تاریخ تفسیر و مفسرین'' کے نام سے کیا ہے۔

موصوف نے اس کتاب میں "حملة الجصاص على معاوية" (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر جصاص کی یورش) کا عنوان قائم کر کے مختلف عبارات نقل کی ہیں اس کے بعد موصوف لکھتے ہیں کہ:

''جصاص کا یہ طرز عمل سخت قابل اعتراض ہے۔ اچھا ہوتا کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس میں ملوث نہ کرتے اور ان کا معاملہ خدا کے سپرد کر دیتے۔ مذکورہ صدر آیات کو اپنے جذبات و احساسات کے سانچہ میں ڈھالنا بھی کوئی قابل تعریف کام نہیں۔'' (تاریخ تفسیر و مفسرین ص ۶۰۴)

بہر حال جو شخص بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف ''ظلم'' اور ''تغلب'' کی نسبت کرتا ہے اس سے بڑھ کر ''اظلم، افجر اور اکفر'' کوئی نہیں ہو سکتا۔

(۴۶) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بدترین بادشاہ تھے

دشمنان صحابہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کبھی تو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انھوں نے لڑ کر اور بزور خلافت حاصل کی اور ان کے خلیفہ بننے میں مسلمانوں کی رضامندی کو کوئی دخل نہیں تھا اور کبھی یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ان کا شمار خلفاء میں نہیں ہوتا بلکہ وہ ''شرالملوک'' میں سے ہیں۔ جناب مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی پھر بادشاہی ہوگی اور یہ مدت ربیع الاول ۴۱ھ میں ختم ہوگئی جبکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہوئے۔'' (خلافت وملوکیت ص ۱۴۸)

محمود شاہ محدث ہزاروی اس ملوکیت کا نقشہ یوں کھینچتا ہے:

''امر دین کا نبوت و رحمت سے آغاز ہوا جو آپ کے وصال مبارک پر ختم ہوگیا۔ پھر خلافت و رحمت ہوگی جو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد ختم ہوگئی "ثم کان ملکا عضوضا" پھر ہونے والی ہے مملکت شاہی نہایت درندہ، خلق پر سخت مشقت و اذیت کا باعث، آفات و بلیات فتنوں کا مرکز، فسادات کا سرچشمہ، پھر وہ حکومت حد شکن ہونے والی ہے۔ تعدی اس کی سرشت ہی ہوگی۔ اور وہ جبری آمریت غاصبہ ہوگی اور وہ پوری امت کا فساد ہوگی...... خلافت راشدہ حقہ اس کی کھلی دلیل ہے جو اسلام اور اہل اسلام کے ظاہری و باطنی عروج و بلندی کا موجب ہوا ہے۔ اور اس کے برعکس خلافت غاصبہ باطلہ نے اسلام اور اہل اسلام کے شیرازہ کو منتشر اور تتر بتر کردیا۔'' (جامع الخیرات ص ۳۳۷، ۳۴۰)

جس حدیث کی رو سے خلافت راشدہ یا خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کو خلفائے اربعہ یا تیس سال تک محدود کیا جاتا ہے وہ حدیث سفینہ ہے۔

''حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ خلافت تیس سال تک رہے گی پھر بادشاہی آجائے گی۔ سعید بن جمہان کا بیان ہے۔ پھر حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ آپ خلافت ابوبکر دو سال، خلافت عمر دس سال، خلافت عثمان بارہ سال اور خلافت علی چھ سال شمار کریں۔'' (مشکوۃ کتاب الفتن ص ۴۶۳)

جامع ترمذی کی روایت میں ہے کہ سعید بن جمہان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ بنو امیہ تو یہ گمان کرتے ہیں کہ خلافت ان کے پاس ہے اور اپنے آپ و خلفاء میں شمار کرتے ہیں اس پر حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا بنو زرقاء جھوٹ بولتے ہیں "بل هم ملوك من شر الملوك" بلکہ وہ تو بدترین

بادشاہوں میں سے ہیں۔

جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے تو وہ روایتاً و درایتاً غلط ہے۔ اتنی اہم اور غیر معمولی خبر کو حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کوئی روایت نہیں کرتا اسی طرح ان سے سعید بن جمہان کے علاوہ کوئی دوسرا بیان نہیں کر رہا۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ۷۴ھ میں ہوا اور سعید بن جمہان ۱۳۶ھ میں فوت ہوئے گویا کہ سعید بن جمہان نے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے باسٹھ برس بعد انتقال کیا۔ معلوم نہیں کب، کہاں اور کس عمر میں سماع کیا ہوگا؟

روایت کے الفاظ خود بتا رہے ہیں کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہوسکتا بلکہ بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت تک حساب کر کے ایک خاص مقصد کے لیے اسے وضع کیا گیا ہے...... علاوہ ازیں اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت بھی غلط بتائی گئی ہے۔ وہ کسی طرح بھی چھ سال نہیں ہے۔ روایت کا آخری جملہ بل هم ملوك من شر الملوك بھی اس کے موضوع ہونے کا واضح ثبوت ہے۔ اور یہ حدیث کے الفاظ بھی نہیں بلکہ راوی کی اپنی رائے ہے۔ نیز اس روایت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا گیا جبکہ اس روایت کو صحیح تسلیم کرنے والے بھی انھیں یہ مقام نہیں دیتے۔ کیا حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ "ملك من شر الملوك" تھے؟ یہ ان پر بدترین الزام ہے۔

اگر ان کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہی حیثیت ہوتی تو وہ اور دیگر صحابہ ان کے ہاتھ پر کبھی بیعت نہ کرتے۔ کیا صحابہ رضی اللہ عنہم کی اتنی بڑی تعداد بھی سعید بن جمہان کی اس کہانی سے آگاہ نہیں تھی؟

اگر حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ روایت صحیح تھی تو انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کیوں نہیں کی؟ اور غیر جانب دار رہنے والوں میں کیوں شامل ہو گئے؟ ایسی صورت میں تو انھیں جنگ جمل و صفین میں سب سے آگے ہونا چاہیے تھا لیکن وہ تو پیچھے بھی کہیں نظر نہیں آتے۔

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"هذا حديث لا يصح" یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

مشہور محقق اسلام علامہ محب الدین خطیب رحمہ اللہ اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"کیونکہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے اس کا راوی سعید بن جمہان ہے۔ اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں۔ بعض نے اسے ثقہ کہا۔ امام ابو حاتم نے کہا کہ اس بوڑھے سے احتجاج نہ کیا جائے۔ اور اس کی سند میں حشرج بن نباتہ واسطی ہے بعض نے اسے ثقہ کہا ہے اور نسائی نے کہا کمزور ہے۔ اور عبداللہ بن احمد بن حنبل اس حدیث کو سوید طحان سے روایت کرتے ہیں اس کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تقریب میں کہتے ہیں کہ اس کی حدیث کمزور ہے۔" (العواصم من القواصم ص ۳۲۶ اردو)

علامہ ابن العربی رحمہ اللہ نے اس کتاب کا نام ''العواصم من القواصم'' رکھا یعنی وہ چیزیں جو ایمان کو توڑ دیتی ہیں اور برباد کر دیتی ہیں، ان سے محفوظ رکھنے والے حقائق۔ اسی وجہ سے جدید عربی میں عاصمہ چھاؤنی کو کہا جاتا ہے۔ اور قواصم قاصم کی جمع ہے۔ یعنی توڑ دینے والی۔ یعنی انسان کے لیے کمر توڑ حادثہ۔ علامہ ابن العربی رحمہ اللہ نے اس کتاب میں یہ فرمایا ہے کہ ''یہ حدیث صحیح نہیں ہے'' گویا ان کے نزدیک اس حدیث کی صحت کا قائل ہونا بھی ''کمر توڑ حادثہ'' سے کم نہیں ہے۔

علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حدیث "الخلافة بعدی ثلاثون سنة" کی طرف توجہ نہ کرنی چاہیے کیونکہ اس کی صحت پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچتی۔ (تاریخ ابن خلدون ص ۱۵۵ ج ۱، اردو)

محدث کبیر مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی پھر بادشاہی ہوگی'' اگر اس حدیث کے ضعف سے قطع نظر کر لی جائے جیسا کہ ناقدین حدیث نے تصریح کی ہے تو ایک دوسری حدیث میں یہ بھی ہے کہ اسلام کی چکی میرے بعد پینتیس یا چھتیس یا سینتیس سال تک چلتی رہے گی۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں ہوسکتا کہ ۳۷ سال کے بعد حکومت اسلام ختم ہو جائے گی۔ یہ تو واقعہ کے خلاف ہے بس یہی مطلب ہوسکتا ہے کہ اسلام اپنی پوری شان کے ساتھ صحیح طریقہ پر اتنی مدت تک رہے گا۔ تو اس میں سات سال خلافت معاویہ کے بھی شامل ہیں۔ پھر ان کو خلفاء سے الگ کیوں کر کیا جا سکتا ہے؟ نیز مسلم شریف کی حدیث صحیح میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دین اسلام معزز اور مضبوط رہے گا بارہ خلفاء تک جو سب قریش سے ہوں گے۔ ان بارہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یقیناً داخل ہیں کہ وہ صحابی ہیں اور ان کی خلافت میں اسلام کو عروج بھی بہت تھا۔ فتوحات بھی بہت ہوئیں حدیث میں ان بارہ کو خلفاء کہا گیا ہے ''ملک'' نہیں۔

(براءۃ عثمان رضی اللہ عنہ ص ۵۷)

مفکر اسلام مفتی محمد اسحاق صدیقی ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''خلافت صرف تیس سال باقی رہنے والی روایت ثابت ہی نہیں اور اگر بالفرض ثابت ہو تو علمائے محققین کے نزدیک ظاہر پر محمول نہیں بلکہ مؤوّل ہے...... لیکن راقم کے نزدیک یہ حدیث ثابت ہی نہیں اس لیے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔'' (اظہار حقیقت ص ۴۴۴ ج ۳)

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی جس روایت پر تیس سالہ خلافت راشدہ کی جو بلند و بالا عمارت تعمیر کی گئی ہے۔ وہ بنیاد مٹی کا ایک ڈھیر ہے۔ اس تیس سالہ داستان کی تردید بہت سی احادیث صحیحہ سے ہوتی ہے جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:

① آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کے ہاتھ میں تھی۔ اور ایک

نبی کے بعد دوسرے نبی ان کے جانشین ہوتے تھے اور میرے بعد کوئی نبی نہیں البتہ خلفاء ہوں گے جو بکثرت ہوں گے...... (صحیح بخاری کتاب الانبیاء)

اس حدیث میں آپ نے "فیکثرون" کا لفظ استعمال فرما کر واضح کر دیا ہے کہ آپ کے بعد جو خلفاء ہوں گے وہ دو چار نہیں بلکہ کثرت کے ساتھ ہوں گے۔

② آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام بارہ خلفاء کے دور تک ہمیشہ غالب رہے گا۔ جو سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔ (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ)

ابوداود کی ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ ایسے بارہ خلفاء جن پر امت کا اجماع ہو۔ (سنن ابی داود کتاب المهدی) اور طبرانی نے اس حدیث میں یہ الفاظ بھی بیان کیے ہیں کہ ان بارہ خلفاء کو کسی دشمن کی عداوت نقصان نہ پہنچا سکے گی۔

بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ بے شک یہ امر خلافت قریش کے ہاتھ میں رہے گا جو شخص ان سے دشمنی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے منہ کے بل گرا دے گا (یہ امر ان کے پاس اس وقت تک رہے گا) جب تک وہ دین کو قائم کرتے رہیں گے۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب باب مناقب قریش)

③ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا گویا ایک ترازو آسمان سے اتری جس میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اور ابوبکر کو تولا گیا تو آپؐ ترجیح لے گئے۔ پھر ابوبکر اور عمر کو تولا گیا تو ابوبکر ترجیح لے گئے۔ پھر عمر و عثمان کو تولا گیا تو عمر ترجیح لے گئے۔ پھر وہ میزان اٹھا لی گئی۔ اس خواب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مغموم ہوئے اور پھر فرمایا یہ خلافت نبوت ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں گے ملک وحکومت عطا کریں گے۔" (مشکوۃ باب مناقب ابی بکر و عمرؓ ص ۵۶۰)

کیا اس حدیث کا سہارا لے کر کوئی شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو خلافت راشدہ سے خارج کر کے ملوکیت میں داخل کر سکتا ہے؟

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو فرما رہے ہیں کہ میرے بعد بکثرت خلفاء ہوں گے۔ بارہ خلفاء کے دور تک اسلام غالب رہے گا۔ یہ سب قریش میں سے ہوں گے انھیں کسی دشمن کی عداوت نقصان نہ پہنچا سکے گی۔ سب سے بہتر میرا دور ہے۔ میرے صحابہ کی موجودگی سے اللہ تعالیٰ فتح نصیب کریں گے۔ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں اور ان کا دور رشد و ہدایت کا دور ہو گا وغیرہم۔

لیکن ستم ظریفی کی انتہا یہ ہے کہ آج خود صحابہ کے دور کو ملوکیت، کاٹ کھانے والا دور، جبری آمریت غاصبہ اور خلافت غاصبہ باطلہ کہا جا رہا ہے، ان پر طعن و تشنیع کی جا رہی ہے اور ان کی خلافت کو غیر راشدہ کا نام دیا جا رہا ہے۔ جبکہ قرآن انھیں خیر امت قرار دے رہا ہے۔ انھیں سچا مومن کہہ رہا ہے۔ انھیں حِزْبُ اللهِ،

خَيْرُ الْبَرِيَّةِ، هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ، هُمُ الْفَآئِزُوْنَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ، اور أُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ کی سند عطا کر کے ان کی اتباع و پیروی کا حکم دے رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا تمام دور رشد و ہدایت کا دور ہے قرآن نے جملہ صحابہ کو راشد کہا یہ خلیفہ ہوں تب بھی راشد ہیں اور خلیفہ نہ ہوں تب بھی راشد ہیں۔ قرآن مجید میں اربعہ کا لفظ ہرگز استعمال نہیں ہوا کہ صرف چار راشد ہیں اگر خلفائے راشدین کو خلافت نہ ملتی تو کیا وہ راشد نہ ہوتے؟ راشد تو وہ از نص قرآن تھے۔ خلافت ان کا منصب ہو گیا اس لیے وہ خلیفہ راشد ہو گئے۔ لہٰذا ہر مسلمان کو منصب خلافت کے حامل ہر صحابی کو خلیفہ راشد کہنا چاہیے۔

آیت استخلاف کو تختۂ مشق بناتے ہوئے ''تیس سال والی روایت'' کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کو خلافت راشدہ سے خارج کرنے کے لیے ہی وضع کیا گیا ہے۔ جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جماعت صحابہ کے ایک ممتاز فرد ہیں۔ اس لیے وہ یقیناً ارشاد باری کے مطابق أُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ میں شامل ہیں۔ اور دنیا کی کوئی طاقت ان سے اللہ کا عطا کردہ یہ اعزاز نہیں چھین سکتی۔ ان کے ذریعے سے قائم شدہ نظام حکومت کو خلافت راشدہ اور انھیں خلیفہ راشد کے علاوہ دوسرا کوئی نام دیا ہی نہیں جا سکتا۔ اور جو لوگ انھیں زمرۂ خلفائے راشدین سے خارج کرتے ہیں وہ اس ارشاد باری پر مکرر غور کر لیں ﴿وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾۔

راقم نے اپنی کتاب ''تذکرہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ'' میں چوراسی صفحات پر پھیلی ہوئی طویل بحث میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو قرآن، حدیث، سلف صالحین کی آراء کی روشنی میں خلیفہ راشد ثابت کیا ہے۔ تفصیل کے شائقین کتاب مذکور کی طرف رجوع کریں۔ [1]

زیر بحث حدیث کے دوسرے راوی سعید بن جمہان (جن کا مختصر تعارف اوپر کرایا جا چکا ہے) کے بارے میں علمائے رجال کی آراء ملاحظہ ہوں:

ابن ابی حاتم رازی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ''ولا یحتج به'' اس سے احتجاج نہ کیا جائے۔

(کتاب الجرح والتعدیل ص ۱۰ ج ۲)

امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ''وفی حدیثه عجائب'' اس کی روایات میں عجیب و غریب باتیں ہوتی ہیں۔ (تذہیب الکمال فی اسماء الرجال ص ۱۱۶)

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کہتے ہیں ''روی عن سفینة احادیث لا یرویها غیره'' سعید بن جمہان

---

[1] جدید طباعت میں وہ زیر نظر کتاب کا باقاعدہ حصہ بنا دی گئی ہے۔

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے ایسی روایات بیان کرتے ہیں جو ان کے علاوہ کوئی دوسرا راوی ذکر نہیں کرتا۔

(تہذیب التہذیب ص۱۴ اج ۴)

ابن عدی رحمہ اللہ نے بھی یہی قول ذکر کیا ہے۔ (الکامل لابن عدی تحت سعید بن جمہان)

الساجی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "لا يتابع على حديثه" اس کی حدیث کا کوئی متابع نہیں پایا جاتا۔ یعنی وہ ان چیزوں کے نقل کرنے میں منفرد ہیں۔ (تہذیب التہذیب ص۱۴ اج ۴)

مودودی صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو "ملک" ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ اور ان کے نزدیک "ملوکیت" خلافت کی ضد ہے۔ اس لیے انھوں نے ملوکیت میں تمام مفاسد و معائب کو داخل کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خوب مطعون کیا ہے۔ موصوف کے نزدیک ملوکیت کے معنی زور، جبر، ظلم و تعدی، بے انصافی و بے اعتدالی اور خود غرضی اور خود پسندی کے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ "خلافت وملوکیت" تقریباً ہم معنی الفاظ ہیں۔ قرآن کریم، احادیث اور عام محاورات و استعمالات عرب میں خلیفہ و خلفاء، امام و ائمہ، ملک و ملوک، سلطان و سلاطین اور امیر و امراء، یہ سب الفاظ اپنے مصداق میں مترادف اور ہم معنی ہیں۔

بادشاہت یا ملوکیت بذات خود کوئی بری چیز نہیں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے بھی آیا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ آج کس کی بادشاہی ہے۔ جواب میں فرمایا ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ آج اللہ تعالیٰ کی بادشاہی ہے۔ جو ایک ہی ہے اور غلبہ رکھنے والا ہے۔ ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ﴾ اللہ بلند ہے اور سچا بادشاہ ہے۔ نیز فرمایا ﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ﴾ اللہ وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں، وہ بادشاہ ہے اور اس کی ذات پاک ہے۔ یہی ﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾ ہے۔ یعنی لوگوں کا بادشاہ ہے۔ حدیث میں بھی اللہ کے لیے یہ لفظ آیا ہے۔ "انا مالك الملوك وملك الملوك" میں بادشاہوں کا مالک ہوں اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں۔ (مشکوٰۃ ص ۳۲۳)

بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر سے درخواست کی کہ ﴿ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا﴾ ہمارے لیے کوئی بادشاہ مقرر کر دیں جس کی قیادت میں ہم جہاد کریں۔ انھوں نے بتایا ﴿اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا﴾ (البقرہ: ۲۴۷) کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمھارا بادشاہ مقرر کیا ہے۔ اگر ملوکیت میں باعتبار ذات کوئی عیب ہوتا تو نہ وہ پیغمبر ان کے لیے کسی بادشاہ کی درخواست کرتے اور نہ اللہ تعالیٰ ہی اس درخواست کو شرف قبولیت بخشتے۔ بلکہ صاف فرما دیتے کہ ملوکیت (مودودی صاحب کے نزدیک) ایک بری چیز ہے تم اس کی طلب کیوں کرتے ہو۔ ان ہی طالوت بادشاہ کے داماد حضرت داود علیہ السلام تھے جنھوں نے جالوت کو قتل کیا تھا۔ حضرت داود اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے پاس بادشاہی اسی طرح آئی تھی۔ ﴿وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ﴾ (البقرہ: ۲۵۱) ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ﴾ (النمل: ۱۶) اور وارث ہوا سلیمان داود کا۔ اور ﴿هَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِيْ﴾

الٰہی مجھے ایسی بادشاہی عطا کر جو میرے بعد بھی کسی کو نہ دی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک اور موقع پر بنی اسرائیل پر اپنے احسانات ذکر فرمائے ہیں اور ان میں جس طرح یہ احسان تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں انبیاء پر انبیاء بھیجے اس کے ساتھ یہ احسان تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں بادشاہ بھی بنائے ﴿اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا﴾ (المائدہ: ۲۰)

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوگیا کہ خلافت و ملوکیت باہم مترادف ہیں۔ نہ تو خلافت سراپا خوبیوں کا نام ہے اور نہ ملوکیت ہی سراپا برائیوں کا نام۔ ایک خلیفہ، راشد و ارشد بھی ہوسکتا ہے اور ضال و مضل بھی۔ صالح و عادل بھی ہوسکتا ہے اور ظالم و سفاح بھی۔ اسی طرح ایک ''ملک'' صالح بھی ہوسکتا ہے اور مفسد بھی۔ خلافت راشدہ عادلہ و حقہ بھی ہوسکتی ہے اور ضالہ و باطلہ بھی۔ اسی طرح ملوکیت حسنہ بھی ہوسکتی ہے اور سیئہ بھی۔

پس اگر ایک خلیفہ عادل ہے اور اس کی حکومت قرآن و سنت کے مطابق کام کرتی ہے تو وہ خلافت راشدہ یا اس کا حصہ ہے۔ اور اگر خلیفہ ظالم ہے اور اس کی حکومت قرآن و حدیث کے خلاف کام کرتی ہے تو وہ خلافت ضالہ اور باطلہ ہے۔ یہی حال ''ملک'' کا بھی ہے۔ اوپر بتایا گیا ہے کہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ اور انبیاء کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ اور قرآن نے ایک مفسد ''ملک'' کا بھی ذکر کیا ﴿وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا﴾ (کہف) وہ ایک بادشاہ تھا جو لوگوں کی کشتیاں بزور چھین لیتا تھا۔ اور ایسے ہی بادشاہوں کی مثال دیتے ہوئے ملکہ سبا کی زبانی بتایا گیا ہے ﴿إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا﴾ کہ ظالم جب کسی بستی پر قبضہ کرتے ہیں تو اسے الٹ پلٹ کر پھینک دیتے ہیں۔

جس طرح خلافت راشدہ و حقہ وہ ہے جو علیٰ منہاج النبوۃ تشکیل پائے بالکل اسی طرح جس شاہی کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شاہی بیان کریں (الخلافة بالمدينة والملك بالشام)، جسے پسند فرمائیں اور جس پر فخر کریں تو وہ ملوکیت بھی علیٰ منہاج النبوۃ ہی ہے۔ (اور جو حکومت علیٰ منہاج النبوۃ تشکیل پائے تو بالفاظ دیگر وہ خلافت راشدہ ہی ہے) جیسا کہ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کی روایت میں مذکور ہے:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن دوپہر کو ان کے ہاں استراحت فرما رہے تھے کہ مسکراتے ہوئے نیند سے اٹھے اور خبر دی کہ انھیں ان کی امت کے کچھ لوگ دکھائے گئے ہیں جو سمندر کی موجوں پر سوار کفار کے خلاف جہاد کے لیے نکلے ہیں آپ نے وفور مسرت سے انھیں جنت کی خوشخبری سنائی اور ان کے حق میں فرمایا کہ وہ ''كالملوك على الاسرة'' ایسے ہیں جیسے بادشاہ اپنے شاہی تختوں پر بیٹھے ہوں۔'' (صحیح بخاری، کتاب الجہاد)

محدثین کے نزدیک اس حدیث کے مصداق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء ہیں۔ گویا اگر وہ ''ملک'' بھی ہیں تو ان کی ملوکیت بھی خود باری تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ ہے۔

بعد کی تاریخ میں سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ سے لے کر اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ تک کتنے ایسے

بادشاہ ہوئے جو صالح، عادل اور متقی تھے۔ مودودی صاحب نے خود سعودی ''ملک'' سے علاوہ وظائف و تحائف کے میڈل بھی وصول کیا۔ معلوم نہیں یہ چیزیں ان پر لعنت و تبرا کرتے ہوئے وصول کیں یا تولا اور محبت کرتے ہوئے۔

زیر بحث روایت میں جو "شر الملوك" کے الفاظ آئے ہیں وہ اولاً (بشرط صحت روایت) راوی کی ذاتی رائے ہیں، اور ثانیاً ان سے بھی ملوکیت کا ناجائز اور باطل ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس روایت میں بنو زرقاء کو تو "شر الملوك" کہا گیا ہے لیکن ملوکیت کو برا نہیں سمجھا گیا۔

اوپر یہ بات بدلائل ثابت کی جا چکی ہے کہ یہ حدیث روایتاً و درایتاً غلط ہے۔ کسی سبائی نے بنو امیہ کو خلافت سے باہر رکھنے اور بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو زمرۂ خلفائے راشدین سے خارج کرنے کے لیے اسے وضع کیا ہے۔ جبکہ قرآن و حدیث کی روشنی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق، عادل اور راشد ہیں۔

(۴۷) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ختم نبوت کے منکر تھے

دشمنان صحابہ نے طبری کی ایک روایت کے حوالے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر انکار ختم نبوت کا الزام عائد کیا ہے۔ چنانچہ غلام حسین نجفی لکھتا ہے کہ:

''عمرو بن عاص ایک وفد لے کر مصر سے معاویہ کے پاس آیا اور راستے میں انھیں سکھا دیا کہ جب معاویہ کے پاس جاؤ تو اس پر خلافت کا سلام نہ کرنا۔ جب عمرو ان لوگوں سے پہلے معاویہ کے پاس پہنچ گیا اور معاویہ بھی عمرو بن عاص کی حرکت کو سمجھ چکا تھا تو معاویہ نے دربان سے کہا ان مصریوں کو ڈرا دھمکا کر لاؤ۔ میرا گمان ہے کہ عمرو ان کو کچھ سکھا کر لایا ہے۔ جب دربان ان مصریوں کو لایا تو سب سے پہلے ایک شخص ابن خیاط نامی داخل ہوا اور اس نے آتے ہی معاویہ سے کہا "السلام علیك یا رسول اللہ" بعد میں سب لوگ اسی طرح سلام کرتے رہے۔ عمرو بن عاص جب ان لوگوں کو دوبارہ باہر لے گیا اور ان سے کہا خدا تم کو رسوا کرے میں نے تمھیں معاویہ پر خلافت کے سلام سے بھی منع کیا تھا اور تم نے اسے نبوت کا سلام کر دیا......

ابن خیاط نے جب معاویہ کو "السلام علیك یا رسول اللہ" کہا تو اس نے برا کام کیا اور اس برائی سے روکنا اور حقیقت بتلانا معاویہ کے لیے ضروری تھا لیکن اس کا خاموش رہنا اور تردید نہ کرنا پس ہند کے چھپے ہوئے نفاق کی دلیل ہے۔

ارباب انصاف! مذکورہ واقعہ سے معاویہ کے ختم نبوت کے انکار کی تائید بھی ہوتی ہے۔ پس مرزا اور معاویہ میں فرق کرنا قوم معاویہ کی صوابدید پر ہے۔ ہم صرف اتنا ہی عرض کریں گے کہ اراکین انجمن تحفظ ختم نبوت کو دعوت فکر ہے کہ آپ توپوں کا رخ کبھی شام کی طرف بھی کر لیا کریں۔ کیونکہ ایک منکر ختم نبوت دمشق میں بھی دفن ہے۔'' (خصائل معاویہ ص ۱۶۱،۱۶۲)

اس روایت کو بھی امام طبری نے ذکر کیا ہے پھر چند دیگر مورخین نے اس کی اتباع میں اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے گویا ان سب کا ماخذ تاریخ طبری ہے۔ محمد بن جریر طبری کے حالات، عقائد و نظریات گزشتہ صفحات میں مختصراً پیش کر دیے گئے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف جناب طبری کا حوالہ اس واقعہ کے غیر صحیح اور غیر معتبر ہونے کے لیے کافی ہے۔ کیونکہ موصوف سے ان کی مخصوص ذہنیت کے پیش نظر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ''خیر'' کی کوئی توقع نہیں ہے۔

علاوہ ازیں زیر بحث روایت کا آخری راوی فلیح بن سلیمان (متوفی ۱۶۸ھ) ہے۔ علمائے رجال نے اس پر جرح اور کلام کیا ہے کہ یہ نا قابل احتجاج ہے۔ امام نسائی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف اور ابن حجر رحمہ اللہ نے

اسے کثیر الخطا کہا ہے۔ (تہذیب التہذیب ص ۳۰۴ ج ۸ تحت فلیح بن سلیمان)

پھر یہ بزرگ جس سے روایت لے رہے ہیں وہ مجہول ہیں کیونکہ فلیح "اخبرت" (مجھے خبر دی گئی) کے لفظ سے واقعہ مذکور بیان کر رہے ہیں ان کو خبر دینے والی ذات شریف کون ہے؟ کن عقائد ونظریات اور کس کردار کی حامل ہے؟ اس کا کوئی اتہ پتہ نہیں۔

مزید برآں...... حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فاتح مصر دور فاروقی اور عہد عثمانی میں بھی مصر کے گورنر رہے۔ پھر عہد مرتضوی میں محمد بن ابی بکر گورنر مصر کی طالبین قصاص عثمان پر بے جا سختیوں اور تشدد کی بنا پر ۳۸ھ میں مصر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تسلط سے آزاد ہو کر جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں آ گیا تو سہ بارہ اس کے گورنر مقرر ہوئے اور آں محترم اس منصب پر اپنی وفات ۴۳ھ تک فائز رہے۔ انھوں نے کس مقصد کے لیے وفد بھیجا؟

فلیح بن سلیمان اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک سو پچیس سال کا خلا ہے۔ جسے صرف ایک مجہول راوی کے ذریعے سے پُر کیا گیا ہے۔

یہ واقعہ درایتاً بھی غلط اور باطل ہے۔ کیا ایک صحابی گورنر خلیفہ کے پاس وفد بھیجتے وقت یہ ہدایات دے سکتا ہے؟ پھر وہ وفد بھی اتنے غبی اور احمق افراد پر مشتمل ہے جو گورنر کی موجودگی میں اس کی ہدایات کو نظر انداز کر کے "السلام علیك یا رسول الله" کے الفاظ سے سلام کر رہا ہے؟

اگر بالفرض محال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شوق رسالت میں سکوت اختیار کر لیا تھا تو جو گورنر خلافت کا سلام ناپسند کرتا تھا اس کی موجودگی میں رسالت کا سلام پیش کر دیا گیا تو اس موقع پر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو ضرور اپنا کردار ادا کرنا چاہیے تھا۔

پھر ختم نبوت کے انکار سے تو ایک مسلمان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے تو اس واقعہ کے بعد بھی سترہ سال تک وہ منصب خلافت پر کس طرح فائز رہے؟ مزید حیرانی یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وفد کی آمد سے قبل ہی اپنے دربانوں کو اس کی سازش و چالاکی سے آگاہ کر کے یہ حکم بھی دے چکے تھے کہ تم انھیں مرعوب کرنے کی پوری کوشش کرنا۔ مگر ان دربانوں نے بھی تعمیل نہیں کی؟ بعد میں اگر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے وفد کی سرزنش اس وجہ سے کی کہ میں نے تمھیں سلام خلافت سے منع کیا تھا تم نے انھیں مزید عزت دے کر رسالت کا سلام پیش کر دیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کے فریضہ پر سختی کے ساتھ کار بند تھے۔ اس کی چند مثالیں زیر عنوان ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ریشمی لباس پہنتے تھے'' آ رہی ہیں۔ اور سلام رسالت تو سب سے بڑا منکر تھا۔ اس پر تو خاموشی اختیار کی ہی نہیں جا سکتی تھی۔

پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ تاریخ اسلام میں پہلے شخص ہیں جنھوں نے ایک شخص ذوالخمار کو اس کے ارتداد کی بنا پر قتل کر دیا تھا۔

(تفسیر ابن کثیر تحت آیت عَسَى اللهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ ......)

اور خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دورِ صدیقی میں جنگ یمامہ میں منکرین ختم نبوت اور مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کے خلاف جہاد میں بھرپور حصہ لیا اور ایک روایت کے مطابق مسیلمہ ان ہی کے ہاتھوں قتل ہوا۔

(فتوح البلدان، بلاذری اردو ص ۱۴۰)

لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام کہ وہ ختم نبوت کے منکر تھے سراسر لغو، بے بنیاد، خلاف حقیقت اور دشمنان صحابہ کا وضع کردہ ہے۔

(۴۸) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کا الزام

دشمنان صحابہ کے علاوہ بعض ''مدعیان اہل سنت'' بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کرنے میں ذرا بھی خوف الٰہی محسوس نہیں کرتے۔ چنانچہ جناب سید ابوالکلام آزاد صاحب لکھتے ہیں کہ:

''ازاں جملہ بنی امیہ اور آل مروان کی ایک سب سے بڑی ہادم شریعت اور پر معصیت وفسق وعدوان بدعت شنیعہ وہ تھی جس کا انتقامانہ اتباع برادران شیعہ نے شروع کیا...... یعنی سب سے پہلے سرزمین اسلام میں جو رحم ومحبت اور صلح واخوت ہی کی تخم ریزی کے لیے بنی تھی سب وشتم اور لعن وتبرے کا تخم انھوں نے بویا۔ مقدس مساجد اسلام میں جو صرف عبادت اور اطاعت الٰہی واذکار واشغال مقدسہ کے لیے بنائی گئی تھیں، اپنے اغراض نفسانیہ، منکرہ سیاسیہ سے اہل بیت نبوت اور امیر علیہ السلام پر علانیہ لعنت بھیجنی شروع کی۔ اور جمعہ کے خطبہ ثانیہ میں اس فعل شنیع منکر کو (کہ نہیں جانتا کہ اس کو کن لفظوں سے تعبیر کروں) داخل کر دیا چنانچہ تکبیر وتسبیح کی صداؤں میں خطیب منبر پر چڑھتے تھے اور تحمید وتقدیس وصلوٰۃ وتسلیم کے بعد آخر میں حضرت علی علیہ السلام پر علانیہ لعنت بھیجتے تھے۔ اور پھر شمشیر ظلم سے لوگوں کی زبانوں کو اس طرح لرزاں وترساں رکھتے تھے کہ کسی کو اس صریح فسق عظیم ومعصیت کبریٰ وہتک شریعت الٰہیہ کے خلاف لب کشائی کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔''

(الہلال ص ۳۶۳ ج ۲)

جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر خطبوں میں برسر منبر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کی بوچھاڑ کرتے تھے۔ حتیٰ کہ مسجد نبوی میں منبر رسول پر عین روضہ نبوی کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے کسی کے مرنے کے بعد اس کو گالیاں دینا شریعت تو درکنار انسانی اخلاق کے بھی خلاف تھا اور خاص طور پر جمعہ کے خطبے کو اس گندگی سے آلودہ کرنا تو دین واخلاق کے لحاظ سے سخت گھناؤنا فعل تھا۔'' (خلافت وملوکیت ص ۱۷۴)

عہد صحابہ اور خیر القرون کا اس سے زیادہ مکروہ نقشہ کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے گورنر دین واخلاق اور شریعت تو درکنار انسانی اخلاق سے بھی عاری تھے۔ معترضین نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو شریعت کا مخالف، اخلاق کا دشمن، خطبہ جمعہ جیسے پاک عمل میں گندگی و غلاظت اچھالنے اور اچھلوانے والا اور مکروہ بدعات کا مرتکب قرار دے کر خود صحابہ پر سب وشتم کی بوچھاڑ کر

دی ہے۔ مودودی صاحب کا یہ مضمون پڑھ کر اہل تشیع نے بھی یہ گرہ لگائی کہ:

''بات یہ ہے کہ شیعوں کی تنقید کو سب و شتم قرار دیا جاتا ہے حالانکہ سنی حضرات بھی صحابہ کرام کو تنقید سے بالاتر نہیں سمجھتے۔ ترجمان القرآن کے تازہ شماروں میں مولانا مودودی کے قلم سے خلافت راشدہ سے ملوکیت تک کا مقالہ شائع ہوا ہے۔ مولانا نے اس مقالہ میں صحابہ کرام پر ہی نہیں بلکہ صحابہ کرام کے سرخیل یعنی خلفائے راشدین پر بھی تنقید فرمائی ہے۔ اگر یہی تنقید ایک شیعہ کے قلم سے شائع ہوتی تو یقیناً صحابہ کرام پر سب و شتم قرار دی جاتی۔ کیا مولانا مودودی صاحب پر بھی صحابہ کرام پر سب و شتم کرنے کا فتویٰ صادر فرما کر دیانت داری کا ثبوت فراہم کیا جائے گا؟'' (ہفت روزہ رضا کار لاہور ۱۶ جولائی ۱۹۶۵ء)

شیعہ حضرات کے مشورہ کے بغیر بھی اس وقت علمائے کرام نے اپنا فریضہ خوب ادا کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دامن ایسے تمام ہی مکروہات، قصوں کہانیوں اور داستانوں سے پاک ہے جنھیں یہودیوں، سبائیوں اور مجوسیوں نے ایک خاص مقصد کے لیے تصنیف کیا ہے۔

حدیث اور تاریخ کی جن روایات سے آں محترم پر سب و شتم کا الزام عائد کیا جاتا ہے ان کا مختصر تجزیہ ملاحظہ فرمائیں:

((عن سعد بن ابی وقاص قال امر معاویة بن ابی سفیان سعدا فقال ما منعك ان تسب ابا تراب فقال اما ما ذکرت ثلاثا قالهن له رسول الله ﷺ فلن اسبه......)) (صحیح مسلم کتاب الفضائل، باب من فضائل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ)

''حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ معاویہ بن ابوسفیان (رضی اللہ عنہما) نے انھیں امیر بنایا تو کہا کہ آپ کو علی پر سب کرنے سے کس چیز نے روکا ہے؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا میں تین باتوں کی وجہ سے جو آنحضرت ﷺ نے ان کے متعلق فرمائیں انھیں سب نہیں کروں گا۔''

اس اعتراض کے محدثین نے مختلف جوابات دیے ہیں۔ یہاں ''امر'' کا لفظ ''ما'' استفہامیہ کے ساتھ آیا ہے جس کے معنی دریافت کرنے کے ہیں۔ چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"فقول معاوية هذا ليس فيه تصريح بانه امر سعدا بسبه...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس قول میں اس بات کی کوئی تصریح نہیں کہ انھوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو سب علی کا حکم دیا ہو۔ انھوں نے تو ان سے وہ سبب دریافت کیا جو مانع عن السب تھا۔ گویا وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ آپ تورع اور احتیاط کی وجہ سے ایسا نہیں کرتے یا کوئی خوف مانع ہے۔ یا اس کا کوئی اور سبب ہے۔ اگر آپ تورع و تقویٰ اور شان علی کی بنا پر ایسا کرتے ہیں پھر تو آپ درست کرتے ہیں۔ اگر کوئی اور مانع ہے تو اس کا جواب دوسرا ہے۔

(شرح مسلم، نووی ص ۲۷۸ ج ۲ تحت باب فضائل علی رضی اللہ عنہ)

ابوعبداللہ محمد بن خلفہ الوشتانی شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ:

((یحمل السب علی التغییر فی المذهب فیکون المعنی ما منعك ان تبین للناس خطاءه وان ما نحن علیه اسد و اصوب ومثل هذا یسمّی سبًّا فی العراف...... واما معاویه فحاشاه من ذلك لما كان علیه من الصحبة والدین ذاالفضل وكرم الاخلاق)) (اکمال اکمال المعلم تحت الحدیث)

''یہاں لفظ سب اپنے موقف اور رائے کے بدلنے پر محمول کیا جائے گا (گالی کے معنی میں نہیں) پس اس کا مطلب یہ لیا جائے گا آپ کو کس چیز نے روک رکھا ہے کہ لوگوں کے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موقف کو غلط نہ کہیں اور یہ بات کہنے سے کہ جس بات پر ہم ہیں وہ زیادہ صحیح اور بہتر ہے۔ عرب عرفاً ایسے موقف کو بھی ''سب'' سے ذکر کر دیتے ہیں...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت ان چیزوں سے بالاتر ہے ان کا صحابی ہونا، ان کی دیانت اور ان کے اخلاق فاضلہ کے اعتبار سے یہ بات ان کے شایان شان نہیں۔''

علامہ محمد طاہر پٹنی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((المعنیٰ ما منعك ان تخطئه فی اجتهاد و تظهر للناس حسن اجتهادنا))

(مجمع البحار ص ۸۳ ج ۲ تحت ''سب'')

''اس کا معنی یہ لیا جائے گا کہ آپ کو کس چیز نے (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کے خطا فی الاجتہاد اور ہمارے صواب فی الاجتہاد کو لوگوں کے سامنے لانے سے روک رکھا ہے۔''

علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''اس کی تاویل واجب ہے۔ یا تو یہ کہ سب سے ان کے اجتہاد کی غلطی اور ہمارے اجتہاد کی درستی کا اظہار مراد ہے...... یا یہ تاویل کی جائے کہ انھوں نے سب علی کا حکم نہیں دیا بلکہ سبب مانع کو دریافت کیا ہے۔''

بات صرف اتنی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ میں ملاقات ہوئی۔ چونکہ وہ یکے از عشرہ مبشرہ اور ایام فتن میں غیر جانبدار رہے تھے اس لیے انھیں اپنا ہم خیال بنانے کے لیے اور ان سے اپنے موقف کی درستی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موقف کے غلط ہونے کے متعلق ان کی رائے پوچھی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہیں دیا تھا مگر یہاں انھوں نے واضح طور پر ان کے فضائل بیان کیے...... یہ فضائل سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خاموش رہے کہ اختلاف ان کی فضیلت میں نہیں ہے بلکہ قصاص عثمان کے مسئلے پر ہے۔ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فی الواقع حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو سب علی کا حکم دے رہے تھے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ان سے بھی لاتعلق رہنا چاہیے تھا لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ انھوں نے بیعت علی سے توقف کیا لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی باضابطہ بیعت کی اور ان کے معتقد ہو گئے۔ نیز ان کے عدل و انصاف کے

متعلق فرمایا:

((ما رایت احدا بعد عثمان اقضی بحق من صاحب هذا الباب یعنی معاویة))

(البدایہ والنہایہ ص۱۳۳ ج۸)

''میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حق کے ساتھ فیصلہ کرنے والا معاویہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا۔''
پھر ایک دفعہ شام گئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں پورا رمضان گزارا۔ (حوالہ مذکور ص۷۲ ج۸)

زیر بحث حدیث کے سلسلہ سند میں مندرجہ ذیل راوی پائے جاتے ہیں:

قتیبہ بن سعید، محمد بن عباد، حاتم بن اسماعیل، بکیر بن مسمار اور عامر بن سعد......

امام مسلم رحمہ اللہ کے شیوخ میں سے قتیبہ بن سعید ثقہ ہیں مگر محمد بن عباد پر جرح کی گئی ہے۔ اگر روایت کے لفظ قتیبہ بن سعید کے ہوتے تو محمد بن عباد پر جرح مضر نہ تھی لیکن اب قابل لحاظ ہے۔

﴿۱﴾ محمد بن عباد کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"صدوق یهم" سچا تو ہے مگر اسے وہم ہو جاتا ہے۔ (تقریب التہذیب ص۴۵۲)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے محمد بن عباد کے ہم نام پانچ شخص گنوائے ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی ثقہ نہیں۔

① محمد بن عباد بن سعد...... محسن بن عیسیٰ کہتے ہیں مجہول ہے اور ابن معین رحمہ اللہ کہتے ہیں "لا اعرفه" میں اسے نہیں جانتا۔

② محمد بن عباد مہلبی...... حربی اور ایک جماعت کا قول ہے "لم یکن بصیرا بالحدیث" اسے حدیث میں کوئی درک نہ تھا۔

③ محمد بن عباد بن موسیٰ...... ابن معین رحمہ اللہ نے اس کی تعریف نہیں کی۔ ابن عقدہ نے کہا "فی امره نظر" اس کے معاملے میں شک ہے۔

④ محمد بن عباد...... ثوبان کہتے ہیں کہ مجہول ہے۔

⑤ محمد بن عباد...... "ضعفه الدار قطنی" دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔

(میزان الاعتدال ج۳، نمبر ۷۱۶ تا ۷۲۰)

﴿۲﴾ حاتم بن اسماعیل...... محمد بن عباد کے شیخ حاتم بن اسماعیل بھی مجروح ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں "زعموا انه کان فی غفلة" لوگوں کا گمان ہے کہ اس میں غفلت پائی جاتی ہے۔ امام نسائی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "لیس بالقوی" یہ قوی نہیں ہے۔ (میزان الاعتدال ص۵۵۴)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سچا تو ہے لیکن اسے وہم ہو جاتا ہے۔ (تقریب التہذیب ص۸۵)

﴿۳﴾ بکیر بن مسمار...... حاتم بن اسماعیل کے شیخ بکیر بن مسمار بھی مجروح ہیں امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا

اس کی حدیث میں کچھ شک ہے۔ (میزان الاعتدال)

بہر حال یہ ایک ایسی روایت ہے جس کے مسلسل تین راوی مجروح ہیں۔ جرح و تعدیل کے ائمہ اکابر علمائے حدیث نے انھیں مجہول، مشتبہ، ضعیف، غافل اور وہمی کہا ہے۔

علاوہ ازیں یہ روایت بالمعنی ہے۔ جیسا کہ مسلم کے الفاظ سے ظاہر ہے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حدیث کے یہ الفاظ قطعی طور پر امام مسلم رحمہ اللہ کے ان شیوخ میں سے کسی ایک کے نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے ثقہ راوی عامر بن سعد رضی اللہ عنہ نے "ان تسب" کے لفظ نہ کہے ہوں اور یہ حاتم بن اسماعیل اور محمد بن عباد کی غفلت اور وہم کی کرشمہ کاری ہو...... ہوسکتا ہے کہ اصل میں تو مضمون کوئی اور ہو اور ان حضرات کو وہم ہو گیا ہو اور انھوں نے اپنی غفلت اور بے پروائی کی بنا پر اس مضمون کو "ان تسب" سے تعبیر کر دیا ہو۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر سب و شتم کا الزام عائد کرنے کے لیے مخالفین کے پاس سب سے بڑا ہتھیار یہی روایت ہے جس کا مضمون، جس کے رواۃ اور جس کے الفاظ کوئی چیز بھی محفوظ و معتبر نہیں۔ راوی شدید مجروح ہیں۔ مضمون مشکوک ہے۔ الفاظ موہوم ہیں۔ کہیں "ان تسب"، کہیں "فذکروا علیا فنال منه معاویة" ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ "فذکروا علیا فقال سعد له ثلاث خصال" اور بعض روایات میں یہ فضائل تو ہیں لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے نقد و جرح کا کوئی کلمہ مذکور نہیں۔

پھر بعض روایات کے مطابق حضرت معاویہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہما کی یہ ملاقات مکہ میں ہوئی اور بعض دیگر روایات میں مقام کا کوئی تعین نہیں۔

مسند امام احمد کی ایک روایت کی رو سے بھی حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر برسر منبر بحکم معاویہ "سب" کرنے کا الزام عائد کیا جاتا ہے۔ لیکن اس قسم کی تمام روایات میں تعارض کے علاوہ ان کے رواۃ کے متعلق ضعف، سوء حفظ اور تشیع کی تصریحات بھی ملتی ہیں۔ ایک طریق میں علی بن عاصم ایک راوی ہے جس کے بارے میں علمائے رجال نے یہ جرح نقل کی ہے...... یزید بن ذریع کہتے ہیں کہ میں علی بن عاصم سے ملا۔ انھوں نے کئی احادیث خالد الحذاء سے روایت کیں۔ میں نے خالد سے ان روایات کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے ان سب کا انکار کر دیا...... الفلاس کہتے ہیں اس میں ضعف ہے...... یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ ہم ہمیشہ اسے کذاب ہی جانتے ہیں...... ابن معین کہتے ہیں وہ کچھ بھی نہیں...... نسائی نے اسے متروک الحدیث کہا...... امام بخاری کہتے ہیں وہ قوی نہیں...... حافظ ابن حجر کہتے ہیں سچا تو ہے مگر خطا کرتا ہے۔ اور خطا پر اصرار بھی کرتا ہے اور تشیع سے بھی متہم ہے۔ (میزان الاعتدال، تقریب التہذیب تحت علی بن عاصم)

مسند احمد ہی کی ایک دوسری روایت میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے بھی سب علی کا الزام عائد کیا جاتا ہے۔ مودودی صاحب کے وکیل صفائی ملک غلام علی صاحب لکھتے ہیں کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بعض

اصحاب سے کہا...... کیا تم لوگوں کے ہاں منبروں پر کھڑے ہو کر آنحضرت ﷺ پر سب وشتم کا ارتکاب کیا جاتا ہے؟ لوگوں نے پوچھا وہ کیسے؟ حضرت ام سلمہ ؓ نے فرمایا کیا حضرت علی ؓ پر سب وشتم نہیں کیا جاتا اور کیا اس طرح ان پر جو حضرت علی ؓ سے محبت رکھتے تھے سب وشتم نہیں ہوتا؟ میں گواہی دیتی ہوں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت علی ؓ سے محبت رکھتے تھے۔ (خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ص ۱۰۹)

اس روایت میں اگرچہ حضرت معاویہ ؓ کا ذکر نہیں ہے لیکن دشمنان اسلام کے نزدیک یہ واقعہ بھی خلافت معاویہ کا ہے۔ اس لیے یہ کام بھی ان ہی کے حکم سے ہوتا رہا...... اسی لیے ملک صاحب لکھتے ہیں کہ:

''ان احادیث میں منبروں پر جس سب وشتم کا ذکر ہے وہ بالیقین عہد معاویہ ہی سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ حضرت ام سلمہ ؓ کی وفات امیر معاویہ ؓ کی وفات سے ایک سال پہلے ۵۹ھ میں ہو چکی تھی۔''

(حوالہ مذکور)

اس حدیث کی سند مین ایک مرکزی راوی ابو عبداللہ جدلی ہیں جس کے متعلق علمائے رجال کی آراء ملاحظہ ہوں۔

محمد بن سعد لکھتے ہیں کہ:

((ویستضعف فی حدیثه و کان شدید التشیع)) (طبقات ابن سعد ص ۱۵۹ ج ۶ تحت ابی عبداللہ جدلی)

''حدیث کے معاملے میں ضعیف قرار دیا گیا ہے اور اس میں شدید قسم کا تشیع تھا۔''

امام ذہبی ؒ لکھتے ہیں کہ "ابو عبدالله الجدلی شیعی ...... یغیض" (میزان الاعتدال ص ۵۴۴ ج ۴) ابو عبداللہ جدلی شیعہ تھا اور صحابہ ؓ سے بغض رکھتا تھا۔

حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں کہ بیان حدیث میں ضعیف ہے اور اس میں شدید قسم کا تشیع تھا اس کے علاوہ وہ مختار ثقفی کی پولیس کا سربراہ تھا۔ (تہذیب التہذیب ص ۱۴۸ ج ۱۲ تحت باب الکنی ابو عبداللہ الجدلی)

تعجب ہے کہ اس قماش کے راویوں پر اعتماد کر کے حضرت معاویہ ؓ پر سب علی کا الزام عائد کیا جاتا ہے...... اب چند تاریخی روایات ملاحظہ فرمائیں:

① محمد بن سعد لکھتے ہیں کہ لوط بن یحییٰ کلبی نے بیان کیا کہ بنی امیہ کے دور میں حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ کے خلیفہ بننے سے پہلے تمام والیان مملکت حضرت علی ؓ کو گالیاں دیا کرتے تھے۔ پھر جب حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ کا دور خلافت آیا تو انھوں نے اس سے منع کر دیا۔ (طبقات ابن سعد ص ۳۹۳ ج ۵ مطبوعہ بیروت)

② امام طبری بسند ہشام بن محمد کلبی اور لوط بن یحییٰ ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ بن ابی سفیان ؓ نے جب ۴۱ھ جمادی الاخریٰ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا اور انھیں بلایا اور کہا میں تمھیں چند باتوں کی وصیت کرتا ہوں ان کا پورا کرنا تمھاری مرضی

پر منحصر ہے لیکن ان میں سے ایک پر عمل لازمی ہے وہ یہ کہ علی پر لعن طعن اور ان کی مذمت سے پرہیز نہ کرنا۔"

(تاریخ طبری ص ۱۴۱ ج ۶ تحت ۵۱ ھ۔ الکامل ابن اثیر ص ۲۳۴ ج ۳ تحت ۵۱ ھ)

(۴) امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے مروان رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ روایت نقل کی ہے:

"جب وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینہ کا والی مقرر ہوا تو یہ ہر جمعہ کے خطبہ میں برسر منبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے اس کے جواب میں کہا کہ تیرے باپ حکم پر اللہ نے اپنے نبی کی زبان پر لعنت کی۔ تو اس وقت اس کی پشت میں تھا۔ آپ نے فرمایا تھا "لعن الله الحکم و ما ولد" اللہ کی لعنت ہو حکم پر اور اس کی اولاد پر۔" (البدایہ والنہایہ ص ۲۵۹ ج ۸)

ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ روایت بے سند نقل کی ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ نیز اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی الزام عائد ہوتا ہے...... ابن اثیر رحمہ اللہ کا ماخذ تاریخ طبری ہے جبکہ اس کے راوی ہشام بن محمد کلبی اور لوط بن یحییٰ ہیں۔ اور ابن سعد نے بھی لوط بن یحییٰ ہی سے روایت نقل کی ہے۔

علمائے رجال نے کلبی اور ابو مخنف پر شدید قسم کی جرح کی ہے کہ یہ غیر معتبر، ضعیف و متروک، قصہ گو، اخباری، رافضی اور آگ لگانے والے شیعہ ہیں۔

(لسان المیزان ص ۴۹۲ ج ۴، ص ۱۹۷ ج ۶۔ میزان الاعتدال ص ۲۶۰ ج ۲، ص ۲۵۶ ج ۳)

یہ ملحوظ رہے کہ کلبی اور ابو مخنف صرف اہل سنت کے نزدیک ہی شیعہ نہیں بلکہ خود علمائے شیعہ بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں۔

((انه لا ينبغي التامل فی کونه (لوط بن یحییٰ) شیعیا امامیا))

"لوط بن یحییٰ کے شیعہ امامی ہونے میں کسی کو شک نہ کرنا چاہیے۔"

(تنقیح المقال ص ۴۴ ج ۲۔ اعیان الشیعہ ص ۱۵۳ ج ۱)

ہشام بن محمد بن السائب کلبی...... "امامیا لا شبهة فيه" ہشام بن محمد کلبی کے امامی شیعہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ (تنقیح المقال ص ۳۰۲ ج ۳، اعیان الشیعہ ص ۱۵۴ ج ۱)

افسوس کہ مودودی صاحب اور ان کے ہم خیال حضرات نے ان خبیث، مردود، سبائی، رافضی، شیعہ، کذاب اور دروغ گو راویوں پر اعتماد کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر مکروہ الزام عائد کیا اور ان کے متعلق قرآن و حدیث کے واضح احکام کو پس پشت ڈال دیا۔ مودودی صاحب کے وکیل صفائی ملک غلام علی صاحب کو داد دینی پڑتی ہے کہ انھوں نے کس عیاری کے ساتھ ان کذابوں کا دفاع کیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

"عجیب بات ہے کہ جب سے خلافت و ملوکیت لکھی گئی ہے ہر شخص کتب رجال کے دفتر لے کر بیٹھ گیا ہے اور ایک ایک روایت کے راویوں کے حالات سنا رہا ہے کہ وہ ایسا تھا اور ایسا تھا...... دوسرے لفظوں میں

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کتب تواریخ کا مطالعہ کرنا چاہے وہ پہلے اپنے پاس لسان المیزان، تہذیب التہذیب، کتاب الجرح والتعدیل وغیرہ کی ضخیم مجلدات رکھے اور پھر ہر روایت کے رجال کی چھان بین ان کتابوں میں کرتا رہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتب رجال تحقیق حدیث کے لیے مدون کی گئی ہیں اور ان کی تجریحات کو تاریخی بروایات اور ان کے راویوں پر چسپاں کرنا اصولاً صحیح نہیں...... مولانا مودودی کی نقل کردہ زیر بحث روایت کا ایک راوی ابومخنف ہے جسے ابن عدی کے حوالے سے محمد تقی صاحب نے ''جلا بھنا شیعہ'' قرار دیا ہے۔ مولانا مودودی صاحب کے دوسرے ناقدین نے بھی اس راوی کو بے تحاشا گالیاں دی ہیں۔ اب حال یہ ہے کہ ابن جریر کی دور فتن کی تاریخ کا تقریباً اسی نوے فیصد حصہ اس راوی کی روایات پر مشتمل ہے اور اگر یہ سب کذب وافتراء ہے تو پھر تاریخ طبری کو ہاتھ لگانا بھی گناہ عظیم ہونا چاہیے۔''

(خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ص ۱۱۴، ۱۱۶، ۱۱۷)

اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت معاویہ ؓ کے گورنران کے حکم سے حضرت علی ؓ پر سب کرتے تھے تو اس سب کی حقیقت امام بخاری ؒ نے یوں بیان کی کہ:

''ایک شخص نے حضرت سہل بن سعد ؓ کے پاس آ کر کہا فلاں شخص امیر مدینہ حضرت علی ؓ کو برسر منبر برا کہتا ہے۔ انھوں نے پوچھا وہ کیا کہتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ انھیں ''ابوتراب'' کہتا ہے۔ تو حضرت سہل ؓ ہنسے اور کہا اللہ کی قسم یہ نام تو رسول اللہ ﷺ نے رکھا ہے اور اس سے زیادہ انھیں پیارا کوئی نام نہیں تھا۔'' (صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب مناقب علی بن ابی طالبؓ۔ صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل علیؓ)

یعنی اگر کوئی شخص حضرت علی ؓ کو اس لقب سے پکارتا جو آنحضرت ﷺ کو بہت زیادہ پسند تھا تو سبائی و مجوسی اسے فوراً ''سب'' کے نام سے موسوم کر دیتے۔ ظاہر ہے کہ ''ابوتراب'' کہنا ''سب'' میں داخل نہیں ہے۔ البتہ اسے گالی سمجھنا یقیناً سب کہلائے گا تو اس طرح ابوتراب کہنے والا حضرت علی ؓ کو گالیاں نہیں دے رہا بلکہ اسے سب سمجھنے والا حضرت علی ؓ پر سب وشتم کی بوچھاڑ کر رہا ہے۔

''سب'' ایک عام لفظ ہے جو مختلف معانی و مفاہیم میں استعمال ہوتا ہے۔ ان میں گالی دینا، ناروا تنقید کرنا، مخالفین کے موقف کی تغلیط کرنا، اور عار دلانا بھی شامل ہے۔ چنانچہ علامہ ابن منظور ؒ لکھتے ہیں کہ:

((والسب العار ويقال صار هذا الامر سبة عليهم ...... اى عاريسب به))

(لسان العرب ص ۴۵۶ ج ۱)

''سب کا معنی عار دلانا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کام ان لوگوں پر ''سبہ'' ہوگیا یعنی عار بن گیا۔''

صحیح بخاری میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

حضرت ابوذر ؓ کہتے ہیں کہ

((انی سابیت رجلا فعیرته بامه فقال لی النبی ﷺ یا ابا ذر عیرته بامه انك امرؤ فیك جاهلیة......)) (صحیح بخاری، کتاب الایمان باب المعاصی من امر الجاہلیہ)

''میں نے ایک آدمی کو سب کیا (کہ تو ایک سیاہ رنگ کی عورت کا بیٹا ہے) تو اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا تو نے اسے ماں کے متعلق عار دلائی ہے ابھی تم میں جاہلیت کا اثر باقی ہے۔''

اس سے یہ واضح ہو گیا کہ ہر جگہ لفظ سب گالم گلوچ کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔ نیز یہ لفظ خود آنحضرت ﷺ کی طرف بھی منسوب ہے۔

آپؐ نے غزوۂ تبوک کے سفر میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ ہدایت فرمائی کہ کل جب تم تبوک کے چشمے پر پہنچو تو تم میں سے کوئی شخص میرے پہنچنے سے پہلے اس کے پانی کو ہاتھ نہ لگائے۔ اتفاق سے دو ساتھی قافلہ سے آگے نکل کر چشمہ پر پہنچ گئے اور پانی پی لیا۔ جب آپ کو اس کی اطلاع ہوئی تو ''فسبهما النبی ﷺ'' نبی اکرم ﷺ نے دونوں کو سب کیا۔ (صحیح مسلم، باب معجزات النبی ﷺ)

امام مالک رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو بایں الفاظ نقل کیا ہے:

((فسبهما رسول الله ﷺ وقال لهما ما شاء الله ان یقول))

(موطا امام مالک، باب الجمع بین الصلوتین فی الحضر والسفر)

''تو آپؐ نے دونوں کو سب کیا اور جو اللہ نے چاہا ان دونوں سے فرمایا۔''

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں ''فای مسلم لعنته او سبته فاجعل له زکوٰة ورحمة'' پس جس مسلمان کو میں لعنت کروں یا برا کہوں تو اسے اس کے لیے پاکی و رحمت کا باعث بنا دے۔

(صحیح مسلم کتاب البر والصلہ والادب، باب من لعنہ النبی ﷺ ولیس ھو اھل لھا)

کیا یہاں لفظ سب سے گالی مراد لی جا سکتی ہے؟ کوئی مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہ لفظ استعمال فرمایا:

((ان عمر بن الخطاب قال یوم الخندق و جعل یسب قریش......))

(جامع ترمذی، باب ماجاء فی الرجل تفوتہ الصلوٰۃ)

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ خندق کے دن کفار قریش کو سب کرنے لگے۔''

حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما دونوں نے ایک دوسرے کو سب کیا۔ فاستب علی و عباس

(صحیح بخاری کتاب المغازی، باب حدیث بنی نضیر)

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے درج ذیل الفاظ نقل کیے:

((اقض بینی وبین هذا الکاذب الاثم الغادر الخائن))

''میرے اور اس جھوٹے، گنہگار، غدار اور خائن کے درمیان فیصلہ کیجیے۔''

(صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر باب حکم الفئی)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کا الزام اس لیے عائد کیا جاتا ہے کہ ان کے کسی گورنر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ''ابوتراب'' سے مخاطب کر دیا۔ اور یہاں حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو "الکاذب، الاٰثم، الغادر، الخائن" کہہ رہے ہیں۔ اگر ابوتراب کہنا سب وشتم کی بوچھاڑ ہے تو مذکورہ بالا الفاظ کو کیا نام دیا جائے گا؟

مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے'' (خلافت وملوکیت ص ۱۷۴) اولادِ علی پر عظیم ظلم ہے۔ آج اگر جماعت اسلامی کا ایک عام رکن اتنا غیور ہو سکتا ہے کہ وہ مودودی صاحب پر سب وشتم کی بوچھاڑ کرنے والوں سے وظائف وتحائف وصول نہیں کر سکتا۔ کیا اولادِ علی میں اتنی غیرت بھی نہیں تھی کہ وہ اپنے کانوں سے یہ گالیاں سن کر بھی تادم زیست بخوشی وظائف وتحائف، ہدایا وعطایا وصول کرتے رہے۔

یہ حقائق اسی تاریخ میں واضح طور پر موجود ہیں کہ حضرات حسنین، عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن عباس اور دیگر ہاشمی حضرات رضی اللہ عنہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے لاکھوں روپے بطور سالانہ وظائف اور ہر آمد ورفت کے موقع پر علیحدہ عطیات وتحائف وصول کرتے رہے۔

(البدایہ والنہایہ ص ۱۴۱ ج ۸۔ جلاء العیون در بیان نصوص امامت ومعجزات امام حسن)

اولادِ علی اور خاندانِ علی کا یہ وظائف وتحائف وصول وقبول کرنا الزام سب وشتم کی واضح تردید ہے۔

اگر بقول مودودی صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا گورنر مدینہ ''مسجد نبوی میں منبر رسول پر عین روضۂ نبوی کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دیتا تھا'' تو نہ صرف اولادِ علی بلکہ تمام مسلمان سراپا احتجاج بن جاتے۔ (کیا شہر رسول میں ایک شخص بھی ''حجر بن عدی'' جیسا بہادر نہیں تھا؟) اور قاضی شرع کے پاس استغاثہ دائر کرتے جبکہ مدینہ کے قاضی بھی ایک ہاشمی بزرگ تھے۔

حضرت مروان بن حکم رضی اللہ عنہ کو جب منصب قضا کے لیے ایک قاضی کی ضرورت محسوس ہوئی تو انھوں نے عبداللہ بن حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کو مدینہ طیبہ کا قاضی مقرر کیا۔ تابعین میں سے مدینہ کے یہ پہلے قاضی مقرر ہوئے۔ (طبقات ابن سعد ص ۱۳ ج ۵۔ کتاب الثقات، ابن حبان تحت عبداللہ بن حارث)

اس وضاحت کے باوجود جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سب وشتم کی نسبت کو درست اور صحیح سمجھے تو اسے پھر یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ اس ''کام'' کی ابتداء اور آغاز حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہوا...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے تو گورنروں پر یہ الزام تھا کہ وہ خطبہ میں گالیوں کی بوچھاڑ کرتے تھے۔ جبکہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق تاریخ یہ بتاتی ہے کہ وہ نماز کے اندر لعن طعن کرتے تھے۔ مودودی صاحب کی یہ بات اگر صحیح ہے کہ ''اور خاص طور پر جمعہ کے خطبہ کو اس گندگی سے آلودہ کرنا تو دین واخلاق کے لحاظ سے سخت گھناؤنا فعل تھا'' تو خود نماز جیسی اہم ترین عبادت کو اس گندگی سے آلودہ کرنا دین واخلاق کے لحاظ سے کس قدر زیادہ گھناؤنا فعل ہوگا؟

مودودی صاحب کے محبوب ترین مفسر، محدث، فقیہ اور مورخ حضرت علامہ ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ واقعہ تحکیم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ صبح کی نماز میں بایں طور دعائے قنوت پڑھتے تھے:

((اللهم العن معاوية و عمرو وابا الاعور السلمى و حبيبا وعبدالرحمن بن مخلد و الضحاك بن قيس والوليد فبلغ ذلك معاوية فكان اذا قنت لعن عليا وابن عباس والاشتر وحسنا وحسينا......)) (تاریخ طبری تحت ۳۷ھ)

''اے اللہ! معاویہ، عمرو بن عاص، ابو الاعور سلمی، حبیب بن مسلمہ، عبدالرحمٰن بن مخلد، ضحاک بن قیس اور ولید پر لعنت نازل کر...... پھر جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے بھی قنوت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، اشتر اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما پر لعنت بھیجنی شروع کردی۔''

(کامل ابن اثیر ص ۳۳۳ ج ۳۔ البدایہ والنہایہ ص ۲۸۴ ج ۷ تحت ۳۷ھ)

بعدازاں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ وظیفہ نماز کے بعد بھی پڑھنا شروع کردیا:

((ولهذا قنت امير المومنين عليه السلام على معاوية وجماعة من اصحابه ولعنهم فى ادبار الصلاة)) (ابن حدید شرح نہج البلاغہ ص ۸ ج ۳)

''اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرض نمازوں کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے دوسرے ساتھیوں پر لعنت بھیجتے تھے۔''

اس تفصیل سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ ''نہایت مکروہ بدعت'' عہد ملوکیت میں جاری نہیں ہوئی بلکہ اس کا آغاز ''عہد خلافت راشدہ'' میں ہوا ہے۔ اور اس کا آغاز خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیا۔ اب ملک غلام علی صاحب نے دار الافتاء منصورہ شریف سے جو فتویٰ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف جاری کیا ہے اس کی زد میں تو خود حضرت علی رضی اللہ عنہ آ گئے۔

''اگر اسے سب وشتم سمجھا جائے تو اس کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد گرامی بھی سامنے رکھا جائے جو صحیح مسلم اور دوسری کتب حدیث میں مروی ہے المتسابان ما قالاه فعلى البادى منهما ما لم يعتد المظلوم" دو آدمی ایک دوسرے کی بدگوئی کرتے ہوئے جو کچھ بھی کہیں اس کا بوجھ ابتداء کرنے والے پر ہے۔ جب تک کہ مظلوم حد سے نہ بڑھے۔'' (خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ص ۱۴۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھیجے گئے ایک وفد کے سامنے یوں اعلان فرماتے ہیں کہ:

''معاویہ وہ ہیں جن کے لیے اللہ نے نہ دین میں کوئی فضیلت رکھی ہے نہ اسلام میں ان کا کوئی اچھا کارنامہ ہے۔ وہ طلیق ابن طلیق ہیں۔ ان احزاب میں سے ہیں (جو خندق کے موقع پر مدینہ پر حملہ آور ہوئے تھے) اللہ اور اس کے رسول کے ہمیشہ دشمن رہے وہ بھی اور ان کے باپ بھی۔ حتی دخلا فی الاسلام کارھین یہاں تک کہ وہ دونوں اسلام میں بادلِ نخواستہ داخل ہوئے......''

اسی روایت میں آگے یہ بات بھی مذکور ہے کہ وفد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مظلوماً قتل ہوئے تو آپ نے فرمایا: نہ میں یہ کہتا ہوں کہ وہ ظالم بن کر قتل ہوئے اور نہ یہ کہتا ہوں کہ مظلوم بن کر قتل ہوئے۔ اس پر وفد یہ کہہ کر چلا آیا کہ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کو مظلوماً نہیں سمجھتا ہم اس سے بری ہیں۔ (تاریخ طبری ص ۵ ج ۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صفین میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

''معاویہ، عمرو بن عاص، حبیب بن مسلمہ، ابن ابی سرح اور ضحاک بن قیس دین اور قرآن سے تعلق رکھنے والے نہیں ہیں۔ میں انھیں تم سے زیادہ جانتا ہوں اور ان کے ساتھ اس وقت بھی رہا ہوں جب یہ بچے تھے اور اس وقت بھی رہا ہوں جب یہ مرد تھے۔ یہ بچے تھے تو بدترین اور مرد تھے تو بھی بدترین۔''

(حوالہ مذکور ص ۲۴)

حیرت ہے کہ مودودی صاحب کے وکیل صفائی ملک غلام علی صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ان اکاذیب کو درست سمجھتے ہیں:

''ان میں بلاشبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نامناسب الفاظ مذکور ہیں جو انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یا بعض دوسرے اصحاب کے لیے استعمال کیے ہیں۔ میں معصوم عن الخطا نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سمجھتا ہوں نہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی بہرحال انسان تھے۔ ان کے مقابلے میں مخالفت و محاربت کی جو روش اختیار کی گئی اس کے نتیجے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دل کا ملول و مکدر ہو جانا قدرتی بات ہے اور ان کا یہ کہہ دینا کہ معاویہ کا کوئی اسلامی کارنامہ نہیں اور وہ اسلام میں بادل نخواستہ داخل ہونے سے پہلے اللہ اور اس کے رسول کے دشمن تھے اور طلقاء میں سے تھے۔ یہ ایک ناخوشگوار جوابی ردِعمل ہے۔ اگر اسے سب وشتم سمجھا جائے تو اس کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد گرامی بھی سامنے رکھا جائے...... کہ دو آدمی ایک دوسرے کی بدگوئی کرتے ہوئے جو کچھ بھی کہیں اس کا بوجھ ابتداء کرنے والے پر ہے جب تک کہ مظلوم حد سے نہ بڑھے۔''

(خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ص ۱۴۱)

یہ جماعت اسلامی کے راہنماؤں اور کارکنوں ہی کا حوصلہ ہے کہ وہ ان کذابوں، دجالوں اور مفتریوں کی بیہودہ، لغو اور باطل روایات کی صحت پر ''کامل ایمان'' رکھتے ہیں اور اس کے نتیجے میں اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزت و آبرو خاک میں مل جائے...... مگر ان کذابوں اور دجالوں پر کوئی حرف نہ آنے پائے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں اس مکروہ الزام لعن وطعن اور سب وشتم سے بری ہیں۔ ان کی طرف اس فعل قبیح کی نسبت بھی ان کی توہین ہے اور اس الزام پر مبنی تمام روایات کذابوں اور مفسدوں کی وضع کردہ اور کذب وافتراء کا پلندہ ہیں۔ جنھیں صرف مودودی صاحب اور ان کے ہم خیال حضرات نے اپنے سینے کے ساتھ چمٹا رکھا ہے۔

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ ان روایات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''یہ سب واضح جھوٹ ہے ان میں سے ایک حرف بھی وقوع میں نہیں آیا۔ ان واقعات کو بدعتی، مجنون اور اللہ تعالیٰ کی علانیہ نافرمانی کرنے والے لوگ نسلاً بعد نسلٍ روایت کرتے چلے آ رہے ہیں۔''

(العواصم من القواصم ص ۱۷۷)

''امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں اس واقعہ (کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز میں لعنت بھیجتے تھے) کی تردید کی ہے اور صاف لکھا ہے کہ: "ان هذا لم یصح"، ''یہ صحیح نہیں ہے۔'' اور علامہ نصر نے لکھا ہے کہ اگر یہ دعا ایک حد تک صحیح مان بھی لی جائے تو غالباً بغیر لعن کے تھی۔ حقیقت میں یہ امر خلاف شان جناب امیر علیہ السلام معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی طرح بیٹھے ہوئے حریف کو کوسا کریں۔ (یہ آپ کی شان سے) کہیں ارفع ہے۔ میرے خیال میں جہاں تک مجھے تفحص سے معلوم ہوا ہے یہ ہے کہ نہ تو امیر المومنین نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعن کیا اور نہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے جناب موصوف پر۔ یہ لوگوں کا حاشیہ ہے۔''

(محشی تاریخ ابن خلدون اردو بر حاشیہ ص ۵۳۶ ج ۱، مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی اشاعت ہشتم مارچ ۱۹۸۱ء)

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام کہ ''وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر گالیوں کی بوچھاڑ کرتے تھے'' لغو، بے بنیاد، خلاف واقعہ اور سبائیوں و مجوسیوں کا وضع کردہ ہے۔

(۴۹) استلحاق زیاد

ناقدین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انھوں نے زیاد بن سمیہ کو سیاسی اغراض کے لیے اپنے نسب میں شامل کر کے شریعت کے ایک مسلّم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی۔ چنانچہ ابو الکلام آزاد لکھتے ہیں کہ:

''کیا زیاد بن سمیہ کا استلحاق اور اس کے لیے مجلس شہادت مقرر کرنی ایک اولین بدعت اسلام میں نہ تھی...... سمیہ جاہلیت کی ایک زانیہ و فاحشہ عورت تھی۔ ابو سفیان اس کے پاس رہا تھا اور اسی سے زیاد پیدا ہوا تھا۔ لیکن اغراض سیاسیہ سے اس کا پھر استلحاق کیا گیا...... مجلس شہادت بھی منعقد ہوئی تھی...... ایسی شہادتوں سے بالآخر غریب زیاد بھی شرما گیا......'' (الہلال ص ۶۳ ج ۳ ج ۲ مطبوعہ الہلال اکیڈمی شاہ عالم مارکیٹ لاہور)

جناب سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''زیاد بن سمیہ کا استلحاق بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ان افعال میں سے ہے جن میں انھوں نے سیاسی اغراض کے لیے شریعت کے ایک مسلّم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی۔ زیاد طائف کی ایک لونڈی سمیہ نامی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ لوگوں کا بیان یہ تھا کہ زمانہ جاہلیت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد جناب ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے اس لونڈی سے زنا کا ارتکاب کیا تھا اور اسی سے وہ حاملہ ہوئی۔ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے خود بھی ایک مرتبہ اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ زیاد ان ہی کے نطفے سے ہے۔ جوان ہو کر یہ شخص اعلیٰ درجے کا مدبر، منتظم، فوجی لیڈر اور غیر معمولی قابلیتوں کا مالک ثابت ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں وہ آپ کا زبردست حامی تھا اور اس نے بڑی اہم خدمات انجام دی تھیں۔ ان کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنا حامی و مددگار بنانے کے لیے اپنے والد ماجد کی زناکاری پر شہادتیں لیں اور اس کا ثبوت بہم پہنچایا کہ زیاد ان ہی کا ولد الحرام ہے پھر اسی بنیاد پر اسے اپنا بھائی اور اپنے خاندان کا فرد قرار دے دیا۔ یہ فعل اخلاقی لحاظ سے جیسا کچھ مکروہ ہے وہ تو ظاہر ہی ہے مگر قانونی حیثیت سے بھی یہ ایک صریح ناجائز فعل تھا۔ کیونکہ شریعت میں کوئی نسب زنا سے ثابت نہیں ہوتا......'' (خلافت وملوکیت ص ۱۷۵)

اس عبارت میں مودودی صاحب نے سابقہ تمام سبائیوں اور مجوسیوں کو مات دے دی۔ اور جس مکروہ انداز کے ساتھ یہ واقعہ بیان کیا یقین نہیں آتا کہ کیا یہ انداز ولہجہ کسی ''اسلامی'' جماعت کے امیر کا ہو سکتا ہے؟ دوسروں کو درس اخلاق دینے والا شخص خود کس قدر بد اخلاقی، بددیانتی، بدتہذیبی اور بے شرمی پر اتر آیا...... یہ موضوع انتہائی نازک اور حساس ہے موصوف کی عبارت نقل کرتے ہوئے بھی توبہ و استغفار کا وظیفہ جاری رہا

اس سے بڑھ کر صحابہ کی توہین کا اور کوئی تصور بھی نہیں ہوسکتا...... پھر موصوف کے وکیل صفائی جناب ملک غلام علی صاحب نے اپنی کتاب ''خلافت و ملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ'' میں ص ۱۵۰ تا ۱۸۴ پورے پینتیس صفحات پر مشتمل بحث میں اس کراہت میں مزید اضافہ کیا...... یہ عجیب بات ہے کہ جب یہی زیاد عہد مرتضوی میں بحیثیت گورنر فارس کام کر رہا تھا تو اس میں کوئی عیب اور نقص نہیں تھا۔ لیکن جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے عامل مقرر کیا اور اس نے مفسدین کو ٹھکانے لگایا تو اس میں تمام برائیاں پیدا ہو گئیں۔ اگر فی الواقع زیاد بدکردار اور ولد الحرام تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے گورنری جیسا اہم منصب کیوں سونپا؟ کیا اس قماش کے لوگ ایسی عزت و تکریم کے مستحق ہو سکتے تھے؟

اس واقعہ کے متعلق علامہ عبدالرحمٰن بن خلدون لکھتے ہیں کہ:

''سمیہ ام زیاد حارث بن کلدہ طبیب کی لونڈی تھی۔ ان ہی سے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ پھر اس نے اس کی شادی اپنے ایک غلام سے کر دی۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اپنی کسی حاجت سے طائف گئے ہوئے تھے۔ "فاصابها بنوع من انكحة الجاهلية وولدت زيادا هذا ونسبته الى ابى سفيان واقرلها به الا انه كان بخفية" وہاں انھوں نے جاہلیت کے مروجہ نکاح کی طرح سمیہ سے نکاح کیا۔ پھر اس مباشرت سے زیاد پیدا ہوئے اور سمیہ نے زیاد کو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے منسوب کیا اور انھوں نے بھی اس کا خفیہ اقرار کر لیا تھا۔'' (تاریخ ابن خلدون ص ۱۴ ج ۳)

علامہ ابن اثیر جزری رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ وہ جاہلیت کے نکاحوں میں سے ایک نکاح تھا۔ "انما استلحق معاوية زيادًا لان انكحة الجاهلية كانت انواعًا......" (الکامل ابن اثیر جزری ص ۶۷ ۱ ج ۳)

صحیح بخاری میں جاہلیت کے نکاح کی چار قسمیں بیان کی گئی ہیں ان میں سے ایک موجودہ طریقہ پر نکاح کے علاوہ باقی تمام نکاحوں کو اسلام نے باطل قرار دے دیا۔ (صحیح بخاری کتاب النکاح باب من قال لا نکاح الا بولی) لیکن ان نکاحوں کی اولاد کو صحیح تسلیم کیا گیا ہے۔

زیاد کی تاریخ ولادت کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ حافظ ابن عبدالبر اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ نے فتح مکہ کا سال لکھا ہے۔ بعض نے ہجرت کا سال اور بعض نے بدر کا دن ذکر کیا ہے۔ بہرحال زیاد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے مشرف باسلام ہونے سے قبل پیدا ہو چکے تھے۔ اگرچہ اسلام نے اس جاہلی طریقہ نکاح کو منسوخ کر دیا تاہم اس کے نتیجے میں ہونے والی اولاد کو اپنے والد کی طرف ہی منسوب قرار دیا۔

علاوہ ازیں زیاد کے ماں جائے بھائی نافع کے متعلق حارث بن کلدہ کا یہ اقرار ثابت ہے کہ وہ میرا بیٹا ہے۔ اسی لیے انھیں نافع بن حارث کہا جانے لگا لیکن تاریخ سے یہ بات ثابت نہیں ہے کہ عبید یا حارث نے زیاد کے باپ ہونے کا دعویٰ کیا ہو۔

۴۴ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس مندرجہ ذیل دس گواہوں نے شہادت دی کہ زیاد ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں:

① زیاد بن اسماء حرمازی ② مالک بن ربیعہ سلولی ③ منذر بن زبیر
④ جویریہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا ⑤ مسور بن قدامہ باہلی ⑥ ابن ابی نصر ثقفی
⑦ زید بن نفیل الازدی ⑧ شعبہ بن علقمہ ⑨ بنو عمرو بن شیبان کا ایک شخص
⑩ بنو مصطلق کا ایک شخص (یزید)۔ (الاصابہ ص۵۶۳ ج۱)

ان گواہوں میں حضرت مالک بن ربیعہ سلولی رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، جو بیعت رضوان کے شرکاء میں سے ہیں۔ ان گواہوں میں سے منذر بن زبیر نے بایں الفاظ گواہی دی کہ

((انه سمع عليا يقول اشهد ان ابا سفيان قال ذلك)) (الاصابہ ص۵۶۳ ج۱)

''میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ زیاد میرا بیٹا ہے۔''

اس کارروائی اور تحقیق کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تمام مصلحتوں اور پراپیگنڈوں کی پروا کیے بغیر احترام شریعت میں نہ صرف زیاد کو اپنے نسب میں شامل کیا بلکہ ان کے بیٹے سے اپنی صاحبزادی کا نکاح بھی کر دیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس استلحاق کے متعلق واشگاف الفاظ میں اعلان فرمایا:

((اما والله لقد علمت العرب انی كنت اعزها فی الجاهلية وان الاسلام لم يزدنی الا عزّا وانی لم اتكثر بزياد من قلة ولم اتعزز به من ذلة ولكن عرفت حقا له فوضعته موضعه)) (تاریخ طبری ص۱۶۳ ج۴)

''اللہ کی قسم سارا عرب جانتا ہے کہ میں جاہلیت میں بھی سب سے زیادہ عزت والا تھا۔ اور اسلام نے بھی میری عزت میں اضافہ ہی کیا۔ لہٰذا نہ تو یہ بات ہے کہ میں نے زیاد کے ذریعے سے اپنی قلت کو کثرت میں تبدیل کیا ہو اور نہ میں کبھی ذلیل تھا کہ زیاد کی وجہ سے مجھے عزت مل گئی ہو۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں نے اس کا حق پہچان لیا اور اس کے حقدار تک پہنچا دیا۔''

اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد جن حضرات (عبدالرحمٰن بن حکم، ابن مفرغ، ابن عامر) نے اس استلحاق کی مخالفت کی تھی۔ انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اپنے طرز عمل پر معذرت و معافی طلب کرتے ہوئے اپنے اعتراضات سے رجوع کر لیا اور آپ نے انھیں معاف کر دیا۔

(الاستیعاب مع الاصابہ ص۵۵۱ ج۱، تاریخ طبری ص۱۶۳ ج۴)

صحیح بخاری میں ہے کہ:

((ان زیاد بن ابی سفیان کتب الیٰ عائشة......))

(صحیح بخاری ج۱ص۲۳۰ کتاب المناسک باب من قلد القلائد بیدہ)

''زیاد بن ابی سفیانؓ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف خط لکھا۔''

صحیح بخاری کے علاوہ موطا امام مالک ص۳۵۰، موطا امام محمد ص ۱۹۶، طحاوی ص۵۰۹، ان سب کتب حدیث میں زیاد بن ابی سفیانؓ ہی لکھا گیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ''زیاد بن ابی سفیان'' ہی لکھتی اور کہتی رہیں چنانچہ انھوں نے زیاد کے نام اپنے ایک خط میں یہ الفاظ لکھے:

((عن عائشة ام المؤمنين الى زياد بن ابی سفیان))

''ام المومنین عائشہ کی طرف سے ابوسفیان کے بیٹے زیاد کے نام۔'' (تہذیب ابن عساکر ص۴۱۱ج۵)

مودودی صاحب نے اس الزام کو صحیح ثابت کرنے کے لیے یہ دلیل بھی دی کہ:

''ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اسی وجہ سے اس کو اپنا بھائی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اس سے پردہ فرمایا۔'' (خلافت وملوکیت ص۱۷۵)

یہ دلیل بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا سال وفات بھی وہی ہے جس سال استلحاق زیاد کا واقعہ ہوا تھا، یعنی ۴۴ھ۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ان کی وفات استلحاق سے پہلے ہوئی یا بعد میں......ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے دونوں قول ذکر کیے ہیں لیکن ان کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ وفات اس واقعہ سے پہلے ہوئی کیونکہ انھوں نے دوسرے قول کو لفظ قیل سے تعبیر کر کے اس کے ضعف کی طرف اشارہ کر دیا ہے اگر بالفرض ام المومنین زندہ بھی ہوں تو پھر بھی زیاد کا مدینہ منورہ جانا مشتبہ ہے تو پردہ کرنے والا قول کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے؟

مودودی صاحب کی زیر بحث عبارت کا ایک ایک لفظ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف غیظ وغضب اور بغض وعناد کا اظہار ہو رہا ہے:

''زیاد بن سمیہ کا استلحاق بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ان افعال میں سے ہے جن میں انھوں نے سیاسی اغراض کے لیے شریعت کے ایک مسلم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی۔''

یہاں ''افعال'' کا لفظ جمع لا کر یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا شریعت کے مسلم قواعد کی خلاف ورزی کا یہ ایک ہی فعل نہیں ہے بلکہ ان کے اس قسم کے بہت سے خلاف شرع افعال ہیں جن میں سے ایک یہ ہے...... ابن اثیر اور ابن خلدون رحمہما اللہ تو ''زنا'' کے بجائے لفظ ''نکاح'' استعمال کر رہے ہیں اور موصوف بار بار ''زنا'' کا لفظ استعمال کر رہے ہیں۔ پھر ان کا ''تقیہ'' ملاحظہ ہو کہ اتنے مکروہ الزامات لگاتے

وقت ''جناب، حضرت اور رضی اللہ عنہ'' کے القابات بھی لکھ رہے ہیں:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اس لونڈی سے زنا کا ارتکاب کیا تھا اور اسی سے وہ حاملہ ہوئی...... حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے خود بھی ایک مرتبہ اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ زیاد ان ہی کے نطفہ سے ہے...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے اپنا حامی و مددگار بنانے کے لیے اپنے والد ماجد کی زنا کاری پر شہادتیں لیں اور اس کا ثبوت بہم پہنچایا کہ زیاد ان ہی کا ولد الحرام ہے۔''

گویا موصوف اپنے قاری کو یہ تاثر دے رہے ہیں کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا بے حد ادب و احترام کرتے ہیں۔ اگر یہی ادب و احترام ہے تو پھر دنیا میں بے ادبی و بے احترامی نام کی کوئی چیز نہیں۔

استلحاق زیاد کا واقعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے چوتھے سال ۴۴ھ میں ہوا جب ان کی خلافت انتہائی مضبوط و مستحکم ہو چکی تھی۔ مملکت میں مکمل امن و امان قائم تھا۔ داخلی طور پر ہر قسم کا انتشار و افتراق ختم ہو چکا تھا۔ ان حالات میں زیاد کو اپنا مددگار بنانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ زیاد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آغاز ہی میں زیر عتاب رہا۔ اس پر دورِ مرتضوی میں فارس کے گورنر ہونے کی حیثیت سے بیت المال کی رقم خورد برد کرنے کا الزام تھا۔ اس کے بچے گرفتار ہو چکے تھے اور وہ خود قلعہ میں محصور تھا۔ اگر اسے کسی سیاسی غرض کے تحت ہی اپنے ساتھ ملانا تھا تو اس سے بہتر اور کون سا موقع ہو سکتا تھا؟ لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا...... اور جب چار سال بعد استلحاق کیا تو یہ قطعاً کسی سیاسی غرض کی بنیاد پر نہیں تھا بلکہ حق واضح ہو جانے کے بعد انھوں نے اسے حق دار تک پہنچا دیا۔

جہاں تک نفس مسئلہ اور شرعی قاعدے کا تعلق ہے کہ "الولد للفراش وللعاهر الحجر" تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ انھوں نے اس مسئلے میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ لیکن آں محترم کے نزدیک ''استلحاق زیاد'' اس ''شرعی قاعدے'' کے تحت نہیں آتا تھا۔ اس کی واضح دلیل خود ان کا ایک فیصلہ ہے جسے محدث ابو یعلی موصلی اور حافظ نور الدین ہیثمی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ:

''نصر بن حجاج اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے لڑکے خالد کے درمیان ایک بچے کے بارے میں تنازع تھا۔ خالد کہتے تھے کہ یہ بچہ ان کے غلام عبداللہ کا لڑکا ہے، جس کے بستر پر یہ پیدا ہوا اور نصر کا یہ کہنا تھا کہ ان کے بھائی کی وصیت کے مطابق یہ اس کے نطفے سے ہے۔ یہ جھگڑا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے فرمایا "سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول الولد للفراش وللعاهر الحجر" کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بچہ اسی کا ہے جس کے گھر پیدا ہوا اور بغیر نکاح والے کے لیے پتھر کی سزا ہے تو اس پر نصر نے کہا "فاين قضاءك هذا يا معاوية في زياد" تو پھر آپ نے زیاد کے استلحاق کا فیصلہ کیسے کیا؟ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

((قضاء رسول الله ﷺ خير من قضاء معاوية))

رسول اکرم ﷺ کا فیصلہ معاویہ کے فیصلے سے بہتر ہے۔“

(مسند ابی یعلی ص ۳۴۷ ج ۶ تحت مسندات معاویہ، مجمع الزوائد ص ۱۴ ج ۵ تحت باب الولد للفراش)

اس روایت کی سند بھی اگرچہ متصل نہیں ہے تاہم حافظ نور الدین ہیثمی رحمہ اللہ نے اس کے رجال کو ثقات قرار دیا ہے۔ بعض حضرات نے اس حدیث کی رو سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا استلحاق زیاد کے فیصلے سے رجوع ثابت کیا ہے۔ لیکن یہ خیال درست نہیں ہے اس لیے کہ

اولاً، زیاد کے مسئلے پر کوئی دوسرا دعویدار موجود نہیں تھا۔

ثانیاً، وہ بقول مورخین زمانہ جاہلیت کا ایک نکاح تھا اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے مشرف باسلام ہونے سے پہلے کا واقعہ تھا۔

ثالثاً، سمیہ نے خود زیاد کو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے منسوب کیا تھا اور انھوں نے بھی اس کا محدود پیمانے پر اقرار کرلیا تھا۔

رابعاً، اس اقرار پر شہادتیں بھی لی گئیں۔ لہٰذا شرعی قاعدہ اپنی جگہ ثابت اور نافذ ہے اور استلحاق زیاد اپنی جگہ درست اور صحیح ہے۔

(۵۰) زہر خورانی حسن

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ انھوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ایک خاص سازش کے تحت زہر دلوائی۔ چنانچہ ملا باقر مجلسی لکھتا ہے کہ:

''معاویہ نے زوجہ امام حسن کے پاس زہر بھیجا۔ پس ایک روز امام حسنؑ نے اپنی زوجہ سے پوچھا آیا دودھ کا تھوڑا شربت ہے کہ میں پیوں۔ اس نے کہا ہاں ہے۔ پس وہ زہر جو معاویہ نے بھیجا تھا دودھ میں ملا کر امام حسنؑ کو دے دیا۔ جب حضرت نے پیا اسی وقت اپنے بدن میں زہر کا اثر دیکھا۔ فرمایا اے دشمن خدا! تو نے مجھے مارا خدا تجھے مارے۔ قسم بخدا! میرے مارنے کا عوض تجھے نہ ملے گا اور اس (معاویہ) دشمن خدا و رسول سے ہرگز نفع نہ پائے گی۔'' (جلاء العیون مترجم ص ۲۳۴ ج ۱، تحت بیان کیفیت شہادت جناب امام حسن)

بعض حضرات نے زہر خورانی کی نسبت یزید کی طرف کی۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث بن قیس کو مدینہ میں یزید نے خفیہ طور پر یہ پیام بھیجا کہ اگر حسن کو زہر دے دو تو میں تم سے نکاح کر لوں گا۔ اس فریب میں آ کر بدنصیب جعدہ نے آپ کو زہر دے دیا۔ جس کے اثر سے آپ شہید ہو گئے۔ جعدہ نے یزید کو لکھا کہ اپنا وعدہ پورا کرے جس کا جواب یزید نے یہ دیا کہ جب تجھ کو میں حسن کے نکاح ہی میں گوارا نہیں کر سکا تو اپنے نکاح میں کس طرح گوارا کروں گا۔''

(تاریخ الخلفاء اردو ص ۲۸۲)

تاریخ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے سبب وفات اور سن وفات کے متعلق مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔ بعض کے نزدیک مرض سل کی بنا پر وفات ہوئی۔ بعض کے نزدیک عام بیماری سے اور بعض کے نزدیک زہر خورانی سے۔ اسی طرح سن وفات کے سلسلے میں بھی مختلف اقوال ہیں۔ ۴۹ھ، ۵۰ھ، ۵۱ھ، ۵۶ھ، ۵۸ھ، ۵۹ھ۔ زیادہ مشہور ۵۰ھ کا قول ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام جس قدر سنگین اور نفرت انگیز ہے، اسی قدر روایتاً و درایتاً ضعیف، ناقابل اعتماد، کذب و افتراء اور بے بنیاد بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذکورہ الزام قدیم شیعہ کتب میں بھی نہیں پایا جاتا اور متاخرین کی جن کتب میں اس کا ذکر ہے تو ان میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کوئی صراحت نہیں ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حدیث کے دفتر بے پایاں میں صحیح حسن تو بجائے خود، کوئی ضعیف روایت بھی ایسی موجود نہیں جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق اس بہتان عظیم کا کوئی اشارہ بھی ملتا ہو۔ اس الزام کی

لغویت کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ کسی طبقہ کے کسی بھی محدث نے اس روایت پر اعتماد کر کے اس قابل نہیں سمجھا کہ اسے اپنی کتاب میں جگہ دے۔ حاکم نیشاپوری نے باوجود تشیع کے، زہر سے موت کا واقع ہونا تو لکھا لیکن زہر دینے والے یا زہر بھیجنے والے کا کوئی اشارہ نہیں کیا۔

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے جعدہ کا نام لکھنے کے بعد کمزور اور مشتبہ الفاظ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے:

((وقالت طائفة كان ذلك منها بتدسيس معاوية اليها))

(الاستیعاب ص ۱۴۴ ج ا تحت الحسن بن علی)

''ایک گروہ کہتا ہے کہ جعدہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اشارہ پر زہر دیا تھا۔''

یہ جھوٹا گروہ وفات حسن کے تقریباً چار سو سال بعد پیدا ہوا اس کی روایت کا کیا اعتبار؟

علامہ ابن اثیر جزری رحمہ اللہ نے صرف جعدہ کا ذکر کیا ہے لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کوئی اشارہ نہیں کیا۔ (اسد الغابہ تحت حسن بن علی) اسی طرح کتب طبقات کی قدیم ترین کتاب طبقات ابن سعد میں بھی کسی زہر دینے والے کا نام موجود نہیں۔

قدیم شیعی مورخ احمد بن ابی داود دینوری (متوفی ۲۸۱ھ) وفات حسن کے تحت زہر کا بالکل ذکر ہی نہیں کرتے۔ (اخبار الطوال ص ۲۲۱ ذکر موت الحسن بن علی)

دوسرے شیعہ مورخ یعقوبی نے زہر دینے والے کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ (یعقوبی ص ۲۱۶ ج ۲)

تیسرے شیعہ مورخ مسعودی (متوفی ۳۴۶ھ) نے بروایت حضرت زین العابدین زہر سے موت کا واقع ہونا تو ذکر کیا ہے لیکن اس میں زہر دینے والے کا کوئی نام نہیں البتہ اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ:

((ذکر امرأة جعدة بنت الاشعث بن قيس الكندى سقته السم وقد كان معاوية دس اليها)) (مروج الذہب تحت حسن بن علی)

یہاں بھی لفظ ''ذکر'' سے الزام کی کمزوری واضح ہے۔

تاریخ طبری میں بھی یہ واقعہ موجود نہیں ہے۔

صاحب روضۃ الصفاء محمد بن حامد شاہ (متوفی ۹۰۳ھ) نے اس الزام میں مزید کراہت پیدا کی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے امام حسن کی زوجہ جعدہ کو زہر آلود رومال دیا اور ہدایت کی کہ ان سے ہم بستری کے بعد اس رومال کو ان کی شرم گاہ پر مل دیا جائے جعدہ نے ہدایت کے مطابق عمل کیا اور اس سے امام حسن کی موت واقع ہو گئی۔ (تاریخ روضۃ الصفاء ص ۱۴۰ ج ۳ ذکر وفات امام حسن)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((ان معاوية سم الحسن فهذا مما ذكره بعض الناس ولم يثبت ذلك ببينة شريعة او اقرار معتبر ولا نقل بجزم به)) (منہاج السنۃ ص ۲۲۵ ج ۲)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دیا ہے جسے بعض لوگوں نے ذکر کیا ہے یہ بات کسی واضح شرعی دلیل یا اقرار معتبر سے ثابت نہیں ہے اور نہ کسی نقل ہی سے ثابت ہے جس پر یقین کیا جا سکے۔''

امام ذہبی رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر کھلایا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات کہی جاتی ہے (یہ شیعہ کا قول ہے جو بلا دلیل وثبوت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اتہام طرازی کرتے رہتے ہیں۔ یا وہ لوگ اس کے قائل ہیں جو شیعہ کے دام فریب میں آ کر ان کے جھوٹے اقوال سے متاثر ہو جاتے ہیں) مگر دلیل و برہان سے ثابت نہیں ہوتی...... باتفاق مسلمین شرعاً ایسی بلا دلیل بات کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس پر کسی کی مدح یا مذمت کا ترتب درست ہے۔'' (المنتقیٰ اردو ص ۳۸۸)

موصوف اپنی ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

((وقالت طائفة كان ذلك بتدسيس معاوية اليها...... قلت هذا شيء لا يصح فمن الذى اطلع عليه)) (تاریخ اسلام، ذہبی ص ۲۱۹ ج ۲)

''ایک طائفہ نے زہر خورانی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سازش کا ذکر کیا ہے...... میں کہتا ہوں یہ بات بالکل صحیح نہیں...... اس بات سے کون آگاہ ہو سکتا ہے کیونکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے تو اصرار کے باوجود زہر دینے والے کا نام ظاہر نہیں کیا تھا۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں کہ:

((وعندى ان هذا ليس بصحيح وعدم صحته عن ابيه معاوية بطريق الاولىٰ والاخرىٰ)) (البدایہ والنہایہ ص ۴۳ ج ۸)

''میرے نزدیک یہ بات کہ یزید نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دلوایا صحیح نہیں ہے اور ان کے والد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اس بات کی نسبت تو بطریق اولیٰ غلط اور غیر صحیح ہے۔''

علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون رحمہ اللہ (متوفی ۸۰۸ھ) لکھتے ہیں کہ:

((وما ينقل ان معاوية دس اليه السم مع زوجته جعده بنت اشعث فهو من احاديث الشيعة وحاشا معاوية من ذلك)) (تاریخ ابن خلدون ص ۱۸۲ ج ۲)

''اور جو یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث کے ساتھ مل کر زہر دلایا تھا یہ سب شیعوں کی باتیں ہیں حاشا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔''

مشہور مورخ احمد شبلی یہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

((ولكن ذالك الاتهام لم يثبت)) (التاریخ الاسلامی والحضارۃ الاسلامیہ ص ۳۳ ج ۲)

''یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تہمت ہے جو بالکل ہی ثابت نہیں۔''

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی زہر دینے والے کے نام سے آگاہ نہیں تھے۔ پھر اہل تشیع اور ان کے ہم خیال حضرات کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام کیوں کر معلوم ہو گیا؟

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (متوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ:

((فاتاه الحسين بن على فساله من سقاه فابى ان يخبر رحمه الله تعالىٰ))

(الاصابہ ص ۱۳ ج ۲)

''حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے بھائی کے پاس آئے اور پوچھا کہ آپ کو زہر کس نے پلایا؟ لیکن انھوں نے بتانے سے انکار کر دیا۔''

شیعہ مورخ مسعودی لکھتا ہے کہ:

((فقال له الحسين يا اخى من سقاك قال وما تريد بذلك فان كان الذى اظنه فالله حسيبه وان كان غيره فما احب ان يوخذ بى برى فلم يلبث بعد ذلك الا ثلاثا حتى توفى)) (مروج الذہب ص ۴۲۷ ج ۲)

''حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اے بھائی! یہ زہر کس نے دیا ہے؟ فرمایا اس سوال سے آپ کا مقصد کیا ہے؟ اگر زہر دینے والا وہی شخص ہے جس کے متعلق میرا گمان ہے تو اللہ اس کے لیے کافی ہے۔ اگر کوئی دوسرا ہے تو میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میری وجہ سے کوئی بےقصور آدمی پکڑا جائے۔ اس کے بعد حضرت حسن زیادہ دن زندہ نہیں رہے اور تین دن کے بعد انتقال کر گئے۔''

ملا باقر مجلسی لکھتا ہے کہ:

((ثم دخلت عليه من الغد وهو يجود بنفسه والحسين عند راسه فقال يا اخى من تَتَّهِمُ قال لم؟ لتقتله قال نعم۔ قال ان يكن الذى اظن فانه اشد باسًا واشد تنكيلا والا يكن فما احب ان يقتل بى برى ثم قضٰى علیہ السلام)) (بحار الانوار ص ۱۳۸ ج ۴۴)

''راوی کہتا ہے کہ میں اگلے دن پھر حضرت حسن کے پاس گیا۔ اس وقت ان پر جان کنی کا وقت آیا چاہتا تھا۔ اور حضرت حسین ان کے سرہانے بیٹھے تھے تو انھوں نے پوچھا بھائی آپ کو کس پر شبہ ہے؟ حضرت حسن نے فرمایا کیوں پوچھتے ہو؟ کیا اسے قتل کرو گے؟ عرض کیا ہاں؟ فرمایا اگر وہی ہے جو میرے خیال و گمان میں ہے تو اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ وہ ضرور اسے سزا دے گا اور اگر وہ نہیں تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ

سے ایک بے قصور آدمی مارا جائے۔ یہ کہہ کر امام موصوف اللہ کو پیارے ہو گئے۔

اس تفصیل سے حسب ذیل امور ثابت ہوئے:

① حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات مرض سل سے ہوئی۔

② زہرخورانی سے ہوئی۔

③ ان کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے زہر دیا۔

④ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اشارے پر یہ کام ہوا۔

⑤ امیر یزید کی خواہش سے یہ کام ہوا۔

⑥ حضرت حسن رضی اللہ عنہ خود یقینی طور پر زہر دینے والے کے نام سے آگاہ نہیں تھے۔

⑦ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اصرار پر بھی انھیں آگاہ نہیں کیا گیا۔

اس تفصیل سے یہ بات تو قطعی طور پر واضح ہوگئی ہے کہ اگر بالفرض حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی موت زہر ہی سے ہوئی تو اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بالکل کوئی حصہ نہیں اور وہ کسی طور پر بھی اس فعل قبیح میں شریک نہیں ہیں۔ کیونکہ ان کا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوئی اختلاف نہیں تھا۔ وہ برضا و رغبت ان کے حق میں دستبردار ہوئے۔ جس شخص نے خلافت حاصل کر کے اسے چھوڑ دیا ہو وہ دوبارہ اس کا امیدوار کیسے ہوسکتا ہے؟ ہاں اس مصالحت سے بقول بعض مورخین حضرت حسین رضی اللہ عنہ از خود یا کسی کی تحریک پر مطمئن نہیں تھے۔ اور انھوں نے اپنے بھائی کے اس عمل کی مخالفت بھی کی تھی جس پر بڑے بھائی نے تنبیہ کر کے انھیں خاموش کر دیا تھا۔ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آیندہ کسی خطرے سے بچنا اور یزید کو بہرصورت ولی عہد بنانا ہی چاہتے تھے تو حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو زہر دلواتے...... جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اس مصالحت سے مطمئن تھے اور برضا و رغبت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے۔ نیز ان کے باہمی تعلقات بھی ہمیشہ خوشگوار رہے۔ شیعہ مورخ ابوحنیفہ دینوری یہ اقرار کرتا ہے کہ:

((ولم یری الحسن والحسین طول حیاۃ معاویۃ سوءًا فی انفسھما ولا مکروھا ولا قطع عنھما شیئا مما کان شرط لھما ولا تغیر لھما عن بر)) (اخبار الطوال ص ۲۲۵)

''حضرات حسنین رضی اللہ عنہما نے پوری زندگی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوئی بدخواہی نہیں دیکھی نہ ان کا اپنے بارے میں کوئی ناپسندیدہ عمل دیکھا نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کے ساتھ کیے گئے وعدوں میں سے کسی وعدہ کو توڑا۔ اور نہ ان دونوں کے ساتھ آپ نے کسی نیکی میں دریغ کیا۔''

ایک دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ آپ کی طرف سے مجھ تک چند باتیں پہنچی ہیں آپ ان کی حقیقت سے آگاہ فرمائیں...... حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ''ومعاذ اللہ ان

انقض عهدا عهده اليك اخى الحسن" میرے بھائی حسن نے آپ کے ساتھ جو عہد و پیمان کیے تھے ان کے توڑنے سے میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ (مقتل ابی مخنف ص ۶)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((ولما توفى الحسن كان الحسين يغد الى معاوية كل عام فيعطيه ويكرمه وقد كان فى الجيش الذين غزوا القسطنطنية مع ابن معاوية يزيد فى سنة احدى وخمسين)) (البدایہ والنہایہ ص ۱۵۰ ج ۸)

"جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہر سال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے جاتے۔ آپ انھیں بہت سے عطیات دیتے اور ان کا بڑا اکرام کرتے تھے۔ ۵۱ھ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ غزوۂ قسطنطنیہ کے موقع پر ابن معاویہ یزید کے ساتھ شامل لشکر تھے۔"

ابی مخنف لوط بن یحیٰی لکھتا ہے کہ:

((وكان يبعث اليه فى كل سنة الف الف دينار سوى الهدايا من كل صنف))

(مقتل ابی مخنف ص ۷)

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سالانہ دس لاکھ دینار حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف بطور وظیفہ بھیجتے تھے۔ یہ وظیفہ تحائف اور دیگر ہدایا کے علاوہ تھا۔"

اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ زہر خورانی کی سازش میں شریک ہوتے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ فوراً بیعت توڑ دیتے، اظہار ناراضی کرتے، مقدمہ عدالت میں لے جاتے، بھائی کی نماز جنازہ گورنر معاویہ سعید بن عاص رضی اللہ عنہ سے پڑھانے کی خود درخواست نہ کرتے اور نہ ان سے نماز جنازہ ہی پڑھواتے، بھائی کی وفات کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس کبھی ملاقات کے لیے دمشق تشریف نہ لے جاتے، ان سے تحائف، عطایا اور ہدایا وصول نہ کرتے، اور نہ یزید کی زیر قیادت غزوۂ قسطنطنیہ میں شرکت کرتے۔

اب یہ سوال ضرور حل طلب ہے کہ اگر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات زہر خورانی ہی سے ہوئی تو پھر یہ فعل کس کا ہو سکتا ہے؟

اس سلسلے میں بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ چونکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کثرت کے ساتھ شادیاں کیں اور اسی کثرت کے ساتھ طلاقیں دیں جس کی بنا پر ان کا لقب ہی "مطلاق" پڑ گیا تھا تو انتقام کی آگ ان "مطلقات" ہی کے دلوں میں بھڑک سکتی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے اس اندیشے کا اظہار کر دیا تھا:

((قال على يا اهل العراق او يا اهل الكوفة لا تزوجوا حسنا فانه رجل

مطلاق...... قال علی ما زال الحسن یتزوج ویطلق حتی حسبت ان یکون عداوۃ فی القبائل)) (مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۵۴ ج ۵)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اے اہل عراق! یا اے اہل کوفہ! حسن کے ساتھ اپنی لڑکیوں کا نکاح مت کرو کیونکہ وہ بہت طلاق دینے والے آدمی ہیں...... حضرت حسن رضی اللہ عنہ متواتر شادیاں کرتے رہے اور طلاق دیتے رہے یہاں تک کہ مجھے اندیشہ گزرا کہ کہیں اس طرز عمل سے قبائل میں عداوت کی آگ نہ بھڑک اٹھے۔''

اس پس منظر میں یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ یہ آپ کی کسی سابقہ بیوی کی سازش ہو گی...... لیکن یہ خیال بوجوہ درست نہیں ہے کیونکہ زہر خورانی کا الزام مطلقہ عورتوں پر عائد نہیں کیا گیا۔ اگر کسی دوسرے شخص کے گھر میں انھیں زہر پلایا جاتا تو مذکورہ خیال کسی حد تک درست ہو سکتا تھا۔ لیکن یہ زہر کا شربت تو انھیں اپنے ہی گھر اور اپنی زوجہ کے ہاتھوں ہی نوش کرنا پڑا۔

اس قسم کی حرکت کسی مطلقہ بیوی سے بھی نہیں ہو سکتی۔ چہ جائیکہ ایک ایسی بیوی سے جو شوہر کے حق میں نہایت ہی مطیع و فرمان بردار ہے۔ آخر اس عورت کو خود اپنا سہاگ اجاڑنے اور اپنا گھر پھونکنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ آپ کی بیوی سیدہ جعدہ بنت اشعث رحمہا اللہ پر بھی ایک بہتان معلوم ہوتا ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا اپنے گھر والوں پر کوئی قابو نہیں تھا اور ان کی بیوی آزادانہ طور پر یزید یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نمایندے سے ملاقات کرتی اور اس سے تحائف وصول کرتی اور یزید کے ساتھ نکاح کے عہد و پیمان باندھتی تھی۔ (جبکہ مسئلہ یہ ہے کہ کوئی عورت عدت کے اندر بھی کسی دوسرے مرد کے ساتھ نکاح یا نکاح کرنے کا وعدہ نہیں کر سکتی۔ کیا سیدہ جعدہ رحمہا اللہ اس قرآنی حکم سے نابلد تھیں) یا حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے یہ سب کچھ جاننے کے باوجود چپ سادھ رکھی تھی۔

اہل تشیع نے سیدہ جعدہ رحمہا اللہ پر یہ تہمت اس لیے لگائی کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بھانجی تھیں۔ سبائی یہ کیسے گوارا کر سکتے تھے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بھانجی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے حبالہ عقد میں چین و راحت کے ساتھ زندگی بسر کرتی رہے۔ ظاہر ہے کہ زہر خورانی جیسے فعل قبیح کا صدور ان ہی لوگوں سے ہو سکتا ہے جو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے دشمن تھے۔ جنھوں نے ان کے نیچے سے مصلیٰ کھینچ لیا تھا، ان کے کندھے سے چادر اتاری تھی، انھیں زخمی کیا تھا، ان کا مال و اسباب لوٹا تھا، انھیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہونے کی وجہ سے عار المومنین، مسود وجوہ المومنین کے القابات سے نوازا تھا۔ اور جو انھیں مصالحت و بیعت کے بعد بار بار نقض بیعت پر آمادہ کر چکے تھے۔ لیکن حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنی کمال فراست و بصیرت کی بنا پر ان دشمنوں کے نرغے سے نکل کر مدینہ منورہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور زندگی کے آخری سال تک متواتر ہر سال اپنے

بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ہمراہ دمشق حاضری دیتے رہے اور وظائف وتحائف بھی وصول کرتے رہے۔

یہ طرز عمل ان کوفیوں، مجوسیوں اور سبائیوں کو ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا لہٰذا انھوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دے کر نہ صرف ان تمام باتوں کا انتقام لے لیا بلکہ ان کی اولاد کو ''شرف امامت'' سے بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محروم کر دیا۔

اس بات (کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو سبائیوں نے ہی زہر دیا تھا) کی تائید ملا باقر مجلسی کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے:

''اور فرمایا کہ مجھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ بعد ان کے بارہ خلفاء اور امام ہوں گے۔ گیارہ امام فرزندان علی و فاطمہ ہیں اور یہ سب تیغ یا زہر سے شہید ہوں گے۔'' (جلاء العیون ص ۳۶۸ ج ۲)

یعنی جو امام قتل ہو کر نہیں مرے گا لازماً اس کی موت پھر زہر ہی سے ہوگی۔ اسی لیے بارھویں امام بچپن ہی میں بھاگ گئے کہ اگر میں قتل نہ کیا گیا تو پھر مجھے بھی زہر کے گھونٹ پینے پڑیں گے...... اس روایت کی وجہ سے حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو تو ان سبائیوں نے تلوار کے ساتھ شہید کیا۔ ایک بھاگ گئے اور باقی نو اماموں کو زہر دے کر اپنی آتش انتقام کو ٹھنڈا کیا۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر زہر خورانی کا مکروہ الزام بالکل لغو، بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے۔

(۵۱) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وفات حسن رضی اللہ عنہ پر اظہار مسرت فرمایا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ انھیں جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کی اطلاع ملی تو انھوں نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے حضرت مقدام بن معدی کرب، عمرو بن اسود اور بنی اسد کے ایک شخص کو اس سے آگاہ کیا...... یہ اطلاع پا کر حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے کلمہ استرجاع ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ پڑھا اس پر ایک شخص نے کہا "اتعدها مصيبة" کیا تو وفات حسن کو مصیبت سمجھتا ہے؟ دوسرے نے کہا "جمرة اطفأها الله" یہ ایک چنگاری تھی جسے اللہ نے بجھا دیا ہے۔

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ نے وفات حسن پر اظہار مسرت کیا۔ چنانچہ سید لعل شاہ بخاری سنن ابی داود کی ایک روایت کے حوالے سے بغض معاویہ اور اپنے خبث باطن کا مظاہرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اس روایت میں راوی نے مسامحت سے کام لیا اور "اتعدها مصيبة" کے سائل اور "جمرة اطفأها الله" کے قائل دونوں کی پردہ پوشی کی۔ کیونکہ ان کی گفتگو بے انتہا نفرت انگیز تھی۔ لیکن آنکھیں بند کر لینے سے حقیقتیں مستور نہیں ہوا کرتیں۔ "اتعدها مصيبة" کے قائل یقیناً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں...... اس روایت سے معلوم ہوا کہ محفل معاویہ کی زیبائش و آرائش کس قسم کے عنادلِ خوش گلو کی نوا سنجی سے وابستہ تھی۔ لیکن کبھی کبھی مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ جیسے درویش کی تلخ نوائی مجلس کے رنگ کو پھیکا اور افسردہ کر دیتی۔ راوی نے رجل اسدی کے نام کا اظہار نہیں کیا۔ ہمیں بھی اظہار کی ضرورت نہیں ہم بھی بے نام لیے کہتے ہیں

؎ جو شقی حسن ابن علی کو (جمرہ) من نار کہتے ہیں
اللہ کی ہو پھٹکار ان پر، ہم سو بار کہتے ہیں

(استخلاف یزید ص ۲۳۳)

اب سنن ابی داود کی پوری روایت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

''عمرو بن عثمان بن سعد حمصی، بقیہ، بحیر، خالد سے روایت ہے کہ مقدام بن معدی کرب، عمرو بن اسود اور ایک شخص بنی اسد میں سے جو قنسرین کا رہنے والا تھا۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے پاس آئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مقدام رضی اللہ عنہ سے کہا کیا آپ کو حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) کی وفات کی خبر ہو گئی؟ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ کہا تو اس شخص نے کہا کیا یہ بھی تم کوئی مصیبت

سمجھتے ہو۔ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے کہا میں کیونکر اس کو مصیبت نہ سمجھوں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن کو اپنی گود میں بٹھایا اور فرمایا یہ مجھ سے ہے اور حسین علی سے...... تو اسدی نے کہا ایک انگارہ تھا جسے اللہ نے بجھا دیا۔ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے کہا لیکن میں تو آج کے دن بغیر تم کو غصہ دلائے ہوئے اور تیری ناپسند تجھے سنائے ہوئے نہ رہوں گا۔

پھر کہا اے معاویہ! اگر میں سچ کہوں تو مجھے سچا کہنا اور جھوٹ بولوں تو مجھے جھوٹا کہنا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا اچھا میں ایسا ہی کروں گا۔ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے کہا میں تمھیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کیا تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سونا پہننے سے منع کرتے تھے انھوں نے کہا ہاں سنا ہے۔ پھر حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے کہا میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشمی کپڑا پہننے سے منع کیا۔ کہا ہاں...... میں تم کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درندوں کی کھالوں کے پہننے اور ان پر سوار ہونے سے منع فرماتے تھے۔ کہا ہاں! حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے کہا پھر اللہ کی قسم اے معاویہ! میں یہ سب کچھ تمھارے گھر میں دیکھتا ہوں...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں جانتا ہوں کہ میں تجھ سے نجات نہیں پا سکوں گا۔

خالد نے کہا پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مقدام رضی اللہ عنہ کو اتنا مال دینے کا حکم دیا جو ان کے دیگر دو ساتھیوں کو نہ دیا اور ان کے بیٹوں کا بھی دو سو والوں میں حصہ مقرر کیا مقدام رضی اللہ عنہ نے وہ مال اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا اور اسدی نے اپنے مال میں سے کسی کو کچھ نہ دیا۔ یہ خبر جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انھوں نے کہا کہ مقدام تو ایک سخی شخص ہے جس کا ہاتھ کشادہ ہے اور اسدی اپنی چیز کو اچھی طرح روکتا ہے۔"

(سنن ابی داود، کتاب اللباس باب فی جلود النمور ص ۲۱۴ ج ۲)

یہ ہے وہ روایت جس کی بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مطعون کیا جاتا ہے۔ اس میں کہیں بھی یہ بات موجود نہیں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وفات حسن پر خوشی کا اظہار کیا ہو۔ جنھوں نے "اتعدها مصيبة" اور "جمرة اطفأها الله" کہا وہ دونوں حضرت مقدام رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تھے اور مقدام رضی اللہ عنہ نے خود ہی اسے بات کا جواب دے دیا۔ راوی نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ "اتعدها مصيبة" کے قائل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ صرف دشمنان معاویہ کا قیاس فاسد ہے۔ محدث جلیل حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ "فقال له فلان اتعدها مصيبة" کے تحت لکھتے ہیں کہ:

((ولعله الرجل الاسدی او غيره))

"اور شاید یہ بات کہنے والا وہ مرد اسدی ہے یا کوئی اور۔" (بذل المجهود شرح ابی داود ص ۶۴ ج ۶)

روایت میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ "جمرة اطفأها الله" کے الفاظ مرد اسدی کے ہیں تو یہ

سوال بھی اسی کا یا اس کے کسی دوسرے ساتھی کا ہو سکتا ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اس قول کو منسوب کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ از خود انھیں وفات کی اطلاع دے رہے ہیں۔ اس پر حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے کلمہ استرجاع پڑھا اس میں کون سی غلط، منکر اور خلاف شرع بات تھی جس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہو "اتعدها مصيبة" جبکہ شریعت میں ایسے مواقع پر ہی نہیں بلکہ ہر ناگوار چیز پر کلمہ استرجاع پڑھنے کا کہا گیا ہے۔ حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتے کا تسمہ ٹوٹنے پر بھی یہ کلمہ پڑھنے کا ارشاد فرمایا ہے۔ نیز ارشاد باری ہے کہ:

﴿ إِذَآ أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوٓا۟ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَٰجِعُونَ ﴾ (البقرہ: ۱۵۶)

"جب انھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم سب اللہ کے لیے ہیں اور ہم نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔"

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے عظیم مدبر، عظیم سیاست دان اور صاحب حلم سے اس کی توقع کیوں کر ہو سکتی ہے کہ انھوں نے کلمہ استرجاع پر "اتعدها مصيبة" کہا ہو۔

اس روایت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر سونا، ریشم اور درندوں کی کھالیں پہننے اور ان پر سوار ہونے کا الزام بھی عائد کیا گیا ہے۔ اس کا مفصل جواب آگے "ریشمی لباس پہننے" کے الزام کے تحت آ رہا ہے۔

پھر یہ بات بھی غور کے قابل ہے کہ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس قابل اعتراض جملے کا قائل نہیں سمجھا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ ان سے اس قدر مال اپنے اور اپنے بیٹے کے لیے ہرگز قبول نہ کرتے...... پھر یہ بات کس قدر مضحکہ خیز ہے کہ اگر بالفرض محال "اتعدها مصيبة" کے قائل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی ہیں، انھیں تو حضرت مقدام رضی اللہ عنہ غصہ دلائے بغیر نہیں رہ سکے۔ اور جو شخص ان کا اپنا ساتھی تھا، ان کے ساتھ ہی آیا اور ان کے ساتھ ہی واپس گیا اور جس نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی شدید ترین توہین کی (جمرة اطفاها الله) اس پر حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے کوئی اظہار ناراضی نہیں کیا...... بس صرف یہ کیا کہ اسے اپنے مال سے کچھ نہیں دیا۔ کیا وہ شخص صرف اسی بے اعتنائی کا مستحق تھا؟ اور سارا غصہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر جھاڑ دیا...... اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس غصے کے جواب میں انھیں مال کثیر سے نوازا۔

علاوہ ازیں حضرت مقدام رضی اللہ عنہ کی یہ روایت دیگر محدثین نے بھی بیان کی ہے لیکن اس میں نہ تو مرد اسدی کا ذکر ہے اور نہ یہ جملہ "جمرة اطفأها الله" ہی پایا جاتا ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قابل اعتراض جملہ کسی "راوی" کا اضافہ ہے۔

مزید برآں اس واقعہ کی کیا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خاندان کو کوئی خبر نہ ہوئی اور وہ (حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن جعفر وغیرہم رضی اللہ عنہم) متواتر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضری

دیتے رہے اور وظائف وتحائف وصول وقبول کرتے رہے۔ سوال یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے اختلاف ہی کیا تھا جو ان کی وفات پر کلمہ استرجاع کا پڑھنا بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے؟

حقیقت یہ ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کی اطلاع ملی تو اس وقت آپ کے پاس حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تشریف فرما تھے (جو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے چچا ہیں) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ خبر سنتے ہی ان سے تعزیت کی۔ چنانچہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((فلما جاء الكتاب بموت الحسن بن علی اتفق كون ابن عباس عند معاوية وعزاه فيه باحسن تعزيته ورد عليه ابن عباس ردا حسنا كما قدمنا))

(البدایہ والنہایہ ص ۳۰۴ ج ۸)

”جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی وفات کا خط آیا تو اتفاق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھے۔ تو انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وفات حسن پر بڑے اچھے الفاظ میں تعزیت کی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی نہایت ہی اچھے الفاظ میں اس کا جواب دیا جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تعزیت کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا:

((لا يسؤك ولا يحزنك فی الحسن بن علی فقال ابن عباس لمعاوية لا يحزننی الله ولا يسؤنی ما ابقى الله امير المومنين)) (حوالہ مذکور ص ۱۳۴)

”اللہ آپ کو تکلیف سے بچائے اور حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) کے بارے میں غمگین نہ ہونے دے۔ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اللہ تعالیٰ مجھے غمگین نہ ہونے دیں گے جب تک امیر المومنین باقی وسلامت ہیں۔“

بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کو بھی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس تعزیت کے لیے بھیجا۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((وعزا بعبارة فصيحة وجيزة شكره عليها ابن عباس)) (حوالہ مذکور ص ۳۰۴)

”تو یزید نے فصیح عبارت اور عمدہ طریقے کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تعزیت کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس پر ان کا شکریہ ادا کیا۔“

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے سنن ابی داود کی زیر بحث روایت میں حضرت مقدام رضی اللہ عنہ کے الفاظ ”الحسن منی والحسين من علی“ میں نکارت ثابت کی ہے۔ ”فيه نكارة لفظًا و معنًا“ کہ اس میں لفظاً و معناً نکارت پائی جاتی ہے۔ (البدایہ والنہایہ ص ۳۶ ج ۸) کیونکہ یہ الفاظ دیگر روایات کے خلاف ہیں جن میں

آنحضرت ﷺ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے بھی یہ فرمایا "الحسین منی" دونوں حقیقی بھائی ہیں دونوں ہی آپ کے نواسے ہیں اور دونوں سے آپ کا یکساں تعلق ہے۔

مزید برآں...... زیر بحث حدیث بقیہ بن ولید سے مروی ہے وہ جس راوی سے "عن" کے ساتھ روایت کرے تو محدثین اس کا اعتبار نہیں کرتے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"فاذا قال عن فليس بحجة" جب وہ "عن" سے روایت کرے تو وہ حجت نہیں ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ "لا يحتج به" اس سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا۔ ابومسہر کہتے ہیں کہ "احاديث بقية ليست نقيه فكن منها على تقيه" بقیہ کی احادیث صاف ستھری نہیں ان سے بچ کر رہنا چاہیے۔ ابن خزیمہ کہتے ہیں کہ "لا احتج ببقية" میں بقیہ کی روایت سے سند نہیں لیتا۔" (میزان الاعتدال تحت بقیہ)

امام بیہقی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "اجمعوا على ان بقيه ليس بحجة" محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ بقیہ قابل حجت اور قابل استدلال نہیں ہے۔

(تہذیب التہذیب ص ۴۷۸ ج ۱، الکامل ابن عدی ص ۵۰۴ ج ۲ تحت بقیہ بن ولید)

حافظ منذری رحمہ اللہ بھی زیر بحث روایت کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"وفيه اسناده بقيه بن الوليد وفيه مقال" اس روایت کی سند میں بقیہ تشریف فرما ہیں جن پر کلام کیا گیا ہے۔" (مختصر سنن ابی داود، منذری ص ۷۰ ج ۲)

اس صورت میں ہم اصولاً پابند ہیں کہ اس روایت کو ترجیح دیں جس سے صحابہ کے بارے میں ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ کی تائید ہوتی ہو۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

((فانا مامورون بحسن الظن بالصحابة ونفى كل رذيلة عنهم واذا انسدت الطرق نسبنا الكذب الى الرواة)) (نووی شرح مسلم ص ۹۰ ج ۲)

"ہم صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں حسن ظن رکھنے اور ان سے ہر برائی کی نفی کرنے کے مکلّف ہیں۔ اور جب کسی سند سے اس کی راہ نہ ملے تو اس الزام کو ہم "کذب راوی" پر محمول کریں گے۔"

سو بہتر یہی ہے کہ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بقیہ بن ولید کی وجہ سے لائق اعتبار نہ مانا جائے اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی روایت کو ترجیح دی جائے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے واقعی ایک صدمہ جانا تھا اور وہ "اتعدها مصيبة" کے قائل ہرگز نہیں تھے۔

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ زیر بحث حدیث میں قابل اعتراض الفاظ روایتاً و درایتاً غلط ہیں۔ لہٰذا ایسی روایت کی رو سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر وفات حسن پر اظہار مسرت کا الزام لغو، بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے۔

(۵۲) حجر بن عدی کا قتل

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اہم اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انھوں نے حجر بن عدی کو بلا وجہ قتل کرنے کا حکم صادر کیا۔ چنانچہ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''اس نئی پالیسی کی ابتداء حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت حجر بن عدی کے قتل سے ہوئی جو ایک زاہد و عابد صحابی اور صلحائے امت میں ایک اونچے مرتبے کے شخص تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب منبروں پر خطبوں میں علانیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لعنت اور سب وشتم کا سلسلہ شروع ہوا تو عام مسلمانوں کے دل ہر جگہ ہی اس سے زخمی ہو رہے تھے۔ مگر لوگ خون کا گھونٹ پی کر خاموش ہو جاتے تھے کوفہ میں حجر بن عدی سے صبر نہ ہو سکا اور انھوں نے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعریف اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت شروع کر دی...... اس طرح یہ ملزم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجے گئے اور انھوں نے ان کے قتل کا حکم دے دیا۔'' (خلافت وملوکیت ص ۱۶۴،۱۶۵)

حجر بن عدی کوفہ کے باشندے اور قبیلہ کندہ کے سردار تھے۔ مودودی صاحب کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی صحابیت متفقہ تھی۔ جبکہ ان کا صحابی ہونا مختلف فیہ ہے۔ امام بخاری، ابن ابی حاتم، ابن خیاط اور ابن حبان وغیرہ رحمہم اللہ نے ان کو تابعین میں شمار کیا ہے۔ (الاصابہ ص ۳۱۳ ج ۱، تحت حجر بن عدی)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ ابواحمد عسکری رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

((اکثر المحدثون لا یصححون له صحبة)) (البدایہ والنہایہ ص ۵۰ ج ۸)

''اکثر محدثین ان کے صحابی ہونے کو تسلیم نہیں کرتے۔''

کوفہ سبائی پارٹی کا خصوصی مرکز تھا۔ اس لیے یہ بھی سبائی فتنے کا شکار ہو گئے۔ یہ قاتلین عثمان کا دفاع اور عاملین عثمان پر علانیہ لعن طعن کرتے تھے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شکایت کرتے اور ان کے بارے میں زیادتی کی بات کہتے تھے۔ ان کے امراء پر تنقید کرتے، ان سے انکار پر جلدی کرتے، اس میں مبالغہ کرتے اور ان لوگوں سے دوستی رکھتے تھے جو اپنے آپ کو شیعان علی ظاہر کرتے اور دین میں تشدد کرتے تھے۔'' (البدایہ والنہایہ ص ۵۴ ج ۸)

شہادت عثمان کے بعد یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گرد جمع ہوئے ان کی پالیسیوں کو ناکام بنانے کی کوشش کراتے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر سرعام سب وشتم کرتے تھے۔ جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ انھیں ان حرکتوں سے منع فرماتے تھے۔ سید شریف رضی لکھتے ہیں کہ:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں میں سے بعض کو اہل شام کے بارے میں برا بھلا کہتے سنا۔ یہ جنگ صفین کے دن تھے۔ آپ نے کہا:

((انی اکرہ لکم ان تکونوا سبّابین...... ولو قلتم مکان سبکم اللھم احقن دمائنا ودمائھم واصلح ذات بیننا وبینھم))

''میں اسے ناپسند کرتا ہوں کہ تم گالیاں دو۔ کاش تم انھیں برا کہنے کے بجائے یہ دعا کرتے اے اللہ! ہماری اور ان کی جانوں کو بچا اور ہمارے اور ان کے مابین اچھے حالات پیدا کر۔'' (نہج البلاغہ ص ۴۲۰ ج ۱)

قدیم شیعہ مورخ ابوحنیفہ دینوری لکھتے ہیں کہ یہ لوگ حجر بن عدی، عمرو بن حمق اور ان کے ساتھی تھے۔ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: ''لم تمنعنا عن شتمھم ولعنھم'' کہ آپ ہمیں ان پر سب وشتم اور لعن طعن سے منع نہ فرمائیں۔ آپ نے فرمایا ''کرھت لکم ان تکونوا شتّامین لعّانین'' میں تمھارے لیے اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ تم اہل شام کو گالیاں دینے اور لعنت کرنے والے بنو۔

(اخبار الطوال ص ۱۶۵)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبرداری کے بعد حجر بن عدی وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور انھیں اس فعل پر ملامت و ندامت دلائی اور دوبارہ جنگ کرنے کی دعوت دی اور یہ کہا:

((یا ابن رسول اللہ لوددت انی مت قبل ما رأیت اخرجتنا من العدل الی الجور فترکنا الحق الذی کنا علیہ ودخلنا فی الباطل الذی کنا نھرب منہ))

''اے فرزند رسول! میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ میں اس عمل مصالحت کو دیکھنے سے پہلے ہی مر جاتا۔ آپ نے ہمیں عدل سے نکال کر ظلم کی طرف جھونک دیا ہے۔ ہم نے اس حق کو جس پر ہم تھے چھوڑ دیا ہے۔ ہم اس باطل میں داخل ہو چکے ہیں جس سے ہم بھاگتے تھے۔ ہم نے اپنے نفوس کو کمینگی دی ہے اور ہم نے وہ خفت قبول کر لی ہے جو ہمارے لائق نہ تھی۔'' (اخبار الطوال ص ۲۲۰)

ذرا غور کیجیے کہ جب حجر بن عدی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اس نیک کام پر جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بشارت دی تھی (کہ میرا بیٹا سردار ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں صلح کرائے گا) جائر، ظالم، تارک حق اور داعی الی الباطل قرار دے رہے ہیں۔ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کیا کچھ نہیں کہتے ہوں گے؟

پھر حجر بن عدی نے اپنے ساتھی عبیدہ بن عمرو کے ہمراہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بیعت و معاہدے سے منحرف کرنے کی کوشش کی اور کہا...... آپ حسن کا ساتھ چھوڑ دیں اور انھوں نے جو صلح کی ہے اسے رہنے

دیں۔ کوفہ اور دوسرے علاقوں سے اپنے ساتھیوں کو جمع کریں اور مجھے اور میرے اس ساتھی کو یہ کام سپرد کر دیں۔ معاویہ کو پتہ ہی اس وقت چلے گا جب ہم تلواریں لے کر اس پر جا پہنچیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا:

((انا قد بایعنا وعاهدنا ولا سبیل الی نقض بیعتنا)) (حوالہ مذکور)

''بے شک ہم نے بیعت کر لی ہے اور ہمارا معاہدہ ہو چکا ہے لہٰذا اب بیعت توڑنے کا کوئی جواز نہیں۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا واحد مقصد ملک میں فتنہ وفساد پھیلانا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف عداوت ونفرت اور ان کی حکومت کو ختم کرنا تھا۔

پھر جب ۴۱ھ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ والی کوفہ مقرر ہوئے تو وہ اپنے خطبوں میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے رحمت کرتے اور ان کے قاتلوں پر لعنت کرتے تو اس کے جواب میں حجر بن عدی کہتے:

((بل ایاکم...... انی اشهد من تذمون و تعیرون لاحق للفضل وان من تزکون وتطهرون اولی بالذم)) (تاریخ طبری ص ۱۴۱ ج ۶)

''یعنی ان باتوں کے مستحق تم خود ہو اور میں گواہی دیتا ہوں کہ جن کی تم عیب جوئی اور مذمت کرتے ہو وہ باعتبار فضیلت تم سے زیادہ ہیں۔ اور جن کی پاکدامنی اور خوبیاں بیان کرتے ہو وہ مذمت کے زیادہ مستحق ہیں۔''

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ان سے درگزر کرتے اور انھیں زبانی نصیحت کرتے رہتے کہ اس طرز عمل سے اجتناب کریں۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ تقریباً آٹھ سال تک کوفہ کے گورنر رہے حجر بن عدی اس سارے عرصے میں اسی طرح تنقید کرتے رہے۔

بعض اوقات لوگوں کو وظائف کی ادائیگی میں تاخیر ہو جاتی تو حجر بن عدی گورنر کی مذمت میں اٹھ کھڑے ہوتے...... ایک دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے گورنر کوفہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ بیت المال سے کچھ اشیاء دارالخلافہ روانہ کر دیں تو جب یہ مال روانہ ہوا تو حجر بن عدی نے سواریوں کی لگام پکڑ کر مال رکوایا۔ پھر بھی گورنر نے کوئی سختی نہیں کی بلکہ عفو ودرگزر سے کام لیا۔ (البدایہ والنہایہ ص ۵۰ ج ۸)

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی گورنری کے آخری دور میں ایک خطبہ دیا جس میں کہا اے اللہ! عثمان پر رحم کر اور ان سے درگزر فرما، انھیں ان کے نیک اعمال کی جزا عطا فرما۔ انھوں نے تیری کتاب پر عمل کیا، تیرے نبی کی سنت کی پیروی کی، ہمیں ایک کلمہ پر جمع کیا، ہمارے خون کی حفاظت کی لیکن خود مظلوم قتل کر دیے گئے۔ "اللهم فارحم انصاره و اولیاءه و محبیه والطالبین بدمه ویدعو قتلته" اے اللہ! عثمان

سے محبت رکھنے والے، ان کے مددگار اور ان کے خون ناحق کا قصاص طلب کرنے والوں پر بھی رحم فرما۔ اس کے بعد ان کے قاتلین کے لیے بددعا کی...... یہ سن کر حجر کھڑے ہو گئے

((فنعر نعرة بالمغيرة سمعها كل من كان فى السمجد و خارجا منه فقام معه اكثر من ثلثى الناس يقول صدق حجر))

''انھوں نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اس زور سے نعرہ لگایا کہ اسے مسجد کے اندر اور باہر والوں نے بھی سنا۔ اس کے ساتھ ہی موجود لوگوں میں سے دو تہائی لوگ ان کی ہم نوائی میں اٹھ کھڑے ہوئے اور سب پکار اٹھے کہ حجر سچ کہتے ہیں۔'' (تاریخ طبری ص ۱۴۱ ج ۶ تحت ۵۱ ھ)

شیعہ مورخ ابو حنیفہ دینوری لکھتے ہیں کہ:

''حضرت مغیرہ جمعہ کا خطبہ دینے کے لیے منبر پر چڑھے "فحصبه حجر بن عدی" تو حجر بن عدی نے اپنے ساتھیوں کی موجودگی میں ان پر کنکریاں پھینکیں۔'' (اخبار الطوال ص ۲۲۳)

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کو بصرہ کے ساتھ کوفہ کا بھی گورنر مقرر کر دیا۔ زیاد نے اپنے خطبہ میں حمد و ثنا کے بعد امیر المومنین کے حقوق کا ذکر کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تعریف کی اور قاتلین پر لعنت بھیجی تو حجر حسب معمول کھڑے ہو گئے اور اپنی سابقہ باتوں کا اعادہ کیا۔ زیاد نے بعد میں انھیں اپنے پاس تنہائی میں بلا کر سمجھایا۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ خطبے کے دوران میں حجر نے کنکریاں اٹھائیں "فحصبه وقال كذب عليك لعنة الله" انھیں زیاد پر پھینکا اور کہا تم جھوٹ بولتے ہو تم پر اللہ کی لعنت ہو۔ (البدایہ والنہایہ ص ۵۱ ج ۸)

زیاد جب بصرہ جانے لگے تو کوفہ پر حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کیا۔ یہ ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ انھوں نے قاتلان عثمان اور سبائیوں کی حجر بن عدی کے پاس بکثرت آمد و رفت دیکھ کر انھیں سمجھانے کی کوشش کی...... لیکن بے سود...... پھر جب حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ خطبہ جمعہ کے لیے منبر پر بیٹھے تو حجر بن عدی نے اپنا عمل پھر دہرایا...... ابو حنیفہ دینوری لکھتے ہیں کہ:

((فحصبوه فنزل من المنبر فدخل القصر واغلق بابه)) (اخبار الطوال ص ۲۲۳)

''حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں نے ان پر بھی کنکریاں پھینکیں یہ منبر سے اتر کر قصر امارت میں گئے اور دروازہ بند کر دیا۔''

ان حالات کی جب زیاد کو اطلاع ہوئی تو وہ واپس کوفہ آئے اور مشہور صحابی عدی بن حاتم، جریر بن عبداللہ بجلی، خالد بن عرفطہ ازدی رضی اللہ عنہم اور چند دیگر شرفائے کوفہ کو اتمام حجت کے لیے حجر بن عدی کے پاس بھیجا...... لیکن حجر ان سب حضرات کے ساتھ اپنے ہی گھر میں عدم توجہی کے ساتھ پیش آئے اور یہ وفد اپنے

مشن میں نا کام ہو کر واپس آ گیا۔

جمعہ کے دن حجر بھرپور تیاری کے ساتھ مسجد میں آئے۔ زیاد نے خطبہ میں حالات پر روشنی ڈالی۔ مفسدین کو نتائج سے خبردار کیا۔ حجر نے اس موقع پر بھی حسب معمول زیاد پر سنگ باری کی۔ زیاد نے پھر صبر و ضبط سے کام لیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حالات سے آگاہ کیا۔ تو انھوں نے زیاد کو جواباً لکھا کہ حجر کو میرے پاس بھیج دیا جائے۔ اس حکم کی تعمیل میں زیاد نے حجر کو بلانے کے لیے چند آدمی بھیجے تو انھوں نے نہ صرف آنے سے انکار کیا بلکہ ان سب کو برا بھلا کہا اور گالیاں دیں۔ (طبری ص ۱۹۱ ج ۴)

زیاد نے دوبارہ ایک جماعت کو گرفتاری کے لیے بھیجا تو ان کے ساتھ مسلح تصادم پر اتر آئے اور فریقین کے درمیان لاٹھیوں اور پتھروں کا تبادلہ ہوا۔ حتیٰ کہ سرکاری فوج عاجز اور نا کام ہوئی۔ اس جھڑپ میں حجر کا ایک ساتھی عمرو بن حمق فرار ہو گیا مگر حجر گرفتار نہ ہو سکے۔

پھر زیاد نے محمد بن اشعث کو ایک لشکر دے کر بھیجا اور بالآخر وہ گرفتار ہو گئے۔ زیاد نے کوفہ کے رئیسوں سے کہا "اشهدوا علی حجر بما رأيتم منه" تم نے حجر کے متعلق جو کچھ دیکھا ہے اس کی شہادت دو۔ انھوں نے کہا حجر نے اپنے پاس لوگوں کو جمع کر لیا ہے۔ خلیفہ وقت پر علانیہ سب وشتم کرتے ہیں۔ لوگوں کو جنگ پر اکساتے ہیں۔ اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ

((ان هذا الامر لا يصلح الا فی ال ابی طالب...... وان هٰؤلاء النفر الذين معه هم رؤس اصحابه وعلی مثل رايه)) (طبری ص ۱۵۰ ج ۶)

"آل ابی طالب کے علاوہ خلافت کا کوئی مستحق نہیں۔ اس کے ساتھی اس کی جماعت کے سربرآوردہ لوگ ہیں اور وہ بھی اسی رائے اور عقیدے پر ہیں۔"

مورخین نے گواہوں کی تعداد ستر بتائی ہے ان میں پانچ نام اصحاب رسول کے ہیں: وائل بن حجر، کثیر بن شہاب، عامر بن مسعود، محرز بن حارثہ اور عبیداللہ بن مسلم رضی اللہ عنہم۔ زیاد نے حجر اور ان کے بارہ ساتھیوں کو گواہوں کی رپورٹ کے ساتھ وائل بن حجر اور کثیر بن شہاب رضی اللہ عنہما کی زیر تحویل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تحریری شہادت ملاحظہ کرنے کے بعد براہِ راست موجود گواہوں سے شہادت لی۔ جرم ثابت ہونے پر ان کے قتل کا حکم صادر کر دیا۔ حجر سمیت چھ افراد کو بمقام عذراء قتل کر دیا گیا۔ اور باقی قیدیوں کی سزا معاف کر دی گئی کیونکہ ان کے متعلق ان ہی گواہوں نے جو انھیں لے کر آئے تھے سفارش کی تھی اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ لوگ آئندہ اپنی باغیانہ سرگرمیاں ختم کر دیں گے۔ جبکہ حجر سے اس قسم کی کوئی توقع نہیں تھی۔ علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے ارقم، ابوالاعور اسلمی نے عتبہ بن اخنس، حمزہ بن مالک ہمدانی نے سعد بن نمران،

حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ابن حوبہ کے لیے سفارش کی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان تمام کی سفارش قبول کر کے انھیں چھوڑ دیا۔'' (تاریخ الکامل، ابن اثیر ص ۴۸۴ ج ۳ ذکر مقتل حجر بن عدی ۵۱ ھ)

اس حوالے سے یہ بات بھی واضح ہوگئی ہے کہ زیاد نے جن لوگوں کی زیر نگرانی حجر بن عدی اور ان کے رفقاء کو شام بھیجا تھا ان کی آپس میں کوئی عداوت نہیں تھی ورنہ کوئی بھی کسی کی سفارش نہ کرتا۔ صرف مالک بن ہبیرہ سکونی کی سفارش حجر کے حق میں رد کی گئی۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حجر بن عدی کو بغاوت پر اکسانے والے اور ان کے خلاف گواہی دینے والے بھی کوفی تھے۔ حجر نے خود بھی اس کا اقرار کیا تھا:

((ثم قال اللهم انا نستعينك على امتنا فان اهل الكوفة شهدوا علينا وان اهل الشام يقتلوننا)) (تاریخ کامل، ابن اثیر ص ۴۸۵ ج ۳)

''(حجر نے قتل کے وقت یہ دعا کی) اے اللہ! ہم اپنے لوگوں کے خلاف تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ یقیناً کوفیوں نے ہمارے خلاف گواہیاں دیں اور شامیوں نے ہمیں قتل کر دیا۔''

کوفیوں کی غداری کا یہ کوئی پہلا موقع نہیں تھا ان کی ساری تاریخ ہی غداری کے واقعات سے پر ہے۔ حضرت علی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما کے ساتھ غداری کی۔ بعد میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی غداری پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ قد خذلتنا شيعتنا کہ ہمیں ہمارے شیعوں نے ہی ذلیل و رسوا کر دیا ہے۔ شہادت حسین کے بعد سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے بھی کوفیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ:

''تم ہم پر گریہ و نالہ کرتے ہو خود تم ہی نے ہمیں قتل کیا اور خود ہی روتے ہو۔'' (جلاء العیون ص ۲۷۰ ج ۲)

اس سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ حجر بن عدی کے اصل قاتل ان کے اپنے ساتھی کوفی ہی ہیں۔ یہی بات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمائی تھی: "لست انا قتلتهم انما قتلهم من شهد عليهم" میں نے انھیں قتل نہیں کیا بلکہ انھیں ان لوگوں نے قتل کیا ہے جنھوں نے ان کے خلاف شہادت دی ہے۔ (طبری ص ۲۰۸ ج ۴)

ہر منصف مزاج شخص حجر بن عدی کے کردار کی روشنی میں بآسانی فیصلہ کر سکتا ہے کہ اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کس قدر قصور وار تھے؟ ان کے بدترین مخالف کو بھی یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ اور امیر زیاد صبر و تحمل اور حوصلہ مندی کے پہاڑ تھے۔ لیکن ایک مودودی صاحب اور ان کے ہم خیال حضرات ہیں جو ان حقائق کے باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کو مجرم گردانے ہوئے ہیں۔

حجر بن عدی کے قتل کے بعد باغیانہ سرگرمیاں کچھ عرصہ کے لیے ماند پڑ گئیں اور سازشی عناصر خفیہ کارروائیوں میں مصروف ہو گئے۔ حجر کے بیٹے عبداللہ اور عبدالرحمٰن بھی ان ہی نظریات کے حامل تھے اور اپنے آپ کو متشیع کہتے تھے۔ انھوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے خلاف بغاوت کا ارتکاب کیا تھا

جنھیں اس جرم کی پاداش میں مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا۔ حجر کی طرح اگر ان کے بیٹے بھی بے قصور ہی قتل کر دیے گئے تو پھر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بارے میں کیا فتویٰ ہوگا؟

مودودی صاحب نے اس بحث کے آخر میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

"قتل سے پہلے جلادوں نے ان کے سامنے جو بات پیش کی وہ یہ تھی کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم علی سے براءت کا اظہار کرو اور ان پر لعنت بھیجو تو تمھیں چھوڑ دیا جائے ورنہ قتل کر دیا جائے۔ ان لوگوں نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا اور حجر نے کہا میں زبان سے وہ بات نہیں نکال سکتا جو رب کو ناراض کرے۔"

(خلافت وملوکیت ص ۱۶۵)

موصوف یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حجر کے خلاف یہ ساری کارروائی صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لعنت بھجوانے کے لیے کی گئی تھی۔ جس نے لعنت بھیجی اسے چھوڑ دیا گیا اور جس نے انکار کیا اسے قتل کر دیا گیا۔ کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ حجر کے جن ساتھیوں کو رہا کیا گیا انھوں نے سب علی کا ارتکاب کیا تھا؟ کیا حجر اور ان کے چند ساتھیوں کے علاوہ بقایا تمام حضرات سب علی کے گناہ میں ملوث تھے؟ معلوم نہیں کہ موصوف کذابوں اور دجالوں کی روایات پر اعتماد کر کے صحابہ کے خلاف نفرت کیوں پھیلاتے ہیں؟

یہ روایت (کہ جلادوں نے حجر کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لعنت بھیجنے کا حکم دیا تھا) بھی طبری نے ابومخنف سے نقل کی ہے جس کا حدود اربعہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے۔ اس ذات شریف کا نام ہی (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف) روایت کے جھوٹا ہونے کے لیے کافی ہے۔

موصوف نے اس واقعہ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی افسردگی کا بھی ذکر کیا۔ (حوالہ مذکور) لیکن جب انھیں اصل حقائق کا علم ہوا تو انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا عذر قبول کر لیا۔ "فلما اعتذر الیها عذرته"

(البدایہ والنہایہ ص ۵۵ ج ۸)

ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حجر اور ان کے ساتھیوں کے قتل کے متعلق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا تو امیر المومنین نے کہا "انی رایت فی قتلهم صلاحا للامة......" (حوالہ مذکور) میں نے ان کے قتل میں امت کی بہتری اور ان کے چھوڑ دینے میں امت کا فساد محسوس کیا۔ "انی وجدت قتل رجل فی صلاح الناس خیرا من استحیائه فی فسادهم" (حوالہ مذکور) لوگوں کی بہتری اور خیر خواہی کے لیے ایک شخص کو قتل کر دینا اس سے بہتر ہے کہ اسے عوام کے فساد کے لیے زندہ چھوڑ دیا جائے۔

مخالفین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب اس روایت کا بھی بہت چرچا کرتے ہیں کہ

((سیقتل بعذراء ناس یغضب الله لهم واهل السماء)) (المعرفہ والتاریخ، بسوی ص ۳۲۰)

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب عذرا کے مقام پر کچھ لوگ قتل کیے جائیں گے ان کے اس قتل پر اللہ تعالیٰ اور آسمان والے بہت غضبناک ہوں گے۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں کہ: "هذا اسناد ضعيف منقطع" اس کے راویوں میں ضعف اور سلسلہ سند میں انقطاع پایا جاتا ہے۔

مودودی صاحب حسن بصری رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے چار افعال ایسے ہیں کہ اگر کوئی شخص ان میں سے کسی ایک کا بھی ارتکاب کرے تو وہ اس کے حق میں مہلک ہو۔ ایک ان کا اس امت پر تلوار سونت لینا اور مشورے کے بغیر حکومت پر قبضہ کر لینا درآں حالے کہ امت میں بقایائے صحابہ موجود تھے۔ دوسرے ان کا اپنے بیٹے کو جانشین بنانا حالانکہ وہ شرابی اور نشہ باز تھا۔ ریشم پہنتا اور طنبورے بجاتا تھا۔ تیسرے ان کا زیاد کو اپنے خاندان میں شامل کرنا حالانکہ نبی کا صاف حکم موجود تھا کہ اولاد اس کی ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہو اور زانی کے لیے کنکر پتھر ہیں۔ چوتھے ان کا حجر اور ان کے ساتھیوں کا قتل کر دینا۔'' (خلافت وملوکیت ص ۱۶۵، ۱۶۶)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ ایسی لغو، بے بنیاد اور خلاف حقیقت بات ہرگز نہیں کہہ سکتے اور یہ روایت ان کی طرف بلاشبہ کسی مجوسی کی منسوب کردہ ہے۔

موصوف نے اس کے لیے ابن اثیر اور ابن کثیر رحمہما اللہ کا حوالہ دیا ہے جنھوں نے اسے بلا سند نقل کیا ہے جبکہ ان دونوں کا ماخذ تاریخ طبری ہے۔ اور طبری کی اس روایت کی سند میں جناب حضرت ابومخنف لوط بن یحییٰ کذاب، رافضی اور بدترین دشمن صحابہ راوی تشریف فرما ہیں۔ ان کی موجودگی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف روایت کی صحت کا اقرار کوئی ''مودودی'' ہی کر سکتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ مشاجرات صحابہ کے بارے میں ''کف لسان'' کے قائل تھے۔ چنانچہ امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حسن بصری رحمہ اللہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے باہمی قتال کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

((قال شهده اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم وغبنا وعلموا وجهلنا واجتمعوا فاتبعنا واختلفوا فوقفنا قال المحاسبی فنحن نقول كما قال الحسن))

(جامع الاحکام القرآن ص ۳۲۲ ج ۱۶)

''یہ وہ جنگیں ہیں جن میں صحابہ موجود تھے اور ہم غائب تھے۔ وہ حالات سے آگاہ تھے اور ہم بے خبر۔ جن امور میں وہ اکٹھے رہے ہم ان کی اتباع کرتے ہیں اور جن جن امور میں مختلف ہوئے ہم ان میں توقف اختیار کرتے ہیں (کسی کو برا نہیں کہتے) حضرت محاسبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم بھی وہی بات کہتے ہیں جو حسن

بصری رحمہ اللہ نے کہی۔''

ایک اور موقع پر جب حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے کہا گیا کہ کچھ لوگ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ معاویہ اوراس کا گروہ جہنم میں جائے گا تو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے غضب ناک ہو کر کہا:

((لعنهم الله وما يدريهم انهم فی النار))

''ایسے لوگوں پر اللہ کی پھٹکار ہو انھیں کیوں کر معلوم ہوا کہ وہ جہنم میں ہیں۔''

ان اقوال کی روشنی میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا اپنا نظریہ واضح ہو گیا اور جو مودودی صاحب نے ان کا قول نقل کیا ہے تو وہ یقیناً کسی مجوسی، یہودی اور سبائی (ابومخنف لوط بن یحییٰ) راوی کا آں موصوف پر بہتان ہے۔

(۵۳) عمرو بن حمق کا قتل

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انھوں نے عہد جاہلیت کے وحشیانہ طریقے (لاشوں کی بے حرمتی اور سر کٹوا کر اسے سر عام گشت کرانا) کے تحت عمرو بن حمق کو قتل کے بعد ان کے سر کو گشت کرایا۔ چنانچہ جناب مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''سر کاٹ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنے اور انتقام کے جوش میں لاشوں کی بے حرمتی کرنے کا وحشیانہ طریقہ بھی جو جاہلیت میں رائج تھا اور جسے اسلام نے مٹا دیا تھا۔ اس دور میں مسلمانوں کے اندر شروع ہوا...... (حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے سر کے بعد) دوسرا سر عمرو بن حمق کا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں سے تھے۔ مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں انھوں نے بھی حصہ لیا تھا۔ زیاد کی ولایت عراق کے زمانہ میں ان کو گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی وہ بھاگ کر ایک غار میں چھپ گئے وہاں ایک سانپ نے ان کو کاٹ لیا اور وہ مر گئے۔ تعاقب کرنے والے ان کی مردہ لاش کا سر کاٹ کر زیاد کے پاس لے گئے۔ اس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس دمشق بھیج دیا۔ وہاں اسے برسر عام گشت کرایا گیا اور پھر لے جا کر ان کی بیوی کی گود میں ڈال دیا گیا۔''

(خلافت وملوکیت ص ۱۷۷)

موصوف کے وکیل صفائی ملک غلام علی صاحب اسی واقعہ کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ:

''لاش کا مثلہ اسلام میں جائز نہیں۔ صحابہ کرام کفار کے ہاتھوں شہید ہوئے، ان کا مثلہ کیا گیا، کلیجے چبائے گئے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کی لاشوں کو رسوا کرنے سے ہمیشہ منع فرمایا۔''

(خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ص ۳۳۳)

پیچھے حجر بن عدی کی باغیانہ سرگرمیاں گزر چکی ہیں۔ عمرو بن حمق بھی ان کے اعوان و انصار میں سے تھے اور ان باغیانہ سرگرمیوں میں برابر کے شریک تھے۔ جب حجر کو گرفتار کیا گیا تو یہ اس موقع پر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((انه كان من اعوان حجر بن عدى فلما قبض زياد علىٰ حجر بن عدى و ارسله مع اصحابه الى الشام هرب عمرو بن حمق)) (الاصابہ مع الاستیعاب ص ۵۳۳ ج ۲)

مودودی صاحب نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ زیاد نے انھیں گرفتار کرنے کی کوشش کی لیکن وہ بھاگ گئے۔ ان کے فرار ہونے سے بھی ان کے جرائم کی نشاندہی ہوتی ہے۔ نیز موصوف نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ انھوں نے ''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں حصہ لیا تھا'' گویا قتل عثمان کوئی بہت ہی ''خیر اور ثواب'' کا کام تھا

جس میں انھوں نے حصہ لیا تھا۔ اسی لیے مودودی صاحب کو عمرو بن حمق کے قتل کا رنج بھی بہت زیادہ ہے۔

جس روایت میں قتل کا ذکر ہے تو اس میں سر کاٹنے اور اسے گشت کرانے کا کوئی ذکر ہی نہیں...... موصوف چونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر عہد جاہلیت کے وحشیانہ طریقے کا الزام عائد کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے انھوں نے اپنے محبوب مفسر، محدث اور مورخ طبری کی روایت کو نظرانداز کر دیا اور ابن کثیر رحمہ اللہ کی ایک بے سند روایت کا سہارا لے لیا۔ جس میں سر کاٹنے کا تو ذکر ہے لیکن قتل کے بجائے سانپ کے ڈسنے سے موت کا واقع ہونا بتلایا گیا۔ مودودی صاحب کا ذہن شاید اس طرف نہیں گیا ورنہ وہ یہ بھی لکھ دیتے کہ غار میں سانپ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھیجا تھا۔

عمرو بن حمق کا قتل عثمان میں حصہ لینا قوی دلائل سے ثابت ہے اسی لیے موصوف اس کا انکار نہ کر سکے۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ:

((كان فى من سار الى عثمان واعان على قتله)) (طبقات ابن سعد ص ۱۵ ج ۶)

''یہ ان چار میں سے ایک تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حملہ آور ہوئے۔''

مورخ طبری لکھتے ہیں کہ:

''عمرو بن حمق بھی ان لوگوں میں سے تھے جو دیوار پھاند کر قصر خلافت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لیے داخل ہوئے اور یہی وہ شخص تھے جنھوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے سینے پر بیٹھ کر نیزے کے نو وار کیے تھے۔'' (طبری ص ۴۲۴ ج ۳)

جہاں تک ان کے صحابی ہونے کا تعلق ہے اگرچہ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کی صحابیت کے متعلق دو قول ذکر کیے ہیں ایک یہ کہ حدیبیہ کے زمانے میں اسلام لائے اور دوسرا یہ کہ حجۃ الوداع کے موقع پر اسلام قبول کیا۔ لیکن یہ دونوں قول قتل عثمان میں شرکت کی وجہ سے مشکوک و مشتبہ قرار پاتے ہیں۔ کیونکہ علماء اور مورخین نے صراحت کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ قاتلین عثمان میں کوئی بھی صحابی نہیں تھا۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے...... شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت بالاجماع صحیح ہے اور آپ ظلماً قتل ہوئے اور آپ کے قاتل فاسق تھے۔ کیونکہ قتل کے موجبات مضبوط ہونے چاہییں۔ اور آپ سے ایسی کوئی چیز سرزد نہیں ہوئی (جس کی بنا پر آپ کا قتل جائز ہوتا) "ولم يشارك فى قتله احد من الصحابة وانما قتله همج ورعاع من غوغاء القبائل وسفلة الاطراف والاراذل" اور آپ کے قتل میں کوئی صحابی شریک نہیں تھے۔ بلکہ آپ کے قاتلین کمینہ، ذلیل صفت، اوباش اور اطراف و جوانب کے سفلہ خصلت رذیل لوگ تھے۔'' (قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین ص ۱۴۴)

علامہ ابن العربی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((ان احدا من الصحابة لم يسع عليه ولا قعد عنه)) (العواصم من القواصم ص۱۳۶)

''بلاشبہ کوئی صحابی بھی نہ تو آپ کی مخالفت میں سرگرم عمل ہوئے اور نہ آپ کی حمایت وحفاظت ہی کے فریضہ سے کنارہ کش ہوئے۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((واما ما يذكره لبعض الناس من ان بعض الصحابة اسلمه ورضى بقتل عثمان بل كلهم كرهه ومقته وسب من فعله)) (البدایہ والنہایہ ص۱۹۷ ج۷)

''یہ جو بعض لوگ ذکر کرتے ہیں کہ بعض صحابہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو باغیوں کے حوالے کر دیا تھا اور آپ کے قتل سے وہ خوش تھے۔ تو یہ بات کسی بھی صحابی سے صحیح طور پر ثابت نہیں۔ بلکہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کے قتل کو نفرت اور کراہت کی نگاہ سے دیکھا اور قاتلوں سے بہت ناراض ہوئے۔ اور جن لوگوں نے آپ کو قتل کیا ان کے اس غلط فعل کی وجہ سے انھیں برا بھلا کہا۔''

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((ان خيار المسلمين لم يدخل واحد منهم فى دم عثمان لا قتل ولا امر بقتله وانما قتله طائفة من المفسدين فى الارض من اوباش القبائل واهل الفتن))

(منہاج السنہ ص۱۸۶ ج۲)

''حقیقت یہ ہے کہ اچھے مسلمانوں میں سے ایک بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک نہیں ہوا۔ نہ تو خود قتل کیا اور نہ قتل کا حکم دیا بلکہ انھیں مفسدین کی ایک جماعت نے شہید کیا جو اوباش قبائل اور فتنہ پرداز لوگوں پر مشتمل تھی۔''

اب اگر عمرو بن حمق کو صحابی تسلیم کیا جائے تو وہ قاتل عثمان نہیں ہو سکتے۔ اور اگر انھیں قاتل عثمان مانا جائے تو وہ صحابی نہیں ہو سکتے جبکہ ان کا قاتلین عثمان میں سے ہونا ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔

ان کے قتل کے بارے میں بھی دو روایات ہیں۔ ایک تو وہی ہے جسے مودودی صاحب نے نقل کیا ہے اور دوسری ابن اثیر اور طبری کی ہے:

''جب زیاد نے حجر بن عدی کو گرفتار کر لیا تو اب ان کے ساتھیوں کی تلاش شروع ہوئی۔ عمرو بن حمق رفاعہ بن شداد کے ساتھ موصل پہنچ گئے اور دونوں وہاں ایک پہاڑی میں روپوش ہو گئے۔ موصل کے گورنر کو جب اس بات کا پتا چلا تو انھیں گرفتار کرنے کے لیے ایک دستہ بھیجا۔ عمرو کے پیٹ میں پانی پڑ گیا تھا۔ اس لیے وہ مقابلے پر قادر نہ تھا جبکہ اس کا ساتھی مضبوط اور طاقتور تھا۔ وہ لڑائی کے لیے تیار ہوا لیکن عمرو کے مشورہ

پر جان بچا کر فرار ہو گیا اور عمرو گرفتار ہو کر گورنر موصل کے پاس پہنچا دیے گئے۔ انھوں نے پہچاننے کے باوجود از خود کوئی کارروائی نہیں کی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ہدایات طلب کیں تو انھوں نے جواب دیا کہ عمرو بن حمق نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر نیزے سے نو وار کیے تھے۔ تم بھی اسے بالکل ویسی ہی سزا دو۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ "فمات فی الاولیٰ منهن او الثالثة" پس وہ پہلے یا تیسرے وار میں مر گیا۔"

(تاریخ طبری ص ۱۴۸ ج ۶۔ ابن اثیر ص ۱۸۷ ج ۳)

امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے گورنر موصل کی طرف یہ خط لکھا کہ:

((انه زعم انه طعن عثمان تسع طعنات بمشاقص و نحن لا نعتدی علیه فاطعنه کذلك ففعل به ذلك فمات فی الثانیة)) (تاریخ اسلام، ذہبی ص ۲۳۵ ج ۲)

"عمرو بن حمق نے یہ کہا ہے کہ اس نے حضرت عثمان پر نو زخم لگائے تھے اور ہم اس پر کوئی زیادتی نہیں کرنا چاہتے۔ تم بھی اسے بھالے کے نو زخم ہی لگانا۔ اس عامل نے اسی طرح کیا مگر وہ دوسرے حملے ہی میں مر گئے۔"

اس روایت میں نہ سر کاٹنے کا ذکر ہے نہ دمشق بھیجنے کا اور نہ اسے گشت کرانے کا کوئی اشارہ ہے اور عمرو بن حمق کے ساتھ وہی سلوک کیا گیا جس کے وہ مستحق تھے۔

ابن حبان کہتے ہیں کہ وہ موصل کی طرف بھاگ گئے اور وہاں ایک غار میں گھس گئے۔ وہاں ایک سانپ نے ان پر حملہ کیا جس سے وہ مر گئے۔ جب لوگ ان کی تلاش میں غار میں گئے تو انھیں مردہ پایا۔ (امام ذہبی اور ابن کثیر رحمہما اللہ نے بھی تقریباً یہی الفاظ لکھے ہیں)۔

(کتاب الثقات، ابن حبان ص ۲۷۵ ج ۳۔ تاریخ اسلام، ذہبی ص ۲۳۵ ج ۲۔ البدایہ والنہایہ ص ۴۸ ج ۸)

البتہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اتنا اضافہ کیا ہے کہ "فقطع راسه فبعث الی معاویة" پھر ان کا سر کاٹ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا گیا۔

ابن کثیر رحمہ اللہ کی یہ روایت بلا سند ہے لیکن اس سے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کوئی الزام عائد نہیں ہوتا کیونکہ انھوں نے ایسا کرنے کا کوئی حکم نہیں دیا تھا۔ یعقوب بن سفیان بسوی لکھتے ہیں کہ

((وذلك انه لدغ فمات فخشت الرسل ان تتهم به فقطعوا راسه فحملوه))

(المعرفہ والتاریخ ص ۸۱۳ ج ۳)

"اور وہ سانپ کے ڈسنے سے مر گئے۔ قاصد ڈرے کہ انھیں اس سلسلے میں کسی شبہ سے نہ دیکھا جائے سو انھوں نے ان کا سر کاٹا اور وہ خود اسے لے کر وہاں گئے۔"

اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ سر کاٹنے کا عمل کارندوں کا ذاتی ہے۔ پھر سر کاٹنے کی عہد جاہلیت کی

یہ ''وحشیانہ کارروائیاں'' حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی وقوع پذیر ہوتی رہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال کی کوئی سرزنش بھی نہیں کی۔ ''بسر بن ارطاۃ'' کے مظالم کے تحت پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عامل جاریہ بن قدامہ کی ''وحشیانہ کارروائیاں'' گزر چکی ہیں۔

علاوہ ازیں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ یکے از عشرہ مبشرہ کے سر کے ساتھ یہی وحشیانہ کارروائی ہوئی۔ چنانچہ امام ابن سعد رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک سپاہی عمرو بن جرموز نے قتل کیا اور ان کا سر تن سے جدا کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا۔'' (طبقات ابن سعد ص۱۱۲ ج۳)

صحابی رسول کی لاش کی بے حرمتی کا یہ واقعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ''دور ملوکیت'' کا نہیں بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور کا ہے...... اگر اسلام نے اس وحشیانہ سلوک کو مٹا دیا تھا تو مودودی صاحب کا یہ لکھنا غلط ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں شروع ہوا کیونکہ اس جاہلی طریق کا ثبوت تو دور مرتضوی میں بھی ملتا ہے۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کیا سر کاٹنا ہر حالت میں ہی وحشیانہ کارروائی ہے؟ اگرچہ عندالشرع سر کاٹنا ضروری نہیں لیکن کسی ملّی ضرورت اور مصلحت کے تحت ایسا کرنا ناگزیر ہو جائے تو اس کی شرعاً کوئی ممانعت بھی نہیں ہے۔

غزوۂ بدر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کا سر کاٹ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ (سیرت النبی از شبلی نعمانی ص۳۰۳ ج۱)

اکبر شاہ خان نجیب آبادی لکھتے ہیں کہ:

''لشکر اسلام فتح حاصل کر چکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ابوجہل کی نسبت تحقیق کرو۔ اس کی لاش میدان میں ہے یا نہیں؟...... یہ حکم پاتے ہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مقتولین کی لاشیں دیکھنے کو چلے۔ ابوجہل کو دیکھا کہ نیم مردہ پڑا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے سینے پر چڑھ بیٹھے اور کہا او دشمن خدا! دیکھ تجھ کو خدا نے کیسے ذلیل کیا...... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کا سر کاٹ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور آپ کے پاؤں میں ڈال دیا۔ آپ نے ابوجہل کا سر دیکھ کر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔''

(تاریخ اسلام ص۱۵۹ ج۱)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما لکھتے ہیں کہ:

''تین آدمی مسجد کے دروازے پر بیٹھے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور ان سے کہا اٹھو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھو۔ اس پر دو آدمی تو اٹھ کر اندر چلے گئے مگر ایک شخص جس کا نام ابوجحش لیثی تھا بیٹھا رہا اور کہنے لگا کہ میں اس وقت اندر جاؤں گا جب کوئی شخص مجھے گرا کر میرا منہ مٹی پر رگڑے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے اسے دبوچ لیا اور گرا کر اس کا منہ مٹی پر رگڑا...... آپؐ نے جب یہ واقعہ سنا تو فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے بہت خوشی ہوتی اگر تم اس خبیث کا سر قلم کر کے میرے پاس لاتے۔'' (ازالۃ الخفا فصل ہشتم ص ۴۶۵ ج ۲)

اس سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ سر کاٹنا ہر حالت میں وحشیانہ کارروائی نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو عہد رسالت مآب اور عہد خلافت راشدہ میں یہ مثالیں نہ پائی جاتیں۔

مودودی صاحب کو یہ تو علم ہوگیا کہ عمرو بن حمق ایک صحابی ہیں اور قتل عثمان میں بھی شریک ہیں۔ لہٰذا ان کے ساتھ یہ وحشیانہ سلوک نہیں ہونا چاہیے تھا...... لیکن صد افسوس انھیں کسی نے یہ نہیں بتایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نہ صرف ایک صحابی بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سربراہ اور خلیفۃ المسلمین ہیں۔ ان کا قتل بغیر کسی وجہ کے، مرکز اسلام مدینہ منورہ میں، روضۂ رسول کے سایے میں، تلاوت قرآن کرتے ہوئے اور بحالت روزہ انتہائی سفاکی اور درندگی کے ساتھ قتل ہے اور اس پر امام و خلیفہ کی بے حرمتی، شہر حرام ذوالحجہ کی بے حرمتی اور ادارہ خلافت کی بے حرمتی مستزاد ہے۔ تو جس شخص نے خلیفہ مظلوم، امام الصحابہ کے دل و جگر پر نیزے کے نو وار کیے ہوں، ان کی پسلیاں توڑی ہوں، ان کے قتل میں اعانت کی ہو اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ناکام بنانے کے لیے بارہا بغاوت کا مرتکب ہوا ہو۔ اسے سانپ نے ڈس کر ہلاک کیا ہو یا وہ عدل و انصاف کے تقاضوں کے مطابق نیزے کے ایک یا دو وار سے انجام تک پہنچا دیا گیا ہو تو اس پر مودودی صاحب کا یہ واویلا کرنا درحقیقت قاتلین عثمان کے ساتھ اظہار ہمدردی ہے۔

(۵۴) استخلاف یزید

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر سب سے اہم اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انھوں نے خلافت کو موروثی بنانے کی خاطر اپنے بعد اپنے بیٹے زیاد کو ولی عہد مقرر کیا۔ چنانچہ ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں کہ:

''ازاں جملہ بنی امیہ کا سب سے بڑا ظلم جو انھوں نے اسلام پر کیا تھا یہ تھا کہ خلافت راشدہ اسلامیہ کو جس کی بنا اجماع و مشورہ مسلمین پر تھی حکومت شخصی و مستبدہ و سلطنت ملکیہ و سیاسیہ میں تبدیل کر دیا۔ اور حکومت کی بنیاد شریعت پر نہیں رکھی بلکہ محض قوت اور سیاست پر۔ اور تاریخ اسلام تمام صغار و کبار و اعالی و ادانی اس پر متفق ہیں اور تمام اہل سنت و الجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ ایک سخت بدعت تھی اور مطابق ارشاد صادق و مصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام ''ملک عضوض'' کا آغاز تھا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سدباب کا پہلا دن ہے اور یہی دن ہے کہ تاریخ اسلام ہمیشہ اس پر ماتم و فریاد کرے گی۔''

(الہلال ص ۶۴۲ ج ۲ مطبوعہ مکتبہ الہلال شاہ عالم مارکیٹ لاہور)

جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''یزید کی ولی عہدی کے لیے ابتدائی تحریک کسی صحیح جذبے کی بنیاد پر نہیں ہوئی تھی بلکہ ایک بزرگ (حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ) نے دوسرے بزرگ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کے ذاتی مفاد سے اپیل کر کے اس تجویز کو جنم دیا۔ اور دونوں صاحبوں نے اس بات سے قطع نظر کر لیا کہ وہ اس طرح امت محمدیہ کو کس راہ پر ڈال رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ یزید بجائے خود اس مرتبے کا آدمی نہ تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے قطع نظر کرتے ہوئے کوئی شخص یہ رائے قائم کرتا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد امت کی سربراہی کے لیے وہ موزوں ترین آدمی ہے۔'' (خلافت و ملوکیت ص ۱۵۰)

موصوف نے نہ صرف مسئلہ ولی عہدی پر اعتراض کیا ہے بلکہ صحابہ پر طمع و لالچ، بزدلی، حمایت باطل، خود غرضی اور مفاد پرستی کے الزامات بھی عائد کیے ہیں...... یہاں صرف مسئلہ ولی عہدی کی شرعی حیثیت اور امیر یزید کی اہلیت خلافت پر مختصر بحث ملاحظہ فرمائیں:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی رسول ہیں۔ انھوں نے امت کی خیر خواہی، دورِ فتن کے مخصوص حالات اور مسلمانوں میں آیندہ اختلاف و انتشار سے بچنے کے لیے اس وقت کے اہل حل و عقد کی رائے کے مطابق نیک نیتی سے یہ کام سرانجام دیا۔ جسے خلاف اسلام اور شریعت کے متصادم ہرگز قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اسلام میں تقرر خلیفہ کی چار شرعی صورتیں ہیں:

پہلی صورت نص شارع علیہ السلام جیسے "الائمة من قریش"

دوسری صورت یہ ہے کہ خلیفہ سابق کسی کو اپنے بعد معین و نامزد کرے۔

تیسری صورت اہل حل و عقد (اہل رائے، اہل علم، اہل عدل جو ملکی معاملات و سیاسیات پر درک و بصیرت رکھتے ہوں) کسی کو باہمی مشورے سے خلیفہ مقرر کر دیں جو شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ، أَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ اور امورکم شوریٰ بینکم سے مستفاد ہے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ کوئی عادل مسلمان کسی ظالم، فاسق اور محرف دین حاکم کو ہٹا کر خود تسلط و غلبہ حاصل کر لے۔

ان چاروں طریقوں میں سے مسلمانوں کا امام و خلیفہ جس طریقہ سے بھی مقرر ہو شرعاً جائز اور صحیح ہے۔

اہل سنت کی کتب عقائد میں تقرر امام و خلیفہ کی یہ چاروں صورتیں موجود ہیں۔

(النبراس شرح لشرح العقائد ص ۵۳۸، ازالۃ الخفاص ۲۳، ۲۴ ج ۱)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین میں سے کسی کا کوئی مستند و معتبر قول نہیں ملتا کہ کسی امام اور خلیفہ کے بعد اس کا کوئی رشتہ دار باپ، بیٹا، بھائی وغیرہ خلیفہ بنایا جائے تو اس کی خلافت ناجائز اور خلاف شرع ہوگی۔ بلکہ اس کے برعکس اس کے جواز کا ثبوت ملتا ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"کسی خلیفہ اور امام کی خلافت و امامت اہل سنت کے نزدیک یا تو اہل حل و عقد (علمائے اہل عدل، اہل رائے) کے اختیار و انتخاب سے ثابت ہوتی ہے جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت ہے یا امام سابق کی نامزدگی اور معین کرنے سے خلافت ثابت ہوتی ہے۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نامزد کرنے سے ثابت ہوئی۔" (شرح فقہ اکبر ص ۱۷۵)

علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

"اسلام میں تقرر امام و خلیفہ کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ امام سابق کسی کو معین و نامزد کر دے اور اس کے جواز پر اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے۔" (النبراس ص ۵۲۸)

قاضی ابویعلی محمد بن حسین الفراء رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"خلیفہ کے لیے یہ بالکل جائز ہے کہ وہ اپنے بعد کسی شخص کو اپنا ولی عہد بنائے۔ اس معاملہ میں ارباب حل و عقد کی موجودگی ضروری نہیں اس لیے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا ولی عہد بنایا تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چھ صحابہ کو نامزد کیا تھا اور یہ نامزدگی کرتے وقت ارباب حل و عقد کی موجودگی کو ضروری نہیں سمجھا۔" (الاحکام السلطانیہ ص ۹ تحت فصول فی الامامہ)

امام ابن حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''پس ہمارے نزدیک امامت اور خلافت کا انعقاد کئی صورتوں سے صحیح ہوسکتا ہے ان میں سب سے پہلی اور سب سے افضل وصحیح صورت یہ ہے کہ مرنے والا خلیفہ اپنی مرضی سے کسی کو اپنی موت کے بعد خلیفہ مقرر کر جائے۔ اس نامزدگی میں یہ برابر ہے کہ وہ اپنی حالت صحت میں اس کو نامزد کرے یا اپنی بیماری میں اور یا اس دنیا سے رحلت کے وقت۔ کیونکہ نص اور اجماع کے لحاظ سے یہ کسی صورت میں بھی ناجائز اور منع نہیں ہے۔''

(الفصل فی الملل والنحل ص ۱۶۹ ج ۴)

علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''امام کی حقیقت یہی ہے کہ وہ قوم کے دینی و دنیوی مصالح پیش نظر رکھتا ہے۔ لہٰذا امام قوم کا بہی خواہ، مخلص، ہمدرد اور محافظ ہوتا ہے...... اپنی زندگی میں کسی کو اپنا جانشین مقرر کرنا ولی عہدی ہے اور نامزد شخص کو ولی عہد کہا جاتا ہے۔ شریعت مطہرہ میں اجماع سے ولی عہدی کا جواز و انعقاد ثابت ہے...... اس سلسلے میں امام پر بدگمانی روا نہیں۔ اگرچہ وہ اپنے باپ یا بیٹے ہی کو ولی عہد بنا جائے...... کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو صرف بیٹے کی ولی عہدی پر بدگمانی کرتے ہیں۔ حالانکہ کسی صورت میں بھی بدگمانی نہیں پیدا ہونی چاہیے خصوصاً جبکہ ولی عہدی کسی مصلحت یا کسی فساد سے بچنے کی غرض سے عمل میں لائی گئی ہو۔ ایسی صورت میں تو بدگمانی کا وہم بھی پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ عہد معاویہ میں ان کے بیٹے یزید کو ولی عہد بنایا گیا تھا کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ فعل لوگوں کے اتفاق کی وجہ سے اس معاملے میں ان کے لیے حجت تھا...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دوسروں کو چھوڑ کر یزید کو مصلحت کے تحت ولی عہد چنا تھا۔ کیونکہ بنی امیہ کے ارباب حل وعقد کا یزید کی ولی عہدی پر اتفاق ہوا تھا۔ کیونکہ اس وقت بنی امیہ اپنے سوا کسی اور کے لیے خلافت نہیں چاہتے تھے۔ بنو امیہ قریش تھے، انھیں تمام مسلمانوں کی حمایت حاصل تھی اور یہی ارباب اقتدار تھے، اس لیے ان ہی میں سے ولی عہد چنا گیا......

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہی حسن ظن رکھنا چاہیے کیونکہ آپ کی عدالت اور صحبت رسالت کا یہی تقاضا ہے اور پھر بڑے بڑے صحابہ کا اجماع اور ان کی خاموشی اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ اس سلسلے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بدگمانی سے بری ہیں کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ شان نہ تھی کہ وہ حق سے چشم پوشی فرمائیں اور مروت سے کسی کے ساتھ نرمی برتیں۔ اور نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کی یہ شان تھی کہ وہ اقتدار شاہی کے سامنے حق ماننے سے انکار کر دیں۔ تمام صحابہ کی شان بلند وممتاز ہے اور ان کی عدالت ان کے ساتھ اس قسم کی بدگمانیوں سے مانع ہے...... پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد اسی قسم کی ولی عہدی کا ظہور ان دیگر خلفاء سے بھی ہوا جو حق پسند ہونے کے علاوہ حق پر عامل بھی تھے۔'' (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۶، ۲۸ ج ۲ اردو مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی)

علمائے سلف کی ان تصریحات کے مطابق خلیفہ عادل کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ دیانتاً امت کی خیر

خواہی کے پیش نظر خلافت کے اہل کسی شخص کو اہل حل وعقد کی موجودگی کے بغیر بھی ولی عہد نامزد کر سکتا ہے۔ اگر چہ اس ولی عہد کے ساتھ اس کا باپ یا بیٹے کا رشتہ ہو...... البتہ خلیفہ کی وفات کے بعد ولی عہد کا مسلمانوں (اہل حل وعقد) کی رضامندی حاصل کرنا ضروری ہے۔

جہاں تک استخلاف یزید کا تعلق ہے تو اسے کسی طور پر بھی خلاف شرع نہیں قرار دیا جا سکتا...... یہ استخلاف با قاعدہ و باضابطہ طور پر اہل حق، اہل عدل، اہل رائے، اہل حل وعقد اور تمام صوبوں کے نمائندوں کے مشورے اور کامل استصواب عامہ کے بعد عمل میں آیا۔ جبکہ اس کے لیے خلیفہ کا اعلان اور صرف دمشق کے اہل حل وعقد کا مشورہ ہی کافی تھا......

یزید کی ولی عہدی پر یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ افضل اور بہتر لوگوں کی موجودگی میں غیر افضل کو ولی عہد کیوں بنایا گیا؟ یہ اعتراض بھی بالکل بے بنیاد ہے کیونکہ ان کے اس فعل سے پہلے حضرت حسن رضی اللہ عنہ صرف کوفہ کے اہل حل وعقد کی رائے و مشورہ سے خلیفہ مقرر ہو چکے تھے۔ حالانکہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ان سے افضل لوگ موجود تھے۔ پھر جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کی تو ان سے بھی افضل لوگ بقید حیات تھے۔

علامہ ماوردی رحمہ اللہ (متوفی ۴۵۰ھ) لکھتے ہیں کہ:

''اکثر فقہاء اور متکلمین کا قول ہے کہ مفضول کی امامت افضل کے ہوتے ہوئے جائز ہے اور افضل کا وجود اس بات سے مانع نہیں ہے۔ بشرطیکہ مفضول میں امامت کی شرائط موجود ہوں جیسا کہ قضاء کے معاملے میں افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کو قاضی بنانا جائز ہے۔'' (الاحکام السلطانیہ ص ۸)

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے مسئلے میں یہی رائے تھی کہ افضل (جو اسلام، دین اور عبادت میں سابق ہے) کی موجودگی میں مفضول (جو قوت رائے اور معرفت کا حامل ہے) کی امارت درست ہے۔''

(فتح الباری شرح صحیح البخاری ص ۳۲۴ ج ۷)

اسی طرح باپ کے بعد بیٹے کا منصب خلافت پر فائز ہونا بھی جائز ہے۔ حضرت داود علیہ السلام کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام تاج و تخت کے وارث ہوئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد ان کے بیٹے ''رجبعام'' خلیفہ ہوئے جو تقریباً سترہ سال تک عدل و انصاف کے ساتھ حکمرانی کرتے رہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک عمل سے بھی باپ کے بعد بیٹے کی جانشینی کا جواز ملتا ہے:

فتح مکہ کے موقع پر جب حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ (جو انصار کے دستہ کے ہمراہ تھے) نے کہا کہ آج گھمسان اور خونریزی کا دن ہے تو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملے کو ناپسند فرمایا اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے اسلامی

پرچم لے کر ان کے صاحبزادے حضرت قیس رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا۔

اس کے بعد امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں سب سے پہلے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ تجویز پیش کی گئی کہ آپ اپنے صاحبزادے عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کو ولی عہد مقرر کر دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ خلافت کے لیے تو میں نے خود کبھی خواہش نہیں کی۔ اپنی اولاد کے لیے کیسے یہ آرزو کروں گا؟

ظاہر ہے کہ یہ تجویز صحابہ رضی اللہ عنہم کی مجلس میں پیش کی گئی اگر باپ کے بعد بیٹے کا خلیفہ بننا ناجائز، حرام اور قیصر و کسریٰ کی سنت ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہرگز وہ جواب نہ دیتے بلکہ صاف صاف فرما دیتے کہ باپ کے بعد بیٹے کا خلیفہ بننا ہی حرام ہے۔ میں اس فعل حرام کا ارتکاب کیسے کر سکتا ہوں؟

علاوہ ازیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے انتقال کے بعد ان کے بھائی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کا گورنر مقرر کر کے جانشینی کے جواز پر مہر تصدیق ثبت کر دی......

اس کے بعد باقاعدہ و باضابطہ طور پر امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں سب سے پہلے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے والد کے بعد خلیفہ مقرر کیے گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جب پوچھا گیا کیا آپ کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی جائے؟ تو آپ نے فرمایا:

''میں نہ تم کو اس کا حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں۔ تم لوگ خود اچھی طرح دیکھ سکتے ہو۔''

(خلافت و ملوکیت ص ٨٦)

جبکہ اہل تشیع کا عقیدہ یہ ہے کہ:

''حضرت علی نے حضرت حسن کو اپنا وصی، جانشین اور ولی عہد بنایا اور خلافت و امامت کی چادر بھی انھیں پہنا دی۔'' (کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ ص ۵۳۱ ج ۱)

بقول مودودی صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہ حکم دیا اور نہ منع کیا۔ اگر باپ کے بعد بیٹے کا خلیفہ بننا ناجائز اور حرام ہوتا تو کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کتمان علم کا ارتکاب کر سکتے تھے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تو سختی کے ساتھ منع کرنا چاہیے تھا کہ یہ امر اسلام میں حرام اور قیصر و کسریٰ کی سنت ہے۔

بہرحال یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عہد اسلام میں باپ کے بعد بیٹے کی جانشینی کا آغاز حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ اور یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔ اور اگر بالفرض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''ملوکیت و موروثیت'' کا ذمہ دار قرار دیا جائے اور اس فعل کو حرام سمجھتے ہوئے یہ اعلان کیا جائے کہ پوری امت کے نزدیک یہ فعل مذموم ہے۔ تو پہلی بات یہ ہے کہ پوری امت کو ولی عہدی کی تجویز کو قبول کرنے کے بجائے نہایت سختی کے ساتھ رد کرنا چاہیے تھا۔ آخر ایک فرد خواہ کتنا ہی صاحب قوت کیوں نہ ہو پوری امت کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ اگر بالفرض یزید کو امت پر بزور مسلط کر ہی دیا گیا تھا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پوتے معاویہ ثانی نے خلافت سے دستبردار ہو کر اس بحث کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔ لیکن پھر حضرت مروان رضی اللہ عنہ کے بعد یہ سلسلہ دوبارہ شروع ہوا جسے خاندان علی (بنوعباس) نے تحریک چلا کر ختم کر دیا۔

اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ آل مروان یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بالفرض جو غلط روش قائم کی تھی اسے یکسر مٹا دیا جاتا اور خلیفہ کے تقرر کا صحیح اسلامی طریقہ نافذ کر دیا جاتا...... لیکن ہوا کیا؟...... تو تاریخ میں اس کا عکس ہی پایا جاتا ہے۔ یعنی ''سنت معاویہ'' کی بظاہر مخالفت اور اسے ناپسند کرنے کے باوجود عملاً کوئی بھی اسے چھوڑنے پر آمادہ نظر نہیں آتا۔ اس کے بعد جتنی بھی حکومتیں آئیں ان میں سے کسی نے بھی اس غلط طریقہ کو ختم نہیں کیا۔ حکومت عباسیہ، حکومت امویہ اندلس، حکومت ادریسیہ مراکش، حکومت اغلبیہ افریقہ، حکومت زیادیہ یمن، حکومت طاہریہ خراسان، حکومت صفاریہ خراسان و فارس، دولت سامانیہ ماوراء النہر و خراستان، حکومت قرامطہ بحرین، حکومت علویہ و زیدیہ طبرستان، حکومت بنو بویہہ و دیلمیہ، حکومت طولونیہ، حکومت اخشیدیہ مصر و شام، حکومت عبیدیہ مصر و افریقہ و شام، حکومت بنو حمدان موصل و جزیرہ و شام، حکومت غزنویہ افغانستان، حکومت ایوبیہ، حکومت مملوکیہ، حکومت زیریہ تیونس، حکومت ضمادیہ الجیریا، حکومت مرابطین، حکومت اسماعیلیہ حشاشین، حکومت مغلیہ ایشیا، حکومت عثمانیہ ترکی، حکومت صفویہ ایران اور حکومت سعودیہ ان سب حکومتوں میں باپ، بیٹے اور بھائی وغیرہ کی جانشینی، ولی عہدی اور نامزدگی جائز ہی سمجھی جاتی رہی۔

علاوہ ازیں جنھیں ظاہری حکومتیں حاصل نہیں ہوسکیں تو انھوں نے روحانی خلافت و امامت کا سلسلہ جاری کر دیا۔ فرقہ اثنا عشریہ کے ہاں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد بارھویں امام غائب تک اور فرقہ اسماعیلیہ کے ہاں محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق رحمہ اللہ کے بعد ہر جگہ باپ کے بعد بیٹا ہی جانشین نظر آتا ہے۔

پھر ''اہل سنت'' کے روحانی و مذہبی راہنما جو ولی عہدی یزید کے سلسلے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر زبان طعن دراز کرنے میں ذرا بھی توقف و تامل نہیں کرتے۔ لیکن ان کے اپنے ہاں یہی ''رسم بد'' اور یہی ''ہادم شریعت بدعت'' بڑے زور شور اور دھوم دھام سے جاری وساری ہے۔

سلسلہ طریقت کے ہر مرکز، ہر آستانے، ہر تکیے، ہر گدی، ہر خانقاہ، ہر مدرسہ اور ہر مسجد (وللاکثر حکم الکل) میں بدرجہا افضل لوگوں کی موجودگی کے باوجود باپ کے بعد بیٹا ہی مسند نشین ہو رہا ہے۔ حتیٰ کہ مذہبی و سیاسی جماعتوں میں بھی ''موروثیت'' اور ''سنت معاویہ'' کی یاد کبھی کبھی تازہ کر لی جاتی ہے۔

اوپر یہ بات ثابت کی جا چکی ہے کہ خلیفہ کا اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے افضل ہونا ضروری نہیں ہے لیکن اس کے لیے ''اہلیت خلافت'' لازمی شرط ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ولی عہدی یزید کے وقت ''بیٹے اور مفضول'' کی حیثیت سے نامزدگی کا سوال

کہیں کہیں اٹھایا گیا لیکن "اہلیت خلافت" زیر بحث نہیں لائی گئی۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ امیر یزید کی نامزدگی اس حیثیت سے مختلف فیہ نہیں تھی اور وہ اس شرط پر پورا اترتے تھے۔ اگر ان میں خلافت کی اہلیت نہ ہوتی تو نہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ (بشرط صحت روایت) ان کا نام تجویز کرتے اور نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اسے عام استصواب کے لیے پیش کرتے اور نہ حضرات صحابہ وتابعین ہی ولی عہدی اور خلافت کی بیعت کرتے۔

علامہ محب الدین خطیب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"اگر اہلیت کا معیار حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے عادات وخصائل ہیں تو یہ وہ معیار ہے جس پر ان کے سوا تاریخ اسلام میں کوئی خلیفہ پورا نہیں اترا۔ حتیٰ کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بھی۔ اور اگر بالفرض ہم ایک ناممکن بات تصور بھی کر لیں کہ اب بھی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما جیسا آدمی پیدا ہوسکتا ہے تو پھر بھی وہ ماحول پیدا نہیں ہوسکتا جو اللہ تعالیٰ نے ان کو مہیا کر دیا تھا۔ اور اگر اہلیت کا معیار یہ ہے کہ خلیفہ کی سیرت میں استقامت ہو، شریعت کا احترام ملحوظ ہو، اس کے احکام پر عمل ہو، لوگوں میں انصاف ہو، شریعت کا احترام ملحوظ ہو، اس کے احکام پر عمل ہو، لوگوں میں انصاف کیا جائے، ان کی مصلحت کو مدنظر رکھا جائے، دشمنوں سے جہاد کیا جائے، دعوت اسلامی کو دنیا میں پھیلایا جائے، لوگوں سے انفرادی اور اجتماعی طور پر نرمی کی جائے تو جس دن یزید کی تاریخ چھان پھٹک کے بعد اپنی اصلی شکل وصورت میں سامنے آئے گی۔ جیسا کہ وہ اپنی زندگی میں تھا تو اس دن معلوم ہو جائے گا کہ بہت سے ایسے لوگوں سے یزید کم نہیں تھا جن کی تعریف میں تاریخ اور مورخ رطب اللسان ہیں اور جن کی تعریف وتوصیف میں زمین وآسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں۔"

(العواصم من القواصم ص ۳۴۵)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیر یزید رحمہ اللہ کو پدری شفقت کی بنا پر نہیں بلکہ لاکھوں مربع میل پر پھیلی ہوئی وسیع وعریض سلطنت کے اہل حل وعقد کی تائید وحمایت اور مشورے سے اور انھیں خلافت کا اہل سمجھ کر نامزد کیا تھا۔ چنانچہ شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"یزید کو متعدد معارک، جہاد میں بھیجنے اور جزائر ابیض اور بلاد ہائے ایشیائے کوچک کے فتح کرنے حتیٰ کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بڑی بڑی افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں آزمایا جا چکا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیے تھے۔" (مکتوبات ص ۱۷۲ ج ۱، مکتوب نمبر ۸۸)

غزوۂ قسطنطنیہ وہی ہے جس کے شرکاء کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغفرت کی پیشین گوئی دی تھی کہ

((اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لهم))

(صحیح بخاری کتاب الجہاد باب ما قیل فی قتال الروم)

(صرف صحیح بخاری میں یہ روایت سات مختلف ابواب میں آئی ہے) "میری امت کا وہ سب سے پہلا

لشکر جو قیصر کے شہر میں جنگ کریں گے ان سب کے حق میں مغفرت ثابت ہو چکی ہے۔"

محدثین و مورخین کے نزدیک اس لشکر کے قائد امیر یزید تھے ان کی زیر کمان اکابر صحابہ مثلاً ابو ایوب انصاری، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر اور حسین بن علی رضی اللہ عنہم بھی شامل و شریک تھے۔

(صحیح بخاری ص ۱۵۸ ج ۱۔ قسطلانی ص ۱۰۴ ج ۵۔ عمدۃ القاری ص ۱۹۸ ج ۱۴۔ فتح الباری ص ۱۰۳ ج ۶۔ مسند احمد بن حنبل ص ۴۱۶ ج ۵۔ منہاج السنۃ ص ۲۵۲ ج ۱۔ الاستیعاب مع الاصابہ ص ۴۰۴ ج ۱۔ طبقات ابن سعد اردو ص ۶۱ ج ۴۔ البدایہ والنہایہ ص ۵۸ ج ۸)

مشہور سیرت نگار علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ "بشارت مغفرت" کا ذکر یوں کرتے ہیں:

"بحر روم میں جس کو بحر اخضر اور بحر متوسط بھی کہتے ہیں یورپ اور ایشیا کی اور اب گویا اسلام اور عیسائیت کی حد فاصل ہے۔ اور اس زمانہ میں یہ رومیوں کی بحری قوت کی جولان گاہ تھا۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خواب راحت سے مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے اور فرمایا اس وقت خواب میں میری امت کے کچھ لوگ تخت شاہی پر بادشاہوں کی طرح بیٹھے ہوئے دکھائے گئے۔ یہ بحر اخضر میں جہاد کے لیے اپنے جہاز ڈالیں گے۔

یہ بشارت سب سے پہلے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں پوری ہوئی اور دیکھا گیا کہ دمشق کی سرزمین پر اسلام میں سب سے پہلے تخت شاہی بچھایا جاتا ہے اور دمشق کا شاہزادہ یزید اپنی سپہ سالاری میں مسلمانوں کا پہلا لشکر لے کر بحر اخضر میں جہازوں کے بیڑے ڈالتا ہے اور دریا کو عبور کر کے قسطنطنیہ کی چار دیواری پر تلوار مارتا ہے۔" (سیرت النبی ص ۱۰۶ ج ۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں کے متعلق کم از کم ایک مسلمان تو یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ ان کی حیثیت (العیاذ باللہ) کاہنوں، نجومیوں اور قیافہ شناسوں کی پیشین گوئیوں کی سی ہے جو کبھی صحیح ثابت ہو جائیں اور کبھی غلط۔ اور نہ اس بشارت مغفرت کو ان بشارتوں پر قیاس کیا جا سکتا ہے جن میں اللہ اور اس کے رسول نے یہ اطلاع دی ہو کہ جس نے یہ کام کیا وہ جنت کا اور جس نے اس کے برعکس کام کیا وہ جہنم کا مستحق ہوگا۔ جو حضرات تاویلات فاسدہ و بعیدہ کا سہارا لے کر اس بشارت سے شرکائے جنگ میں سے کسی کو بھی خارج قرار دیتے ہیں وہ دراصل لاشعوری طور پر اہل تشیع کی پیروی کر رہے ہیں۔ (راقم نے اس حدیث پر اپنی کتاب "تذکرہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ" میں ص ۲۹۱ تا ۳۰۶ قدرے تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ (1)

اسی غزوے کے دوران میں میزبان رسول حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات ہوتی ہے۔ امیر یزید نے اکابر صحابہ کی موجودگی میں ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور وصیت پر عمل کرتے ہوئے جب انھیں دشمن کی سرزمین میں دفن کیا تو شاہِ روم کی زبان سے یہ گستاخانہ جملہ نکل گیا کہ مسلمانوں کے چلے جانے کے بعد ہم یہ

(1) یہ کتاب طباعت جدید میں باقاعدہ زیر نظر کتاب کا حصہ بنا دی گئی ہے۔

لاش نکلوا کر کتوں کے سامنے ڈلوا دیں گے اس کے جواب میں قائد لشکر امیر یزید نے قیصر روم کو خبردار کرتے ہوئے کہا:

((یا اهل القسطنطنية هذا رجل من اكابر اصحاب محمد نبينا وقد دفنا حين ترون والله لئن تعرّضتم له لاهدم من كل كنيسة فى ارض الاسلام ولا يضرب ناقوس بارض العرب ابدا)) (تاریخ التواریخ ص ٦٦ ج ٢)

''اے قسطنطنیہ کے باشندو! یہ ہمارے نبی کے جلیل القدر صحابی ہیں اور تم دیکھتے ہو کہ ہم نے انھیں دفن کیا ہے...... واللہ اگر تم نے ان کی قبر کو کسی قسم کا نقصان پہنچایا تو یاد رکھو پوری سرزمین اسلام میں ہر کلیسا منہدم کرادوں گا۔ اور پھر پورے عرب میں کبھی ناقوس تک نہیں بج سکے گا۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک دعا بھی جو انھوں نے دوران خطبہ میں مانگی تھی امیر یزید کی اہلیت خلافت پر دلالت کرتی ہے:

((اللهم ان كنت تعلم انى وليته لانه فيما اراه اهل لذلك فاتمم له ما وليته وان كنت وليته لانى احبه فلا تتمم له ما وليته)) (البدایہ والنہایہ ص ۸۰ ج ۸)

''اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے اس کو اس کی اہلیت کی بنا پر ولی عہد بنانے کا فیصلہ کیا تو میری اس خواہش کو پورا فرمادے اور اگر میں نے اسے اس لیے ولی عہد بنایا کہ مجھے اس سے پیار و محبت تھی تو اے اللہ! اس خواہش کو مکمل نہ فرمانا۔''

امام ذہبی رحمہ اللہ نے اس دعا کو بایں الفاظ نقل کیا ہے:

''اے اللہ! اگر میں نے یزید کو اس کی فضیلت و اہلیت کے پیش نظر ولی عہد مقرر کیا ہے تو اسے اس مقام تک پہنچا دے جس کی میں نے خواہش کی ہے اور اس کی مدد فرما۔ اور اگر مجھے اس کام پر صرف اس محبت نے آمادہ کیا ہے جو باپ کو بیٹے سے ہوتی ہے تو اس کے مقام خلافت تک پہنچنے سے پہلے اس کی روح قبض کر لے۔'' (تاریخ اسلام ص ۲۶۷ ج ۲)

علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو اس کی صلاحیت و اہلیت کی بنا پر ولی عہد بنایا تھا جیسے کہ ان سے روایت کی گئی ہے۔'' (النبراس ص ۵۴۱)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے۔ اس مجلس میں امیر یزید بھی آ کر بیٹھ گئے جب وہ اٹھ کر چلے گئے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

نے فرمایا:

((اذا ذھب بنو حرب ذھب علماء الناس)) (البدایہ والنہایہ ص ۲۲۸ ج ۸)

"جب بنو حرب اٹھ گئے تو لوگوں کے علماء اٹھ جائیں گے۔"

امام بلاذری رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ:

"عامر بن مسعود جمحی کہتے ہیں کہ جب ایک قاصد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر لے کر آیا تو ہم مکہ مکرمہ میں تھے ہم اٹھ کر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس چلے گئے وہ مکہ ہی میں تھے۔ ان کے پاس کچھ لوگ بیٹھے تھے اور دستر خوان بچھ چکا تھا مگر ابھی کھانا نہیں آیا تھا۔ ہم نے ان سے کہا اے ابن عباس! قاصد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر لے کر آیا ہے اس پر وہ کافی دیر خاموش بیٹھے رہے، پھر انھوں نے کہا:

((اللھم اوسع لمعاویة اما واللہ ما کان مثل من قبله ولا یاتی بعد مثله وان ابنه یزید لمن صالحی اھله فالزموا مجالسکم واعطوا طاعتکم وبیعتکم))

(انساب الاشراف ص ۴۰۳، ج ۴ قسم ثانی)

"یا اللہ! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے اپنی رحمت کو وسیع فرما دے۔ اللہ کی قسم وہ ان کی مثل نہیں تھے جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اور ان کے مثل بعد میں کوئی نہیں آئے گا۔ اور بلاشبہ ان کے بیٹے یزید ان کے صالح اہل بیت میں سے ہیں لہٰذا تم اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہو اور اپنی اطاعت اور بیعت انھیں دے دو۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے جہاں یزید کی اہلیت وصالحیت ثابت ہو رہی ہے وہاں ان کا لوگوں کو یزید کی بیعت واطاعت پر آمادہ کرنا بھی ظاہر ہو رہا ہے۔

امیر یزید کی خلافت کے آخری دور میں سانحہ کربلا کے بعد "واقعہ حرہ" کے دوران میں جناب عبداللہ بن مطیع نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لخت جگر حضرت محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ سے کہا کہ یزید شرابی ہے، تارک صلوٰۃ ہے اور کتاب اللہ کے احکام کو توڑتا ہے، تو اس کے جواب میں انھوں نے فرمایا:

((ما رأیت منه ما تذکرون وقد حضرته واقمت عنده فرأیت مواظبا علی الصلاة متحریًا للخیر یسأل عن الفقه ملازمًا للسنة))

"جو باتیں تم ان کے متعلق بیان کرتے ہو وہ باتیں میں یزید میں نہیں دیکھتا۔ میں ان کے پاس جاتا رہا ہوں ان کے ہاں قیام بھی کیا ہے تو میں نے انھیں نماز کی پابندی کرنے والا، نیکی کا متلاشی، فقہی مسائل دریافت کرنے والا اور سنت رسول کو مضبوطی سے تھامنے والا پایا ہے۔"

عبداللہ بن مطیع اور ان کے رفقاء نے کہا یہ سب امور اس نے آپ کو دکھانے کی غرض سے کیے ہوں

گے۔ ابن حنفیہ رحمہ اللہ نے فرمایا انھیں مجھ سے کیا ڈر اور طمع تھی؟ کیا اس نے تمھیں دکھا کر شراب پی تھی؟ اگر ایسا ہوا تو تم بھی اس کے ساتھ گناہ میں شریک ہو اور اگر اس نے تمھارے سامنے نہیں پی تو تمھارے لیے حلال نہیں کہ بغیر علم کے شہادت دو۔ انھوں نے کہا اگرچہ ہم نے دیکھا نہیں لیکن یہ بات سچی ہے۔ حضرت نے فرمایا اللہ تعالیٰ شہادت دینے والوں کی یہ بات تسلیم نہیں کرتے۔ قرآن کا تو یہ ارشاد ہے کہ ﴿ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴾ (الزخرف: ٨٦) ہاں جو لوگ گواہی دیں علم و یقین کے ساتھ۔ لہٰذا مجھے تمھارے معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔

انھوں نے کہا شاید آپ یہ بات پسند نہیں کرتے کہ سیادت کسی اور کو ملے، تو آئیے ہم آپ کو اپنا قائد و سردار تسلیم کرتے ہیں حضرت نے فرمایا میں قتال کو نہ ماتحت ہو کر حلال سمجھتا ہوں اور نہ قائد بن کر...... ابن مطیع کہنے لگے آپ اپنے والد کے ہمراہ یزید کے والد کے ساتھ بھی تو جنگ کر چکے ہیں؟ حضرت نے فرمایا تم میرے والد جیسا آدمی لے آؤ، میں تمھارے ساتھ مل کر جنگ کروں گا۔ ابن مطیع کہنے لگے چلیے آپ خود جنگ سے الگ رہیں مگر اپنے بیٹوں کو ہمارے ساتھ بھیج دیں۔ حضرت نے فرمایا تم نے یہ کیسی بات کہی ہے؟ میں اگر انھیں تمھارے ساتھ بھیجوں تو یہ بھی خود جنگ کرنے کے مترادف ہے...... وہ کہنے لگے اچھا آپ جنگ کے لیے نہ جائیں لیکن یزید کے خلاف لوگوں کو اس پر آمادہ تو کریں۔

حضرت نے فرمایا یہاں سے چلے جاؤ۔ میں جس بات کو خود جائز نہیں سمجھتا وہ دوسروں کو بھی نہیں کہوں گا...... وہ بولے ہم آپ کو مجبور کریں گے۔ حضرت نے فرمایا پھر میں لوگوں کو تلقین کروں گا کہ لوگو! اللہ سے ڈرو اور اللہ کو ناراض کر کے مخلوق کو راضی کرنے کی ہرگز کوشش نہ کرنا۔ پھر آپ مکہ معظّمہ تشریف لے گئے۔''

(البدایہ والنہایہ ص ۲۳۳ ج ۸)

اگر امیر یزید خلافت کے اہل نہ ہوتے یا شہادت حسین میں ان کا کوئی حصہ ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرزند اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی کے لیے انتقام لینے کا یہ بہترین موقع تھا...... حیرت ہے کہ سانحہ کربلا کے تقریباً تین سال بعد ہونے والی اس بغاوت میں یزید کی حکومت کے خلاف آل ابی طالب اور بنی عبدالمطلب میں سے نہ تو کسی نے کوئی حصہ لیا، اور نہ امیر یزید کی بیعت توڑی۔ چنانچہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((كان عبدالله بن عمر بن الخطاب وجماعات اهل بيت النبوة ممن لم ينقض العهد ولا بايع احدا بعد بيعته ليزيد...... لم يخرج احد من ال ابى طالب ولا من بنى عبدالمطلب ايام الحرة)) (حوالہ مذکور)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور اہل بیت نبوی کے کسی گروہ نے بھی نقض عہد نہیں کیا نہ یزید کی بیعت کے بعد کسی اور کی بیعت کی...... آل ابی طالب (خاندان علی) اور بنی عبدالمطلب میں سے کسی نے بھی ایام حرہ

میں خروج نہیں کیا۔''

حتیٰ کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت علی بن حسین المعروف زین العابدین رحمہ اللہ نے بھی یزید کی بیعت و اطاعت سے ہاتھ نہیں کھینچے۔

امام ابن سعد رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''ابو جعفر (حضرت زین العابدین رحمہ اللہ کے صاحبزادے) سے مروی ہے کہ ان سے یوم الحرہ کو دریافت کیا گیا کہ آیا ان میں کوئی آپ کے اہل بیت میں سے بھی نکلا تھا انھوں نے کہا کہ نہ اس میں آل ابی طالب میں سے کوئی نکلا اور نہ بنی عبدالمطلب میں سے۔ وہ لوگ اپنے گھروں ہی میں رہے۔ مسلم بن عقبہ (قائد لشکر یزید) نے کہا کہ مجھے کیا ہوا کہ میں انھیں (زین العابدین کو) نہیں دیکھتا...... والد کو جب معلوم ہوا تو وہ اس کے پاس آئے اس کے ہمراہ حضرت محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کے دونوں بیٹے ابو ہاشم عبداللہ اور حسن بھی تھے جب اس نے والد کو دیکھا تو انھیں مرحبا کہا اور ان کے لیے اپنے تخت پر گنجائش کر دی...... اور کہا کہ امیر المومنین نے مجھے آپ کے ساتھ نیکی کی نصیحت کی ہے والد نے کہا کہ "صلی الله امیر المومنین (یزید) واحسن الجزاء" اللہ امیر المومنین کو اچھا صلہ دے۔ پھر اس نے ابو ہاشم اور حسن فرزندان محمد (بن حنفیہ) کو دریافت کیا تو میں نے کہا کہ وہ دونوں میرے چچا کے بیٹے ہیں۔ اس نے ان دونوں کو مرحبا کہا اور وہ سب اس کے پاس سے واپس ہوئے۔'' (طبقات ابن سعد اردو ص ۲۲۰ ج ۵ تحت علی بن الحسین)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے کہنے پر جب اہل مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ دی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کے اس اقدام کی مذمت کی اور اپنے خاندان والوں کو جمع کر کے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

((ینصب لکل غادر لواء یوم القیامة وانّا قد بایعنا هذا الرجل (ای یزید) علی بیع الله ورسوله وانی لا اعلم غدرا اعظم من ان یبایع رجل علی بیع الله ورسوله ثم ینصب له القتال وانی لا اعلم احدا منکم خلعه ولا بایع فی هذا الامر کانت الفیصل بینی وبینه)) (صحیح بخاری کتاب الفتن باب اذا قال عند قوم شیئا ثم خرج فقال بخلافه)

''قیامت کے دن ہر بدعہد کے لیے ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا ہم نے اس شخص (یعنی یزید) کے ہاتھ پر اللہ اور اس کے رسول کی بیعت کی ہے۔ میری نظر میں اس سے زیادہ بدعہدی اور کوئی نہیں کہ ایک شخص کی اللہ اور اس کے رسول کے نام پر بیعت کی جائے پھر آدمی اس کے خلاف اٹھ کھڑا ہو...... میں نہیں جانتا کہ تم میں سے جو شخص اس کو تخت خلافت سے معزول کرے گا اور اس کی اطاعت سے روگردانی کرے گا تو میرے اور اس کے درمیان کوئی تعلق باقی رہے گا۔''

امام مسلم رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ابن مطیع اور ان کے ساتھیوں کے پاس جا کر انھیں بغاوت سے منع کرتے ہوئے یہ حدیث رسول سنائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جس شخص نے عہد اطاعت کر کے اسے توڑ دیا وہ قیامت کے دن اللہ کے روبرو اس حال میں حاضر ہوگا کہ اس کے پاس کوئی حجت نہ ہوگی "ومن مات فليس فی عنقه بيعة مات ميتة جاهلية" اور جو شخص اس حال میں مر گیا کہ اس کی گردن میں کسی کی بیعت نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ)

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی کتاب ''الزہد'' کے حوالے سے یزید کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

''یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یزید کا مقام امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی نگاہ میں بہت بلند تھا۔ یہاں تک کہ اس کو آپ نے ان زاہد صحابہ اور تابعین میں شمار کیا ہے جس کے اقوال کی پیروی کی جاتی ہے۔ جن کے وعظ سے لوگ گناہ چھوڑتے ہیں۔ ہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے یزید کو صحابہ میں درج کیا ہے اور پھر اس کے بعد تابعین کا تذکرہ کیا ہے یہ بات کہاں اور ان مورخین کا قول کہاں جو یزید کی طرف شراب نوشی اور فسق و فجور منسوب کرتے ہیں۔ کیا وہ شرم نہیں کرتے؟ اور اللہ تعالیٰ نے ان سے شرم و حیا چھین لیا ہے تو تم ہی نصیحت حاصل کرو اور فضلائے امت میں سے علماء اور بزرگ لوگوں کی پیروی کرو اور ان بے دین لوگوں اور پاگل انسانوں کو چھوڑ دو جنھوں نے اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کر رکھا ہے۔ یہ لوگوں کے لیے بیان ہے اور متقی لوگوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے اور سب تعریف اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔'' (العواصم من القواصم ص ۳۷۱، اردو)

یہ بھی ملحوظ رہے کہ مودودی صاحب نے حسن بصری رحمہ اللہ کے حوالے سے یزید کے فسق و فجور اور شراب نوشی کی جو روایت لکھی ہے اس کے راوی جناب ابو مخنف لوط بن یحییٰ رافضی کذاب ہیں۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((ولم يكن مظهر الفواحش كما يحكى عنه خصومه)) (فتاوی ابن تیمیہ ص ۱۴۱ ج ۳)

''یعنی یزید بن معاویہ میں وہ برائیاں بالکل نہیں تھیں جو دشمن ان سے منسوب کرتا ہے۔''

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((كل حديث فيه ذم يزيد بن معاوية فهو كذب)) (المنار المنیف فی الصحیح والضعیف ص ۲۲۰)

''ہر وہ روایت جس میں یزید بن معاویہ کی مذمت پائی جاتی ہو وہ جھوٹی ہے۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((وقد اورد ابن عساكر احاديث فی ذم يزيد بن معاوية كلها موضوعة لا يصح

شیء منه))

''مورخ ابن عساکر نے یزید بن معاویہ کی مذمت میں جو احادیث روایت کی ہیں وہ سب موضوع ہیں ان میں سے کوئی بات بھی صحیح نہیں ہے۔''

ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((ومن ذلك الاحاديث فى ذم معاوية وذم عمرو بن العاص وذم بنى امية كذا فى ذم يزيد والوليد ومروان بن الحكم)) (موضوعات کبیر ص ۱۰۷)

''اس طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ، بنو امیہ، یزید، ولید اور مروان کی مذمت میں وارد روایات جھوٹی اور موضوع ہیں۔''

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ شراب نوشی کے الزام کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اگر یہ کہا جائے کہ یزید شراب نوشی کرتا تھا تو ہم کہیں گے اس طرح کہنا دو شاہدوں کے بغیر جائز نہیں۔ اور اس کی شہادت دینے والا کون ہے؟ بلکہ معتبر لوگ تو اس کی عدالت کی شہادت دیتے ہیں چنانچہ یحییٰ بن بکیر نے لیث بن سعد رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ لیث نے کہا کہ امیر المومنین یزید فلاں تاریخ کو فوت ہوئے......تو لیث نے یزید کو امیر المومنین اس وقت کہا جب کہ بنو امیہ کی سلطنت اور حکومت کا زمانہ گزر چکا تھا اور اگر فی الواقع ان کے نزدیک ایسا نہ ہوتا تو سیدھے الفاظ سے کہتے: یزید فوت ہوا۔''

(العواصم من القواصم اردو ص ۳۶۵)

اس تمام تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کو کسی طمع، لالچ، خودغرضی اور مفاد پرستی کی بنا پر جانشین نامزد نہیں کیا تھا بلکہ محض رضائے الٰہی کے حصول، امت مسلمہ کو انتشار و افتراق سے بچانے اور اس کی صلاحیت و اہلیت کی بنیاد پر ولی عہد مقرر کیا تھا اور امیر یزید کے متعلق شراب نوشی اور فسق و فجور پر مبنی روایات لغو اور بے بنیاد ہونے کے علاوہ جھوٹوں، کذابوں اور مفتریوں کی وضع کردہ ہیں۔ ورنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی انھیں اس منصب کے لیے ہرگز منتخب نہ کرتے اور اس وقت موجود سیکڑوں صحابہ اور لاکھوں تابعین بھی ایسے شخص کی ہرگز بیعت نہ کرتے۔

(۵۵) بیعت یزید میں جبر واکراہ اور دھونس ودھاندلی

جناب مودودی صاحب نے اپنی کتاب خلافت وملوکیت میں صفحہ ۱۴۷ تا ۱۵۳ بسلسلہ بیعت یزید حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر دھونس و دھاندلی، لالچ و رشوت، جبر واکراہ اور تہدید قتل کے الزامات عائد کر کے خیر القرون اور عہد صحابہ کا انتہائی مکروہ نقشہ کھینچا ہے۔ جو روایتاً و درایتاً لغو، بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے۔

موصوف نے غیر معتبر، مفتری، کذاب اور مجہول الحال راویوں پر اعتماد کر کے شاگردان نبوت کی منصوص عظمت کو داغدار کرنے کی مذموم کوشش کی ہے۔ اس گئے گزرے اور غلبہ شر کے دور میں بھی ایک اسلامی معاشرے کا مجموعی و اجتماعی کردار ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ خیر القرون اور دورِ صحابہ کا کردار ایسا ہو؟ "لا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم" کم از کم ایک مسلمان تو ان واہی روایات پر ہرگز اعتبار نہیں کر سکتا۔

کیا صحابہ راشی اور مرتشی تھے؟ کیا صحابہ بزدل اور ڈرپوک تھے؟ کیا صحابہ فریضہ نہی عن المنکر کے تارک تھے؟ کیا صحابہ دنیوی مفاد کی خاطر اپنی عاقبت خراب کر سکتے تھے؟ کیا صحابہ نے جان کے خوف سے ایک فاسق و فاجر اور شرابی کی بیعت و اطاعت قبول کر لی تھی؟ کوئی مجوسی، سبائی اور رافضی ہی ان سوالات کے جوابات اثبات میں دے سکتا ہے......

مودودی صاحب ایک شیعہ لیڈر کے مکان پر محرم کی مجلس سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"بعض لوگ کہتے ہیں کہ صحابہ نے تو بیعت کر لی تھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کیوں نہ کی؟ اور وہ ان کو مطعون کرتے ہیں حالانکہ جب کوئی مسلمان حکومت پوری طاقت سے قائم ہو تو اس کے خلاف اٹھنا ہما شما کا کام نہیں۔ صرف وہ اٹھ سکتا ہے جو فیصلہ کر چکا ہے کہ وہ اٹھے گا خواہ کچھ ہو جائے۔ جو لوگ ایسی بات کہتے ہیں ان کو صحابہ کی طرف سے صفائی پیش کرنی چاہیے نہ کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو مطعون کرنا۔ اٹھنے والے سے صفائی پیش کرنے کا مطالبہ کرنے کا کیا موقع ہے؟ صحابہ کرام کی پوزیشن صاف کی جا سکتی ہے ہر شخص کا یہ کام نہیں تھا...... حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا نمونہ یہ ہے کہ مسلمان حکومت بگڑ رہی ہو تو مسلمانوں کا کام تماش بین بن کر بیٹھنا نہیں بلکہ اس کا فرض ہے کہ وہ اصلاح کے لیے کھڑا ہو جائے خواہ اکیلا ہی ہو اور خواہ کچھ نتیجہ ہو۔"

(شہادت حسین کا حقیقی مقصد، ص ۲۴)

موصوف نے یہ تقریر ۱۰ جون ۱۹۶۲ء (محرم ۱۳۸۲ھ) بر مکان سید محمد علی زیدی ایڈووکیٹ ۱۴ ٹیمپل روڈ

لاہور ایک مجلس عزا سے ''علی کا راستہ حسین کا راستہ'' کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے جھاڑی تھی۔ جو بعد میں ہفت روزہ ایشیا اور ماہنامہ قومی ڈائجسٹ لاہور کے علی نمبر میں شائع ہوئی۔

اس عبارت سے تو یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یزید کو فاسق فاجر اور شرابی سمجھتے ہوئے محض جان کے خوف سے اس کی بیعت کر لی تھی۔ کیونکہ ایک طاقت ور حکومت کے خلاف اٹھنا ''ہماشا'' کا کام نہیں۔ یہ حسین رضی اللہ عنہ ہی کا کام ہے۔ اس کا مختصر جواب پیچھے ''استخلاف یزید'' کے تحت گزر چکا ہے کہ صحابہ نے بغیر کسی طمع ولالچ اور جبر واکراہ کے برضا ورغبت بیعت کی تھی۔

اب جناب مودودی صاحب ہی کے قلم سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ایک اور نمونہ وکردار ملاحظہ فرمائیں:

''عراق، شام اور دوسرے علاقوں سے بیعت لینے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خود حجاز تشریف لے گئے۔ کیونکہ وہاں کا معاملہ سب سے اہم تھا اور دنیائے اسلام کی وہ بااثر شخصیتیں جن سے مزاحمت کا اندیشہ تھا وہیں رہتی تھیں۔ مدینہ کے باہر حضرت حسین، حضرت ابن زبیر، حضرت ابن عمر اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم ان سے ملے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے ایسا درشت برتاؤ کیا کہ وہ شہر چھوڑ کر مکہ چلے گئے۔ اس طرح مدینہ کا معاملہ آسان ہو گیا۔ پھر انھوں نے مکہ کا رخ کیا اور ان چاروں اصحاب کو خود شہر سے باہر بلا کر ملے...... ان پر بڑی مہربانیاں کیں۔ انھیں اپنے ساتھ لیے ہوئے شہر میں داخل ہوئے۔ پھر تخلیہ میں بلا کر انھیں یزید کی بیعت پر راضی کرنے کی کوشش کی...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا اب تک میں تم لوگوں سے درگزر کرتا رہا ہوں۔ اب میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم میں سے کسی نے میری بات کے جواب میں ایک لفظ بھی کہا تو دوسری بات اس کی زبان سے نکلنے کی نوبت نہ آئے گی، تلوار اس کے سر پر پہلے پڑ چکی ہو گی۔ پھر اپنے باڈی گارڈ کے افسر کو بلا کر حکم دیا کہ ان میں سے ہر ایک پر ایک ایک آدمی مقرر کر دو اور اسے تاکید کر دو کہ ان میں سے جو بھی میری بات کی تائید یا تردید میں زبان کھولے اس کا سر قلم کر دے۔ اس کے بعد وہ انھیں لیے ہوئے مسجد میں آئے اور اعلان کیا کہ یہ مسلمانوں کے سردار اور بہترین لوگ جن کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کیا جاتا یزید کی ولی عہدی پر راضی ہیں اور انھوں نے بیعت کر لی ہے۔ لہٰذا تم لوگ بھی بیعت کر لو۔ اب لوگوں کی طرف سے انکار کا کوئی سوال ہی باقی نہ تھا۔ اہل مکہ نے بھی بیعت کر لی۔ اس طرح خلافت راشدہ کے نظام کا آخری اور قطعی طور پر خاتمہ ہو گیا۔ خلافت کی جگہ شاہی خانوادوں نے لے لی اور مسلمانوں کو اس کے بعد سے آج تک پھر اپنی مرضی کی خلافت نصیب نہ ہو سکی۔''

(خلافت وملوکیت ص ۱۵۲، ۱۵۳)

اس قسم کی روایت کا کسی ''ابوجہل'' کو علم ہو جاتا تو یقیناً وہ بھی اسے نقل کرنے سے ضرور شرماتا کیونکہ اس میں نری خساست، دنائت، غلاظت اور جہالت بھری ہوئی ہے۔ پھر روایت میں تو یہ ہے کہ یہ چاروں

اصحاب خود انھیں شہر سے باہر جا کر ملے۔ موصوف اگر غلط بیانی نہ کرتے تو مدینہ میں ان حضرات سے ''درشت برتاؤ'' کی قلعی بھی کھل جاتی۔ کیونکہ ایک دفعہ جن سے درشت برتاؤ ہوا ہو وہ کیونکر دوبارہ از خود ان سے ملاقات کر سکتے ہیں؟ اسی لیے وہ یہ لکھنے پر مجبور ہوئے کہ ''اس مرتبہ ان کا برتاؤ اس کے برعکس تھا جو مدینہ سے باہران سے کیا۔ ان پر بڑی مہربانیاں کیں'' اگر وہ اس درشت برتاؤ اور مہربانیوں کی تفصیل دے دیتے تو ایک عام قاری بھی اس روایت پر یقین کرنے کے بجائے راوی کے منہ پر تھوک دیتا۔ کیونکہ اس احمقانہ روایت پر یقین کرنے کے لیے پہلے خود احمق بننا لازمی ہے......

پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ حکم بھی قابل غور ہے کہ ''ان میں سے جو بھی میری بات کی تردید یا تائید میں زبان کھولے اس کا سر قلم کر دے'' معلوم نہیں کہ مودودی صاحب نے کس ''حال'' میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر مکروفریب کا یہ گھناؤنا الزام عائد کر دیا...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تو خواہش یہ تھی کہ یہ لوگ میری تائید کریں لیکن کتنا احمقانہ حکم ان کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے کہ اگر تائید کے لیے بھی زبان کھولیں تو ان کا سر قلم کر دیا جائے۔

پھر مسجد حرام میں اہل مکہ کا اجتماع ہے جن میں صحابہ و تابعین شریک ہیں، کسی کو نظر نہیں آ رہا کہ ان حضرات کے سروں پر جلاد ننگی تلواریں لیے ہوئے کھڑے ہیں تو ان کی رضامندی کا کیا معنی؟ تعجب بالائے تعجب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی نے بیت اللہ میں بیٹھ کر عام اجتماع میں کس بے خوفی اور دیدہ دلیری کے ساتھ قصداً اور عمداً جھوٹا اعلان کیا ہے کہ ''یہ مسلمانوں کے سردار اور بہترین لوگ جن کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کیا جاتا یزید کی ولی عہدی پر راضی ہیں اور انھوں نے بیعت کر لی ہے لہٰذا تم لوگ بھی بیعت کر لو۔''

سخت حیرت ہے کہ اس جھوٹے اعلان پر ''دنیائے اسلام کی یہ بااثر شخصیتیں'' خاموش اور ساکت و جامد بیٹھی رہیں؟ آخر اظہار حق کا اس سے بڑھ کر اور کون سا موقع ہو سکتا تھا؟ پھر تخلیہ میں بھی نہیں بلکہ مجمع عام میں اور اپنے حامیوں، مددگاروں اور دوستوں کی موجودگی میں ''کتمان حق'' کا یہ ارتکاب؟ اگر یہ ان حضرات کی مدح و توصیف ہے تو معلوم نہیں کہ ''ذم'' کس بلا کا نام ہے؟

قرآن مجید نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ''خیر امت'' کا خطاب ان کے اسی وصف کی بنا پر دیا ہے کہ ﴿تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ اور ﴿اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ وہ لوگ نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے ہیں...... تو کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام اس وصف سے محروم ہو گئے تھے؟ اگر بقول مودودی صاحب سارے صحابہ کا شمار ''ہماشا'' میں ہوتا تھا اور وہ حق گوئی کا اظہار نہیں کر سکتے تھے...... مگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا نمونہ تو موصوف نے پیش کیا ہے کہ ''حالات خواہ

کیسے ہی کیوں نہ ہوں نتیجہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ نکلے، کوئی ساتھ دے یا نہ دے وہ اکیلا ہی اٹھ کھڑا ہو۔"

سوال یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے اپنے جاں نثاروں، ہمدردوں اور بہی خواہوں کی موجودگی میں اپنے اس کردار کا مظاہرہ کیوں نہیں کیا؟

اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یہ خاموشی جان کے خوف سے اختیار نہیں کی تھی بلکہ انھوں نے تو امت مسلمہ کے اتفاق کے پیش نظر یزید کی ولی عہدی کی بیعت پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا تھا۔

بعد میں بیعت خلافت پر اختلاف کیا لیکن جب کربلا میں حقائق واضح ہو گئے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دینے پر نہ صرف رضامند ہو گئے تھے بلکہ اس پر باقاعدہ عمل درآمد کے لیے کوفہ کے بجائے دمشق کا راستہ اختیار کر لیا تھا حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کربلا میں تین شرطیں پیش کیں:

① یا آپ مجھے جہاں سے میں آیا ہوں وہاں واپس جانے دیں۔

② یا آپ مجھے کسی سرحد کی طرف بھیج دیں تاکہ میں کفار کے خلاف جہاد کرتا رہوں۔

③ یا آپ مجھے یزید بن معاویہ کے پاس جانے دیں تاکہ میں اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر فیصلہ کر لوں۔

یہ تینوں شرطیں اہل سنت والجماعت اور اہل تشیع دونوں کی کتب میں پائی جاتی ہیں، تیسری شرط بالفاظ ذیل نقل کی گئی ہے:

① فاضع یدی فی یدہ

② حتی اضع یدی فی ید یزید

③ فاضع یدی فی یدیہ فیحکم فی ما رأی

④ اضع یدی فی ید یزید بن معاویہ

⑤ او ان یاتی یزید ابن عمہ حتی اضع یدی فی یدہ

⑥ او ان اضع یدی علی ید یزید فھو ابن عمی یری فی رایہ

⑦ احملونی الی یزید لابایعہ

(تاریخ طبری ص۳۱۲ ج۴۔ کامل ابن اثیر ص۵۴ ج۴۔ تہذیب تاریخ دمشق ص۳۳۸ ج۴۔ البدایہ والنہایہ، ابن کثیر ص۱۷۰ ج۸۔ فتاویٰ ابن تیمیہ ص۴۷۱ ج۲۷۔ تاریخ ابن خلدون اردو ص۱۰۶ ج۲۔ تاریخ الخلفاء، سیوطی اردو ص۳۰۳۔ تاریخ اسلام، اکبر شاہ خان نجیب آبادی ص۵۷ ج۲۔ الاصابہ ص۳۳۳ ج۴۔ النبراس شرح لشرح العقائد ص۵۴۱۔ تخلیص الشافی ص۴۷۱۔ اعلام الوریٰ ص۲۳۳۔ الامامہ والسیاسہ ص۷ ج۲۔ کتاب الارشاد ص۲۱۰۔ بحار الانوار ص۴۴۶ ج۱۰۔ روضۃ الواعظین ص۸۲ ج۱۔ روح اسلام، ترجمہ اسپرٹ آف

اسلام از جسٹس امیر علی ص ۴۵۸)

جسٹس امیر علی لکھتے ہیں کہ:

Hussain proposed the option of three honourable conditions. That

1- He should be allowed to return to Medina. OR

2- Be stationed in a frontier garrison against the Turks. OR

3- Safely conducted to the presence of Yazid.

(History of Saracens. Page 85)

مذکورہ بالا دلائل سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے میدان کربلا میں یہ تیسری شرط پیش کر کے امیر یزید کی بیعت کے لیے اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا تھا۔

بہر حال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بسلسلہ بیعت یزید دھونس و دھاندلی، جبر واکراہ، رشوت و لالچ اور تہدید قتل کے تمام الزامات لغو، بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہیں۔

علاوہ ازیں دنیائے اسلام کی با اثر شخصیات، حضرت حسین، حضرت ابن زبیر، حضرت ابن عمر اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم (جبکہ یہ ۵۳ھ میں فوت ہو گئے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا سفر حجاز ۵٦ھ کے بعد کا ہے) کا بیعت یزید پر جان کے خوف سے رضامند ہونا بھی کذب و افتراء پر مبنی ہے۔

مزید برآں اس تفصیل سے یہ بھی واضح ہو گیا ہے کہ یزید کی بیعت پر حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سمیت تمام عالم اسلام کا اتفاق تھا۔

(۵۶) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کو قانون سے بالاتر قرار دے دیا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنے گورنروں کو کھلی چھوٹ دے رکھی تھی اورانھیں قانون سے بالاتر قرار دے دیا تھا چنانچہ جناب مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کو قانون سے بالاتر قرار دے دیا اور ان کی زیادتیوں پر شرعی احکام کے مطابق کارروائی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ ان کا گورنر عبداللہ بن عمرو بن غیلان ایک مرتبہ بصرے میں خطبہ دے رہا تھا ایک شخص نے دوران خطبہ میں اس کو کنکر مار دیا۔ اس پر عبداللہ نے اس کو گرفتار کرایا اور اس کا ہاتھ کٹوا دیا۔ حالانکہ شرعی قانون کی رو سے یہ ایسا جرم نہ تھا جس پر کسی کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس استغاثہ کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں ہاتھ کی دیت تو بیت المال سے ادا کر دوں گا مگر میرے عمال سے قصاص لینے کی کوئی سبیل نہیں۔

زیاد کو جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بصرے کے ساتھ کوفے کا بھی گورنر مقرر کیا اور وہ پہلی مرتبہ خطبہ دینے کے لیے کوفہ کی جامع مسجد کے منبر پر کھڑا ہوا تو کچھ لوگوں نے اس پر کنکر پھینکے۔ اس نے فوراً مسجد کے دروازے بند کرا دیے اور کنکر پھینکنے والے تمام لوگوں کو (جن کی تعداد ۳۰ سے ۸۰ تک بیان کی جاتی ہے) گرفتار کرا کے اسی وقت ان کے ہاتھ کٹوا دیے۔ کوئی مقدمہ ان پر نہ چلایا گیا۔ کسی عدالت میں وہ نہ پیش کیے گئے کوئی باقاعدہ قانونی شہادت ان کے خلاف پیش نہ ہوئی۔ گورنر نے محض اپنے انتظامی حکم سے اتنے لوگوں کو قطع ید کی سزا دے ڈالی۔ جس کے لیے قطعاً کوئی شرعی جواز نہ تھا۔ مگر دربار خلافت سے اس کا بھی کوئی نوٹس نہ لیا گیا۔'' (خلافت وملوکیت ص ۱۷۵، ۱۷۶)

معلوم نہیں کہ موصوف کو بدمعاشوں، بدقماشوں، غنڈوں، مفسدوں، باغیوں اور اوباشوں کے ساتھ اتنی محبت اور ہمدردی کیوں ہے؟ اور ہر بے حیا، لچے لفنگے، کذاب اور مفتری کی رپورٹ پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کو کیوں مورد الزام ٹھہراتے ہیں؟ وہ یہ تسلیم بھی کرتے ہیں کہ جن مجرموں کے ہاتھ کاٹے گئے انھوں نے مسجد میں دوران خطبہ میں گورنر پر کنکر پھینکے لیکن حیرت ہے کہ موصوف ان کے اس فعل بد کی ذرا بھی مذمت نہیں کرتے۔ گویا یہ فعل ان کے نزدیک بڑا ''ثواب کا کام'' تھا۔ اسی لیے وہ الٹا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر برس رہے ہیں۔

موصوف جن ''شرفاء وصلحاء'' کے دفاع میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر زبان طعن دراز کرتے ہیں وہ اس سیرت و کردار کے مالک ہیں کہ وہ لوگ حسب معمول ایک ناپاک منصوبے کے تحت مسجد میں تشریف لاتے

ہیں خطبہ جمعہ کی بے حرمتی کرتے ہیں، مسجد کا تقدس پامال کرتے ہیں، خطبے میں مداخلت کرتے ہیں، خطیب پر آوازے کستے ہیں، ہلڑ بازی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اس پر روڑے اور کنکر پھینکتے ہیں...... اور یہ کوئی عام خطیب نہیں بلکہ پورے صوبے کا والی اور گورنر ہے۔ ایسے سنگین مجرموں کے خلاف اگر کوئی کارروائی ہو تو مودودی صاحب جیسے لوگوں کے پیٹ میں مروڑ اٹھنے شروع ہو جاتے ہیں۔

اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو گورنر نے انھیں جو قطع ید کی سزا دی تھی وہ بہت نرم تھی۔ ایسا جرم تو بغاوت اور فتنہ انگیزی کے زمرے میں آتا ہے اور اس کے لیے شرعی اور قرآنی سزا قتل یا پھانسی یا مخالف اطراف سے ہاتھ پاؤں کاٹنا یا جلاوطنی ہے۔ ارشاد باری ہے کہ:

﴿ إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ (المائدہ: ۳۳)

''یہی سزا ہے جو لڑائی کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو، ان کو قتل کیا جائے یا سولی چڑھائے جائیں یا کاٹے جائیں ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے یا دور کر دیے جائیں اس جگہ سے۔ یہ ان کی رسوائی ہے دنیا میں اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔''

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''اکثر مفسرین نے اس جگہ رہزنی اور ڈکیتی مراد لی ہے مگر الفاظ کو عموم پر رکھا جائے تو مضمون زیادہ وسیع ہو جاتا ہے۔ آیت کی جو شان نزول احادیث صحیحہ میں بیان ہوئی وہ بھی اسی کو مقتضی ہے کہ الفاظ کو ان کے عموم پر رکھا جائے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنا یا زمین میں فساد اور بدامنی پھیلانا یہ دو لفظ ایسے ہیں جن میں کفار کے حملے، ارتداد کا فتنہ، رہزنی، ڈکیتی، ناحق قتل و نہب، مجرمانہ سازشیں اور مغویانہ پراپیگنڈا سب شامل ہو سکتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک جرم ایسا ہے کہ جس کا ارتکاب کرنے والا ان چار سزاؤں میں سے جو آگے مذکور ہیں کسی نہ کسی سزا کا ضرور مستحق ٹھہرتا ہے۔'' (تفسیر عثمانی تحت الآیہ)

مودودی صاحب نے ان واقعات کے حوالے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کیا ہے کہ انھوں نے اپنے گورنروں کو ظالمانہ کارروائیاں جاری رکھنے کی کھلی چھوٹ دے رکھی تھی جبکہ یہ الزام بھی سراسر لغو اور بے بنیاد ہے۔ کیونکہ یہ ایک منقطع روایت ہے اور موصوف نے ''بغض معاویہ'' کے پیش نظر استغاثہ کے اہم جز کو قصداً نقل بھی نہیں کیا۔ اس کے الفاظ یہ تھے:

((انا نائبك قطع يد صاحبنا في شبهة فأقدنا منه))

''آپ کے نائب نے ہمارے ایک ساتھی کا ہاتھ شبہ کی بنیاد پر کاٹ دیا ہے ہمیں اس سے قصاص

دلوائیے۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شریعت کے مطابق فیصلہ کیا کہ ان لوگوں کو ہاتھ کی دیت ادا کر دی اور گورنر کو معزول کر دیا اور فریادی مطمئن ہو کر اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

موصوف نے کمال ہوشیاری سے معزولی اور شبہ میں ہاتھ کاٹنا دونوں امور کا ذکر نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ اگر کسی نے شبہ میں کسی کا ہاتھ کاٹ دیا ہو تو ازروئے شریعت ایسے حاکم کا ہاتھ قصاص میں نہیں کاٹا جائے گا۔ قرآن نے تو قتل خطا میں بھی قصاص نہیں رکھا:

﴿وَ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّ دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا﴾

(النساء:۹۲)

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مالک بن نویرہ کے قتل پر قصاص کے بجائے دیت دلوائی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہاتھ کی دیت بھی دلوائی اور گورنر کو معزول بھی کر دیا لہٰذا ان پر یہ اعتراض وارد ہی نہیں ہوتا۔

مودودی صاحب نے دوسرا واقعہ زیاد کے ظلم کا ذکر کیا ہے کہ اس نے اپنے پہلے ہی خطبے میں ۳۰ یا ۸۰ آدمیوں کے ہاتھ کاٹ دیے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا...... راوی کو ۳۰ اور ۸۰ میں کوئی فرق بھی محسوس نہیں ہو رہا۔ اگر بالفرض تیس آدمیوں کے ہی ہاتھ کاٹ دیے جاتے تو کوفہ میں عظیم احتجاج ہوتا اور تمام مورخین اسے نقل کرتے کیونکہ یہ واقعہ ہرگز نظر انداز کرنے کے قابل نہیں تھا۔ طبری نے اس کی جو سند نقل کی ہے تو اس میں مجاہیل بھی ہیں۔ علاوہ ازیں اس اہم ترین واقعہ کو قدیم شیعہ مورخین دینوری، یعقوبی اور مسعودی بھی نقل نہیں کرتے...... اگر بالفرض یہ واقعہ صحیح ہے تو زیاد کا ذاتی فعل ہو سکتا ہے اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تک اطلاع پہنچائی گئی ہو اور انھوں نے کوئی کارروائی نہ کی ہو۔

زیاد کے پہلے خطبے میں حجر بن عدی نے حسب معمول کنکر پھینکے تھے۔ انھیں بھی زیاد نے تنہائی میں بلا کر وعظ ونصیحت کی۔ پھر وہ عمرو بن حریث کو اپنا نائب مقرر کر کے بصرہ چلے گئے۔ اس نائب کے ساتھ بھی حجر نے یہی سلوک کیا۔ اگر کنکر پھینکنے پر ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جاتی تو سب سے پہلے حجر کے ہاتھ کاٹے جاتے۔ لہٰذا یہ واقعہ سرے ہی سے غلط ہے۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ زیاد نے انھیں قطع ید کی سزا کیوں دی؟ اس جرم کا اقرار مودودی صاحب کو بھی ہے کہ انھوں نے دوران خطبہ میں گورنر پر کنکر پھینکے تھے۔ کیا یہ کوئی معمولی جرم تھا؟ اس کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے۔

موصوف کا یہ دعویٰ بھی بالکل غلط ہے کہ ''مقدمہ نہیں چلایا گیا کسی عدالت میں پیش نہیں کیے گئے اور کوئی قانونی شہادت بھی پیش نہیں کی گئی'' اسی روایت میں یہ تفصیل بھی موجود ہے کہ مسجد کے دروازے بند کر

دیے گئے ملزموں کو صفائی کا پورا موقع دیا گیا اور ملزم کا فیصلہ خود ملزم ہی کے سپرد کر دیا گیا کہ وہ حلفیہ بیان دے کہ اس نے کنکر نہیں پھینکے پھر جس نے حلفیہ بیان نہیں دیا گویا اس نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا اس طرح وہ (بشرط صحت روایت) سزا کا مستحق ہو گیا۔

شاہ معین الدین ندوی لکھتے ہیں کہ:

''امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عمال ظلم کر بھی نہیں سکتے تھے کیونکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کے تدارک میں بڑا اہتمام تھا۔ چنانچہ وہ روزانہ مظالم کی تحقیقات اور مظلوموں کی داد رسی کے لیے خانہ خدا میں بیٹھتے تھے اور بلا امتیاز ہر کس و ناکس اپنی اپنی شکایتیں پیش کرتا تھا۔ امیر انھیں سن کر ان کا تدارک کرتے تھے۔ علامہ مسعودی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے شبانہ یوم کے معمولات کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:

''پھر امیر معاویہ گھر سے نکلتے اور غلام کو کرسی نکالنے کا حکم دیتے چنانچہ مسجد میں کرسی نکالی جاتی...... اور ان کے سامنے مقدمات و حادثات پیش ہوتے۔ اس میں کمزور و ناتواں، دیہاتی، بچے، عورتیں، لاوارث سب پیش کیے جاتے (اور ان سب کی داد رسی ہوتی) پھر اشراف سے خطاب کرتے کہ تم لوگ اس لیے اشراف کہلاتے ہو کہ اس دربار میں اپنے سے کم رتبہ والوں پر تم کو شرف عطا کیا گیا ہے اس لیے جو لوگ ہمارے پاس نہیں پہنچ سکتے ان کی ضروریات ہم سے بیان کرو۔''

داد رسی اور انسداد مظالم میں جس فرمانروا کا یہ اہتمام ہو اس کے متعلق ظلم و ستم کا الزام لگانا کہاں کا انصاف اور کہاں کی صداقت ہے؟'' (سیر الصحابہ ص۱۲۴ ج۱۲۵ ج۶)

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مظلومین کی داد رسی اور ان پر ہونے والے مظالم کا تدارک کرتے تھے۔ اگر ۳۰ یا ۸۰ لوگوں کے ہاتھ کٹوائے گئے ہوتے تو اس ظلم عظیم کا تدارک کیوں کر نہ ہوتا لہٰذا آں محترم پر یہ الزام کہ انھوں نے اپنے گورنروں کو کھلی چھوٹ دے رکھی تھی اور انھیں قانون سے بالاتر قرار دے دیا تھا سراسر لغو، بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے۔

(۵۷) آزادیِ اظہار رائے کا خاتمہ

جناب مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''دورِ ملوکیت میں ضمیروں پر قفل چڑھا دیے گئے اور زبانیں بند کر دی گئیں اب قاعدہ یہ ہو گیا کہ منہ کھولو تو تعریف کے لیے کھولو ورنہ چپ رہو۔ اور اگر تمھارا ضمیر ایسا ہی زوردار ہے کہ تم حق گوئی سے باز نہیں رہ سکتے تو قید اور قتل اور کوڑوں کی مار کے لیے تیار ہو جاؤ۔ چنانچہ جو لوگ بھی اس دور میں حق بولنے اور غلط کاریوں پر ٹوکنے سے باز نہ آئے ان کو بدترین سزائیں دی گئیں تاکہ پوری قوم دہشت زدہ ہو جائے۔ اس نئی پالیسی کی ابتداء حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حضرت حجر بن عدی کے قتل سے ہوئی۔'' (خلافت وملوکیت ص ۱۶۳، ۱۶۴)

کسی شخص کے دروغ گو اور کذاب ہونے کے لیے اتنی ہی بات کافی ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ''آزادیِ اظہار رائے کے خاتمے'' کا الزام عائد کر دے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ وہ صبر و تحمل کے پہاڑ تھے۔ تاریخ کی کسی گھسی پھسی روایت سے بھی یہ ہرگز ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ انھوں نے کبھی کسی بدگو، کیچڑ اچھالنے والے اور برا بھلا کہنے والے کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی کی ہو۔ مودودی صاحب کو بھی آں محترم کے پورے دور میں صرف حجر بن عدی کی مثال نظر آئی (ان کا تفصیلی ذکر پیچھے گزر چکا ہے)

خلیفہ وقت کو گالیاں دینا، خطبے کی بے حرمتی کرنا، مسجد کا تقدس پامال کرنا، خطیب جو گورنر اور والی ہے اس پر آوازے کسنا، خطبے میں رکاوٹ ڈالنا، گورنر پر روڑے پھینکنا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ظالم کہنا، ان کے قاتلوں پر درود بھیجنا، ان کے ساتھ برملا اظہار ہمدردی کرنا، ان کے ساتھ مل کر حکومت کے خلاف بغاوت کا ارتکاب کرنا...... اگر یہ سب کچھ ''حق'' ہے تو پھر دنیا میں ''باطل'' کا کوئی وجود ہی نہیں۔ حجر بن عدی کا واقعہ خود اظہار رائے کی آزادی کی ایک واضح دلیل ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حلم اور عفو و درگزر ضرب المثل کے طور پر مشہور تھا۔ بارہا لوگ آتے، سخت سے سخت باتیں کہتے مگر آپ ذرا پروا نہ کرتے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ غصہ پی جانے سے زیادہ میرے لیے کوئی چیز لذیذ اور شیریں نہیں۔ اشتعال کے موقع پر بھی جوش میں نہ آتے۔

علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''رؤسائے عرب اور سرداران کے ساتھ کریمانہ برتاؤ رکھتے تھے۔ ان کی ناملائم باتوں کو برداشت کرتے، ان کے ساتھ اخلاق سے پیش آتے۔ ان کے تحمل و بردباری کی حد نہ تھی۔ یہی سبب تھا کہ ان کی

حکومت وریاست کو کسی قسم کی لغزش نہ ہوئی بلکہ بتدریج استقلال ہوتا چلا گیا۔'' (تاریخ ابن خلدون ص۲۴ ج۲)

ایک قریشی ان کے سامنے جا کر برا بھلا کہنے لگا تو انھوں نے اس کی بدزبانی سن کر فرمایا کہ اے میرے بھتیجے! اس حرکت سے باز آ جا۔ امام شعبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ عاقلان عرب چار ہیں معاویہ، عمرو بن عاص، مغیرہ بن شعبہ، (رضی اللہ عنہم)، زیاد۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حلم وخردمندی کی وجہ سے...... حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر حلیم وعقیل...... میں نے نہیں دیکھا...... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ ان کا حلم غصہ کے لیے تریاق تھا...... ان کو دلوں کو جوڑنا خوب آتا تھا۔ اور یہی سبب ان کے استحکام حکومت کا ہوا۔

(تاریخ اسلام ص۲۲ ج۲، اکبر شاہ خان نجیب آبادی)

تابعین میں حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ بھی صفت حلم میں بہت مشہور تھے کسی نے ان سے دریافت کیا کہ آپ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں زیادہ بردبار کون ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ واللہ تم بڑے جاہل معلوم ہوتے ہو۔ میرے اور ان کے حلم میں یہ فرق ہے کہ وہ پوری طاقت رکھتے ہوئے حلم اور بردباری سے کام لیتے ہیں اور میں قدرت نہ رکھتے ہوئے بردباری کرتا ہوں لہٰذا میں ان سے کیسے بڑھ سکتا ہوں؟ یا ان کے برابر بھی کیسے ہوسکتا ہوں؟ (عقد الفرید ص۱۶۵ ج۱)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بردباری صرف اس حد تک ہوتی تھی جس سے دین، شریعت اور خلافت پر حرف نہ آتا ہو۔ دیگر امور میں بردباری اور عفو ودرگزر سے کام لیتے تھے۔ ان کے بعض عمال کی طرف تشدد کے جو چند واقعات منسوب ہیں ان میں بیشتر من گھڑت ہیں اور جو چند صحیح ہیں تو وہاں حکومت وخلافت کے استحکام کے لیے ایسا اقدام ناگزیر ہوگیا تھا۔ چنانچہ مورخ اسلام اکبر شاہ خان نجیب آبادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''ان کے زمانے میں زیاد بن ابی سفیان اور بعض دوسرے عاملوں نے عراقیوں اور ایرانیوں پر کسی قدر سختی اور تشدد کو روا رکھا۔ لیکن ان عراقیوں اور ایرانیوں پر اگر یہ سختی اور تشدد نہ ہوتا تو ظلم تھا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کا ایک نقص سمجھا جاتا۔'' (تاریخ اسلام ص۳۶ ج۲)

ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا اللہ کی قسم! خود بخود ٹھیک رہیں ورنہ ہم آپ کو درست کر دیں گے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "بما ذا" کس کے ساتھ ٹھیک کرو گے؟ اس نے کہا "بالخشب" لاٹھی کے ساتھ۔ آپ نے فرمایا "اذًا نستقیم" پھر تو ہم درست ہو جائیں گے۔ (سیر اعلام النبلاء ص۱۰۲ ج۳)

ایک شخص نے دوران گفتگو میں آپ کے حق میں ناشائستہ الفاظ استعمال کیے آپ نے کچھ دیر کے لیے اپنا سر جھکا لیا اور پھر اسے وعظ ونصیحت سے ایسا کرنے سے روکا۔ (حوالہ مذکور)

ایک شخص نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سخت برا بھلا کہا جب آپ سے نوٹس لینے کو کہا گیا تو آپ نے فرمایا:

((انی لاستحی من الله ان یضیق حلمی علی ذنب احد من رعیتی...... انی لاستحی ان یکون ذنب اعظم من عفوی او جهل اکبر من حلمی))

''مجھے اللہ سے شرم آتی ہے کہ کہیں میری بردباری پر کسی کا گناہ غالب نہ آ جائے......سفیان ثوری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے میں شرم کرتا ہوں کہ کہیں کسی کا جرم میری معافی سے اور کسی کی نادانی میرے حلم سے بڑھ نہ جائے۔'' (البدایہ والنہایہ ص ۱۳۵ ج ۸)

ایک شخص دوران خطبہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ درشت مزاجی کے ساتھ پیش آیا۔ آپ نے اس کے متعلق فرمایا "ان هذا احیانی احیاه الله" اس شخص نے مجھے ہلاکت سے بچا لیا اور زندگی عطا کی، اللہ اسے زندگی دے۔ اس پر ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

''اے مخاطب! تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس یکتا منقبت جلیلہ کو دیکھ اور اس پر غور کر۔ تجھے معلوم ہو جائے گا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل کرنے میں کس قدر حریص تھے۔ اور وہ اپنی ذات کے بارے میں کس قدر خوف زدہ تھے کہ کہیں ان سے کوئی معمولی سی بھی زیادتی سرزد نہ ہو جائے۔ "فحماه الله و امنه رضی الله عنه" پس اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی اور انھیں امن میں رکھا۔''

(تطہیر الجنان ص ۲۷)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ خطبے میں رؤیت ہلال اور روزے کے بارے میں ایک رائے کا اظہار کیا۔ اسی وقت ایک شخص نے دریافت کیا کہ یہ آپ کی ذاتی رائے ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی حدیث ہے۔ آپ نے فرمایا یہ میری ذاتی رائے نہیں ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے یوں ہی سنا ہے۔

(سنن ابی داود کتاب الصوم باب فی التقدم)

اس تفصیل سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں تنقید اور اظہار رائے کی پوری آزادی تھی۔ انھوں نے نہ اس پر کبھی پابندی عائد کی، نہ کبھی اس کی حوصلہ شکنی کی، نہ ضمیروں پر قفل چڑھائے، نہ کسی کو قید کیا، نہ کسی کو قتل کیا اور نہ کسی کو کوڑوں سے پیٹا۔ بلکہ تنقید کو ہمیشہ خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور ہمیشہ اس کی حوصلہ افزائی کی۔

لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام کہ ان کے دور میں ضمیروں پر قفل چڑھا دیے گئے، زبانیں بند کر دی گئیں اور حق گوئی کی سزا قید، کوڑوں اور قتل کی صورت میں دی گئی، بالکل لغو، بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے۔

(۵۸) تقسیم مال غنیمت میں کتاب و سنت کی مخالفت

اس الزام کے تحت جناب مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''مال غنیمت کی تقسیم کے معاملے میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی۔ کتاب و سنت کی رو سے پورے مال غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں داخل ہونا چاہیے اور باقی چار حصے اس فوج میں تقسیم ہونے چاہییں جو لڑائی میں شریک ہوئی ہو۔ لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ مال غنیمت میں سے چاندی سونا ان کے لیے الگ نکال لیا جائے پھر باقی مال شرعی قاعدے کے مطابق تقسیم کیا جائے۔'' (خلافت و ملوکیت ص ۱۷۴)

موصوف معاویہ دشمنی میں نہایت ہی جری واقع ہوئے ہیں ان کی تحریر سے بآسانی و بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس معاملے میں عبداللہ بن سبا، عافقی بن حرب اور اشتر نخعی سے دو چار قدم آگے ہی ہیں۔

اس ساری داستان میں نہ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خط کے ذریعے سے کوئی حکم دینا اور نہ اس حکم پر عمل درآمد کرانا ثابت کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ اسی داستان سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم کی مخالفت کی گئی۔ جب حکم کی تعمیل ہی نہیں ہوئی اور سونا چاندی الگ کیا ہی نہیں گیا تو پھر قرآن و سنت کے صریح احکام کی خلاف ورزی کیسے ہو گئی؟

بقول مودودی صاحب جب تقسیم کے معاملے میں پہلے ہی کتاب و سنت کی مخالفت کا حکم دے دیا گیا تھا تو باقی ماندہ مال کے لیے ''شرعی قاعدہ'' کے مطابق تقسیم کرنے کی تاکید کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے؟

موصوف اگر حسب عادت بددیانتی کا ارتکاب نہ کرتے اور تاریخ کی زبانی اصل واقعہ تحریر کر دیتے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر سرے سے کوئی اعتراض وارد ہی نہیں ہوتا تھا۔ مگر حق بات کے اختیار کرنے میں صرف ''بغض معاویہ'' حائل تھا۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''خراسان میں زیاد کے نائب حضرت حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے زیاد کے حکم کے تحت جبل الاسل کے مقام پر جہاد کیا۔ بہت سے آدمی قتل ہوئے اور بہت سا مال غنیمت ہاتھ لگا۔ تو زیاد نے ان کی طرف لکھا کہ امیر المومنین کی طرف سے یہ خط آیا ہے کہ مال غنیمت میں سے ان کے لیے سونا چاندی الگ کر لیا جائے۔ "يجمع كله من هذه الغنيمة لبيت المال" یہ سونا چاندی سب بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا۔ حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے جواباً لکھا کہ اللہ کی کتاب امیر المومنین کے خط پر مقدم ہے...... پھر انھوں نے مال لوگوں

میں تقسیم کر دیا۔ "وخالف زیادا فیما کتب الیه عن معاویه وعزل الخمس کما امر الله ورسوله......" اورانھوں نے زیاد کے اس حکم کی مخالفت کی جو اس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے انھیں لکھا تھا اور صرف مال کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول کے مطابق الگ کیا۔"

(البدایہ والنہایہ ص ۲۹ ج ۸)

اس خط میں زیاد نے اس حکم کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اگر فی الواقع دربار خلافت سے اس قسم کا کوئی حکم صادر ہوا ہوتا تو تمام گورنروں کی طرف بھیجا جاتا۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس حکم کی سرے سے کوئی تعمیل ہی نہیں ہوئی اور مال غنیمت کی تقسیم کتاب وسنت کے عین مطابق ہوئی۔ پھر حضرت حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ سے اس حکم عدولی پر نہ زیاد کی طرف سے اور نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوئی باز پرس ہوئی۔ وہ بدستور خراسان کے حاکم رہے تاآنکہ اس واقعہ کے چار پانچ سال بعد ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں ان کا طبعی موت سے انتقال ہو گیا۔

مودودی صاحب کے وکیل صفائی ملک غلام علی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"امام حاکم نے بھی مستدرک ص ۴۴۲ ج ۳ پر ایک روایت میں بیان کیا ہے کہ:

((وان معاویه لما فعل الحکم فی قسمة الفئی ما فعل وجه الیه من قیده وحبسه فمات فی قیوده))

"جب حضرت حکم رضی اللہ عنہ نے تقسیم میں یہ طرزِ عمل اختیار کیا تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنا فرستادہ بھیجا جس نے حکم رضی اللہ عنہ کو مقید ومحبوس کر لیا اور اسی حال میں ان کا انتقال ہو گیا۔" (خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ص ۸۴)

امام حاکم کی اس روایت کی تائید کسی دوسری روایت سے نہیں ہوتی اکثر مورخین نے قید کے اس حکم کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا۔ جبکہ بعض نے عتاب آمیز خط کی نسبت زیاد کی طرف کی ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس کی تردید کی کہ زیاد نے اپنی مخالفت کی بنا پر عتاب آمیز خط نہیں لکھا۔

(الاصابہ ص ۳۰ ج ۲ تحت حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ)

امام ابن حجر رحمہ اللہ امام حاکم (متوفی ۴۰۵ھ) کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"هو شیعی مشهور بذلك وہ مشہور شیعہ ہے۔ ابو (ابن) طاہر نے کہا کہ میں نے ابو اسماعیل عبداللہ انصاری سے حاکم کے متعلق پوچھا تو کہنے لگے کہ "امام فی الحدیث رافضی خبیث...... قلت ان الله یحب الانصاف ما الرجل برافضی بل شیعی فقط" حدیث کا امام اور خبیث رافضی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اللہ انصاف کو پسند کرتا ہے حاکم رافضی نہیں صرف شیعہ تھا۔"

(لسان المیزان ص ۲۳۲ ج ۵)

اہل تشیع نے بھی حاکم کو شیعہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ شیخ عباس قمی لکھتے ہیں کہ "وھو من ابطال الشیعة وسُدنته للشریعة" یہ بہت بڑے شیعوں میں سے ہیں اور ان کی شریعت کے ستون ہیں۔ "یمیل الی التشیع ...... صرّح مع من الفریقین بتشیعه......" اس کا میلان شیعیت کی طرف تھا۔ شیعہ، سنی دونوں اس کے تشیع کی تصریح کرتے ہیں۔ "کان شدید التعصب للشیعة فی الباطن...... وکان منحرفا عن معاویة واله متظاهرا بذلك ولا یعتذر منه" یہ باطنی طور پر متعصب شیعہ تھا معاویہ اور ان کے اہل سے علانیہ طور پر منحرف تھا۔ اور اس کا کوئی عذر اس کی طرف سے نہیں کیا گیا۔"

امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

''وہ شیعہ ہے رافضی نہیں۔ کاش وہ مستدرک نہ لکھتا۔''

((وذكر ابن شهر اشوب فی معالم العلماء وصاحب الریاض فی القسم الاول فی عداد الامامیة علی ما نقل عنهما))

''ابن شہر آشوب نے معالم العلماء میں اس کا ذکر کیا۔ اور صاحب الریاض نے قسم اول میں اس کا تذکرہ کیا جہاں اس نے شیعہ علماء کی تعداد بیان کی ہے۔ یہی ان سے منقول ہے۔'' (الکنی والالقاب ص ۱۷۰ ج ۲)

عصر حاضر کے شیعہ مجتہد محسن الامین نے بھی اسے شیعہ قرار دیا ہے۔ (اعیان الشیعہ ص ۳۹۱ ج ۹)

امام ذہبی رحمہ اللہ نے حاکم کی ایک روایت "وذکر مبارزة علی "مستدرک حاکم ص ۳۲ ج ۳، کتاب المغازی) پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

((قلت قبح الله رافضیا افتراه))

''میں کہتا ہوں کہ اس رافضی (امام حاکم) کو اللہ رسوا کرے یہ روایت اس نے خود گھڑی ہے۔''

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ امام حاکم فریقین کے نزدیک متفقہ طور پر شیعہ ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف علانیہ طور پر بغض وعناد رکھتا تھا۔ گویا یہ چوتھی صدی ہجری کے مودودی اول تھے۔ اسی لیے ملک غلام علی صاحب نے اپنے روحانی مرشد کا قول حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف پیش کر کے بزعم خویش میدان مار لیا ہے۔

زیر بحث واقعہ کے متعلق ابن عساکر نے لکھا ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ کے طرز عمل کا علم ہوا تو انھوں نے اپنے وزراء سے اس کے متعلق مشورہ کیا تو انھیں یہ رائے دی گئی کہ حکم (رضی اللہ عنہ) کو پھانسی دی جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں یا ان پر اس مال کے بقدر تاوان عائد کیا جائے۔

((فقال معاویة بئس الوزراء انتم...... اتأمرونی ان اعمد الی رجل اثر کتاب الله

تعالیٰ علی کتابی وسنة رسول الله ﷺ علی سنتی فاقطع یدیه ورجلیه بل احسن واجمل واصاب فکانت هذه مما تعد من مناقب معاویة))

''تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا تم لوگ برے وزراء ہو۔ کیا تم مجھے اس شخص کے ہاتھ پاؤں کاٹ دینے کا مشورہ دیتے ہو جس نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کو میرے خط پر ترجیح دی ہے اور آنحضرت ﷺ کی سند کو میری بات سے مقدم کیا ہے اس شخص نے بہت اچھا عمدہ اور درست کردار ادا کیا ہے۔ یہ واقعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں شمار کیا جاتا ہے۔'' (تاریخ بلدہ دمشق تحت ترجمہ معاویہ)

علاوہ ازیں زیر بحث روایت سنداً بھی منقطع اور مرسل ہے۔ تو ایسی روایت کی رو سے کوئی شیعہ، رافضی اور مودودی ہی ایک جلیل القدر صحابی پر اعتراض کر سکتا ہے۔

مال کی تقسیم کے متعلق امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا طریقہ کار بروایت حضرت عطیہ بن قیس رحمہ اللہ یوں بیان کرتے ہیں کہ:

''میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ اے لوگو! تنخواہیں تقسیم کرنے کے بعد جو کچھ بیت المال میں بچ گیا ہے اب میں وہ تقسیم کرنا چاہتا ہوں اور اگر اگلے سال بھی بدستور کچھ مال بچ سکا اور میں موجود ہوا تو اسے بھی تمہارے درمیان تقسیم کر دوں گا۔ ورنہ مجھے معتوب نہ کرنا اس لیے کہ یہ مال میرا نہیں ہے بلکہ اللہ کا مال ہے اور اسی نے تمھیں عطا کیا ہے۔''

(المنتقی ص ۵۶۷۔ منہاج السنۃ ص ۱۸۵ ج ۱)

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے پہلے اپنا آدھا مال بیت المال میں جمع کرانے کی وصیت بھی کی تھی۔

(تاریخ طبری اردو ص ۱۵۴ ج ۴۔ انساب الاشراف بلاذری تحت معاویہ بن ابی سفیان)

مزید برآں...... یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ امام و خلیفہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت و مفاد کے پیش نظر اپنی صوابدید کے مطابق تقسیم اور تصرف کر سکے...... آنحضرت ﷺ نے جنگ حنین کے نتیجے میں حاصل ہونے والے مال غنیمت کو اسی مصلحت کے تحت تقسیم فرمایا تھا۔ اسی طرح خلفائے راشدین کے ادوار میں بھی ایسی مثالیں پائی جاتی ہیں جن میں بعض حضرات کو ان کے حصے سے زیادہ مال دیا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسی ہی مصلحت کے تحت بصرہ کا سارا خزانہ ہی اپنے لشکریوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے بڑے بڑے قومی کام سرانجام دیے۔ فوجیں تیار کیں، جنگی بیڑے بنوائے، فتوحات میں مال صرف کیا، قلعے تعمیر کرائے، پولیس کے محکمہ کو ترقی دی، خبر رسانی کا محکمہ قائم کیا، دفاتر بنوائے، نہریں کھدوائیں، اسلامی نو آبادیاں قائم کیں، شہر

بسائے، صحابہ اور اہل بیت نبوت کے وظائف مقرر کیے، غرباء پر مال تقسیم کیا، عدالتوں پر صرف کیا اور ان کے علاوہ دیگر بہت سے قومی اور اسلامی مفاد میں خرچ کیا۔

اگر یہ بے جا تصرف ہوتا تو اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن یہ وظائف اور عطایا کیوں قبول کرتیں؟

علیٰ سبیل التنزل اگر محض غلط حکم دینے سے بقول مودودی صاحب کتاب وسنت کے صریح احکام کی خلاف ورزی کا فتویٰ لاگو ہوتا ہے تو کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بھی اس کا اطلاق ہو گا؟ جنھوں نے قرآن کے خلاف حکم دیا تھا۔ چنانچہ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ جمعہ کے خطبے میں اس رائے کا اظہار کیا کہ کسی شخص کو نکاح میں چار سو درہم سے زیادہ مہر باندھنے کی اجازت نہ دی جائے۔ ایک عورت نے انھیں وہیں ٹوک دیا کہ آپ کو ایسا حکم دینے کا حق نہیں ہے۔ قرآن ڈھیر سا مال (قنطار) مہر میں دینے کی اجازت دیتا ہے۔ آپ اس کی حد مقرر کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً اپنی رائے سے رجوع کر لیا۔'' (خلافت وملوکیت ص ۱۰۱)

اگر بالفرض محال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سونا چاندی اپنے لیے الگ کرنے کا حکم دیا تھا تو اس پر کسی نے عمل نہیں کیا اور اس حکم کو خلاف کتاب وسنت سمجھ کر رد کر دیا تھا...... بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس ''حکم عدولی'' کی تائید وتصویب فرما کر گویا اپنے حکم سے رجوع کر لیا تھا...... اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر رجوع کے بعد قرآن کے حکم صریح کی خلاف ورزی کا الزام عائد نہیں ہو سکتا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کیونکر مورد الزام ٹھہرائے جا سکتے ہیں؟

لہٰذا آں موصوف پر مال غنیمت کی تقسیم کے معاملے میں کتاب وسنت کے صریح احکام کی خلاف ورزی کا الزام بالکل لغو، بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے۔

(۵۹) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اکل مال بالباطل کا حکم دینا

دشمنانِ صحابہ کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ وہ لوگوں کو ناحق قتل کرنے اور حرام مال کھانے کا حکم دیا کرتے تھے۔ چنانچہ مشہور دشمن اسلام وصحابہ غلام حسین نجفی لکھتا ہے کہ:

''خلیفہ کا کام ہے کہ لوگوں کو حرام کھانے سے منع کرے اور ناحق قتل کرنے سے روکے اور معاویہ عجیب خلیفہ تھا جو لوگوں کو حرام کھانے پر مجبور کرتا تھا۔'' (خصائل معاویہ ص۴۳۲)

یہ اعتراض دراصل صحیح مسلم کی ایک روایت کی بنا پر کیا جاتا ہے جس میں عبدالرحمٰن بن عبد رب الکعبہ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد میں گیا وہاں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کعبہ کے سائے میں بیٹھے لوگوں کو احادیث سنا رہے تھے۔ جب ایک طویل حدیث کا یہ حصہ سنایا کہ:

((من بایع امامًا فاعطاه صفقة یده وثمرة قلبه فلیعطه ان استطاع فان جاء احد ینازعه فاضربوا عنق الاخر))

''جس نے کسی امام کی بیعت کی اور اس کے ہاتھ میں دست وفا اور دل کا خلوص دیا اسے چاہیے کہ اس کی پوری اطاعت کرے اگر طاقت رکھے۔ پھر اگر دوسرا امام اس کے ساتھ جھگڑا کرے تو تم اس دوسرے کی گردن ماردو۔''

یہ سن کر میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان سے کہا میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں آپ نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے؟ انھوں نے اپنے کانوں اور دل کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا اور کہا میرے کانوں نے سنا اور دل نے یاد رکھا۔ میں نے ان سے کہا:

((هذا ابن عمك معاویه یامرنا ان ناكل اموالنا بیننا بالباطل ونقتل انفسنا والله عزوجل یقول: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا قال فسكت ساعة ثم قال اطعه فی طاعة الله واعصه فی معصیة الله عزوجل))

''کہ آپ کے یہ چچا کے بیٹے معاویہ ہمیں ایک دوسرے کا مال ناحق کھانے اور باہمی قتال کا حکم دیتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے ایمان والو! اپنے مال ناحق مت کھاؤ مگر تجارت کر کے باہمی رضامندی سے اور مت قتل کروا اپنی جانوں کو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے۔ یہ سن کر عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کچھ دیر تک خاموش رہے پھر فرمایا اللہ کی اطاعت میں ان کی اطاعت کرو اور اللہ کی نافرمانی میں ان کی نافرمانی کرو۔'' (صحیح مسلم کتاب الامارۃ، باب وجوب الوفاء ببیعۃ الخلیفۃ الاول فالاول)

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ راوی کی شکایت کا تعلق دورِ فتن کے ساتھ ہے جب حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلاف عروج پر تھا۔ پیچھے یہ بات گزر چکی ہے کہ نزاعی مسئلہ فقط ''قصاص عثمان'' کا تھا خلافت کے مسئلے میں نہ کوئی تنازع تھا اور نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلافت کے مدعی تھے۔ بلکہ انھوں نے بیعت کو مسئلہ قصاص کے ساتھ مشروط کر رکھا تھا۔ زیر بحث حدیث (کہ خلیفہ اول کی بیعت پر قائم رہو اور دوسرے کی گردن اڑا دو) کا اطلاق ان پر تب ہوتا جب وہ اپنی خلافت کا دعویٰ کرتے۔ بعد میں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آں محترم کے ساتھ مصالحت کر لی تو کسی دوسرے کو اب اعتراض کرنے کا کیا حق حاصل ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کسی کو ''اکل مال بالباطل'' اور ''قتل نفس'' کا کوئی حکم نہیں دیا۔ راوی عبدالرحمٰن (جو غیر صحابی ہیں) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی ہوئی تھی اور کعبہ کے سائے میں حدیث سنانے والے صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ میں شامل تھے۔ اس لیے راوی عبدالرحمٰن نے اپنا موقف پیش کیا کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہو چکے ہیں تو ان کی اطاعت لازم ہے۔ اس حالت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنے لشکر پر مال خرچ کرنا اور آمادہ جنگ ہونا ''اکل مال بالباطل اور قتل نفس'' کے حکم میں آتا ہے۔ یہ راوی کا اپنا خیال ہے جو بالکل خلاف واقعہ ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کی تشریح میں اسے راوی کے گمان پر محمول کیا ہے۔ (شرح مسلم ص۱۲۶ ج۲)

اگر یہ امر واقع ہوتا تو صحابہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہرگز تعاون نہیں کر سکتے تھے۔

راوی کے اس سوال پر حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے جو عوام کے ہجوم میں بیٹھے تھے بڑا اصولی جواب دیا کہ اللہ کی اطاعت میں ان کی اطاعت کرو اور اللہ کی نافرمانی میں ان کی نافرمانی کرو۔

دوسری بات یہ ہے کہ حدیث کا قابل اعتراض حصہ راوی کا اپنا اضافہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں یہ حصہ نہیں پایا جاتا۔

(سنن نسائی ص ۱۶۵ ج ۲ کتاب البیعۃ۔ سنن ابن ماجہ، ص ۲۹۳ باب السواد الاعظم من ابواب الفتن)

علاوہ ازیں راوی کی تائید کسی دوسرے راوی یا کسی دوسری روایت سے بھی نہیں ہوتی۔

عبدالرحمٰن سے نیچے اس کا راوی زید بن وہب کوفی ہے جس کے متعلق علمائے رجال نے تصریح کی ہے کہ "فی حدیثه خلل کثیر" اس کی حدیث میں بہت خلل واقع ہوئے ہیں۔

(تہذیب التہذیب ص ۴۲۷ ج ۳ تحت زید بن وہب الجہنی الکوفی)

پھر جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے اور وہ واحد متفقہ خلیفہ منتخب ہو گئے تو راوی کا اپنا گمان بھی باطل ہو گیا۔ ورنہ یہ لازم آئے گا کہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اور دیگر اہل بیت نبوی ''اموال باطلہ'' کا استعمال کرتے رہے۔

بہر حال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ''اکل مال بالباطل اور قتل نفس'' کا الزام خلاف واقعہ ہے۔

(۶۰) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے معاہد کی دیت میں سنت کی مخالفت کی

جناب مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ دیت کے معاملے میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنت کو بدل دیا۔ سنت یہ تھی کہ معاہد کی دیت مسلمان کے برابر ہوگی مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو نصف کر دیا اور باقی نصف خود لینی شروع کر دی۔'' (خلافت وملوکیت ص۱۷۳)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر دیت کی تبدیلی کا الزام عائد کرنے کے لیے موصوف نے انتہائی بددیانتی اور عظیم خیانت کا مظاہرہ کیا ہے۔ ان کی عبارت سے بظاہر یہ تاثر ملتا ہے کہ ''دیت کے معاملے میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنت کو بدل دیا'' کے الفاظ بھی حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ہی کے ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ مذکورہ الفاظ نہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے ہیں اور نہ ان کی تاریخ ''البدایہ والنہایہ'' ہی میں پائے جاتے ہیں۔ یہ صرف مودودی صاحب کے خبث باطن اور بغض معاویہ کا نتیجہ ہیں۔ نیز بعد کے الفاظ بھی ابن کثیر رحمہ اللہ کے نہیں بلکہ امام زہری کے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

((......وبه قال الزهری ومضت السنة ان دية المعاهد كدية المسلم وكان معاوية اول من قصرها الى النصف واخذ النصف لنفسه)) (البدایہ والنہایہ ص۱۳۹ ج۸)

''امام زہری نے اسی سند کے ساتھ یہ بھی بیان کیا ہے کہ سنت یہ چلی آ رہی تھی کہ معاہد کی دیت ایک مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اسے نصف تک کم کر دیا اور بقیہ نصف خود اپنے لیے رکھ لی۔''

معلوم نہیں کہ مودودی صاحب نے ''دیت کے معاملے میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنت کو بدل دیا'' ابن کثیر یا زہری کے کن الفاظ کا ترجمہ کیا ہے۔

جناب زہری نے یہاں دو دعوے کیے ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوری دیت کو نصف کر دیا۔ اور دوسرا یہ کہ باقی نصف خود لینی شروع کر دی۔

مودودی صاحب تو پہلے سے ''بغض معاویہ'' میں ''جلے بھنے'' ہوئے تھے اس لیے انھوں نے ایک قدم بڑھاتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مخالف سنت قرار دے دیا۔

جہاں تک زہری کے اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ انھوں نے دیت کی مقدار کم کر کے اسے نصف کر دیا جبکہ سنت یہ تھی کہ معاہد کی دیت مسلمان کے برابر ہوگی۔ یہ دعویٰ بھی غلط ہے...... حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ

رضی اللہ عنہ نے دیت کی مقدار کم نہیں کی بلکہ اسی سنت طریقے کے مطابق قاتل سے پوری دیت ہی وصول کی...... اور اگر بالفرض انھوں نے دیت کی مقدار نصف کر دی تھی تو پھر بھی موصوف کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ سنت صرف یہی تھی کہ معاہد کی دیت مسلمان کے برابر ہوگی۔ بلکہ یہ مسئلہ صحابہ اور فقہاء میں مختلف فیہ رہا ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی دونوں قسم کی روایات منقول ہیں:

① "دية الكافر نصف دية المسلم" کافر کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف ہے۔

(مسند امام احمد ص ۱۸۰ ج ۲ تحت عبداللہ بن عمرو بن عاص)

② "دية المعاهد نصف دية الحر" معاہد ذمی کی دیت آزاد کی دیت سے نصف ہوگی۔

(مشکوۃ باب الدیات الفصل الثانی)

③ بعض روایات میں دیت کے بجائے "عقل الكافر نصف دية المسلم" کے الفاظ آئے ہیں۔ (نیل الاوطار ص ۶۴ ج ۷)

مشہور مالکی فاضل ابن رشد قرطبی لکھتے ہیں کہ:

"ذمی کی دیت کے متعلق تین اقوال ہیں:

① "ان ديتهم على النصف من دية المسلم" ان کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف ہے۔ یہ قول امام مالک اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا ہے۔

② "ان ديتهم ثلث دية المسلم" ان کی دیت مسلمان کی دیت کا تہائی ہے۔ یہ قول امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے اور یہی عمر بن خطاب اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما اور تابعین رحمہم اللہ کی ایک جماعت سے مروی ہے۔

③ "ان ديتهم مثل دية المسلمين" ان کی دیت مسلمانوں کی دیت کے برابر ہے۔ یہ قول امام ابو حنیفہ، امام ثوری رحمہ اللہ اور ایک جماعت کا ہے۔ اور یہی حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اور تابعین رحمہم اللہ کی ایک جماعت سے مروی ہے۔" (بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد ص ۴۱۴ ج ۲)

اس عبارت سے تو معاہد کی دیت نصف کے بجائے ایک تہائی بھی ثابت ہو رہی ہے۔ اور اس کے قائلین میں حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، تابعین کی ایک جماعت اور امام شافعی رحمہ اللہ شامل ہیں۔ کیا اس نظریہ کے حاملین پر بھی سنت کی مخالفت کا فتویٰ عائد ہوگا؟

نصف دیت کا قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ حضرت عمر بن عبدالعزیز اور امام مالک رحمہ اللہ کا بھی ہے...... کیا انھوں نے بھی "سنت" کو تبدیل کر دیا تھا؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جن پر بڑے زور شور کے ساتھ سنت کی تبدیلی کا الزام عائد کیا جاتا ہے انھوں نے تو نصف دیت کا مسلک اختیار ہی نہیں کیا مگر پھر بھی معاندین صرف ان ہی پر الزام عائد کرتے ہیں۔

مشہور مفسر قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ معاہد کی دیت مسلمان کے برابر ہو۔ لفظ دیت مجمل ہے اس کی تفصیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف طور پر مروی ہے۔ جس طرح مرد و عورت اور آزاد و غلام کی دیت کے بارے میں اختلاف ہے اسی طرح کافر اور مسلمان کی دیت کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔'' (تفسیر مظہری ص۱۹۳ ج۲)

علامہ رشید رضا صاحب تفسیر ''المنار'' لکھتے ہیں کہ:

''غیر مسلم کی دیت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے کیونکہ روایات بھی مختلف ہیں اور صدر اول ... لوگوں کا عمل بھی مختلف رہا ہے...... حاصل بحث یہ ہے کہ قولی و عملی روایات مختلف و متعارض ہیں جن کی بنا پر فقہاء میں بھی اختلاف ہے۔ آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بنیاد عرف اور باہمی رضامندی پر ہے۔ سلف کا اختلاف بھی اسی بنا پر تھا۔'' (المنار ص۳۳۴، ۳۳۶ ج۵)

باقی رہا دوسرا دعویٰ کہ بقیہ نصف دیت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود لینی شروع کر دی۔ تو یہ بھی سراسر باطل ہے اور بالکل اسی طرح کا الزام ہے جس طرح کہ مال غنیمت میں سے اپنے لیے سونا اور چاندی الگ چھانٹ لیا کرتے تھے۔ جس طرح وہاں ''بیت المال'' کے الفاظ موجود تھے اسی طرح یہاں بھی ''بیت المال'' کے الفاظ موجود ہیں۔ اگر دشمنان معاویہ کی آنکھوں پر ضد، عناد اور تعصب کی پٹی بندھی ہوئی ہو تو اس کا کیا علاج ہے؟ جس زہری کے حوالے سے نصف دیت خود لینے کا الزام عائد کیا گیا ہے اسی زہری کی یہ روایت بھی ہے:

''زہری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کے دور میں معاہد کی دیت مسلمان کے برابر سنت سمجھی جاتی تھی۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے فجعل فی بیت المال نصفها واعطیٰ اهل المقتول نصفها۔ تو انھوں نے نصف دیت بیت المال کے لیے اور باقی نصف مقتول کے ورثاء کے لیے مقرر کر دی۔ پھر عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے صرف نصف دیت کا فیصلہ کیا اور وہ نصف دیت جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیت المال کے لیے مقرر کی تھی ساقط کر دی۔'' (بدایۃ المجتہد ص۴۱۴ ج۲)

امام ابوداود رحمہ اللہ بروایت ربیعہ بن عبدالرحمٰن لکھتے ہیں کہ:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے میں ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور خلافت میں جب یہ صورت پیش آئی تو انھوں نے فرمایا:

((ان كان اهله اصيبوا به فقد اصيب به بيت مال المسلمين فاجعلوا لبيت مال المسلمين النصف ولاهله النصف))

''کہ اگر ذمی کے قتل سے اس کے رشتہ داروں کو نقصان پہنچا ہے تو مسلمانوں کے بیت المال کو بھی نقصان پہنچا ہے۔ پس نصف مسلمانوں کے بیت المال کے لیے اور باقی نصف مقتول کے رشتے داروں کے لیے مقرر کر دو۔'' (المراسیل لابن ابی داود ص۲۹ باب دیۃ الذمی)

امام ابوبکر احمد بن عمرو کہتے ہیں کہ ذمی کی دیت آنحضرت ﷺ، ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے میں ایک ہزار دینار تھی۔ "حتّٰی کان معاویة اعطیٰ اهل القتیل خمس مائة دینار ووضع فی بیت المال خمس مائة دینار" یہاں تک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مقتول کے رشتہ داروں کے لیے پانچ سو دینار اور بیت المال کے لیے پانچ سو دینار مقرر کیے۔ (کتاب الدیات ص ۴۶ باب دیۃ الذمی)

مشہور محدث امام بیہقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((کان معاوية اعطى اهل المقتول النصف والقى النصف فى بيت المال))

(بیہقی ص ۱۰۲ ج ۸، باب دیۃ اہل الذمہ)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دیت کا نصف مقتول کے ورثاء کو عطا کرتے تھے اور دوسرا نصف بیت المال میں جمع کر لیتے تھے۔''

اس تفصیل سے اگرچہ یہ ثابت ہو گیا ہے کہ زہری کی پہلی روایت جسے مودودی صاحب نے امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کیا تھا کہ ''باقی نصف خود لینی شروع کر دی'' اس سے مراد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اپنی ذات نہیں بلکہ مسلمانوں کا بیت المال مراد ہے۔ مگر پھر بھی جو لوگ زہری کے حوالے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر دیت کے خود لینے کا الزام عائد کرتے ہیں تو انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ صحابہ کے خلاف زہری کے قول سے حجت نہیں پکڑی جا سکتی۔ کیونکہ یہ ذات شریف بھی مشکوک ہے۔ چنانچہ خواجہ قمر الدین سیالوی لکھتے ہیں کہ:

''ابن شہاب زہری اہل تشیع کی اصول کافی میں بیسیوں جگہ پر روایت کرتا نظر آتا ہے اور اہل تشیع کی فروع کافی نے تو اس کی روایتوں کے بل بوتے پر کتاب کی شکل اختیار کی ہے...... آپ کی مزید تسلی کے لیے اسی محمد بن مسلم بن شہاب زہری صاحب کو کتاب منتہی المقال یا رجال بوعلی میں شیعوں کی صف میں بے نقاب بیٹھا ہوا دکھاتے ہیں۔ دیکھو کتاب رجال بوعلی، جہاں صاف لکھا ہوا ہے کہ محمد بن مسلم بن شہاب زہری شیعہ ہے۔'' (مذہب شیعہ ص ۹۳)

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر عائد کردہ ''تبدیلی سنت'' کا الزام بالکل لغو، بے بنیاد اور من گھڑت ہے۔

اگر علیٰ سبیل التنزل اسے صحیح بھی قرار دیا جائے تو بھی زیر بحث مسئلہ صحابہ اور فقہاء کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے۔ نیز آنحضرت ﷺ سے بھی اس کے متعلق مختلف روایتیں منقول ہیں لہٰذا یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے۔

اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحیثیت ایک فقیہ اور مجتہد زیر بحث فیصلہ کیا بھی ہے تو بھی آں محترم پر سنت کی تبدیلی کا الزام ہرگز عائد نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس سے آں موصوف کی فقاہت، ذہانت اور بصیرت واضح ہوتی ہے کہ انھوں نے مختلف اقوال میں تطبیق دی ہے۔

حیرت ہے کہ دشمنان معاویہ نے ان کی اسی خوبی اور کمال کو نقص اور عیب سمجھ لیا۔

(۶۱) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا

جناب مودودی صاحب ''بغض معاویہ'' کی وجہ سے اس الزام کو زیادہ گھناؤنا بنا کر لکھتے ہیں کہ:

''سب سے بڑی مصیبت جو ملوکیت کے دور میں مسلمانوں پر آئی وہ یہ تھی کہ اس دور میں قانون کی بالاتری کا اصول توڑ دیا گیا...... یہ پالیسی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد ہی سے شروع ہو گئی تھی۔ امام زہری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور چاروں خلفائے راشدین کے عہد میں سنت یہ تھی کہ نہ کافر مسلمان کا وارث ہوسکتا ہے نہ مسلمان کافر کا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ حکومت میں مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا اور کافر کو مسلمان کا وارث قرار نہ دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے آ کر اس بدعت کو موقوف کیا۔ مگر ہشام بن عبدالملک نے اپنے خاندان کی روایت کو پھر بحال کر دیا۔'' (خلافت وملوکیت ص ۱۷۲،۱۷۳)

موصوف کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزام تراشی کا بہت ہی لطف آتا ہے دیت کے مسئلے میں بھی زہری کے حوالے سے آں محترم پر ''تبدیلی سنت'' کا الزام عائد کیا۔ یہاں بھی ایک مختلف فیہ اور مجتہد فیہ مسئلے میں اسے تبدیلی سنت اور بدعت سے موسوم کر دیا۔ جبکہ تاریخ کے اصل الفاظ یہ آئے ہیں

((راجع السنة الاولىٰ)) (البدایہ والنہایہ ص ۲۳۲ ج ۹)

''یعنی پہلی سنت کو لوٹا دیا۔''

معلوم نہیں کہ ''سنت'' کا معنی بدعت کس لغت کی کتاب سے ماخوذ ہے۔ پیچھے خواجہ قمر الدین سیالوی کے حوالے سے جناب امام زہری کے متعلق بتایا جا چکا ہے کہ وہ شیعہ ہیں...... یہ ممکن ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اس الزام کو منسوب کرنے میں زہری کا ہی ہاتھ ہو۔ کیونکہ علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ حضرات عمر، معاذ، معاویہ رضی اللہ عنہم سے یہ قول مروی ہے کہ انھوں نے مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا اور کافر کو مسلمان کا وارث نہیں بنایا۔ یہی محمد بن حنفیہ، علی بن حسین، سعید بن مسیب، مسروق، عبداللہ بن معقل، شعبی، نخعی، یحییٰ بن یعمر اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ سے بھی منقول ہے۔ "ولیس بموثوق به عنهم" لیکن ان حضرات کی طرف اس کی نسبت معتبر نہیں۔ اس لیے کہ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے درمیان اس معاملے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا۔ (المغنی ص ۱۶۰ ج ۷)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات کی طرف اس قول کی نسبت ہی درست نہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزام یہ ہے کہ انھوں نے سنت کی مخالفت کرتے ہوئے ایک مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا۔ اس مسئلے میں صحابہ، تابعین اور ائمہ مجتہدین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے جبکہ ایک کافر

کے مسلمان کے وارث نہ ہونے پر سب ہی متفق ہیں۔

علامہ ابن رشد قرطبی لکھتے ہیں کہ:

''مسلمان کے کافر کے وارث ہونے میں اختلاف ہے۔ جمہور صحابہ، تابعین اور بعض فقہاء کے نزدیک مسلمان بھی کافر کا وارث نہیں ہوسکتا لیکن صحابہ میں سے معاذ بن جبل اور معاویہ رضی اللہ عنہما اور تابعین میں سے سعید بن مسیب اور مسروق رحمہ اللہ اور ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے۔''

(بدایۃ المجتہد ص ۳۵۲ ج ۲)

سید شریف جرجانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہو اور کافر مسلمان کا وارث نہ ہو۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما، حسن بصری، محمد بن حنفیہ، محمد باقر اور مسروق رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔''

(شریفیہ شرح سراجی ص ۱۴)

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''اور یہ بات کہ کیا مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے یا نہیں؟ تو عام صحابہ کے نزدیک وہ وارث نہیں ہو سکتا۔ اور اسی کو ہمارے علماء (حنفیہ) اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے۔ لیکن یہ استحسان ہے۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ وارث ہو۔ اور یہی حضرت معاذ بن جبل اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور اسی کو مسروق، حسن بصری، محمد بن حنفیہ اور محمد بن علی بن حسین رحمہم اللہ نے اختیار کیا ہے۔''

(عمدۃ القاری فی شرح البخاری ص ۲۶۰ ج ۲۳)

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن معقل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے تھے کہ میں نے کوئی فیصلہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے سے بہتر نہیں دیکھا کہ ہم اہل کتاب کے وارث ہوں اور وہ نہ ہوں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ہمارے لیے ان کی عورتوں سے نکاح حلال ہے مگر ان کے لیے ہماری عورتوں سے نکاح حلال نہیں اور یہی مذہب مسروق، سعید بن مسیب، ابراہیم نخعی اور اسحاق رحمہم اللہ کا ہے۔'' (فتح الباری ص ۱۴۱ ج ۱۲)

ابوالاسود الدئلی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن میں تھے وہاں ایک یہودی مر گیا جس کا بھائی اسلام قبول کر چکا تھا۔ اس کی وراثت کا معاملہ ان کی خدمت میں پیش کیا گیا تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "ان الاسلام یزید ولا ینقص فورثه" اسلام بڑھتا اور زیادہ ہوتا ہے کم نہیں ہوتا۔ پس اس مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا۔

(مسند امام احمد ص ۲۳۰ ج ۵ تحت حدیث معاذ بن جبل، مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۴ ج ۱۱)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((حکی عن معاذ وابن المسیب والنخعی انه یرث المسلم الکافر ولا عکس کما یتزوج المسلم الکتابیة من غیر عکس)) (تفسیر مظہری ص۴۴۲ ج۲)

''حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، سعید بن مسیّب اور امام نخعی رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوگا لیکن کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا۔ جیسا کہ ایک مسلمان کتابی عورت سے تو نکاح کرسکتا ہے لیکن کتابی مرد مسلمان عورت سے نکاح نہیں کرسکتا۔''

اس تفصیل سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ مسلمان کے کافر کے وارث ہونے میں صحابہ اور تابعین کا اختلاف ہے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس میں متفرد نہیں بلکہ حضرات عمر، معاذ رضی اللہ عنہ، محمد بن حنفیہ، زین العابدین، محمد الباقر، حسن بصری، سعید بن مسیّب، شعبی، مسروق، ابراہیم نخعی، عبداللہ بن معقل، یحییٰ اور اسحاق رحمہم اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ان حضرات کی طرف اس قول کی نسبت ہی غلط ہے۔ اور اگر بالفرض یہ نسبت صحیح بھی ہے تو پھر بدعت اور ترک سنت کا الزام تنہا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کیونکر عائد ہوسکتا ہے؟ اسی لیے مودودی صاحب نے باقی حضرات کے اسماء حذف کرکے بغیر کسی دلیل وثبوت کے صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مورد طعن ٹھہرایا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر یہ نسبت صحیح ہے تو پھر اسے خلاف سنت اور بدعت قرار دینا بالکل غلط ہے۔ بلکہ یہ ایک فقہی اور اجتہادی اختلاف ہے جو مرجوح تو ہوسکتا ہے لیکن بدعت اور خلاف سنت کسی صورت میں نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام کہ انھوں نے سب سے پہلے ''مسلمان کو کافر کا وارث'' قرار دے کر بدعت رائج کی جو مسلمانوں کے لیے ''سب سے بڑی مصیبت'' تھی بالکل لغو، بے بنیاد، خلاف واقعہ اور نری جہالت ہے۔

(۶۲) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بانیِ بدعات ہیں

جناب سید ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں کہ:

''آپ متعجب ہیں کہ میں نے اس ابتدائی عہد کو دور محدثات و بدعات کہا، لیکن شدید تعجب و وفور حیرانی سے اس کے جواب پر قادر نہیں۔ فیا للعجب۔ یہ جملہ لکھ کر جناب نے تاریخ اسلام کے نہیں معلوم کتنے ضخیم ابواب وفصول کو دنیا سے نابود کر دینا چاہا۔ یہ آپ کہاں ہیں اور کیا فرما رہے ہیں؟

کیا زیاد بن سمیہ کا استلحاق اور اس کے لیے مجلس شہادت مقرر کرنی ایک اولین بدعت اسلام میں نہ تھی؟...... کیا خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کو حکومت اور ملک عضوض میں بدل دینا بھی بدعت نہ تھی؟ کیا مشورے کا سدباب ایک اشد شدید بدعت فی الدین نہ تھی؟ کیا مسلمانوں پر جنگ میں پانی روک دینا بھی بدعت نہ تھا؟ کیا سخت سے سخت مکر وخدع سے کام لینے میں بھی باک نہ ہونا، خفیہ دسائس سے مسئلہ حکمین کا فیصلہ کرنا، اپنے اغراض سیاسیہ کو ہر موقع میں شریعت پر ترجیح دینا اور اس کے لیے لوگوں کو خفیہ وعلانیہ بیت المال سے روپیہ دینا، شخصی طور پر بزور وجبر اپنے لڑکے کو ولی عہد بنانا، عجمی شان وشکوہ اور علو ورفعت سے دربار آرائی کی اساسِ اولین قائم کرنا، مسجد میں اپنے لیے عام مسلمانوں سے الگ مقصورہ بنا کر نماز پڑھنا اور شمشیر برہنہ نگہبانوں کے حصار کے اندر سجدہ کرنا اور اسی طرح کی بیسیوں محدثات کو بھی بدعت تسلیم نہیں کیا جائے گا؟ اور پھر یہ تو خود امیر معاویہ کے زمانے کے حالات ہیں۔ آگے چل کر جو کچھ ہوا اس پر نظر ڈالیے۔'' (الہلال ص ۳۶۴ ج ۲)

سنت کی مخالفت بدعت ہی کہلاتی ہے۔ اس لیے جناب مودودی صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کہیں ''سنت میں تبدیلی'' کہیں ''سنت کی مخالفت'' اور کہیں صراحتاً ''بدعت'' کا الزام عائد کیا۔ توریث مسلم و کافر اور دیت کے مسئلے پر بھی ''بدعت'' کا اطلاق کیا۔ اس سے اگلے صفحے پر موصوف انتہائی غیظ وغضب میں ڈوب کر لکھتے ہیں کہ:

''ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہ شروع ہوئی۔'' (خلافت وملوکیت ص ۱۷۴)

کل بدعة ضلالة کے تحت ہر بدعت گمراہی ہے لیکن موصوف نے یہاں بریلوی علماء کے لیے استثنائی صورت کا امکان بھی ختم کر دیا کہ یہ بدعت حسنہ میں شامل نہیں بلکہ سیئہ اور مکروہ ہے۔ اور مکروہ بھی معمولی درجے کی نہیں بلکہ انتہائی درجے کی ہے جس کا ضلالت اور اس کے مرتکب کے ''فی النار'' ہونے پر سب ہی کا اتفاق ہے۔

سید مہر حسین بخاری آف اٹک بھی موصوف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے زیر عنوان ''معاویہ بانی

بدعات" لکھتے ہیں کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کے بعد جس طرح بدعت اور اہل بدعت کی تردید فرمائی ہے شاید ہی کسی اور چیز کی ایسی تردید فرمائی ہو۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کیونکہ بدعت سے دین کا اصلی حلیہ اور صحیح نقشہ بدل جاتا ہے اور اصل و نقل اور حق و باطل کی کوئی تمیز باقی نہیں رہتی۔ بدعات کی بنیاد ملوکیت و آمریت اور جابرانہ طرز کا غیر اسلامی نظام ہے۔ لہٰذا یہ تمام بدعات کی جڑ ہے۔ اور یہ معاویہ کی آبیاری سے مضبوط و تن آور ہوئی۔"

(سیاست معاویہ ص ۱۱۷)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ علامہ برکوئی کی کتاب الطریقۃ المحمدیہ اور علامہ شاطبی رحمہ اللہ کی کتاب الاعتصام کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

"اصل لغت میں بدعت ہر نئی چیز کو کہتے ہیں خواہ عبادات سے متعلق ہو یا عادات سے۔ اور اصطلاح شرع میں ہر ایسے نو ایجاد طریقہ عبادت کو بدعت کہتے ہیں جو زیادہ ثواب حاصل کرنے کی نیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد اختیار کیا گیا ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد مبارک میں اس کا داعیہ اور سبب موجود ہونے کے باوجود نہ قولاً ثابت ہو نہ فعلاً نہ صراحتاً نہ اشارتاً۔ جو عبادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قولاً ثابت ہو یا فعلاً، صراحتاً یا اشارتاً وہ بھی بدعت نہیں ہو سکتی۔"

(سنت و بدعت ص ۱۱، ۱۲)

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"بدعت کہتے ہیں ایسا کام کرنا جس کی اصل کتاب و سنت اور قرون مشہود لہا بالخیر میں نہ ہو۔ اور اس کو دین اور ثواب کا کام سمجھ کر کیا جائے۔" (فوائد عثمانی ص ۷۰۳ سورۃ الحدید)

مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"بدعت ان چیزوں کو کہتے ہیں جن کی اصل شریعت سے ثابت نہ ہو یعنی قرآن مجید اور احادیث شریفہ میں اس کا ثبوت نہ ملے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں اس کا وجود نہ ہو۔" (تعلیم الاسلام ص ۲۷ ج ۴)

علمائے اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال و افعال بدعت کی تعریف میں داخل نہیں ہیں۔ بدعت شرعی کی حد صحابہ کے بعد سے شروع ہوتی ہے۔ وہ خود بدعت کا موضوع کیسے بن سکتے ہیں؟ ان کا اپنا قول اور عمل خود امت کے لیے حجت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان اور ان کے اقوال و اعمال امت مسلمہ کے لیے حق و صداقت کا معیار اور پیمانہ ہیں یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں ان کے جیسے ایمان کو مدار ہدایت فرمایا گیا:

﴿ فَإِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا...... ﴾ (البقرۃ: ۱۳۷)

"تو اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لے آئے ہو تو ہدایت یاب ہو جائیں۔"

اور ان کے طریقے سے انحراف و اعراض کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور عذاب آخرت کا موجب قرار دیا گیا ہے:

﴿ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ﴾ (النساء: ۱۱۵)

"اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے کے سوا اور راستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اس کو ادھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے۔"

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((كل عبادة لم يتعبدها اصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فلا تعبدوها......))

(الاعتصام، امام شاطبی ص ۵۴ ج ۱)

"ہر وہ عمل عبادت جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے عبادت نہیں جانا تم اسے عبادت کے طور پر عمل میں نہ لانا۔"

جب صحابہ رضی اللہ عنہم پر تنقید کرنا خود بدعت ہے تو وہ خود بدعت کا موضوع کیسے ہوں گے؟ چنانچہ علامہ عبدالشکور سالمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((الكلام فى البدعة على خمسة اوجه: الكلام فى الله والكلام فى كلام الله والكلام فى قدرة الله والكلام فى عبيدالله والكلام فى اصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم))

(التمہید ص ۱۸۹)

"بدعت پانچ طرح کی ہے: اللہ کے بارے میں وہ بات کہنا جو پہلوں نے نہیں کہی، قرآن کے بارے میں نیا قول کرنا، اللہ کی قدرت میں لب کشائی کرنا، اللہ کے پیغمبروں کے بارے میں نئی بات کہنا اور صحابہ رضی اللہ عنہم پر کسی قسم کی تنقید کرنا۔"

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((اما اهل السنة والجماعة فيقولون فى كل فعل وقول لم يثبت عن الصحابة هو بدعة)) (تفسیر ابن کثیر ص ۱۵۶ ج ۴)

''اہل سنت والجماعت ہر اس قول اور عمل کو جو صحابہ سے ثابت نہ ہو بدعت کہتے ہیں۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے وہ افعال جنھیں جناب آزاد صاحب اور مودودی صاحب اور ان کے دیگر ہم خیال حضرات نے بدعات میں شمار کیا ہے ان پر تفصیلی بحث گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے کہ ان امور کی آں موصوف کی طرف نسبت ہی غلط ہے۔ یا پھر وہ مجتہد فیہ امور میں سے ہونے کی بنا پر بدعت کے دائرے سے ہی خارج ہیں۔

البتہ اس تفصیل سے اتنی بات ضرور ثابت ہوگئی ہے کہ جناب سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب اور آزاد صاحب کاتب وحی اور جلیل القدر صحابی رسول حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بدعت کی نسبت اور آں محترم پر شدید تنقید کر کے خود یقیناً ''ایک نہایت ہی مکروہ بدعت'' کے مرتکب ہو گئے ہیں۔

(۶۳) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر مقصورہ میں نماز ادا کرنے کا الزام

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''جامع مسجد میں اول آپ ہی نے مقصورہ (چھوٹا سا حجرہ) بنوایا۔'' (تاریخ الخلفاء اردو ص۲۹۵)

جناب سید ابو الکلام آزاد صاحب لکھتے ہیں کہ:

''...... مسجد میں اپنے لیے عام مسلمانوں سے الگ مقصورہ بنا کر نماز پڑھنا اور شمشیر برہنہ نگہبانوں کے حصار کے اندر سجدہ کرنا اور اسی طرح بیسیوں محدثات کو بھی بدعت تسلیم نہیں کیا جائے گا؟'' (الہلال ص۳۶۴ ج۲)

یہ درست ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسجد میں ایک چھوٹا سا چبوترہ یا حجرہ جسے مقصورہ کہا جاتا ہے بنوایا تھا لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ یہ کام سب سے پہلے انھوں نے ہی کیا تھا۔ ان سے قبل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد اس کام کا آغاز کر چکے تھے۔

علامہ سمہودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((ان عثمان بن عفان اول من وضع المقصورة من لبن واستعمل عليها السائب بن خباب وكان رزقه دينارين في كل شهر)) (وفاء الوفاء ص۵۱۰ ج۲)

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے کچی اینٹوں سے ایک مقصورہ تیار کرایا۔ اس کی نگرانی پر دو دینار ماہانہ پر سائب بن خباب مقرر تھے۔''

کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر محراب مسجد میں قاتلانہ حملہ ہوا تھا اور اسی سے ان کی شہادت واقع ہوئی۔ جس کی بنا پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حفاظتی تدبیر کے پیش نظر یہ قدم اٹھایا جس کی شریعت میں کوئی ممانعت نہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے نائب اور اپنے اوپر قاتلانہ حملے کے بعد مقصورہ بنوایا تو انھیں ازروئے شریعت اس کا حق حاصل تھا اور اس کی نظیر بھی پہلے سے موجود تھی۔

مورخ طبری نے بھی ۴۰ھ کے تحت اس مقصورہ کا ذکر کیا ہے۔ (تاریخ طبری ص۸۶ ج۶)

مقصورہ میں نماز کی ادائیگی بھی بالاتفاق جائز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین نے "الصلوٰة في المقصورة" کے مستقل باب باندھے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جب دمشق تشریف لے جاتے تو وہاں مقصورہ کے اندر حضرت معاویہ

رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز ادا فرماتے تھے۔ ان کے مولیٰ کریب نے بتایا کہ "انه رای ابن عباس يصلى فى المقصورة مع معاوية" کہ انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو مقصورہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق ص۴۱۴ ج۲ باب الصلوٰۃ فی المقصورۃ)

یہ سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا۔ محدث عبدالرزاق نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے متعلق بھی یہ روایت نقل کی ہے کہ:

''عبداللہ بن یزید ہذلی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "رايت انس بن مالك يصلى مع عمر بن عبدالعزيز فى المقصورة......" میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ساتھ مقصورہ میں نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا۔'' (حوالہ مذکور)

آج ایران کے مذہبی راہنما آیت اللہ خامنہ ای اور ہاشمی رفسنجانی بھی سنت معاویہ پر عمل پیرا ہیں۔ بلکہ اپنے تحفظ کے لیے ان سے کئی گنا زیادہ انتظام کر رکھا ہے۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس عمل میں متفرد نہیں ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کا آغاز کیا تھا اور بعد میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا اور اس میں نہ صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بلکہ دیگر جلیل القدر اصحاب رسول اپنی نمازیں ادا کرتے رہے۔ اگر مقصورہ میں نماز کی ادائیگی بدعت میں شامل ہوتی یا شریعت میں اس کی ممانعت ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس عمل کی مخالفت کرتے اور اس مقصورہ میں ہرگز نمازیں ادا نہ کرتے۔ لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر مقصورہ میں نماز کی ادائیگی کی وجہ سے بدعت کا الزام عائد کرتے ہوئے آں محترم کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا ''بغض معاویہ'' کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔

(۶۴) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بدھ کے دن جمعہ کی نماز پڑھا دی

دشمنان صحابہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ انھوں نے ایک دفعہ بدھ کے دن جمعہ کی نماز پڑھا دی تھی۔ چنانچہ سید مہر حسین بخاری آف اٹک لکھتے ہیں کہ:

''معاویہ نے خدا اور رسول کے احکام کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے بدھ کے دن نماز جمعہ پڑھی اور اپنے ماننے والوں کو کہا کہ سفر کے دوران میں جمعہ پڑھنا دشوار ہوگا لہٰذا بدھ کو ہی اس فریضہ سے فراغت حاصل کر کے خلیفۃ المسلمین و امیر المومنین سے بے فکری سے جنگ کے لیے میدان میں پہنچ جائیں گے۔ ﴿اِنَّمَا النَّسِیٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الْکُفْرِ﴾ کے مشابہ معاویہ نے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ یوم جمعہ کو اپنے باطل مقاصد کے تحت بدھ کے ساتھ تبدیل کر لیا۔ معاویہ کو مجتہد کہنے والے بتلائیں کہ یہ معاویہ کے اجتہاد کی کون سی قسم ہے؟ کیا یہ خدا اور رسول اور قرآن کے احکام کی تحریف نہیں ہے؟'' (سیاست معاویہ ص۱۰۳، ۱۰۴)

عصر حاضر کا بدترین دشمن صحابہ غلام حسین نجفی لکھتا ہے کہ:

''معاویہ کے لشکر کی اسلام سے ناواقفیت کی یہ حالت تھی اور معاویہ کی وہ اس طرح اطاعت کرتے تھے کہ معاویہ نے جنگ صفین کی خاطر جاتے وقت ان کو نماز جمعہ بدھ کے دن پڑھا دی۔'' (خصائل معاویہ ص۵۴۶)

یہ اعتراض اور طعن معترضین اور طاعنین کے اپنے جاہل اور احمق ہونے کی واضح دلیل ہے ورنہ کوئی معمولی دانش رکھنے والا بدترین دشمن معاویہ بھی اسے نقل کرنے کی ہرگز جسارت نہ کرتا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دور فاروقی سے شام کے گورنر چلے آ رہے تھے اور اس واقعہ سے قبل سترہ سال تک نماز جمعہ پڑھاتے رہے۔ دیگر جلیل القدر صحابہ بھی اہل شام کو کتاب و سنت کی تعلیم دیتے رہے۔ حیرت ہے کہ ایک لاکھ کے لشکر میں سے جس میں بکثرت صحابہ بھی موجود تھے کسی کو احساس نہیں ہوا کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟ کن امور میں امیر کی اطاعت کر رہے ہیں؟ اس الزام پر یقین کرنے والا یا تو کوئی سب سے بڑا جاہل اور احمق ہو سکتا ہے اور یا پھر کوئی بہت بڑا کمینہ، ذلیل، بے حیا، بے غیرت اور بدترین دشمن ہو سکتا ہے۔

مہر حسین بخاری نے یہ الزام تاریخ مسعودی اور نجفی نے مسعودی اور تذکرۃ الخواص (اہل سنت کی معتبر کتاب) کے حوالے سے عائد کیا ہے۔ اگرچہ مسعودی بھی دشمن معاویہ ہے لیکن اول الذکر نے انتہائی بددیانتی اور خیانت سے کام لیتے ہوئے اپنے الفاظ میں اپنے خبث باطن اور بغض و عناد کا اظہار کیا ہے۔ تاریخ مسعودی کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

''صفین سے واپسی پر کوفے کا ایک آدمی اپنے اونٹ پر دمشق میں داخل ہوا تو دمشق کا ایک آدمی اس

سے الجھ پڑا اور کہنے لگا یہ میری اونٹنی ہے جو صفین میں مجھ سے چھین لی گئی تھی۔ ان دونوں کا معاملہ حضرت معاویہ تک پہنچا۔ دمشق کے آدمی نے پچاس آدمی شہادت کے لیے پیش کیے جو اس بات کی گواہی دیتے تھے کہ یہ اونٹنی اس شخص کی ہے پس حضرت معاویہ نے کوفی کے خلاف فیصلہ کر دیا اور اسے حکم دیا کہ وہ اونٹنی اس آدمی کو دے دے۔ کوفی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کا بھلا کرے یہ اونٹنی نہیں یہ تو اونٹ ہے۔ حضرت معاویہ نے کہا جو حکم دیا جا چکا ہے وہ نافذ ہو چکا ہے اور لوگوں کے منتشر ہو جانے کے بعد آپ نے خفیہ طور پر کوفی کی طرف آدمی بھیج کر اسے بلوایا اور اس سے اونٹ کی قیمت دریافت کی اور اسے دگنی قیمت دی اور اس سے حسن سلوک بھی کیا۔ اور اسے کہا کہ حضرت علی تک یہ بات پہنچا دو کہ میں ان ایک لاکھ آدمیوں کے ساتھ ان سے جنگ کر رہا ہوں جن میں کوئی آدمی اونٹنی اور اونٹ کے درمیان تمیز نہیں کرتا اور ان کی اطاعت کا یہ عالم ہے کہ میں نے انھیں صفین کی طرف جاتے ہوئے بدھ کے روز جمعہ کی نماز پڑھا دی۔''

(مروج الذہب و معادن الجواہر اردو، ص ۵۷ ج ۳ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی)

امام المورخین ابو الحسن علی بن حسین بن علی المسعودی ۳۴۶ھ میں فوت ہوئے۔ جبکہ جنگ صفین ۳۷ھ میں ہوئی۔ یعنی موصوف تین سو سال پہلے کا واقعہ بغیر کسی سند کے بیان کر رہے ہیں...... یہ کہانی از اول تا آخر لغو اور جھوٹی ہے۔ جنگ صفین کے بعد ایک کوفی اونٹ پر سوار ہو کر (تفریح کی غرض سے) دمشق جا رہا ہے۔ کم از کم ایک ''کوفی'' تو اس سفر کی جرأت نہیں کر سکتا۔ پھر پچاس آدمی جھوٹی گواہی دے رہے ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت کوئی بھی اونٹ اور اونٹنی میں تمیز نہیں کر سکتا۔ جبکہ اس وقت عربوں کی گزر و بسر کا تمام تر دار و مدار اسی جانور پر ہوا کرتا تھا اور وہ بڑے شوق سے اسے پالتے تھے۔

پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ بھی عجیب ہے کہ وہ صرف اس سے اونٹ واپس لے رہے ہیں جبکہ پچاس آدمیوں کی شہادت سے اس کا ڈاکو ہونا ثابت ہو چکا تھا۔ اس کوفی پر تو ڈاکہ زنی کی سزا جاری ہونی چاہیے تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ اسے خفیہ طور پر بلا کر دگنی قیمت بھی ادا کر دی اور یہ دعویٰ بھی کر دیا کہ اہل شام اتنے بیوقوف ہیں کہ وہ اونٹ اور اونٹنی میں تمیز نہیں کر سکتے۔

اس کے بعد اگلی کہانی شروع ہوتی ہے کہ یہ لوگ اللہ کے اتنے باغی اور سرکش ہیں کہ میں نے انھیں بدھ کے دن جمعہ کی نماز پڑھا دی تو سب نے بلا چون و چرا اللہ کے مقابلے میں میری اطاعت کی۔

اس کہانی و داستان کے وضعی ہونے کے لیے اگرچہ اتنی بات بھی کافی تھی لیکن نجفی نے جو تاریخ مسعودی کو اہل سنت کی معتبر کتاب کہا ہے تو اس کی حقیقت معلوم کرنی بھی ضروری ہے۔

شیعہ مجتہد شیخ عباس قمی لکھتے ہیں کہ:

''مسعودی ہذلی جس کا نام ابو الحسن علی بن حسین بن علی ہے، بہت بڑا شیخ اور مورخین میں سے بزرگ،

معتبر اور بہت بڑا عالم تھا...... اس کی ایک کتاب مسئلہ امامت پر ہے جس میں اس نے حضرت علی کی وصیت کے اثبات میں بہت کچھ لکھا ہے۔ مروج الذہب بھی اسی کی تصنیف ہے۔ علامہ مجلسی نے مقدمہ میں اور بحار الانوار کی عبارت شروع کرنے سے قبل اس کا تذکرہ کیا۔ اور نجاشی نے اسی مسعودی کو اپنی فہرست میں ان راویوں میں شمار کیا ہے جو شیعہ مسلک رکھتے ہیں۔'' (الکنی والالقاب ص۲۲۱ ج۴)

شیعہ عالم سید ہاشم لکھتے ہیں کہ:

''ایک معروف عجمی عالم نے مسعودی کے بارے میں کہا کہ وہ شیعہ نہیں تھا اور دلیل یہ دی کہ اس نے مروج الذہب میں بنی عباس کے خلفاء کے مظالم اور عیوب پر لعن طعن نہ کرنے کے علاوہ ان کے فضائل و محاسن بھی بیان کیے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مسعودی امامی شیعہ ہے اور اس نے تاریخ نویسی میں ایک مورخ کا کردار سامنے رکھا اور مذہبی تعصب سے کام نہیں لیا۔ اور ہر شخص یہ جانتا ہے کہ دنیا کا بد بخت ترین آدمی بھی کچھ صفات ایسی رکھتا ہے جو قابل تعریف وستائش ہوں۔'' (منتخب التواریخ مقدمہ)

شیعہ عالم محسن الامین لکھتے ہیں کہ:

''ابوالحسن علی بن حسین مسعودی صاحب مروج الذہب...... شیخ طوسی اور نجاشی وغیرہ نے اس کے شیعہ ہونے پر نص وارد کی ہے۔ بارہ اماموں کی امامت کے اثبات پر اس کی کئی تصانیف ہیں۔

((علماء النجوم من الشيعة...... ومن افضل الموصوفين بعلم النجوم الشيخ الفاضل الشيعي على بن حسين بن على المسعودي مصنف كتاب مروج الذهب))

(اعیان الشیعہ ص ۱۵۷، ۱۶۰ ج۱)

شیعہ عالم عبداللہ مامقانی لکھتے ہیں کہ:

((انه امامى ثقة وهو الحق)) (تنقیح المقال ص۲۸۲ ج۲)

''یقیناً وہ امامی شیعہ تھا اور یہی قول حق ہے۔''

جناب سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''رہا مسعودی تو بلاشبہ وہ معتزلی تھا مگر یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ غالی شیعہ تھا...... تاہم تشیع اس میں تھا۔''

(خلافت وملوکیت ص۳۱۰)

مودودی صاحب نے اتنی بات تو تسلیم کر لی ہے کہ وہ معتزلی اور شیعہ تھا۔ البتہ غالی شیعہ نہیں تھا۔ اور دلیل یہ دی کہ

''اس نے مروج الذہب میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اسے پڑھ لیجیے۔ شیعیت میں غلو رکھنے والا آدمی شیخین کا ذکر اس طریقے سے نہیں کر سکتا۔'' (حوالہ مذکور)

حیرت تو یہی ہے کہ مسعودی نے باوجود شیعہ ہونے کے تاریخ نویسی میں ایک مورخ کا کردار سامنے رکھا۔ لیکن مودودی صاحب نے تو ''مسلمان'' ہونے کے باوجود صحابہ کے متعلق کتاب وسنت کے واضح احکام کو نظر انداز کر دیا اور اہل تشیع کی طرف دست رفاقت بڑھاتے ہوئے موقف اہل سنت کے خلاف اپنی رسوائے زمانہ کتاب ''خلافت وملوکیت'' مرتب کر ڈالی۔ بہرحال کسی مسعودی اور مودودی پر اعتماد کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مورد طعن نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

غلام حسین نجفی کا دوسرا ماخذ ''تذکرۃ الخواص الائمہ'' مولفہ سبط ابن جوزی ہے۔ جسے اس نے اہل سنت کی معتبر کتاب کہا ہے۔

شیعہ عالم شیخ عباس قمی اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''ابو مظفر یوسف بن قزغلی سبط ابن جوزی بغدادی ایک عالم فاضل اور مورخ تھا۔ تذکرۃ الخواص الائمہ اس کی تصنیف ہے جس میں ائمہ اہل بیت کے خصائص مذکور ہیں۔ وہ کٹر رافضی ہے۔''

(الکنی والالقاب فارسی ص ۲۹۷ ج ۳)

امام ذہبی رحمہ اللہ سبط ابن جوزی کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''شیخ محی الدین کہتے ہیں کہ جب میرے دادا کو اس کی موت کی اطلاع ملی تو انھوں نے کہا "لا رحمه الله كان رافضيا" اللہ اس پر رحم نہ کرے یہ رافضی تھا۔'' (میزان الاعتدال ص ۳۳۳ ج ۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''میں اسے ثقہ خیال نہیں کرتا بلکہ وہ باتونی تھا۔ "ثم انه ترفض كان رافضيا" پھر وہ شیعہ ہو گیا...... وہ رافضی تھا۔ جب ان سے کہا گیا کہ وہ اپنے استاد عیسیٰ کی وجہ سے حنفی ہو گیا تھا...... (تو انھوں نے کہا کہ) میرے (عسقلانی کے) نزدیک "انه لم ينقل عن مذهبه الا في الصورة الظاهرة" اس کا حنفی بننا بناوٹی اور ظاہری تھا۔'' (لسان المیزان ص ۳۲۸ ج ۶)

اس تفصیل سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام کہ انھوں نے بدھ کے دن جمعہ کی نماز پڑھائی تھی شیعوں، رافضیوں اور سبائیوں کا عائد کردہ ہے جو روایتاً و درایتاً لغو، بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے۔

(۶۵) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نماز میں بسم اللہ جہراً پڑھنے پر پابندی عائد کر دی تھی

سید مہر حسین بخاری لکھتے ہیں کہ:

''بے شک علی کا مذہب تمام نمازوں میں بلند آواز سے بسم اللہ پڑھنا تھا۔ لیکن معاویہ صاحب نے برسر اقتدار آ کر بلند آواز سے بسم اللہ کہنے پر پابندی عائد کر دی۔ اس لیے کہ یہ علی کا مذہب تھا جو درحقیقت نبی کا مذہب تھا۔ اور معاویہ آثار علی کی آڑ لے کر آثار اسلام کو محو کرنے کے درپے تھا۔ یہ بھی اسلام کے خلاف دین ابوسفیانی رائج کرنے کے لیے معاویہ کی سیاست ہے۔'' (سیاست معاویہ ص ۱۰۵)

غلام حسین نجفی نے بھی اپنی کتاب میں زیر عنوان ''حاکم شام اور بسم اللہ کی چوری'' اس الزام کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ نماز میں بلند آواز سے بسم اللہ نہ پڑھنے کی بدعت کا معاویہ بانی ہے۔

(خصائل معاویہ ص ۴۱۰، ۴۱۱)

سید مہر حسین کے قلم سے یہ الزام کچھ عجیب معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ مولوی سید لعل حسین بخاری کے شاگرد ہیں اور سبط ابن جوزی اور محمود شاہ محدث ہزاروی کی طرح بظاہر ''حنفی'' ہونے کے بھی مدعی ہیں جبکہ احناف بسم اللہ جہراً پڑھنے کے قائل ہی نہیں......

دراصل تسمیہ کے جہراً یا سراً پڑھنے کا مسئلہ صحابہ اور ائمہ مجتہدین میں مختلف فیہ رہا ہے اور اختلاف کی نوعیت بھی جواز یا عدم جواز کی نہیں بلکہ محض افضل اور مفضول کی ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ سرے سے تسمیہ کے مشروع ہونے کے قائل ہی نہیں۔ نہ جہراً اور نہ سراً۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تسمیہ مسنون ہے۔ جہری نمازوں میں جہراً اور سری نمازوں میں سراً۔ امام ابوحنیفہ، امام احمد، امام اسحٰق رحمہم اللہ کے نزدیک بھی تسمیہ مسنون ہے۔ البتہ اسے ہر حال میں سراً پڑھنا افضل ہے۔ خواہ نماز جہری ہو یا سری۔

اس مسئلے میں بعض اہل ظاہر مثلاً امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم رحمہما اللہ بھی حنفیہ کے ساتھ ہیں اور بعض شافعی محققین نے بھی اس مسئلے میں مسلک حنفی کو اختیار کیا ہے۔

زیر بحث مسئلے میں احناف اور شوافع کے درمیان زبانی اور تحریری مناظرہ بازی جاری رہی اور مختلف علماء نے اس مسئلے پر مستقل کتابیں تحریر کیں۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے شوافع کی تائید میں اور حافظ جمال الدین زیلعی رحمہ اللہ نے احناف کی تائید میں بڑے جوش وخروش کا مظاہرہ کیا۔ یہاں ان مذاہب کے دلائل سے بحث مقصود نہیں بلکہ صرف یہ دکھانا ہے کہ یہ مسئلہ صحابہ اور فقہاء کے درمیان مختلف فیہ اور مجتہد فیہ رہا ہے جس سے کسی پر

بھی کوئی الزام عائد نہیں ہوسکتا۔

زیر بحث الزام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نماز میں تسمیہ کے جہراً پڑھنے کے قائل نہیں تھے۔ احناف اور حنابلہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ جبکہ مالکیہ کے نزدیک تسمیہ کا پڑھنا سرے سے مشروع ہی نہیں ہے تو امت کی اس غالب اکثریت کو کیونکر باطل پر ٹھہرایا جا سکتا ہے؟ کیا یہ سب دین ابوسفیانی رائج کرنا چاہتے تھے؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((صلیت مع رسول الله ﷺ وابی بکر و عمرو عثمان فلم اسمع احدا منهم یقرا بسم الله الرحمن الرحیم)) (صحیح مسلم ص ۱۷۲ ج ۱ باب حجۃ من لا یجہر)

یہی روایت سنن نسائی میں بالفاظ ذیل آئی ہے:

((صلیت خلف رسول الله ﷺ وابی بکر و عمر و عثمان فلم اسمع احدا منهم یجهر ببسم الله الرحمن الرحیم))

(سنن نسائی ص ۱۴۴ ج ۱، کتاب الافتتاح ترک الجہر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اسے بروایت ابن عبداللہ بن مغفل روایت کیا ہے:

((وقد صلیت مع النبی ﷺ ومع ابی بکر و عمر و عثمان فلم اسمع احدا منهم یقولها فلا تقلها اذا انت صلیت فقل الحمد لله رب العالمین))

(جامع ترمذی ترک الجہر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم)

امام طحاوی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ:

((عن ابن عباس فی الجهر ببسم الله الرحمن الرحیم قال ذلك فعل الاعراب))

(شرح معانی الآثار باب قراءۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فی الصلوٰۃ)

معانی الآثار میں بروایت ابووائل رضی اللہ عنہ یہ الفاظ بھی منقول ہیں کہ:

((کان عمر و علی لا یجهر ان ببسم الله الرحمن الرحیم ولا بالتعوذ ولا بالتامین)) (حوالہ مذکور)

صحیح مسلم، سنن نسائی، جامع ترمذی اور شرح معانی الآثار کی مندرجہ بالا روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نماز میں آنحضرت ﷺ، خلفائے اربعہ، عبداللہ بن عباس، انس بن مالک اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم بسم اللہ کو جہراً نہیں پڑھتے تھے۔ اور یہی مسلک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، امام ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل، امام اسحاق، امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم رحمہم اللہ کا ہے۔ لہٰذا اس مسئلے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ متفرد نہیں ہیں۔

اگر وہ متفرد بھی ہوتے پھر بھی ایک صحابی، ایک فقیہ اور ایک مجتہد ہونے کی حیثیت سے ان پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ دارقطنی کی جس روایت سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ترک بسم اللہ کا الزام عائد کیا جاتا ہے وہ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں نماز پڑھائی اور بسم اللہ کو ترک کرنے پر مہاجرین اور انصار نے کہا کہ آپ نے نماز میں چوری کی ہے یا بھول گئے ہیں......

(دارقطنی ص ۳۱۱ ج ۱ باب وجوب قراءۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فی الصلوٰۃ والجہر بہا)

اس سے امام شافعی رحمہ اللہ یہ دلیل پکڑتے ہیں کہ اگر بسم اللہ کا نماز میں جہراً پڑھنا ضروری نہ ہوتا تو صحابہ اعتراض نہ کرتے...... حافظ جمال الدین زیلعی رحمہ اللہ نے اس کا مفصل جواب دیا ہے کہ...... اولاً...... یہ حدیث سنداً و متناً مضطرب ہے۔ ثانیاً...... یہ روایت کئی وجوہ سے معلول ہے۔ ایک تو اس لیے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بصرہ میں رہتے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قدوم مدینہ کے وقت ان کا مدینے آنا ثابت نہیں۔ دوسرے اس لیے کہ جن علمائے مدینہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا وہ خود اخفائے تسمیہ کے قائل تھے اور ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا معلوم نہ ہوسکا جو جہر کا قائل ہو پھر وہ جہر کا مطالبہ کیسے کر سکتے تھے؟ (نصب الرایہ ص ۳۵۳ ج ۱)

دوسرے بہت سے محدثین نے بھی تصریح کی ہے کہ جہر بسم اللہ کے بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں۔ حافظ زیلعی رحمہ اللہ نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ روافض جہر بالتسمیہ کے قائل تھے۔ اور ان کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ "اکذب الناس فی الحدیث" ہیں۔ چنانچہ انھوں نے جہر بسم اللہ کی تائید میں بہت سی احادیث گھڑی ہیں۔ چنانچہ بیشتر احادیث جہر میں سند کا مدار کسی نہ کسی رافضی پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخین نے جہر بسملہ کی روایات تخریج نہیں کیں۔

حافظ زیلعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر اس باب میں کوئی روایت صریحہ سنداً ثابت ہوتی تو میں دو مرتبہ قسم کھا کر کہتا ہوں کہ امام بخاری رحمہ اللہ اسے اپنی صحیح میں ضرور ذکر کرتے۔ کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ حنفیہ پر اعتراض کرنے میں خاصی دلچسپی لیتے ہیں اور انھیں "قال بعض الناس" سے یاد کرتے ہیں۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ترک جہر بالتسمیہ کی وجہ سے ہرگز مورد الزام نہیں ٹھہرائے جا سکتے۔

(٦٦) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک رکعت وتر پڑھنے پر ''الحمار'' کہا

سید مہر حسین بخاری لکھتے ہیں کہ:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وتر کی تین رکعتیں ہی پڑھنا ثابت ہے اور تمام صحابہ کرام بھی وتر کی تین رکعتیں ہی سنت طریقے پر پڑھتے تھے۔ آج مذاہب اربعہ میں وتر کی تین رکعتیں ہی رائج ہیں۔ لیکن معاویہ صاحب وتر کی صرف ایک رکعت سنت نبوی اور تعامل صحابہ سے انحراف کر کے پڑھتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا کہ معاویہ ایک وتر کیوں پڑھتا ہے تو فرمایا تمھیں کچھ معلوم ہے کہ اس گدھے نے یہ بات کہاں سے لی ہے؟ محمد بن اسماعیل بخاری نے معاویہ کا دفاع کرتے ہوئے اس کا مرتبہ بڑھانے کی جو نا کام کوشش کی تھی، حنفی، سنی، محدث، فقیہ و مجتہد (امام طحاوی) نے اس دفاعی حصار کو پاش پاش کر دیا اور معاویہ کو درجہ اجتہاد سے اتار کر درجہ حماقت پر کھڑا کر دیا۔'' (سیاست معاویہ ص۱۰۴)

غلام حسین نجفی لکھتا ہے کہ:

''کسی نے ابن عباس سے پوچھا کہ معاویہ ایک وتر پڑھتا تھا انھوں نے مارے خوف کے فرمایا کہ "انه فقيه" کہ وہ مرد فقیہ اور مجتہد تھا۔ پھر کسی نے خلوت میں یہی مسئلہ پوچھا تو ابن عباس نے فرمایا "من اين ترى اخذها الحمار" کہ ایک وتر پڑھنے کا حکم اس گدھے نے کہاں سے لیا تھا۔'' (خصائل معاویہ ص۴۵۹)

ہر دو حضرات نے امام طحاوی رحمہ اللہ کے حوالے سے یہ تبرا بکا ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ نے اسے بروایت عکرمہ نقل کیا ہے:

((انه قال كنت مع ابن عباس عند معاوية يتحدث حتى هزيع من الليل فقام معاوية فركع ركعة واحدة فقال ابن عباس من اين ترى اخذها الحمار))

(طحاوی ج۱ص۱۹۹ باب الوتر)

رکعات وتر میں اختلاف فقہی، فروعی اور اجتہادی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعداد رکعات کے بارے میں مختلف روایات ثابت ہیں اور ایک رکعت سے لے کر سترہ رکعات تک کا ذکر موجود ہے۔

سنن نسائی جلد اول ص ۲۴۸ تا ۲۵۱، كتاب قيام الليل و تطوع النهار، باب كيف الوتر بواحدة، باب كيف الوتر بثلاث، باب كيف الوتر بخمس، باب كيف الوتر بسبع، باب كيف الوتر بتسع، باب كيف الوتر باحدىٰ عشرة ركعة، وباب كيف الوتر

بثلاث عشرة رکعة……

علمائے کرام نے ان کے درمیان بطریق احسن تطبیق دی ہے۔ ان روایات میں ''ایتار'' صرف صلوٰۃ الوتر کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے اور پوری صلوٰۃ اللیل کے بارے میں بھی۔ وتر کی تعداد رکعات کے بارے میں ائمہ مجتہدین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک وتر ایک سے لے کر سات رکعات تک جائز ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ اور عام طور سے ان حضرات کا عمل یہ ہے کہ دو سلاموں سے تین رکعات ادا کرتے ہیں دو رکعتیں ایک سلام کے ساتھ اور ایک رکعت ایک سلام کے ساتھ۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے رکعت واحدہ سے وتر کے جواز پر زور دیا ہے جبکہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ایک رکعت وتر جائز تو ہے لیکن انتہائی مرجوح ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ایک روایت شافعیہ کے مطابق ہے اور ایک روایت حنفیہ کے مطابق۔

احناف تین رکعات ایک سلام کے ساتھ کے قائل ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ یکے از عشرہ مبشرہ سے بھی ایک رکعت وتر مروی ہے۔ (موطا امام مالک ص۱۱۰، باب الامر بالوتر)

((عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ الوتر رکعة من اخر اللیل))
(مشکوٰۃ ص۱۱۱، باب الوتر)

((عن ابی ایوب قال قال رسول الله ﷺ الوتر حق علی کل مسلم فمن احب ان یوتر بخمس فلیفعل ومن احب ان یوتر بثلاث فلیفعل ومن احب ان یوتر بواحدة فلیفعل)) (رواہ ابوداود والنسائی وابن ماجہ، مشکوٰۃ ص۱۱۲، باب الوتر الفصل الثانی)

بعض روایات کے مطابق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما خود بھی ایک رکعت کے قائل تھے۔ ابومجلز رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

((سالت ابن عباس عن الوتر فقال سمعت رسول الله ﷺ یقول رکعة من اخر اللیل)) (صحیح مسلم ص۲۵۷ ج۱ باب صلوٰۃ اللیل)

اس تفصیل سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ خود آنحضرت ﷺ اور صحابہ (حضرات سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر، ابوایوب انصاری، عبداللہ بن عباس اور معاویہ رضی اللہ عنہم) و تابعین و فقہاء سے بھی وتر کی رکعات کی تعداد مختلف بیان ہوئی ہے۔ اور ائمہ کا سب کے جواز پر اتفاق ہے۔ صرف افضل و مفضول اور راجح و مرجوح کا اختلاف ہے۔ تمام اہل سنت کا متفقہ نظریہ یہ ہے کہ ائمہ اربعہ برحق ہیں آج تک شوافع اور اہل حدیث کے ہاں مسلسل وتر کی ایک ہی رکعت پڑھی جا رہی ہے لیکن کسی نے ان کے لیے ''حمار'' کا لفظ استعمال نہیں کیا تو

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اپنے امام، قائد اور خلیفۃ المسلمین کے متعلق یہ لفظ کیونکر استعمال کر سکتے ہیں؟ جبکہ وہ خود بھی ایک رکعت وتر کی حدیث کے راوی ہیں۔

طحاوی کی زیر بحث روایت سے پہلے یہ روایت بھی موجود ہے کہ کسی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے شکایت کی کہ معاویہ ایک وتر پڑھتے ہیں انھوں نے فرمایا"انه اصاب" انھوں نے درست کام کیا ہے۔

(طحاوی ص۱۹۹ ج ۱ باب الوتر)

علاوہ ازیں زیر بحث روایت کے بعد امام طحاوی رحمہ اللہ نے اسی سند سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں حمار کا لفظ نہیں پایا جاتا:

((حدثنا عمران و ذکر باسناده مثله الا انه لم يقل الحمار)) (حوالہ مذکور)

''عمران نے ہی ہم سے اسی سند کے ساتھ روایت بیان کی لیکن اس میں ''حمار'' کا لفظ نہ کہا۔''

گویا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ ''حمار'' والی روایت صحیح نہیں۔

دوسری قابل غور یہ بات ہے کہ ''الحمار'' کا قائل کون ہے؟ اور اس کا مخاطب کون ہے؟

اگر بالفرض یہ روایت صحیح ہے اور ''الحمار'' کے قائل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی ہیں تو اس لفظ کے مخاطب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہرگز نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ

اولاً...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما خود بھی ایک رکعت وتر کی حدیث کے راوی ہیں۔

ثانیاً...... انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فعل کی تصویب بھی کی ہے:"اصاب معاوية"

(طحاوی ص۱۹۹ ج ۱ باب الوتر)

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے غلام سے فرمایا

((دعه فانه قد صحب رسول الله ﷺ ......قال اصاب انه فقيه))

(صحیح بخاری باب ذکر معاویہ)

''ان کی بات کو رہنے دیجیے کیونکہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا شرف اٹھایا ہے...... انھوں نے درست عمل کیا ہے اس لیے کہ وہ دینی مسائل میں فقیہ ہیں۔''

سنن بیہقی میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

((اصاب ای بنی ليس احد منا اعلم من معاوية)) (السنن الکبریٰ بیہقی ص۲۶ ج۳ باب الوتر)

''اے بیٹے جو کچھ معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے کیا ہے صحیح ہے کیونکہ ہم میں سے معاویہ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں۔''

اس مقام پر امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

((فهذه شهادة الصحابة بفقهه ودينه والشاهد بالفقه ابن عباس)) (المنتقی ص ۳۸۸)

''پس یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فقاہت اور دین داری کی گواہی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جیسے لوگ ان کے فقیہ ہونے پر شاہد ہیں۔''

ثالثاً...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے عمر میں بھی تقریباً سترہ سال چھوٹے تھے۔ اور وہ اس فرمان نبوی سے بھی بخوبی آگاہ تھے کہ

((ليس منا من لم يرحم صغيرنا ولم يؤقّر كبيرنا))(جامع ترمذی، معارف الحدیث ص ۱۲۴ ج ۶)

''جو آدمی ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور ہمارے بڑوں کا احترام نہ کرے، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

انھیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کاتب وحی ہونا اور ان کے حق میں لسان نبوت سے صادر شدہ دعائیں بھی معلوم تھیں۔ لہٰذا وہ ان کے حق میں ''الحمار'' کا لفظ کسی صورت میں استعمال نہیں کر سکتے تھے۔

رابعاً...... مصالحت علی وحسن کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعلقات نہایت ہی خوشگوار رہے۔ ان کے ہاتھ پر بیعت کی، ان سے وظائف وتحائف اور عطایا و ہدایا وصول وقبول کرتے رہے۔ دمشق تشریف لے جاتے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقصورہ میں نماز ادا فرماتے۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۴۱۴ ج ۲)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت پر اگر کوئی اعتراض کرتا تو یہ فرماتے:

((ما كان معاوية على رسول الله صلى الله عليه وسلم متهما))

''کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے میں کسی کے ہاں متہم نہیں ہیں۔''

(مسند امام احمد ص ۱۰۲ ج ۴ تحت حدیث معاویہ)

بلکہ حضرت عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے تو یہاں تک فرمایا کہ:

''ابن ہند (معاویہ) کتنے اچھے ہیں ہم پر بیس سال کے قریب حکمران رہے۔ آپ نے ہمیں نہ منبر پر نہ فرش پر کبھی کوئی اذیت دی۔ اپنی عزت اور ہماری عزت کی حفاظت کے طور پر آپ ہمارے تعلق کا پورا لحاظ کرتے اور ہماری ضرورتیں پوری کرتے۔'' (انساب الاشراف، بلاذری ص ۶۸ ج ۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی انتظامی صلاحیت کے بارے میں فرماتے:

((ما رايت للملك اعلى من معاوية)) (تطہیر الجنان ص ۲۴)

اور بروایت ابن کثیر رحمہ اللہ:

((ما رأيت اخلق للملك من معاوية)) (البدایہ والنہایہ ص ۱۳۵ ج ۸)

''کہ میں نے حکمرانی کے لائق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی نہیں دیکھا۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے تعزیت کرتے ہوئے کہا کہ اللہ آپ کو تکلیف سے بچائے اور حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) کے بارے میں غمگین نہ ہونے دے۔ "فقال ابن عباس لمعاوية لا يحزنني ولا يسؤني ما ابقى الله امير المومنين" تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواباً کہا اللہ تعالیٰ مجھے غمگین نہ ہونے دیں گے اور مجھے کوئی تکلیف نہ ہونے دیں گے جب تک امیر المومنین باقی اور سلامت ہیں...... پھر جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی اطلاع ملی تو فرمایا "اما والله ما كان مثل قبله ولا ياتى بعد مثله" اللہ کی قسم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے سے پہلے خلفاء کی مثل تو نہیں تھے لیکن ان جیسا بھی کوئی ان کے بعد نہیں آئے گا۔

(انساب الاشراف، بلاذری ص ۳ ج ۴۔ الامامہ والسیاسہ ص ۲۱۳)

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ لفظ ''الحمار'' کے قائل اگر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی ہیں تو پھر اس کے مخاطب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہرگز نہیں۔ اب یہ بات حل طلب ہے کہ پھر اس لفظ کا مخاطب کون ہے؟

روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خود ایک رکعت وتر پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ بلکہ ایک دفعہ ان کے بیٹے علی (بن عبداللہ بن عباس) نے ان کے ساتھ اس کا ذکر کیا۔ "فذكرت ذلك لابى فقال يا بنى هو اعلم" (فتح الباری ص ۸۷ ج ۷ باب ذکر معاویہ) پھر ایک دفعہ کریب (مولیٰ ابن عباس) نے اس خیال سے ان کے سامنے ایک رکعت وتر پڑھنے کا ذکر کیا کہ وہ ان کی برائی بیان کریں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا "اصاب معاوية" کہ معاویہ نے درست کام کیا ہے۔

طحاوی کی جس روایت میں "من اين ترى اخذها الحمار" کے الفاظ پائے جاتے ہیں اس میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ کی روایت کرنے والا ان کا غلام عکرمہ ہے۔ اگر لفظ ''الحمار'' کے قائل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی ہیں تو پھر ''الحمار'' کا مخاطب یقیناً عکرمہ ہے۔ یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عکرمہ کو غلط اور بے محل شکایت کرنے پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا "من اين ترى اخذها الحمار......" گدھے! تو نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک رکعت وتر پڑھتے ہوئے کہاں سے دیکھ لیا؟ ظاہر ہے کہ ایک وتر پڑھنے پر اخلاقاً وشرعاً یہ لفظ بولا ہی نہیں جا سکتا۔ جب ایک غلام نے ایک جلیل القدر صحابی اور خلیفۃ المسلمین پر تنقید کی تو اس کی سرزنش کرتے ہوئے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ فرمایا: گدھے! تیری یہ جرأت و جسارت! تو ان کے فعل پر اعتراض کر رہا ہے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی اور جو فقیہ اور مجتہد بھی ہیں۔ انھوں نے یقیناً درست کام کیا ہے۔

"من این تری اخذها، الحمار" کا ایک ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ''ابے گدھے (یعنی احمق) تجھے کچھ خبر بھی ہے کہ انھوں (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) نے یہ ایک وتر کہاں سے لیا ہے؟'' یعنی حدیث سے ہی لیا ہے پھر ان پر اعتراض کیسا؟

اور یہ توجیہ مناسب بھی ہے کہ جس طرح کریب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے معائب بیان کرانے کی غرض سے یہ شکایت کی تھی تو آپ نے اس فعل کی تصویب فرمائی۔ جب عکرمہ نے یہی شکایت کی تو آپ نے اسے سختی کے ساتھ ڈانٹتے ہوئے ''حمار'' کہا اور دشمنان معاویہ نے اپنے خبث باطن کی وجہ سے اس لفظ کا مخاطب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو قرار دے دیا۔

اور اگر بالفرض حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس فعل کی وجہ سے تنقید کی تو لفظ ''الحمار'' یقیناً کسی معاویہ دشمن راوی کا اضافہ ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر بہتان و افتراء بھی ہے...... یہ معاویہ دشمن راوی جناب عکرمہ مولیٰ ابن عباس ہے۔ اس کے عقائد اور کردار ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''عبداللہ بن حارث کا قول ہے کہ میں علی بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہاں عکرمہ باب الحش کے قریب زنجیروں میں بندھا پڑا تھا۔ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے سے عرض کیا "الا تتقی الله" کیا آپ اللہ سے نہیں ڈرتے۔ انھوں نے فرمایا "فان هذا الخبيث يكذب على ابى" کہ یہ خبیث میرے باپ پر جھوٹ بولتا ہے۔'' (تہذیب التہذیب ص ۲۶۷ ج ۷ تحت عکرمہ)

امام سعید بن مسیّب رحمہ اللہ (متوفی ۹۴ھ) نے اپنے غلام برد سے فرمایا:

((یا برد لا تکذب عليّ کما کذب عکرمة على ابن عباس))

''اے برد! مجھ پر اس طرح جھوٹ نہ بولنا جس طرح عکرمہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما پر جھوٹ بولا ہے۔'' (حوالہ مذکور ص ۲۶۸ ج ۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے شاگرد نافع سے کہتے ہیں:

((اتق الله ويحك يا نافع ولا تكذب عليّ كما كذب عكرمة على ابن عباس))

''اے نافع! اللہ سے ڈرو اور مجھ پر کوئی جھوٹ نہ بولنا جس طرح عکرمہ نے ابن عباس پر بولا ہے۔''

مصعب بن ثابت زبیری سے مروی ہے کہ عکرمہ خوارج کی سی رائے رکھتے تھے۔ انھیں مدینے کے کسی والی نے طلب کیا اور داود بن حصین کے پاس پوشیدہ کر دیا۔ ان ہی کے پاس ان کی وفات ہوئی۔ لوگوں نے کہا عکرمہ کثیر العلم و کثیر الحدیث اور دریاؤں میں سے ایک دریا تھے۔ ان کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جاتا۔ لوگ ان کے ثقہ ہونے کے بارے میں کلام کرتے ہیں۔ (طبقات ابن سعد ص ۲۸۰ ج ۵ اردو)

امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''یعقوب حضرمی نے اپنے دادا سے نقل کیا ہے کہ ایک بار عکرمہ مسجد کے دراز ے پر کھڑے ہو کر کہنے لگا اس مسجد میں جتنے لوگ ہیں وہ کافر ہیں "وقال كان يرى راى الاباضية" اور راوی نے کہا وہ اباضیہ (خوارج کا ایک فرقہ) کا ہم خیال تھا۔'' (میزان الاعتدال ص۹۰ ج۳)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے عکرمہ کی توثیق کے ساتھ ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ:

((كذبه مجاهد وابن سيرين ومالك...... قال احمد كان يرى راى الخوارج الصغرية وقال ابن المدينى كان عكرمة يرى راى نجدة الحرورى))

(کتاب المعرفۃ الرواۃ المتکلم فیہم ص۱۴۸، ۲۴۲ تحت عکرمہ)

''مجاہد (متوفی ۱۰۰ھ)، ابن سیرین (متوفی ۱۱۰ھ) اور امام مالک رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۹ھ) نے اسے کذاب قرار دیا ہے امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ خارجیوں کا عقیدہ رکھتا تھا۔ ابن المدینی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کے عقائد حروریوں کے تھے۔''

خالد بن قاسم البیاض سے مروی ہے کہ عکرمہ اور کثیر عزہ شاعر کی وفات ۱۰۵ھ میں ایک ہی روز ہوئی...... لوگوں نے دونوں کی موت میں متفق ہونے اور رائے میں مختلف ہونے پر تعجب کیا، عکرمہ کے متعلق گمان کیا جاتا تھا کہ ان کی رائے خوارج کے موافق تھی اور کثیر شیعی تھا۔ عقیدہ رجعت (واپسی حضرت علی رضی اللہ عنہ) پر ایمان رکھتا تھا۔ (طبقات ابن سعد اردو ص۲۸۰ ج۵)

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ عکرمہ جھوٹا بھی تھا اور خارجی، اباضی اور حروری بھی...... یہ لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بدترین دشمن تھے لہٰذا زیر بحث روایت میں "من اين ترىٰ اخذها الحمار" کے الفاظ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ہرگز نہیں ہیں بلکہ اسی خبیث، کذاب اور خارجی کے ہیں۔

اور اگر بالفرض محال یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ زیر بحث روایت کے تمام راوی بشمول عکرمہ، صدوق، ثقہ اور معتبر ہیں اور ''الحمار'' کا لفظ کسی راوی کا اضافہ بھی نہیں ہے۔ (جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول کسی صورت میں ہو ہی نہیں سکتا) تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ یہ کسی غالی، متعصب اور جصاص و محمود شاہ قسم کے معتزلی حنفی کا اضافہ ہے جو اس نے اپنے عقائد و نظریات سے مجبور ہو کر حنفیت کی آڑ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تبرا کا ارتکاب کیا ہے۔

یا پھر اس بہانے قائلین ایک رکعت (شوافع اور دیگر حضرات) کو ''حمار'' کہنا چاہتا ہے۔ جصاص جیسے لوگ جو فقہاً حنفی تھے اور عقیدتاً معتزلی (جنھوں نے اپنی تفسیر احکام القرآن میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو فاجر، ظالم اور کافر تک قرار دے دیا) اس کی واضح مثال ہیں۔

راقم الحروف اگر چہ حنفی المسلک ہے لیکن اسے امام طحاوی رحمہ اللہ کے دفاع سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع اور عزت زیادہ عزیز ہے...... امام طحاوی رحمہ اللہ نے اسی کتاب میں ایک اور کذاب راوی ابن لہیعہ کے حوالے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حلق تک جہنم میں دکھایا ہے۔ (طحاوی ص ۲۶۲ ج ۲ کتاب الصرف باب القلادۃ)

تعجب بالائے تعجب یہ کہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول "اصاب انه فقيه" کو ''تقیہ'' پر محمول کیا ہے۔ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ رکعات وتر کے مسئلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے مختلف اقوال ہیں اور یہ فروعی، فقہی اور اجتہادی مسئلہ ہے۔ اس میں نہ تو کسی کو مخالف سنت یا تارک سنت قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ کسی کو مورد طعن ہی ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ لیکن اپنے موقف کو صحیح اور درست ثابت کرنے کا یہ طریقہ بالکل ہی غلط ہے جس میں جوش اور تعصب کا شکار ہو کر صحابی رسول، کاتب وحی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو العیاذ باللہ ''الحمار'' کہہ دیا جائے چنانچہ امام طحاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((وقد يجوز ان يكون قول ابن عباس اصاب معاويه على التقية له اى اصاب في شيء اخر لانه كان في زمنه......)) (طحاوی ص ۱۹۹ ج ۱ باب الوتر)

موصوف نے رکعات وتر کی بحث میں ''عجیب'' ترتیب قائم کی ہے۔ پہلے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں "اصاب معاوية" نقل کیا ہے پھر اس کی تائید میں یہ روایت لائے ہیں "قال ابن عباس من اين ترى اخذها الحمار" کہ اس حمار نے ایک رکعت کہاں سے لی؟ پھر انھوں نے اپنے موقف کی تائید میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی تین رکعت کی روایت اسی سند کے ساتھ پیش کی جس میں ''الحمار'' کا لفظ نہیں کہا گیا...... اور پھر اس کے بعد انھوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی صراحتاً توہین پر مبنی روایت نقل کی...... کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما چونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان کے ماتحت تھے اس لیے وہ حق بات کے اظہار کی جرأت نہ کر سکے۔ انھوں نے بطور ''تقیہ'' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک رکعت وتر پڑھنے کی تائید وتصویب کی...... ان کی زبان پر تو "اصاب معاوية" کے الفاظ تھے لیکن دل میں انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کسی دوسری بات کی تصویب کا قصد کیا ہوا تھا...... لا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم۔

حیرت ہے کہ عصر حاضر کے ایک جلیل القدر محدث علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے بھی امام طحاوی کی اس مبنی بر توہین روایت کی تائید کر دی۔ چنانچہ وہ صحیح بخاری کی روایت ''اصاب انه فقيه'' کے تحت فرماتے ہیں کہ:

((قلت وليس فيه تصويب له بل اغماض ونحو تسامح عنه وعند الطحاوى فقام معاوية فركع ركعة واحدة وقال ابن عباس من اين ترى اخذها الحمار فان

الكلمة شديدة)) (فیض الباری ص ۷۰ ج ۴)

''میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول "اصاب انه فقیه" میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تائید وتصویب نہیں ہے بلکہ ''چشم پوشی'' اور تسامح ہے۔ اور طحاوی کے نزدیک یہ بات ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے تو انھوں نے ایک رکعت پڑھی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اس ''حمار'' نے ایک رکعت کہاں سے لے لی؟ یہ ایک سخت کلمہ ہے۔''

گویا موصوف کے نزدیک (بشرط صحت نسبت) طحاوی کی یہ روایت صحیح ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نہ صرف تقیہ اور چشم پوشی کی بلکہ ان سے تسامح واقع ہوا ہے۔ اور صحیح بخاری کی تدریس کے دوران میں طلبہ حدیث کے سامنے لفظ ''الحمار'' پر صرف اتنا تبصرہ فرمایا کہ یہ ایک سخت کلمہ ہے۔

حیرت ہے کہ "اصاب انه فقیه" کہنے پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی "لیس فیه تصویب له بل اغماض ونحو تسامح عنه" کے الفاظ سے گرفت ہو سکتی ہے۔ اور ''الحمار'' پر نہ اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تسامح کہا جاتا ہے اور نہ اسے کسی دوسرے راوی کی کینہ توزی قرار دیا جاتا ہے۔ فقط "فان الكلمة شديدة" کہہ کر بحث ختم کر دی جاتی ہے اور وہ عظیم طلبہ حدیث بھی اس فصیح وبلیغ تبصرے پر مطمئن ہو جاتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور منقبت میں باب ذکر معاویہ کے تحت "اصاب انه فقیه" کی روایت لا رہے ہیں اور عصر حاضر کے شارح بخاری اس تصویب کی تغلیط فرماتے ہوئے طحاوی کی اس قابل اعتراض روایت سے استدلال فرما رہے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تو ''تقیۃً'' تصویب کی۔ ان کا اصل قول تو یہ ہے کہ "من این ترىٰ اخذها الحمار"

حالانکہ طحاوی کی اس روایت کی تصویب سے حضرت معاویہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما دونوں کی توہین ہوتی ہے...... کاش یہ شارح بخاری رواۃ کی جامہ تلاشی لیتے، عکرمہ کے چہرے سے نقاب الٹتے اور اپنے طلبہ کی راہنمائی ان روایات واحادیث کی طرف کرتے جن سے تین رکعت کا اثبات تو ہوتا تھا مگر توہین صحابہ کا کوئی شائبہ تک نہ تھا۔

سخت حیرت ہے کہ موصوف نے اس نازک اور علمی بحث کو کس قدر ''ایجاز'' سے کام لیتے ہوئے صرف تین سطروں میں اور کس جارحانہ انداز میں سمو دیا "قلت وليس فيه تصويب له بل اغماض ونحو تسامح عنه...... وقال ابن عباس من این ترى اخذها الحمار"

دار العلوم دیوبند کے ایک جلیل القدر محدث، مفسر اور استاذ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ علامہ تفتازانی کی ایک مثال کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

((ولا یخفی ما فیه من سوء الادب فی حق سیدنا معاویة رضی اللہ عنہ والجرأة علیه بما لا یلیق)) (حاشیہ مختصر المعانی ص ۷۱ تحت احوال المسند الیہ تعریفہ بالعلمیہ)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں جو جرأت اور بے ادبی اس مکروہ مثال میں پائی جاتی ہے وہ مخفی اور پوشیدہ نہیں...... یہ مثال نامناسب ہے۔''

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی اس عبارت سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جن الفاظ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یا دوسرے کسی صحابی کی توہین و بے ادبی کا صرف وہم بھی ہوسکتا ہو ان کا لکھنا اور بولنا جائز اور درست نہیں۔ تو لفظ ''الحمار'' جس سے صریح توہین ہو اس کا استعمال کیونکر صحیح ہوسکتا ہے؟

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو ''تقیہ'' کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ کیا ایک مسلمان یہ تصور کرسکتا ہے کہ انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک وتر پڑھنے کی تصویب ''تقیۃً'' کی ہوگی؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو ایک منصف مزاج، عادل، خلیفہ راشد، کاتب وحی، ہادی و مہدی اور احلم امت تھے...... ایک عام بدو مسجد میں دوران خطبہ میں انھیں مخاطب کر کے کہتا ہے کہ اللہ کی قسم! آپ خود بخود ٹھیک رہیں ورنہ ہم آپ کو سیدھا کر دیں گے...... اس گستاخانہ انداز کے جواب میں آں موصوف فرماتے ہیں کس کے ساتھ ٹھیک کرو گے؟ اس نے کہا ڈنڈے کے ساتھ۔ تو فرمایا پھر تو ہم درست ہو جائیں گے۔

(سیر اعلام النبلاء ص ۱۰۲ ج ۳)

ایک اور شخص نے دوران گفتگو میں ناشائستہ الفاظ استعمال کیے تو آپ نے کچھ دیر کے لیے سر جھکا لیا اور پھر بڑے پیار سے اسے سمجھایا۔ (حوالہ مذکور)

ایک اور شخص نے آپ کو سخت برا بھلا کہا...... کسی نے سختی کرنے کا مشورہ دیا تو فرمایا مجھے اللہ سے شرم آتی ہے کہ کہیں میری بردباری پر کسی کا گناہ غالب نہ آجائے...... میں شرم محسوس کرتا ہوں کہ کہیں کسی کا جرم میری معافی سے اور کسی کی نادانی میرے حلم سے بڑھ نہ جائے۔ (البدایہ والنہایہ ص ۱۳۵ ج ۸)

ایک اور شخص کی درشت مزاجی پر فرمایا کہ اس شخص نے مجھے تباہی و بربادی سے بچا کر زندگی عطا کی، اللہ اسے زندہ رکھے۔ (تطہیر الجنان ص ۲۷)

کہاں یہ عام لوگ...... اور کہاں حضرت عبداللہ عباس رضی اللہ عنہما؟ سنت مٹ رہی ہو، دین تباہ ہو رہا ہو، منکر کا نہ صرف ارتکاب ہو رہا ہو بلکہ علانیہ اس کی تبلیغ ہو رہی ہو اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما امر بالمعروف کے فریضے کے تارک ہوں یا کسی مصلحت و مداہنت سے کام لیں۔ بلکہ تقیہ (منافقت) پر مجبور ہو جائیں ہرگز قابل تسلیم نہیں ہے۔

آں موصوف پر تقیہ کا الزام لگانا سراسر ظلم اور بدترین تبرا ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق صحیح

مسلک وہی ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں باب ذکر معاویہ اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے السنن الکبریٰ میں تحت باب الوتر بیان کیا ہے کہ "قد صحب رسول الله ﷺ...... اصاب انه فقيه...... اصاب ای بنی ليس احد منا اعلم من معاوية" اس میں کسی تقیہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

جلیل القدر محدثین نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول "اصاب انه فقيه" کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت و منقبت میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((لان ظاهر الشهادة ابن عباس له دالة على الفضل الكبير))

(فتح الباری، باب ذکر معاویہ)

علامہ عینی رحمہ اللہ شارح بخاری لکھتے ہیں کہ:

((باب ذكر معاوية بن ابی سفيان رضی اللہ عنہما...... مطابقة للترجمة من حيث ان فيه ذكر معاوية وفيه دلالة ايضا على فضله...... قوله انه ای معاوية فقيه يعنی يعرف ابواب الفقه)) (عمدۃ القاری المعروف بعینی ص۲۶۳ ج ۷ باب ذکر معاویہ)

علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((وهذا من أجل مناقب معاوية...... فصدور هذا الوصف الجليل لمعاوية من اعظم مناقبه كيف وقد صدر له من حبر الامة وترجمان القرآن وابن عم رسول الله ﷺ وابن عم على والقائم بنصرة علیّ فی حياته وبعد وفاته وصح ذلك عنه فی البخاری الذی هو اصح الكتب بعد القرآن...... ان معاوية مجتهد بل فی انه من اعظم المجتهدين واجلهم...... واذا تقرر ان عمر وعليا وابن عباس رضی اللہ عنہم اتفقوا على ان معاوية من اهل الفقه والاجتهاد اندفع ما طعن كل طاعن عليه وبطل سائر النقائص المنسوبة اليه ومما يتعلق بقول ابن عباس وقع زجرا لعكرمة المنكر على معاوية ايتاره بركعة بما حاصله ان معاوية صحب النبی ﷺ فعل عليه من لحظه وكماله ما صاربه من العلماء الفقهاء الحكماء فهو اعرف بحكم الله فيما يفعله من المعترضين عليه۔ واذا تاملت هذا الوصفين الذين صحا فی البخاری عن ابن عباس فی حق معاوية علمت انه لا مساغ لاحد فی الانكار على معاوية فيما اجتهد فيه فظهر له انه الحق)) (تطہیر الجنان واللسان ص۲۰، ۲۱ طبع مکتبہ مجیدیہ ملتان)

''(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو صحابی رسول اور فقیہ کہنا) یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک بہت بڑی منقبت ہے...... یہ وصف جلیل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں حبر الامت، ترجمان

القرآن، ابن عم رسول اور ابن عم علیؓ اور ناصر و مددگار علیؓ یعنی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے صادر ہوا ہے اور صحیح بخاری میں مروی ہے جو قرآن کے بعد تمام کتابوں سے زیادہ صحیح ہے...... یقیناً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد ہیں بلکہ اعظم مجتہدین میں سے ہیں...... اور جب یہ ثابت ہے کہ حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم تینوں اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فقیہ اور مجتہد ہیں تو طعن کرنے والوں کا طعن دفع ہو گیا اور تمام وہ نقائص جو ان کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں باطل ہو گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو یہ کہا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہے اس سے مقصود عکرمہ کو تنبیہ کرنا تھا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک رکعت وتر پڑھنے کی باعث معترض تھے۔ مطلب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہے اور آپ کی نظر کیمیا اثر کے فیض سے وہ علمائے فقہاء میں سے ہیں۔ پس وہ جو کچھ کرتے ہیں اس کے متعلق اللہ کے حکم سے بہ نسبت معترضین کے زیادہ واقف ہیں۔

جب تم دونوں صفتوں کو جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں غور کرو گے تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کسی شخص کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ان کے اجتہادات کے متعلق اعتراض کرنے کا حق حاصل نہیں ہے کیونکہ جو کام انھوں نے کیے ان کے نزدیک وہی حق تھے۔''

علامہ ابن حجر عسقلانی، علامہ عینی اور علامہ ابن حجر ہیتمی رحمہم اللہ کی مذکورہ بالا تشریحات و توضیحات سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت و منقبت ثابت ہوتی ہے۔ جبکہ صاحب فیض الباری کی تشریح "قلت ولیس فیه تصویب له بل اغماض ونحو تسامح عنه...... من این تری اخذها الحمار" سے آں موصوف کی توہین و مذمت......

عام علمی حلقوں میں ''فیض الباری'' کو محدث کبیر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی تصنیف سمجھا جاتا ہے لیکن یہ خلاف واقعہ ہے۔

دراصل اسے حضرت موصوف کے شاگرد مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی رحمہ اللہ نے ان کے لیکچروں کی مدد سے حضرت رحمہ اللہ کی وفات کے بعد شائع کیا۔ موجودہ کتاب کے سرورق پر یہ تصریح موجود ہے: "من امالی الفقیه المحدث الاستاذ الکبیر" یعنی فقیہ محدث اور استاذ کبیر کے لیکچروں سے...... ظاہر ہے کہ جب کوئی آدمی فن مختصر نویسی سے ناآشنا ہو اور سرعت نویسی سے کام لے تو عبارت میں تسامح ہو جاتا ہے۔ مثلاً حدیث اذان بلالؓ میں خود مولانا بدر عالم صاحب رحمہ اللہ نے اعتراف و اقرار کیا ہے کہ میں نے حضرت شاہ صاحب کی طرف یہ جملہ منسوب کیا ہے کہ "اخرج ابو داود ما یدل علی رجوعه" اور میں نے یہ جملہ فیض الباری میں درج کیا ہے حالانکہ بعد میں باوجود تلاش کے مجھے یہ جملہ ابوداود شریف میں نہیں ملا۔ ناظرین کتاب سے بھی درخواست ہے کہ وہ ابوداود شریف میں یہ حدیث تلاش کریں اگر نہ ملے تو اس جملے کا اندراج

میری اپنی غلطی ہے۔ تنقید کرنے والا اس کو حضرت شیخ کی غلطی قرار دے گا حالانکہ متعصب یہ نہیں سوچتا کہ تیزی سے املاء کرنے میں ایسی غلطیاں ہو ہی جایا کرتی ہیں۔'' (فیض الباری ص ۷۰، ج ۴ بر حاشیہ)

حاشیہ کے اس نوٹ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تقریر کے نوٹ لینے میں مولانا بدر عالم صاحب رحمہ اللہ سے غلطیاں ہو جاتی تھیں...... موصوف نے فیض الباری کے مقدمے میں درج ذیل امور کا خود بھی اعتراف کیا ہے:

① حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ درس میں بہت تیزی سے بولتے تھے جس کی وجہ سے مجھے آپ کی مراد و مقصد کے سمجھنے اور ضبط کرنے میں سخت دشواری پیش آتی تھی کیونکہ اس کے لیے جید حفظ، مکمل تیقظ، حدید نظر، سریع قلم، سیال ذہن و بالغ فکر کی ضرورت تھی جو کم کسی کو حاصل ہوتا ہے۔

② کبھی ہم آپ کے کلام کی طرف پوری توجہ کرتے تھے تو املاء رہ جاتا اور کبھی کتابت کی طرف توجہ کرتے تو آپ کی بات پوری نہ سن سکتے تھے۔

③ میں نے مقدور بھر سعی کی کہ آپ کی پوری بات ضبط کرلوں مگر یہ بات میرے مقدور سے باہر رہی۔ اس لیے بہت سی اہم باتیں ضبط کرنے سے رہ گئیں بلکہ بسا اوقات علماء اور کتابوں کے ناموں میں تصحیف اور نقل مذاہب میں تحریف بھی ہوگئی۔

④ مجھے بڑی تمنا تھی کہ میں اس تالیف کو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی زندگی میں جمع کرلیتا کہ حضرت رحمہ اللہ اس کو ملاحظہ فرما کر اصلاح فرما دیتے مگر یہ آرزو پوری نہ ہوئی۔

⑤ میری پوری سعی کے باوجود اس میں قسم قسم کے اغلاط و سہو ہوگئے ہیں

⑥ میں جہاراً و سراً ہر طرح سے بتلا چکا ہوں کہ مجھے تمام مباحث میں مراجعت اصول اور تصحیح نقول کی فرصت نہیں ملی۔ جبکہ اس کے لیے طویل فرصتوں کی ضرورت تھی البتہ نقول صحاح ستہ کی تصحیح میں میں نے زیادہ اعتنا کیا ہے۔

⑦ میں پوری سچائی کے ساتھ اقرار کرتا ہوں کہ میں درس کے اندر ضبط و تحریر میں خطاؤں سے سالم نہیں رہا۔

⑧ اگر کہیں کسی بحث کے اندر لہجہ کی تیزی یا ترفع کی شان وغیرہ دیکھو تو اس کو صرف میری طرف منسوب کرنا کیونکہ وہ سب میری سوء تعبیر اور خباثت نفس کا اثر ہوگا۔

فیض الباری کی پہلی اشاعت کے موقع پر تصحیح پروف کا مشکل ترین کام حضرت مولانا السید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے سرانجام دیا اور بعض غلط عبارات کی نشاندہی انھوں نے اپنے مقدمے میں کر دی جو ابتدائی طباعتوں میں شامل کتاب رہا۔ حضرت بنوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی طرف بکثرت انتسابات مشکوک ومشتبہ نظر آتے ہیں...... باوجود سعی مشکور کے مؤلف (مولانا بدر عالم) یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ انھوں نے حضرت کے امالی ومشکلات علوم وتراجم رجال وغیرہ کو بنقیرہ وقطمیرہ جمع کر لیا ہے۔ اور آپ کے فوائد علمیہ ونظریات عمیقہ میں سے کسی کو نظر انداز نہیں ہونے دیا۔'' (مقدمہ فیض الباری مطبوعہ مصر)

یہ انتہائی افسوسناک بات ہے کہ لاہور سے فیض الباری کا جو ایڈیشن شائع ہوا۔ اس میں حضرت بنوری رحمہ اللہ کے اس مقدمے میں حذف والحاق کا عمل کر کے مذکورہ عبارت کو بالفاظ ذیل تبدیل کر دیا گیا ہے کہ:

''حضرت کے تمام ہی مشکلات علوم وتراجم رجال، فوائد مختلفہ ونظریات عمیقہ کا احاطہ کر لیا ہے حتیٰ کہ امالی شیخ میں سے کوئی کلمہ بھی بغیر احصاء وضبط کے نہیں چھوڑا۔ اور خود مولف (مولانا بدر عالم صاحب) نے جو اپنے مقدمے میں (اس کے خلاف) لکھا ہے وہ محض ان کی تواضع اور کسر نفسی ہے، اور کچھ نہیں۔''

(فیض الباری ص ۳۱، ۳۲)

حضرت مولانا احمد رضا بجنوری لکھتے ہیں کہ:

''فیض الباری میں اب بھی بہت سی مسامحات واغلاط ہیں جن میں کچھ کی نشاندہی بھی اصحاب تصانیف نے کی ہے۔ یہ بھی عدم مراجعت اصول اور عدم واقفیت تراجم رجال کا نتیجہ ہے۔ جبکہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ ایسی اغلاط سے مبرا تھے اور ان کی طرف ان کی نسبت کسی طرح بھی موزوں نہیں ہے۔ اس لیے پاکی داماں کی حکایت طویل کرنے سے بہتر ہے کہ مراجعات اصول اور مطالعہ تراجم رجال کر کے ان خامیوں کا ازالہ کیا جائے اور اس خوش فہمی کا سہارا نہ لیا جائے کہ خود حضرت مولف (مولانا بدر عالم) نے جن خامیوں کا اعتراف کر لیا تھا وہ محض تواضع اور کسر نفسی تھی۔ پھر یہ کہ مولانا بنوری رحمہ اللہ کے مقدمہ میں جو حذف والحاق کیا گیا ہے اس کی معذرت شائع کی جائے۔ یا اس کو لکھنے والے صاحب خود اپنی طرف منسوب کریں۔''

(ماہنامہ بینات شوال المکرم ۱۴۰۶ھ جولائی ۱۹۸۶ء)

بہرحال یہ تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ طحاوی اور فیض الباری کی زیر بحث عبارت سے دشمنان صحابہ کے موقف کو تقویت پہنچتی ہے اور اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلسانِ ابن عباس ''الحمار'' کہلا کر اور خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف خطا، تسامح، اغماض اور تقیہ کی نسبت کر کے توہین صحابہ کا ارتکاب کیا گیا ہے۔

حیرت ہے کہ جو لوگ ''سلف'' پر ادنیٰ تنقید بھی برداشت نہیں کر سکتے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی صریح اور واضح توہین پر کس طرح چپ سادھ لیتے ہیں؟ دراصل یہ بیماری اس وقت پیدا ہوئی جب ''اکابر'' کو عملاً معصوم قرار دے دیا گیا۔ یہ اکابر تو اس بات کے مجاز ہیں کہ وہ جب چاہیں صحابہ کی تغلیط وتوہین کر ڈالیں لیکن جب کوئی غلطی کی نسبت ان اکابر کی طرف کرتا ہے تو پھر اس پر ''گستاخ اکابر'' کا فتویٰ داغ دیا جاتا ہے۔ اگر خطا،

تسامح، اغماض اور تقیہ کی نسبت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف کی جا سکتی ہے تو ان اکابر کی طرف خطا کو منسوب کرنے میں کیا چیز مانع ہے؟

محقق اہل سنت حضرت مولانا ابو ریحان عبدالغفور صاحب لکھتے ہیں کہ:

''حضرت قاضی (مظہر حسین) صاحب کی کتاب خارجی فتنہ کے مطالعہ کے بعد ایک خالی الذہن اور ناواقف قاری کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہ حسن ظن نہیں رہتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی کے ساتھ ہونا چاہیے۔

حضرت قاضی صاحب مدظلہ نے حضرات اکابر اہل سنت رحمہم اللہ کی عبارتیں جس انداز اور لب ولہجہ میں پیش کی ہیں اسی کو اگر مسلک اہل سنت کی عین ترجمانی سمجھوں تو میرے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا کہ حضرات صحابہ خصوصاً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اپنی عقیدت کو خیر باد کہوں۔ ظاہر ہے کہ باغی، طاغی، جائر، غیر عادل اور مہاجر قرآن وحدیث سے اگر کوئی عقیدت رکھے بھی تو آخر کیسے؟

اور اگر دیگر اجلہ صحابہ کی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی ایک جلیل القدر صحابی اور پیکر اخلاص وللہیت مانوں نیز ان سے اپنی عقیدت ومحبت اور حسن ظن برقرار رکھوں تو پھر میرے لیے اس کے بغیر اور کوئی راستہ نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اکابر اہل سنت کے اس لب ولہجہ اور انداز بیان کو سراسر نامناسب اور ناموزوں گردانوں...... حضرت قاضی صاحب کی اس کتاب کے مطالعہ کے بعد میری ذہنی آوارگی کا یہ عالم ہو گیا ہے کہ اکابر اہل سنت کی صحابہ سے متعلق ایسی باتیں دیکھ کر میں بلا تکلف یہ سوچنے لگ جاتا ہوں کہ ان اکابر کے حوالے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کو اگر یہ کچھ کہا جا سکتا ہے اور یہ ان کی توہین بھی نہیں ہے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ کچھ کہنے میں خود یہ اکابر ہی کیوں یہی کچھ نہیں ہو سکتے؟ ان کے حق میں یہ الفاظ آخر توہین کیونکر بن سکتے ہیں؟ جس تاویل اور ہیر پھیر سے ان الفاظ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں جائز اور بالکل صحیح ثابت کرنے کے لیے تکلّفات کیے جاتے ہیں وہی تاویلات وتکلّفات آخر یہاں بھی تو بروئے کار لائے جا سکتے ہیں۔

لیکن دوسرے ہی لمحے یہ سوچ کر ٹھٹک کر رہ جاتا ہوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق ان بعض اکابر اہل سنت کی ایسی باتوں کو اگر کوئی ان ہی پر اسی تاویل سے جو ان کی عبارتوں میں کی جاتی ہے لوٹا دے تو حضرت قاضی صاحب اور ان کے مویدین حضرات اس پر قیامت تو بپا کر سکتے ہیں۔ ناصبیّت وخارجیت کے لمبے چوڑے فتووں کے طومار تو باندھ سکتے ہیں۔ لیکن ان بعض اکابر اہل سنت کے بارے میں ان ہی کے کہے ہوئے الفاظ کسی بھی معنی وتاویل کے ساتھ برداشت کرنے کے لیے کسی بھی قیمت پر تیار نہیں ہو سکتے۔ اگرچہ اصحاب جمل وصفین اور حضرت معاویہ وحکمین رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ سب کچھ صرف برداشت ہی نہیں کیا جاتا

بلکہ اس کو مسلک اہل سنت کی عین ترجمانی بتایا جاتا ہے۔

یہی نہیں بلکہ صحابہ کے بارے میں ایسے ناشایاں الفاظ کو ضرورت و بلاضرورت بار بار ایسے انداز سے دہرایا جاتا ہے کہ لکھنے والے پر وکیل صحابہ کے بجائے دشمن صحابہ کا شبہ ہونے لگتا ہے۔ یہ سب کچھ برداشت ہے لیکن یہ سب کچھ لکھنے والے بعض اکابر کے بارے میں کچھ بھی برداشت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جصاص نے کم از کم ۸ھ کے آخر تک تو یقیناً طلقائے مکہ...... ابوسفیان واحزابہ...... رضی اللہ عنہم کو کافر تک کہا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک قضیہ کو باطل "اول محدثة فی الاسلام" اور خود ان کو ساقط القول کہا۔ ان کو اکفر، افجر اور افتح لوگوں کے ساتھ ذکر کیا۔ اس کے باوجود حضرت قاضی صاحب اور ان کے مؤید بزرگوار کے بدن پر جوں بھی نہ رینگی...... اس سے اگر مجھ جیسا نابکار و ناپختہ کار اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے کہ ان بزرگواروں کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی گویا اتنی قدر و منزلت بھی نہیں جتنی کہ جصاص، مرغینانی اور ملا علی قاری وغیرہم کی ہے تو آپ ہی انصاف سے کہیے کہ اس میں زیادہ قصور کس کا ہے؟ میری ناپختہ کاری کا یا حضرت قاضی صاحب کی زیر بحث کتاب...... خارجی فتنہ...... کا؟

ہمیں ابھی تک یہی بتایا، سمجھایا اور پڑھایا گیا کہ کوئی بڑے سے بڑا ولی وغوث اور قطب کسی ادنیٰ درجے کے صحابی کے برابر نہیں ہوسکتا لیکن اب خارجی فتنہ اور اس کے مویدین حضرات کا طرز عمل جب یہ سامنے آیا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے کم درجے کے اولیاء کی صحابہ سے متعلق کہی ہوئی صحیح وغلط ہر قسم کی باتیں تو نہ صرف مانی اور منوائی جا رہی ہیں بلکہ ان کو عین مسلک اہل سنت قرار دیا جا رہا ہے لیکن دوسری طرف خود ان اولیاء کے بارے میں یہی باتیں بلکہ ان سے بھی بدرجہا غلط، بلا دلیل اور خلاف دلیل جیسے نسبتاً ہلکے پھلکے الفاظ تک بھی برداشت نہیں کیے جاتے تو اپنے بزرگوں کے پرانے پڑھائے ہوئے سبق اور ان کے اس نئے طرز عمل میں مجھ جیسا موٹی عقل کا آدمی کوئی تطبیق نہیں دے سکتا اور مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ الخ کی عملی تصویر بن کر رہ جاتا ہے۔'' (سبائی فتنہ ص ۷۳، ۷۶ طبع اول)

(۶۷) خطبہ قبل از صلوٰۃ عید

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے عید کی نماز میں نماز سے قبل خطبہ دیا۔ عبدالرزاق نے اپنی تصنیف ''مصنف'' میں اس کو بیان کیا ہے۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی اردو ص ۲۹۵)

اب مصنف عبدالرزاق کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

((قال ابن شهاب اول من بدأ بالخطبة قبل الصلاة معاوية))

(مصنف عبدالرزاق ص ۲۸۴ ج ۳ رقم ۵۶۴۶، باب اول من خطب ثم صلی)

''ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ وہ پہلے شخص جنھوں نے نماز سے قبل خطبہ سے آغاز کیا وہ معاویہ ہیں۔''

یہ روایت روایتاً و درایتاً غلط ہے...... اس کے راوی جناب ابن شہاب زہری ہیں۔ یہ حضرت اس قول میں متفرد ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرا کوئی بھی اسے روایت کرنے والا نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف موصوف کی روایات ہرگز قابل اعتبار نہیں ہیں۔ خواجہ قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ نے کتب شیعہ سے ثابت کیا ہے کہ ابن شہاب زہری شیعہ ہیں۔ (مذہب شیعہ ص ۹۳)

ایک شیعہ راوی کے قول کا سہارا لے کر ایک صحابی رسول پر خلاف سنت طریقہ اختیار کرنے اور بدعت رائج کرنے کا الزام وہی عائد کر سکتا ہے جس میں رفض کے جراثیم پائے جاتے ہیں۔ پھر صحابہ بدعت کا موضوع کیسے بن سکتے ہیں؟ اس پر تفصیلی بحث پیچھے ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بانی بدعات ہیں'' کے الزام کے تحت گزر چکی ہے۔

درایتاً بھی یہ الزام لغو، بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے کیونکہ

اولاً...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تقریباً بیس سال بحیثیت گورنر اور بیس سال تک ہی بحیثیت خلیفہ اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ اس چالیس سال کے عرصہ میں وہ عیدین کے موقع پر خطبہ ارشاد فرماتے رہے۔ اور اسے سننے والوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔ اگر یہ نیا کام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شروع کرتے تو اس کے راویوں کی تعداد بھی کثیر ہوتی۔ لیکن یہاں سوائے زہری کے کوئی دوسرا راوی دستیاب نہ ہو سکا۔

ثانیاً...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ متبع سنت تھے۔ کسی کو سنت کے خلاف کام کرتا دیکھتے تو فوراً منع کر دیتے تھے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگوں کو نماز عصر کے بعد نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا تم یہ نماز پڑھتے ہو حالانکہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے ہیں ہم نے انھیں یہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ بلکہ عصر کے بعد ان دو رکعتوں سے آپ

کو منع کرتے سنا ہے۔ (صحیح بخاری باب ذکر معاویہ)

ایک مرتبہ دس محرم کو مدینہ میں منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: "یا اھل المدینة! این علماء کم" اے اہل مدینہ! تمھارے علماء کہاں ہیں۔ میں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ یوم عاشورا ہے اللہ نے اس کا روزہ تم پر فرض نہیں کیا ہے البتہ میں روزہ سے ہوں۔ لہٰذا جو شخص چاہے روزہ رکھ لے اور جو نہ چاہے نہ رکھے۔" (صحیح بخاری وصحیح مسلم کتاب الصوم)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ مجھے وہ دعا لکھ کر بھیج دو جو رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے تو انھوں نے جواباً لکھا کہ

((لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير۔ اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطى لما منعت ولا ينفع ذا الجد منك الجد))

(صحیح بخاری کتاب القدر باب لا اعطی اللہ وصحیح مسلم باب استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نماز کے متعلق حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ شہادت دیتے ہیں کہ:

((ما رأيت احدًا بعد رسول الله ﷺ اشبه صلوٰة برسول الله ﷺ من اميركم هذا يعنى معاوية)) (تطہیر الجنان ص ۲۴)

"میں نے آنحضرت ﷺ کے بعد آپ سے زیادہ مشابہت رکھنے والی نماز پڑھنے والا تمھارے امیر یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی نہیں دیکھا۔"

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک مشہور صحابی حضرت سائب بن خلاد انصاری رضی اللہ عنہ کو (جنھوں نے ان کے ساتھ مقصورہ میں نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد اسی جگہ سنت ادا کیے تھے) ایسا کرنے سے منع کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ فرض نماز کے ساتھ کوئی دوسری نماز نہ ملائیں، جب تک کوئی کلام نہ کر لیں یا اس جگہ سے ہٹ نہ جائیں۔ (مشکوٰۃ ص ۱۰۵، باب السنن وفضائلھا)

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ متبع سنت تھے دوسروں کو خلاف سنت کام کرنے سے منع کرتے تھے اور خود بھی دوسروں سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ لہٰذا ان پر قبل نماز عید خطبہ پڑھنے کا الزام عائد کرنا غلط ہے۔

علاوہ ازیں جس کتاب کے حوالے سے یہ الزام عائد کیا گیا ہے وہ بھی ساقط الاعتبار ہے۔ کیونکہ جناب زہری کی طرح صاحب مصنف عبدالرزاق میں بھی تشیع پایا جاتا ہے۔ لہٰذا ان کی جس روایت سے کسی صحابی پر طعن وارد ہوتا ہو وہ ہرگز قابل اعتبار نہیں ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''ابن عدی نے کہا کہ عبدالرزاق فضائل میں ایسی احادیث لاتا ہے جس میں کسی نے اس کی موافقت نہیں کی۔ اور دوسروں کی عیب جوئی میں مناکیر وارد کیں۔ علماء نے اسے تشیع کی طرف منسوب کیا ہے...... میں نے مخلد شعیری سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں عبدالرزاق کے پاس بیٹھا تھا کہ "فذكر رجل معاويه فقال لا تَقْذِرُ مجلسنا بذكر ولد ابی سفيان" ایک شخص نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا تو عبدالرزاق نے کہا ہماری مجلس کو ابوسفیان کے بیٹے کے ذکر سے گندا نہ کرو۔'' (میزان الاعتدال ص ۱۲۷ ج ۲)

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

((نسبوه الى التشيع ...... تشيع فيه))

''اسے شیعیت کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور اس میں تشیع پایا جاتا تھا۔'' (تہذیب التہذیب ص ۳۱۳ ج ۶)

علامہ ابن اثیر جزری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

((وكان يتشيع))

''اس میں تشیع پایا جاتا تھا۔'' (تاریخ الکامل، ابن اثیر ص ۴۰۶ ج ۶)

شیعہ عالم شیخ عباس قمی لکھتے ہیں کہ:

((فاظهر لی محبة ال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وتعظيمهم والبراءة من عدوهم والقول بامامتهم)) (الکنی والالقاب ص ۴۲۷ ج ۲)

''(سہیل نے کہا) اس نے میرے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کی محبت ظاہر کی اور ان کی تعظیم کا اظہار کیا، ان کے دشمنوں سے براءت کا اظہار کیا اور ان کی امامت کا قول نقل کیا۔''

شیعہ عالم عبداللہ مامقانی لکھتے ہیں کہ:

''عبدالرزاق بن ہمام یمانی صنعانی...... صنعاء یمن کا باشندہ تھا۔ شیخ نے اسے اپنے رجال اصحاب صادق سے شمار کیا ہے اور کہا کہ عبدالرزاق دونوں یعنی امام باقر اور امام جعفر صادق سے روایت کرتا ہے اور محمد بن ابی بکر بن ہمام کے ترجمہ میں ایک طویل روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ "كونه من علماء الشيعة بل كونه فريد عصره فی العلم" کہ وہ ایک شیعہ عالم تھا بلکہ اپنے دور کا علم میں یکتا تھا۔ "وكان يتشيع من التاسع" اور اس میں نویں فرقے کی تشیع پائی جاتی ہے۔'' (تنقیح المقال ص ۱۵۰ ج ۲ من ابواب العین)

عبدالرزاق کا تشیع، سنی اور شیعہ دونوں کے ہاں مسلمہ ومتفقہ ہے۔ پھر وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس قدر بغض رکھتا ہے کہ آں محترم کے ذکر سے اس کی مجلس گندی ہو جاتی ہے تو ایسے شخص کی روایت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف کیوں کر قبول کی جا سکتی ہے؟

مزید برآں کتب حدیث میں چند دیگر حضرات کے متعلق بھی روایات ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے

کہ خطبہ قبل صلوٰۃ عید کو رائج کرنے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اکیلے اور پہلے شخص نہیں ہیں:

① نماز عید سے پہلے خطبہ دینے کا ثبوت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ملتا ہے۔ (مسند احمد عن عبداللہ بن زبیر)

② حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اس ''بدعت'' کا آغاز کیا تھا:

((اول من بدأ بالخطبة قبل الصلوٰة يوم الفطر عمر بن الخطاب))

(مصنف عبدالرزاق ص ۲۸۳ ج ۳ باب اول من خطب ثم صلی)

اس روایت میں زہری بھی نہیں ہیں اور اس کا متابع ایک دوسری کتاب میں بھی پایا جاتا ہے۔

((كان الناس يبدون بالصلوٰة ثم يثنون بالخطبة حتى اذا كان عمر و اكثر الناس فى زمانه وكان اذا ذهب يخطب ذهب جفاة الناس فلما راى ذلك عمر بدأ بالخطبة حتى ختم بالصلوٰة)) (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۷۱ ج ۲ من رخص ان یخطب قبل الصلوٰۃ)

③ نماز سے پہلے خطبہ عید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف بھی منسوب ہے:

((اول من خطب قبل الصلاة عثمان صلى بالناس ثم خطبهم يعنى على العادة فرائى ناسًا لم يدركوا الصلوٰة ففعل ذلك اى صار يخطب قبل الصلوٰة))

(رواہ ابن المنذر باسناد صحیح الی الحسن البصری، فتح الباری ص ۳۷۶ ج ۲ باب المشی والرکوب الی العید والصلوٰۃ قبل الخطبۃ)

اس روایت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نماز سے پہلے خطبہ دینے کی وجہ مذکور ہے کہ انھوں نے دور دراز سے آنے والے لوگوں کی رعایت کے لیے خطبہ کو مقدم کیا۔ تاکہ بعد میں آنے والے حضرات نماز میں شریک ہوسکیں۔ پھر نماز کے بعد خطبہ مسنونہ پڑھا گیا۔

④ جناب مروان رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی یہ الفاظ آئے ہیں کہ:

((ان اول من خطب قبل الصلوٰة مروان بن الحكم))

(جامع ترمذی باب فی صلوٰۃ العیدین قبل الخطبہ)

''یعنی مروان پہلے شخص ہیں جنھوں نے نماز سے قبل خطبہ دیا۔''

صحیحین کی روایت میں یوں مذکور ہے کہ:

''ایک مرتبہ عید کے دن جناب مروان عیدگاہ تشریف لائے اور (نماز سے پہلے) منبر پر چڑھنے لگے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے ان کا کپڑا پکڑ کر کھینچا لیکن وہ منبر پر چڑھ ہی گئے اور نماز عید سے پہلے خطبہ شروع کر دیا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم! تم نے تبدیلی کر دی۔ جناب مروان نے کہا جو بات آپ جانتے ہیں وہ گزر گئی...... حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم! جو کچھ میں جانتا ہوں وہ اس سے بہتر ہے جو میں نہیں جانتا۔ جناب مروان نے کہا بات یہ ہے کہ لوگ نماز عید کے بعد بیٹھتے نہیں اس لیے میں

نے نماز عید سے پہلے خطبہ دے دیا۔" (صحیح بخاری کتاب العیدین باب الخروج الی المصلی بغیر منبر وصحیح مسلم کتاب العیدین نحوہ)

⑤ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام سب سے پہلے زیاد نے کیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((وروی ابن المنذر عن ابن سیرین ان اول من فعل ذلك زیاد بالبصرة))

(فتح الباری ص ۳۷۶ ج ۲ باب المشی والرکوب الی العید والصلوٰۃ قبل الخطبۃ)

⑥ خطبہ قبل نماز عید حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی طرف بھی منسوب ہے۔

مسند احمد میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ قبل نماز عید کی حدیث کے راوی بھی یہی ہیں۔ علامہ بنوری رحمہ اللہ نے بحوالہ ابن قدامہ حضرت عثمان اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے فعل کی عدم صحت نقل کی ہے:

((وقال ابن قدامة وروی عن عثمان وابن الزبیر انهما فعلاه ولم یصح ذلك عنهما)) (معارف السنن ص ۴۲۸ ج ۴)

مذکورہ بالا روایات سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ خطبہ قبل صلوٰۃ عید کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے رائج نہیں کیا۔ بلکہ ان سے پہلے بشرط صحت روایت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت ابن زبیر، جناب مروان اور زیاد شروع کر چکے تھے۔

علاوہ ازیں خطبہ قبل صلوٰۃ کی روایات میں سخت تعارض پایا جاتا ہے اور فقہائے کرام نے ان روایات سے خطبہ قبل صلوٰۃ کا جواز ثابت کیا ہے۔ چنانچہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اگر نماز سے پہلے خطبہ دے دیا پھر بھی درست ہے اگرچہ خلاف سنت اور مکروہ ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر نماز سے پہلے خطبہ دے دیا تو نماز درست ہے اور خطبہ کالعدم۔ (معارف السنن ص ۴۲۷ ج ۴)

حقیقت یہ ہے کہ عیدین کی نماز کے بعد ہی خطبہ مسنون ہے اور اسی پر امت کا اجماع رہا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ

((کان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم و ابوبکر و عمر یصلون فی العیدین قبل الخطبة ثم یخطبون)) (جامع ترمذی باب فی صلوٰۃ العیدین قبل الخطبۃ)

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما خطبہ سے قبل عیدین کی نماز پڑھتے تھے پھر بعد میں خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔"

جمہور امت کا بھی اسی پر اتفاق ہے اور جن روایات میں اس کے خلاف پایا جاتا ہے وہ شاذ اور متعارض ہیں۔

نیز ان روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس خلاف سنت طریقے کے خلاف صرف حضرت ابوسعید

خدری رضی اللہ عنہ نے احتجاج کیا......اسی احتجاج سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اگر حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم اس سنت کو تبدل کرنے والے ہوتے تو ضرور ان کے خلاف بھی احتجاج ہوتا۔

اگر بالفرض یہ روایات صحیح ہیں تو پھر ان کی اصل صورت وہی ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں بیان ہوئی ہے کہ کچھ دور دراز کے لوگ نماز عید سے پہلے نہیں پہنچ سکتے تھے۔ ان کی رعایت کے لیے خطبہ کو مقدم کیا گیا اور نماز کے بعد باقاعدہ مسنون خطبہ دیا جاتا رہا پھر بھی اس فعل پر مواظبت ثابت نہیں ہے کبھی کبھی ایسا ہوا ہوگا۔

جبکہ ہمارے ہاں تقریباً تمام ہی مساجد وعیدگاہوں میں اس فعل پر مواظبت پائی جاتی ہے یعنی نماز سے پہلے کچھ وعظ ونصیحت اور مسائل بیان کیے جاتے ہیں اور نماز کے بعد خطبہ دیا جاتا ہے اور اس میں بھی وہی غرض ہے کہ زیادہ لوگ نماز میں شریک ہوسکیں۔ لہٰذا اس نیت سے یہ فعل ہرگز موجب طعن نہیں ہے۔

(۶۸) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نمازِ عید سے قبل اذان کا اضافہ کیا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انھوں نے نمازِ عید کے لیے اذان کا اضافہ کیا۔
علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ بروایت سعید بن مسیّب لکھتے ہیں کہ:

''عید میں اذان دینا بھی آپ ہی کی ایجاد ہے۔'' (تاریخ الخلفاء ص ۲۹۵)

سید مہر حسین بخاری لکھتے ہیں کہ:

''(عیدین کی نماز) یہ اذان واقامت کے بغیر ادا کی جاتی ہے یہی سنت طریقہ ہے اور آج بھی مسلمانوں کے تمام فرقے اسی طرح نمازِ عیدین ادا کرتے ہیں مگر معاویہ صاحب نے نمازِ عید کے لیے اذان کا رواج شروع کیا...... یعنی معاویہ صاحب نے ایک نئی بدعت ایجاد کی بلکہ میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ بدعات کا موجد ہی معاویہ ہے۔'' (سیاست معاویہ ص ۱۰۵)

''شاہ جی'' جمع خاطر رکھیے! اور اپنی تصحیح نماز وعقائد کی فکر کیجیے۔ اس معاملے میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا عمل وہی تھا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا تھا۔ وہ خود بھی متبع سنت تھے اور دوسروں کو بھی اس کی پیروی کا حکم دیتے تھے۔ خلاف سنت امور سے خود بھی اجتناب کرتے تھے اور دوسروں کو بھی منع کرتے تھے۔ جب کوئی مسئلہ معلوم نہ ہوتا تو اسے دیگر صحابہ سے دریافت کرتے تھے۔

ایک دفعہ غالباً مدینہ منورہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز پڑھائی تو کچھ لوگوں نے اس کے بعد نوافل ادا کرنے شروع کر دیے۔ بعد میں آپ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ اس طریقے کا نہ تو ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے اور نہ ہم نے انھیں ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ تو انھوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اس کے متعلق روایت کرتے ہیں۔ پھر آپ نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے اس کی حقیقت دریافت کی تو انھوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا حوالہ دیا۔ تب آپ نے ام المومنین سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز (بعد العصر) ہمارے گھر میں ادا فرمائی تھی۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس نماز کے متعلق وضاحت کی تھی کہ میں نے یہ وہ دو رکعت ادا کی ہیں جو ظہر کے بعد مجھ سے کسی ضروری کام کی وجہ سے ترک ہو گئی تھیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۵۱ ج ۲)

ایک دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں جمعہ کے دن عید آ گئی تو آپ نے اس کے متعلق حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ نے کبھی عہد رسالت میں جمعہ اور عید کو ایک ہی دن اکٹھا پایا ہے۔ تو انھوں نے کہا جی ہاں! پھر آپ نے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نمازیں کس طرح ادا فرمائیں۔ کہا کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے نماز عید ادا فرمائی۔ اس کے بعد باہر سے آئے ہوئے لوگوں سے فرمایا کہ جو شخص ہمارے ساتھ جمعہ کی نماز ادا کرنا چاہتا ہے وہ ٹھہر جائے اور نماز ادا کر لے۔

(سنن دارمی ص ۲۰۰ باب اذا اجتمع عیدان فی یوم)

اس تفصیل سے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عبادات کو سنت طریقہ کے مطابق ادا کرنے کے لیے دوسروں سے بھی مسائل پوچھا کرتے تھے لہٰذا آپ کا عمل عیدین کی نماز میں بھی مطابق سنت تھا......

نماز عید کے لیے ایجاد اذان کے الزام کی نوعیت بھی خطبہ قبل صلوٰۃ عید کی سی ہے۔ ایک تابعی اور شاذ روایت کی بنا پر آں موصوف پر یہ الزام ہرگز عائد نہیں ہوسکتا۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو لوگوں کا ایک جم غفیر اسے روایت کرتا۔ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنا عمل اس کے مطابق ہوتا تو وہ ضرور اسے تمام صوبوں میں نافذ کراتے۔ جبکہ روایات میں بغیر اذان و اقامت کی صراحت بھی موجود ہے...... حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے بغیر اذان و اقامت نماز عید پڑھاتے تھے۔ "انه صلی یوم عید بغیر اذان واقامة" (مصنف عبدالرزاق ص ۲۷۸ ج ۳۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۶۸ ج ۲)

نماز عید کے اذان اور اقامت کے بغیر ہونے پر اجماع ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی طریقہ تھا۔ لہٰذا کسی شاذ روایت کی بنا پر اجماع اور طریقہ نبوی کی مخالفت ثابت نہیں کی جا سکتی۔

علاوہ ازیں...... خطبہ عید قبل صلوٰۃ کی طرح اذان کے متعلق بھی مختلف اقوال ہیں...... علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

((ولا نعلم فی هذا خلافا ممن یعتد بخلافه الا انه روی عن ابن الزبیر انه اذّن واقام وقیل اول من اذّن زیاد وهذا دلیل علی انعقاد الاجماع قبله علی لا یسنّ لهما اذان و لا اقامة)) (المغنی ص ۲۳۵ ج ۲۔ معارف السنن ص ۴۲۹ ج ۴)

اس روایت میں بتایا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اذان اور اقامت دونوں کا اضافہ کیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ زیاد پہلا شخص ہے جس نے اذان کا آغاز کیا...... زیاد کے متعلق یہ قول علامہ عینی رحمہ اللہ نے بھی نقل کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ص ۲۸۲ ج ۶ باب المشی الرکوب الی العید والصلوٰۃ قبل الخطبہ بغیر اذان ولا اقامہ)

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے "اول من احدث الاذان" کے بارے میں متعدد اقوال نقل کیے ہیں: فقیل معاویه، وقیل زیاد، وقیل هشام، وقیل مروان وقیل عبدالله ابن الزبیر-

(فتح الباری ص ۳۷۷ ج ۲ باب المشی والرکوب الی العید والصلوٰۃ قبل الخطبہ......)

یہاں بھی روایات میں تعارض پایا جاتا ہے اور بصیغۂ مجہول قیل سے ذکر کیا گیا ہے اس قیل کا قائل کون ہے؟ اس کا کوئی اتہ پتہ نہیں۔ ایسی مجہول شاذ اور مرسل روایات کی بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بدعت کا الزام

عائد کرنا اور انھیں مطعون ٹھہرانا کسی بدترین دشمن اسلام ہی کا کام ہوسکتا ہے۔

البتہ یہ بات ممکن ہے کہ ان حضرات نے ''اعلام بطریق مخصوص'' یعنی اذان و اقامت کا اہتمام تو نہ کیا ہو لیکن لوگوں کی اطلاع کے لیے عام اعلان کبھی کبھار کرا دیا ہو اور کسی جاہل، احمق یا کسی دشمن معاویہ راوی نے اسے اعلام مخصوص یعنی اذان سے تعبیر کر دیا ہو۔

صلوٰۃ تراویح، صلوٰۃ کسوف اور صلوٰۃ استسقاء جو بغیر اذان و اقامت جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں، جس طرح ان نمازوں کے لیے عام اعلان مشروع ہے اسی طرح صلوٰۃ عید میں بھی اعلان عام کے ذریعے سے لوگوں کو آگاہ کرنا صحیح اور درست ہے۔

لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام کہ انھوں نے صلوٰۃ عید کے لیے اذان کا اضافہ کیا، سراسر لغو، بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے۔

(۶۹) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیٹھ کر خطبہ دیا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انھوں نے سب سے پہلے جمعہ کا خطبہ بیٹھ کر دیا۔ ورنہ اس سے پہلے خطبہ میں قیام مسنون تھا۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ:

''شعبی کہتے ہیں کہ اول وہ شخص جس نے بیٹھ کر خطبہ دیا آپ (معاویہ) ہی ہیں کیونکہ آپ بہت لحیم شحیم ہو گئے تھے۔ کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنا دشوار تھا اور آپ کا پیٹ بھی بہت بڑھ گیا تھا۔'' (تاریخ الخلفاء ص۲۹۵)

اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے مشہور دشمن معاویہ سید مہر حسین بخاری لکھتے ہیں کہ

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا'' ''لا اشبع الله بطنه'' کے اثر سے معاویہ بہت زیادہ کھایا کرتا تھا۔ منہ تھک جاتا تھا لیکن پیٹ نہ بھرتا تھا۔ مال حرام کثرت سے تھا۔ اس لیے کھا کھا کر موٹا ہو گیا تھا اور توند آگے بڑھ گئی تھی۔'' (سیاست معاویہ ص۱۲۰)

خطبہ حالت قیام میں ہی دینا مسنون ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ ''کان یخطب قائما ثم یجلس ثم یقوم فیخطب قائما'' (صحیح مسلم ص۲۸۳ ج۱) آپ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے پھر بیٹھ جاتے۔ پھر اٹھ کر کھڑے ہوتے اور خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

''کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب قائما ثم یقعد ثم یقوم کما تفعلون الآن'' (صحیح بخاری ص ۱۲۵ ج۱ باب الخطبۃ قائماً) آپ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے پھر بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہوتے تھے جیسے آپ اب کر رہے ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بھی عام معمول یہی تھا کہ وہ کھڑے ہو کر ہی خطبہ دیتے تھے۔ لیکن کبھی شاذ و نادر بشرط صحت روایت بیٹھ کر خطبہ دینے کی نوبت آئی بھی تو ایسا کسی تکلیف کے باعث ہوا۔ اور عذراً بیٹھ کر خطبہ دینا ہرگز ناجائز اور غلط نہیں ہے۔ عالمگیری اور بحر الرائق وغیرہ میں (بلا عذر) بیٹھ کر خطبہ دینے کو صرف مکروہ کہا گیا ہے۔ صاحب قدوری لکھتے ہیں کہ:

((فان خطب قاعدًا وعلی غیر طهاره جاذ ویکره)) (قدوری باب صلوٰۃ الجمعہ)

نماز میں قیام، رکوع اور سجود کو فرض قرار دیا گیا ہے لیکن بحالت عذر قیام کے بجائے قعود اور رکوع و سجود میں اشارہ سے یہ فرض ادا ہو جاتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((صل قائما فان لم تستطع فقاعدًا فان لم تستطع فعلی جنب))

" کھڑے ہوکر نماز پڑھو۔ اگر اس کی استطاعت نہ رکھو تو بیٹھ کر پڑھ لو۔ اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو پہلو پر لیٹ کر پڑھ لو۔" (سنن ابی داود ص ۱۳۷ ج ۱ باب فی صلوٰۃ القاعد)

اسی حدیث میں نسائی کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں

((فان لم تستطع فمستلقیا لا یکلف الله نفسا الا وسعها))

"اگر پہلو پر لیٹ کر بھی نہ پڑھ سکو تو سیدھے لیٹ کر پڑھ لو۔ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی بساط سے زیادہ کا حکم نہیں دیتے۔"

عذر کی حالت میں خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بیٹھ کر نماز ادا فرمائی تھی "صلی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ابی بکر فی مرضه الذی مات فیه قاعدًا" (جامع ترمذی)

خطبہ میں قیام کا درجہ نماز میں قیام کے درجے سے بہرحال کم ہے اگر نماز کا "فرض قیام" قعود سے ادا ہو جاتا ہے تو خطبہ کا "مسنون قیام" عذر کی بنا پر بحالت قعود کیوں ادا نہیں ہو سکتا؟

یہ بحث اس الزام کو درست تسلیم کرنے کی صورت میں ہے ورنہ جس روایت سے یہ اعتراض کیا جا رہا ہے وہ بجائے خود مشکوک و مشتبہ ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ عذر کی وضاحت بھی موجود ہے:

((کان معاویة استاذن الناس فی الجلوس فی احدی الخطبتین وقال انی کبرت وقد اردت اجلس احدی الخطبتین فجلس فی خطبة الاولیٰ اول خطب قاعدا معاویة قال ثم اعتذر الی الناس ثم قال انی اشتکی قدمی))

(مصنف عبدالرزاق ص ۱۸۸ ج ۳۔ السنن الکبریٰ، ص ۱۹۷ ج ۳ کتاب الجمعہ باب الخطبہ قائماً)

عبدالرزاق صاحبِ مصنف کی حقیقت پیچھے "خطبہ قبل صلوٰۃ عید" کے تحت گزر چکی ہے۔ پھر اس روایت سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا معمول تو یہ ثابت ہو رہا ہے کہ وہ ہمیشہ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ لیکن ایک دفعہ پاؤں میں تکلیف کی وجہ سے لوگوں سے معذرت طلب کرتے ہوئے پہلا خطبہ بیٹھ کر دیا اور دوسرا خطبہ بدستور کھڑے ہو کر ہی دیا۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ نے بھی یہی بات نقل کی ہے:

((کان معاویة بن ابی سفیان اول ما اعتذر الی الناس فی الجلوس فی الخطبة الاولیٰ فی الجمعة ولم یصنع ذلك الا لکبر سنه وضعفه))

(کتاب المعرفہ والتاریخ، بسوی ص ۴۷۹ ج ۲)

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جمعہ کا پہلا خطبہ بیٹھ کر دیا اور لوگوں سے معذرت بھی کی اور یہ کام ان سے کبرسنی اور ضعف کی بنا پر ہوا۔"

اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ بڑھاپا، کبرسنی اور ضعف صرف پہلے خطبے کی حد تک تھا اور دوسرے خطبے میں

اس کا اثر زائل ہو جاتا تھا؟ اور کیا اس کے بعد آپ کا ہمیشہ کا یہ معمول ہو گیا تھا کہ وہ پہلا خطبہ قعوداً اور دوسرا قیاماً دیا کرتے تھے؟ آخر یہ کیسا ضعف اور بڑھاپا تھا جو صرف پہلے خطبے کے دوران ہی میں اپنا اثر دکھایا کرتا تھا۔

پھر اس کے بعد کسی روایت میں کوئی صراحت نہیں کہ وہ نماز جمعہ کی امامت خود فرماتے تھے یا کسی نائب کو حکم دیتے تھے اور اگر خود نماز پڑھاتے تھے تو کیا دونوں رکعتوں میں قعود کرتے تھے یا کسی ایک رکعت میں؟...... اگر ایک شخص کبر سنی اور ضعف کی وجہ سے پہلا خطبہ کھڑے ہو کر نہیں دے سکتا (جبکہ خطبہ کا مختصر پڑھنا اس کے آداب میں سے ہے) تو وہ نماز میں قیام پر کیسے قادر ہو گا؟

اس بحث کا حاصل یہی ہے کہ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کبھی بیٹھ کر خطبہ دیا بھی ہے تو اس کی وہی صورت ہے جو امام بیہقی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے کہ پاؤں میں کچھ شکایت ہو جانے کی وجہ سے پہلا خطبہ بیٹھ کر دیا اور عذر رفع ہو گیا تو دوسرا خطبہ حسب معمول کھڑے ہو کر ہی دیا۔ باقی ساری باتیں دشمنان صحابہ نے ''زیب داستاں'' کے لیے بڑھا دی ہیں۔

علاوہ ازیں زیر بحث روایت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اگر ایک آدھ دفعہ بیٹھ کر بھی خطبہ دیا تو اس سے پہلے آپ نے لوگوں کے سامنے بیٹھنے کی وجہ بیان کر دی تھی جسے قبول بھی کر لیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس فعل پر نہ اس وقت اور نہ بعد میں کسی نے نکیر کی......

اس کے برعکس سنن نسائی کی ایک روایت میں ایک واقعہ اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ:

''کعب بن عجرہ کہتے ہیں کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے اور عبدالرحمٰن بن ام الحکم بیٹھ کر خطبہ دے رہے تھے تو انھوں نے کہا ''انظروا الی هذا یخطب قاعدا'' لوگو! اس کی طرف دیکھو یہ بیٹھ کر خطبہ دے رہا ہے۔'' (سنن نسائی ص ۲۰۷ ج ۱ قیام الامام......)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق تو اس قسم کی روایت صحاح میں نہیں پائی جاتی۔ اور چند دیگر کتب (مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ وسنن الکبریٰ للبیہقی) میں موجود بھی ہے تو وہاں عذر کی وضاحت بھی موجود ہے ورنہ عبدالرحمٰن بن ام الحکم کی طرح ان کے خلاف بھی احتجاج ہوتا۔

اس تفصیل سے واضح ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بیٹھ کر خطبہ دینے کا الزام سرے سے عائد ہی نہیں ہو سکتا۔

(۷۰) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے متعۃ الحج سے منع کیا تھا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انھوں نے حج تمتع سے منع کیا تھا چنانچہ غلام حسین نجفی لکھتا ہے کہ:

"واول من نهٰی عنه معاوية" اور سب سے پہلے معاویہ نے متعۃ الحج سے روکا ہے...... عبادت الٰہی سے روکنا اور منع کرنا یہ بھی حکم خداوندی سے بغاوت ہے اور اس قسم کی بغاوتوں سے معاویہ کا اعمال نامہ پر ہے۔" (خصائل معاویہ ص ۴۳۱)

نجفی علیہ ما علیہ کو عبادت سے کیا غرض؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر سارا غصہ اس لیے نہیں ہے کہ انھوں نے متعۃ الحج سے منع کیا ہے بلکہ اسے تو اپنا روایتی "متعہ" یاد آ گیا ہے جس کا آن محترم کے دور میں تصور تک مٹا دیا گیا تھا۔

حج تمتع، افراد اور قران کی طرح حج کی ایک قسم ہے تمام فقہاء کے نزدیک ان میں سے ہر ایک قسم جائز ہے۔ اختلاف صرف افضلیت میں ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سب سے افضل قران ہے پھر تمتع اور پھر افراد۔ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک سب سے افضل افراد ہے پھر تمتع پھر قران۔ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک وہ تمتع سب سے افضل ہے جس میں سوق ہدی نہ ہو۔ پھر افراد پھر قران۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

((عن ابن عباس قال تمتع رسول الله ﷺ وابوبكر و عمر وعثمان و اول من نهٰی عنه معاوية)) (جامع ترمذی کتاب الحج باب ما جاء فی التمتع)

اور سنن نسائی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں

((يقول ابن عباس هذا معاوية ينهى الناس عن المتعة))

(سنن نسائی ص ۱۲ ج ۲ کتاب مناسک الحج باب التمتع)

ان روایات کی بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ انھوں نے ایک جائز امر سے منع کیا ہے۔ معترض اور طاعن کی دانش و فہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی "نهى عن المتعة" کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ بھلا جو امر جائز ہو، سنت ہو، آنحضرت ﷺ نے اسے اختیار فرمایا ہو اور قرآن مجید میں اس کا ذکر ہو تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایسے کام سے کیونکر روک سکتے ہیں؟

روایت کے الفاظ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تمتع سے منع فرماتے تھے بلکہ وہ پہلے

شخص ہیں جنھوں نے تمتع سے روکا۔ جبکہ یہ دعویٰ ہی غلط ہے کہ انھوں نے سب سے پہلے تمتع سے منع کیا۔
جامع ترمذی میں اسی باب میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ:

((فقال الضحاك فان عمر بن الخطاب قد نهٰى عن ذلك))

(جامع ترمذی، کتاب الحج، باب ما جاء فی التمتع)

''ضحاک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بیشک عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس سے منع کیا تھا۔''

سنن نسائی میں بھی یہ روایت موجود ہے کہ:

((قال الضحاك فان عمر بن الخطاب نهٰى عن ذلك)) (کتاب مناسک الحج باب التمتع)

بلکہ نسائی میں اسی مقام پر ایک اور خلیفہ راشد کے بارے میں بھی یہ الفاظ آئے ہیں:

((نهى عثمان عن التمتع)) (حوالہ مذکور)

اگر تمتع سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے منع کیا ہے تو ان ہی کتب حدیث میں حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی طرف بھی ''نهى عن التمتع'' کا قول منسوب ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس معاملے میں متفرد نہیں ہیں۔ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نہی عن التمتع کا الزام عائد ہوسکتا ہے تو حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اس سے کیونکر مستثنیٰ ہو سکتے ہیں؟

اس سے یہ بات خود بخود ثابت ہوگئی کہ صحابہ کے درمیان ''تمتع'' کی مراد مختلف تھی۔ حج تمتع سے کسی نے بھی منع نہیں کیا تھا اور کر بھی کیسے سکتے تھے کیونکہ ''اصطلاحی تمتع'' کا جواز خود قرآن سے ثابت ہے ﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ﴾ (البقرہ: ۱۹۶)

اوپر یہ بتایا جا چکا ہے کہ فقہاء حج کی تمام اقسام افراد، تمتع اور قران کے جواز پر متفق ہیں تاہم ان کے مابین افضلیت کا اختلاف ہے۔ اور یہی اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی تھا۔ ائمہ مجتہدین نے اقوال صحابہ کی اپنے اپنے ذوق کے مطابق خوب توجیہات کی ہیں جو شروحات میں دیکھی جا سکتی ہیں بالخصوص اعلاء السنن جلد نمبر ۱۰ باب افراد الحج والعمرہ (یہاں ان کے نقل کرنے کا موقع نہیں ہے)۔

ان ابحاث و توجیہات کا خلاصہ یہ ہے کہ جن روایات میں حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما سے نہی عن التمتع منقول ہے ان میں ''فسخ حج الی العمرہ'' مراد ہے۔ جس کا جواز حجۃ الوداع کے ساتھ خاص تھا (لیکن بعض کے نزدیک یہ حکم عام اور سب کے لیے تھا جو اختلاف کا باعث ہوا) ورنہ اصطلاحی تمتع کے جواز میں کسی کو کوئی شبہ نہ تھا۔

اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقصد بھی حج تمتع سے روکنا نہ تھا بلکہ اس میں ''نهى عن التمتع'' سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک فتویٰ کا رد تھا جو اس بات کے قائل تھے کہ ''من جاء مهلا

بالحج فان الطواف بالبیت یصیّرہ الی عمرۃ شاء او ابٰی" یعنی جو شخص حج افراد کا احرام باندھ کر آئے تو طواف بیت اللہ سے فسخ حج الی العمرہ ہو جائے گا وہ چاہے یا نہ چاہے...... جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ فتویٰ مشہور ہوا اور اس کی وجہ سے لوگوں میں اضطراب پیدا ہوا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی تردید کے لیے لوگوں پر زور دیا کہ وہ صرف حج افراد کا احرام باندھیں اور عمرہ کو اس کے ساتھ جمع نہ کریں، نہ بصورت قران اور نہ بصورت تمتع۔ ان کا مقصود تمتع یا قران سے روکنا نہ تھا بلکہ اس مسئلے کو واضح کرنا تھا کہ بغیر عمرہ کے حج افراد بلا کراہت درست ہے۔ (اعلاء السنن، شیخ ظفر احمد عثمانی ص ۲۷۰ ج ۱۰، باب افراد الحج والعمرۃ)

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر "نہی عن التمتع" کا الزام لغو، بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے۔

(۱۷) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان کی رعیت ناراض تھی

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ تمام خلفاء میں سب سے پہلے ان کی رعیت ان سے ناراض ہوئی چنانچہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''سب سے اول رعیت آپ (معاویہ) ہی سے ناراض ہوئی اس سے قبل کسی خلیفہ سے رعیت ناخوش نہیں ہوئی۔'' (تاریخ الخلفاء اردو ص ۲۹۵، تحت اولیات امیر معاویہ)

معلوم نہیں کہ موصوف کو یہ اطلاع کن ذرائع سے حاصل ہوئی۔ اور تعجب اس پر ہے کہ انھوں نے ایک مفسر، ایک محدث اور ایک مورخ ہوتے ہوئے اس بات پر کس طرح یقین کر لیا۔

موصوف ایک کثیر التصانیف بزرگ ہیں اور تقریباً ہر علم وفن میں ''مجتہدانہ'' شان رکھتے ہیں۔ لیکن تصحیح حدیث میں بہت ''متساہل'' اور علوم حدیث میں ''حاطب اللیل'' کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان کی کتب ''الاتقان، الدر المنثور اور الخصاص الکبریٰ'' ہر قسم کی رطب و یابس احادیث کا مجموعہ ہیں۔ اپنی کتاب ''الجامع الصغیر'' کی ابتدا میں خود یہ تحریر کیا ہے کہ اس کتاب میں کسی کذاب یا وضاع کی حدیث نقل نہیں کروں گا لیکن اس کے باوجود انھوں نے اس میں بہت سی موضوع احادیث بھی نقل کر دیں۔ یہاں تک کہ ان میں بعض احادیث ایسی بھی ہیں جنھیں خود علامہ سیوطی نے ''اللآلی المصنوعہ'' میں موضوع قرار دیا ہے۔ فن تفسیر، حدیث اور فقہ میں جس شخص کا یہ حال ہو تو ''تاریخ'' میں اس کا کیا حال ہوگا؟

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((والجهاد فی بلاد العدوّ قائم وكلمة الله عالية والغنائم ترد اليه من اطراف الارض والمسلمون معه فی راحة وعدل وصفح وعفو)) (البدایہ والنہایہ ص ۱۱۹ ج ۸)

''عہد معاویہ میں دشمنوں کے ممالک میں جہاد جاری رہا، اللہ کا کلمہ بلند رہا اور اطراف واکناف سے غنائم کی ریل پیل جاری رہی اور مسلمان (رعیت) ان کے زیر سایہ راحت وعدل اور عفو و درگزر کی زندگی بسر کرتے رہے۔''

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((كان سيرة معاوية مع رعيته من خيار امير الولاة وكانت رعيته يحبونه وقد ثبت فی الصحيحين عن النبی ﷺ انه قال خيار ائمتكم الذين تحبونهم ويحبونكم وتصلون عليهم ويصلون عليكم)) (منہاج السنۃ ص ۱۸۹ ج ۲)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنی رعیت کے ساتھ برتاؤ اور سلوک ایک بہترین حکمران سا برتاؤ تھا۔ آپ کی رعایا آپ کے ساتھ محبت کرتی تھی اور صحیحین (بخاری و مسلم) میں یہ حدیث ثابت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمھارے حکمرانوں میں سے سب سے بہتر حکمران وہ ہیں کہ تم ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے، اور تم ان کے لیے رحمت کی دعائیں کرتے ہو اور وہ تمھارے لیے۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک بڑے مدبر اور صاحب بصیرت خلیفہ تھے امن پسند رعایا کے ساتھ ان کا سلوک نہایت مشفقانہ تھا۔ رعایا پر نرمی اور سختی کے متعلق ان کا اصول بقول ایک شیعہ مورخ یہ تھا کہ:

((لا اضع سيفي حيث يكفيني سوطي ولا اضع سوطي حيث يكفيني لساني ولو ان بيني وبين الناس شعر ما انقطعت قيل و كيف يا امير المومنين؟ قال كانوا اذا مدوها خليتها واذا خلوها مددتها وكان اذا بلغه عن رجل ما يكره قطع لسانه بالاعطاء)) (الفخری ص ۹۵)

''جہاں میرا کوڑا کام دیتا ہے وہاں تلوار کام میں نہیں لاتا۔ اور جہاں زبان کام دیتی ہے وہاں کوڑا کام میں نہیں لاتا۔ اگر میرے اور لوگوں کے درمیان بال برابر بھی رشتہ قائم ہو تو میں اس کو نہیں توڑتا۔ لوگوں نے پوچھا امیر المومنین یہ کیسے؟ فرمایا جب وہ لوگ اس کو کھینچیں تو میں ڈھیل دے دوں اور جب وہ ڈھیل دیں تو میں کھینچ لوں۔ اور جب کسی آدمی کی کوئی ناگوار بات معلوم ہوتی تھی تو عطایا و ہدایا کے ذریعے سے اس کی زبان بند کر دیتے تھے۔''

یہی اثنا عشری شیعہ مورخ لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دنیوی معاملات میں بہت ہی دانا تھے۔ فرزانہ و عالم تھے۔ حلیم و باجبروت حکمران تھے۔ سیاست میں کمال حاصل تھا اور دنیوی معاملات کو سلجھانے کی اعلیٰ استعداد رکھتے تھے۔ فصیح و بلیغ تھے۔ حلم کے موقع پر حلم اور سختی کے موقع پر سختی بھی کرتے تھے لیکن حلم بہت غالب تھا۔

ایک عادل اور کامیاب حکمران کے لیے رعایا کی شکایات سننا اور اس کی داد رسی کرنا نہایت ضروری ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس میں اتنا اہتمام تھا کہ وہ روزانہ مسجد میں بیٹھ کر عام رعایا کو بلا استثناء آزادی سے اپنی شکایات پیش کرنے کا موقع دیتے تھے۔

ایک متعصب شیعہ معتزلی مورخ مسعودی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے شب و روز کے معمولات کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:

''پھر وہ گھر سے نکلتے...... مسجد کی دیوار کے ساتھ کرسی پر بیٹھ جاتے......تو ان کے سامنے مقدمات پیش ہوتے۔ اس میں کمزور و ناتواں، دیہاتی، بچے، عورتیں، لاوارث سب پیش کیے جاتے۔ ان میں سے کوئی کہتا

مجھ پر ظلم ہوا ہے۔ حکم دیتے اس کو عزت دو اور اس کا تدارک کرو۔ اور کوئی کہتا مجھ پر زیادتی ہوئی ہے وہ کہتے اس کے ساتھ کسی کو تحقیقات کے لیے بھیج دو......'' (مروج الذہب ص ۴۲۳ ج ۲)

شیعہ مورخ جسٹس امیر علی لکھتے ہیں کہ:

''مجموعی طور پر حضرت معاویہ کی حکومت اندرون ملک بڑی خوش حال اور پرامن تھی اور خارجی پالیسی کے لحاظ سے بڑی کامیاب تھی۔'' (بحوالہ حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق ص ۲۵۲)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے رعایا کی بہتری اور دیکھ بھال کے لیے ہر قبیلہ میں سے ایک شخص متعین کیا جو روزانہ گشت کر کے ان کے مسائل و حالات معلوم کرتا کہ ''کیا تمھارے قبیلے میں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے؟ کیا رات کو کوئی حادثہ تو پیش نہیں آیا؟ کیا کوئی مہمان تو نہیں ٹھہرا؟ پھر ان کے نام لکھ کر بیت المال سے وظیفہ جاری کر دیا جاتا تھا۔ (منہاج السنۃ ص ۱۸۵ ج ۳)

غیر مسلم رعایا کے ساتھ بھی ان کا سلوک نہایت مشفقانہ اور عادلانہ تھا انھیں بعض ذمہ دار حکومتی مناصب پر بھی فائز کیا۔ اور ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کا ہر طرح خیال کرتے تھے۔ نیز ان کے مذہبی مراسم میں بھی کبھی دست اندازی نہیں کی...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ''یوحنا'' گرجے کے پاس ایک مسجد تعمیر ہوئی تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے گرجے کو مسجد میں شامل کرنا چاہا لیکن عیسائیوں نے اجازت دینے سے انکار کر دیا تو انھوں نے بھی اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ (فتوح البلدان، بلاذری ص ۱۳۱)

حکومتی ضرورت کے تحت ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وردان (مولیٰ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ) کی طرف لکھا کہ قبطی قوم کے ہر فرد پر ایک قیراط کا اضافہ کر دیں۔ وردان نے جواباً لکھا کہ ''کیف ازید علیھم وفی عھدھم ان لا یزاد علیھم'' میں کیسے اضافہ کر سکتا ہوں جبکہ معاہدہ میں یہ بات درج ہے کہ ان پر ٹیکس نہیں بڑھایا جائے گا۔ لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنا حکم واپس لے لیا اور ان کے ساتھ مزید رواداری کے ساتھ پیش آئے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیدیوں کے حقوق کی بھی رعایت کرتے ہوئے ان کے خور و نوش اور سردیوں اور گرمیوں کی مناسبت سے صحیح لباس مہیا کرنے کی ہدایات جاری کیں۔ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ نے خلیفہ ہارون الرشید رحمہ اللہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ خلفاء قیدیوں کے ان حقوق کا ہمیشہ خیال رکھتے رہے ''واول من فعل ذلك علی بن ابی طالب کرم الله وجهه بالعراق ثم فعله معاویة بالشام'' سب سے پہلے عراق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ قدم اٹھایا پھر شام میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس پر عمل جاری رکھا۔

(کتاب الخراج، امام ابو یوسف ص ۱۵۰)

رعایا کے ایک فرد عبدالرحمٰن بن زید نے ایک قطع زمین کے تنازع پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف

قاضی فضالہ بن عبید انصاری رحمہ اللہ کے پاس مقدمہ دائر کیا۔ سماعت کے بعد قاضی موصوف نے امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اور عبدالرحمٰن بن زید رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ دیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "فنقبل ما قلت" "ہمیں آپ کا فیصلہ قبول ہے۔ (انساب الاشراف، بلاذری ص۱۱۲)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسی طرز عمل کی بنا پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ یکے از عشرہ مبشرہ فرمایا کرتے تھے:

((ما رأيت احدًا بعد عثمان اقضى بحق من صاحب هذا الباب يعنى معاوية))

''میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ حق کو پورا کرنے والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔'' (البدایہ والنہایہ ص۱۳۳ ج۸)

مشہور فاضل سلیمان بن مہران الاعمش رحمہ اللہ کی خدمت میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور ان کے عدل وانصاف کا تذکرہ ہوا تو انھوں نے فرمایا:

((كيف لو ادركتم معاوية؟ قالوا فى حلمه؟ قال لا والله بل فى عدله))

''اگر تم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کو پا لیتے تو تمھیں فرق معلوم ہو جاتا۔ سامعین نے کہا ان کی بردباری کے متعلق۔ فرمایا نہیں اللہ کی قسم! ان کے عدل وانصاف کے متعلق۔'' (منہاج السنۃ ص۱۸۵ ج۳)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تقریباً بیس سال تک بحیثیت گورنر اور بیس سال تک ہی بحیثیت خلیفہ اپنے فرائض سر انجام دیے۔ تقریباً پینسٹھ لاکھ مربع میل پر پھیلی ہوئی وسیع سلطنت میں کسی صوبہ، کسی شہر اور کسی قریہ میں رعایا نے کبھی ناراضی کا اظہار نہیں کیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے کسی گورنر کے خلاف بھی کبھی کوئی تحریک نہیں چلی اور نہ کبھی کوئی شورش ہی اٹھی۔ پھر شورش کے اٹھنے کو بھی رعیت کی ناراضی کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش نہیں اٹھی؟ کیا ان سے اور ان کے گورنروں سے ''رعایا'' راضی تھی؟ کیا ان کا محاصرہ نہیں کیا گیا؟ کیا ان کی رعایا نے انھیں انتہائی بے دردی کے ساتھ شہید نہیں کیا؟ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف شورشیں نہیں اٹھیں؟ کیا انھیں بھی ان کی رعایا نے شہید نہیں کیا؟ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف ان کی رعایا نے سازش نہیں کی؟ کیا ان کی رعایا نے انھیں شہید نہیں کیا؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تو ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوا۔ معلوم نہیں کہ پھر ان کی رعایا کی ناراضی کا علم جناب سیوطی کو کیسے ہو گیا؟ اور آں محترم پر کس طرح یہ الزام عائد کر دیا گیا کہ سب سے پہلے رعیت ان ہی سے ناراض ہوئی تھی اور ان سے قبل کسی خلیفہ سے رعیت ناخوش نہیں تھی۔

البتہ اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ آں محترم سے ایک طبقہ ضرور ناراض تھا۔ اور اس کی ذریت بھی آج تک مسلسل ناراض ہی چلی آ رہی ہے۔ جنھیں مسلمانوں کا اتحاد ناگوار تھا، جو خلافت کو غیر مستحکم

کرنا چاہتے تھے، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر علانیہ تبرا کرتے تھے، جنھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کیے تھے اور جو اسلام کی نشر و اشاعت اور ترقی کو کسی صورت میں برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اس طبقہ کو نہ صحابہ راضی کر سکے اور نہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ...... بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود اعلان فرما دیا:

﴿وَ لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾ (البقرہ :۱۲۰)

﴿لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا﴾ (المائدہ)

آخر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ طبقہ کیوں کر راضی ہو سکتا تھا؟

(۷۲) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر شراب نوشی کا الزام

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر مسند احمد کی ایک روایت کے حوالے سے یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ شراب پیتے اور پلاتے تھے۔ سید مہر حسین بخاری نے ''سیاست معاویہ'' ص ۱۱۳ پر اور غلام حسین نجفی نے ''خصائل معاویہ'' ص ۳۹۱ پر یہ روایت نقل کی ہے۔ محمود شاہ محدث ہزاروی نے بھی مذکورہ روایت کی فوٹو سٹیٹ عدالت میں پیش کی۔ وہ روایت ملاحظہ فرمائیں:

((حدثنا عبدالله حدثني ابی ثنا زيد بن الحباب حدثني حسين حدثنا عبدالله بن بريده۔ قال دخلت انا وابی علی معاوية فاجلسنا علی الفرش ثم اتينا بالطعام فاكلنا ثم اتينا بالشراب فشرب معاويه ثم ناول ابی ثم قال ما شربته منذ حرمه رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال معاوية كنت اجمل شباب قريش واجوده ثغرا و ماشيء كنت اجدله لذة كما كنت اجده وانا شاب غير اللبن او انسان حسن الحديث يحدثني))

(مسند احمد بن حنبل ص ۳۴۷ ج ۵)

''عبداللہ بن بریدہ کہتے ہیں کہ میں اور میرے والد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو انھوں نے ہمیں فرش قالین پر بٹھایا۔ پھر ہمارے لیے کھانا لایا گیا ہم نے کھایا۔ پھر شراب لائی گئی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے پیا، پھر میرے والد کو (جام شراب) پکڑایا۔ پھر انھوں نے کہا کہ جب سے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کیا ہے میں نے نہیں پی۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نوجوانان قریش میں زیادہ خوبصورت اور خوش طبع تھا۔ میں عالم شباب میں دودھ اور ایسے انسان سے جو مجھ سے عمدہ گفتگو کرے زیادہ لذت والی چیز کوئی اور نہیں پاتا تھا۔''

اس روایت کی بنا پر ایک جلیل القدر صحابی رسول، کاتب وحی اور خلیفۃ المسلمین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر شراب نوشی کا الزام عائد کیا جاتا ہے جبکہ یہ روایت سنداً، متناً، روایتاً اور درایتاً صحیح نہیں ہے۔

اولاً...... ''فشرب معاويه ثم ناول ابی ثم قال ما شربته منذ حرمه رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم'' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شراب پی پھر میرے والد کو پیش کی پھر کہا جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کی ہے میں نے نہیں پی۔ قابل غور بات یہ ہے کہ اگر ''ثم ناول ابی'' کے بعد ''ثم قال'' کا فاعل ''ابی'' یعنی حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کو قرار دیا جائے (کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں شراب پیش کی تو انھوں نے کہا کہ میں نے جب سے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے نہیں پیا) تو ''ثم قال'' کا استعمال نحواً غلط

ہے اسے "فقال" ہونا چاہیے تھا اس سے معلوم ہوا کہ "ثم قال" کا فاعل "ابی" نہیں ہے بلکہ خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

ثانیاً...... پھر یہ عجیب بات ہے کہ ایک طرف روایت یہ بتا رہی ہے کہ انھوں نے شراب پی...... دوسری طرف پینے والا خود اعلان کر رہا ہے کہ میں نے اسے جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کیا ہے نہیں پیا۔ یعنی پی بھی رہے ہیں اور انکار بھی کر رہے ہیں۔ اس سے روایت کا تناقض اور تعارض ثابت ہو رہا ہے۔ اگر شرب خمر کا اقرار کیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ "ثم قال ما شربته......" کے الفاظ کسی راوی کا اضافہ اور الحاق وادراج ہے۔

ابن ابی شیبہ (متوفی ۲۳۵ھ) اور حافظ نور الدین علی بن ابی بکر رحمہ اللہ (متوفی ۸۰۷ھ) کی روایت میں یہ الفاظ نہیں پائے جاتے جبکہ دونوں جگہ عبداللہ بن بریدہ ہی راوی ہیں۔ حافظ نور الدین ہیثمی رحمہ اللہ نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ "وفی کلام معاویہ شیء ترکتہ" حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے کلام میں کچھ حصہ میں نے چھوڑ دیا ہے کیونکہ اس میں زیادتی پائی جاتی تھی جس کی وجہ سے اسے ترک کیا گیا ہے:

((عن عبدالله بن بريدة قال دخلت انا وابى علىٰ معاوية فاجلسنا على الفراش ثم اتينا بالطعام فاكلنا ثم اتينا بالشراب فشرب معاويه ثم ناول ابى ثم قال معاوية كنت اجمل شباب قريش...... وفى كلام معاوية شىء تركته)) (مجمع الزوائد ص۴۲ ج۵ کتاب الاطعمہ)

((حدثنا عبدالله بن بريدة قال دخلت مع ابى علىٰ معاويه فاجلس ابى على السرير واوتى بالطعام واطعمنا و اوتى بشراب فشرب فقال معاوية ما شىء كنت استلذه وانا شاب فاخذه اليوم الا اللبن فانى اخذه كما اخذه قبل اليوم والحديث الحسن)) (مصنف ابن ابی شیبہ ص۹۴، ۹۵ ج۱۱ تحت ما ذکر من حدیث الامراء والدخول علیہم)

ثالثاً...... اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ "ثم قال ما شربته......" کسی راوی کا الحاق اور ادراج ہے تو پھر یہ بات حل طلب ہے کہ کھانے کے بعد محفل میں "واوتى بشراب" یا "اتينا بشراب" میں لفظ "شراب" سے کیا چیز مراد ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ لفظ اردو زبان کا نہیں جو عام طور پر "خمر حرام" کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بلکہ یہ لفظ عربی زبان کا ہے...... تو لغت عربی میں اس کے معنی یہ ہیں:

"الشراب" ہر ایک ایسی چیز جو پی جاتی ہو۔ اس کی جمع "اشربہ" ہے یعنی کھانے کے بعد کوئی پینے کی چیز لائی گئی۔ جسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پیا...... پھر وہ مشروب میرے والد کو پکڑایا...... اس کے بعد کیا ہوا؟ اس کا روایت میں کوئی ذکر نہیں...... کیا حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے بھی اسے پیا ہے یا نہیں؟

رابعاً...... اوپر بتایا جا چکا ہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ اور مجمع الزوائد کی روایت میں یہ جملہ موجود نہیں

ہے۔لیکن مسند احمد کی زیر بحث روایت میں موجود ہے اور اگر اسے ادراج راوی نہ سمجھا جائے تو قواعد کی رو سے اس قول کے ''ابی'' یعنی حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ قائل نہیں ہو سکتے لازماً اس کے قائل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہوں گے تو اس طرح روایت کے مفہوم میں تعارض پیدا ہو جاتا ہے لیکن یہ تعارض اس توجیہ سے رفع ہو سکتا ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہ مشروب حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کو دیا تو ان کا کیا ردعمل تھا؟ کیا انھوں نے اسے پیے بغیر واپس کر دیا تھا؟ کیا انھوں نے اس پر کسی ناراضی کا اظہار کیا تھا؟ کیا انھوں نے حرمت خمر کی آیات و احادیث پڑھ کر سنائی تھیں؟ کیا انھوں نے ''نہی عن المنکر'' کا فریضہ ادا کیا تھا؟ کیا انھوں نے اس مجلس سے احتجاجاً واک آؤٹ کیا تھا؟ کیا انھوں نے دیگر صحابہ کو اس فعل سے آگاہ کیا تھا؟ ان تمام امور کی کوئی وضاحت نہیں ہے بلکہ قرائن سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے پی کر حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کو دیا تو انھوں نے بھی پیا۔اس کے ساتھ ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وضاحت کر دی کہ ''ما شربته منذ حرمه رسول الله'' جس شراب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کیا ہے اسے میں نے کبھی استعمال نہیں کیا۔اس توجیہ سے نہ ادراج راوی تسلیم کرنا پڑتا ہے اور نہ عبارت ہی میں کسی قسم کا کوئی تناقض و تعارض پیدا ہوتا ہے۔

خامساً...... اس محفل میں جو مشروب پیا گیا کیا وہ ''اصطلاحی شراب'' تھی یا وہ مشروب تھا جس کا جواز ثابت ہے۔

شراب کی مختلف اقسام ہیں مثلاً گندم، جو، انگور اور کھجور سے تیار کردہ شراب...... احناف کے نزدیک انگور سے تیار کی گئی نشہ آور شراب حرام ہے۔ دوسری شرابوں میں اگر سکر کی حد تک نہ پی جائے تو جواز کا قول ہے۔اس دور میں نبیذ کا رواج تھا اور یہ پھلوں منقیٰ اور شہد سے تیار کی جاتی تھی جو شرعاً حلال تھی۔

حضرت بریدہ بن سفیان رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک روایت میں آتا ہے کہ انھوں نے طریق الری میں ''خمر'' یعنی شراب پی۔اسی روایت میں آگے یہ وضاحت موجود ہے کہ:

((قال ابو الفضل اهل المدينة ومكة يسمون النبيذ خمرا والذى عندنا انه راى بريدة يشرب نبيذا فى طريق الرى فقال رأيته يشرب خمرا))

''ابوالفضل کہتے ہیں کہ اہل مدینہ اور اہل مکہ نبیذ کو خمر سے موسوم کرتے تھے اور ہمارے نزدیک حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کو طریق الری میں نبیذ پیتے دیکھا گیا ہے تو اسے راوی نے یوں بیان کیا کہ میں نے انھیں ''خمر'' پیتے ہوئے دیکھا ہے اور ابوالفضل نے اس کی وضاحت کی کہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے ''خمر'' کا استعمال نہیں کیا بلکہ نبیذ پی جسے راوی نے خمر کا نام دیا ہے۔''

مگر مسند احمد کی روایت میں تو ''خمر'' کا لفظ ہی نہیں۔ وہاں صرف شراب کا لفظ آیا ہے (اتینا بشراب) اور اس شراب سے ''خمر'' (جو حرام ہے) کوئی دشمن صحابہ ہی مراد لے سکتا ہے۔اور اگر بالفرض خمر کا لفظ بھی

موجود ہوتا تو اس سے اہل مکہ اور اہل مدینہ کی اصطلاح کے مطابق نبیذ ہی مراد لی جاتی۔

سادساً...... اگرچہ زیر بحث روایت میں شراب کا لفظ استعمال ہوا ہے اور اس سے ''خمر'' مراد لی ہی نہیں جا سکتی کیونکہ قطع نظر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت کے، ایک عام دنیوی حکمران جو شراب کا عادی بھی ہو، برسر محفل ''شراب'' نہیں پی سکتا۔ چہ جائیکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسا عظیم سیاست دان اس کا ارتکاب کرے جن کے تدبر کے دشمن بھی قائل تھے۔

علاوہ ازیں شارحین حدیث نے ''شراب'' سے ''نبیذ'' مراد لی ہے چنانچہ شارح مسند احمد بن حنبل، احمد عبدالرحمٰن البنا الساعاتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۵۱ھ) لکھتے ہیں کہ:

((یحتمل ان هذا الشراب کان من النبیذ الماخوذ من غیر العنب وان معاویة شرب منه قدرًا لا یسکر وقد روی عن ابی بکر وعمر وبه قال ابو حنیفة ان ما اسکر کثیره من غیر العنب یحل ما لا یسکر منه)) (الفتح الربانی شرح مسند احمد بن حنبل ص ۱۱۵ ج ۱۷)

''اس بات کا احتمال ہے کہ جو شراب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے استعمال کی وہ ''نبیذ'' ہو جو انگور کے علاوہ کسی اور چیز سے بنائی گئی ہو اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مقدار میں پیا ہو جو ''سکر'' پیدا نہیں کرتا۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ انگور کے علاوہ کسی چیز کی بنی ہوئی شراب اس قدر پینا حلال ہے جس سے نشہ نہ آئے۔''

سابعاً...... اس سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی ہے کہ انگور کے علاوہ کسی اور چیز سے تیار کی گئی شراب (نبیذ) اس مقدار میں استعمال کرنا جس سے نشہ نہ آتا ہو حضرت ابوبکر، حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف زیر بحث روایت میں ''شراب'' کے لفظ سے بشرط صحت روایت نبیذ مراد لی گئی ہے...... حضرات شیخین رضی اللہ عنہما اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے تو صرف اس کا جواز مروی ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ، ان کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ اور حسن بصری رحمہما اللہ سے تو نبیذ کا استعمال اور پینا ثابت ہے:

① ((عن موسی بن طریف عن ابیه قال وکان علی بیت مال علی ابن ابی طالب ان علیا شرب نبیذا جرة خضراء)) (طبقات ابن سعد ص ۱۷۱ ج ۷ تحت طریف)

''موسیٰ بن طریف اپنے والد (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیت المال کے نگران تھے) سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سبز رنگ کے گھڑے (مٹکے) سے نبیذ پیا۔''

② ((عن منذر الثوری عن ابن الحنفیة انه کان یشرب نبیذا))

(طبقات ابن سعد ص ۸۵ ج ۵ تحت محمد بن حنفیہ)

''منذر ثوری رحمہ اللہ ابن حنفیہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ نبیذ نوش کیا کرتے تھے۔''

③ ((حدثنا ابو العریان خالد بن بسیط قال دعینا الی دعوة فیها الحسن البصری فاکلنا فاتی نبیذ فشرب الحسن وشربنا))

(کتاب الکنیٰ، دولابی ص ۳۰ ج ۲ تحت کنیت ابو العریان)

''ابو العریان خالد بن بسیط کہتے ہیں کہ ہمیں ایک کھانے کی دعوت دی گئی اس میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ بھی شریک تھے۔ ہم نے کھانا کھایا پھر نبیذ لائی گئی تو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اور ہم نے اسے پیا۔''

ان تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ اس دور میں دعوت طعام کے بعد نبیذ کا استعمال بطور مشروب ہوا کرتا تھا جس کی شرعاً اجازت تھی اگر حضرات ابوبکر، عمر، علی رضی اللہ عنہم، محمد بن حنفیہ، حسن بصری اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ پر نبیذ کے استعمال اور جواز کے فتویٰ سے کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا تو پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کیوں کر مورد الزام ٹھہرائے جاسکتے ہیں؟

علاوہ ازیں مسند احمد کی روایت کی سند میں بھی چند راوی ایسے ہیں جو ناقابل اعتبار ہیں...... ملاحظہ فرمائیں:

زیر بحث روایت کے تین راویوں (زید بن حباب، حسین بن واقد اور عبداللہ بن بریدہ) کے متعلق کتب اسماء الرجال میں نقد پایا جاتا ہے۔

① زید بن حباب: امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((قال ابن معین احادیثه عن الثوری مقلوبة وقال احمد صدوق کثیر الخطاء))

(میزان الاعتدال ص ۳۶۲ ج ۱)

''ابن معین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کی امام ثوری رحمہ اللہ سے بیان کردہ احادیث میں تقدیم و تاخیر پائی جاتی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ سچا تو ہے لیکن غلطیاں زیادہ کرتا ہے۔''

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''زید بن حباب کے بارے میں نباتی نے الحافل میں ذکر کیا اور کہا کہ وہ ابومعشر سے روایت کرتا ہے "یخالف فی حدیثه" اور اس کی حدیث میں مخالفت کرتا ہے۔ نباتی یعنی ابن حبان کہتے ہیں کہ "وفیه نظر" اور اس میں کلام کیا گیا ہے۔'' (لسان المیزان ص ۵۰۳ ج ۲)

"کان کثیر الخطاء" بکثرت غلطیاں کرتا ہے۔ "یعتبر حدیثه اذا روی عن المشاهیر واما روایته عن المجاهیل ففیها مناکیر" جب وہ مشاہیر سے روایت کرے تو وہ معتبر ہوگی اور اس کی مجاہیل سے روایت میں ''مناکیر'' ہیں۔

② **حسین بن واقد مروزی:** امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((واستنكر احمد بعض حديثه وحرك راسه كانه لم يرضه لما قيل انه روى هذا الحديث)) (میزان الاعتدال ص ۲۵۷ ج ۱)

"امام احمد رحمہ اللہ نے اس کی بعض احادیث کو منکر بتایا ہے اور سر جھٹک کر کہا کہ وہ اس سے راضی نہیں، جب ان سے کہا گیا کہ یہ حدیث حسین بن واقد نے روایت کی ہے۔"

عقیلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((ذكر ابو عبدالله حسين بن واقد فقال واحاديث حسين ما ارى اى شيء هى ونفض يده)) (الضعفاء الکبیر، عقیلی ص ۲۵۱ ج ۱ تحت حسین بن واقد المروزی)

"ابو عبداللہ امام احمد رحمہ اللہ کے پاس حسین بن واقد کا ذکر ہوا تو انھوں نے کہا کہ حسین بن واقد کی احادیث کیا چیز ہیں؟ اور اپنے ہاتھ کو جھاڑ دیا یعنی اس کی مرویات کا کوئی اعتبار نہیں۔"

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"ابن حبان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ مرو کا قاضی اور اچھے لوگوں سے تھا۔ بسا اوقات روایات میں غلطی کر جاتا ہے۔ عقیلی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس کی حدیث کو منکر کہا...... اور اثرم نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس کی احادیث میں زیادتی پائی جاتی ہے۔ "ما ادرى اى شيء هى ونفض يده" میں نہیں جانتا وہ کیا چیز ہے؟ اور اپنا ہاتھ جھاڑ دیا۔"

(تہذیب التہذیب ص ۳۷۴ ج ۲ تحت حسین بن واقد)

③ **عبداللہ بن بریدہ:** احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ عبداللہ نے اپنے باپ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے سماعت کی ہے؟ انھوں نے کہا کہ وہ جو عام روایتیں اپنے والد سے بیان کرتا ہے میں ان کو نہیں جانتا۔ اور اس کی حدیث کو ضعیف قرار دیا...... ابراہیم حربی کہتے ہیں کہ عبداللہ اپنے بھائی سلیمان سے اتم ہے لیکن ان دونوں نے اپنے باپ سے کچھ نہیں سنا۔ اور عبداللہ جو احادیث اپنے باپ سے بیان کرتا ہے وہ منکر ہیں۔

(تہذیب التہذیب ص ۱۸۵ ج ۵ تحت عبداللہ بن بریدہ)

زیر بحث روایت کے راویوں کے متعلق مذکورہ بالا اقوال سے بھی یہ واضح ہو گیا ہے کہ اس روایت کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ اس قسم کی روایت سے کسی صحابی پر الزام عائد کیا جا سکتا ہے۔

مزید برآں درایتاً بھی اس روایت کی بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر "شرب خمر" کا الزام لغو اور باطل ہے کیونکہ:

اولاً...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی، کاتب وحی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر نسبتی، مجاہد فی

سبیل اللہ، حامل بشارت جنت ومغفرت، متبع کتاب وسنت اور مواخذۂ قیامت سے ہر وقت لرزہ براندام رہنے والے تھے۔ (جامع ترمذی باب ماجاء فی الریاء والسمعہ)

جس شخص کا فکر آخرت اور خشیت الٰہی سے یہ حال ہو کیا وہ علانیہ برسر محفل شراب پی سکتا ہے؟

ثانیاً...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کتب حدیث میں شراب کی حرمت پر کئی احادیث مروی ہیں۔ ابن ماجہ نقل کرتے ہیں کہ:

''یعلی بن شداد بن اوس سے روایت ہے کہ میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ''کل مسکر حرام علی کل مومن'' ہر نشہ آور چیز ہر مومن پر حرام ہے۔'' (سنن ابن ماجہ ص ۲۵۱، ابواب الاشربہ باب کل مسکر حرام)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ:

((عن معاوية قال سمعت رسول الله ﷺ يقول من شرب الخمر فاجلدوه فان عاد فاجلدوه فان عاد فاجلدوه فان عاد الرابعة فاقتلوه))

(مسند احمد بن حنبل ص ۹۳ ج ۴، تحت حدیث معاویہ)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جو شراب پیے اس کو کوڑے لگاؤ۔ پھر پیے تو پھر اس پر حد لگاؤ۔ پھر اس کا اعادہ کرے تو پھر اسے کوڑے لگاؤ۔ اور اگر چوتھی مرتبہ پیے تو اسے مار ڈالو۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ''شرب خمر'' کے بارے میں یہ نظریہ واعتقاد ہے اور اسی مسند احمد بن حنبل میں منقول ہے۔ حیرت ہے کہ دشمنان معاویہ کو غیر ثقہ، غیر معتبر اور کذاب رواۃ کی ایک مبہم، غیر واضح اور سنداً ومتناً وروایتاً ودرایتاً غلط روایت تو نظر آ جاتی ہے اور آں موصوف کا اپنا یہ واضح اور غیر مبہم قول نظر نہیں آتا۔

بہر حال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر شراب نوشی کا الزام لغو، بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے۔

(۷۳) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ریشمی لباس پہنتے تھے

شیعہ مصنف ڈاکٹر نور حسین جعفر سیالوی لکھتے ہیں کہ:

''معاویہ ریشمی لباس پہنا کرتا تھا جس کو جناب رسول خداؐ نے مردوں پر حرام کر دیا تھا۔''

(ثبوت خلافت ص ۲۹۵ ج ۲)

سنن ابی داود کی ایک روایت کے حوالے سے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے۔.... حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ کی طویل روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

((فانشدك بالله هل سمعت رسول الله ﷺ نهى عن لبس الحرير قال نعم...... قال فو الله لقد رايت هذا كله فى بيتك)) (سنن ابی داود ص ۲۱۴ ج ۲ کتاب اللباس باب فی جلود النمور)

''میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کیا آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ریشمی لباس پہننے سے منع کیا تھا...... فرمایا...... ہاں...... حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے کہا پھر اللہ کی قسم اے معاویہ! میں یہ سب کچھ تمھارے گھر میں دیکھتا ہوں۔''

یہ طویل روایت پیچھے ''وفات حسن پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اظہار مسرت'' کے تحت گزر چکی ہے۔ وہاں تفصیل کے ساتھ بتا دیا گیا تھا کہ یہ روایتاً و درایتاً غلط ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی بقیہ بن ولید ہے۔ یہ جس راوی سے ''عن'' کے ساتھ روایت کرے تو محدثین اس کا اعتبار نہیں کرتے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "فاذا قال عن فليس بحجة" جب وہ ''عن'' سے روایت کرے تو وہ حجت نہیں ہے۔ ابو حاتم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "لا يحتج به" اس سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا۔ ابو مسہر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "احاديث بقية ليست نقيه فكن منها على تقية" بقیہ کی احادیث صاف ستھری نہیں ان سے بچ کر رہنا چاہیے...... ابن خزیمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: "لا احتج ببقية" میں بقیہ کی روایت سے سند نہیں لیتا۔''

(میزان الاعتدال تحت بقیہ بن الولید)

امام بیہقی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: "اجمعوا على ان بقية ليس بحجة" محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بقیہ قابل حجت اور قابل استدلال نہیں ہے۔

(تہذیب التہذیب، ابن حجر ص ۴۷۸ ج ۱۔ الکامل، ابن عدی ص ۵۰۴ ج ۲، تحت بقیہ بن الولید)

حافظ منذری رحمہ اللہ اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''اس روایت کی سند میں جناب بقیہ بن ولید ہیں جن پر جرح کی گئی ہے۔''

(مختصر سنن ابی داود، منذری ص ۷۰ ج ۲)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی یہ روایت نقل کی ہے مگر اس میں قابل اعتراض جملہ موجود نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی راوی کا ادراج والحاق ہے۔ (السنن الکبریٰ، بیہقی ص ۲۷۷ ج ۳)

علیٰ سبیل التنزل اگر یہ روایت صحیح ہے تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ اور مجتہد فیہ ہے جس کی وجہ سے کسی کو مطعون نہیں کیا جا سکتا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ریشمی کپڑے پر بیٹھنا، ریشمی تکیہ اور پردوں کے لیے اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ نہی تنزیہی ہے۔

زیر بحث روایت کے اس قابل اعتراض جملے کے تحت مولانا فخر الحسن صاحب لکھتے ہیں کہ:

((قال ابوحنیفة لا باس بافتراش الحریر والنوم علیها وكذا الوسادة والمرافق والبسط والستور اذا لم یكن فیها تماثیل......)) (التعلیق المحمود علیٰ سنن ابی داود تحت الحدیث)

''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ریشم کے بچھونے اور اس پر سونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح ریشم کے تکیے اور بچھونے اور پردے میں بشرطیکہ ان میں تصاویر نہ ہوں کوئی حرج نہیں ہے۔''

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے براہِ راست حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ریشم پہننے کا کوئی الزام نہیں لگایا۔ صرف اتنا کہا کہ یہ سب میں آپ کے گھر میں دیکھتا ہوں۔ اور اس میں بھی کوئی صراحت نہیں ہے کہ گھر سے مراد کیا ہے؟ کیا عورتیں ریشم استعمال کرتی ہیں؟ کیا یہ ناجائز ہے؟ کیا گھر کے دیگر افراد اسے استعمال کرتے ہیں؟ کیا بچھونے، تکیے اور پردوں میں استعمال ہوتا ہے؟ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے گھر میں کیسے دیکھ لیا؟ جس محفل میں تشریف فرما ہیں وہاں تو انھیں کوئی قابل اعتراض چیز نظر نہیں آئی؟ روایت میں ان امور کی کوئی وضاحت نہیں ہے۔

اگر بالفرض انھیں کسی معتبر ذریعے سے معلوم ہوگیا تھا کہ ان کے گھر میں ریشم استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد بچھونے تکیے اور پردے بھی تو ہو سکتے ہیں۔ اس روایت میں تو حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ یہ سب کچھ میں آپ کے گھر میں دیکھتا ہوں۔ لیکن صحیح بخاری کی ایک روایت میں ایک خاتون حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہتی ہے کہ:

''مجھے خبر ملی ہے کہ تم گودنے والی، گدوانے والی، چہرے پر سے بال اکھیڑنے والی، خوبصورتی کے لیے دانتوں پر موجن کرنے والی، اللہ کی پیدائش میں تغیر کرنے والی عورت پر لعنت کرتے ہو...... حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں کیوں نہ اس پر لعنت کروں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہو اور وہ کتاب اللہ میں بھی موجود ہو۔ اس عورت نے کہا میں نے پورا قرآن پڑھا ہے مگر اس میں یہ چیز مجھے نہیں ملی؟ حضرت ابن مسعود،

رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تم نے قرآن پڑھا ہوتا تو تمھیں یہ بات مل جاتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو حکم رسول دے اس پر عمل کرو اور جس کام سے منع کرے اس سے باز رہو۔

اس نے کہا تمھاری بیوی میں بھی یہ بات موجود ہے۔ انھوں نے کہا جاؤ اور دیکھو۔ وہ گئی لیکن اس کو ان کی بیوی میں اس قسم کی کوئی بات نظر نہیں آئی۔ پھر واپس آئی اور کہا مجھے ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا اگر ایسا ہوتا تو ہم اس کو اپنے ساتھ کیسے رکھ سکتے تھے؟''

(صحیح بخاری۔ صحیح مسلم باب تحریم فعل الواصل)

یہاں ایک خاتون ام یعقوب اپنی معلومات کی بنا پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہہ رہی ہیں کہ جن امور کو آپ باعث لعنت سمجھتے ہیں وہ تو آپ کی بیوی میں بھی موجود ہیں لیکن جب انھیں حقیقت معلوم ہوئی تو وہ مطمئن ہو گئیں اسی طرح حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے (بشرط صحت روایت) ابتداء میں یہ کہا کہ میں یہ سب کچھ آپ کے گھروں میں دیکھ رہا ہوں...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس کا جواب یا تو یہ ہو سکتا ہے کہ آپ کو غلط اطلاع پہنچائی گئی ہے اور یا یہ ہو سکتا ہے کہ ہاں میرے گھر میں ان ممنوع وحرام امور کا ارتکاب ہوتا ہے۔

اگر دوسرے جواب کو صحیح تسلیم کیا جائے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ کو اس تنقید کے بعد جب عطیات سے نوازا گیا تو انھوں نے ان عطیات کو کیوں کر قبول کیا؟ روایت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا جو جواب نقل کیا گیا ہے وہ قابل اطمینان نہیں ہے۔ حیرت ہے کہ ان حرام وممنوع امور کی نشاندہی کے بعد آں موصوف نہ اقرار کرتے ہیں نہ انکار کرتے ہیں اور نہ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ کو مطمئن کرتے ہیں بلکہ صرف یہ کہتے ہیں کہ: ''قد علمت انی لم انجو منك'' میں جانتا ہوں کہ میں آپ کے ہاتھوں سے نجات نہیں پاؤں گا پھر انھیں مال عطا کرنے کا حکم دے دیتے ہیں۔

کیا اس جواب سے ایک صحابی مطمئن ہو سکتے ہیں؟ پھر اگر وہ مطمئن نہ ہوتے تو ان سے مال کیسے قبول کرتے؟ لہٰذا یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جواب سے اسی طرح مطمئن ہو گئے تھے جس طرح ام یعقوب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے جواب سے مطمئن ہو گئی تھیں۔

اس قابل اعتراض جملے ''لقد رایت هذا کله فی بیتك یا معاویة'' کے تحت حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((ای علی اهلك فیه انما فی بیت الادمی من مکروه او حرام منسوب الی مالکه فی کونه لا ینکره)) (بذل المجہود ص۶۵ ج۶)

''یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھر سے مراد آپ کے اہل وعیال ہیں کیونکہ آدمی کے گھر میں کوئی چیز

مکروہ یا حرام ہو تو اس کو مالک مکان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے بوجہ اس کے کہ وہ نکیر نہیں کرتا۔''

یہ تشریح وتوضیح یقیناً محل نظر، خلاف واقعہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان ومقام سے بعید ہے......

حضرت! جب راوی ہی مشکوک، مشتبہ، کثیر الخطا، غیر ثقہ اور غیر معتبر ہے تو اس کی روایت پر کیوں کر اعتبار کیا جا سکتا ہے؟ موصوف نے بجائے صفائی اور دفاع کے ایک الزام میں مزید اضافہ کر دیا کہ ان کے گھر میں ان حرام اور ممنوع امور کا ارتکاب تو ہوتا ہی تھا لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان امور کو دیکھ کر ان سے منع نہیں کرتے تھے۔ گویا کہ قرآن نے ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کو صحابہ رضی اللہ عنہم کا جو خاص وصف اور فریضہ قرار دیا تھا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس کے بھی تارک تھے جبکہ کتب حدیث اس پر شاہد ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر سختی کے ساتھ کاربند تھے۔

① کچھ لوگوں کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نماز عصر کے بعد نوافل پڑھتے دیکھا تو فرمایا ''تم یہ نماز پڑھتے ہو حالانکہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے ہیں، ہم نے انھیں یہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا بلکہ عصر کے بعد ان دو رکعتوں سے منع کرتے سنا ہے۔'' (صحیح بخاری باب ذکر معاویہ)

② دس محرم کو مدینہ میں برسر منبر خطبہ دیتے ہوئے کہا کہ اے اہل مدینہ! تمھارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ یہ یوم عاشوراء ہے، اللہ نے اس کا روزہ تم پر فرض نہیں کیا ہے البتہ میں روزے سے ہوں جو شخص چاہے روزہ رکھ لے اور جو نہ چاہے نہ رکھے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم کتاب الصوم)

③ ایک دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مصنوعی بالوں کا گچھا پاسبان (محافظ) کے ہاتھ سے لے کر منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا اے اہل مدینہ! تمھارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے منع کرتے سنا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب اللباس باب الوصل بالشعر)

④ ایک دن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے کیا بری بات نکال لی ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زُور سے منع فرمایا۔ (صحیح مسلم کتاب اللباس باب تحریم فعل الواصلہ)

⑤ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع ملی کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ قحطان کے قبیلہ سے کوئی بادشاہ ہوگا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی تعریف کی جیسی کہ اس کے لائق ہے اس کے بعد فرمایا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم میں سے اکثر لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ یہی لوگ تمھارے جہال ہیں۔ خبردار! تم گمراہ کن خیال نہ پیدا کرو۔ (صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب مناقب قریش)

جس شخص کا یہ جذبہ اور کردار رہا ہو اس کے متعلق کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس نے اپنے گھر میں منکرات دیکھنے کے باوجود ان سے منع نہیں کیا......؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھریلو حالات سے حضرت مقدام رضی اللہ عنہ زیادہ آگاہ تھے یا خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ۔ (صاحب البیت ادری بما فیہ) اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں ان حرام امور کا ارتکاب ہوتا تو وہ یقیناً انھیں سختی کے ساتھ منع فرماتے۔

مزید برآں زیر بحث روایت میں ریشم کے استعمال کا جو الزام عائد کیا گیا ہے وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اپنے ارشادات کے بھی خلاف ہے۔ آپ نے بارہا ریشم کی حرمت کا اعلان فرمایا:

((لا ترکبوا الخزّ ولا النّمار)) (مسند احمد بن حنبل ص ۹۳ ج ۴ تحت حدیث معاویہ بن ابی سفیان)

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ریشم اور چیتے کے چمڑے کی زین پر سوار نہ ہو۔''

((قال (عبداللہ بن علی العدوی) سمعت معاویة علی المنبر بمکة یقول نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن لبس الذھب والحریر)) (حوالہ مذکور ص ۱۰۱)

''عبداللہ بن علی عدوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مکہ میں منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے اور ریشم کے استعمال سے منع فرمایا ہے۔''

ریشم کی حرمت پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت سنن نسائی میں کتاب الزینہ، باب تحریم الذہب علی الرجال اور مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۰۶ ج ۸ پر بھی ہے۔ ایسی صورت میں ہم اصولاً اس بات کے پابند ہیں کہ اس روایت کو ترجیح دیں جس سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں قرآنی فیصلے رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ کی تائید ہوتی ہو۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

((فانا مامورون بحسن الظن بالصحابة ونفی کل رذیلة عنھم واذا انسدت الطرق نسبنا الکذب الی الرواة)) (شرح صحیح مسلم، نووی ص ۹۰ ج ۲)

''ہم صحابہ کے بارے میں حسن ظن اور ان سے ہر برائی کی نفی کرنے کے مکلف ہیں۔ اور جب کسی سند سے اس کی راہ نہ ملے تو اس الزام کو ہم کذب راوی پر محمول کریں گے۔''

جبکہ زیر بحث روایت میں قابل اعتراض حصہ بقیہ بن ولید ہی کا اضافہ ہے۔ لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کسی صورت میں خود ریشم کے استعمال کرنے یا اپنے گھر میں ان حرام امور کو دیکھ کر خاموش رہنے یا منع نہ کرنے کا الزام عائد ہو ہی نہیں سکتا۔

(۷۴) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سمگلنگ کرتے تھے

سید مہر حسین بخاری زیر عنوان ''معاویہ اور سمگلنگ'' لکھتے ہیں کہ:

''معاویہ صاحب اپنے عہد حکومت میں سمگلنگ کے دھندے میں بھی ملوث تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ہندوستان کے ہندوؤں کے لیے بت سمگل کیے۔ سرخسی نے ذکر کیا ہے کہ معاویہ نے سرزمین ہند میں پیتل کی مورتیاں بیچنے کے لیے بھیجیں۔ وہ مورتیاں مسروق کے پاس سے گزاری گئیں تو دیکھ کر فرمایا واللہ! اگر میں جانتا کہ معاویہ مجھے قتل کر دے گا تو میں خود ضرور ان بتوں کو توڑ دیتا۔ لیکن مجھے خوف ہے کہ وہ مجھے عذاب دے گا اور آزمائش میں ڈالے گا۔ اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ معاویہ کیسا شخص ہے۔ ایسا شخص ہے جسے اس کے برے عمل اچھے دکھائے گئے ہیں یا ایسا شخص ہے جو آخرت سے مایوس ہو گیا ہے اور دنیا میں نفع اٹھا رہا ہے۔ محمود غزنوی نے تو ہندوستان سے کثیر مال و زر بھی قبول نہ کیا اور سومنات کے بت پاش پاش کیے لیکن معاویہ کا اسلام یہی ہے کہ بت فروشی کر کے ہند کے ہندوؤں کی بت پرستی میں مدد کی جائے۔ مسروق کے مطابق معاویہ شیطانی فریب خوردہ یا آخرت کے منکرین میں سے ہے۔ جو بھی ہو اسلام سے لاتعلق ہو جاتا ہے۔''

(سیاست معاویہ ص ۱۱۶)

اس داستان کے ذریعے سے دشمنان معاویہ نے آں محترم کے خلاف طوفان بدتمیزی بپا کرتے ہوئے اپنے خبث باطن کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔ جس واقعہ کی بنیاد پر یہ الزام بلکہ الزامات عائد کیے گئے ہیں ان کا اس کے علاوہ اور کوئی ثبوت نہیں کہ انھیں شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ (متوفی ۴۸۳ھ) نے نقل کیا ہے امام موصوف پانچویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور خلافت ۴۱ھ تا ۶۰ھ ہے۔ اگر آں موصوف اپنے دور خلافت کے آخری سال یعنی ۶۰ھ میں ہی سمگلنگ کے اس مکروہ دھندے میں ملوث ہوئے ہوں تو جناب سرخسی (متوفی ۴۸۳ھ) تک چار سو تیئس سال کے طویل عرصے میں کن کن ذرائع سے یہ اطلاع پہنچی ہے؟ اس کے راوی کون کون تھے؟ کس قماش کے تھے؟ ان امور کا کوئی اتہ پتہ نہیں۔ جناب سرخسی نے بھی اسے بصیغۂ مجہول نقل کیا ہے پھر مجاہیل کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

سید مہر حسین بخاری دشمن معاویہ نے الزام کا ایک انوکھا نام تجویز کیا ہے: ''معاویہ اور سمگلنگ''۔ اس لفظ سے شاید معترض نے یہ سمجھا ہو کہ جس طرح یہ لفظ بھاری ہے اسی طرح الزام بھی بھاری ہو جائے گا...... مگر حقیقت یہ ہے کہ اس لفظ (سمگلنگ) کا اطلاق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر دنیا کا کوئی سب سے بڑا بے وقوف، جاہل اور احمق ہی کر سکتا ہے...... ''سمگلنگ'' انگریزی زبان کا لفظ ہے اس کا معنی ہے محصول ادا کیے بغیر مال

چوری سے لے جانا، چوکی مارنا...... اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ مال اپنی ہی مملکت وسلطنت سے گزارا ہے تو ان پر اس لفظ کا اطلاق کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ اگر کسی دوسرے ملک کی سرحد سے اسے محصول ادا کیے بغیر گزارا ہے تو اس پر احتجاج کا حق مہر حسین اینڈ کمپنی کو کیسے حاصل ہو گیا ہے؟ وہ حکمران تو خاموش ہے جس کی ''چوکی'' ماری گئی یا جسے محصول کی آمدنی سے محروم ہونا پڑا۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو وہ حکمران ضرور اس مال کو بحق سرکار ضبط کر لیتا۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یہ پیتل کی مورتیاں کس جنگ میں حاصل ہوئیں؟ اس مال غنیمت کو فوج میں تقسیم کیوں نہیں کیا گیا؟ کیا یہ بیت المال کا حصہ تھا؟ یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ''سونے چاندی'' کی طرح یہ مورتیاں بھی اپنے لیے مخصوص کر لی تھیں؟ پھر انھیں ہندوستان کے کس حکمران کے حوالے کیا گیا ہے؟ ان مورتیوں کو خریدنے والے تاجر کون تھے؟ پھر انھیں کس مندر کی زینت بنایا گیا ہے؟

جناب سرخسی رحمہ اللہ نے ان مورتیوں کی فروخت کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ان کی بیع سے یہ مقصد تھا کہ ان کی قیمت سے دفاعی سامان یعنی اسلحہ اور سواریاں خریدی جائیں۔

(المبسوط للسرخسی ص۴۶ ج۲۴ تحت کتاب الاکراہ)

یہ بیع امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے۔ اگر بالفرض یہ واقعہ صحیح بھی ہے تو ایک جائز کام پر انھیں مورد الزام کیوں کر ٹھہرایا جا سکتا ہے؟ پھر اس وقت کثیر تعداد میں صحابہ موجود تھے ان میں سے کسی نے اس ''سمگلنگ'' کے خلاف آواز بلند نہیں کی۔ صرف ایک مسروق ہیں جو اپنے دل ہی میں خوف زدہ ہیں کہ اگر جان کا خوف نہ ہوتا تو ان بتوں کو توڑ دیتا ''لیکن مجھے خوف ہے کہ وہ مجھے عذاب دے گا۔'' یہ خود جناب مسروق رحمہ اللہ کی توہین ہے کہ انھیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عذاب کا تو ڈر ہے لیکن اللہ کے عذاب سے وہ بے خوف ہو گئے ہیں۔ اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سمگلنگ کا یہ دھندا ہوا ہی نہیں۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو سارے صحابہ و تابعین جناب مسروق رحمہ اللہ کے ہم آواز ہوتے...... یا پھر یہ دھندا غلط نہیں تھا اور جائز بیع تھی اسی لیے کسی نے آواز نہیں اٹھائی۔

بہر حال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خود ایک جلیل القدر ذی علم اور فقیہ صحابی ہیں جن کے علم و فقاہت کی شہادت حبر الامت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے دی ہے۔

پھر وہ خلیفۃ المسلمین ہیں انھیں اپنا مال تجارت گزارنے کے لیے کسی سے ''این، او، سی'' لینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، اور وہ شریعت کے مسائل سے بھی بخوبی آگاہ تھے۔ لہٰذا آں موصوف کی طرف خلاف شرع کام اور ''سمگلنگ'' کی نسبت ہی غلط اور باطل ہے۔

(۷۵) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ معراج جسمانی کے منکر تھے

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک الزام یہ عائد کیا جاتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی کے منکر تھے۔ چنانچہ سید مہر حسین بخاری زیر عنوان ''واقعہ معراج سے انکار'' لکھتے ہیں کہ:

''امت مسلمہ کا اتفاقی اور اجماعی عقیدہ ہے کہ امام الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جسم عنصری کے ساتھ حالت بیداری میں معراج کرائی گئی...... مگر معاویہ نے نصوص قطعیہ، احادیث متواترہ اور امت مسلمہ کے اس اتفاقی اور اجماعی عقیدے کا انکار کیا ہے۔'' (سیاست معاویہ ص۱۱۲، ۱۱۳)

دشمنان معاویہؓ نے یہ الزام سیرت ابن ہشام کی ایک روایت کی بنا پر عائد کیا ہے۔ ابن ہشام نے یہ قول بواسطہ زیاد بکائی، محمد بن اسحاق سے نقل کیا ہے:

((عن محمد بن اسحاق حدثنی یعقوب بن عتبة بن المغیرة ان معاویه بن ابی سفیان کان اذا سئل مسریٰ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال کانت رؤیا من الله صادقة))

''محمد بن اسحٰق سے مروی ہے کہ مجھ سے یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ وہ اللہ کی طرف سے ایک سچا خواب تھا۔'' (سیرت ابن ہشام ص۲۲۴)

دراصل سیرت ابن ہشام ابو محمد عبدالملک بن محمد بن ہشام کی اپنی تصنیف نہیں ہے بلکہ وہ سیرت ابن اسحاق کی ایک نئی ترتیب ہے۔ ابتداء میں جب یہ کتاب سامنے آئی تو اس کے بعض واقعات پر اہل علم نے اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی اور ان اعتراضات کی وجہ سے سیرت النبی پر یہ کتاب اپنے زمانے میں مقبولیت حاصل نہ کر سکی۔ جسے بعد میں ابن ہشام نے بعض قابل اعتراض واقعات خارج کر کے اور بعض واقعات کا اضافہ کر کے نئے سرے سے مرتب کیا لیکن اس کوشش کے باوجود بعض قابل اعتراض واقعات کتاب میں شامل کر دیے گئے۔

اس روایت کے مرکزی راوی محمد بن اسحاق کے متعلق امام نسائی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ قوی نہیں۔ دار قطنی رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کی حدیث حجت نہیں۔ محمد بن عبداللہ بن نمیر کا بیان ہے اس پر قدری ہونے کا الزام ہے (یعنی تقدیر الٰہی کا منکر تھا) اسی لیے لوگ اس سے دور بھاگتے تھے۔ امام ابوداود رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ قدری بھی ہے اور معتزلی بھی۔ اور فرقہ معتزلہ صفات باری، معجزات اور فرشتوں وغیرہ کا منکر تھا۔ گویا ابن اسحٰق قدری بھی ہے اور صفات باری کا منکر بھی کیونکہ وہ نسلاً مجوسی تھا...... امام مالک رحمہ اللہ نے بھی اسے کذاب قرار دیا

ہے...... ابن ادریس کا بیان ہے کہ میں ایک روز امام مالک رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ کسی نے ان سے کہا کہ ابن اسحق کہتا ہے کہ مالک کا علم میرے سامنے پیش کیا کرو، میں ان کے علم کی کسوٹی ہوں۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا اے لوگو! دجالوں میں سے اس دجال کو دیکھو کہ کیا کہتا ہے۔ اس کا انتقال ۱۵۱ھ میں ہوا۔

(میزان الاعتدال تحت محمد بن اسحق)

خطیب بغدادی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ محمد بن اسحاق مجہول راویوں سے غلط روایتیں نقل کرتا تھا۔

(تاریخ بغداد ص ۲۲۷)

ابن اسحق کی شخصیت وحیثیت سے قطع نظر زیر بحث روایت کے ایک راوی یعقوب بن عتبہ ہیں۔ ان کی تاریخ وفات کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے ۱۲۸ھ اور بعض نے ۹۱ھ ذکر کی ہے۔ اسی طرح بعض نے انھیں تابعی اور بعض نے تبع تابعی کہا ہے۔ انھیں تابعی تسلیم کرنے والوں نے بھی یہ وضاحت کر دی ہے کہ ان کی ملاقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی سے ثابت نہیں۔

(تہذیب التہذیب ص ۳۹۲ ج ۱۱ تحت یعقوب بن عتبہ)

بہر حال یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ یعقوب بن عتبہ نے نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور نہ ان سے سماعت ہی کی۔ اس طرح اس روایت میں انقطاع پایا جاتا ہے۔ اور منقطع روایت سے ایک صحابی پر کیونکر الزام عائد ہوسکتا ہے؟

علاوہ ازیں عربی میں ''رویاء'' مصدر ہے جس کے معنی دیکھنے کے آتے ہیں۔ یہ آنکھوں کے ساتھ دیکھنے پر بولا جاتا ہے۔ خواب کے معنی میں تو مجازاً استعمال ہوتا ہے۔ پھر اس بات کا بھی کیا ثبوت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس لفظ کا استعمال مجازی معنوں میں کیا ہے اور اس کے لغوی معنی مراد نہیں لیے؟ اس صورت میں بھی یہ روایت خود دلیل نہیں بن سکتی بلکہ یہ خود محتاج دلیل ہوگی اور دعویٰ و دلیل ایک نہیں ہوا کرتے۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ یہ کہانی وضع کرنے والے جناب محمد بن اسحق ہیں اور یہ مجوسی ہونے کے ناتے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے خاص پرخاش رکھتے ہیں بلکہ اسی ابن اسحق نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف بھی اسی واقعہ کو منسوب کیا ہے کہ ''عائشہ کہا کرتی تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم غائب نہیں ہوا تھا بلکہ آپ کو روحانی معراج حاصل ہوئی تھی۔''

علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

''اس روایت کے سلسلے میں محمد بن اسحق اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان ایک راوی یعنی خاندان ابی بکر رضی اللہ عنہ کے ایک شخص کا نام ونشان مذکور نہیں ہے۔ اس لیے یہ روایت بھی پایۂ صحت سے فروتر ہے۔''

(سیرت النبی ص ۳۴۳ ج ۳)

حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت صرف اس وجہ سے ہی پایۂ صحت سے فروتر نہیں ہے کہ اس میں خاندان ابی بکر کا ایک شخص مجہول ہے بلکہ جہاں یہ روایت قطعی طور پر محمد بن اسحاق کی شخصیت کی وجہ سے ''ساقط الاعتبار'' ہے وہاں اس کے دیگر رواۃ میں سلمہ الابرش (متوفی ۱۹۱ھ) ضعیف، کذاب، ظالم اور شیعہ ہے۔ اس سلمہ سے آگے نقل کرنے والا محمد بن حمید رازی بھی شیعہ ہے۔ پھر ابن حمید کے لائق اور ہونہار شاگرد جناب طبری بھی شیعہ ہیں۔

علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے اس روایت کی سند میں انقطاع کا دعویٰ بھی کیا ہے۔ ابن دحیہ تنویر میں اسے موضوع تک کہہ گئے ہیں۔

معراج جسمانی کے انکار کی روایات حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اور حسن بصری رحمہ اللہ کی طرف بھی منسوب ہیں۔ یہ روایات بھی روایتاً و درایتاً غلط ہیں۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے جمہور کا مذہب (معراج بالجسد) پیش کرتے ہوئے جن اکابر کے اسمائے گرامی بطور شہادت پیش کیے ہیں ان میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا اسم گرامی بھی موجود ہے۔ (الشفاء ص ۸۹)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ معراج جسمانی کے ہرگز منکر نہیں تھے اس سلسلے میں ان کا وہی عقیدہ تھا جو جمہور امت کا ہے۔ محمد بن اسحٰق شیعہ کی روایت سے استدلال کر کے آں موصوف پر یہ الزام عائد نہیں کیا جا سکتا۔

علاوہ ازیں زیر بحث روایت کے الفاظ بھی مختلف معانی کو محتمل ہیں اور ان میں معراج جسمانی کے انکار کی ہرگز صراحت نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا یہ الزام بے بنیاد، لغو اور خلافِ حقیقت ہے۔

(۷۶) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خوشامد پسند تھے

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ وہ خوشامد پسند تھے۔ چنانچہ جناب مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''اس زمانے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مختلف علاقوں سے وفود بھی طلب کیے اور یہ معاملہ (استخلاف یزید) ان کے سامنے رکھا۔ جواب میں لوگ خوشامد پسندانہ تقریریں کرتے رہے۔ مگر حضرت احنف بن قیس خاموش رہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابو بحر! تم کیا کہتے ہو۔ انھوں نے کہا ہم سچ کہیں تو آپ کا ڈر ہے، جھوٹ بولیں تو خدا کا ڈر...... ضمیروں پر قفل چڑھا دیے گئے اور زبانیں بند کر دی گئیں۔ اب قاعدہ یہ ہو گیا کہ منہ کھولو تو تعریف کے لیے کھولو ورنہ چپ رہو۔ اور اگر تمھارا ضمیر ایسا ہی زوردار ہے کہ تم حق گوئی سے باز نہیں رہ سکتے تو قید اور قتل اور کوڑوں کے لیے تیار ہو جاؤ...... خوشامد اور ضمیر فروشی کی قیمت مارکیٹ میں چڑھتی اور حق پرستی اور راست بازی کی قیمت گرتی چلی گئی۔'' (خلافت وملوکیت ص ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۶۳، ۱۶۷)

استخلاف یزید پر مفصل بحث پیچھے گزر چکی ہے یہاں یہ دکھانا مقصود ہے کہ اس عبارت میں موصوف نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر خوشامد پسندانہ تقریریں کرنے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایسی خوشامدانہ تقریریں سننے کا الزام لگایا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ نہ تو صحابہ رضی اللہ عنہم خوشامدانہ تقریریں کرتے تھے اور نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی خوشامد پسند تھے۔

مودودی صاحب نے حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ کو مستثنیٰ قرار دیا جنھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے استفسار پر فرمایا کہ سچ کہوں تو آپ کا ڈر ہے اور جھوٹ بولوں تو اللہ کا ڈر ہے۔ خیر القرون کا موصوف نے کتنا مکروہ نقشہ پیش کیا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تو انھیں بغض و عناد تھا ہی لیکن انھوں نے سب صحابہ و تابعین کا کردار مجروح کر دیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ ارشاد ہے کہ جو شخص حق بات کہنے کے موقع پر خاموش رہا گویا وہ گونگا شیطان ہے۔ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی محفل میں غلط باتیں ہوتی تھیں تو ان حضرات کو حق بات کا اظہار کرنا چاہیے تھا۔

حالانکہ ان ہی احنف بن قیس سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں سے زیادہ بردبار کون ہے؟ تو انھوں نے کہا واللہ! تم بڑے جاہل معلوم ہوتے ہو۔ میرے اور ان کے حلم میں یہ فرق ہے کہ وہ پوری طاقت رکھتے ہوئے حلم اور بردباری سے کام لیتے ہیں اور میں قدرت نہ رکھتے ہوئے بردباری کرتا ہوں۔ لہٰذا میں ان سے کیسے بڑھ سکتا ہوں؟ یا ان کے برابر بھی ہو سکتا ہوں۔ (عقد الفرید ص ۱۶۵ ج ۱)

اگر احنف بن قیس رحمہ اللہ بقول مودودی صاحب یہ سمجھتے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی محفل میں سچ کہنا گویا موت کو دعوت دینا ہے تو یہاں وہ کس طرح مخاطب کی سرزنش کرتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ وہ پوری طاقت رکھتے ہوئے بردباری سے کام لیتے ہیں۔ گویا یہ اقرار کررہے ہیں کہ اگرآں موصوف کی محفل میں خود ان کے اپنے خلاف ہی سخت سست باتیں کہہ دی جاتیں تو وہ حلم و بردباری اور عفوودرگزر سے کام لیتے تھے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عمدہ سیرت کے مالک، بہترین درگزر کرنے والے اور اپنے کمال حلم کی بنا پر پردہ پوشی کرنے والے تھے۔ (البدایہ والنہایہ ص۱۲۶ ج ۸)

علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''مداحی اور خوشامد اخلاق کی پستی، دناءت اور ذلت کی علامت ہے اور ساتھ ہی جھوٹ کی بھی ایک صورت ہے اور یہ اس کے لیے بھی تباہی کا سامان ہے جس کی مداحی اور خوشامد کی جاتی ہے۔ خوشامد اور مداحی کرنے والا تین گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے: ایک تو یہ کہ وہ ایسی تعریفیں کرتا ہے جو واقع کے مطابق نہیں ہوتیں یہ جھوٹ ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ منہ سے جو تعریفیں کرتا ہے اس کو اپنے دل میں خود درست نہیں سمجھتا یہ نفاق ہے۔ تیسرا یہ کہ دنیوی فائدہ کے لیے ارباب قدر و جاہ کی خوشامدانہ تعریف کرکے ان کی اور لوگوں کی نظروں میں اپنے کو ذلیل و رسوا کرتا ہے۔ جس سے اس کی دناءت اور ذلت ظاہر ہوتی ہے۔ بے جا تعریفوں سے ممدوح میں بھی دو برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں ایک غرور اور دوسری اپنی نسبت غلط فہمی...... بادشاہوں، امیروں، دولت مندوں اور بڑے لوگوں میں اس کی بدولت جو مضحکہ انگیز برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور جس طرح وہ برخود غلط ہو جاتے ہیں اس کی نظیر تاریخ کے ہر دور میں مل سکتی ہے...... قرآن پاک کے اصول کے مطابق کہ جو کام گناہ ہیں ان کے کرنے پر اعانت اور تعاون کرنے والے بھی گنہگار ہوتے ہیں وہ لوگ بھی جو ایسی مداحی اور خوشامد کا ننگ گوارا کرتے ہیں اس گناہ میں کسی نہ کسی درجے میں شریک ہیں۔ (سیرت النبی ص۵۸۰ ج ۶)

مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ ''لوگ خوشامدانہ تقریریں کرتے رہے'' آخر ایسے موقع ہی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

((اذا رأیتم المداحین فاحثوا فی وجوھھم التراب)) (مسلم)

''جب تم تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ پر مٹی پھینکو۔''

اگر بالفرض باقی سب ''خوشامدی'' جمع تھے تو کم ازکم حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ کو تو ضرور اس فرمان رسول پر عمل کرنا چاہیے تھا...... اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے جا حمایت اور طرف داری کرنے والے کے متعلق فرمایا:

((من شر الناس منزلة یوم القیامة عبدا اذھب اٰخرته بدنیا غیره)) (مشکوۃ)

''قیامت کے دن بدترین حال میں وہ شخص ہوگا جس نے دوسروں کی دنیا بنانے کی خاطر اپنی آخرت برباد کرڈالی۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دوسرے کی مبالغہ آمیز تعریف کرتے ہوئے سنا تو فرمایا تم نے اس کو برباد کر دیا۔ (صحیح بخاری باب کراہیۃ التمادح)

ایک اور موقع پر ایک صاحب نے کسی کی حد سے زیادہ تعریف کی تو فرمایا تم نے اپنے ساتھی کی گردن ماردی۔ (حوالہ مذکور)

خوشامد کی مذمت میں تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وعیدیں ارشاد فرمائیں لیکن ایک مودودی صاحب ہیں جو خوف آخرت سے بالکل بے فکر ہو کر بے دھڑک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر خوشامد کرنے کا الزام عائد کر رہے ہیں جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تو طرز عمل یہ تھا کہ:

''ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باہر نکلے تو عبداللہ بن زبیر اور ابن صفوان رضی اللہ عنہما انھیں دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا بیٹھ جاؤ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "من سره ان يتمثل له الرجال قياما فليتبوأ مقعده من النار" جس آدمی کو اس بات سے خوشی ہو کہ لوگ اس کی تعظیم میں کھڑے رہیں تو اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔''

(جامع ترمذی باب ما جاء فی کراہیۃ قیام الرجل للرجل)

جس شخص کی یہ سیرت و کردار ہو وہ کس طرح دوسروں سے اپنی خوشامد میں تقریریں کرا سکتا ہے یا خوشامدانہ تقریریں سن سکتا ہے؟

ع تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

(۷۷) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آثار نبوت مٹانے کی کوشش کی

سید مہر حسین بخاری لکھتے ہیں کہ:

''۵۰ھ میں معاویہ نے منبر رسول کے بارے میں حکم دیا کہ یہ مدینہ سے شام لے جایا جائے۔ منبر کو حرکت دی گئی تو سورج کو گرہن ہو گیا اور اندھیرا چھا گیا۔ تب حضرت جابر اور حضرت ابوہریرہ نے معاویہ کو منع کیا کہ یہ فعل جائز نہیں ہے تاہم معاویہ نے منبر کی سیڑھیوں میں اضافہ کر کے اسے متغیر کر دیا کہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نشانی اپنی اصلی حالت میں باقی نہ رہے...... چونکہ معاویہ نے منبر کو منتقل کرنے کی ناپاک سازش بدنیتی اور منافقت سے کی تھی اس لیے اللہ کے غضب کے آثار ظاہر ہوئے۔'' (سیاست معاویہ ص۱۱۲)

ڈاکٹر نور حسین جعفری کربلائی بحوالہ طبری لکھتے ہیں کہ:

''معاویہ نے منبر رسول مقبول کو توڑ ڈالا اور اس کے چھ درجے اور بڑھا دیے۔''

(ثبوت خلافت حصہ دوم ص۲۵۹)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے منبر نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی سیڑھیوں میں اضافہ کر کے جو ''تغیر'' کیا اسے آج تک ہر مسلمان نے بنظر تحسین ہی دیکھا ہے۔ صرف دشمنان معاویہؓ کے پیٹ میں مروڑ اٹھتے رہتے ہیں۔ منبر میں تغیر کی وجہ ہدیۂ قارئین کی جاتی ہے:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر کے پہلے درجے پر بیٹھتے تھے اور دوسرے زینے پر پاؤں رکھتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب خلیفہ منتخب ہوئے تو دوسرے زینے (یعنی آپؐ کے پاؤں رکھنے کی جگہ) پر بیٹھتے تھے۔ ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ تیسرے زینے (یعنی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاؤں رکھنے کی جگہ) پر بیٹھتے اور اپنے پاؤں زمین پر رکھتے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے پہلے چھ سال تک تو ''سنت فاروقی'' پر عمل پیرا رہے اس کے بعد پہلے زینے پر بیٹھنے لگے اور اس کی توجیہ یہ بیان فرمائی کہ دوسرے اور تیسرے زینے پر بیٹھنے سے تو یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ یہ شیخین کی برابری کا دعویٰ کر رہا ہے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والے زینے پر بیٹھنے سے یہ شبہ پیدا ہی نہیں ہوتا پھر میرے بعد مسلمانوں کا جو خلیفہ مقرر ہوگا تو وہ کہاں بیٹھے گا؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جب حج پر تشریف لائے تو انھوں نے کمال بصیرت و تدبر سے چھ زینوں کا اضافہ کر دیا اس طرح منبر کے نو زینے ہو گئے تا کہ اس کے پہلے زینے اور تیسرے زینے پر بیٹھنے کی بنا پر آیندہ کوئی اختلاف پیدا نہ ہو۔ اس کی صورت یہ اختیار کی گئی کہ اضافے والے چھ زینے نیچے رکھ کر منبر نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو

ان کے اوپر رکھ کر محفوظ کر دیا۔ اس کے بعد خطباء ساتویں زینے پر بیٹھتے چلے آئے۔ ۶۵۴ھ میں مسجد نبوی ﷺ میں آتش زدگی کا واقعہ رونما ہوا جس سے مسجد کی ساری چھت، منبر، دروازے، محافظ خانے، مقصورے اور صندوق وغیرہ نذر آتش ہو گئے۔ آج کل سلطان مراد سوم عثمانی کی طرف سے سنگ مرمر کا بارہ زینوں پر مشتمل منبر مسجد نبوی ﷺ کی زینت ہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ یہ منبر ۹۸۸ھ میں تیار کرایا گیا تھا۔

جہاں تک منبر نبوی ﷺ کو شام لے جانے کے ارادے کا تعلق ہے تو اس کا ذکر صرف کتب شیعہ میں پایا جاتا ہے۔ اس سے اگرچہ بنیادی طور پر طعن وارد تو نہیں ہو سکتا کیونکہ ان ہی کتب میں یہ صراحت موجود ہے کہ انھوں نے منبر نبوی کو منتقل کرنے کا فیصلہ ترک کر دیا تھا۔ تو پھر اعتراض کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ مگر دشمنان معاویہ اپنے خبث باطن کی وجہ سے برابر اسے نقل کرتے چلے آ رہے ہیں۔

طبری نے اس واقعے کو بروایت واقدی بیان کیا ہے اس کا پورا نام محمد بن عمر بن واقد الاسلمی المدنی ہے۔ اس کا دادا واقد، عبداللہ بن بریدہ بن حصیب کا غلام تھا۔ یہ واقدی ۱۳۰ھ میں پیدا ہوا اور ۲۰۷ھ یا ۲۰۹ھ میں فوت ہوا...... یہ بغداد کا قاضی بھی رہا..... امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ احادیث میں تبدیلیاں کرتا، زہری کے بھتیجے سے مروی روایات امام معمر رحمہ اللہ کی جانب منسوب کرتا اور انتہائی جھوٹا تھا...... یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ ثقہ نہیں اور اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔ امام بخاری اور ابو حاتم رحمہ اللہ کہتے ہیں متروک ہے اور احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ ابن عدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کی روایات درست نہیں ہوتیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ واقدی کی کتابیں جھوٹ کا پلندہ ہیں۔ بلکہ سمعانی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ واقدی کی جانب جتنی کتابیں منسوب ہیں یہ اس کی اپنی تصانیف نہیں بلکہ ابراہیم بن محمد بن المدینی رافضی کی تصانیف ہیں۔ چونکہ وہ بہت بدنام ہو چکا تھا اس لیے واقدی نے اس کی کتابوں کو اپنے نام سے پھیلایا۔ یہی بات نواب مہدی علی خان نے اپنی کتاب ''آیات بینات'' میں تحریر کی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ واقدی بہت بڑا تقیہ باز شخص تھا اور تشیع کے پھیلانے میں اس کا بڑا ہاتھ تھا۔ چنانچہ ابن ندیم شیعہ نے بھی اس بات کا اقرار کیا ہے: ''وكان يتشيع حسن المذهب يلزم التقية'' یعنی وہ تقیہ باز اور اچھے مذہب کا حامل شیعہ تھا۔

(میزان الاعتدال، ذہبی، جلد سوم، تہذیب التہذیب جلد نہم۔ الضعفاء الصغیر، امام بخاری ص ۱۰۴۔ الفہرست، ابن ندیم تحت اخبار الواقدی)

اس تفصیل سے زیر بحث روایت کی حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ جس کہانی کو ایک تقیہ باز، وضاع، کذاب، خلفائے بنی عباس اور ان کے وزیر خالد بن یحییٰ برمکی کا خاص درباری (خصوصاً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں) گھڑے تو اس پر اعتماد کوئی مجوسی اور یہودی ہی کر سکتا ہے۔

علاوہ ازیں دوسرے تبرا باز (جناب مودودی صاحب کے انتہائی معتمد و معتبر مفسر، محدث اور مورخ)

جناب ابن جریر طبری ہیں۔ جنھوں نے اس وضعی داستان کو اپنی تاریخ میں جگہ دے کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تبرا کی راہ ہموار کی۔ یہ بزرگ بھی ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو شیعیت میں غلو رکھتا تھا۔ ان کا حقیقی بھانجا ابوبکر محمد بن عباس خوارزمی ایک بلند پایہ ادیب، ہجوگو شاعر اور غالی رافضی تھا۔ اس نے اپنے ننھیال میں پرورش پائی اور آخر میں آل بویہ جیسے غالی شیعہ امراء کی سرپرستی میں رہا۔ ابن جریر طبری نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ "لعنة الله عليه" کے الفاظ لکھے ہیں:

((كان جعفر بن ابى سفيان...... حتى قبض وتوفّى جعفر فى وسط خلافة لعنة الله...... توفّى نوفل بالمدينة فى خلافة يزيد بن معاوية لعنهما الله))

(تاریخ طبری ص۲۴، ۲۸ ج ۱۳)

امام ذہبی رحمہ اللہ بروایت حافظ احمد بن علی سلیمانی لکھتے ہیں کہ

((كان يضع للروافض)) (میزان الاعتدال ص۳۵ ج ۳)

''طبری روافض کے لیے روایات وضع کیا کرتا تھا۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ابن جریر طبری کی وفات ۳۱۰ھ میں پچاسی یا چھیاسی سال کی عمر میں ہوئی...... "دفن فى داره لان بعض عوام الحنابلة ورعاعهم منعوا من دفنه نهارا ونسبوه الى الرفض" اور اپنے گھر میں ہی دفن کیے گئے کیونکہ کچھ حنبلی حضرات نے دن کے وقت انھیں دفن کرنے سے روک دیا تھا اور انھیں رافضیوں کی طرف منسوب کیا تھا۔ (البدایہ والنہایہ ص۱۴۷ ج ۱۱)

مودودی صاحب نے صحابہ پر تو خوب تبرا کیا لیکن جناب طبری کے دفاع میں اپنی بھرپور صلاحیتیں وقف کر دیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

''بعض فقہی مسائل اور حدیث غدیر خم کے بارے میں شیعہ مسلک سے اتفاق کی بنا پر بعض لوگوں نے خواہ مخواہ انھیں شیعہ قرار دے ڈالا اور ایک بزرگ نے تو ان کو "امام من ائمة الامامية" تک قرار دے دیا...... دراصل سب سے پہلے حنابلہ نے ان پر رفض کا الزام اس غصے کی بنا پر لگایا تھا کہ وہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو صرف محدث مانتے تھے، فقیہ نہیں مانتے تھے اسی وجہ سے حنبلی ان کی زندگی ہی میں ان کے دشمن ہو گئے تھے۔ ان کے پاس جانے سے لوگوں کو روکتے تھے۔ اور ان کی وفات کے بعد انھوں نے مقابر مسلمین میں ان کو دفن تک نہ ہونے دیا۔ حتیٰ کہ وہ اپنے گھر میں ہی دفن کیے گئے۔'' (خلافت و ملوکیت ص۳۱۳)

موصوف کی عیاری اور فریب دہی ملاحظہ ہو کہ ''حنابلہ نے طبری پر رفض کا الزام اس غصے کی بنا پر لگایا کہ وہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو صرف محدث مانتے تھے فقیہ نہیں''...... ترجمان سبائیت حضرت مودودی صاحب سے کون پوچھے کہ محدث یا فقیہ ماننے یا نہ ماننے کا ''رفض'' کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ رفض کی اصل وجہ موصوف

خود بڑے نرم اور دھیمے انداز میں لکھ چکے ہیں کہ ''بعض فقہی مسائل اور حدیث غدیر خم کے معاملے میں شیعہ مسلک سے اتفاق کی بنا پر بعض لوگوں نے خواہ مخواہ انھیں شیعہ قرار دے ڈالا'' حالانکہ کسی جاہل اور ان پڑھ شیعہ سے بھی یہ پوچھ لیا جائے کہ کیا حدیث غدیر خم کا تعلق کسی فقہی مسئلے سے ہے تو وہ بھی یہ اعلان کرنے پر مجبور ہوگا کہ اس کا تعلق ہمارے ''بنیادی عقیدہ'' سے ہے۔

جس روایت کا راوی بھی شیعہ ہو اور ناقل بھی شیعہ ہو تو اس پر کوئی شیعہ ہی اعتماد و اعتبار کر سکتا ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ منبر کو حرکت دینے سے سورج کو گرہن لگ گیا تھا تو یہ بھی اسی طرح کی ایک ہوائی گپ ہے۔ کیونکہ یہ تو ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے منبر کو ہرگز منتقل نہیں کیا۔ سوال یہ ہے کہ اگر منبر رسول کو صرف منتقل کرنے کے ارادے سے سورج کو گرہن لگ سکتا ہے تو اسے اس وقت گرہن کیوں نہ لگا جب شیعہ خانہ کعبہ کی دیوار سے حجر اسود نکال کر اپنے ساتھ لے گئے اور بائیس سال کے بعد کثیر معاوضہ لے کر اسے واپس کیا۔ اسے اس وقت گرہن لگنا چاہیے تھا جب غافقی بن حرب نے منبر و مسجد کا تقدس پامال کیا تھا لیکن گرہن کا تعلق ان امور سے نہیں ہوتا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے جناب ابراہیم رضی اللہ عنہ کا جس دن انتقال ہوا تو اس دن بھی سورج کو گہن لگ گیا تھا اور عام طور پر یہ مشہور ہو گیا کہ یہ ان کی موت کا اثر ہے۔ آپ کو جب معلوم ہوا تو فرمایا:

((ان الشمس والقمر ایتان من اٰیة الله لا ینخسفان لموت احد ولا لحیاته فاذا رأیتم ذلك فادعو الله وکبروا وصلّوا وتصدقوا)) (متفق علیہ)

''یقیناً سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ کسی کی موت و زندگی سے اس کو گہن نہیں لگتا۔ لہٰذا جب تم ان کو گہن لگتے دیکھو تو اللہ سے دعا کرو اور اس کی کبریائی بیان کرو اور نماز پڑھو اور صدقہ کرو۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر آ ثار نبوت مٹانے کا الزام اس لیے بھی غلط ہے کہ انھوں نے تو مرتے وقت آ ثار نبوت سے تبرک حاصل کرنے کی وصیت کی تھی کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ کرتے اور چادر میں کفن دیا جائے۔ پھر آپ کے بال اور ناخن میری آنکھوں کے حلقوں، نتھنوں اور سجدے کے مقامات پر رکھ دینا..... اگر مجھے کسی چیز سے نفع پہنچ سکتا ہے تو وہ یہی ہے۔ پھر مجھے ارحم الراحمین کے حوالے کر دینا۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کی برکت سے میری مغفرت فرما دیں گے۔ (الاکمال فی اسماء الرجال تحت معاویہ بن ابی سفیان)

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر آ ثار نبوت مٹانے یا منبر رسول میں تغیر کرنے کا الزام بالکل لغو، بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے۔

(۷۸) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اذان میں ''شہادت رسالت'' کے کلمات مٹانا چاہتے تھے

شیعہ مورخ مسعودی لکھتے ہیں کہ:

''مطرف بن مغیرہ بن شعبہ نے بیان کیا کہ میں نے ایک دن اپنے والد کو غمگین پا کر اس کا سبب پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ اے بیٹے! میں ایک خبیث ترین آدمی کے پاس سے آیا ہوں۔ میں نے کہا وہ کون ہے؟ انھوں نے کہا کہ میں نے معاویہ کو خلوت میں کہا کہ آپ ہم میں امیر المومنین کے مقام کو پہنچ چکے ہیں اگر آپ عدل سے کام لیں اور نیکی کریں تو آپ کا مقام بہت بڑھ جائے گا۔ اگر آپ ہاشمی بھائیوں کا خیال کر کے ان سے صلہ رحمی کرتے تو خدا کی قسم آپ کو ان سے خوف نہ ہوتا۔ تو اس نے مجھ سے کہا یہ نہیں ہو سکتا...... ایک ہاشمی کے لیے ہر روز پانچ مرتبہ چیخ چیخ کر (اذان) میں پکارا جاتا ہے ''اشهد ان محمدا رسول الله'' تیری ماں نہ رہے اس بات کے ساتھ کون سا عمل باقی رہ جاتا ہے؟ اللہ کی قسم! ہم اس کو دفن کر کے چھوڑیں گے۔''

(تاریخ مسعودی حصہ سوم تحت ذکر خلافت مامون، سیاست معاویہ ص۱۰۰)

دشمنان معاویہ عجیب و غریب قسم کے الزامات تلاش کرتے رہتے ہیں۔ یہ الزام بھی ان ہی عجائبات میں سے ہے کہ آں محترم اذان میں شہادت رسالت کے کلمات برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اس داستان کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ اسے امام المورخین ابوالحسن بن حسین بن علی المسعودی نے نقل کیا ہے۔ موصوف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بغض رکھنے کی بنا پر اوٹ پٹانگ مارنے کے عادی ہیں کیونکہ وہ پکے رافضی، شیعہ اور امامی ہیں۔ شیعہ فاضل حسن امین لکھتے ہیں کہ:

((علماء النجوم من الشيعة...... ومن افضل الموصوفين بعلم النجوم الشيخ الفاضل الشيعي على بن حسين بن على المسعودى مصنف كتاب مروج الذهب))

''شیعہ علماء جنھوں نے علم نجوم میں شہرت پائی...... اس علم کے علماء میں سے افضل علی بن حسین بن علی المسعودی شیعہ صاحب کتاب مروج الذہب ہیں۔'' (اعیان الشیعہ ص۱۶۰ ج۱)

مشہور شیعہ عالم عبداللہ مامقانی لکھتے ہیں کہ:

''انه امامى ثقة وهو الحق'' یقیناً وہ امامی شیعہ تھا اور یہی قول حق ہے۔ (تنقیح المقال ص۲۸۳ ج۲)

مسعودی کے مطابق اس واقعہ کا ذکر زبیر بن بکار نے اپنی کتاب ''الموفقیات'' میں کیا ہے جسے اس نے موفق کے لیے تصنیف کیا تھا۔ وہ ابن زبیر کہلاتا تھا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ میں نے مدائنی کو کہتے سنا کہ مطرف بن مغیرہ بن شعبہ نے بیان کیا......

مدائنی مطرف سے روایت کر رہا ہے حالانکہ وہ مطرف کی وفات کے تقریباً پچاس سال بعد پیدا ہوا۔ معلوم نہیں کہ اس نے عالم برزخ میں مطرف سے کس طرح رابطہ کر لیا تھا۔

مورخ مسعودی لکھتا ہے کہ ایک داستان گو نے جب یہ خلیفہ مامون کو سنایا تو اس کے منادی نے اعلان کیا کہ جس شخص نے معاویہ کا ذکر بھلائی کے ساتھ کیا یا اسے کسی صحابی رسول سے مقدم کیا، میں اس کی حفاظت سے بری ہوں...... نیز مامون نے اس ''داستان'' کو ملک بھر میں نشر کرنے کا حکم دیا اور چاروں طرف خطوط بھیج دیے کہ برسر منبر معاویہ پر لعنت کی جائے۔ لوگوں کو یہ بات بہت گراں گزری اور عوام مضطرب ہو گئے تو اسے مشورہ دیا گیا کہ وہ اس بات کو ترک کر دے تو اس نے جو ارادہ کیا تھا اس سے باز آ گیا۔

(تاریخ مسعودی حصہ سوم تحت ذکر خلافت مامون)

اس روایت سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ اس واقعہ کی نشر و اشاعت میں خلیفہ مامون کا بھی خاص کردار تھا کیونکہ وہ بھی شیعہ تھا۔

اکبر شاہ خان نجیب آبادی رحمہ اللہ مامون کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''مامون پر شیعیت غالب تھی۔ یعنی علویوں کو بہت قابل تکریم اور مستحق خلافت سمجھتا تھا۔ اسی لیے اس نے اپنے بھائی موتمن کو معزول کر کے علی رضا کو ولی عہد بنایا اور اپنی بیٹی کی شادی کی...... اس نے یہ حکم بھی جاری کرنا چاہا تھا کہ کوئی شخص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھلائی کے ساتھ یاد نہ کرے ورنہ مجرم قرار دیا جائے گا۔ مگر پھر اس حکم کو لوگوں کے سمجھانے سے جاری نہیں کیا۔'' (تاریخ اسلام ص ۱۶۵ ج ۲)

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جب مسلمانوں کو بذریعہ خلیفہ یہ معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نفرت رکھتے تھے اور اذان میں شہادت رسالت کے کلمات کو ختم کرنا چاہتے تھے تو انھوں نے مامون کے اس حکم (کہ معاویہ پر برسر منبر لعنت بھیجی جائے) کی مخالفت کیوں کی؟ یہ حکم ان پر گراں کیوں گزرا؟ وہ اس حکم سے پریشان کیوں ہوئے؟ مسعودی کا یہ اقرار کہ ''لوگوں کو یہ بات گراں گزری اور عوام مضطرب ہو گئے'' خود اس واقعہ کے وضع اور جھوٹا ہونے کی بین دلیل ہے کیونکہ یہ واقعہ اگر سچا سمجھا جاتا تو مسلمان ہرگز اس حکم میں رکاوٹ نہ ڈالتے اور کسی قسم کی مزاحمت نہ کرتے۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اس داستان کو وضع کرنے والے، اقتدار کے بل بوتے پر اسے نشر کرنے والے، اپنی کتاب میں اسے نقل کرنے والے اور اسے صحیح سمجھنے والے سب ہی دشمنان معاویہ یعنی شیعہ ہیں۔

درایتاً بھی یہ روایت غلط اور لغو و باطل ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی اور کاتب وحی ہیں۔ اسلام قبول کرنے کے بعد سفر و حضر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ آپ کی معیت میں غزوات

(حنین، طائف وتبوک) میں شرکت کی۔ آپ کے ایک حکم کی تعمیل میں تپتی ہوئی ریت پر ننگے پاؤں سفر کیا۔ (الاصابہ ص۶۲۹ ج ۳ تحت وائل بن حجرؓ) جو یقیناً آں محترم کی عظمت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ومحبت کی واضح دلیل ہے۔

شیخ شہاب الدین خفاجی رحمہ اللہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک یہ واقعہ ذکر کیا ہے کہ انھیں معلوم ہوا کہ بصرہ میں ایک شخص کابس بن ربیعہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کچھ مشابہت پائی جاتی ہے چنانچہ انھوں نے گورنر بصرہ حضرت عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ انھیں انتہائی عزت واحترام کے ساتھ میرے پاس بھیج دو۔ جب حضرت کابس بن ربیعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بڑی گرم جوشی اور تعظیم وتکریم کے ساتھ آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا اور ان کا بہت ہی اکرام فرمایا۔

(نسیم الریاض شرح الشفاء ص۳۶۳ ج ۳)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے قبل وصیت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر اور کرتے کو میرے کفن میں رکھا جائے اور آپ کے بال اور ناخن میری آنکھوں کے حلقوں، نتھنوں اور مقامات سجدہ پر رکھ دیے جائیں تو جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس، بالوں اور ناخنوں کے ساتھ اس قدر محبت کرتا ہو وہ آپ کا اسم گرامی کیسے مٹا سکتا ہے؟

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خود برسر منبر اذان کے جواب میں یہی کلمات دہرایا کرتے تھے۔

① عیسیٰ بن طلحہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک دن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ انھوں نے ''اشھد ان محمدا رسول اللہ'' تک اسی طرح کہا جس طرح موذن نے کہا۔

(صحیح بخاری کتاب الاذان باب مایقول اذا سمع المنادی)

② ابوامامہ سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب موذن نے اذان کہی تو میں نے معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو منبر پر ہی جواب دیتے ہوئے سنا چنانچہ موذن نے جب اللہ اکبر، اللہ اکبر کہا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی اللہ اکبر، اللہ اکبر کہا۔ پھر موذن نے اشھد ان لا الہ الا اللہ کہا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا وانا پھر موذن نے کہا اشھد ان محمدا رسول اللہ تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا وانا (یعنی میں نے بھی) جب اذان ختم ہوگئی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس جگہ پر موذن کے اذان دیتے وقت وہ چیز سنی جو تم نے مجھ کو کہتے ہوئے سنا۔ (صحیح بخاری کتاب الجمعہ باب یجیب الامام علی المنبر اذا سمع النداء)

③ طلحہ بن یحییٰ رحمہ اللہ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے پاس

بیٹھا تھا اتنے میں انھیں موذن نماز کے لیے بلانے آیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اذان کہنے والے قیامت کے دن دوسرے سب لوگوں کے مقابلے میں دراز گردن یعنی سربلند ہوں گے۔ (صحیح مسلم باب فضل الاذان)

صحیح مسلم اور بخاری کی ان روایات سے ثابت ہوگیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فضیلت موذن کی حدیث کے راوی ہیں۔ وہ برسر منبر خود موذن کی اذان کا جواب دیا کرتے تھے اور لوگوں کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے۔ تو وہ کس طرح اذان میں شہادت رسالت کے کلمات کو ختم کرنے کی آرزو کر سکتے تھے؟

لہٰذا آں موصوف پر یہ الزام بالکل لغو، بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے۔

(۷۹) توہین رسالت پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خاموشی

غلام حسین نجفی لکھتا ہے کہ:

''معاویہ کے پاس ابن الاشرف کے قتل کا ذکر ہوا اور بنیامین غفری نے کہا کہ اس کا قتل دھوکے سے ہوا ہے۔ یہ سن کر محمد بن مسلم نے کہا"یا معاویہ ایغدر عندك رسول الله ثم لا تنكر" کہ اے معاویہ! تیرے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر دھوکے بازی کا الزام لگایا گیا ہے اور تو خاموش ہے۔ معاویہ کے دل میں ناموس رسالت کا ذرا بھر احساس اور ہمدردی نہیں تھی۔ اس کو''سیدنا'' کہنا اور''رضی اللہ عنہ'' کہنا بالکل نادانی ہے۔'' (خصائل معاویہ ص۴۳۱،۴۳۲)

دراصل نجفی کو اس بات کا غصہ نہیں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے کعب بن اشرف یہودی کے قتل کو''غدراً'' کہا گیا اور وہ خاموش رہے بلکہ اسے سبائی ہونے کے ناتے خود کعب کے قتل کا افسوس ہے۔

کعب بن اشرف یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدترین دشمن تھا غزوۂ بدر میں جب کفار کو شکست ہوئی تو اس نے کہا''آج زمین کا شکم اس کی پشت سے بہتر ہے۔'' اس کا قتل ہجرت کے پچیسویں مہینے ۱۴ ربیع الاول کو ہوا جبکہ اسلامی ریاست مدینہ میں قائم ہو چکی تھی۔ بدبخت کعب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی ہجو کرتا تھا اور آپ کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ اس جرم کے پیش نظر آپ نے اس کے قتل کا حکم دیا چنانچہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کعب کے رضاعی بھائی ابو نائلہ کے ساتھ مل کر اسے ٹھکانے لگا دیا اس واقعے کی تفصیل صحیح بخاری کتاب المغازی، طبقات ابن سعد اور دیگر کتب سیر میں موجود ہے۔

اس قتل کے حوالے سے دشمنان معاویہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ابن یامین یہودی نے آں محترم کی محفل میں کہا کہ کعب کا قتل غدر یعنی بدعہدی کی صورت میں ہوا تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اس واقعہ کی نسبت بالکل خلاف حقیقت ہے کیونکہ یہی واقعہ اسی مقام پر حضرت مروان بن حکم رضی اللہ عنہ کی طرف بھی منسوب ہے جو مدینہ منورہ کے گورنر تھے۔ جس مجلس میں یہ بات کہی گئی اس میں خلیفہ اور گورنر دونوں شریک نہیں تھے۔ اور روایت میں دونوں کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے تو اس طرح روایت میں تعارض پیدا ہو گیا ہے۔ اور قرائن سے بشرط صحت روایت جناب مروان کی محفل معلوم ہوتی ہے۔ اور اس مجلس میں قاتل کعب حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما تھے۔ تو انھوں نے ابن یامین یہودی کو سخت ترین الفاظ میں دھمکی دی۔ اور ایک روایت کے مطابق چھڑی کے ساتھ اسے خوب پیٹا جس سے

اس کا سر اور چہرہ زخمی ہوگیا۔ (الصارم المسلول، ابن تیمیہ ص۹۰)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی محفل میں کسی یہودی کو یہ جرأت نہیں ہوسکتی تھی کہ وہ اس قتل کو ''غدر'' کہہ سکے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو وہ تھے کہ جن کے رعب اور دبدبے سے کفر اور طاغوتی قوتیں ہر وقت لرزہ براندام رہتی تھیں۔

ایک مرتبہ قیصر روم نے مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلامی سلطنت پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اسے مخاطب کرتے ہوئے لکھا کہ:

((واللہ لئن لم تنته وترجع الی بلادك یا لعین لَاُصْلِحَنَّ انا وابن عمی علیك ولاخرجنك من جمیع بلادك ولاضیّقنّ علیك الارض بما رحبت۔ فعند ذلك خاف ملك الروم وانكف)) (البدایہ والنہایہ)

''اے لعین! اگر تو اپنے ارادے سے باز نہ آیا اور اپنے شہروں کی طرف مراجعت نہ کی تو اللہ کی قسم! میں اور میرے چچازاد بھائی علی تیرے خلاف صلح کرلیں گے اور تجھے تیرے ملک سے باہر نکال دیں گے اور زمین کو باوجود وسعت کے تم پر تنگ کردیں گے قیصر روم اس خط سے ڈر گیا اور اپنے ارادے سے باز آ گیا۔''

اس تفصیل سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اس واقعے کی نسبت ہی سرے سے غلط ہے۔ اول تو آں محترم کی محفل میں ایسی جرأت کوئی ''یہودی'' کر ہی نہیں سکتا تھا اگر کوئی کسی ''غلط فہمی'' کی بنا پر ایسی جرأت کر ہی بیٹھتا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تلوار اس ''ابن یامین'' کو بھی کعب بن اشرف کے پاس ضرور پہنچا دیتی۔

(۸۰) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے گواہ کے ساتھ قسم کی بدعت جاری کی

غلام حسین نجفی لکھتا ہے کہ:

''ایک گواہ اور ایک قسم سے فیصلہ کرنا بدعت ہے اور اس کا بانی بھی معاویہ ہے۔ و اول من قضی به معاویه'' (خصائل معاویہ ص ۴۲۶)

کسی بھی دعویٰ کو صحیح ثابت کرنے کے لیے ثبوت اور شہادت کا ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص حاکم یا قاضی کی عدالت میں کسی دوسرے آدمی کے خلاف کوئی دعویٰ یا شکایت کرے تو خواہ دعویٰ کرنے والا کیسا ہی ثقہ، صالح اور کتنا ہی بلند مرتبہ کیوں نہ ہو، محض اس کے دعویٰ کی بنیاد پر قاضی اس کے حق میں فیصلہ نہیں کر سکے گا۔ اسلامی قانون میں ہر دعویٰ کے لیے ضابطہ کے مطابق ثبوت اور شہادت ضروری ہے۔ اگر مدعی، شہادت اور ثبوت پیش نہ کر سکے تو مدعا علیہ سے کہا جائے گا کہ اگر اس کا دعویٰ تسلیم نہیں ہے تو وہ حلف کے ساتھ کہے کہ یہ دعویٰ غلط ہے۔ اگر مدعا علیہ اس طرح کے حلف سے انکار کرے تو دعویٰ صحیح سمجھ کے ڈگری کر دیا جائے گا۔ یہ عدالتی قانون اور ضابطہ ہے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی:

((لو یعطی الناس بدعواهم لَادَّعٰی ناس دماء رجال واموالهم ولکن الیمین علی المدعٰی علیه)) (صحیح مسلم)

''اگر محض دعویٰ پر لوگوں کے حق میں فیصلہ کر دیا جایا کرے تو لوگ دوسروں کے خلاف خون یا مال کے دعوے کرنے لگیں گے۔ لیکن مدعا علیہ سے حلفیہ انکاری بیان لیا جائے گا۔''

اور فرمایا:

((ولکن البینة علی المدعی والیمین علی من انکر))

''کہ ثبوت مدعی کے ذمہ ہے اور قسم جس نے انکار کیا۔''

اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

لیکن اس کے برعکس زیر بحث مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک ایسا دعویٰ ہے اور اس میں ثبوت کے لیے صرف ایک گواہ ہے اور اس کے ساتھ قسم شامل کر دی جائے تو کیا اس کے مطابق فیصلہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

نجفی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس کے مطابق فیصلہ کیا۔ اس روایت کے راوی بھی جناب ابن شہاب زہری ہیں۔ ان کا مختصر ذکر پیچھے گزر چکا ہے۔ وہ روایات جن میں صحابہ پر طعن پایا جاتا ہے ان میں سے بیشتر کے راوی جناب زہری ہی ہیں یہ ''بزرگ'' کبھی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ناراض دکھاتے ہیں اور کبھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ظالم کے روپ میں پیش کرتے ہیں......
پھر موصوف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اس قول میں بھی متفرد ہیں۔ نیز خواجہ قمر الدین سیالوی نے شیعہ اسماء الرجال کے حوالے سے بھی انھیں شیعہ ثابت کیا ہے۔ (مذہب شیعہ ص ۹۲)

علاوہ ازیں ابن شہاب زہری کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کیونکہ بعض دیگر حضرات سے بھی ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کرنا ثابت ہے..... حضرت زید بن ثابت اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کے نزدیک "القضاء بشاهد ويمين" جائز ہے۔ اور اپنی تائید میں یہ مرفوع حدیث پیش کرتے ہیں کہ:

((ان رسول الله ﷺ قضى بيمين وشاهد))

(السنن الکبریٰ، بیہقی ص ۱۷۳ ج ۱۰ باب القضاء بالیمین مع الشاہد)

امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے:

((عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ قضى بيمين وشاهد))

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک قسم اور ایک گواہ پر فیصلہ کیا" (صحیح مسلم کتاب الاقضیہ باب وجوب الحکم بشاہد ویمین)

جمہور علماء امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کا یہی قول ہے کہ جب مدعی کے پاس ایک ہی گواہ ہو تو قاضی اس سے قسم لے کر اس کے مطابق فیصلہ کر دے جبکہ امام ابوحنیفہ، امام اوزاعی اور امام لیث رحمہم اللہ کے نزدیک ایک گواہ اور ایک قسم سے دعویٰ ثابت نہیں ہوگا۔ لیکن ان کا یہ قول اس حدیث کے مخالف ہے۔ اور یہ حدیث مروی ہے حضرات علی، ابن عباس، زید بن ثابت، جابر، ابوہریرہ، عمارہ بن حزم، سعد بن عبادہ، عبداللہ بن عمرو بن عاص اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم سے۔ اور سب سے زیادہ صحیح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے اور اس کی صحت پر محدثین کا اتفاق ہے۔ ابن حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: "قال عطاء اول من قضى به عبدالملك بن مروان" عطاء کہتے ہیں کہ سب سے پہلے عبدالملک بن مروان نے اس کے ساتھ فیصلہ کیا۔ (اعلاء السنن ص ۳۸۱ ج ۱۵ کتاب الدعویٰ تحت مسئلۃ الیمین مع الشاہد)

ظاہر ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلاف کی وجہ سے فقہاء میں بھی یہ مسئلہ مختلف فیہ اور مجتہد فیہ رہا ہے۔ اور فقہاء کے نزدیک ایک گواہ اور ایک قسم کے ساتھ فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

علاوہ ازیں بغیر قسم کے صرف ایک گواہ سے فیصلہ کرنا بھی ثابت ہے۔ امام ابوداود رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں ایک مستقل باب باندھا ہے "باب اذا علم الحاكم صدق الشاهد الواحد يجوز له ان يحكم به" یعنی باب اس بیان میں کہ جب حاکم یہ سمجھے کہ ایک شاہد جو بیان دے رہا ہے وہ سچا ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ صرف اسی کے بیان پر فیصلہ کر دے۔ پھر انھوں نے حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی

روایت بیان فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی اعرابی سے ایک گھوڑا خریدا۔ گھوڑا خرید کر آپ تیز رفتار سے چلے (تا کہ اس کی قیمت ادا کرنے کا بندوبست کریں) اعرابی آہستہ آہستہ آ رہا تھا لوگوں کی اعرابی سے مڈبھیڑ ہوتی رہی وہ اعرابی سے گھوڑے کا بھاؤ تاؤ کرنے لگے۔ انھیں یہ معلوم نہیں تھا کہ حضور ﷺ اس گھوڑے کو خرید چکے ہیں۔ اس اعرابی نے آنحضرت ﷺ کو آواز دی: آپ اس گھوڑے کو خرید رہے ہیں یا میں اسے کسی دوسرے کو بیچ دوں؟ حضور ﷺ نے اعرابی کی آواز سنی تو آپ کھڑے ہو گئے اور آپ نے فرمایا کیا تم سے میں اس گھوڑے کو خرید نہیں چکا ہوں؟ اعرابی نے کہا نہیں اللہ کی قسم! میں نے اسے فروخت نہیں کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں، میں اسے تم سے خرید چکا ہوں۔ اعرابی کہنے لگا گواہ لاؤ۔ تو حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے حضور ﷺ سے فروخت کا معاملہ کر لیا ہے۔ حضور ﷺ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تم کس بنا پر گواہی دے رہے ہو؟ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! آپ کو سچا سمجھتے ہوئے۔ آپ نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کو دو مردوں کی گواہی کے برابر قرار دیا۔

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف ایک گواہ پر اکتفاء کرنا صحیح ہے۔ جبکہ اس کا صادق ہونا معلوم ہو۔ اس واقعہ میں نبی اکرم ﷺ نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ سے یہ نہیں فرمایا کہ مجھے تیری شہادت کے ساتھ ایک اور آدمی کی بھی شہادت درکار ہے بلکہ انھی کی شہادت کو دو آدمیوں کی شہادت کے برابر قرار دے دیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے حق میں ان کی شہادت اس عام سچائی اور صداقت پر مشتمل تھی جو آپ حق تعالیٰ کی طرف سے وحی کی خبر دیا کرتے تھے اور تمام مسلمان اس شہادت میں حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ ہی کی طرح تھے..... حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ صرف اس شہادت میں منفرد تھے جو آپ نے اعرابی کے ساتھ خریداری کا عقد فرمایا تھا۔ دیگر حاضرین ان کے ساتھ شریک نہیں تھے مگر یہ خبر بھی ان جملہ اخبار میں شامل تھی جن کی تصدیق کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور ان میں آپ کو سچا سمجھنا لوازم ایمان میں سے ہے۔ اور یہی وہ شہادت تھی جو اس دعوے کے ساتھ مخصوص تھی چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے تنہا حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ سے اس شہادت کو قبول فرما لیا۔ اور حدیث اس موضوع پر صریح ہے جس کا ترجمہ امام ابوداود رحمہ اللہ نے باندھا ہے اللہ ان پر رحم فرمائے۔''

(الطرق الحکمیہ، ابن قیم ص ۷۷)

صحیحین میں ہے کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ جنگ حنین میں شریک تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ ایک مسلمان ایک مشرک سے برسرپیکار ہے اور مسلمان پر مشرک غالب آ رہا ہے۔ وہ گھوم کر جلدی سے اس مشرک کے پیچھے آئے اور اس کے شانہ پر تلوار ماری۔ اس ضرب سے اس کی زرہ کٹ گئی وہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے بالمقابل ہو گیا اور ان کو پکڑ کر اس زور سے بھینچا کہ وہ مرنے کے قریب ہو گئے لیکن اسی اثناء میں اس کی موت واقع ہو

گئی اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ اس کی گرفت سے آزاد ہو گئے۔ اتنے میں ان کی ملاقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ پوچھا لوگوں کا کیا حال ہے؟ (یعنی یہ کیا انتشار ہے؟) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کا حکم اسی طرح ہے۔

فتح کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ آ کر بیٹھ گئے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا جس نے کسی کافر کو قتل کیا ہو اور اس کے پاس اس کا ثبوت ہو تو اس کافر کا سامان اسے قتل کرنے والے کا ہے۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے پھر سوچا کون میرے لیے گواہی دے گا؟ اور بیٹھ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی اعلان فرمایا۔ اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ پھر کھڑے ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوقتادہ کیا بات ہے؟ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے واقعہ بیان کیا ایک شخص نے کہا اے اللہ کے رسول! یہ سچ کہتے ہیں۔ اس کافر کا سامان میرے پاس ہے۔ آپ ان کو راضی کر دیجیے کہ وہ اسباب میں لے لوں۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بول پڑے اللہ کی قسم! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر کے ساتھ جو اللہ اور رسول کی طرف سے یوں لڑتا ہے کبھی ایسا نہیں کریں گے کہ اس کا سامان تمھیں دے دیں اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر سچ کہتے ہیں پھر وہ سامان حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ انھوں نے اس کی زرہ کو فروخت کر کے بنوسلمہ کے محلے میں ایک باغ خرید لیا اور یہ سب سے پہلا مال تھا جو زمانۂ اسلام میں انھوں نے حاصل کیا۔

(صحیح بخاری کتاب فرض الخمس وکتاب المغازی باب غزوۃ حنین وباب غزوۃ الطائف وصحیح مسلم کتاب الزکوۃ وکتاب الجهاد باب استحقاق القاتل سلب القتیل وباب غزوۃ حنین عن براءؓ وسلمہؓ)

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بینہ (ثبوت) ایک شاہد پر بھی بولا جا سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس واقعہ میں) حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے کوئی قسم بھی نہیں لی۔ اس مسئلے میں یہ بھی ایک وجہ بن سکتی ہے اور یہی صحیح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقتول کا سامان دلوانے کا فیصلہ صرف ایک گواہ پر فرما دیتے ہیں۔ اس سنت کا کوئی معارض نہیں ہے اور اسے ترک کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔'' (الطرق الحکمیہ ص ۷۸)

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام ہرگز عائد نہیں کیا جا سکتا کہ انھوں نے سب سے پہلے ایک گواہ کے ساتھ ساتھ حلف پر فیصلہ کیا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، زید بن ثابت، ابی بن کعب، علی بن ابی طالب، جابر، ابوہریرہ، عمارہ بن حزم، سعد بن عبادہ، مغیرہ بن شعبہ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم، عبدالملک بن مروان، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ سے بھی اس کا جواز ثابت ہے بلکہ عہد رسالت مآب میں قسم کے بغیر صرف ایک گواہ کی شہادت سے بھی فیصلہ کیا گیا ہے۔

اگر بالفرض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اس فعل کی نسبت ثابت بھی ہو تو بھی یہ مسئلہ مختلف فیہ، مجتہد فیہ اور صحابہ کا عمل ہونے کی وجہ سے بدعت کا موضوع ہرگز نہیں بن سکتا۔

(۸۱) عشق یزید کی تکمیل کی خاطر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مکراً وغدراً طلاق حاصل کرنا

اس الزام کو غلام حسین نجفی نے اپنی کتاب خصائل معاویہ میں ص ۴۰۳ تا ۴۰۹ تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''عبداللہ بن سلام صحابی رسول معاویہ کی طرف سے عراق کا گورنر تھا اور اس کی بیوی ارینب بنت اسحاق بڑی خوبصورت اور مال دار تھی...... اس کے حسن کی شہرت سن کر یزید بن معاویہ اس پر عاشق ہو گیا تھا...... ارینب بنت اسحٰق اس وقت کی ملکہ حسن تھی...... اپنے بیٹے یزید کو اس کی معشوقہ سے ملانے کی خاطر معاویہ نے اپنی مایہ ناز تدبیر کا آغاز کیا...... عبداللہ بن سلام کو طلب کر کے حضرت ابودردا اور حضرت ابوہریرہ کے ذریعے سے اسے اپنی بیٹی اس شرط پر دینے کا وعدہ کیا کہ وہ ارینب بنت اسحٰق کو طلاق دے کر آزاد کر دے۔ عبداللہ بن سلام نے جب اسے طلاق دے دی تو ان ہی صحابہ کے ذریعے سے معاویہ سے رشتہ مانگا تو انھوں نے بیٹی کے ذریعے سے انکار کرا دیا۔ جب یہ فیصلہ عبداللہ بن سلام نے سنا تو اس کی آنکھ کھل گئی اور سمجھ گیا کہ یہ معاویہ کا مکر اور فریب تھا اور اس کارنامہ کی عام لوگوں میں شہرت ہوگئی اور سب لوگ یہی کہتے تھے کہ معاویہ نے دھوکا کیا ہے۔ پھر عدت طلاق گزرنے کے بعد معاویہ نے ابودرداء کو عراق روانہ کیا تا کہ وہ ارینب کو یزید کے ساتھ شادی پر رضامند کرے۔ ابودرداء پہلے امام حسین سے ملے اور انھیں حالات بتلائے تو امام پاک نے ارینب کو پناہ دینے کی خاطر ابودرداء ہی کے ذریعے سے ارینب کو اپنے ساتھ نکاح کرنے کا پیغام بھیج دیا پس ارینب نے امام حسین سے شادی کر لی۔

بعد میں عبداللہ بن سلام معاویہ کے ہاتھوں تنگ دستی پر مجبور ہو گیا اس کا کچھ مال ارینب کے پاس رہ گیا تھا تو اس نے عراق آ کر امام حسین کو اپنی پر درد داستان سنا کر ارینب سے مال واپس دلانے کی درخواست کی۔ امام اسے اپنے ساتھ اندر لے گئے اور وہ مال دلایا۔ اس موقع پر عبداللہ اور ارینب دونوں رونے لگے امام پاک نے ان کی حالت دیکھ فرمایا کہ خدا گواہ ہے کہ میں نے ارینب کی دولت میں رغبت کرتے ہوئے اس کے ساتھ نکاح نہیں کیا بلکہ میں نے اس کو اس کے شوہر کی طرف لوٹانے کے لیے اس کے ساتھ نکاح کیا ہے۔ پھر امام نے ارینب کو طلاق دے دی۔ عدت گزرنے کے بعد دوبارہ عبداللہ نے ارینب سے نکاح کیا پھر دونوں خوش وخرم زندگی بسر کرنے لگے اور پھر موت نے جدا کیا۔

یہ طاغیہ شام کی وہ سیاست ہے جس کو ملا زندہ باد کہتے ہیں۔ معاویہ کے گلشن عیاری کی اس پرفریب کہانی کے بعد کوئی صحیح پڑھا لکھا آدمی طاغیہ شام کو اپنا پیشوا ماننے کے لیے تیار نہیں ہے۔ ارینب بنت اسحٰق کی

طلاق کے سلسلے میں طاغیہ شام نے جس مکاری سے کام لیا ہے دنیا کے تمام مکار اور عیار لوگ اس فریب کاری پر حیران ہیں۔'' (خصائل معاویہ ص۴۰۳، ۴۰۹ ملخصا)

یہ کہانی آل انڈیا ریڈیو سے بھی ایک مدعی اسلام کی زبانی نشر ہوئی جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ داستان اور افسانہ از اول تا آخر نہ صرف غلط بلکہ صریح جھوٹ اور سراپا بہتان ہے۔ نیز اس کہانی میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی بھی توہین پائی جاتی ہے کیونکہ:

اولاً..... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے والیان حکومت میں نہ صرف عراق بلکہ کسی دوسرے علاقے میں بھی عبداللہ بن سلام نام کا کوئی والی اور گورنر نہیں تھا۔

ثانیاً..... اریب بنت اسحٰق کا ملکہ حسن ہونا تو کجا عام خواتین میں بھی اس نام کی کسی خاتون کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔

ثالثاً..... حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ جن کے ذریعے سے یہ مکروفریب کا کھیل کھیلا گیا عہد عثمانی میں دمشق کے قاضی تھے اور اسی عہد میں ۳۱ھ یا ۳۲ھ میں انتقال کر گئے۔ جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور خلافت ۴۱ھ سے شروع ہوتا ہے۔ معلوم نہیں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ یہ کردار ادا کرنے کے لیے مرنے کے بعد کس طرح دوبارہ دمشق اور عراق پہنچے۔

رابعاً..... اگر اس واقعہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور امارت کا تسلیم کیا جائے تو یزید اس وقت زیادہ سے زیادہ چھ سال کا بچہ تھا۔ کیونکہ اس کی ولادت ۲۶ھ میں ہوئی اور یہ عمر عشق لڑانے کی نہیں ہوتی۔

خامساً..... اس داستان میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اریب بنت اسحاق کو کتنی طلاقیں دی تھیں۔ اگر طلاق رجعی تھی تو ''حلالہ'' کرانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اور اگر تین طلاقیں دی گئیں تو پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا کردار قرآن وحدیث کے خلاف ثابت ہوتا ہے۔

سادساً..... اسلام میں اگر ایک شخص کسی عورت کو نکاح کا پیغام دیتا ہے تو جب تک وہاں سے انکار نہ ہو جائے کسی دوسرے کے لیے پیغام دینا جائز نہیں۔

جب حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ میں یزید کے لیے اریب کے پاس نکاح کا پیغام لے کر جا رہا ہوں تو ان کے لیے پیغام پر پیغام دینا جائز نہیں تھا۔

سابعاً..... روایت میں ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ (اریب کے شوہر اول) کو بتایا کہ میں نے اس کے ساتھ صرف تمھاری طرف اسے لوٹانے کی غرض سے نکاح کیا ہے۔ اس طرح کے نکاح کے بعد اگر طلاق دی جائے تو کیا وہ عورت شوہر اول کے لیے حلال ہو سکتی ہے۔

ثامناً..... حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی بیویوں میں اریب بنت اسحٰق نام کی کوئی عورت نہیں ہے۔

تاسعاً...... حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا عہد معاویہ میں عراق میں سکونت اختیار کرنا ثابت نہیں۔ کیا انھوں نے محض اس نکاح کے لیے عراق کا سفر اور وہاں کی اقامت اختیار کی تھی؟

عاشراً...... نجفی نے یہ بتایا ہے کہ "امام پاک نے ان کی حالت دیکھ کر فرمایا کہ خدا گواہ ہے میں نے ارینب کی دولت میں رغبت کرتے ہوئے اس کے ساتھ نکاح نہیں کیا بلکہ میں نے اس کو اس کے شوہر کی طرف لوٹانے کے لیے اس کے ساتھ کیا ہے" جو شخص اس نیت کے ساتھ کسی عورت کے ساتھ نکاح کرے کہ اسے طلاق دے کر زوج اول کے لیے حلال کرے تو یہ شخص، اللہ، رسول اور تمام فقہاء و ائمہ کے نزدیک ملعون ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت نے اس "لعنتی فعل" کا ارتکاب کیا ہو؟ (تلك عشرة كاملة)

علاوہ ازیں نجفی نے اس داستان کے لیے "الامامہ والسیاسہ" کا حوالہ دیتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ "اہل سنت کی معتبر کتاب" کیا کتاب مذکور اہل سنت کی معتبر کتاب ہے؟ اس کا مولف کون ہے؟ اس کتاب کی نسبت عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ کی طرف کی جاتی ہے، اور ابن قتیبہ کو ثقہ، معتبر اور مستند سمجھا جاتا ہے اسی لیے بعض حضرات نے اس کی ثقاہت کے پیش نظر "الامامہ والسیاسہ" کو اس کی تصنیف ماننے سے انکار کر دیا ہے۔
لیکن جناب مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"ابن قتیبہ کے متعلق یہ خیال بالکل غلط ہے کہ وہ شیعہ تھا وہ ابو حاتم سجستانی اور اسحق بن راہویہ جیسے ائمہ کا شاگرد اور دینور کا قاضی تھا (پھر اس کی ثقاہت ثابت کرنے کے بعد لکھتے ہیں) رہی اس کی کتاب "الامامہ والسیاسہ" اس کے متعلق یقین کے ساتھ کسی نے بھی یہ نہیں کہا ہے کہ وہ ابن قتیبہ کی نہیں ہے۔ صرف شک ظاہر کیا جاتا ہے کیونکہ اس میں بعض روایات ایسی ہیں جو ابن قتیبہ کے علم اور اس کی دوسری تصنیفات کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتیں۔ میں نے خود یہ پوری کتاب پڑھی ہے اور اس کی چند روایتوں کو میں بھی الحاقی سمجھتا ہوں۔ مگر ان کی پوری کتاب کو رد کر دینا میرے نزدیک زیادتی ہے۔" (خلافت و ملوکیت ص ۳۰۹، ۳۱۰)

معلوم نہیں کہ موصوف کو دشمنان صحابہ کے ساتھ اتنی عقیدت کیوں ہے؟ جس کتاب میں صحابہ کے متعلق غلیظ مواد ہے اسے یہ معتبر اور اس کے مولف کو ثقہ منوانے کی پوری کوشش کرتے ہیں تاکہ لوگ خود انھیں بھی معتبر اور ثقہ تسلیم کر لیں۔

کتاب المعارف جو ابن قتیبہ کی تصنیف ہے اور اس میں کسی شک کا بھی اظہار نہیں کیا گیا اس کے مقدمے میں اس بات کی واضح طور پر تردید موجود ہے کہ "الامامہ والسیاسہ" ابن قتیبہ کی تصنیف ہے اور اس پر بہت سے دلائل بھی پیش کیے گئے ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو (مقدمۃ المعارف لابن قتیبہ، مقدمہ از ڈاکٹر ثروت عکاشہ ص ۵۶ مطبوعہ مصر)

اگر بالفرض بقول مودودی صاحب ''الامامہ والسیاسہ'' ابن قتیبہ ہی کی تصنیف ہے تو پھر بھی اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف توہین آمیز مواد کے پیش نظر اسے اہل سنت کی معتبر کتاب ہرگز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ اس میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے خلاف وہی الزامات موجود ہیں جو اہل تشیع عائد کرتے ہیں مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا کوئی لحاظ نہیں کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے سلسلے میں سختی کی، ان کے گھر کو جلانے کی دھمکی دی اور یہ جبر و تشدد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم سے ہوا۔ حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ روضۂ اطہر پر رو رو کر عرض کرنے لگے ''اے بھائی! لوگوں نے مجھے بے بس کر دیا ہے اور میرے قتل کے درپے ہو گئے ہیں۔'' (الامامہ والسیاسہ ص۱۲،۱۳ ج۱)

اسی طرح ابن قتیبہ کی کتاب ''المعارف'' میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نسب پر غلیظ حملہ کیا گیا ہے (ص۱۷۹) اسی کتاب میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب پر بھی اسی طرح کا غلیظ حملہ کیا گیا ہے کہ خزیمہ کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے کنانہ نے اپنی ماں سے شادی کی جس سے نضر بن کنانہ پیدا ہوا...... واقدہ نامی عورت قبیلہ بنی مازن سے تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا عبد مناف کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے ہاشم نے ان سے شادی کر لی۔ (المعارف، ابن قتیبہ ص۱۱۲)

علمائے رجال نے بھی ابن قتیبہ پر سخت کلام کیا ہے۔ (لسان المیزان ص ۳۵۷ ج ۳)

ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''تمام امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ قتیبی ایک جھوٹا شخص ہے اس نے اپنی گندی زبان سے کبار علماء کو بھی معاف نہیں کیا۔'' (مقدمۃ التحقیق للمعارف ص ۶۱ مطبوعہ مصر)

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ کتاب ''الامامہ والسیاسہ'' ہرگز اہل سنت کی معتبر کتاب نہیں اور اگر ابن قتیبہ ہی کو اس کا مولف تسلیم کر بھی لیا جائے تو وہ ''حضرت'' بھی ہرگز قابل اعتبار نہیں ہیں۔

بہر حال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف زیر بحث داستان روایتاً و درایتاً بالکل لغو، بے بنیاد اور حضرات معاویہ، ابودرداء، ابوہریرہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کی توہین پر مبنی ہے۔ جسے حضرات صحابہ پر تبرا کے لیے وضع کیا گیا ہے اور اس داستان پر کوئی دشمن اسلام ہی یقین و اعتماد کر سکتا ہے۔

(۸۲) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شرم وحیا سے عاری تھے

سید مہر حسین بخاری زیرِ عنوان ''معاویہ صاحب کا شرم وحیا'' لکھتے ہیں کہ:

''حیا بھی ایمان کا حصہ ہے اور جس میں حیا نہیں اس میں ایمان نہیں۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تجھ میں سے حیا ہی ختم ہو جائے تو جو جی میں آئے کرتا جا۔

معاویہ میں بھی حیا نہیں تھا۔ اس لیے تمام منکرات کا ارتکاب بے دریغ کیا۔ ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے جس سے معاویہ کی انتہائی بے حیائی کی عکاسی ہوتی ہے۔ ابن کثیر بحوالہ ابن عساکر لکھتے ہیں کہ

معاویہ کے آزاد کردہ غلام خدیج خصی نے روایت کیا کہ معاویہ نے ایک گورے رنگ کی خوبصورت جاریہ خریدی۔ سو میں نے اس لونڈی کو معاویہ کے سامنے اس حال میں پیش کیا کہ وہ مادر زاد ننگی تھی اور معاویہ کے ہاتھ میں چھڑی تھی۔ سو معاویہ اس لونڈی کی متاع یعنی فرج کی طرف اس چھڑی سے اشارہ کرنے لگا اور کہتا تھا یہ متاع (شرم گاہ) اگر میرے لیے ہوتی تو کیا ہی اچھا ہوتا اس لونڈی کو یزید کے پاس لے جا۔ بعد ازاں معاویہ نے کہا نہیں میرے لیے ربیعہ بن عمرو جرشی کو بلا لاؤ۔ اور وہ فقیہ تھے۔ جب ربیعہ معاویہ کے پاس گیا تو معاویہ نے کہا یہ لونڈی میرے پاس ننگی لائی گئی اور میں نے شہوت سے اس کا یہ اور یہ دیکھا اور میں نے ارادہ کیا کہ اسے یزید کے پاس بھیج دوں۔ ربیعہ نے کہا یہ نہ کریں اے امیر المومنین! یہ اس کے لائق نہیں ہے......

ہم احتجاج کرتے ہیں کہ بیرون ممالک سے آنے والے سربراہان ممالک کے استقبال کے لیے قوم کی بیٹیوں کو بنا سجا کر کیوں کھڑا کیا جاتا ہے یہ سلسلہ بند ہونا چاہیے لیکن دوسری جانب ہم معاویہ کے کردار کو سراہتے ہیں جس نے ننگا ناچ کرایا اور بے حیائی کا زبردست مظاہرہ خود کیا اور اپنے مولا کو دکھایا...... علاوہ ازیں معاویہ رقص وسرود کی محفلیں منعقد کراتا تھا اور رقاصاؤں کو خوب داد دیتا تھا جیسا کہ عمرو بن بحر الجاحظ نے کتاب التاج ص ۷۶ پر اس جانب واضح اشارہ کیا ہے۔'' (سیاست معاویہ ص ۱۲۳، ۱۲۴)

یہ داستان اگرچہ جواب دینے یا نقل کرنے کے قابل ہرگز نہیں تھی لیکن دل پر جبر کر کے لرزتے قلم کے ساتھ اس لیے نقل کر دی تاکہ مسلمان ان دشمنان اسلام سے آگاہ ہو جائیں جو ''سنی اور توحیدی'' کی نقاب اوڑھ کر مسلسل دھوکا دے رہے ہیں۔

اس دشمن اسلام نے تاریخ ابن عساکر کی ایک مجروح السند اور سراپا جھوٹی روایت کے حوالے سے اپنے خبث باطن کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔ اس کی ساری کتاب سے کثافت، خساست، دنائت اور رذالت ہی کا

اظہار ہوتا ہے۔

اس داستان کی ایک ایک سطر خود آپ اپنی تردید کر رہی ہے دنیا کا کوئی سب سے بڑا احمق ہی اس کہانی پر یقین کر سکتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک نوکر ایک لونڈی کو برہنہ کر کے باہر سے اپنے ساتھ لا کر اپنے آقا کی خدمت میں پیش کرے اور وہ آقا اسی نوکر کے سامنے اس لونڈی سے ننگے ناچ کا مظاہرہ کرائے..... حیرت ہے کہ اس خیر القرون میں صحابہ وتابعین اس سب سے بڑے منکر اور بے حیائی کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھا سکے۔

گزشتہ صفحات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اوصاف (خشیت الٰہی، اتباع سنت، امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر کاربندی اور جذبہ اطاعت ومحبت رسول) بالتفصیل واضح کر دیے گئے ہیں..... ایسے اوصاف کے حامل شخص کی طرف بے حیائی کی نسبت کوئی سب سے بڑا بے حیا، بے غیرت اور بدقماش ہی کر سکتا ہے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے یہ واقعہ بالفاظ ذیل نقل کیا ہے:

((وقال محمد بن الحكم الانصاری عن عوانة قال حدثنی خديج خصی لمعاويه قال قال لی معاوية ادع لی عبدالله بن مسعدة الفزاری فدعوته وكان ادم شديد الادمة فقال دونك هذه الجارية رومية بيض بها ولدك))

(الاصابہ ص ۳۶۷ ج ۲ تحت حرف العین عبداللہ بن مسعدہ)

''محمد بن حکم انصاری، عوانہ سے روایت کرتے ہیں کہ خدیج خصی نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ عبداللہ بن مسعدہ کو بلا لاؤ تو میں انھیں بلا لایا وہ شخص گہرے سانولے رنگ کا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ رومی خوبصورت لونڈی آپ کو دی جاتی ہے......''

اسی غلام خدیج کے حوالے سے دشمن معاویہ نے ایک سراپا جھوٹی کہانی نقل کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک مکروہ الزام عائد کیا اور اسی راوی کے حوالے سے ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے مندرجہ بالا روایت نقل کی جس میں بے حیائی کا کوئی شائبہ تک موجود نہیں ہے۔ کیا لونڈی کا خریدنا اور اس کا ہبہ کر دینا شرعاً ممنوع ہے؟ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں لونڈیاں خریدنا اور ان سے متمتع ہونا نہ کوئی معیوب بات تھی اور نہ شرعاً اس کی ممانعت تھی۔ اس دور کا اگر سرسری جائزہ بھی لیا جائے تو شاید کسی امام، حتیٰ کہ ابو الائمہ کا گھر بھی لونڈی کے وجود سے خالی نظر نہ آئے گا۔

علاوہ ازیں معترض نے ابن جاحظ کے حوالے سے یہ الزام بھی عائد کر دیا کہ ''معاویہ رقص وسرود کی محفلیں منعقد کراتا تھا اور رقاصاؤں کو خوب داد دیتا تھا'' حیرت ہے کہ ابن جاحظ اور سید مہر حسین صاحب کو تو ان محفلوں کے انعقاد اور رقاصاؤں کی داد و دہش کا علم ہو گیا لیکن اس وقت موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین

عظام رحمہم اللہ مطلع نہ ہو سکے۔

حضرت عقیل بن ابی طالب، حضرات حسنین، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت محمد بن حنفیہ (برادر حسین)، عبداللہ بن جعفر اور حضرت زین العابدین رحمہ اللہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی محفلوں میں شرکت کے لیے دور دراز کا سفر طے کر کے پہنچتے اور آں محترم سے ہدایا وعطایا اور وظائف وصول کر کے خوش و خرم واپس لوٹتے رہے مگر انھوں نے تو اس قسم کے کسی واقعے کا کبھی ذکر تک نہیں کیا...... کیا یہ حضرات رقص وسرود کی ان محفلوں میں شرکت کی غرض سے حاضری دیا کرتے تھے؟

اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی محافل غلط ہوتیں تو یہ اکابر ہاشمی نہ صرف یہ کہ ان میں شرکت نہ کرتے بلکہ ان کے خلاف پوری سلطنت میں آواز بلند کر کے ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' کا فریضہ ادا کرتے۔

ابن جاحظ کی حیثیت کیا ہے؟ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

((قال ثعلب ليس بثقة ولا مامون قلت وكان من ائمة البدع...... قال الخطابی هو مغموص فی دینه وذکر ابوالفرج الاصفهانی انه کان یرمی بالزندقة قال ثعلب کان کذابا علی الله وعلی رسوله وعلی الناس))

(لسان المیزان ص ۳۵۵، ۳۵۷ ج ۴ تحت حرف العین عمرو بن بحر الجاحظ)

''ثعلب کہتے ہیں کہ نہ تو یہ ثقہ ہے اور نہ کذب وافتراء ہی سے محفوظ و مامون...... بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ یہ بدعتیوں کے اماموں میں سے ایک امام ہے۔ خطابی کہتے ہیں کہ اس کا دین عیب دار ہے اور ابوالفرج اصفہانی نے اس کو زندیق قرار دیا ہے...... ثعلب کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور لوگوں پر جھوٹ بولتا تھا۔''

تو جو شخص ناقابل اعتبار، کذاب، مفتری، امام المبتدع، بے دین، زندیق، اللہ تعالیٰ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور لوگوں پر جھوٹ باندھنے والا ہو اس کے قول اور اس کی روایت پر وہی شخص اعتماد و یقین کر سکتا ہے جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہ ہو۔ جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ بولنے سے نہ شرماتا ہو وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف جھوٹے واقعات منسوب کرنے سے کس طرح شرمائے گا؟......

لہٰذا آں محترم پر زیر بحث الزام بالکل ہی لغو، بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے اور زندیقوں، کذابوں، مفتریوں اور دجالوں کا عائد کردہ ہے۔

(۸۳) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قاتل ہیں

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انھوں نے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو قتل کیا۔ چنانچہ غلام حسین نجفی بحوالہ تاریخ حبیب السیر لکھتا ہے کہ:

''جب معاویہ نے مدینہ میں آ کر یزید کی خاطر بیعت لینی چاہی تو حضرت عائشہ نے حجرے سے سر نکالا اور فرمایا رک جا رک جا۔ کیا پہلے بزرگوں نے بھی اپنی اولاد کی خاطر بیعت لی ہے۔ معاویہ نے کہا نہیں۔ عائشہ نے کہا پھر کس کی پیروی کر رہا ہے؟ معاویہ شرمسار ہوا، منبر سے اتر آیا اور حضرت عائشہ کی خاطر ایک گڑھا کھدوایا اور پھر مکر و حیلہ کیا اور جناب عائشہ کو گڑھے میں پھینک دیا اور بی بی جی مر گئی...... معاویہ اسلام کا ماموں تو بن بیٹھا مگر اس نے مسلمانوں کی ماں کو قتل کر کے اپنے تمام فضائل پر جھرلو پھیر لیا۔ جو نواصب باچھیں ٹیڑھی کر کے کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ محبوب رسول اللہ تھیں وہ ہمیں بتائیں کہ اس محبوبہ رسول اللہ کی قبر کہاں ہے؟ معاویہ نے دنیا میں عائشہ کی قبر کا نشان ہی مٹا دیا۔'' (خصائل معاویہ ص ۲۴۸، ۲۴۹)

ڈاکٹر نور حسین جعفری سیالوی لکھتا ہے کہ:

''ظالم معاویہ نے جناب ام المومنین بی بی عائشہ کو ایک گڑھے میں ڈال کر اوپر سے چونا بھر کر زندہ درگور کر دیا اور جناب رسالت مآب کا کچھ بھی لحاظ نہ کیا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذائے روحانی پہنچائی مگر پھر بھی اہل سنت کا صحابی بنا رہا......'' (ثبوت خلافت ص ۲۶۰ ج ۲)

سید حیدر علی نقوی لکھتا ہے کہ:

''۵۶ھ میں معاویہ مدینہ آیا اور ایک مکان میں گڑھا کھدوا کر اس کو خس پوش کر کے آبنوس کی کرسی بچھوائی اور حضرت عائشہ کو دعوت کے بہانے بلا کر اس پر بٹھایا۔ حضرت عائشہ بیٹھتے ہی گڑھے میں جا پڑیں۔ معاویہ نے اس گڑھے کو پتھر اور چونے سے مضبوط کرا دیا اور مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔'' (تاریخ ائمہ ص ۱۴۸)

مشہور شیعہ مجتہد مرزا یوسف لکھنوی نے بھی اپنی کتاب میں حبیب السیر جلد دوم جز سوم ص ۸۵ مطبوعہ ممبئی کے حوالے سے یہی واقعہ نقل کیا ہے۔ (وفات عائشہ ص ۱۱۲)

ان عبارات سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی موت طبعی نہ تھی اور موصوفہ کفن اور نماز جنازہ کے بغیر ہی گڑھے میں بند کر دی گئیں۔ دشمنان اسلام نے اس بدترین تاریخی جھوٹ کے لیے ''اہل سنت کی معتبر کتاب تاریخ حبیب السیر'' کا سہارا لیا۔ اس کے مولف کا نام غیاث الدین محمد ابن ہمام الدین ہے۔ یہ ''بزرگ'' کون ہیں؟ ان کا تعارف مشہور شیعہ مصنف شیخ آقائے بزرگ طہرانی کی زبانی ملاحظہ

فرمائیں:

((حبیب السیر فی اخبار افراد البشر تاریخ فارسی کبیر فی ثلاث مجلدات لغیاث الدین محمد بن همام الدین۔ جعل جمیع مجلداته ضمن مجلد کبیر......))

''یہ فارسی زبان میں لکھی گئی ایک بہت بڑی تاریخی کتاب ہے جس کی تین جلدیں ہیں۔ اسے غیاث الدین محمد بن ہمام الدین نے تصنیف کیا پھر اس کو ایک ہی بڑی جلد میں اکٹھا کر دیا گیا۔''

آقائے بزرگ طہرانی نے اسے بدلائل شیعہ ثابت کیا ہے مثلاً:

① حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصی رسول اور خلیفہ بلافصل کہا۔
② حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ائمہ پر صلوٰۃ وسلام کا خالص شیعی انداز اختیار کیا۔
③ امامت اور خلافت کے حقیقی حقدار حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔
④ لوگوں نے حقیقی خلیفہ کو چھوڑ کر ابوبکر صدیق کی بیعت کر لی۔
⑤ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت وخلافت پر دلائل پیش کیے۔
⑥ تمام اہل بیت معصوم تھے۔
⑦ ان کے فضائل و مناقب میں ایسی باتیں بھی تحریر کیں جو اہل سنت کے نزدیک ''منکرات'' میں سے ہیں۔ (الذریعہ الی تصانیف الشیعہ ص۲۴۴، ۲۴۷ ج ۶)

اگر مذکورہ عقائد ونظریات رکھنے کے باوجود مولف ''حبیب السیر'' جناب غیاث الدین محمد بن ہمام الدین سنی ہی ہیں تو پھر دنیا میں کوئی بھی شیعہ نہیں ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر قتل عائشہ کا الزام اس قدر لغو، بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے کہ خود اکابر علمائے شیعہ نے بھی اس کی تردید کی ہے۔

قدیم شیعہ مورخ احمد بن ابی یعقوب (متوفی ۲۸۴ھ) لکھتا ہے کہ:

''حضرت معاویہ کے دور خلافت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار [1] ازواج مطہرات نے انتقال کیا......

وعائشة بنت ابی بکر توفیت سنة ثمان و خمسین وصلّی علیها ابوهریرة وکان خلیفه لمروان علی المدینة۔ عائشہ بنت ابی بکر ۵۸ھ میں فوت ہوئیں ان کی نماز جنازہ ابوہریرہ نے پڑھائی جو ان دنوں مروان کے نائب تھے۔'' (تاریخ یعقوبی ص ۲۲۸ ج ۲)

[1] جبکہ صحیح یہ ہے کہ سات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ① سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ۴۴ھ ② سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا ۴۵ھ ③ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا ۵۰ھ ④ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا ۵۰ھ ⑤ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا ۵۱ھ ⑥ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ۵۸ھ ⑦ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا (ایک روایت کے مطابق) نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں انتقال فرمایا تھا۔

محمد ہاشم بن محمد علی خراسانی لکھتا ہے کہ:

''وایضاً درایں سال عائشہ زوجہ پیغمبر از دنیا رحلت کرد...... وابوہریرہ بر وی نماز خواند او را در بقیع دفن کردند'' (منتخب التواریخ ص فصل چہارم، امر دوم عائشہ دختر ابا بکرؓ)

''نیز اسی سال میں عائشہ زوجہ رسول کا انتقال ہوا۔ ابوہریرہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور انھیں جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا۔''

شیخ عبداللہ مامقانی لکھتے ہیں کہ:

((عدھا الشیخ فی رجالہ من الصحابیات...... وقبض رسول اللہ ﷺ وھی بنت ثمان وعشرۃ الی ان قال توفیت سنۃ ثمان و خمسین)) (تنقیح المقال ص۸۱ ج۳)

''ان کے شیخ نے عائشہ بنت ابی بکر کو اپنی رجال کی کتاب میں صحابیات میں شمار کیا ہے...... رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی اور ۵۸ھ میں ان کا انتقال ہوا''

سید علی نقوی (جنھیں اہل تشیع ''سید العلماء'' کے لقب سے پکارتے ہیں) لکھتے ہیں کہ:

''امہات المومنین یعنی ازواج رسول کی قبریں اسی بقیع میں تھیں۔ چنانچہ بوقت وفات حضرت عائشہ نے فرمایا کہ مجھ کو وہیں بقیع میں دفن کرنا جہاں میری اور بہنیں (ازواج النبی) دفن ہیں چنانچہ اسی وصیت کی بنا پر جناب عائشہ بھی عام روایت کے مطابق جنت البقیع میں دفن ہیں۔'' (قبہ وقبور ص۴۶)

ان اکابر شیعہ علماء نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے سلسلے میں زیر بحث داستان کا کوئی ادنیٰ سا اشارہ بھی نہیں کیا۔ بلکہ ان کی طبعی موت، نماز جنازہ اور جنت البقیع میں تدفین کی صراحت کی۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا علیل ہوئیں۔ دیگر حضرات کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی عیادت بھی کی۔ موصوفہ نے انتقال سے پہلے وصیت فرمائی کہ مجھے رات ہی کو جنت البقیع میں امہات المومنین کے قریب دفن کیا جائے۔

اس طرح وہ ۵۸ھ میں سترہ رمضان المبارک کی رات نماز وتر کے بعد اپنے پیچھے ایک عالم کو سوگوار چھوڑ کر اس جہان فانی سے رخصت ہوگئیں۔ آپ کی وفات کی خبر آن واحد میں مدینہ طیبہ میں پھیل گئی۔ ہر آنکھ مقدس ماں کی موت پر آنسو بہا رہی تھیں۔ حسب وصیت رات کو ہی جنازہ اٹھالیا گیا۔ نماز جنازہ کا اجتماع اپنی مثال آپ تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (جو ان دنوں مدینے میں مروان کے نائب تھے) نے نماز جنازہ پڑھائی۔ قبر میں عبداللہ بن زبیر، عروہ بن زبیر، عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم نے اتار کر سپرد خاک کر دیا۔ (صحیح بخاری کتاب الجنائز وکتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔ طبقات ابن سعد ج۸ تحت ذکر عائشہ۔ البدایہ والنہایہ ص۹۴ ج۸۔ زرقانی علیٰ مواہب لدنیہ ص۲۳۵ ج۳)

علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''۵۷ھ میں وفات پائی، اس وقت ان کی عمر ۶۶ سال کی تھی وصیت کے مطابق جنت البقیع میں رات کے وقت دفن ہوئیں......'' (سیرت النبی ص۳۷۶ ج۲ تحت ذکر حضرت عائشہؓ)

کاش موصوف اپنی دوسری کتاب ''سیرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا'' میں بھی یہی انداز اختیار کرتے.....مگر انھوں نے اس میں ایک جملے کا اضافہ کر کے ورطہ حیرت میں ڈال دیا..... ملاحظہ فرمائیں:

''مرض الموت میں وصیت کی کہ اس حجرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجھے دفن نہ کرنا۔ میں نے ایک جرم کیا ہے مجھ کو دیگر ازواج کے ساتھ جنت البقیع میں دفن کرنا۔''

(سیرت عائشہ صدیقہؓ، ص۱۶۸ مطبوعہ شوکت بک ڈپو، شوکت بازار اندرون شاہدولہ گیٹ گجرات)

یہ ''جرم'' کیا تھا؟ موصوف نے اس کے لیے صحیح بخاری کتاب الجنائز، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ اور ابن سعد جزء نساء کا حوالہ دیا ہے۔ لیکن راقم الحروف ان مقامات میں ''مذکورہ جرم'' تلاش کرنے میں ناکام رہا۔ البتہ طبقات ابن سعد میں ''ذکر عائشہ'' کے بالکل آخر میں یہ روایت موجود ہے کہ:

''سننے والے نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سن کر بیان کیا کہ جب آیت وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ (اپنے اپنے گھروں میں جمی رہو) پڑھتیں تو اس قدر روتیں کہ آپ کا دوپٹہ آنسوؤں سے شرابور ہو جاتا۔''

(طبقات ابن سعد اردو ص۱۰۹ ج۸)

ممکن ہے کہ سید صاحب کی مراد اس ''جرم'' سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جنگ جمل کے لیے خروج ہو.....

جبکہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب نے ''جرم'' کے بجائے ''بدعت'' کا لفظ استعمال کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

''اور ندامت کی انتہا یہ ہے کہ شروع میں آپ کی خواہش یہ تھی کہ آپ کو خود اپنے گھر میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن کیا جائے لیکن جنگ جمل کے بعد آپ نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ قیس بن ابی حازم راوی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دل میں یہ سوچتی تھیں کہ انھیں ان کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن کیا جائے لیکن بعد میں انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک بدعت کا ارتکاب کیا ہے اب مجھے آپ کی دوسری ازواج مطہرات کے ساتھ دفن کرنا چنانچہ انھیں بقیع میں دفن کیا گیا۔''

(عورت کی سربراہی کی شرعی حیثیت ص۴۳)

بہر حال آں موصوفہ کی طرف لفظ ''جرم'' یا ''بدعت'' کی نسبت بالکل غلط ہے۔ اور دشمنان اسلام نے اس ''جرم'' کی انتہائی غلط اور بھیانک توجیہات کی ہیں۔ اسی ''جرم'' کی بنیاد پر غلام حسین نجفی لکھتا ہے کہ:

''بوقت موت جنگ جمل کا عائشہ کے گلے میں پھنس جانا بی بی جی کے غلطی پہ ہونے کی ٹھوس دلیل

ہے...... بوقت موت جناب عائشہ بہت گھبرائیں اور بے چین و بے قرار ہوئیں۔ پوچھا گیا اماں جی کیا بات ہے؟ بی بی جی فرمانے لگیں میرے حلق میں جنگ جمل کا دن اٹک اور پھنس گیا ہے...... جنگ جمل کا بوقت موت بی بی جی کے گلے میں پھنس جانا اس بات کی ٹھوس دلیل ہے کہ یہ جنگ جناب عائشہ کی ایسی غلطی ہے کہ جس کی معافی انھیں خدائے رحیم نے بوقت موت بھی نہیں دی اور بوقت موت کسی غلطی سے توبہ قبول نہیں ہوتی...... نیز حضرت عائشہ نے بوقت موت توبہ کی ہو اور خاندان رسالت سے معذرت کی ہو اس کا ثبوت تلاش کے باوجود نہیں ملا۔ یہ دکھ کی بات ہے کہ حضرت عائشہ ناموس محمد تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس کا فرض تھا کہ خاندان نبوت کی تابعداری کرتی اور نبی کے بچوں کی خدمت کرتی۔ لیکن خدمت اور تابعداری کے بجائے اس نے حضرت علی کی حکومت کو ناکام کرنے کے لیے سرتوڑ کوشش کی ہے۔ اور حضرت کی حکومت کے دوران ملک میں فساد برپا کرنے میں اس کا پہلا نمبر ہے۔ حضرت علی کے خلاف اگر یہ مسلح بغاوت نہ کرتی تو شاید معاویہ کو بھی بغاوت کی جرأت نہ ہوتی۔'' (بغاوت بنی امیہ ص ۴۲۴، ۴۳۵)

اب صحیح بخاری کی اصل روایت ملاحظہ فرمائیں:

۱ ((عن هشام عن ابيه عن عائشة انها اوصت عبدالله بن الزبير لا تدفني معهم وادفني مع صواحبي بالبقيع لا ازكّى به ابدا))

(صحیح بخاری کتاب الجنائز باب ماجاء فی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر)

''ہشام بواسطہ اپنے والد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو وصیت کی کہ مجھے ان لوگوں (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کے ساتھ دفن نہ کرنا بلکہ دیگر ازواج مطہرات کے ساتھ بقیع میں دفن کرنا اس طرح میں ان سے برتری حاصل نہیں کرسکوں گی۔''

۲ ((عن عائشة قالت لعبدالله ابن الزبير ادفني مع صواحبي لا تدفني مع النبي ﷺ في البيت فاني اكره ان ازكّى......))

(صحیح بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ باب ماذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو وصیت کی کہ مجھے دیگر ازواج مطہرات کے ساتھ ہی دفن کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دفن نہ کرنا۔ کیونکہ میں یہ بات پسند نہیں کرتی کہ (ان کے مقابلے میں) مجھے کوئی برتر مقام دیا جائے یا میری تعریف کی جائے۔''

۳ ((استأذن ابن عباس قبل موتها على عائشة وهي مغلوبة قالت اخشى ان يُثنِيَ عليَّ فقيل ابن عم رسول الله ﷺ ومن وجوه المسلمين قالت ائذنوا له فقال كيف تجدينك قالت بخير ان اتّقَيتُ قال فانت بخير ان شاء الله زوجة رسول الله

ﷺ ولم ينكح بكرا غيرك ونزل عذرك من السماء ودخل ابن الزبير خلافه فقالت دخل ابن عباس فاثنى علي وددت اني كنت نسيا منسيا))

(صحیح بخاری، کتاب التفسیر تفسیر سورۃ نور، باب قولہ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ)

''(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حالت سخت خراب تھی) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے برائے عیادت اجازت طلب کی لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کچھ تامل کیا اس خوف سے کہ وہ میری تعریف کریں گے۔ کسی نے ان سے کہا یہ تو رسول اکرم ﷺ کے چچا زاد بھائی اور مسلمانوں میں ذی وجاہت ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ انھیں اجازت دے دو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اندر آئے اور پوچھا آپ اپنے آپ کو کیسا پاتی ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ اگر مجھ میں تقویٰ ہے تو خیریت سے ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا آپ ان شاء اللہ خیر و عافیت ہی میں رہیں گی۔ آپ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ ہیں۔ آپ کے علاوہ کسی کنواری لڑکی سے رسول اللہ ﷺ نے نکاح نہیں کیا۔ آپ کی براءت آسمان سے اتری۔ اس کے بعد حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما آئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے فرمایا کہ ابن عباس آئے تھے انھوں نے میری تعریف کی مگر میں تو یہ چاہتی ہوں کہ میں گمنام اور بھولی بسری ہوتی۔''

صحیح بخاری کی مندرجہ بالا روایات میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس کا معنی ''جرم'' ہو۔ معلوم نہیں کہ علامہ سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ نے کس لفظ کا معنی جرم کیا ہے۔ صحیح بخاری کا حوالہ دے کر موصوف نے یہ تاثر دیا ہے کہ ''میں نے ایک جرم کیا ہے'' یہ بھی بخاری ہی کی عبارت ہے۔

راقم الحروف پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ قابل اعتراض جملہ نہ صحیح بخاری میں ہے اور نہ طبقات ابن سعد میں...... یہ بھی ممکن ہے کہ یہ جملہ کسی دشمن عائشہ نے علامہ موصوف کی کتاب ''سیرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا'' میں شامل کر دیا ہو...... تو پھر ناشرین اس کے ذمہ دار ہیں۔

البتہ مکتبہ رحمانیہ لاہور کی مطبوعہ کتاب میں نیچے حاشیہ میں ''جرم'' کی وضاحت کے لیے مستدرک حاکم کا حوالہ دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۱۳۳۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کی خاطر جنگ جمل میں شرکت کے اقدام کو ''جرم'' یا ''بدعت'' قرار دینا ہرگز صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ اقدام اجتہادی تھا اور جس مقصد عظیم کے لیے یہ اقدام اٹھایا گیا وہ یقیناً دینی اور شرعی تھا۔

سخت حیرت ہے کہ علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ، مفتی اعظم پاکستان اور ان کے تصدیق کنندگان نے پوری امت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کرنے والی ام المومنین کو ہی ''جرم'' اور ''بدعت'' کا مرتکب قرار دے دیا۔

جہاں تک حدیث کے الفاظ "لا ازکّی بہ ابدا" کا تعلق ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کوئی جرم سرزد ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ روضۂ اطہر میں دفن نہیں ہونا چاہتی تھیں بلکہ اس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ آں موصوفہ دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ دفن ہونے کی خواہش رکھتی تھیں اور ان کے مقابلے میں اپنی برتری اور تعریف ہرگز پسند نہیں کرتی تھیں جو روضۂ اطہر میں تدفین کی صورت میں انھیں حاصل ہوتی۔

"لا ازکّی بہ ابدا" کی وضاحت صحیح بخاری کی دوسری روایت سے ہو رہی ہے کہ "فانی اکرہ ان ازکّی......" میں یہ بات پسند نہیں کرتی کہ دیگر ازواج مطہرات کے مقابلے میں مجھے کوئی برتر مقام دیا جائے یا میری تعریف کی جائے...... اسی مفہوم پر صحیح بخاری کی تیسری روایت سے مزید روشنی پڑتی ہے کہ آں موصوفہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنی مدح و تعریف کے خوف سے عیادت کے لیے اجازت دینے میں تامل کیا تھا۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے جانے کے بعد انھوں نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے اس کا اظہار بھی کر دیا تھا کہ "دخل ابن عباس فاثنٰی علیّ وددت انی کنت نسیا منسیا" ابن عباس آئے انھوں نے میری تعریف کی مگر میں تو یہ چاہتی ہوں کہ میں معدوم محض ہوتی۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق فرمایا اے کاش! میں پتھر ہوتی! اے کاش! میں کسی جنگل کی جڑی بوٹی ہوتی...... یہ سب کچھ کسی "جرم" کی بنا پر نہیں بلکہ بطور خشیت الٰہی، عاجزی، فروتنی اور بطور تواضع تھا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ "لا ازکی بہ ابدا" کے تحت لکھتے ہیں:

((ای لا یثنی علی بسببه ویجعل لی بذلك مزیة وفضل وانا فی نفس الامر یحتمل ان لا اکون كذلك وهذا منها علی سبیل التواضع وهضم النفس))

(فتح الباری ص ۲۵۸ ج ۳ کتاب الجنائز تحت الحدیث)

مشہور مورخ اکبر شاہ خان نجیب آبادی نے قتل عائشہ کی نسبت مروان کی طرف کی۔ جس سے دشمنان معاویہ کا موقف مزید مضبوط ہو گیا ناقدین کا کہنا ہے کہ مروان نے یہ کارروائی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم کی تعمیل میں کی...... تعجب ہے کہ اکبر شاہ خان نجیب آبادی جیسا نقاد مورخ ایک لغو، بے بنیاد اور موضوع روایت سے اپنا دامن محفوظ نہ رکھ سکا:

"۵۷ھ میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فوت ہو کر جنت البقیع میں مدفون ہوئیں...... آپ مروان کی مخالفت کیا کرتی تھیں کیونکہ اس کے اعمال اچھے نہ تھے۔ مروان نے ایک روز دھوکے سے دعوت کے بہانے بلا کر ایک گڑھے میں جس میں ننگی تلواریں اور خنجر وغیرہ رکھ دیے تھے آپ کو گرا دیا۔ آپ بہت ضعیف اور بوڑھی تھیں، زخمی ہوئیں اور ان ہی زخموں کے صدمے سے فوت ہو گئیں۔" (تاریخ اسلام ص ۳۴ ج ۲)

اہل تشیع نے تو صرف گڑھے کا ذکر کیا تھا لیکن موصوف نے اس گڑھے میں ننگی تلواریں اور خنجر بھی رکھوا دیے...... اکبر شاہ خان صاحب نے یہ وضاحت نہیں کی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زخمی ہونے کے کتنے عرصے بعد فوت ہوئیں اور اس واقعہ پر ام المومنین کے روحانی فرزندوں نے کس ردعمل کا اظہار کیا؟ اگر یہ عبارت الحاقی نہیں ہے تو پھر موصوف سے بہت بڑی خطا واقع ہوئی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر قتل عائشہ کا الزام درایتاً بھی غلط ہے کیونکہ وہ آن موصوفہ کا پورا پورا اکرام و احترام کرتے تھے اور صدق دل سے ان کی فضیلت وعظمت کے قائل تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ بروایت عبداللہ بن وردان حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک قول نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا "ان من الناس من لا یرد علیه امره وان عائشة منهم" کہ بعض لوگوں کی عظمت کا یہ مقام ہوتا ہے کہ ان کی بات کو ان پر لوٹایا اور رد نہیں کیا جا سکتا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان ہی لوگوں میں سے ہیں۔ (التاریخ الکبیر ص ۲۲۰ ج ۳)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی خدمت میں ہدایا اور وظائف بھیجتے تھے اور وہ انھیں قبول فرما لیتی تھیں۔ بعض اوقات ایک ایک لاکھ کی رقم ہدیہ کرتے تھے اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً دس دس اور پانچ پانچ ہزار کی رقوم ارسال کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے منکدر بن عبداللہ کو دس ہزار کی رقم دینی چاہی لیکن اس وقت ان کے پاس رقم نہ تھی حسن اتفاق سے اسی دن شام کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ارسال کردہ رقم پہنچی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے منکدر کو بلوا کر اس میں سے دس ہزار کی رقم انھیں دے دی۔

ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک قیمتی ہار بھیجا جو اس وقت ایک لاکھ درہم کا تھا۔ آپ نے قبول کر کے اسے دیگر امہات المومنین رضی اللہ عنہن میں تقسیم فرما دیا۔

ایک دفعہ یوں بھی ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھیجے گئے ایک لاکھ درہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے فقراء میں بانٹ دیے۔ ایک خادمہ نے عرض کیا کیا اچھا ہوتا اگر آپ ان دراہم میں سے ایک درہم کا ہی ہمارے لیے گوشت خرید لیتیں۔ یہ سن کر سیدہ نے فرمایا "لو قلت قبل ان افرقها لفعلت" اگر تم نے یہ بات درہم بانٹنے سے قبل کہی ہوتی تو میں ایسا ضرور کرتی۔

(حلیۃ الاولیاء ص ۴۷ ج ۲ تذکرہ عائشہ)

راجح قول کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات ۱۷ رمضان المبارک ۵۸ھ میں ہوئی۔ اور تاریخ کی کسی کتاب میں یہ ذکر نہیں ملتا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۵۸ھ میں مدینہ کا سفر اختیار کیا تھا۔

کنواں کھدوا کر، اس میں ننگی تلواریں اور خنجر رکھ کر، اسے خس و خاشاک سے ڈھانپ کر، اس پر آبنوس کی کرسی بچھا کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو زخمی کر دیا جائے تو اس مقدس ماں کے لاکھوں روحانی فرزند خاموش رہیں یہ

کیونکر ممکن ہے؟

کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دعوت کھانے کے لیے تنہا تشریف لے گئی تھیں یا ان کے ساتھ کوئی خادمہ یا دیگر کوئی خاتون بھی تھی؟ پھر جب موصوفہ گھر میں داخل ہوئیں تو کیا وہاں صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یا جناب مروان رضی اللہ عنہ اکیلے تھے؟ یا ان کے ساتھ دیگر افراد (مرد وخواتین) بھی موجود تھے؟ اگر خواتین بھی موجود تھیں تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے ساتھ کیوں نہیں بیٹھیں؟

صحیح بخاری اور دیگر کتب سیر سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی وفات سے قبل اپنے حقیقی بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو اپنی تدفین کے متعلق باقاعدہ وصیت کی۔ جس کے مطابق ان کی تدفین عمل میں آئی۔ اگر اس قسم کا کوئی واقعہ ہوا ہوتا تو موصوفہ اس کا ضرور ذکر کرتیں۔ یا کم از کم حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اس واقعہ کے خلاف ضرور بھرپور احتجاج کرتے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے کچھ متروکات چھوڑے جن میں ایک جنگل بھی تھا یہ ان کی بہن سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے حصے میں آیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہ جنگل تبرکاً ایک لاکھ درہم میں ان سے خریدا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے یہ رقم اپنے عزیزوں میں تقسیم کر دی۔ (صحیح بخاری باب ہبۃ الواحد للجماعہ)

اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو کنویں میں گرا کر قتل کیا ہوتا تو ان کی حقیقی بہن سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا ان کا ترکہ (جنگل) امیر المومنین کے سپرد کیوں کرتیں اور آں محترم اس ترکہ کو تبرکاً کیوں خریدتے؟

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ اہل سنت اور اہل تشیع کے متفقہ قول کے مطابق سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی موت بوجہ بیماری اور طبعی طور پر ہوئی...... موصوفہ کی نماز جنازہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (جو حضرت مروان رضی اللہ عنہ کے نائب تھے) نے پڑھائی اور انھیں ان کی وصیت کے مطابق جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یا جناب مروان رضی اللہ عنہ پر قتل عائشہ کا الزام سراسر بے بنیاد، لغو اور خلاف واقعہ ہے۔

(۸۴) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو تمکین دین حاصل نہیں تھی

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انھیں ''تمکین دین'' کی نعمت حاصل نہیں تھی۔

چنانچہ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''باقی رہے امیر معاویہ، ہر چند ان کو بظاہر تمکین میسر آئی لیکن وہ حقیقت میں تمکین دین نہ تھی تمکین ملک وسلطنت تھی۔ چنانچہ واقعات فن سیر پر پوشیدہ نہیں کہ خلفائے اربعہ کے اطوار اور انداز اور امیر معاویہ کے اطوار وانداز میں زمین وآسمان کا فرق تھا۔ ان کی گزران فقیرانہ اور زاہدانہ تھی اور امیر معاویہ کا طور ملوک کا سا تھا۔ اس لیے اہل سنت ان کو باوجودیکہ صحابی سمجھتے ہیں خلفاء میں نہیں گنتے۔ ملوک میں شمار کرتے ہیں لیکن ملوک، ملوک میں بھی فرق ہے.....'' (ہدایۃ الشیعہ ص ۵۰)

جناب سید ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں کہ:

''بنی امیہ کے حسنات سیاسیہ وملکیہ سے کسی کو انکار نہیں..... پس ہم ان کی سیاست دینیہ کی برائی کرنے میں باک نہیں رکھتے۔ اور اسی طرح ان کے حسنات ملکیہ وسیاسیہ کے اعتراف میں بھی بخیل نہیں۔ لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ زید کے ذہین وطباع ہونے کے صلے میں اس کے شرب خمر وظلم وفسق کی بھی تعریف کریں یا چونکہ ایک شخص خوش تقریر ہے لہٰذا کوئی مضایقہ نہیں کہ اگر تارک صلوٰۃ بھی ہو۔ مقصد اصلی یہ ہے کہ بنی امیہ نے خلافت دینی کو جس کا عمود کار اتباع شریعت تھا محض حکومت وسیاست کی صورت میں تبدیل کر دیا اور جو بنیاد خلفائے راشدین نے رکھی تھی، اس کو اپنے اغراض نفسانیہ وہوائے شخصیہ پر قربان کر کے منہدم کر دیا۔

ظلم ومنکرات کا بازار گرم ہو گیا آزادیٔ رائے کو بزور شمشیر بند کرنا چاہا اور علی الخصوص سب سے پہلے تاریخ اسلام میں احکام شریعت پر اپنے اغراض نفسانیہ وسیاسیہ کو مقدم کرنے اور حسب ضرورت اس میں تحریف وتوجیہ نما کرنے کی بنیاد ڈالی۔ یہی بنیاد تھی جس پر بعد کو آنے والوں نے بڑی بڑی عمارتیں کھڑی کیں اور ہمیشہ کے لیے تاریخ اسلام اپنے ابتدائی سی سالہ عہد اصلی کو ماتم وحسرت کے ساتھ یاد کرتی رہی.....''

(الہلال ص ۳۶۲ ج ۲)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں پیچھے گزر چکی ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ کی خلافت نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ تھی بلکہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ تھی کیونکہ وہ صلح حسن کے نتیجے میں قائم ہوئی تھی اور صلح حسنؓ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب فرمایا ہے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے طور پر ارشاد فرمایا ہے۔ یہ فضیلت تبھی ثابت ہوگی جبکہ یہ صلح اللہ ورسول کی

پسندیدہ ہو اور وہ صلح چونکہ سپردگیِ خلافت کی صورت میں ہی وجود میں آئی لہٰذا اس کی یہ شکل بھی اللہ و رسول کی پسندیدہ ہی ہوگی۔ علاوہ ازیں آں محترم کو نعمت امن کے ساتھ ساتھ تمکین دین کی نعمت بھی حاصل تھی۔ کیونکہ ان کا دین بھی وہی تھا جو سابقہ خلفاء کا تھا۔ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے اس ارشاد کے ساتھ قطعاً اتفاق نہیں کیا جا سکتا کہ ''انھیں تمکین دین حاصل نہ تھی بلکہ تمکین ملک وسلطنت حاصل تھی اور ان کے اطوار و انداز میں اور خلفائے اربعہ کے اطوار وانداز میں زمین وآسمان کا فرق تھا۔''

علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((واما معاوية فهو ان لم يرتكب منكرا لكنه توسع فى المباحات))

(النبراس شرح لشرح العقائد ص ۵۱۱)

''مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کوئی منکر اور خلاف شرع کام ہرگز نہیں کیا تھا لیکن انھوں نے مباحات کے استعمال کرنے میں فراخی سے کام لیا۔''

توسع فی المباحات سے کون سی حدود ٹوٹ گئی ہیں اور دین میں کیا تبدیلیاں واقع ہوگئی ہیں؟ کیا اسے زمین وآسمان کا فرق کہا جا سکتا ہے؟

امام اہل سنت علامہ عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''اور تمکین دین ان کو حاصل تھی کیونکہ دین ان کا وہی تھا جو حضرات خلفائے ثلاثہ کا تھا۔''

(تحفہ خلافت ص ۲۵)

تو اب سوال یہ ہے کہ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے پیش رو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا دین مختلف تھا؟ آئیے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہی دریافت کر لیتے ہیں:

((والظاهر ان ربنا واحد ونبينا واحد و دعوتنا فى الاسلام واحدة لا نستزيدهم فى الايمان بالله والتصديق برسوله ولا يستزيدوننا......)) (نہج البلاغہ ص ۱۱۴ ج ۲)

''ظاہر ہے کہ ہمارا رب ایک ہے ہمارے نبی ایک ہیں اور ہماری دعوت اسلام ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کے رسول کی تصدیق کرنے میں نہ ہم ان سے زیادہ ہیں اور نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں۔ ہماری اور ان کی دینی حالت ایک جیسی ہے۔''

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو تمکین دین کی نعمت حاصل تھی۔ ان کا بھی وہی دین تھا جو ان کے پیش رو خلفاء کا تھا اور وہی دین ان کے عہد خلافت راشدہ میں غالب اور رائج تھا۔ اور یہی تمکین دین ہے جو دعائے نبوی کی برکت کا نتیجہ ہے...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا:

((اللهم علمه الكتاب ومكن له فى البلاد وقه العذاب)) (البدایہ والنہایہ ص ۱۲۱ ج ۸)

''اے اللہ! انھیں قرآن کا علم سکھا دے اور شہروں میں انھیں تمکین دے اور انھیں عذاب سے محفوظ رکھ۔''

محدث جلیل مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی پھر بادشاہی ہوگی اگر اس حدیث کے ضعف سے قطع نظر کر لی جائے جیسا کہ ناقدین حدیث نے تصریح کی ہے تو ایک دوسری حدیث میں یہ بھی ہے کہ اسلام کی چکی میرے بعد پینتیس یا چھتیس یا سینتیس سال تک چلتی رہے گی۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں ہوسکتا کہ ۳۷ سال کے بعد حکومت اسلام ختم ہو جائے گی۔ یہ تو واقعہ کے خلاف ہے بس یہی مطلب ہوسکتا ہے کہ اسلام اپنی پوری شان کے ساتھ صحیح طریقہ پر اتنی مدت تک رہے گا۔ تو اس میں سات سال خلافت معاویہ کے بھی شامل ہیں۔ پھر ان کو خلفاء سے الگ کیوں کر کیا جا سکتا ہے؟

نیز مسلم شریف کی حدیث صحیح میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دین اسلام معزز اور مضبوط رہے گا بارہ خلفاء تک جو سب قریش سے ہوں گے۔ ان بارہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یقیناً داخل ہیں کہ وہ صحابی ہیں اور ان کی خلافت میں اسلام کو عروج بھی بہت تھا۔ فتوحات بھی بہت ہوئیں۔'' (براءۃ عثمان ص ۵۷)

صحیح بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ بے شک یہ امر خلافت قریش کے ہاتھ میں باقی رہے گا جو شخص ان سے دشمنی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے منہ کے بل گرا دے گا۔ (یہ امر ان کے پاس اس وقت تک رہے گا) جب تک وہ دین کو قائم کرتے رہیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات اور دعاؤں کا تعلق اس ارشاد باری کے مطابق تھا کہ

﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ (حج :۴۱)

''وہ لوگ اگر ہم انھیں ملک میں تمکین دیں تو وہ قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں اچھے کام کا اور منع کریں برائی سے۔''

جسے اس طرح کی تمکین حاصل ہو اسے ہرگز ہرگز تمکین ملک وسلطنت نہیں کہا جا سکتا۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((والجهاد فی بلاد العدو قائم وكلمة الله عالية والغنائم ترد اليه من اطراف الارض والمسلمون معه فی راحة وعدل وصفح وعفو)) (البدایہ والنہایہ ص ۱۱۹ ج ۸)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں دشمنوں کے ممالک میں جہاد جاری رہا، اللہ کا کلمہ سربلند رہا اور

اطراف واکناف سے غنائم کی ریل پیل تھی اور مسلمان ان کے زیر سایہ راحت وعدل اور عفو ودرگزر کی زندگی بسر کرتے رہے۔''

مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تمکین ملک وسلطنت کا تو اقرار کیا ہے لیکن تمکین دین کی نفی کی۔ سطورِ بالا سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تمکین دین کا تو کسی صورت انکار کیا ہی نہیں جا سکتا جبکہ تمکین ملک وسلطنت کا انکار تو اپنوں سمیت غیروں نے بھی نہیں کیا۔ شاید یہ حضرات آیت تمکین پر غور نہیں فرما سکے۔ اس آیت میں تمکین فی الارض اور تمکین فی الدین دونوں کا ذکر ہے۔ چونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ دونوں تمکینیں حاصل ہوئی تھی اس لیے ان کی خلافت ''آیت تمکین'' کی مکمل طور پر مصداق ہے۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ''تمکین فی الارض'' حاصل نہیں تھی جس کا قرآن میں صراحتاً ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا ''تمکین دین'' کی نفی کی طرح یہ استدلال بھی انتہائی ضعیف ہے کہ ''خلفائے اربعہ کے اطوار اور انداز اور امیر معاویہؓ کے اطوار وانداز میں زمین وآسمان کا فرق تھا۔ ان کی گزران فقیرانہ اور زاہدانہ تھی اور امیر معاویہؓ کا طور ملوک کا سا تھا۔''

سوال یہ ہے کہ ''اطوار وانداز اور فقیرانہ وغریبانہ'' گزران کے ساتھ ''تمکین دین'' کا کیا تعلق ہے؟ کیا دین اسلام فقیرانہ گزران کا نام ہے؟ پھر کیا پوری جماعت صحابہؓ میں آسودگی وخوش حالی صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہی حاصل ہوئی تھی؟ جب یہ حقیقت ہے کہ یہ آسودگی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی بڑھ کر دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو حاصل ہوئی ہے تو کیا ان سب کو غیر متمکن فی الدین کہا جا سکتا ہے؟ پھر تمکین دین اور تمکین ملک وسلطنت کے فرق کا کیا فائدہ ہوا؟

(۸۵) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آخری وصیت میں بھی دنیوی مفاد پیش نظر رکھا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انھوں نے وفات سے پہلے جو وصیت کی اس میں بھی دنیوی مفاد کو پیش نظر رکھا۔ چنانچہ پروفیسر سید ذوالقرنین زیدی لکھتے ہیں کہ:

''جب ان کی حالت بگڑ گئی تو انھوں نے یزید کے نام وصیت لکھی: بیٹا میں نے تمھارے لیے حکومت اور حکمرانی کا پورا بندوبست کر دیا ہے مشکل امور کو تمھارے پیروں کے نیچے روند دیا ہے۔ دشمنوں کو ذلیل کر دیا ہے اور عربوں کی گردنوں کو تمھارے لیے جھکا دیا ہے اور اس قدر مال و متاع جمع کیا ہے کہ کبھی کسی نے اتنا نہ جمع کیا ہو گا...... میں نہیں سمجھتا کہ امر خلافت میں قریش کے ان چار اشخاص کے سوا کوئی تم سے نزاع کرے گا حسین بن علی، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر۔ ابن عمر تو وہ آدمی ہیں جن کو عبادت نے تھکا دیا ہے، اور جب ان کے سوا اور کوئی شخص تمھارا مخالف نہ رہ جائے گا تو وہ بھی تم سے بیعت کر لیں گے۔ اگر حسین بن علی تمھارے خلاف اٹھیں اور تم ان پر قابو پا لو تو درگزر سے کام لینا کیونکہ وہ تمھارے قریبی رشتے دار ہیں۔ ابن ابوبکر لہو ولعب میں مشغول ہو جائیں یا عورتوں سے زیادہ لطف اٹھائیں ان کی زیادہ اہمیت نہیں۔ البتہ جو شخص شیر کی طرح تم پر حملہ کر کے پچھاڑنا چاہتا ہے اور تم سے لومڑی کی طرح مکاریاں اور فریب کرے وہ ابن زبیر ہے۔ اگر تم اس پر فتح پا لو تو اس کے ٹکڑے کر دینا۔''

(حضرت امیر معاویہ تاریخ کے آئینے میں، ص ۳۰۲)

اس وصیت نامے کا اصلی ماخذ ''اخبار الطّوال'' اور ''تاریخ طبری'' ہے۔ بعد کے مورخین نے بھی مکھی پر مکھی مارتے ہوئے اسے نقل کر دیا ہے۔ اخبار الطّوال ابوحنیفہ دینوری (متوفی ۲۸۲ھ) کی تالیف ہے اور اس کے شیعہ ہونے پر اہل تشیع کا اتفاق ہے۔ اسی طرح ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) بھی شیعہ ہے اس کے حالات پیچھے گزر چکے ہیں اور بقول مودودی صاحب اگر اسے شیعہ کہنا زیادتی ہے تو اسے کسی صورت میں ''سنی'' بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مودودی صاحب اور طبری دونوں میں ''بغض معاویہ'' ایک قدر مشترک ہے۔ اور جس شخص کے دل میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بغض ہو تو وہ ہرگز اہل سنت میں سے نہیں ہو سکتا۔

دینوری، ابومخنف اور طبری نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بدنام کرنے کے لیے اپنی پسند کا وصیت نامہ تیار کیا ورنہ ایسے موقع پر ایک عام مسلمان بھی دنیا سے بالکل غافل ہو جاتا ہے اور اس کا تمام تر دھیان و توجہ توبہ و استغفار اور معافی تلافی کی طرف ہوتی ہے۔ چہ جائیکہ ایک جلیل القدر صحابی اور مواخذۂ آخرت سے ہر وقت لرزہ براندام رہنے والے ایسے قیمتی اور نازک موقع پر دنیا کی طرف متوجہ ہوں؟

یہ وصیت نامہ سراپا جھوٹا اور من گھڑت ہے اس کے جعلی اور وضعی ہونے کا سب سے بڑا ثبوت حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کا اسم گرامی ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ وصیت بقول مورخین رجب ۶۰ھ میں ان کے مرض الموت میں قلم بند کی گئی۔ حیرت ہے کہ آں محترم جیسے صاحب بصیرت، حالات، افراد اور واقعات پر گہری نظر رکھنے والے عظیم مدبر اور سیاست دان کی زبان سے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کا نام لکھوایا جا رہا ہے جبکہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما ۵۳ھ میں وصیت نامہ تحریر ہونے سے سات سال پہلے فوت ہو چکے تھے...... کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے اہم ترین ''مخالف'' کی موت سے بے خبر تھے؟

علاوہ ازیں وصیت نامے میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما پر بدترین الزام بھی لگایا گیا ہے کہ انھیں ''عورتیں اور لہو ولعب'' کے سوا کسی بات کا خیال نہیں جبکہ ان کی ساری زندگی جہاد اور اللہ کا کلمہ سر بلند کرنے میں بسر ہوئی۔ اول تو وصیت کے وقت وہ دنیا ہی میں موجود نہیں تھے۔ اور اگر بالفرض زندہ بھی ہوتے تو اس وقت ان کی عمر اسّی سال سے بھی زائد تھی کیا یہ عمر کھیل کود، لہو ولعب اور عورتوں کے ساتھ دلچسپی کی ہوتی ہے؟ ان کا جرم صرف یہ ہے کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اور ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں۔ ان پر تبرا کیے بغیر دینوری، طبری اور سبائی برادری کس طرح چین سے بیٹھ سکتی ہے؟

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق بھی تکلف سے کام لیا گیا ہے انھوں نے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت کر لی تھی۔ ان سے تو کسی قسم کا کوئی خطرہ باقی ہی نہیں تھا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بارے میں وصیت نامہ وضع کرنے والے کذاب سبائی نے ''لومڑی کی طرح'' وغیرہ کے الفاظ استعمال کر کے ان سے جنگ جمل میں شرکت کا بدلہ لے لیا۔ وہ بہادر تو یقیناً تھے ہی مگر لومڑی کی طرح انھوں نے کبھی کوئی چال نہیں چلی۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ وصیت نامے میں تو یزید کو اس بات کی تاکید کی جا رہی ہے کہ عراق والوں کی ہر خواہش پوری کرنا۔ حتیٰ کہ اگر وہ روزانہ عاملوں کی تبدیلی کا مطالبہ کریں تو بھی پورا کرنا۔ مگر یزید نے اس وصیت کی کچھ پروا نہ کرتے ہوئے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما گورنر کوفہ کو ان کی نرم مزاجی کی بنا پر وہاں سے ہٹا کر عبیداللہ بن زیاد جیسے شخص کو ان کی جگہ گورنر مقرر کر دیا۔ جسے روزانہ تو کیا پوری زندگی میں تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ کیا کوفی ابن زیاد کے کردار اور انتظامات سے مطمئن تھے؟

اس پورے وصیت نامے میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے متعلق وصیت کے الفاظ کو صحیح قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ فریقین کی کتب میں بھی ان الفاظ کی تائید پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ملا باقر مجلسی لکھتا ہے کہ:

''جہاں تک حسین کا تعلق ہے تجھے معلوم ہی ہے کہ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنا گہرا تعلق قرابت ہے۔ وہ نبی کے جگر گوشے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گوشت اور خون سے ہی ان کی پرورش ہوئی ہے۔ میں

سمجھتا ہوں کہ اہل عراق انھیں ضرور ہی اپنے ہاں بلائیں گے مگر ان کی مدد نہیں کریں گے بلکہ انھیں تنہا چھوڑ دیں گے اگر تو ان پر قابو حاصل کرے تو ان کی حرمت کا خیال رکھنا۔ ان کا رتبہ اور پیغمبر کے ساتھ ان کی قرابت کو ہرگز نظر انداز نہ کرنا۔ اور انھوں نے جو کچھ بھی کیا ہو اس پر ان سے کوئی مواخذہ نہ کرنا اور وہ تعلقات جو میں نے ان سے ہمیشہ قائم رکھے ہیں ان کو ہرگز قطع نہ کرنا اور ایسا ہرگز نہ ہو کہ انھیں تمھاری طرف سے کوئی گزند پہنچے۔'' (جلاء العیون فارسی طبع ایران ص ۳۴۷، ۳۴۸)

مورخ طبری نے زیر بحث روایت ابی مخنف لوط بن یحیٰی کذاب کے حوالے سے نقل کی ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس وصیت نامے کو وضع کرنے والا ابو مخنف ہے اور اس کا مبلغ اعظم ابن جریر طبری شیعہ ہے۔ جسے مرنے کے بعد مسلمانوں کے قبرستان میں بھی دفن نہیں ہونے دیا گیا تھا۔ بعد کے مورخین نے اس کی اتباع و پیروی میں اس وصیت نامے کو بغیر کسی نقد یا جرح کے نقل کر دیا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے نفسی اور دنیا کے ساتھ عدم محبت کا تو یہ عالم تھا کہ انھوں نے اپنا نصف مال بیت المال میں جمع کرانے کی وصیت کی۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((ان معاوية لما احتضر اوصٰى بنصف ماله ان يرد الى بيت المال......))

(البدایہ والنہایہ، ص ۱۴۱ ج ۸۔ انساب الاشراف، بلاذری ص ۲۲ ج ۴)

کیا دنیوی مفاد کو پیش نظر رکھنے والا بھی اپنی آدھی دولت بیت المال میں جمع کرانے کا حکم دے سکتا ہے؟

وصیت نامے کے سلسلے میں عوفی نے بھی اپنی کتاب ''منتخب الحکایات'' میں ایک مضحکہ خیز روایت لکھی ہے...... وہ کہتا ہے کہ:

''حضرت معاویہ کا جب آخری وقت آیا تو اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ جب میرا جنازہ قبر پر رکھا جائے تو تم عمرو بن عاص سے استدعا کرنا کہ آپ ہمارے بزرگ ہیں لہٰذا آپ نماز جنازہ پڑھائیں پھر عرض کرنا کہ برکت کے لیے قبر میں بھی آپ ہی اتار دیں۔ جب وہ قبر میں اتر جائیں اور میری نعش رکھ دی جائے تو تلوار سونت کر کھڑے ہو جانا کہ اب تم قبر میں سے اس وقت تک نہیں نکل سکتے جب تک میری خلافت کی بیعت نہ کر لو۔

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ یزید نے جب تلوار سونت لی تو عمرو بن عاص نے امیر معاویہ کی لاش کی جانب منہ کر کے کہا: کیوں صاحب مرتے مرتے بھی چالاکی سے باز نہ آئے، اور پھر یزید کی بیعت کر لی۔''

دشمنان معاویہ کا عقل و درایت سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں انھیں تو صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہر صورت میں بدنام کرنا ہے۔ ورنہ کوئی معمولی عقل رکھنے والا بھی یہ وصیت نقل کرنے کا تصور نہیں کر سکتا۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی، رفیق، مشیر اور مصر کے گورنر بھی رہے ان سے تو عدم بیعت کا کوئی خطرہ نہیں ہوسکتا تھا پھر ان کے متعلق ایسی وصیت کا کیا معنیٰ؟

علاوہ ازیں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی وفات کے متعلق مختلف اقوال (۴۳ھ، ۴۷ھ، ۴۸ھ، ۵۱ھ) پائے جاتے ہیں لیکن طبری اور ابن کثیر نے راجح قول ۴۳ھ کا نقل کیا ہے۔ اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے طویل عرصہ پہلے انتقال کر گئے تھے۔ کیا وہ بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھانے، انھیں قبر میں اتارنے اور یہ حکایت وجود میں لانے کے لیے دوبارہ زندہ ہوکر دنیا میں تشریف لائے تھے؟

حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ساری زندگی اسلام کی ترقی اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے وقف رہی۔ حتیٰ کہ آخری وصیت میں بھی یہی جذبہ نمایاں ہے:

((كان اخر ما اوصاهم به معاويه ان شدوا خناق الروم......))

(تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۲۰ ج ا تحت ۶۰ھ)

''کہ رومیوں کے گلے گھونٹ کر رکھ دو۔''

ان کی اس وصیت سے بھی نصرانیت کے فلک بوس قلعوں میں شگاف پڑ گئے۔

امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بوقت وفات اپنے رخسار مٹی پر رکھتے اور روتے ہوئے یہ دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! آپ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ بیشک اللہ معاف نہیں کرتا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے۔ اور اس سے چھوٹے گناہ جس کے لیے چاہے معاف کر دیتا ہے۔ تو مجھے ان لوگوں میں شامل کر دیجیے جن کو آپ بخش دینا چاہیں گے۔ پھر گھر والوں سے مخاطب ہوئے کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ کرتہ، بال مبارک اور ناخن محفوظ ہیں جب میں مرجاؤں تو غسل کے بعد یہ بال اور ناخن میری آنکھوں کے حلقوں، نتھنوں اور سجدے کے مقامات پر رکھ دینا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتہ سینے پر رکھنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس چادر کو بھی بطور کفن استعمال کرنا جو میں نے حضرت کعب بن زہیر (رضی اللہ عنہ) کے ورثاء سے بیس ہزار درہم میں خریدی تھی۔ (یہ چادر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کو قصیدہ لامیہ پڑھنے پر بطور انعام عطا فرمائی تھی) اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((افعلوا ذلك بى وخلوا بينى وبين ارحم الراحمين)) (تہذیب الاسماء واللغات، نودی)

''کہ میری ان وصیتوں پر عمل کر کے مجھے ارحم الراحمین کے حوالے کر دینا۔''

امام ذہبی رحمہ اللہ نے یہ الفاظ روایت کیے ہیں کہ:

((فعسى الله ان يرحمنى ببركتها)) (تاریخ اسلام، ذہبی ص ۳۲۳ ج ۲)

''مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی ان اشیاء کی برکت سے میری مغفرت فرما دیں گے۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ بیماری کے دوران میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر غشی اور غنودگی طاری ہوگئی پھر جب افاقہ ہوا تو گھر والوں سے فرمایا:

((اغمیٰ علیه ثم افاق فقال لاهله اتقوا الله فان الله تعالیٰ یقی من اتقاه ولا یقی من لا یتقی ثم مات رحمه الله)) (البدایہ والنہایہ ص۱۴۲ ج۸)

''کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ جس شخص نے تقویٰ اختیار کیا اللہ تعالیٰ یقیناً اسے ہلاکتوں سے بچا لیتے ہیں اور جس نے تقویٰ اختیار نہ کیا تو اس کے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔''

حضرت کی تجہیز و تکفین وصیت کے مطابق عمل میں آئی۔ حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ صحابی رسول نے نماز جنازہ پڑھائی...... اس کے بعد یہ جلیل القدر صحابی، ارض عرب کے مدبر اعظم اور خلیفۃ المسلمین باب الصغیر دمشق میں سپرد خاک کر دیے گئے۔

اس تفصیل سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر دنیوی مفاد کا الزام، بے بنیاد، لغو اور خلاف واقعہ ہے۔

(۸۶) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی موت تارک سنت ہونے کی حالت میں ہوگی

ایک شیعہ مصنف نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ حدیث نقل کی کہ:

''ابھی ایک شخص (معاویہ) نمودار ہوگا۔ اس کی موت تارک سنت ہونے کی حالت میں ہوگی۔''

(المنتقی ص ۳۷۶)

امام ذہبی رحمہ اللہ اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:

''اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ حدیث کی صحت ثابت کیجیے اس لیے کہ اثبات صحت سے پہلے کوئی حدیث قابل احتجاج نہیں ہوسکتی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث باتفاق محدثین موضوع ہے اور کسی قابل اعتماد کتاب میں مندرج نہیں۔ علاوہ ازیں یہ حدیث بلا سند ہے اور اس سے احتجاج کرنے والے شیعہ مصنف نے بھی اس کی سند بیان نہیں کی۔ شیعہ مصنف کی جہالت کا بین ثبوت یہ ہے کہ اس کا راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ٹھہرایا ہے۔ بھلا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایسی حدیث کے راوی کیونکر ہو سکتے ہیں جس میں صحابہ کے معائب و مثالب بیان کیے گئے ہیں جبکہ آپ نے بہت سی احادیث روایت کی ہیں جن میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے مناقب بیان کیے گئے ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدح و ستائش میں معروف ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی رئیس (سردار) اور بردبار نہیں دیکھا۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی آپ سے بڑھ کر نہ تھے؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ان سے افضل تھے۔'' (المنتقی ص ۲۲۷)

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے بھی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:

((ما رأیت احدا بعد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اسود من معاویة))

''میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر سرداری کے لائق کسی کو نہیں پایا۔''

ان سے کہا گیا کہ خلفائے اربعہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ تو اس کے جواب میں فرمایا

((کانوا والله خیرا من معاویة وکان معاویة اسود منهم))

اللہ کی قسم! یہ لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر تھے لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں سرداری ان کی نسبت زیادہ تھی۔'' (الاستیعاب مع الاصابہ ص ۳۹۷ ج ۳۔ اسد الغابہ ج ۵ ص ۲۲۱۔ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۳۵)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول، فقیہ اور مجتہد تھے۔ "قد صحب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم...... اصاب انه فقيه" (صحیح بخاری باب ذکر معاویہ)

قبول اسلام کے بعد سفر وحضر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غزوات (حنین، طائف اور تبوک) میں شرکت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک حکم کی تعمیل میں تپتی ہوئی ریت پر ننگے پاؤں طویل سفر کیا۔ (الاصابہ ص۶۲۹ ج۳) جو یقیناً ان کی عظمت، اطاعت پیغمبر اور محبت رسول کی واضح دلیل ہے۔

شیخ شہاب الدین خفاجی رحمہ اللہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک یہ واقعہ ذکر کیا ہے کہ انھیں معلوم ہوا کہ بصرہ میں ایک شخص کابس بن ربیعہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کچھ مشابہت پائی جاتی ہے تو انھوں نے گورنر بصرہ حضرت عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ انھیں انتہائی احترام کے ساتھ میرے پاس بھیج دو۔ جب حضرت کابس بن ربیعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو انھوں نے بڑی گرم جوشی اور تعظیم وتکریم کے ساتھ آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ (نسیم الریاض شرح شفاء ص۶۳۴ ج۳)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ متبع سنت تھے کسی کو سنت کے خلاف کام کرتے دیکھتے تو فوراً منع کر دیتے تھے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگوں کو عصر کے بعد نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا تم یہ نماز پڑھتے ہو حالانکہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے ہیں ہم نے انھیں یہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا بلکہ عصر کے بعد ان دو رکعتوں سے منع کرتے سنا ہے۔ (صحیح بخاری باب ذکر معاویہ)

ایک مرتبہ دس محرم کو مدینہ میں منبر پر کھڑے ہو کر خطبے میں فرمایا "يا اهل المدينة! این علماء کم؟" اے اہل مدینہ! تمھارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ یہ یوم عاشوراء ہے اللہ نے اس کا روزہ تم پر فرض نہیں کیا ہے البتہ میں روزے سے ہوں۔ لہٰذا جو شخص چاہے روزہ رکھ لے اور جو نہ چاہے نہ رکھے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم کتاب الصوم)

علاوہ ازیں امور سنت معلوم کرنے کے لیے دیگر صحابہ کی طرف بھی رجوع کیا کرتے تھے۔ لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر "ترک سنت" کا الزام لغو، بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے۔ انھوں نے زندگی کی آخری سانس تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کے آثار سے محبت رکھی۔ حتیٰ کہ یہ وصیت بھی کی کہ میرے مرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کرتہ و چادر کو بطور کفن استعمال کرنا اور آپ کے بال اور ناخن میری آنکھوں کے حلقوں، نتھنوں اور مقامات سجدہ پر رکھ دینا۔ تو جو شخص آپ کے آثار سے مرنے کے بعد بھی تبرک حاصل کرنے کا خواہاں ہو وہ آپ کی سنتوں کا تارک کیسے ہو سکتا ہے؟

(۸۷) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی موت نفاق کی حالت میں ہوئی

سید مہر حسین بخاری لکھتے ہیں کہ:

''معاویہ کو آخر عمر میں لقوہ ہو گیا تھا۔ لقوہ ایک بیماری ہے جس سے منہ ٹیڑھا ہو جاتا ہے یہ معاویہ کے اعمال کی مکافات اور پاداش تھی۔ امیر المومنین علیہ السلام پر برسر منبر بھونکنے والوں کے منہ اس قابل ہیں کہ وہ ٹیڑھے ہو جائیں۔ بہرحال اب ہم اس بیماری کا تذکرہ کرتے ہیں جس سے معاویہ کی موت واقع ہوئی۔ مسلم نے روایت کیا کہ قیس بن عباد نے عمار بن یاسر سے پوچھا کہ تم علی کی حمایت میں اتنی سرگرمی کیوں دکھا رہے ہو؟ تو اس کا جواب حضرت عمار نے یہ دیا تھا کہ مجھے حضرت حذیفہ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بتایا تھا کہ میرے صحابہ میں بارہ منافق ہیں جو جہنم میں جائیں گے اور وہ دبیلہ سے مریں گے..... لغت عرب میں دبیلہ پھوڑے کو کہتے ہیں..... اہل عراق میں یہ بات مشہور تھی کہ معاویہ کو دبیلہ نے پکڑ لیا ہے اور یہ اسی مرض سے ہلاک ہو گا۔ ظن غالب یہ ہے کہ اہل عراق کو اس بات کا علم کہ معاویہ دبیلہ سے مرنے والے منافقین میں سے ایک ہے حضرت علی اور حضرت حذیفہ کے ارشادات کی وجہ سے ہوا ہو گا۔ حضرت عمار بن یاسر کی مذکورہ روایت کی روشنی میں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ معاویہ کی موت جناب صادق المصدوق رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق دبیلہ ہی سے ہوئی لہٰذا معاویہ کا مقام خود بخود متعین ہو گیا۔'' (سیاست معاویہ ص ۱۲۴، ۱۲۵)

معترض کے پیش کردہ حوالے میں کسی قبیلے، کسی گروہ یا کسی مخصوص شخص کا نام تک ذکر نہیں کیا گیا۔ پھر اس کا مصداق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو قرار دینا کسی یہودی اور مجوسی کا کام ہی ہو سکتا ہے حدیث کا مفہوم سمجھنے کے لیے اصل روایات ملاحظہ فرمائیں:

① قیس سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے پوچھا آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے معاملے میں جو ان کا ساتھ دیا یہ آپ کی رائے ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق کچھ فرمایا تھا؟ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا:

((ما عهد الينا رسول الله ﷺ شيئا لم يعهده الى الناس كافة ولكن حذيفة اخبرني عن النبي ﷺ قال قال النبي ﷺ في اصحابي اثنا عشر منافقا فيهم ثمانية لا يدخلون الجنة حتى يلج الجمل في سم الخياط ثمانية منهم تكفيهم الدبيلة واربعة لم احفظ ما قال شعبة فيهم)) (صحیح مسلم کتاب صفات المنافقین واحکامہم)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ایسی کوئی بات نہیں فرمائی جو اور عام لوگوں سے نہ فرمائی ہو لیکن حضرت

حذیفہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا کہ میرے اصحاب میں سے بارہ منافق ہیں ان میں سے آٹھ جنت میں نہ جائیں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں گھسے (یعنی ان کا جنت میں جانا محال ہے) اور ان میں سے آٹھ کو دبیلہ کافی ہوگا اور چار کے متعلق راوی حدیث اسود یہ کہتا ہے کہ ان کے متعلق جو کچھ شعبہ نے کہا مجھے یاد نہیں رہا۔“

یہ ملحوظ رہے کہ روایات میں ”دبیلہ“ کے علاوہ بھی مختلف الفاظ آئے ہیں جیسے ”نفاثات، ناقبات، اکلہ، لوقہ“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دُبیلہ کوئی حتمی چیز نہیں ہے۔

② ((قال فی امتی اثنا عشر منافقا لا یدخلون الجنة ولا یجدون ریحها حتی یلج الجمل فی سم الخیاط ثمانیة منهم تکفیهم الدبیلة سراج من النار یظهر فی اکتافهم حتی ینجم من صدورهم)) (حوالہ مذکور و مشکوۃ ص ۵۳۹ باب فی المعجزات)

”میری امت میں بارہ منافق ہیں جو جنت میں داخل نہ ہوں گے اور نہ اس کی خوشبو ہی پائیں گے یہاں تک کہ سوئی کے ناکے میں سے اونٹ نہ گزر جائے۔ ان میں سے آٹھ منافقوں کے شر اور فتنہ کو دبیلہ رفع کرے گا (دبیلہ پیٹ کا پھوڑا، طاعون، حادثہ، سختی) وہ آگ کا ایک شعلہ ہوگا جو ان کے مونڈھوں میں پیدا ہوگا۔“

③ ابوطفیل سے روایت ہے کہ عقبہ کے لوگوں میں سے ایک شخص اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے درمیان کچھ جھگڑا تھا جیسے لوگوں میں ہوتا ہے۔ وہ بولا میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اصحاب عقبہ کتنے تھے لوگوں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہا جب وہ پوچھتا ہے تو اس کو بتا دیں انھوں نے کہا ہمیں بتایا گیا ہے کہ وہ چودہ آدمی ہیں اور اگر تو بھی ان میں سے ہے تو پندرہ ہیں اور میں قسمیہ کہتا ہوں کہ ان میں سے بارہ تو اللہ اور اس کے رسول کے دنیا و آخرت میں دشمن ہیں۔ اور باقی تینوں نے یہ عذر کیا کہ ہم نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی (کہ عقبہ کے راستے سے نہ آؤ) کی آواز بھی نہیں سنی اور نہ اس قوم کے ارادہ کی ہمیں کچھ خبر ہے۔ اس وقت آپ سنگستان میں تھے۔ پھر کچھ چلے اور فرمایا بے شک پانی تھوڑا ہے اور مجھ سے پہلے کوئی آدمی پانی پر نہ جائے۔ جب آپ وہاں تشریف لے گئے تو کچھ لوگ وہاں پہنچ چکے تھے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن ان پر لعنت فرمائی۔ (صحیح مسلم کتاب صفات المنافقین واحکامہم)

اہل عقبہ منافقوں کی ایک جماعت تھی جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوۂ تبوک سے لوٹتے وقت آپس میں اتفاق کیا تھا کہ رات کے وقت عقبہ کی جگہ میں آپؐ پر اچانک حملہ کریں اور آپ کو سواری سے اٹھا کر گھاٹی کے نیچے پھینک کر مار ڈالیں اور ہمارا کسی کو حال معلوم نہ ہو جب آپ گھاٹی پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو منافقوں کے مکر سے آگاہ کر دیا اسی وقت آپ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ یہ اعلان کر دو کہ عقبہ

کے راستے سے کوئی نہ آئے اور بطن وادی جو بڑا وسیع اور آسان راستہ ہے وہاں سے گزر کر جائیں سب لوگوں نے حسب ارشاد بطن وادی کا راستہ لیا اور آپ نے حضرات عمار، حذیفہ اور حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہم کے ساتھ عقبہ کی راہ لی۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ آپ کے آگے آگے چلتے تھے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ پیچھے پیچھے۔ منافقوں نے آپ کے حکم کی تعمیل نہ کی اور عقبہ کے راستے سے غلط نیت کے ساتھ آپ تک پہنچ گئے۔ آپ کو ان کے پہنچنے کی خبر ہوگئی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ ان کی سواریوں کے منہ پر مارو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے لکڑی کے ساتھ سواریوں کو مارا اور کہا دور ہو جاؤ۔ منافقوں نے جان لیا کہ ہمارا مکر و منصوبہ آپ پر کھل گیا ہے لہٰذا وہ واپس بطن وادی میں دوسرے لوگوں سے جا ملے۔ آپ نے ان منافقوں اور ان کے باپوں کے نام اس وقت حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بتلا دیے تھے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ چونکہ آپ کے راز دار تھے۔ ان سب کو پہچانتے تھے لیکن آپ کا راز افشا نہ کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی ان منافقوں کا ذکر کیا ہے:

﴿يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۭ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝﴾

(التوبہ: ۷۴)

''قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ انھوں نے یہ نہیں کہا حالانکہ یقیناً انھوں نے کہی تھی کفر کی بات اور انھوں نے کفر اختیار کیا اسلام لانے کے بعد اور انھوں نے ارادہ بھی کیا ایسی چیز کا جسے وہ نہ پا سکے۔ اور نہیں انتقام لے رہے وہ مگر اس بات کا کہ انھیں اللہ نے اپنے فضل سے اور اس کے رسول نے غنی کر دیا۔ سو اگر وہ توبہ کر لیں تو یہ بہتر ہوگا ان کے لیے اور اگر وہ روگردانی کریں تو عذاب دے گا انھیں اللہ تعالیٰ دردناک عذاب دنیا اور آخرت میں اور نہیں ہوگا ان کا روئے زمین میں کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار۔''

مفسرین کرام نے اس آیت کی تفسیر میں غزوۂ تبوک کے موقع پر ان گھاٹی والے منافقوں کا ہی ذکر کیا جن کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

((هٰؤلاء المنافقون الى يوم القيٰمة))

''یہ ازلی بدبخت ہیں قیامت تک یہ منافق ہی رہیں گے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اس مقصد کے لیے آئے تھے کہ مجھے کھائی میں گرا دیں۔ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ان کے قتل کا حکم کیوں صادر نہیں فرما دیتے؟ حکیم نبی نے جواب دیا: نہیں میں اس بات کو

ناپسند کرتا ہوں کہ عرب یہ کہیں گے کہ محمد (ﷺ) ایک قوم کو ساتھ لے کر لڑتا رہا اب جب غالب آ گیا تو اسی قوم کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ پھر فرمایا:

((اللهم ارمهم بالدبيلة))

''اے اللہ! انھیں دبیلہ کا تیر مار۔''

ہم نے پوچھا یا رسول اللہ! دبیلہ کیا ہے؟ فرمایا:

((شهاب من نار يقع نياط قلب احدهم فيهلك)) (ضیاء القرآن ج۲ ص۲۳۴)

''یہ آگ کا شعلہ ہے جو ان کی رگ دل پر پڑے گا اور انھیں ہلاک کر دے گا۔''

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے جن لوگوں کی بسبب دبیلہ موت کی اطلاع دی تھی وہ اہل عقبہ یعنی منافقین تھے جن کا جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم سے قطعاً کوئی تعلق نہ تھا اسی لیے دوسری روایت میں ''امتی'' کا لفظ ارشاد فرمایا (یعنی امت دعوت) پہلی روایت میں جو ''اصحابی'' کا لفظ وارد ہوا ہے اس میں یہ بتانا مقصود تھا کہ یہ اہل عقبہ بارہ منافق بھاگ کر صحابہ کے پاس پہنچ گئے ہیں۔ یعنی صحابہ الگ ہیں اور منافق علیحدہ۔ جیسے یہ کہا جائے کہ ''گلاس میں پانی ہے'' تو گلاس اور پانی دونوں الگ الگ سمجھے جائیں گے۔ ان دونوں کو ایک نہیں سمجھا جا سکتا اسی طرح اگر بشرط صحت روایت یہ کہا بھی گیا ہو کہ فی اصحابی اثنا عشر منافقا (کیونکہ دوسری روایت میں راوی نے شک کا اظہار کیا ہے، یہ فرمایا تھا یا یہ: فی امتی اثنا عشر منافقا) تو بھی ان دونوں کا الگ الگ ہونا مراد ہے یہ ہرگز مراد نہیں کہ العیاذ باللہ ''میرے صحابہ میں سے بارہ منافق ہیں'' کیونکہ صحابی منافق نہیں ہو سکتا اور منافق صحابی نہیں ہو سکتا۔

بہر حال رسول اللہ ﷺ نے ان بارہ منافقوں کے ناموں اور سبب ہلاکت سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو آگاہ کر دیا تھا اب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا اپنا بیان ملاحظہ فرمائیں:

((عن حذيفة انه ﷺ عرفه اياهم وانهم هلكوا كما اخبره الرسول صلوت الله وسلامه عليه)) (البدایہ والنہایہ ص۲۱ ج۵ تحت غزوۃ النبی احوال المنافقین و مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ملا علی قاری ص۲۰۶ ج۱۱)

''حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں منافقوں کی پہچان کرائی اور وہ اسی طرح ہلاک ہوئے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق اطلاع دی تھی۔''

اس سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ جن منافقوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو باخبر کیا تھا کہ وہ اہل عقبہ میں سے ہیں اور ان میں سے آٹھ کی موت دبیلہ سے ہو گی وہ سارے منافق آپ کی پیش گوئی کے عین مطابق ہلاک ہو گئے اور اس کی شہادت خود حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دی۔ گویا کہ وہ منافق جن کا ذکر مذکورہ روایات میں آیا ہے وہ سارے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے جبکہ خود

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے متعلق صاحب مشکوٰۃ ''الاکمال فی اسماء الرجال'' میں لکھتے ہیں کہ:

''حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ ۳۵ھ میں یا ۳۶ھ میں مدائن میں فوت ہوئے اور ایک قول کے مطابق شہادت عثمان کے چالیس دن بعد وفات پائی۔'' (مشکوٰۃ ص ۵۹۰ حرف الحاء تحت حذیفہ بن الیمان)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان روایات کا مصداق کیونکر ہو سکتے ہیں ان کی وفات تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بھی پچیس سال بعد ہوئی۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ روایات میں اہل عقبہ کی تعداد بارہ یا تیرہ یا پندرہ بیان ہوئی ہے مورخین و مفسرین نے ان ''اصحاب عقبہ'' کے نام مع ولدیت لکھ کر ان کے خلاف ایف آئی آر (F.I.R) بھی کٹوادی ہے۔ ان میں کہیں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام نہیں ہے اور نہ بعد میں کسی مورخ یا مفسر نے کسی ''تھانے'' یا ''عدالت'' میں ان کا نام شامل کرنے کی درخواست دی تو کیا چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد کوئی عدالت اس بات کی مجاز ہے کہ وہ ایف آئی آر سے باہر کسی شخص کے خلاف لغو اور سراسر بے بنیاد مقدمہ کی سماعت کرے؟

جن مورخین اور مفسرین نے واقعہ عقبہ کا ذکر کیا ہے انھوں نے خود ہی ان کے نام بھی ایک مستقل عنوان یعنی ''اصحاب عقبہ کے نام'' کے تحت ذکر کر دیے ہیں اور دوسروں کو انھیں تلاش کرنے کی زحمت ہی نہیں دی۔

چنانچہ مشہور مورخ و مفسر امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طبرانی میں ان کے نام یہ ہیں:

① معتب بن قشیر ② ودیعہ بن ثابت ③ جد بن عبداللہ بن نبیل بن حارث جو عمرو بن عوف کے قبیلے کا تھا ④ حارث بن یزید طائی ⑤ اوس بن قیظی ⑥ حارث بن سوید ⑦ سفیہ بن دراہ ⑧ قیس بن فہر ⑨ سوید (از قبیلہ بنو جعلی) ⑩ داعس (از قبیلہ بنو جعلی) ⑪ قیس بن عمرو بن سہل ⑫ زید بن لصیت ⑬ سلالہ بن ہمام

(تفسیر ابن کثیر دسواں پارہ، سورہ توبہ تحت آیت ۷۴)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''صحیح مسلم میں ہے کہ اہل عقبہ میں سے ایک شخص کے ساتھ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا کچھ تعلق تھا تو اس سے آپ نے قسم دے کر اصحاب عقبہ کی گنتی دریافت کی۔ لوگوں نے بھی اس سے کہا کہ ہاں بتلا دو۔ اس نے کہا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ وہ چودہ تھے اگر مجھے بھی شامل کیا جائے تو پندرہ ہوئے۔ ان میں سے بارہ تو دشمن خدا اور رسول ہی تھے اور تین شخصوں کی اس قسم پر کہ نہ ہم نے منادی کی ندا سنی، نہ ہمیں جانے والوں کے ارادے کا علم اس لیے معذور رکھا گیا۔'' (حوالہ مذکور)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عقبہ میں ان بارہ منافقوں کی سواریوں کو مارتے ہوئے ان سے کہا تھا کہ دفع ہو جاؤ۔ اس پر وہ بھاگ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا یہ کون لوگ تھے؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ انھوں نے اپنے چہرے چھپائے ہوئے تھے۔ میں پہچان نہیں سکا لیکن میں نے ان کی سواریوں کو

پہچان لیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے ان افراد اور ان کے باپوں کے نام سے آگاہ کر دیا ہے اور میں تمھیں ان سے باخبر کر دوں گا۔ اسی لیے لوگ منافقوں کے معاملے میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کرتے تھے۔

اسی غزوۂ تبوک کے موقع پر قیصر روم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک خط روانہ کیا۔ قاصد کا بیان ہے کہ:

((فاتیت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وهو مع اصحابه وهم محتبون بحمائل سیوفهم حول بئر تبوك فقلت ایکم محمد؟ فاوماء بیده الی نفسه فدفعت الیه الکتاب فدفعه الی رجل الی جنبه فقلت من هذا فقالوا معاویة بن ابی سفیان فقرأه ما ذا فیه......))

(مسند ابی یعلی الموصلی ص۱۷۱ ج۳ تحت عنوان رسول قیصر)

''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور وہ اپنے اصحاب کے ساتھ اپنی تلواریں حمائل کیے ہوئے تبوک کے چشمے کے گرد بیٹھے تھے تو میں نے کہا تم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کے ساتھ اپنی طرف اشارہ کیا پس میں نے انھیں خط پیش کر دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ خط اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک شخص کو پڑھنے کے لیے دیا۔ میں نے کہا یہ کون ہیں؟ تو انھوں نے کہا معاویہ بن ابی سفیان اور انھوں نے وہ خط پڑھ کر سنایا۔''

اگر ''فی اصحابی اثنا عشر منافقا'' میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں اپنے پہلو میں کیسے بٹھا سکتے تھے، ان سے خط کیوں پڑھواتے؟ بلکہ ان کے خلاف تو آپ کو ﴿ یَاۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ ﴾ کے تحت جہاد کرنا چاہیے تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے برعکس کام کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو نجران پر عامل مقرر کیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کاتب وحی اور امور مہمان داری کا وزیر مقرر کیا اور انھیں اپنی مستجاب دعاؤں سے نوازا:

① ((اللهم اجعله هادیا مهدیا واهدبه)) (جامع ترمذی باب مناقب صحابہ)

② ((اللهم علمه الکتاب والحساب وقه العذاب)) (کنز العمال ص۸۷ ج۷)

③ ((اللهم علمه الکتاب ومکن فی البلاد وقه العذاب)) (البدایہ والنہایہ ص۱۲۱ ج۸)

④ ((اللهم املأه علما و حلما)) (التاریخ الکبیر، امام بخاری ص۱۸۰ ج۴)

⑤ ((یا معاویة ان ولیت امرا فاتق الله واعدل)) (تطہیر الجنان ص۱۵)

⑥ ((فان الله ورسوله یحبانه)) (حوالہ مذکور ص۱۴)

دعائے نبوی کے متعلق ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((ولا ارتیاب ان دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم مستجاب فمن کان ھذا حالہ کیف یرتاب فی حقہ)) (مرقات ص ۴۳۸ ج ۱۱ باب جامع المناقب)

''اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول ہوتی ہے تو جس شخص کے حق میں یہ دعائیں ہوئی ہیں تو اس کے حق میں ان دعاؤں کی قبولیت میں کیسے شبہ کیا جا سکتا ہے۔''

علاوہ ازیں ''کتابت وحی'' کے شرف سے آں محترم کا مومن کامل ہونا خود بخود ثابت ہو گیا...... (اور یہ شرف وہ ہے کہ جس کا انکار اہل تشیع بھی نہیں کر سکے) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بعید ہے کہ وہ یہ اہم ترین اور خالص دینی ذمہ داری کسی غیر مومن کے سپرد کرتے۔

• حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عیسائیوں کے خلاف جہاد کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کا امیر بنا کر روانہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں گورنر کے منصب پر فائز فرمایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بارہ سال تک انھیں اسی عہدے پر بحال رکھا۔

حیرت ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نفاق کا علم نہیں ہو سکا اور نہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ (جو منافقین کی پہچان میں خصوصی مہارت رکھتے تھے) نے ان حضرات کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نفاق کے بارے میں آگاہ کیا۔ بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی یہ اعلان کر کے آں محترم کے ساتھ مصالحت کر لی:

((ان ربنا واحد ونبینا واحد ودعوتنا فی الاسلام واحدۃ لا نستزیدھم فی الایمان باللہ والتصدیق برسولہ ولا یستزیدوننا......)) (نہج البلاغہ ص ۱۱۴ ج ۲)

''یقیناً ہمارا رب ایک ہے ہمارے نبی ایک ہیں اور ہماری دعوت اسلامی بھی ایک ہے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے میں اور اس کے رسول کی تصدیق کرنے پر نہ ہم ان سے زیادہ ہیں اور نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں۔ ہماری اور ان کی دینی حالت ایک جیسی ہے۔''

بعد ازاں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان کے حق میں خلافت سے دستبرداری کے بعد ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے آں محترم کو امیر المومنین تسلیم کر لیا۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((قد اتفق الناس علی ان معاویۃ کان احسن اسلاما...... ولم یتھم احد من الصحابۃ والتابعین معاویۃ بنفاق)) (منہاج السنۃ ص ۱۷۹ ج ۴)

''لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایمان اچھا تھا اور صحابہ و تابعین میں سے کسی نے بھی انھیں نفاق کے ساتھ متہم نہیں کیا۔''

مزید برآں...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا ''دبیلہ'' یعنی پھوڑے سے ہونا بھی بالکل لغو ہے۔ مہر حسین بخاری نے لکھا ہے کہ ''اہل عراق میں یہ بات مشہور تھی کہ معاویہ کو دبیلہ نے پکڑ لیا ہے اور یہ اسی مرض

سے ہلاک ہوگا۔'' (سیاست معاویہ ص۱۲۶)

یہ اہل عراق کون تھے؟ اہل شام جہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قیام پذیر تھے وہاں یہ خبر کیوں مشہور نہ ہوئی؟ اہل حجاز اس اہم خبر سے کیونکر بے خبر رہ گئے؟ اس ضمن میں ابن قتیبہ کا یہ حوالہ پیش کیا جاتا ہے کہ:

''ابن اسحاق کا بیان ہے کہ ان کی عمر اٹھتر برس تھی۔ پھوڑے کے نکلنے کے سبب سے انھوں نے انتقال کیا۔'' (کتاب المعارف تحت معاویہ بن ابی سفیان)

ابن اسحاق کا مفصل حال پیچھے زیر عنوان ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ معراج جسمانی کے منکر تھے'' گزر چکا ہے یہ بزرگ کذاب، معتزلی، قدری اور مجوسی تھے۔ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اس کے بیان کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟

اس تفصیل سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف یہ الزام کہ ان کی موت حالت نفاق پر ہوئی بالکل لغو، بے بنیاد، خلاف واقعہ اور مجوسیوں، سبائیوں اور یہودیوں کا عائد کردہ ہے۔[1]

---

[1] زیر بحث اعتراض کی مزید تفصیل کتاب کی ابتداء میں زیر عنوان ''حضرت معاویہؓ کا اسلام نفاق پر مبنی تھا'' ملاحظہ فرمائیں۔

(۸۸) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نصرانی ہو کر فوت ہوئے

ڈاکٹر نور حسین جعفری کربلائی سیالوی لکھتا ہے کہ:

''معاویہ نے مرتے وقت گلے میں نصاریٰ کی صلیب لٹکائی اور نصرانی ہو کر مرا...... معاویہ بیمار ہوئے تو ان کو ایک طبیب نے دیکھا اور کہا تم کچھ نہ ڈرو اچھے ہو جاؤ گے۔ وہ اچھے ہو گئے اور پھر بیمار ہوئے پس ایک نصرانی آیا اور کہا کہ میرے پاس ایک تعویذ ہے کہ جو اس کو لٹکائے وہ اچھا ہو جاتا ہے۔ معاویہ نے لے کر اس کو اپنے گلے میں لٹکا لیا۔ پس طبیب اول نے آ کر دیکھا اور چلا گیا اور کہا کہ یہ اب ضرور مر جائیں گے۔ پس معاویہ اسی رات کو مر گئے لوگوں نے طبیب سے سبب پوچھا طبیب نے کہا ہم کو امیر المومنین علی المرتضیٰ علیہ السلام سے خبر پہنچی ہے کہ معاویہ نہ مرے گا جب تک اپنے گلے میں صلیب نہ لٹکائے گا۔ اور یہ تعویذ جو ان کے گلے میں تھا اس پر صلیب کی صورت بنی ہوئی تھی۔ پس ہم نے یقین جان لیا کہ اب یہ ضرور مر جائیں گے۔''

(ثبوت خلافت ص ۲۵۸ ج ۲ بحوالہ محاضرات راغب اصفہانی و خصائل معاویہ ص ۵۵۲)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تقریباً چالیس سال تک بحثیت گورنر اور بحثیت خلیفہ اپنے فرائض انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام دیے۔ انھوں نے اپنے دور امارت و خلافت میں اس قدر تمدن آفرین کارنامے انجام دیے ہیں جو ایک مستقل کتاب کے متقاضی ہیں۔ انھوں نے تاریخ اسلام میں سب سے پہلے اسلامی بحریہ قائم کی جہاز سازی کے کارخانے بنائے اور دنیا کی سب سے زبردست رومن بحریہ کو شکست دی، آب نوشی اور آب پاشی کے لیے نہریں کھدوائیں، ڈاک خانوں کی تنظیم کی، طب اور علم الجراحت کی تعلیم کا انتظام کیا اور دمشق میں سب سے پہلا اقامتی ہسپتال قائم کیا۔

حیرت ہے کہ آں موصوف کو اپنے ذاتی علاج کے لیے کوئی قابل اعتماد طبیب نہ مل سکا اور ایک مجوسی، رافضی اور سبائی طبیب کے علاوہ تعویذ گنڈے کے لیے بھی انھوں نے ایک عیسائی کی خدمات حاصل کر لیں یہ کیونکر ممکن ہے؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ساری زندگی دشمنان اسلام کے خلاف برسرپیکار رہے بالخصوص مجوسیوں اور نصرانیوں و عیسائیوں کے خلاف اپنے دل کے ارمان خوب پورے کیے...... رومیوں کے خلاف آپ کے جذبہ جہاد کا آپ کی آخری وصیت سے بھی بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ''شدوا خناق الروم'' رومیوں کے گلے گھونٹ کر رکھ دو۔

شاید اسی وصیت کے جواب میں ایک عیسائی اور ایک مجوسی طبیب کو ''درآمد'' کیا گیا جن کی حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ دشمنی وعداوت نہایت واضح ہے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گلے میں ایک عیسائی کے تعویذ کو لٹکتا ہوا بھی ایک رافضی طبیب دیکھ رہا ہے...... آں موصوف کو مارنے کی یہ ترکیب کتنی آسان تھی۔ معلوم نہیں کہ اس عیسائی کی خدمات کو جنگ صفین کے موقع پر کیوں نہیں حاصل کیا گیا؟

رئیس المناظرین ڈاکٹر نور حسین جعفری نے اس عجیب وغریب داستان کے لیے ''محاضرات'' مصنفہ راغب اصفہانی کا حوالہ دیا ہے اہل تشیع ''محاضرات'' کو ''اہل سنت کی معتبر کتاب'' کا نام دیتے ہیں ملاحظہ ہو (جواز متعہ از اثیر جاڑوی ص ۶۸ اور قول مقبول از غلام حسین نجفی ص ۵۵۳) تو آیئے دیکھتے ہیں کہ یہ ''بزرگ'' فی الحقیقت کون ہیں؟

''محاضرات'' کوئی حدیث، سیرت اور فقہ کی کتاب نہیں ہے بلکہ یہ بنیادی طور پر عربی ادب کی کتاب ہے۔ اس کے مولف کا پورا نام حسین بن محمد الراغب اصفہانی ہے۔ یہ ''بزرگ'' شیعہ مذہب کے بہت بڑے عالم ہیں۔ اس ''بزرگ'' نے سیدہ اسماء بنت ابی بکر اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما (یکے از عشرہ مبشرہ) کے نکاح دائمی کو ''متعہ'' ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔ (محاضرات ص ۹۴ ج ۲) اسی طرح اس نے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ جیسے محدث وفقیہ پر لواطت (مفعولیت) کی تہمت بھی لگائی۔ (محاضرات ص ۱۹۹ ج ۱)

شیعہ مجتہد محسن الامین لکھتا ہے کہ:

''راغب اصفہانی کے شیعہ ہونے کے متعلق ''الریاض'' میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ عام شیعہ اسے معتزلی کہتے ہیں اور بعض خاص شیعوں نے بھی اس کی تصریح کی ہے:

((ولكن الشيخ حسن بن علی الطبرسی قد صرح فی اٰخر كتاب الاسرار الامامة بانه كان من حكماء الشيعة فان كثيرا من الناس يظنون انه معتزلی اقول يؤيد تشيّعه قول من قال انه كان معتزلی فانه كثيرا ما يغلطون بين الشيعی والمعتزلی لتوافق فی بعض الاصول))

''لیکن شیخ حسن بن علی طبرسی نے اپنی کتاب ''اسرار الامامہ'' کے آخر میں یہ تصریح کی ہے کہ راغب اصفہانی شیعہ حکماء میں سے تھا۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ وہ معتزلی ہے۔ میں کہتا ہوں اس کے تشیع کی تائید اس شخص کے قول سے ہوتی ہے جس نے کہا کہ وہ معتزلی تھا کیونکہ شیعیت اور اعتزال کے بعض اصول میں متفق ہونے کی وجہ سے دونوں کو باہم ملا دیا جاتا ہے۔ (یعنی کبھی اس کو شیعہ کہہ دیا جاتا ہے اور کبھی معتزلی)۔'' (اعیان الشیعہ ص ۱۶۰ ج ۶ تحت الراغب......)

اس کے بعد صاحب اعیان الشیعہ محسن الامین نے اس کی شیعیت پر چند مزید دلائل دیے۔ شیعہ عالم

شیخ عباس قمی لکھتے ہیں کہ:

''ایک ممتاز عالم مرزا عبداللہ، راغب اصفہانی کے متعلق لکھتے ہیں کہ اگرچہ اس کے معتزلی اور شیعہ ہونے میں اختلاف کیا گیا ہے لیکن شیخ حسن بن علی طبرسی نے اپنی کتاب اسرار الامامہ کے آخر میں واضح طور پر لکھا ہے کہ:

((انه ای الراغب کان من حکماء الشیعة الامامیة له مصنفات فائقة مثل مفردات فی غریب القران وافانین البلاغه والمحاضرات))

''راغب اصفہانی شیعہ امامیہ حکماء میں سے تھا۔ اس کی بلند پایہ تصنیفات میں سے مفردات فی غریب القرآن، افانین البلاغہ اور محاضرات ہیں۔'' (الکنی والالقاب ص ۲۶۸ ج ۲)

جس شخص کے تشیع کے متعلق خود شیعہ علماء اقرار کر رہے ہیں تو اس کی کتاب کو ''اہل سنت کی معتبر کتاب'' قرار دینا بدترین فریب دہی ہے۔

اس تفصیل سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر مذکورہ الزام سبائیوں، مجوسیوں، رافضیوں اور یہودیوں کا عائد کردہ ہے۔ جو سراسر بے بنیاد، لغو اور خلاف واقعہ ہے۔



تکملہ

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بسلسلہ ''دفاع عن الصحابہ'' زیر نظر کتاب ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ'' پایہ تکمیل کو پہنچ گئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک حمداً کثیراً۔

راقم نے اس کتاب میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر ناقدین، طاعنین اور معترضین کی طرف سے کیے گئے ۸۸ اعتراضات کے مسکت جوابات دے کر صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف بڑھتے ہوئے سیلاب کے آگے بند باندھنے کی ادنیٰ کوشش کی ہے تا کہ نہ کوئی اس دروازہ سے داخل ہو اور نہ وہ ''سقیفہ بنی ساعدہ'' تک پہنچ سکے۔

مشہور محدث ابوداود کے استاذ حضرت ربیع بن نافع ابوتوبہ حلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

((معاویة بن ابی سفیان ستر لاصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فاذا کشف الرجل الستر اجترٰی علی ما وراءه)) (تاریخ بغداد ص۲۰۹ ج۱، تاریخ ابن عساکر ص۷۴۷ ج۱۶، البدایہ والنہایہ ص۱۳۹ ج۸)

''معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے لیے ایک پردہ ہیں۔ جب کوئی شخص اس پردے کو کھول دے گا تو اس پردہ کے پیچھے جو لوگ ہیں ان پر بھی وہ جرأت کرے گا۔''

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دشمنانِ اسلام سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم پر طعن و تشنیع اور سب و شتم کے لیے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کو نشانہ بناتے ہیں۔ لہٰذا آں موصوف کے کامل دفاع میں ہی تمام صحابہ کا دفاع مضمر ہے۔

الحمد للہ! ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ'' مکمل ہو گیا ہے۔ باری تعالیٰ اس حقیر کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائے۔ غلطیوں اور خطاؤں کو معاف فرمائے۔ اس کتاب کو مخالفین، معاندین، ناقدین اور معترضین کی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ امت مسلمہ کو قبائلی تعصب اور خاندانی عناد سے محفوظ رکھے۔ ہم سب کو جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوء ظنی اور بدگمانی سے بچا کر حسن ظن نصیب فرمائے اور اس کتاب کو راقم آثم اور اس کے والدین کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے۔ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِیْقِیْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○ وَتُبْ عَلَیْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی ایم اے

خطیب مرکزی جامع مسجد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ چوک حویلیاں، ہزارہ

۱۶ صفر ۱۴۱۷ھ، الموافق ۳ جولائی ۱۹۹۶ء

نظر ثانی بر موقع طبع ثانی مع اضافات یکم ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ/ ۱۹ نومبر ۲۰۰۹ء

مآخذ، مصادر، مراجع

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ'' کی تالیف کے دوران میں حسب ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا ہے:

۱ قرآن مجید
۲ تفسیر قرطبی — امام ابوعبداللہ قرطبی مالکی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ)
۳ تفسیر ابن کثیر — اسماعیل بن عمر دمشقی رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ)
۴ صحیح بخاری — ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ (متوفی ۲۵۶ھ)
۵ صحیح مسلم — امام مسلم بن حجاج نیشاپوری رحمہ اللہ (متوفی ۲۶۱ھ)
۶ جامع ترمذی — ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ (متوفی ۲۷۹ھ)
۷ سنن ابی داود — ابوداود سلیمان بن الاشعث سجستانی رحمہ اللہ (متوفی ۲۷۵ھ)
۸ سنن نسائی — ابوعبدالرحمٰن بن شعیب بن علی النسائی رحمہ اللہ (متوفی ۳۰۳ھ)
۹ مسند احمد بن حنبل — امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (متوفی ۲۴۱ھ)
۱۰ مصنف عبدالرزاق
۱۱ مصنف ابن ابی شیبہ
۱۲ السنن الکبریٰ — امام بیہقی رحمہ اللہ
۱۳ اعلاء السنن — مولانا ظفر احمد عثمانی
۱۴ معارف السنن — مولانا محمد یوسف بنوری
۱۵ فتح الباری — حافظ ابن حجر عسقلانی
۱۶ لسان المیزان — حافظ ابن حجر عسقلانی
۱۷ تہذیب التہذیب — حافظ ابن حجر عسقلانی
۱۸ میزان الاعتدال — امام ذہبی
۱۹ طبقات ابن سعد — علامہ ابن سعد
۲۰ الاستیعاب — علامہ ابن عبدالبر
۲۱ اسد الغابہ — علامہ ابن اثیر جزری
۲۲ الاصابہ — علامہ ابن حجر عسقلانی

۲۳ منہاج السنۃ	امام ابن تیمیہ
۲۴ النبراس شرح لشرح العقائد	علامہ عبدالعزیز فرہاروی
۲۵ اخبار الطوال	ابو حنیفہ دینوری
۲۶ تاریخ یعقوبی	احمد بن ابی یعقوب
۲۷ تاریخ طبری	ابن جریر طبری
۲۸ تاریخ مسعودی	ابوالحسن بن حسین بن علی المسعودی
۲۹ تاریخ ابن خلدون	علامہ عبدالرحمٰن بن خلدون
۳۰ البدایہ والنہایہ	امام ابن کثیر
۳۱ تاریخ اسلام	امام ذہبی
۳۲ المنتقیٰ	امام ذہبی
۳۳ تاریخ الخلفاء	علامہ جلال الدین سیوطی
۳۴ تاریخ زوال ملت اسلامیہ	اکبر شاہ نجیب آبادی
۳۵ تاریخ اسلام	اکبر شاہ نجیب آبادی
۳۶ تاریخ اسلام	شاہ معین الدین ندوی
۳۷ سیر الصحابہ	شاہ معین الدین ندوی
۳۸ سیرت ابن ہشام	ابو محمد عبدالملک بن ہشام
۳۹ سیرت النبی	سید سلیمان ندوی
۴۰ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
۴۱ مکتوبات	امام ربانی مجدد الف ثانی
۴۲ العواصم من القواصم	قاضی ابوبکر ابن العربی
۴۳ تطہیر الجنان	علامہ ابن حجر ہیتمی
۴۴ الناہیہ	علامہ عبدالعزیز پرہاروی
۴۵ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، شخصیت اور کردار	حکیم محمود احمد ظفر
۴۶ سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ	مولانا محمد نافع
۴۷ عادلانہ دفاع	سید نور الحسن بخاری
۴۸ سبائی فتنہ حصہ اول	مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی

۴۹ خلافت وملوکیت	سید ابوالاعلیٰ مودودی
۵۰ خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا علمی تجزیہ	ملک غلام علی
۵۱ عبقات	علامہ خالد محمود
۵۲ سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ	مولانا محمد نافع
۵۳ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ	مفتی احمد یار خان نعیمی
۵۴ براءۃ عثمان رضی اللہ عنہ	مولانا ظفر احمد عثمانی
۵۵ تحفہ جعفریہ	مولانا محمد علی
۵۶ دشمنان امیر معاویہ کا علمی محاسبہ	مولانا محمد علی
۵۷ میزان الکتب	مولانا محمد علی
۵۸ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق	مولانا محمد تقی عثمانی
۵۹ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ شخصیت و کردار	حکیم محمود احمد ظفر
۶۰ امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ	حکیم عبدالرحمٰن خلیق
۶۱ اظہار حقیقت	مولانا محمد اسحٰق سندیلوی
۶۲ خلافت وملوکیت کی تاریخی وشرعی حیثیت	حافظ صلاح الدین یوسف۔
۶۳ تاریخ نواصب جلد اول	عبدالقیوم علوی
۶۴ سیاست معاویہ	سید مہر حسین بخاری
۶۵ الاجابۃ الکافیہ فی رد دفاع معاویہ	سید مہر حسین بخاری
۶۶ استخلاف یزید	سید لعل شاہ بخاری
۶۷ خصائل معاویہ	غلام حسین نجفی
۶۸ کردار یزید	غلام حسین نجفی
۶۹ سیاست معاویہ و یزید	منظور حسین بخاری سرگودھا
۷۰ امامت وملوکیت	علامہ حسین بخش جاڑا
۷۱ حضرت امیر معاویہ	سید محمد ذوالقرنین زیدی
۷۲ خلافت وامامت	حق برادرز انارکلی لاہور

○.....○.....○

اہل بیت رسول ﷺ کون؟

ناشر: قاضی چن پیر الہاشمی اکیڈمی، مرکزی جامع مسجد حویلیاں

حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب علویؒ سابق ایڈیٹر ہفت روزہ خدام الدین لاہور لکھتے ہیں:

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی صاحب نے آل کی لغوی تشریح کے بعد آل کی اقسام کو اجاگر کیا ہے۔ جس میں مذہبی، نسبی، مجازی اور حقیقی وغیرہ کی تفصیلات مندرج کر کے ہر ہر قسم کے لیے متعدد حوالے اور دلائل سپرد قلم کیے ہیں۔ اس بحث میں انھوں نے حضور ختمی مرتبت ﷺ کے آبائے کرام، ازواج مطہرات، اولاد...... اولاد کی اولاد اور ان بہت سے حضرات وخواتین کا تذکرہ کیا ہے جن کا تذکرہ ناگزیر تھا۔ پھر انھوں نے اپنے قلم کا رخ اہل بیت کی طرف موڑا ہے اور بڑی معرکہ آراء بحثیں کی ہیں۔

بتلایا ہے کہ یہ لفظ واصطلاح قرآن میں، حدیث میں اور اہل تشیع کے یہاں کیسے استعمال ہوئی...... انھوں نے آیت تطہیر میں واقع مذکر کی ضمیر پر تفصیلی بحث کر کے بتلایا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟

مؤلف علام نے اس ''حدیث کساء'' کا بھی تفصیلی ذکر کیا ہے جس کی بنیاد پر یاران طریقت نے حقیقی اہل بیت کو اہل بیت سے خارج کر کے ایک نیا تصور پروان چڑھایا۔

جناب مؤلف نے ان تمام موضوعات پر بڑی تفصیل سے قلم اٹھایا، ڈوب کر لکھا اور حقائق کو الم نشرح کیا...... کتاب کا ایک بہت اہم حصہ وہ بحث ہے جس کا تعلق جناب ابو طالب کے ایمان سے ہے......

واقعہ یہ ہے کہ حضرت مخدوم مولانا قاضی چن پیر الہاشمی نور اللہ تعالیٰ مرقدہ وبرد اللہ مضجعہٗ کے سعادت مند، باصلاحیت اور ذی علم فرزند برادر گرامی ومحبّ مکرم قاضی محمد طاہر الہاشمی نے اس تحریر کے ذریعے سے بہت سی گرہیں کھولی ہیں اور اساطین ملت نے جو جواہر ریزے بکھیرے ہیں انھیں بہت خوبصورتی کے ساتھ ایک ہار میں پرو دیا ہے۔ اس سے اہل اسلام کے قلب وروح مزید بالیدگی حاصل کریں گے اور اس کی خوشبو چاردانگ عالم میں پھیلے گی۔

ماہنامہ نقیب ختم نبوت کا تبصرہ

آج جب کہ تاریخ، علم اور تحقیق سے انصاف کرنے والے لوگوں کا دور گویا لد چکا ہے اور پروپیگنڈہ کی چمک کا شکار ہونے والے خیرہ چشموں کی تعداد روز افزوں ہے، کوئی کتاب محنت، لگن، اخلاص اور دیانت سے لکھی جائے تو یہ غنیمت نہیں بسا غنیمت ہے۔ اور ایسی کتاب کہیں دکھائی دے جائے بلکہ ''نظر نواز'' ہو تو یوں لگتا ہے جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آجائے...... ہاشمی صاحب نے روانی، سلاست اور متانت کے ساتھ پوری کتاب میں حقائق کو الم نشرح کیا ہے۔ انھوں نے تفسیر، حدیث، سیرت، لغت، عقائد واسماء الرجال، فقہ اور سیر الصحابہؓ کے حوالہ سے تقریباً ایک سو کتب کھنگالنے کے بعد قلم اٹھایا تو ایک ایک ابہام کو ختم کرتے، اشکال کو رفع کرتے، الجھن کو سلجھاتے اور اپنے موقف کو محکم کرتے چلے گئے۔ ان کا طرز فکر، طرز تحقیق، طرز استدلال اور طرز تحریر...... سبھی راستی اور راست روی سے عبارت ہیں۔ نتیجتاً انھیں سبائیوں کی تلبیسات، بریلویوں کے تضادات اور دیوبندیوں کے تسامحات پر گرفت کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ اصلاح عقائد بہت نازک مگر اہم کام ہے اور یہ بات باعث مسرت ہی نہیں قابل

رشک بھی ہے کہ ہمارے ممدوح مؤلف نے اہل بیت رسول جیسے اہم عنوان پر اصول وعقائد کی بنیاد پر جو گفتگو کی ہے، اس میں مسلمات اور مسلمہ تصریحات کو کمال عمدگی سے بے غبار کیا ہے۔

یہ کتاب ہر اعتبار سے یادگار ہے اور ہر لحاظ سے شاہکار! (ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان دسمبر ۱۹۹۴ء ص ۵۵-۵۶)

حضرت علامہ عطاء اللہ بندیالوی صاحب امیر تحریک دفاع صحابہؓ پاکستان ماہنامہ ''تعلیم القرآن'' میں لکھتے ہیں:

زیر تبصرہ کتاب کے لائق ترین مصنف، عظیم باپ کے بہادر اور صاف گو فرزند ہیں...... ان کی جرأت و بے باکی، حق گوئی وصداقت پرستی اور قلم کی شرافت کو دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ صاحب فکر ونظر والد نے اپنے بیٹے کی صحیح خطوط پر تربیت کی ہے۔

مثبت موضوعات پر قلم اٹھانا اور فضائل و مناقب پر مشتمل کتب تحریر کرنا چنداں مشکل نہیں مگر جن مسائل کو صدیوں سے الجھا دیا گیا ہو اور ان پر تاریخ کی تاریکیاں چھا گئی ہوں...... اور جو مسائل و موضوعات رافضیت کے زنگ سے آلودہ ہو کر اہل سنت کے گھروں کی زینت بن گئے ہوں...... اور جو مسائل رافضیت و یہودیت کے ٹکسال سے نکل کر اہل سنت کے ہاں مشرف باسلام ہو چکے ہوں...... ان مسائل و موضوعات پر قلم اٹھانا اور ان پر پڑے دبیز پردوں کو ایک ایک کر کے سرکانا اور رافضیت و یہودیت کے بدنما چہروں پر پڑے نقاب نوچ لینا...... اور ان کے مکروہ اور گھناؤنے چہرے بے نقاب کرنا...... یہ کام اتنا آسان اور سہل نہیں جو ہر کہ و مہ انجام دے سکے۔ بلکہ اس مشکل ترین کام کے لیے بڑے دل گردے کی ضرورت ہے اور اس کے لیے جرأت رندانہ درکار ہے جو اللہ تعالیٰ نے پروفیسر صاحب کو وافر مقدار میں عطا کی ہے۔

زیر تبصرہ کتاب میں انھوں نے تحقیق وجستجو کا حق ادا کرتے ہوئے لفظ آل اور آل کی اقسام (مثلاً آل مذہبی، آل نسبی، آل مجازی اور آل حقیقی) بیان کی ہیں اور قرآن وحدیث اور عقل ونقل سے ثابت کیا ہے کہ آل حقیقی صرف اور صرف ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی ہیں۔

پھر اہل بیت اور لفظ اہل کی لغوی تشریح، اہل بیت کا مفہوم اور ''اہل بیت کا مصداق کون؟'' کے عنوان سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے...... حدیث کساء پنج تن کا اطلاق اور اصطلاح آیت تطہیر کا صحیح مفہوم، عترت رسول کی بحث اور مناقب اہل بیت یعنی ازواج مطہرات پر کھل کر گفتگو کی ہے۔

آل نبی کی تشریح میں ابو طالب (عبد مناف) کا تعارف کرواتے ہوئے فاضل مصنف نے ایمان ابو طالب کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے اپنے علاقہ کے سنی نما رافضی محمود شاہ محدث ہزاروی اور ہمارے علاقہ کے ایک گدی نشین (جو خیر سے شرعی عدالت کے جج بھی ہیں) پیر کرم شاہ کی خوب خبر لی ہے۔

ہمیں تعجب ہے کہ جس شخص نے اپنے دروازے سے میرے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو روتے ہوئے اٹھا دیا اور ان کی بات تسلیم نہ کی اس کو حضرت ابو طالب علیہ السلام کہنے پر اصرار کیا جاتا ہے اور جس شخص کے گھر کو رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دار امن قرار دیا تھا اور جس شخص کی دونوں آنکھیں راہِ خدا میں شہید ہو گئیں اس حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کا نام تحریر کرتے ہوئے ''رض'' کا نشان دیتے ہوئے ان کے قلم کو تکلیف ہوتی ہے اور ان رفض زدہ عقائد کی ''بلا اجرت'' یا ''با

اجرت'' وکالت کرنے کے بعد بھی ان کا اصرار ہے کہ ان کو سکہ بند اہل سنت مانا جائے...... انا للہ وانا الیہ راجعون

اگر رافضیت کے یہ ایجنٹ اہل سنت ہیں تو خدا معلوم رافضیت کس کا نام ہے؟ اگر اصحاب رسول پر لاشعوری تبرا کرنا، پنج تن کی اصطلاح استعمال کرنا، صرف اولاد علیؓ کو آل رسولؐ اور اہل بیت رسولؐ سمجھنا، ابو طالب کو مومن ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگانا، ابوسفیانؓ اور خاندان ابوسفیانؓ سے بغض رکھنا، محرم کا چاند طلوع ہوتے ہی سوگ منانا اور شادیاں نہ کرنا، حضرت جعفرؒ کے کونڈے بھرنا اور دسویں محرم کو سبیلیں لگا کر اصحاب رسولؐ پر تبرا کرنے والوں کو ٹھنڈے پانی پلانا، اگر یہی اہل سنت کا شعار ہے تو خدا معلوم کہ شیعیت کس جانور کا نام ہے؟ فیا حسرتا!

فاضل مصنف پروفیسر قاضی محمد طاہر علی تمام اہل سنت کی طرف سے لائق مبارک باد ہیں کہ انھوں نے ایک اہم اور پیچیدہ موضوع پر اہل سنت کے علماء اور عوام کو مفید مواد مہیا کیا ہے۔

ہم علمائے کرام اور طلبہ کو خصوصاً اور عوام الناس کو عموماً سفارش کریں گے کہ وہ پہلی فرصت میں اس کتاب کا مطالعہ فرما کر اپنے علم میں اضافہ کریں۔ (ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی، جون ۱۹۹۵ء ص ۴۵-۴۷)

حدیث حوأب کا مصداق کون؟

تبصرہ: سید ذوالکفل بخاریؒ

تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، ادب، فلسفہ اور تصوف کے عظیم الشان اسلامی سرمائے کو زر کم عیار میں بدلنے کے لیے اس میں (مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم و مغفور کے الفاظ میں) جتنے بھی فتنے چور دروازے سے داخل کیے گئے، وہ سب رافضیوں اور سبائیوں کی دسیسہ کاریوں کے سبب سے تھے اور ان کا مقصد ہر ایک چشمہ صافی کو جوہڑ بنانا تھا۔ شرار بولہبی کی اس ستیزہ کاری سے چراغ مصطفویؐ کو شاید کبھی فراغ ممکن نہ ہو لیکن دین و دانش، علم و فہم اور تحقیق و تفکر کے مقابل، تلبیس و تدلیس اور تحریف و تخریب کی صناعی ہمیشہ جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہی ثابت ہوئی ہے۔

تلبیس و تدلیس اور تحریف و تخریب کی بات آ ہی گئی ہے تو کیوں نہ اسے ایک دو مثالوں سے واضح بھی کر دیں۔ علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ اپنی معرکہ آراء کتاب ''سیرت عائشہ'' (رضی اللہ عنہا) میں لکھتے ہیں...... ''امام حسن رضی اللہ عنہ نے ۴۹ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما مدفون ہیں۔ ایک گوشہ میں ایک قبر کی جگہ اور باقی تھی۔ امام حسن رضی اللہ عنہ نے بھائی سے وصیت کی تھی کہ میری لاش اسی خالی جگہ میں دفن کی جائے اور اگر اس میں (کوئی) مزاحم ہو تو جنگ و جدال کی ضرورت نہیں۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے جب وصیت کی تعمیل کرنی چاہی تو مروان بن حکم نے مخالفت کی، کہ جب یہاں عثمانؓ کو باغیوں نے دفن نہ ہونے دیا تو کسی اور کو بھی اجازت نہیں ہو سکتی۔ ادھر امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ بنو ہاشم اور ادھر مروان کی معیت میں بنو امیہ ہتھیاروں سے آراستہ ہو کر باہر نکلے۔ قریب تھا کہ ایک خوں ریز جنگ شروع ہو، کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آ کر بیچ بچاؤ کیا۔ مروان سے کہا کہ نواسہ اگر اپنے نانا کے پہلو میں دفن ہوتا ہے تو تم کو اس میں دخل دینے کا کیا حق ہے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ امام مرحوم کی یہ بھی تو وصیت تھی کہ اگر مزاحمت ہو تو جنگ و جدال سے پرہیز کیا جائے۔ الغرض جنازہ جنت البقیع میں لایا گیا اور یہیں حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے پہلو میں

دفن کیا گیا۔ (ص۱۵۰-۱۵۱)

اسی کتاب میں آگے چل کر سید صاحب رحمہ اللہ، حضرت عائشہ (سلام اللہ و رضوانہ علیہا) کی وفات کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں...... ''مرض الموت میں وصیت کی کہ اس حجرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجھے دفن نہ کرنا۔ میں نے ایک جرم کیا ہے۔ مجھے دیگر ازواج مطہرات کے ساتھ جنت البقیع میں دفن کرنا، اور رات ہی کو دفن کر دی جاؤں، صبح کا انتظار نہ کیا جائے۔ کسی نے عرض کیا کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وغیرہ کے ساتھ دفن ہوتیں تو بہتر تھا۔ فرمایا: اگر ایسا ہو تو پچھلا عمل جاتا رہے اور نیا شروع کروں۔ ۵۸ھ تھا اور رمضان کی سترہ (۱۷) تاریخ مطابق ۱۳ جون ۶۷۸ء تھی، کہ نماز وتر کے بعد شب کے وقت وفات پائی۔ ماتم کا شور سن کر انصار اپنے گھروں سے نکل آئے۔ جنازہ میں اتنا ہجوم تھا کہ لوگوں کا بیان ہے کہ رات کے وقت اتنا مجمع کبھی نہیں دیکھا گیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ عورتوں کا ازدحام دیکھ کر روز عید کا دھوکا ہوتا تھا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نوحہ اور ماتم سن کر بولیں: عائشہ کے لیے جنت واجب ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پیاری بیوی تھیں۔ یہ حاکم کی روایت ہے...... مسروق تابعی بیان کرتے ہیں کہ اگر ایک بات کا مجھ کو خیال نہ ہوتا تو ام المومنین کے لیے میں ماتم کا حلقہ قائم کرتا۔'' (ص۱۵۴-۱۵۵)

سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور سیدہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا حال آپ نے سید صاحب رحمہ اللہ کی زبانی پڑھ لیا۔ اب ایک حدیث نبوی بھی پڑھ لیجیے...... ''ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے ساتھ حجرۂ مبارک میں دفن ہونے کی اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وانی لی بذالك؟ من موضع ما فیه الا موضع قبری و قبر ابی بکر و عمر و عیسٰی بن مریم)) (کنز العمال ج ۷ ص ۲۲۸)

''بھلا میرے پاس کسی کو اس جگہ دفن ہونے کی اجازت دینے کی گنجائش کہاں ہو سکتی ہے کہ جہاں صرف میرے مزار، اور ابوبکر و عمر اور عیسیٰ بن مریم کی قبروں کے لیے جگہ مخصوص ہو چکی ہے۔''

اب فرمائیے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا میں تدفین کی وصیت کرنا، سیدنا مروان رضی اللہ عنہ (گورنر مدینہ) کا مزاحم ہونا، بنی ہاشم اور بنی امیہ کے مسلح تصادم کے خطرہ کا پیدا ہو جانا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا حضرت مروان رضی اللہ عنہ کو فہمائش کرنا اور بالآخر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا بے بسی کے عالم میں جنت البقیع میں دفن کیا جانا...... ایک افسانہ ہے کہ نہیں، جو بجا طور پر تلبیس و تدلیس اور تحریف و تخریب کا شاہکار ہے۔

سید صاحب رحمہ اللہ کے بقول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''میں نے ایک جرم کیا ہے۔ مجھے حجرۂ مبارکہ میں دفن نہ کرنا۔'' آپ ہی کہیے کہ حدیث کا اعتبار کیا جائے یا سید صاحب رحمہ اللہ کے راوی کا؟ غور سے دیکھیے، یہ راوی پہلے تو ام المومنین پر نہایت دیدہ دلیری سے ناکردہ جرم کی تہمت لگاتا اور بہتان باندھتا ہے اور پھر بہت سوگوار فضا پیدا کر کے، ان کی وفات پر ''نوحہ'' اور ''ماتم'' کا عمل بھی ثابت کرتا ہے۔ پھر اسی عمل سے ایک تابعی بزرگ کو متہم کرتا ہے۔

جی فرمائیے! کچھ آیا خیال شریف میں؟ ماتم تو ہمیں کرنا چاہیے، لیکن کس کا؟ اب اور سنیے: مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ (جانشین مفتی اعظم پاکستان، مہتمم دارالعلوم کراچی) اپنی کتاب ''عورت کی سربراہی کی شرعی حیثیت'' (مطبوعہ ۱۹۹۴ء) میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں لکھتے ہیں: ''شروع میں آپ کی خواہش تھی کہ آپ کو خود اپنے گھر

میں، سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ دفن کیا جائے، لیکن بعد میں فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد ایک بدعت کا ارتکاب کیا ہے۔ اب مجھے دوسری ازواج مطہرات کے ساتھ دفن کرنا۔'' اس ندامت کی بنا پر روضہ رسول ﷺ میں تدفین کو بھی پسند نہیں فرمایا۔'' (ص۶۳، ۶۴) سوال یہ ہے کہ وہ ''جرم'' اور وہ ''بدعت'' ہے کیا؟ وہ ہے جنگ جمل میں شرکت اور قصاص عثمان کا مطالبہ! یقیناً قاتلین عثمان، ان کے اعوان وانصار اور ان کی روحانی ومعنوی اولاد یہ جرم کبھی معاف نہ کرے گی۔ لیکن علماء اور فضلاء کو کیا ہو گیا ہے؟

ع کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا!

اس ''جرم'' کی سنگینی میں اضافہ کرنے اور اس میں واقعیت کا رنگ بھرنے کے لیے ایک قصہ یہ گھڑا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بار فرمایا تھا: ''تم میں سے ایک کی کیا حالت ہو گی جب کہ اس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے۔'' چنانچہ قصاص عثمان کے مطالبے کے لیے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ سے بصرہ روانہ ہوئیں تو راستے میں حوأب کے مقام پر کتے بھونکے۔ ام المومنین کو حدیث رسول ﷺ یاد تھی، اس لیے رونے لگیں اور عمر بھر اس عمل پر نادم رہیں۔ یہی قصہ مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب نے اپنی کتاب میں دہرا دیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

محترم پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی نے اسی حوأب کے قصے کی حقیقت واضح کرنے کے لیے یہ کتاب لکھی ہے۔ ان کی جرح شاندار، ان کے دلائل زوردار، ان کی محنت قابل دید اور ان کا اسلوب قابل داد ہے۔ صاف سادہ، رواں دواں، شستہ ورفتہ اور شائستہ و پختہ زبان و بیان، جس میں کوئی اینچ پینچ، کوئی الجھاؤ نہیں۔ حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں سبائیوں اور رافضیوں کی دسیسہ کاریوں کا جو منظر، ہاشمی صاحب دکھاتے ہیں وہ بہت ہوشربا اور بہت پریشان کن ہے۔ لیکن اس سے بھی بڑھ کر اضطراب انگیز اور قابل افسوس وہ بے خبری اور بے توجہی ہے جو علماء، فقہاء، محدثین، مورخین اور متکلمین کہلانے والے متاخرین اور معاصرین کو لاحق ہے۔ ہاشمی صاحب نے سیدنا عمرو بن العاص، سیدنا خالد بن ولید اور سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہم کی شان میں بعض اکابر علماء اور چند اجل فضلاء کی ایسی ایسی گستاخیوں کی نشان دہی کی ہے جن کا ارتکاب یقیناً شرمناک اور جن کا انجام لازماً ہولناک ہے۔

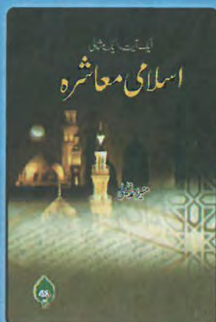
ہاشمی صاحب خوش قسمت ہیں کہ اللہ پاک ان سے دین کی یہ عظیم الشان اور جلیل القدر خدمت لے رہے ہیں۔ یہ کتاب ضرور پڑھی جانی چاہیے۔ بلکہ ہاشمی صاحب کی تو سب کتابیں پڑھی جانی چاہییں۔ کاش اہل سنت و الجماعت کہلانے والے حاملان دین متین اور حامیان شرع مبین اس طرف متوجہ ہوں۔ کاش ''حجۃ الاسلام'' کے سب ماننے والے حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو چنگیز اور ہلاکو جیسی ملوکیت کہنے سے توبہ کر لیں۔ کاش ''شیخ الکل فی الکل'' کے سب ماننے والے ان کے اس فتوے کے خفی وجلی اثرات سے پناہ مانگیں کہ ''ایک ہی عبارت میں معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام آئے تو معاویہ کے نام کے ساتھ حضرت نہ لکھا جائے۔'' کاش! ''اعلیٰ حضرت'' کے ماننے والے انھی کے فرمان وفتویٰ پر، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد مان لیں۔ کاش ایسا ہو جائے ورنہ حوأب کے کتے بھونکتے رہیں گے۔ ایک حوأب کیا، عجم کے سب کتے بھونکتے رہیں گے۔

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی کی علمی وتحقیقی کتب

نام کتاب	صفحات
① اصلاح معاشرہ	۹۶
② تحقیق نکاح سیدہ	۱۴۴
③ اہل بیت رسول کون؟ طبع جدید مع اضافات	۴۵۰
④ فرقہ مسعودیہ؛ نام نہاد جماعت المسلمین کا علمی محاسبہ	۲۴۰
⑤ تعارف سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ	۹۶
⑥ تذکرہ خلیفہ راشد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ	۴۸۸
⑦ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ	۵۷۶
⑧ حدیث حوأب کا مصداق کون؟	۱۴۴
⑨ شیعیت......تاریخ وافکار	۸۲۴
⑩ حدیث کلاب حوأب کا تاریخی، تحقیقی اور علمی محاکمہ	۶۰۸
⑪ سرگزشت ہاشمی (سوانح قاضی چن پیر الہاشمی)	۳۴۴
⑫ حج مبرور	۴۴۸
⑬ سقوط جامعہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا	۹۰۸ (مع تصاویر)
⑭ عمر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا	(زیرِ طبع)
⑮ عقیدۂ امامت اور خلافت راشدہ	(زیرِ طبع)

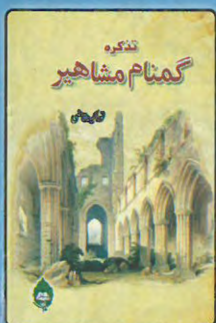
ادارہ کی دیگر شاہکار کتب

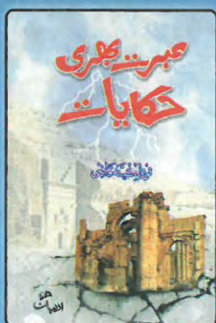
























ادبیات
رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور
فون:042-37361408, 042-37232788